جلدِ پنجم

لِلشیخ عبدالرحمٰن بن أبی بکر جلال الدین السیوطی م ۹۱۱ھ

شارح

حضرت مولانا محمد جمال بلندشہری

اُستاذ دارالعلوم دیوبند

زمزم پبلشرز

جدید اور نظرثانی شدہ ایڈیشن

جمالین

فی شرح

جلالین

لِلشیخ عبدالرحمٰن بن أبی بکر جلال الدین السیوطی م-۹۱۱ھ

شارح

حضرت مولانا محمد جمال بلند شہری

اُستاذ دارالعُلوم دیوبند

ناشر

زمزم پبلشرز

نزد مُقدس مسجد، اُردو بازار، کراچی

از

حضرت مولانا محمد جمال بلند شہری

کتاب کا نام ــــــ جمالین فی شرح جلالین جلد پنجم

تاریخ اشاعت ــــــ نومبر ۲۰۱۱ء

باہتمام ــــــ احباب زمزم پبلشرز

ناشر ــــــ زمزم پبلشرز کراچی

صفحات ــــــ ۶۰۰

شاہ زیب سینٹر نزد مقدس مسجد، اُردو بازار کراچی

فون: 021-32729089

فیکس: 021-32725673

ای میل: zamzam01@cyber.net.pk

ویب سائٹ: www.zamzampublishers.com

ملنے کے دیگر پتے

- مکتبہ بیت العلم، اردو بازار کراچی۔ فون: 32726509
- مکتبہ دار الہدیٰ، اردو بازار کراچی۔ فون: 32711814
- دار الاشاعت، اُردو بازار کراچی
- قدیمی کتب خانہ بالمقابل آرام باغ کراچی
- مکتبہ رحمانیہ، اُردو بازار لاہور

- **Madrasah Arabia Islamia**
  1 Azaad Avenue P.O Box 9786,
  Azaadville 1750 South Africa
  Tel : 00(27)114132786
- **Azhar Academy Ltd.**
  54-68 Little Ilford Lane
  Manor Park London E12 5QA
  Phone: 020-8911-9797
- **Islamic Book Centre**
  119-121 Halliwell Road, Bolton Bl1 3NE
  U.K
  Tel/Fax : 01204-389080
- **Al Farooq International**
  68, Asfordby Street Leicester LE5-3QG
  Tel : 0044-116-2537640

MAULANA MOHD. JAMAL QASMI
(PROF.)

DARUL ULOOM DEOBAND
DISTT. SAHARANPUR (U.P) INDIA
PIN 247554 PHONE. 01338-224147
Mob. 9412848280

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جمالین شرح اردو جلالین کے حقوق اشاعت وطباعت باہمی ایک معاہدہ کے تحت پاکستان میں مولانا محمد رفیق بن عبد المجید مالک زمزم پبلشر کراچی کو دیدیئے گئے ہیں، لہذا پاکستان میں کوئی شخص یا ادارہ جمالین کے کل یا جزء کی اشاعت وطباعت کا مجاز نہ ہوگا بصورت دیگر ادارہ زمزم کو قانونی چارہ جوئی کا اختیار رہے گا

محمد جمال غفرلہ
استاذ دارالعلوم دیوبند الہند
۱۸ دسمبر سنہ ۲۰۰۳ء ، ۱۱ر سنہ ۱۴۲۵ھ

عرضِ ناشر

الحمد اللّٰہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفٰی۔۔۔

امابعد! اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو پیدا فرما کر اس کی تمام ضروریات کی کفالت فرمائی اور بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے انسانیت کے نام اپنا پیغام مختلف انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ بھیجا تا کہ انسان اس کی رہنمائی میں چل کر دنیا و آخرت کی فلاح و بہبود کو حاصل کر سکے۔ تاریخ شاہد ہے کہ امتِ محمدیہ علی صاحبہا التحیۃ والسلام سے پہلی امتوں سے کتاب ہدایت کی حفاظت نہ ہو سکی جس کے نتیجہ میں وہ نسخۂ اصلی سے محروم ہو گئے اور سیدھی راہ بتانے والا ہدایت نامہ جب نہ رہا تو اندھیروں میں بھٹکتے ہی چلے گئے۔ لیکن رسول اکرم ﷺ کی امت کو دی جانے والی کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری خود خالق السمٰوٰت والارض نے اٹھائی اور کھلے عام اعلان کر دیا ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ اس کتابِ زندہ کی حفاظت اللہ پاک نے ہر طرح اور ہر طبقہ کے ذریعہ کرائی، قرآن مجید کی جملہ تفاسیر اسی سلسلہ کی کڑی ہیں۔

زیرِ نظر ''تفسیر جمالین اردو'' جلالین شریف عربی کی اردو شرح ہے، یوں تو تفسیر جلالین کی بہت سی شروحات عربی اور اردو میں لکھی گئی ہیں، لیکن ''ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است'' حضرت مولانا محمد جمال سیفی صاحب دامت برکاتہم العالیہ استاذ دارالعلوم دیوبند نے نہایت عمدہ اور آسان سلیس زبان میں ہر ہر مقام پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اللہ پاک امت مسلمہ کی طرف سے حضرت مصنف صاحب کو جزائے خیر عطاء فرمائے۔ آمین ثم آمین

زمزم پبلشرز نے پوری تفسیر کو نئی آب و تاب کے ساتھ زیورِ طباعت سے آراستہ کیا جو کہ آپ کے ہاتھوں میں ہے، زمزم پبلشرز نے اس تفسیر میں مندرجہ ذیل قابل قدر کام کیے:

1 ملک کے معروف خطاط ''حافظ عبدالرؤف صاحب'' زید مجدہ سے قرآن کریم کتابت کروایا۔
2 پروف ریڈنگ پر زر کثیر اور محنت شاقہ خرچ کی۔
3 عمدہ کاغذ پر ٦ جلدوں میں چھاپا۔
4 قرآن کریم کی آیات اور جلالین کی عبارت کو ممتاز کیا تا کہ پڑھنے میں سہولت ہو۔

فہرست مضامین جلد پنجم

عناوین	صفحہ نمبر

سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْتِ

سُوْرَةُ الرُّوْمِ

سُوْرَةُ لُقْمَانَ

سُوْرَةُ السَّجْدَةِ

سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ

فہرست مضامین

سُوْرَةُ السَّبَأ

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّسِتُّوْنَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ العَنْكَبُوْتِ مَكِّيَّةٌ وهِيَ تِسْعٌ وسِتُّوْنَ اٰيَةً.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ الٓمّٓ ۝ اللّٰه اعلمُ بِمُرَادِهِ بِه اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اى بقولهم اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝ يُخْتَبَرُوْنَ بما يَتَبَيَّنُ به حقيقةُ ايمانِهم نَزَلَ فى جَمَاعةٍ اٰمَنُوا فَاٰذَاهُمُ المُشْرِكُوْنَ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا فِى ايمانِهم عِلْمَ مُشَاهَدَةٍ وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۝ فيه اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ الشِّرْكَ والمَعَاصِى اَنْ يَّسْبِقُوْنَا يَفُوْتُوْنَا فَلَا نَنْتَقِمُ منهم سَآءَ بِئْسَ مَا الَّذِى يَحْكُمُوْنَ ۝ حُكْمُهم هٰذا مَنْ كَانَ يَرْجُوْا يَخَافُ لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ به لَاٰتٍ فَلْيَسْتَعِدَّ لَهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ لِاَقْوَالِ العِبَادِ الْعَلِيْمُ ۝ بِاَفْعَالِهم وَمَنْ جَاهَدَ جِهَادَ حَرْبٍ او نفسٍ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ لِاَنَّ مَنْفَعَةَ جِهَادِهِ لَه لَا لِلّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الانسِ والجِنِّ والملائكةِ وعَنْ عِبَادَتِهم وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ بِعَمَلِ الصَّالِحَاتِ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ بمعنى حَسَنٍ ونَصْبُه بِنَزْعِ الخافِضِ الباءِ الَّذِىْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وهو الصَّالِحَاتُ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا اى اِيْصَاءً ذَا حُسْنٍ بِاَنْ يَبَرَّهُمَا وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِىْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ بِاِشْرَاكِه عِلْمٌ مُوَافَقَةً لِلْوَاقِعِ فلا مَفْهُوْمَ لَهُ فَلَا تُطِعْهُمَا فى الاِشْرَاكِ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ فَاُجَازِيْكُمْ به وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِى الصّٰلِحِيْنَ ۝ الانبياءِ وَالاَولياءِ بِاَنْ نَحْشُرَهُمْ مَعَهُمْ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِىَ فِى اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ اى اَذَاهُمْ لَهُ كَعَذَابِ اللّٰهِ فى الخَوْفِ منه فيُطِيْعُهُمْ فيُنَافِقُ وَلَئِنْ لامُ قَسَمٍ جَآءَ نَصْرٌ لِلمؤمنين مِّنْ رَّبِّكَ فَغَنِمُوْا لَيَقُوْلُنَّ حُذِفَ منه نونُ الرَّفْعِ لِتَوَالِى النُّونَاتِ والواو ضميرُ الجمعِ لِالْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ فى الايمانِ فَاَشْرِكُوْنَا فى الغَنِيْمَةِ قال اللّٰهُ تعالىٰ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ اى بعالمٍ بِمَا فِىْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ فى قُلُوْبِهم من الايمانِ والنفاقِ بَلىٰ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِقُلُوْبِهم وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ۝ فيُجَازِى الفَرِيْقَيْنِ واللامُ فى الفِعْلَيْنِ لامُ قَسَمٍ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا طَرِيْقَنَا فِى دِيْنِنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ فى

اِتِّبَاعِنَا اِنْ کَانَتْ والامرُ بمعنی الخبرِ قال تعالیٰ ﴿وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ فی ذٰلک ﴿وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ﴾ اَوْزَارَہُمْ ﴿وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ﴾ بِقَوْلِہِمْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ اِتَّبِعُوْا سَبِیْلَنَا واِضْلَالِہِمْ مُقَلِّدِیْہِم ﴿وَلَيُسْـَٔــلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴾ یَکْذِبُوْنَ علی اللّٰہِ سُوالَ تَوْبِیْخٍ فاللامُ فی الفعلین لامُ قَسَمٍ وحُذِفَ فاعِلُہما الوَاوُ ونونُ الرفعِ.

ترجمہ: الٓمّٓ اس کی مراد تو اللہ ہی کو معلوم ہے کیا ان لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ان کے صرف یہ کہنے پر کہ ہم ایمان لائے ہم انہیں آزمائے بغیر چھوڑ دیں گے ان کو ایسی چیزوں سے آزمایا جائے گا کہ جن سے ان کے ایمان کی حقیقت ظاہر ہو جائے، یہ ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی جب وہ ایمان لائے تو ان کو مشرکین نے اذیت پہنچائی اللہ تعالیٰ ان سے پہلے والوں کو بھی آزما چکا ہے یقیناً اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بھی جانچے گا جو اپنے ایمان میں سچے تھے مشاہدہ کے طور جانچنا اور ایمان کے بارے میں جھوٹوں کو بھی معلوم کرے گا، کیا جو لوگ برائیاں یعنی شرک اور معاصی کر رہے ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ ہم سے بچ کر نکل جائیں گے، تو ہم ان سے انتقام نہ لے سکیں گے ان کی یہ تجویز جس کا یہ فیصلہ کر رہے ہیں نہایت ہی بیہودہ ہے، جو شخص اللہ کی ملاقات کا خوف رکھتا ہے یقیناً اس کی ملاقات کا وقت آنے ہی والا ہے لہٰذا اس کو چاہئے کہ اس کے لئے تیاری کرے وہ اپنے بندوں کی باتوں کو سننے والا اور ان کے افعال کو جاننے والا ہے اور جس شخص نے جہاد کیا خواہ جہاد بالحرب ہو یا جہاد بالنفس تو وہ اپنے ہی فائدہ کے لئے جہاد کرتا ہے اس لئے کہ اس کے جہاد کا نفع اسی کو ملنے والا ہے نہ کہ اللہ کو اللہ تعالیٰ تو جہان والوں (یعنی) انسانوں اور جنوں اور فرشتوں اور ان کی عبادت سے بے نیاز ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے ہم ان کے گناہوں کا ان کے نیک اعمال کے صلہ میں ازالہ کر دیں گے اور ہم ان کے اعمال کا حال یہ ہے کہ وہ اعمال نیک ہوں بہترین بدلہ دیں گے اَحْسَنَ حَسَنٌ کے معنی میں ہے اور اس کا نصب باء جارہ کو ساقط کر دینے کی وجہ سے ہے اور ہم نے ہر انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تاکید کی ہے اچھی تاکید یہ کہ ان کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرے اگر وہ تجھ پر اس بات کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک کرے کہ جس کے شریک کرنے کا تیرے پاس واقع کے مطابق علم نہیں ہے تو تو شرک کرنے میں ان کی اطاعت نہ کر تم سب کو میرے پاس لوٹ کر آنا ہے پھر میں ہر اس چیز سے جو تم کرتے تھے تم کو باخبر کر دوں گا پس میں تمہیں تمہارے اعمال کی جزاء دوں گا اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہوں گے اور نیک اعمال کئے ہوں گے تو ہم ان کو صالحین یعنی انبیاء اور اولیاء میں شمار کر لیں گے بایں طور کہ ہم ان کا ان کے ساتھ حشر کریں گے اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اٰمَنَّا بِاللّٰہِ کہہ لیتے ہیں اور جب ان کو اللہ کے راستہ میں تکلیف پہنچائی جاتی ہے تو وہ لوگوں کی تکلیف یعنی ان کی ایذا رسانی کو اپنے لئے عذاب الٰہی کے مانند سمجھ کر اس سے ڈرتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کی اطاعت کرتے اور نفاق کے مرتکب ہوتے ہیں، اور

قسم ہے اگر مومنین کو تیرے رب کی طرف سے کوئی مدد آپہنچتی ہے جس کی وجہ سے ان کو مال غنیمت حاصل ہوتا ہے تو کہتے ہیں ہم تو ایمان میں تمہارے ساتھ تھے لہٰذا ہم کو بھی مال غنیمت میں شریک کرلو وَلَئِنْ میں لام قسم ہے لَیَقُوْلُنَّ میں نون رفع کو مسلسل (تین) نون آنے کی وجہ سے اور جمع کی ضمیر واؤ کو التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف کردیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ کو جہان والوں کے دلوں کا حال ایمان اور نفاق میں سے جو کچھ ہے معلوم نہیں ہے؟ ضرور کیوں معلوم نہیں ہے (معلوم ہے) اور اللہ تعالیٰ دل سے ایمان لانے والوں کو بھی بالیقین ظاہر کر کے رہے گا اور منافقوں کو بھی بالیقین ظاہر کر کے رہے گا، اور دونوں فریقوں کو بدلہ دے گا، اور دونوں فعلوں میں لام لام قسم ہے، اور کافر مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم دین میں ہمارا طریقہ اختیار کرو (بالفرض) اگر ہماری اتباع کرنے میں کوئی گناہ ہوا تو ہم اپنے اوپر اٹھالیں گے (یعنی اپنے ذمہ لے لیں گے اور تم سبکدوش ہوگے) اور امر بمعنی خبر ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے حالانکہ وہ ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی اٹھانے والے نہیں ہیں، یہ تو اس معاملہ میں محض جھوٹے ہیں البتہ یہ اپنے (گناہوں کا بوجھ) لادے ہوں گے اور اپنے (گناہوں) کے بوجھ کے ساتھ ساتھ کچھ اور بوجھ بھی، مومنین سے یہ کہنے کی وجہ سے کہ تم ہمارے طریقہ کی اتباع کرو اور اپنے متبعین کو گمراہ کرنے کی وجہ سے اور یہ جو کچھ افتراء پردازیاں کررہے ہیں، قیامت کے روز ان سے ضرور باز پرس کی جائے گی، (یعنی) اللہ پر جو کذب بیانی کرتے ہیں، اور یہ باز پرس توبیخ کے لئے ہوگی، لام دونوں فعلوں میں لام قسم ہے اور دونوں کا فاعل واؤ اور نون رفع حذف کردیا گیا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: ای بقولِهِمْ یہ ما کے مصدریہ ہونے کی طرف اشارہ ہے اور با محذوف ہے اور اَنْ یترکوا، حسِبَ کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔

قَوْلُہٗ: نَزَلَ فی جماعةٍ جیسا کہ عمار بن یاسر و عیاش بن ابی ربیعہ و ولید بن ولید و سلمان بن ہشام ان فقراء کو مکہ میں ان کے ایمان لانے کی وجہ سے اذیت دی جاتی تھی۔

قَوْلُہٗ: علم مشاهدةٍ اس کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے، سوال یہ ہے کہ یہ آیت علم خداوندی کے تجدد پر دلالت کرتی ہے حالانکہ باری تعالیٰ کا علم قدیم غیر حادث ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ علم سے مراد علم ظہور اور علم مشاہدہ ہے، آیت کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صادقین کے صدق اور کاذبین کے کذب کو ظاہر کردے تاکہ معلوم اللہ کے علم کے مطابق ظاہر ہوجائے (یعنی لوگوں کو علم خداوندی اور معلوم کی مطابقت معلوم ہوجائے) جو کہ معلوم کے ظاہر ہونے سے پہلے پردۂ خفا میں تھی۔

قَوْلُہٗ: یَحْكُمُوْنَ جملہ ہوکر ما بمعنی الذی کا صلہ ہے صلہ میں ہٗ ضمیر محذوف ہے جس کو شارح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے ظاہر کردیا ہے اور حُكْمُهُمْ هٰذا مخصوص بالذم ہے۔

قَوْلُہٗ: فَلْيَسْتَعِدْ یہ مَنْ کان کا جواب شرط ہے اَحَسَنَ نزع خافض کی وجہ سے منصوب ہے اصل میں بِاَحْسَنَ تھا۔

قَوْلُہٗ: ایصاءً ذا حسن اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حسنًا و صینا کے مصدر محذوف کی صفت ہے حذف مضاف کے ساتھ اور اگر مضاف کو محذوف نہ مانیں تو مبالغۃً صفت واقع ہونا درست ہے۔

قَوْلُہٗ: وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مبتدا ہے اور لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئٰتِهِمْ مع قسم محذوف کے مبتداء کی خبر ہے، تقدیر عبارت یہ ہے واللّٰہ لنکفّرنَّ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ والَّذِيْنَ آمَنُوْا الخ فعل محذوف کی وجہ سے محلاً منصوب ہو تقدیر عبارت یہ ہوگی ونخلص الذين آمنوا وعملوا الصّٰلحٰت من سيّئٰتهم اس صورت میں یہ باب اشتغال سے ہوگا۔

قَوْلُہٗ: موافقة للواقع یہ محذوف کی علت ہے تقدیر عبارت یہ ہے وذكر هٰذا القيد موافقة للواقع.

قَوْلُہٗ: فلا مفهومَ لهٗ مطلب یہ ہے کہ اس کا مفہوم مخالف مراد نہیں ہے کہ جس کے معبود ہونے پر تیرے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو اس کو میرا شریک مت کر اور جس کے معبود ہونے پر دلیل ہو اس کو شریک کرسکتا ہے (یہاں یہ مراد نہیں ہے) اس لئے کہ اس کے سوا نہ ایسا کوئی معبود ہے کہ اس کے وجود پر دلیل ہو اور نہ ایسا معبود ہے کہ اس کے وجود پر دلیل نہ ہو بلکہ وہ اللہ واحد ہے۔

تفسیر و تشریح

الٓمّٓ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا (الآیۃ) یعنی یہ گمان کہ صرف زبانی ایمان لانے کے بعد بغیر امتحان لئے انہیں چھوڑ دیا جائے گا صحیح نہیں، بلکہ انہیں جان و مال کی تکالیف اور دیگر آزمائشوں کے ذریعہ جانچا پرکھا جائے گا تاکہ کھرے کھوٹے کا، سچے جھوٹے کا، مخلص و منافق کا (لوگوں کو) پتہ چل جائے۔

اہل ایمان خصوصاً انبیاء علیہم السلام اور صلحاء کو مختلف قسم کی آزمائشوں سے گذرنا پڑتا ہے انجام کار ان کو کامیابی ہوتی ہے یہ آزمائشیں مختلف قسم کی ہوتی ہیں کبھی تو کفار و فجار کی ایذا رسانی کے ذریعہ آزمائش ہوتی ہے جیسا کہ اکثر انبیاء اور خصوصاً خاتم الانبیاء اور آپ کے اصحاب کو بہت سی آزمائشوں سے گذرنا پڑا، جس کے بے شمار واقعات سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں، اور بعض اوقات جسمانی آزمائشوں سے گذرنا پڑتا ہے جیسے حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گذرنا پڑا۔

شانِ نزول:

مراد اگرچہ عام ہے ہر زمانہ کے علماء و صلحاء اور اولیاء امت کو مختلف قسم کی آزمائشیں آتی ہیں اور آتی رہیں گی، مگر از روئے روایات یہ آیت چند ضعفاء صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جن میں یہ حضرات بھی شامل ہیں، عمار بن یاسر، عیاش بن ابی ربیعہ، ولید بن الولید، سلمان بن ہشام ان تمام حضرات اور بہت سے فقراء صحابہ کو مکہ میں اذیت ناک سزائیں دی جاتی تھیں جس کی وجہ سے بعض صحابہ تنگ دل ہوکر دل برداشتہ ہوجاتے تھے، امام بخاری نے حضرت خباب بن الارت سے روایت کی ہے حضرت خباب فرماتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت ﷺ بیت اللہ کے سایہ میں اپنی چادر پر ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے، ہم نے

اپنی تکلیف کی آپ سے شکایت کی اور تکلیف کے ازالہ اور نصرت خداوندی کیلئے دعا کی درخواست کی، تو آپ نے فرمایا تم سے پہلے ایسے لوگ گذرے ہیں کہ جن کو گڑھے میں کھڑا کر کے نصف دفن کر دیا جاتا تھا اور سر پر آرا رکھ کر دو نصف کر دیا جاتا تھا اور لوہے کی کنگھیوں کے ذریعہ ہڈیوں سے گوشت چھڑایا جاتا تھا پھر بھی یہ لوگ اپنے دین کو رد نہیں کرتے تھے، وَاللہ یہ صورت حال جلدی ہی ختم ہونے والی ہے، یہاں تک کہ صنعاء یمن سے حضر موت تک سوار سفر کرے گا اور خدا کے سوا اس کو کسی کا خوف نہ ہوگا، مگر تم جلدی کرتے ہو۔ (جمل ملخصًا)

فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الذين صدَقُوْا یعنی امتحانات اور شدائد کے ذریعہ مخلص اور غیر مخلص اور نیک و بد میں ضرور امتیاز کریں گے کیونکہ مخلصین کے ساتھ منافقین کا خلط ملط بعض اوقات بڑے نقصان کا باعث ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کو ہر شخص کے پیدا ہونے سے پہلے ہی معلوم ہے کہ کون بد ہے اور کون نیک، اللہ تعالیٰ کے جانچنے اور پرکھنے کا مطلب دوسروں پر ظاہر کر دینا ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ یہاں وَصَّيْنَا کے معنی تاکیدی حکم کرنے کے ہیں، نیز خیر خواہی اور ہمدردی کے طور پر کسی کو نیک کام کی طرف بلانے کے بھی ہیں حُسْنًا مصدر ہے اس کے معنی خوبی کے ہیں اس جگہ خوبی والے طرز عمل کو مبالغہ کے طور پر حسن سے تعبیر کیا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا تاکیدی حکم فرمایا، بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف نہ ہو جیسا کہ حدیث شریف میں ہے، لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ (رواه احمد والحاکم) یعنی خالق کی معصیت میں کسی مخلوق کی طاعت جائز نہیں، مذکورہ آیت حضرت سعد بن ابی وقاص رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے بارے میں نازل ہوئی، یہ صحابہ کرام میں سے ان دس حضرات میں شامل ہیں جن کو آپ ﷺ نے دنیا ہی میں جنت کی خوشخبری سنادی تھی، جن کو عشرۂ مبشرہ کہا جاتا ہے یہ اپنی والدہ کے بہت فرمانبردار تھے اور ان کی راحت رسانی کا بہت خیال رکھتے تھے، ان کی والدہ حمنہ بنت ابی سفیان کو جب یہ معلوم ہوا کہ ان کے بیٹے سعد مسلمان ہو گئے ہیں تو انہوں نے بیٹے کو تنبیہ کی اور قسم کھائی کہ میں اس وقت تک نہ کھانا کھاؤں گی اور نہ پانی پیوں گی جب تک کہ تم اپنے آبائی دین میں پھر واپس نہ آجاؤ، اسی طرح بھوک پیاس سے مر جاؤں گی اور ساری دنیا میں ہمیشہ کے لئے یہ رسوائی تمہارے سر رہے گی کہ تم اپنے والدہ کے قاتل ہو (مسلم، ترمذی) اس آیت نے حضرت سعد کو ان کی بات ماننے سے روک دیا، بغوی کی ایک روایت کے مطابق حضرت سعد کی والدہ تین دن اور تین راتیں اپنی قسم کے مطابق بھوکی پیاسی رہیں، حضرت سعد حاضر ہوئے، ماں کی محبت اور اطاعت اپنی جگہ تھی مگر اللہ تعالیٰ کے فرمان کے سامنے کچھ نہ تھی اس لئے والدہ کو مخاطب کر کے کہا امی جان! اگر تمہارے بدن میں سو روحیں بھی ہوتیں اور ایک ایک کر کے نکلتی رہتیں تب بھی میں اپنا دین نہ چھوڑتا، اب تم چاہو کھاؤ پیو یا مر جاؤ، بہر حال میں اپنے دین سے نہیں ہٹ سکتا، ماں نے ان کی گفتگو سے مایوس ہو کر کھانا کھا لیا۔

ومن الناس من يقول آمنا بالله (الآية) اس آیت میں اہل نفاق یا کمزور ایمان والوں کا حال بیان کیا گیا ہے کہ اگر ایمان کی وجہ سے انہیں ایذا پہنچتی ہے تو عذاب الٰہی کی طرح وہ ان کے لئے ناقابل برداشت ہوتی ہے، نتیجتًا وہ ایمان سے پھر جاتے ہیں اور عوام کے دین کو اختیار کر لیتے ہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ وعُمْرُهٗ اربعون سنةً او اَكْثر فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا يدعوهم الى توحيدِ اللّٰهِ فكذَّبُوه فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ اى الماءُ الكثيرُ طاف بِهِمْ وعَلَاهُمْ فغرقوا وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾ مشركون فَاَنْجَيْنٰهُ اى نوحا وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ اى الذين كانوا معه فيها وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً عِبرَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۵﴾ لِمَنْ بَعْدَهم مِنَ الناسِ اِنْ عَصَوْا رُسُلَهم وعاشَ نوحٌ بعدَ الطوفان سِتِّيْنَ سَنَةً او اَكْثرَ حتى كَثُرَ الناسُ وَ اذكُرْ اِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ خافُوْا عِقابَه ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ مِمَّا انتُم عَلَيهِ مِن عِبادَةِ الاَصْنام اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶﴾ الخيرَ مِنْ غَيرِه اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اى غيرِه اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا تقولُوْنَ كِذْبًا اِنَّ الاَوْثانَ شركاءُ للّٰهِ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا لا يَقدِرُوْنَ اَنْ يَرْزُقُوْكُمْ فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ اُطلُبُوه منه وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَاِنْ تُكَذِّبُوْا اى تُكَذِّبُوْنِى يا اَہلَ مَكةَ فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ مِنْ قَبلِى وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۸﴾ اِلا بُلاغُ البَيِّنُ فى ہاتَينِ القِصَّتَينِ تَسلِيَةٌ للنبى صلى الله عليه وسلم وقال تعالٰى فى قومِه اَوَلَمْ يَرَوْا بالياء والتاء يَنظُرُوا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ بضمّ اَوَّله وقُرِئَ بفتحِه مِنْ بَدَأَ وَاَبْدَأَ بمعنًى اى يَخلُقُهم اِبتداءً ثُمَّ هو يُعِيْدُهٗ اى الخَلقَ كما بَدَأَه اِنَّ ذٰلِكَ المذكورَ مِنَ الخَلقِ الاَوّلِ والثانى عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۱۹﴾ فكَيفَ تُنكِرونَ الثانِيَ قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ لِمَنْ كان قبلَكم واَماتَهم ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ مَدًّا وقَصرًا مع سُكُونِ الشِّينِ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾ ومنه البَدءُ والاِعادَةُ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ تعذيبَه وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ رحمتَه وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ﴿۲۱﴾ تُرَدُّونَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ رَبَّكُم عن اِدرَاكِكُمْ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ لو كنتم فيها اى لا تَفُوْتُوْنَهٗ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اى غيرِه مِنْ وَّلِيٍّ يَمنَعُكم منه وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۲۲﴾ يَنصُرُكم من عذابه.

ترجمہ: اور ہم نے نوح (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو ان کی طرف مبعوث کیا اور اس وقت ان کی عمر چالیس سال یا اس سے زیادہ تھی چنانچہ (نوح) اپنی قوم میں پچاس کم ایک ہزار سال رہے اور ان کو اللہ کی توحید کی دعوت دیتے رہے تو انہوں نے (نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی تکذیب کی تو ان کو طوفان نے آ دبایا یعنی کثیر پانی نے جس نے ان کو گھیر لیا اور ان کے اوپر پھر گیا، سو وہ غرق ہو گئے، اور وہ بڑے ظالم مشرک لوگ تھے چنانچہ ہم نے نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور کشتی والوں یعنی ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے نجات دی، اور اس واقعہ کو ہم نے تمام جہان والوں کے لئے عبرت کا نشان بنا دیا یعنی ان کے بعد والے لوگوں کے لئے اگر وہ اپنے رسولوں کی نافرمانی کریں، اور نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام طوفان کے بعد ساٹھ سال یا اس سے زیادہ بقید حیات رہے، حتی کہ لوگ

بکثرت ہوگئے اور حضرت ابراہیم کا ذکر کرو جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا اللہ کی بندگی کرو اور اس سے ڈرو یعنی اس کے عذاب سے خوف کرو یہ تمہارے لئے بتوں کی بندگی سے جس پر تم جمے ہوئے ہو بہتر ہے اگر تم کو بہتر سے غیر بہتر کی شناخت ہے تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کی پوجا پاٹ کرتے ہو یعنی بتوں کی اور جھوٹ گھڑتے ہو یعنی یہ جھوٹ بکتے ہو کہ بت اللہ کے شرکاء ہیں (سنو) تم اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی پوجا پاٹ کر رہے ہو وہ تمہارے رزق کے مالک نہیں (یعنی) تم کو رزق دینے پر قادر نہیں پس تمہیں چاہئے کہ تم اللہ ہی سے روزی طلب کرو اسی کی بندگی کرو اور اسی کی شکر گذاری کرو اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے اے اہل مکہ اگر تم میری تکذیب کرو گے (تو یہ کوئی نئی بات نہیں) تم سے پہلے بھی بہت سی امتیں مجھ سے پہلے والے رسولوں کو جھٹلا چکی ہیں رسول کے ذمہ تو صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے یعنی محض واضح طور پر پہنچا دینا ہے، ان دونوں (یعنی نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے قصوں میں نبی کریم ﷺ کو تسلی ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کے بارے میں فرمایا کیا وہ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو کس طرح ابتداءً پیدا کرتا ہے یَرَوْا یا اور تا دونوں قراءتیں ہیں، یُبْدِئُ اول کے ضمہ کے ساتھ اور اول کے فتحہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے بَـدَأَ اور اَبْـدَأَ دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، یعنی ان کو ابتداءً پیدا کرتا ہے پھر وہی اس کو دوبارہ پیدا کرے گا یعنی مخلوق کو جس طرح اس نے ابتداءً پیدا کیا، بلاشبہ یہ ابتداءً اور ثانیاً پیدا کرنا اللہ کے لئے بہت ہی آسان ہے لہٰذا تم ثانیاً پیدا کرنے کا کیوں انکار کرتے ہو؟ آپ کہئے کہ ملک میں چل پھر کر دیکھو تو سہی کہ تم سے پہلے والوں کو کس طرح ابتداءً پیدا کیا اور ان کو موت دی پھر دوسری مرتبہ بھی پیدا کرے گا نَشْأَةَ مد کے ساتھ اور قصر کے ساتھ مع شین کے سکون کے بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر شئ پر قادر ہے اور اسی میں ابتداءً اور ثانیاً پیدا کرنا بھی ہے جس کو عذاب دینا چاہے عذاب دے اور جس پر رحم کرنا چاہے رحم کرے سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور نہ تو تم اپنے رب کو تمہارے پکڑنے سے زمین میں عاجز کر سکتے ہو اور نہ آسمان میں اگر تم آسمان میں ہو، یعنی تم اس سے بچ کر نہیں نکل سکتے، اللہ تعالیٰ کے سوا نہ تمہارا کوئی ولی ہے کہ اس سے تم کو بچا سکے اور نہ مددگار کہ تمہاری اس کے عذاب سے مدد کر سکے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہُ: نوحاً حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام میں چند اقوال ہیں ① عبدالغفار ② یشکر ③ السَّکَنُ "نوح" آپ کا لقب ہے نوحٌ بہت زیادہ نوحہ کرنے والے کو کہتے ہیں، حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام چونکہ اپنی امت کی حالت کو دیکھ کر بہت زیادہ روتے تھے اس لئے ان کا لقب نوح مشہور ہوگیا۔

قِوْلَہُ: ابراھیم ابرہیم پر عام قرّاء نے نصب پڑھا ہے، نصب کی تین وجہیں ہوسکتی ہیں اول یہ کہ نوحًا پر عطف ہو یا اس کا عامل ناصب محذوف مانا جائے جیسا کہ شارح نے اذکر محذوف مان کر اشارہ کر دیا ہے یا یہ کہ انجیناہ کی ضمیر پر عطف ہو، اور بعض حضرات نے ابراہیم کو مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع پڑھا ہے خبر محذوف مانی ہے تقدیر عبارت یہ ہے

ومن المرسلین ابراهیم.

قِوْلُہٗ: اَوْثان، وثنٌ کی جمع ہے پتھر وغیرہ سے تراشے ہوئے بت جن کی بندگی کی جائے۔

قِوْلُہٗ: یَرْزُقُوکُمْ کا اضافہ کرکے شارح نے اشارہ کردیا کہ رزقًا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی لا یملِکُوْنَ اَن یرزقوکم رزقًا.

قِوْلُہٗ: تکذبونی اس سے اشارہ ہے کہ تکذبوا کا مفعول محذوف ہے۔

قِوْلُہٗ: یــا اهــل مــکة اس سے مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ یہ آیت اور آئندہ آیت حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور مقصد اس سے آپ کو تسلی دینا ہے اِن تــکــذبـوا شرط ہے اور اس کی جزاء فلا یضرنی تکذیبکم.

قِوْلُہٗ: مَنْ قبلی، مَن موصولہ کذّبَ کا مفعول ہے۔

قِوْلُہٗ: هاتینِ القصتین سے مراد حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصے ہیں۔

قِوْلُہٗ: اَوَلَمْ یَرَوْا یہاں رویت سے مراد علم یقینی ہے ورنہ تو ابتداء تخلیق کے وقت کوئی دیکھنے والا موجود نہیں تھا، لہٰذا اَوَلَمْ یَرَوْا کے ذریعہ سوال کرنا بے معنی ہوگا۔

قِوْلُہٗ: النشأة الآخرة مدًّا وقصرًا مد کا مطلب ہے شین کے بعد الف اور قصر کا مطلب ہے بغیر الف۔

تَفسِیر وتشریح

سابقہ انبیاء اور امتوں کے حالات وواقعات کا ذکر آپ ﷺ اور آپ کی امت کی تسلی کے لئے کیا گیا ہے، جس طرح انبیاء سابقین نے کفار ومشرکین کی ایذاؤں کی وجہ سے کبھی ہمت نہیں ہاری، اسی طرح آپ ﷺ بھی اپنی قوم کی ایذاؤں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے فریضۂ رسالت کی ادائیگی مضبوطی کے ساتھ کرتے رہے۔

انبیاء سابقین میں سب سے پہلے حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ ذکر فرمایا، اول اس لئے کہ وہ سب سے پہلے پیغمبر ہیں جن کو کفر وشرک کا مقابلہ کرنا پڑا، دوسرے اس لئے بھی کہ جتنی ایذائیں ان کو اپنی قوم سے پہنچیں وہ کسی دوسرے پیغمبر کو نہیں پہنچیں، کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو طول عمر کا ایک خصوصی امتیاز بخشا تھا، اور ساری عمر کفار کی طرف سے ایذاؤں میں بسر ہوئی، حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر ساڑھے نوسو سال تو قرآنی صراحت سے معلوم ہوتی ہے جو یقینی ہے بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمر دعوت وتبلیغ کی ہے، چالیس سال کی عمر میں آپ کو نبوت ملی اور طوفان کے بعد ساٹھ سال زندہ رہے اس حساب سے آپ کی عمر ایک ہزار اور پچاس سال معلوم ہوتی ہے، اتنی طویل عمر مسلسل دعوت وتبلیغ میں رہنا اور قوم کی طرف سے طرح طرح کی ایذائیں مار پیٹ گلا گھونٹنے کی سہتے رہنا اور چند نفر کے

علاوہ کسی کا ایمان نہ لانا اور اس کے باوجود کسی وقت بھی ہمت نہ ہارنا، یہ سب حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیات ہیں، اور وہب رحمہ اللہ تعالیٰ سے آپ کی عمر ایک ہزار چار سو سال منقول ہے، ملک الموت نے حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا آپ عمر کے اعتبار سے اطول العمر انبیاء میں سے ہیں آپ نے دنیا کو کیسا پایا؟ آپ نے فرمایا دنیا کی مثال ایک مکان کی سی ہے کہ جس کے دو دروازے ہیں ایک سے داخل ہوا دوسرے سے نکل گیا۔ (حاشیہ جلالین)

دوسرا قصہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بیان ہوا ہے، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی بڑے سخت امتحانات سے گذرنا پڑا تھا، مثلاً حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کو لق ودق بے آب وگیاہ میدان میں چھوڑ آنا، پھر اپنے ہی ہاتھ سے اپنے اکلوتے بیٹے اسماعیل کے ذبح کا واقعہ یہ سب وہ حالات ہیں کہ جن کو ایک اولوا العزم پیغمبر ہی برداشت کر سکتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ کے ضمن میں حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ بھی مذکور ہوا ہے، آخر سورت تک دوسرے بعض انبیاء اور ان کی سرکش امت کے حالات کا ذکر یہ سب رسول اللہ ﷺ اور آپ کی امت کی تسلی کے لئے اور ہمت کے ساتھ دین پر قائم رہنے کے لئے بیان ہوئے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖ اي القراٰن والبعثِ **اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ** اي جَنَّتِي **وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ**﴿۲۳﴾ مُؤلِمٌ قال تعالٰى في قِصَّةِ ابراهيمَ **فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ** التي قَذَفُوْهُ فيها بأَنْ جَعَلَها عليه بَرْدًا وسَلَامًا **اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ** اي اِنْجائِهٖ منها **لَاٰيٰتٍ** هي عَدَمُ تَاثِيرِها فيه مَعَ عظمِها واِخْمادُها وانشاءُ روضٍ مكانَها في زَمَنٍ يسيرٍ **لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ**﴿۲۴﴾ يُصدِّقُوْنَ بتَوحِيْدِ اللّٰهِ وَقُدرَتِهٖ لِاَنَّهم المُنْتَفِعُوْنَ بها **وَقَالَ** ابراهيمُ **اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا** تعبُدُوْنَها وما مصدرِيّةٌ **مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ** خبرُ اِنَّ وعلى قراءةِ النَّصبِ مفعولٌ له وما كافّةٌ المعنى تَوادَدْتُّم على عِبادَتِها **فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ** يَتبرَّأُ القادةُ مِنَ الاتْباعِ **وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا** يلعنُ الاتباعُ القادةَ **وَّمَاْوٰىكُمُ** مصيرُكم جميعًا **النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ**﴿۲۵﴾ مانِعِيْنَ منها **فَاٰمَنَ لَهٗ** صَدَّقَ بِابْرَاهِيمَ **لُوْطٌ** وهو ابنُ اَخِيْهِ هارانَ **وَقَالَ** ابراهيم **اِنِّيْ مُهَاجِرٌ** مِن قَوْمِي **اِلٰى رَبِّيْ** اي الى حيثُ اَمَرَنِي رَبِّي وهَجَرَ قومَه وهاجَرَ من سَوادِ العِراقِ الى الشّامِ **اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ** في مُلْكِه **الْحَكِيْمُ**﴿۲۶﴾ في صُنعِهٖ **وَوَهَبْنَا لَهٗ** بعدَ اسماعيلَ **اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ** بعدَ اسحاقَ **وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ** فكلُّ الانبياءِ بعدَ ابراهيمَ من ذُرِّيَّتِهٖ **وَالْكِتٰبَ** بمعنى الكُتُبِ اي التوراةَ والانجيلَ والزبورَ والقراٰنَ **وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا** وهو الثناءُ الحسنُ في كُلِّ اَهلِ الاَدْيانِ **وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ**﴿۲۷﴾ الذين لهم الدرجاتُ العُلٰى **وَ** اذكُرْ **لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اِنَّكُمْ** بتحقيقِ الهمزتين وتسهيلِ الثانية وادخالِ الفٍ بينهما على الوجهين في الموضعين **لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ** اي اَدْبارَ الرجالِ **مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ**﴿۲۸﴾ الانسِ

وقف لازم

والجنّ أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ طريق المارّةِ بفِعلِكم الفاحِشَة بِمَنْ يَمُرُّ بكم فترَك الناسُ المَمرَّ بكُمْ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمُ متحدثكم الْمُنكَرَ فعل الفاحشة بعضكم ببعض فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَن قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللَّهِ إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿۲۹﴾ في اِستِقْباح ذٰلك وأنّ العذابَ نازلٌ لِفاعِلِيهِ قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بتَحقِيقِ قَولِي في اِنزال العذابِ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِينَ ﴿۳۰﴾ العاصِينَ بِإتيانِ الرِّجَالِ فاستجابَ اللّٰهُ دُعاءَهُ.

ترجمہ: جولوگ اللہ کی آیتوں اور اس کی ملاقات کو بھولے ہوئے ہیں یعنی قرآن کو اور بعث بعد الموت کو یہ لوگ میری رحمت سے ناامید ہوں گے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا، اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ میں فرمایا تو ان کی قوم کے پاس بجز اس کے کوئی جواب نہیں تھا کہ کہنے لگے ان کو یا تو قتل کرڈالو یا ان کو جلادو آخرش اللہ نے ان کو اس آگ سے بچالیا جس میں ان کو ڈالا تھا اس طریقہ سے کہ اس آگ کو ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ٹھنڈی اور سلامتی والی کردیا بلاشبہ اس میں یعنی ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آگ سے نجات دینے میں کئی نشانیاں ہیں ان نشانیوں میں ایک اس آگ کا باوجود اس کے عظیم ہونے کے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام میں اثر نہ کرنا اور اس کا بجھ جانا ہے اور اس آگ کی جگہ قلیل مدت میں گلستان کا پیدا ہوجانا ہے ایمان والوں کے لئے (یعنی) اللہ کی توحید اور اس کی قدرت کی تصدیق کرنے والوں کے لئے، اس لئے کہ یہی لوگ نشانیوں سے نفع حاصل کرنے والے ہیں اور ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ (بھی) فرمایا تم نے جو خدا کو چھوڑ کر بتوں کو (معبود) بنا رکھا ہے جن کی تم بندگی کرتے ہو بس یہ تمہارے آپسی دنیوی تعلقات کی وجہ سے ہے **ما اتخذتم** میں **ما** مصدریہ ہے اور **مَوَدَّةُ بينكم**، **اِنّ** کی خبر ہے اور نصب کی صورت میں (مودۃ) مفعول لہ ہے اور **ما** کافہ ہے، آیت کے معنی یہ ہیں ان بتوں کی عبادت کی وجہ سے تمہارے درمیان باہمی دوستی قائم ہے پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے کے منکر ہوجاؤ گے سردار اپنے ماتحتوں سے اظہار براءت کردیں گے اور آپس میں ایک دوسرے پر لعنت کریں گے یعنی ماتحت سرداروں پر لعنت کریں گے اور تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور تمہارا کوئی مددگار (یعنی) آگ سے بچانے والا نہ ہوگا سو لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی (نبوت) کی تصدیق کی اور وہ ان کے بھائی ہاران کے بیٹے تھے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میں اپنی قوم کو چھوڑ کر اپنے رب کی طرف یعنی میرے رب کی بتائی ہوئی جگہ ہجرت کرجاؤں گا اور اپنی قوم کو چھوڑ دیا اور اطراف عراق سے شام کی طرف ہجرت کرگئے بے شک وہ اپنے ملک میں بڑا ہی غالب اور اپنی صنعت میں بڑا ہی حکمت والا ہے اور ہم نے اس کو اسماعیل کے بعد اسحٰق اور اسحٰق کے بعد یعقوب عطا کئے اور ہم نے ان کی اولاد میں نبوت جاری کردی چنانچہ تمام انبیاء ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ان کی نسل سے ہوئے اور کتاب (کا سلسلہ جاری کیا) اور کتاب بمعنی کتب یعنی تورات اور انجیل اور زبور اور قرآن کا اور ہم نے ان کا صلہ ان کو دنیا میں بھی دیا اور وہ تمام اہل ملت میں ان کا ذکر جمیل ہے اور بلاشبہ وہ آخرت میں بھی صالحین میں ہے جن کے لئے عالی شان درجات

ہیں اور لوط علیہ الصلاۃ والسلام کا ذکر کیجئے جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کیا تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو یعنی مردوں کے ساتھ بدفعلی کرتے ہو کہ کسی نے تم سے پہلے عالم والوں یعنی جن وانس نے نہیں کیا، دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کی تسہیل اور دونوں کے درمیان دونوں صورتوں میں دونوں مقام پر الف داخل کرکے کیا تم مردوں سے بدفعلی کرتے ہو اور تم گذرنے والوں کے ساتھ بے حیائی کا کام کرکے مسافروں کا راستہ روکتے ہو جس کی وجہ سے لوگوں نے تمہارے پاس سے گذرنا ترک کردیا اور تم اپنی گفتگو کی مجلسوں میں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بے حیائی کا کام کرتے ہو تو ان کی قوم کے پاس اس کے سوا کوئی جواب نہیں تھا کہ کہنے لگے اگر تم اس فعل کو قبیح سمجھنے میں اور اس بات میں کہ ایسی حرکت کرنے والے پر عذاب نازل ہونے والا ہے سچے ہو تو اللہ کا عذاب لے آؤ تو لوط علیہ الصلاۃ والسلام نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار عذاب نازل کرنے کے بارے میں میری بات کو سچ کرکے مردوں کے ساتھ بدفعلی کرکے نافرمانی کرنے والی قوم پر میری مدد فرما چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ الصلاۃ والسلام کی دعاء قبول فرمالی۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: يَئِسُوْا مِنْ رَحْمَتِيْ یہی ہیں وہ لوگ جو قیامت کے دن میری رحمت سے ناامید ہوں گے يَئِسُوْا ماضی کا صیغہ استعمال کیا ہے یقینی الوقوع ہونے کی وجہ سے۔

قولہ: اقتلوہ او حرّقوہ یہاں حرف تردید کے ساتھ فرمایا اور سورۃ الانبیاء میں صرف ایک یعنی حرّقوہُ فرمایا۔

جواب: یہاں ان کے مشورہ کو بیان فرمایا ہے اور سورۃ الانبیاء میں مشورہ کے بعد جو فیصلہ ہوگیا (یعنی جلانے کا) اس کو عملی جامہ پہنانے کا بیان ہے۔

قولہ: التی قَذَفوہ فیہا شارح نے اس عبارت سے کلام محذوف کی طرف اشارہ کیا ہے، تقدیر کلام یہ ہے فقذفوہ فی النار فَاَنجاہ اللّٰہ من النار وقال ابراھیم کا عطف فانجاہ اللّٰہ من النار پر ہے، ای قال بعد اَنْجَائِہٖ من النار.

قولہ: اِنَّ مَا اتَّخَذْتُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا الخ مَا میں تین ترکیبیں ہوسکتی ہیں۔

اول ترکیب:

مَا موصولہ بمعنی الذی اور عائد محذوف ہے اور وہی اتخذتم کا مفعول اول اور اوثانًا مفعول ثانی اور مَوَدَّةٌ اِنَّ کی خبر تقدیر عبارت یہ ہوگی اِنَّ الَّذِی اتخذتموہ اوثانًا مَوَدَّةٌ (اس صورت میں مودةٌ کا حمل اوثانًا پر مبالغۃ ہوگا، اور اگر مَوَدَّةٌ سے پہلے ذو محذوف مان لیا جائے تو حمل درست ہوگا) اور مَوَدَّةَ پر نصب کی صورت میں اِنَّ کی خبر محذوف ہوگی تقدیر عبارت یہ

ہوگی الذی اتخذتموہ اوثانًا لاجل المودۃِ لاینفعو کم۔

دوسری ترکیب:

ما کافہ جو کہ اِنّ کو عمل سے مانع ہے اَوْثَانًا اِتخذتم کا مفعول بہ اگر اتخذتم کو متعدی بیک مفعول مانا جائے، اور اگر متعدی بدو مفعول مانا جائے تو ثانی مفعول من دون اللّٰہ ہوگا، اگر مَوَدَّۃٌ کو مرفوع پڑھا جائے تو مبتدا محذوف ھِیَ کی خبر ہوگی، ای ھِیَ مَوَدَّۃٌ جملہ اس صورت میں اوثاناً کی صفت ہوگا، اور مستانفہ بھی ہوسکتا ہے۔ اور اگر مَوَدَّۃَ پر نصب پڑھا جائے تو اتخذتم کا مفعول لہ ہوگا، نیز اعنی محذوف کے ذریعہ بھی منصوب ہوسکتا ہے۔

تیسری ترکیب:

مَا کو مصدریہ مانا جائے، اس کے بعد دو صورتیں ہیں، اتخاذ سے پہلے سبب مضاف محذوف مانا جائے اور تقدیر عبارت یہ ہو اِنّ سَبَبَ اتخاذکم اَوْثانًا مَوَدَّۃٌ اور یہ بھی جائز ہے کہ مضاف محذوف نہ مانا جائے بلکہ مبالغۃً نفس اتخاذ ہی کو مَوَدَّۃ قرار دیدیا جائے اور مَوَدَّۃ پر نصب کی صورت میں خبر محذوف ہوگی جیسا کہ اول صورت میں ہے۔

قَوْلُہٗ: المعنی قراءات مذکورہ کا حاصل معنی یعنی ان بتوں کی پوجا پاٹ ہی کی وجہ سے تم متفق ہو گئے ہو۔

قَوْلُہٗ: صَدَّقَ بابراھیم یعنی حضرت لوط علیہ الصلاۃ والسلام نے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی نبوت کی تصدیق کی، نہ یہ کہ نفس ایمان کی تصدیق کی اس لئے کہ حضرت لوط علیہ الصلاۃ والسلام تو مومن تھے ہی، لوط پر وقف لازم ہوگا۔

قَوْلُہٗ: الی حیثُ اَمَرَنی رَبّی اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک شبہ کا جواب ہے وہ یہ کہ اِلٰی رَبّی سے باری تعالیٰ کے لئے جہت ثابت ہوتی ہے حالانکہ باری تعالیٰ جہات سے پاک ہے تو اس کا الی حیثُ امرنی ربّی کہہ کر جواب دیدیا۔

قَوْلُہٗ: سَوادَ العراق ای اطرافھا یقال سوادَ البلدِ ای اطراف البلد.

قَوْلُہٗ: لمن الصالحینَ ای الصالحین الکاملین.

تفسیر وتشریح

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِآیَاتِ اللّٰہِ الخ اللہ تعالیٰ کی رحمت، دنیا میں عام ہے جس سے کافر ومومن، مخلص ومنافق اور نیک وبد یکساں طور پر مستفیض ہو رہے ہیں، اللہ تعالیٰ سب کو دنیا کے وسائل، آسائش اور مال ودولت عطا کر رہا ہے یہ رحمت الٰہی کی وہ وسعت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا رحمتی وسعت کل شئ (اعراف) لیکن آخرت چونکہ دارالجزاء ہے انسان نے دنیا کی کھیتی میں جو کچھ بویا ہوگا اس کی فصل اسے وہاں کاٹنی ہوگی، جیسے عمل کئے ہوں گے ویسی ہی جزاء وہاں ملے گی، اللہ کی بارگاہ میں بے لاگ فیصلے ہوں گے دنیا کی طرح اگر آخرت میں بھی نیک وبد کے ساتھ یکساں

سلوک ہو اور مومن و کافر دونوں ہی رحمت الٰہی کے مستحق قرار پائیں تو اس سے ایک تو اللہ تعالیٰ کی صفت عدل پر حرف آتا ہے، دوسرے قیامت کا مقصود ہی فوت ہو جائے گا قیامت کا دن تو اللہ تعالیٰ نے رکھا ہی اس لئے ہے کہ نیکوں کو ان کی نیکیوں کے صلہ میں جنت ملے اور بدوں کو ان کی بدیوں کی جزاء میں جہنم دی جائے، اس لئے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی رحمت صرف اہل ایمان کے ساتھ خاص ہوگی جس کو یہاں بیان کیا گیا ہے۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖ ان آیات سے قبل حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ بیان ہو رہا تھا، یہاں سے اس کا بقیہ حصہ بیان کیا جا رہا ہے، درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر اللہ کی توحید اور اس کی قدرت و طاقت کو بیان کیا گیا ہے، بعض مفسرین فرماتے ہیں یہ سب بھی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وعظ کا حصہ ہے جس میں حضرت ابراہیم نے توحید اور معاد کے اثبات میں دلائل دیئے ہیں جن کا کوئی جواب ان کی قوم سے جب نہ بن پڑا تو انہوں نے اس کا جواب ظلم و تشدد کی اس کارروائی سے دیا جس کا ذکر اس آیت میں ہے کہ اسے قتل کر دو یا اسے جلا دو، چنانچہ انہوں نے آگ کا ایک بہت بڑا الاؤ تیار کر کے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو منجنیق کے ذریعہ اس میں پھینک دیا۔

فَانْجَاهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس آگ کو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے چشم زدن میں گل و گلزار کر دیا اور اپنے خلیل کو بچا لیا آگ ان کے بندھنوں کے علاوہ کچھ نہ جلا سکی۔

وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا مَّوَدَّةَ (الآیة) یعنی یہ تمہارے قومی بت ہیں جو تمہاری اجتماعیت اور آپس کی دوستی کی بنیاد ہیں، اگر تم ان کی عبادت چھوڑ دو تو تمہاری قومیت اور دوستی کا شیرازہ بکھر جائے گا۔

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے برادر زادے تھے یعنی ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھائی ہاران کے بیٹے تھے، بعض مفسرین نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھانجے لکھا ہے وہ درست نہیں ہے، آتش نمرود میں حضرت ابراہیم کا معجزہ دیکھ کر حضرت ابراہیم کی نبوت کی سب سے پہلے انہوں نے تصدیق کی، حضرت ابراہیم اور آپ کی زوجہ محترمہ سارہ جو آپ کی چچا زاد بہن بھی تھیں، اور مسلمان ہو چکی تھیں اور حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ساتھ لیکر اپنے وطن سے ہجرت کا ارادہ فرمایا اور کسی ایسی جگہ کا قصد فرمایا کہ جہاں بفراغت و اطمینان قلبی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بندگی کر سکیں۔

وَوَهَبْنَا لَهٗ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ یعنی حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدا ہوئے حضرت یعقوب حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پوتے ہیں، حضرت یعقوب ہی کو اسرائیل کہتے ہیں (اس کے معنی ہیں اللہ کا بندہ) بنی اسرائیل انہیں کی نسل سے ہیں، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ بعد کے تمام انبیاء حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی نسل سے ہیں، اسی لئے ان کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بڑے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسل سے ہیں جو کہ حضرت ہاجرہ کے بطن سے تھے اور حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسل کو بنی اسماعیل کہا جاتا ہے عرب کا تعلق اسی نسل سے ہے۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم کے تین بڑے گناہوں کا ذکر فرمایا ہے اول مرد کی مرد کے ساتھ

بدفعلی، دوسرے رہزنی، تیسرے اپنی مجلسوں میں سب کے سامنے بے حیائی کے جرم کرنا، حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ''کہ تمہاری شہوت پرستی انتہاء کو پہنچ گئی ہے'' کہ اس کے لئے طبعی طریقے تمہارے لئے ناکافی ہوگئے ہیں اور تم نے غیر طبعی طریقے اختیار کر لئے ہیں۔

وَتقطعون السبیل اس کے ایک معنی تو یہ کئے گئے ہیں کہ آنے جانے والے مسافروں کو زبردستی پکڑ کر تم ان سے بے حیائی کا کام کرتے ہو جس کی وجہ سے لوگوں نے اس راستہ سے گذرنا چھوڑ دیا تھا، دوسرے معنی یہ ہیں کہ تم آنے جانے والوں کو لوٹ لیتے ہو اور قتل کر دیتے ہو یا از راہ شرارت انہیں کنکریاں مارتے ہو۔

تیسرے معنی یہ کئے گئے ہیں کہ سرراہ بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو جس سے وہاں سے گذرتے ہوئے لوگ شرم محسوس کرتے ہیں، ان تمام صورتوں سے راستے بند ہو جاتے ہیں، حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں ان منکرات سے منع کیا تو اس کے جواب میں کہنے لگے اگر تم سچے ہو تو ہمارے اوپر اللہ کا عذاب لے آؤ جب حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام قوم کی اصلاح سے ناامید ہوگئے تو ان کے لئے بددعاء کر دی اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بددعاء قبول فرمائی اور فرشتوں کو ان کے ہلاک کرنے کے لئے بھیج دیا، فرشتے پہلے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس گئے اور انہیں اسحٰق و یعقوب علیہما السلام کی خوشخبری دی اور ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا کہ ہم لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بستی کو ہلاک کرنے جا رہے ہیں۔

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرٰهِيمَ بِالْبُشْرٰى بِإِسحاق ويعقوبَ بَعْدَه **قَالُوْٓا إِنَّا مُهْلِكُوْٓا أَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ** اي قَرْيَةِ لوطٍ **إِنَّ أَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ** ﴿۳۱﴾ كافرين **قَالَ** ابراهيمُ **إِنَّ فِيْهَا لُوْطًا قَالُوْا** اي الرُّسُلُ **نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا لَنُنَجِّيَنَّهٗ** بالتخفيفِ والتشديدِ **وَأَهْلَهٗٓ إِلَّا امْرَأَتَهٗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ** ﴿۳۲﴾ الباقين في العذاب **وَلَمَّآ أَنْ جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ** حَزِنَ بِسَبَبِهِمْ **وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا** صَدرًا لِاَنَّهُمْ حِسَانُ الوُجُوهِ في صُوْرَةِ أَضيافٍ فخافَ عليهم قومَه فاَعْلَمُوه بانهم رُسُلُ ربِّه **وَقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ إِنَّا مُنَجُّوْكَ** بالتشديد والتخفيف **وَأَهْلَكَ إِلَّا امْرَأَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ** ﴿۳۳﴾ ونَصْبُ اَهْلَكَ عَطفًا على محلِّ الكافِ **إِنَّا مُنْزِلُوْنَ** بالتشديد والتخفيف **عَلٰٓى أَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا** عذابًا **مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا** بالفِعلِ الذي **كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ** ﴿۳۴﴾ به اي بسَبَبِ فِسْقِهِم **وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً** ظاهرةً هي اٰثارُ خَرابِها **لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ** ﴿۳۵﴾ يَتَدَبَّرُوْنَ **وَ** اَرسَلْنا **إِلٰى مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ** اِخْشَوه هو يومُ القيمةِ **وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِيْنَ** ﴿۳۶﴾ حالٌ مؤكِّدة لِعامِلِها مِن عَثِيَ بكسرِ المُثَلَّثَةِ اَفسَدَ **فَكَذَّبُوْهُ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ** الزلزلةُ الشديدةُ **فَأَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ** ﴿۳۷﴾ بارِكِيْنَ على الرُّكَبِ مَيِّتِيْنَ **وَ** اَهلَكْنا **عَادًا وَّثَمُوْدَا** بالصَّرْفِ وتَرْكِه بمعنى الحَيِّ والقَبِيلَةِ **وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ** اِهلاكُهم **مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ**

بالحجرِ واليَمنِ **وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ** من الكفرِ والمَعاصِي **فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ** سبيلِ الحقِّ **وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ** ذوى بَصائرٍ و اَهلكْنا **قَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى** من قبلُ **بِالْبَيِّنٰتِ** بالحُجَجِ الظّاهِراتِ **فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ** فائِتِيْنَ عَذابَنا **فَكُلًّا** مِنَ المذكورينَ **اَخَذْنَا بِذَنْبِهٖ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا** رِيحًا عاصِفًا فيها حصباءُ كقومِ لوطٍ **وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ** كثمودَ **وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ** كقارُونَ **وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا** كقومِ نوحٍ وفرعونَ وقومِه **وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ** فيُعذِّبَهُمْ بغيرِ ذَنْبٍ **وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ** بارْتِكابِ الذنبِ **مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ** اى اَصنامًا يَرجُونَ نَفعَها **كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اتَّخَذَتْ بَيْتًا** لِنفسِها تاوِىْ اليه **وَاِنَّ اَوْهَنَ** اَضعَفَ **الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ** لايدفع عنها حرًّا ولا بَرْدًا كذلك الاصنامُ لاتنفعُ عابدِيْها **لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ** ذلك ما عَبَدُوها **اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا** بمعنى الَّذِىْ **يَدْعُوْنَ** يَعْبُدُون بالياء والتاء **مِنْ دُوْنِهٖ** غيرِه **مِنْ شَىْءٍ وَهُوَ الْعَزِيْزُ** فى مُلكِه **الْحَكِيْمُ** فى صُنعِه **وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ** فى القراٰن **نَضْرِبُهَا** نجعَلُها **لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا** اى يَفهَمُها **اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ** المُتدبِّرُونَ **خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ** اى مُحِقًّا **اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً** دلالةً على قُدرتِه تعالىٰ **لِّلْمُؤْمِنِيْنَ** خُصُّوْا بالذِّكرِ لِاَنّهم المُنْتَفِعُوْن بها فى الايمانِ بخلافِ الكافرين.

ترجمہ: ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس اسحق کی اور ان کے بعد (اسحق کے بیٹے) یعقوب کی خوشخبری لے کر آئے تو کہنے لگے کہ ہم اس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں یعنی لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بستی والوں کو بلاشبہ اس بستی والے ظالم یعنی کافر ہیں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کہنے لگے اس میں تو لوط (بھی) ہیں فرشتوں نے کہا جو وہاں ہیں ہم ان کو خوب جانتے ہیں، ہم لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور ان کے اہل خانہ کو سوائے ان کی بیوی کے بچالیں گے اس لئے کہ وہ تو عذاب میں رہ جانے والوں میں ہوگی اور جب ہمارے فرستادے لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس پہنچے تو ان کی وجہ سے حضرت لوط مغموم ہوئے اور ان کی وجہ سے تنگ دل ہوئے اس لئے کہ وہ مہمانوں کی صورت میں نہایت ہی خوبصورت تھے، چنانچہ ان کے بارے میں اپنی قوم سے اندیشہ کیا، تو انہوں نے بتایا کہ وہ ان کے رب کے فرستادے ہیں وہ فرشتے کہنے لگے کہ آپ اندیشہ نہ کریں اور مغموم نہ ہوں ہم آپ کو اور آپ کے اہل کو بچالیں گے سوائے آپ کی بیوی کے کہ وہ (عذاب) میں رہ جانے والوں میں ہوگی اور اَهْلَكَ کا نصب محل کاف پر عطف ہونے کی وجہ سے ہے، ہم اس بستی والوں پر ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے یعنی ان کے فسق کے سبب سے آسمانی عذاب نازل کرنے والے ہیں البتہ ہم نے اس بستی کی کچھ ظاہر نشانیاں یعنی ان کے (مکانوں) کے خرابات کے آثار غور وفکر کرنے والے لوگوں کے لئے چھوڑ دیئے ہیں اور مدین والوں کے پاس ہم نے ان کے بھائی شعیب کو (رسول بنا کر) بھیجا تو انہوں نے فرمایا اے

میری قوم (کے لوگو!) اللہ کی بندگی کرو اور آخرت کے دن سے جو کہ وہ قیامت کا دن ہے ڈرو اور زمین میں فساد کرتے نہ پھرو مفسدین اپنے عامل کے لئے جو کہ عَثِیَ کسرۂ ثا سے ہے حال مؤکدہ ہے، اور عَثِیَ معنی میں اَفْسَدَ کے ہے سو ان لوگوں نے حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جھٹلایا تو ان کو ایک جھٹکے یعنی شدید زلزلہ نے آ پکڑا پھر تو وہ اپنے گھروں میں مردہ گھٹنوں کے بل پڑے رہ گئے اور ہم نے عاد و ثمود کو ہلاک کردیا (ثمود) منصرف اور غیر منصرف (دونوں ہوسکتا ہے) الحیّ کے معنی میں منصرف اور القبیلۃ کے معنی میں غیر منصرف، تمہارے سامنے جن کی ہلاکت حجر و یمن میں ان کے مکانوں سے ظاہر ہے اور شیطان نے ان کے اعمال یعنی کفر و معاصی کو ان کی نظر میں مستحسن کر رکھا تھا اور انہیں راہ حق سے روک دیا تھا اور وہ عقلمندوں میں شمار ہوتے تھے اور ہم نے قارون کو اور فرعون کو اور ہامان کو ہلاک کردیا اور اس سے پہلے ان کے پاس موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کھلی کھلی دلیلیں لیکر آئے تھے، پھر بھی ان لوگوں نے زمین میں سرکشی کی اور ہمارے عذاب سے نہ بھاگ سکے تو ہم نے تمام مذکورین کو ان کے گناہوں کی سزا میں پکڑ لیا سو ان میں سے بعض پر ہم نے آندھی بھیجی یعنی شدید ہوا جس میں کنکریاں تھیں، جیسا کہ قوم لوط پر اور ان میں سے بعض کو ہولناک شدید آواز نے آدبایا جیسا کہ ثمود کو اور ان میں سے بعض کو زمین میں دھنسا دیا جیسا کہ قارون اور ان میں سے بعض کو غرق کردیا جیسا کہ قوم نوح اور فرعون اور اس کی قوم اور اللہ ایسا نہیں کہ ان پر ظلم کرے کہ بغیر جرم کے سزا دے لیکن وہ خود ہی جرم کا ارتکاب کر کے اپنے اوپر ظلم کیا کرتے تھے اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا اور کارساز تجویز کر رکھے ہیں یعنی بت جن سے نفع کی توقع رکھتے ہیں ان کی مثال مکڑی کے جالے جیسی ہے جس نے اپنے لئے ایک گھر بنایا جس میں وہ ٹھکانہ حاصل کرتی ہے بلاشبہ تمام گھروں میں مکڑی کا گھر سب سے زیادہ کمزور ہوتا ہے وہ گھر اس سے نہ گرمی دفع کرسکتا ہے اور نہ سردی، اسی طرح بت ہیں کہ اپنی پوجا پاٹ کرنے والوں کو نفع نہیں پہنچا سکتے اگر یہ لوگ اس حقیقت کو جان لیتے تو ان بتوں کی بندگی نہ کرتے اللہ تعالیٰ بلاشبہ ان تمام چیزوں کو جانتا ہے جس کی اس کے سوا یہ بندگی کرتے ہیں یا اور تا کے ساتھ وہ اپنے ملک میں غالب ہے اور اپنی صنعت میں حکمت والا ہے ہم ان قرآنی مثالوں کو لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں اور ان مثالوں کو بس غور و فکر کرنے والے عالم ہی سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حق یعنی بامقصد پیدا فرمایا ہے بلاشبہ اس میں مومنین کے لئے اللہ تعالیٰ کی قدرت پر بڑی دلیلیں ہیں، مومنین کو خاص طور پر ذکر کیا اس لئے کہ ان دلائل سے ایمان میں مومن ہی فائدہ اٹھاتے ہیں بخلاف کافروں کے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: اسحق ویعقوب سورۂ ہود میں دو باتوں کی خوشخبری کا ذکر ہے، اسحٰق ویعقوب کی ولادت کی خوشخبری اور قوم لوط کی ہلاکت کی خبر کا، مگر یہاں شارح نے ایک پر اکتفاء کیا ہے، گویا کہ سابق کی تفصیل کی وجہ سے یہاں اجمال پر اکتفاء کیا ہے، احقر کے خیال میں بعدہ کے بجائے اگر شارح ولدہ فرماتے تو زیادہ مناسب رہتا اس لئے کہ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت

ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پوتے ہیں، بعدہٗ کی ضمیر حضرت اسحٰق کی طرف راجع ہے یعنی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اسحٰق اور اسحٰق کے بعد یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خوشخبری دی اس سے وہم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب بھی حضرت ابراہیم کے صاحبزادے ہیں حالانکہ حضرت یعقوب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے ہیں۔

قولہ: قریة لوط اس قریہ کا نام سذوم تھا (جمل) بعض کتابوں میں سدوم دال کے ساتھ ہے یہ قوم لوط کی بستیوں کا مرکزی مقام تھا، حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی بستی میں رہتے تھے۔

قولہ: كانت من الغابرين اى فى علم الله الأزلى.

قولہ: سِيْئَ بِهِمْ کی تفسیر حزن بِسَبَبِهِمْ سے کرکے شارح نے اشارہ کردیا کہ سيئ کی ضمیر کا مرجع حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں قاضی بیضاوی نے سیئ کی ضمیر کا مرجع مصدر مساۃ کو قرار دیا ہے ای جاءت المساۃ بهم مگر شارح نے اول کو اختیار کیا ہے اور ساتھ ہی اس بات کی طرف اشارہ ہوگیا کہ بِهِمْ میں باسببیہ ہے۔

قولہ: صدرًا، ذرعًا کی تفسیر صدرًا سے کرکے اشارہ کردیا کہ یہ تفسیر حاصل معنی کے ذریعہ ہے ورنہ تو ذرعاً کے معنی طاقت اور قوت کے ہیں، نیز ذرعًا ضاق کی نسبت سے تمییز ہے جو فاعل سے منتقل ہوئی ہے، تقدیر عبارت یہ ہے ضاقَ بامر هم.

قولہ: لقوم يعقلون لقوم کا تعلق تركنا یا بآية یا ببينةٍ سے ہوسکتا ہے تیسرا ظاہر ہے۔

قولہ: ارجوا اليومَ الآخر رجاء کے مشہور معنی توقع اور امید کے ہیں چنانچہ بعض مفسرین یہی مراد لیتے ہیں، اور اس کے ایک معنی خوف کے بھی ہیں مفسر علام نے دوسرے معنی کو ترجیح دی ہے یعنی قیامت کے دن میں اللہ کے عذاب سے ڈرو، پہلی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ تم لوگ یوم آخرت میں اجر و ثواب کی توقع رکھو۔

قولہ: مِن عَثِيَ یہ (س ن) دونوں سے مستعمل ہے اس کے معنی ہیں فساد برپا کرنا۔

قولہ: مفسدين یہ لا تعثوا کی ضمیر سے حال مؤکدہ ہے اس لئے کہ عَثِيَ کے جو معنی ہیں وہی اَفْسَدَ کے ہیں گویا کہ یہ ابوكَ عطوفاً کی قبیل سے ہے۔

قولہ: الرجفة شدید زلزلہ اور سورۂ ہود میں ہے فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے، حالانکہ واقعہ واحد ہے اس لئے کہ حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چیخ سے زلزلہ پیدا ہوا اور زلزلہ کی وجہ سے ہلاکت ہوئی، ایک جگہ ہلاکت کی اضافت سبب یعنی صیحة کی طرف کردی اور دوسری جگہ سبب یعنی رجفة کی طرف کردی۔

قولہ: بالصرف و تركه ان دونوں کا تعلق صرف ثمود سے ہے۔

قولہ: بالحجر حجر ایک وادی کا نام ہے جو کہ مدینہ اور شام کے درمیان واقع ہے یہ قوم ثمود کی بستی تھی، اور یمن میں قوم عاد آباد تھی، یہ دونوں قومیں عذاب الٰہی میں معذب ہوئی تھیں۔

قولہ: ذوى بصائر یعنی صاحب بصیرت عقلمند، تجربہ کار، یعنی وہ کوئی دیوانے یا مجنون نہیں، دنیوی کاموں میں بڑے ہوشیار تھے اگر وہ چاہتے تو توحید و آخرت کے معاملہ میں اپنی بصیرت اور دانشمندی سے کام لے سکتے تھے مگر دنیا کی حرص اور

قومی تعصب نے ان کو بے بصیرت بنا دیا تھا۔

قِوْلَہٗ: قارون وفرعون یہاں پر قارون کو مقدم کیا گیا ہے حالانکہ شرارت اور تکبر میں فرعون قارون سے کہیں بڑھا ہوا تھا، قارون کو چونکہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرابت یعنی برادر عم ہونے کی وجہ سے ایک قسم کا شرف حاصل تھا، اسی وجہ سے قارون کو فرعون پر مقدم ذکر کیا ہے۔

قِوْلَہٗ: العنکبوت، بیت العنکبوت سے مکڑی کا جالا مراد ہے مکڑی کئی قسم کی ہوتی ہے یہاں وہ مکڑی مراد ہے جو عام طور پر گھروں میں جالا تنتی ہے، صاوی میں ہے کہ مکڑی کے آٹھ پیر اور چھ آنکھیں ہوتی ہیں، یہ قانع ترین حیوانات میں سے ہے اپنے جالے میں صبر وقناعت کے ساتھ بیٹھی رہتی ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے صبر وقناعت کی وجہ سے حریص ترین حیوان یعنی مکھی اور مچھر کو اس کی غذا بنا دیا جو اس کے جال میں پھنس کر اس کی غذا بنتے ہیں، عنکبوت میں نون اصلی ہے اور واؤ و تا زائدہ ہیں اس لئے کہ اس کی جمع عناکب اور تصغیر عنیکب آتی ہے، اس کا اطلاق واحد، تثنیہ، جمع، مذکر ومؤنث سب پر ہوتا ہے، گو تانیث میں کثیر الاستعمال ہے۔

قِوْلَہٗ: مَا عبدوها یہ لو کانوا یعلمون کی جزا ہے۔

قِوْلَہٗ: ما بمعنی الذی، ما یعلم کا مفعول ہے ای یعلم الذین یدعونهم اور بعض حضرات نے ما کو استفہامیہ توبیخیہ بھی کہا ہے، اس صورت میں ما یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ یعلم اور وهو العزیز الحکیم کے درمیان جملہ معترضہ ہوگا۔

قِوْلَہٗ: مُحِقًّا سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بالحق جار مجرور ملابست کے لئے ہے اور اللہ سے حال ہے ای محقاً غیر قاصد به باطلاً.

تَفسِیر وتَشرِیح

حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا قبول فرمالی گئی، اور اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کو ہلاک کرنے کے لئے فرشتوں کو بھیج دیا، وہ فرشتے پہلے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس گئے اور انہیں حضرت اسحق اور یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خوشخبری دی اور ساتھ ہی یہ بھی بتادیا کہ ہم لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بستی کو ہلاک کرنے جارہے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اس بستی میں تو لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ہیں تو فرشتوں نے جواب دیا اے خلیل جلیل! ہمیں وہاں کے لوگوں کا حال معلوم ہے، ہم لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے متعلقین کو ہلاک ہونے سے بچادیں گے البتہ ان کی کافرہ بیوی عذاب میں پھنسنے والوں میں رہ جائے گی، یہ کہہ کر قوم لوط کی بستی کی طرف روانہ ہوگئے، جب یہ فرشتے نوجوان خوبصورت مہمانوں کی شکل میں حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس پہنچے تو آپ ان خوب رو مہمانوں کو دیکھ کر ڈرے اپنی قوم کی عادت اور سرکشی کی وجہ سے کہ اگر ان خوبصورت مہمانوں کی آمد کا علم قوم کو ہوگیا تو وہ ان سے زبردستی بے حیائی کا ارتکاب کریں گے جس سے میری رسوائی ہوگی، ان خوش شکل مہمانوں کو اپنی قوم سے بچانے کی کوئی

تدبیر سمجھ میں نہیں آئی، جس کی وجہ سے وہ غمگین اور دل ہی دل میں بہت پریشان ہوئے، فرشتوں نے جب حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پریشانی کو دیکھا تو انہیں تسلی دی اور کہا کہ آپ کوئی خوف نہ کریں ہم اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں ہمارا مقصد آپ کی قوم کو ہلاک و برباد کرنا ہے اور آپ کو اور آپ کے تمام متعلقین و مومنین کو بچالینا ہے، سوائے آپ کی کافرہ بیوی کے۔

قِوْلِہٗ: رجزًا من السماءِ اس آسمانی عذاب سے وہی آسمانی عذاب مراد ہے جس کے ذریعہ قوم لوط کو ہلاک کیا گیا تھا کہا جاتا ہے کہ جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان بستیوں کو زمین سے اکھیڑا اور آسمانوں کی بلندی پر لے گئے اور پلٹ دیا اس کے بعد کنکر پتھروں کی بارش کردی اور اس جگہ کو سخت بدبودار (جھیل) میں تبدیل کردیا گیا۔ (ابن کثیر ملخصًا)

مَسْئَلَۃٌ: مکڑی کو مارنے اور اس کے جالے صاف کرنے کے بارے میں علماء کے اقوال مختلف ہیں بعض حضرات اس کو پسند نہیں کرتے کیونکہ مکڑی آنحضرت ﷺ کی ہجرت کے وقت غار ثور کے دہانے جالا تننے کی وجہ سے قابل احترام ہوگئی جیسا کہ خطیب نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کے قتل کی ممانعت نقل کی ہے مگر ثعلبی نے اور ابن عطیہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے یہ روایت نقل کی ہے **طَھِّرُوْا بُیُوْتَکُمْ من نسج العنکبوت فَاِنَّ ترکہٗ یُوْرِثُ الفقر** مکڑی کے جالوں سے اپنے مکانوں کو صاف رکھا کرو، کیونکہ اس کے چھوڑ دینے سے فقر و فاقہ پیدا ہوتا ہے، سند دونوں روایتوں کی قابل اعتماد نہیں ہے مگر دوسری روایت کی دوسری احادیث سے تائید ہوتی ہے جس میں مکان اور فناء دار کو صاف رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(روح المعانی، معارف)

تلكَ الامثالُ نضربُھَا للناس (الآیۃ) مشرکین کے خداؤں کی کمزوری کی مثال مکڑی کے جالے سے دینے کے بعد یہ ارشاد فرمایا کہ ہم ایسی ایسی واضح مثالوں سے توحید کی حقیقت کو بیان کرتے ہیں مگر ان مثالوں سے بھی نصیحت اور سمجھ علماء ہی حاصل کرتے ہیں، دوسرے لوگ تدبر اور غور و فکر نہیں کرتے کہ ان پر حق واضح ہوجائے۔

عالم کون؟

امام بغوی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی، اور فرمایا کہ عالم وہی شخص ہے جو اللہ کے کلام میں غور و فکر کرے اور اس پر عمل کرے اور اللہ کو ناراض کرنے کے کاموں سے اجتناب کرے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن و حدیث کے محض الفاظ سمجھ لینے سے اللہ کے نزدیک کوئی شخص عالم نہیں ہوتا جب تک کہ قرآن میں تدبر اور غور و فکر کی عادت نہ ڈالے اور جب تک اپنے عمل کو قرآن کے مطابق نہ بنائے۔

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ القراٰن **وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ** شرعًا ای مِنْ شانِھا ذٰلك مادَامَ الْمَرْءُ فیھا **وَلَذِکْرُ اللہِ اَکْبَرُ** مِن غیرِہ مِنَ الطّاعَاتِ **وَاللہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ** فیُجازِیکُم به

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ ای بالمُجادلَةِ التی هِیَ اَحْسَنُ کالدعاءِ الی اللهِ باٰیاتِه والتنبیهِ علی حُجَجِه اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ بأن حاربُوا وأبَوا أن یُقِرُّوا بالجزیَةِ فجادِلُوهم بالسَّیفِ حتی یُسلِمُوا او یُعطُوا الجزیَةَ وَقُوْلُوْٓا لِمَن قبلَ الاقرار بالجزیَةِ اذا اَخبرُوکم بشیءٍ مِمَّا فی کُتُبِهم اٰمَنَّا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَاُنْزِلَ اِلَیْكُمْ ولا تُصَدِّقُوهم ولا تُکَذِّبُوهم فی ذٰلك وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ مُطیعُونَ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ القُراٰنَ ای کما انزلنا الیهم التوراة وغیرَها فَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ التوراةَ کَعَبدِ اللهِ بنِ سَلامٍ وغیرِه یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ بالقُراٰنِ وَمِنْ هٰٓؤُلَآءِ ای اهلِ مکةَ مَنْ یُّؤْمِنُ بِهٖ وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَآ بعدَ ظُهورِها اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۷﴾ ای الیهودُ وظهرَ لهم ان القراٰنَ حقٌّ والجائِی بِه مُحِقٌّ وجَحَدُوا ذٰلك وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ ای القراٰنِ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِكَ اِذًا ای لو کنتَ قارئًا کاتبًا لَّارْتَابَ شكَّ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾ ای الیهود فیك وقالوا الذی فی التوراةِ انه اُمِّیٌّ لا یقرأُ ولایکتُبُ بَلْ هُوَ ای القُراٰنُ الذی جئتَ به اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ای المؤمنین یحفظونه وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾ الیهودُ جَحَدُوها بعدَ ظُهورِها لهم وَقَالُوْا ای کُفَّارُ مکةَ لَوْلَآ هلَّا اُنْزِلَ عَلَیْهِ علی محمدٍ اٰیٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ وفی قراءةٍ اٰیاتٌ کناقةِ صالحٍ وعَصَا موسٰی ومائدةِ عیسٰی قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ یُنزِلُها کما یشاءُ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۵۰﴾ مُظهِرٌ اِنذاری بالنارِ اهلَ المعصیة اَوَلَمْ یَكْفِهِمْ فیما طلبُوه اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ القراٰنَ یُتْلٰی عَلَیْهِمْ فهو اٰیةٌ مُستَمِرَّةٌ لاانقضاءَ لها بخلاف ما ذُکر من الاٰیاتِ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ الکتابِ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰی عظةً لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾

ترجمہ: جو کتاب آپ پر یعنی قرآن وحی کی گئی ہے آپ اس کو پڑھا کیجئے اور نماز کی پابندی رکھئے یقیناً نماز بے حیائی اور شرعاً ناشائستہ کاموں سے روک دیتی ہے یعنی نماز کی شان یہی ہے، جب تک انسان نماز میں ہوتا ہے بے شک اللہ کا ذکر دیگر طاعتوں کے مقابلہ میں بہت بڑی چیز ہے جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے اس کی تم کو وہ جزا دے گا اور تم اہل کتاب کے ساتھ بجز مہذب طریقہ کے مجادلہ مت کرو مثلاً اللہ کی طرف اللہ کی آیات کے ذریعہ دعوت دو اور اس کے دلائل پر تنبیہ کرو مگر ان کے ساتھ جو ان میں سے زیادتی کریں بایں طور کہ محاربہ کریں اور جزیہ دینے سے انکار کریں تو ایسے لوگوں سے جہاد بالسیف کرو حتی کہ اسلام قبول کریں یا جزیہ دینا منظور کریں، اور ان لوگوں سے جنہوں نے جزیہ دینے کا اقرار کرلیا جب وہ اپنی کتابوں میں سے کسی بات کی خبر دیں تو کہہ دو کہ ہمارا تو اس کتاب پر بھی ایمان ہے جو ہم پر اتاری گئی ہے اور اس پر بھی جو تم پر اتاری گئی ہے، اور اس خبر کے بارے میں نہ ان کی تصدیق کرو اور نہ تکذیب اور ہمارا تمہارا معبود ایک ہی ہے ہم سب اسی کے حکم بردار ہیں (یعنی) اطاعت گذار ہیں اور ہم نے اسی طرح آپ پر کتاب یعنی قرآن نازل کی ہے جیسا کہ ان پر تورات وغیرہ نازل کی ہیں

سو جن لوگوں کو ہم نے کتاب تورات دی ہے جیسا کہ عبداللہ بن سلام وغیرہ تو وہ اس کتاب یعنی قرآن پر ایمان لائے ہیں اور ان لوگوں یعنی اہل مکہ میں بھی بعض ایسے ہیں جو قرآن پر ایمان لے آئے ہیں اور ہماری آیتوں کا ان کے ظہور کے بعد بجز کافروں یعنی یہود کے کوئی منکر نہیں اوران پر واضح ہوگیا کہ قرآن حق ہے اوراس کا لانے والا حق پر ہے (پھر بھی) اس کے منکر ہوئے آپ اس کتاب یعنی قرآن سے پہلے کوئی کتاب پڑھے ہوئے نہیں تھے اور نہ آپ اپنے ہاتھ سے کوئی کتاب لکھتے تھے ورنہ تو اگر آپ لکھنا پڑھنا جانتے تو یہ باطل پرست یہود آپ کے بارے میں ضرور شبہ نکالتے اور کہتے کہ جس (آنے والے نبی) کا ذکر تورات میں ہے وہ تو امی ہوگا وہ لکھنا پڑھنا کچھ نہ جانتا ہوگا (اور یہ تو جانتا ہے) بلکہ یہ قرآن جس کو آپ لائے ہیں خود ان لوگوں کے دلوں میں جن کو علم عطا کیا گیا ہے یعنی وہ مومنین جو اس کی حفاظت کرتے ہیں واضح دلیلیں ہیں اور ہماری آیتوں کا منکر بجز ظالم کے کوئی نہیں یہود نے ان پر ان آیتوں کے واضح ہونے کے باوجود انکار کردیا، کفار مکہ نے کہا کس لئے محمد پر کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے نہیں اتاری گئی اور ایک قراءت میں (آیت کی بجائے) آیات ہے جیسا کہ صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اونٹنی اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عصا اور عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دسترخوان آپ کہہ دیجئے کہ نشانیاں تو اللہ کے اختیار میں ہیں جس پر چاہتا ہے نازل کرتا ہے اور میں تو صاف صاف ڈرانے والا ہوں میرا ڈرانا اہل معصیت کو آگ (جہنم) سے ہے کیا ان کو اپنے مطالبہ کے سلسلہ میں یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر کتاب قرآن نازل کردی جو ان کو پڑھ کر سنائی جارہی ہے یہ کتاب تو ایسی آیت ہے کہ جو ہمیشہ رہنے والی ہے جو کبھی ختم ہونے والی نہیں بخلاف ان آیات کے جن کا تذکرہ کیا گیا اس کتاب میں رحمت (بھی) ہے اور نصیحت ایمان والوں کے لئے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْكَ (الآیة) اے محمد ﷺ جب آپ کو اپنی قوم کے ایمان نہ لانے پر افسوس اور غم ہو تو آپ قرآن کی تلاوت کیا کیجئے تو آپ کو یہ جان کر تسلی ہوگی کہ حضرت نوح ولوط علیہما السلام وغیرہ کو بھی ایسے حالات پیش آئے تھے، جیسے آپ کو پیش آرہے ہیں نیز انہوں نے تبلیغ رسالت اور دلائل قائم کرنے میں بے حد محنت اور مبالغہ سے کام لیا مگر اس کے باوجود وہ اپنی قوموں کو ضلالت اور جہالت سے نہ بچاسکے، جب آپ قرآن کی تلاوت کریں گے اور انبیاء مذکورین کے حالات معلوم ہوں گے تو آپ کو ایک گونہ تسلی ہوگی۔

قولہ: الفحشاء والمنکر ''فحش'' اس برائی کو کہتے ہیں جس کو شریعت نے برا قرار دیا ہو خواہ عرف عام میں اس کو اچھا ہی کیوں نہ سمجھا جاتا ہو۔

قولہ: مادام المرءُ فیھا یہ ایک قول ہے ورنہ صحیح بات یہ ہے کہ فواحش اور منکرات سے روکنا نماز کی خاصیت ہے بشرطیکہ اس کو شرائط اور آداب کے ساتھ پابندی سے ادا کیا جائے، اگر کوئی شخص نماز کی پابندی کے باوجود فواحش سے باز نہیں آتا ہے تو

سمجھ لو کہ نماز کی ادائیگی میں قصور ہے نہ کہ نماز کی خاصیت میں۔

قِوْلَہٗ: کعبد اللّٰہ بن سلام یہ سبقت قلم ہے اس لئے کہ یہ سورت مکی ہے اور عبد اللہ بن سلام مدینہ میں ایمان لائے ہیں لہٰذا عبد اللہ بن سلام کو مثال میں پیش کرنا درست نہیں ہے، ہاں البتہ یہ ممکن ہے اخبار بالغیب کے طور پر اللہ تعالیٰ نے حضرت عبد اللہ بن سلام کے ایمان لانے کی خبر دی ہو۔

قِوْلَہٗ: مِن کتاب، من کتاب، تتلوا کا مفعول ہے اور من زائدہ ہے۔

قِوْلَہٗ: لو کنت قارئًا کاتبًا یہ لف ونشر مرتب ہے۔

قِوْلَہٗ: الیھود، مبطلون کی تفسیر میں یہود کی تخصیص مناسب نہیں ہے اس لئے کہ نصاریٰ کا بھی یہی حال تھا لہٰذا اگر الیھود کے بجائے کالیھود فرماتے تو زیادہ مناسب تھا تا کہ یہود کے علاوہ ہر منکر قرآن اس میں شامل ہو جاتا۔

قِوْلَہٗ: اَوَلَمْ یَکْفِھِمْ ہمزہ محذوف پر داخل ہے اور واؤ عاطفہ ہے اور یکفھم کا عطف محذوف پر ہے تقدیر عبارت یہ ہے کہ أجَهِلُوْا ولم یکفِھِم اور یہ استفہام توبیخی ہے۔

قِوْلَہٗ: أنّا أنزلنا۔ أنّ اور جس پر انّ داخل ہے مصدر کی تاویل میں ہے، اور یکف کا فاعل ہے تقدیر عبارت یہ ہے اَوَلَمْ یکفھم انزالنا.

تفسیر وتشریح

سابقہ آیات سے ربط:

اُتلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْکَ سابقہ آیات میں چند انبیاء اور ان کی امتوں کا ذکر تھا جن میں چند بڑے بڑے سرکش کفار اور ان پر قسم قسم کے عذابوں کا ذکر تھا، جن میں رسول اللہ ﷺ اور مومنین امت کے لئے تسلی بھی ہے کہ انبیاء سابقین نے مخالفین کی کیسی کیسی ایذاؤں پر صبر کیا اور اس کی تلقین بھی کہ تبلیغ ودعوت کے کام میں کسی حال میں ہمت نہیں ہارنا چاہئے۔

قرآن کی تلاوت کے فوائد:

اُتلُ مَا اُوْحِیَ میں اگر چہ خطاب آپ ﷺ کو ہے مگر مراد پوری امت ہے، قرآن کریم کی تلاوت متعدد مقاصد کے لئے مطلوب ہے، اجر وثواب کے لئے اس کے معانی اور مطالب میں غور وفکر کرنے کے لئے تعلیم وتدریس کے لئے اور وعظ ونصیحت کے لئے، اس حکم تلاوت میں تمام صورتیں داخل ہیں۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ۔ کیونکہ نماز سے (بشرطیکہ نماز ہو) انسان کا خصوصی تعلق اللہ تعالیٰ سے قائم ہو جاتا ہے جس سے انسان کو اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہوتی ہے، اسی لئے قرآن کریم میں کہا گیا ہے یٰٓاَیُّھَا الذین آمنوا استعینوا بالصبر والصَّلٰوۃ " اے

ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو'' (البقرہ) نماز اور صبر کوئی مرئی چیز تو ہے نہیں کہ انسان ان کا سہارا پکڑ کر ان سے مدد حاصل کرلے یہ تو غیر مرئی چیز ہے، مطلب یہ ہے کہ ان کے ذریعہ انسان کا اپنے رب کے ساتھ خصوصی تعلق قائم ہوجاتا ہے، وہ قدم قدم پر اس کی رہنمائی اور دستگیری کرتا ہے، آپ ﷺ کو جب بھی کوئی اہم مرحلہ درپیش ہوتا تھا تو آپ نماز کا اور زیادہ اہتمام فرماتے تھے۔

نماز تمام گناہوں سے روکتی ہے:

''فحش'' اور ''منکر'' دو لفظ ہیں ان دو لفظوں میں تمام جرائم اور ظاہری و باطنی سب گناہ آگئے، متعدد مستند احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اقامت صلوٰۃ کی یہ تاثیر ہے کہ جو شخص اس کی شرائط کے ساتھ پابندی کرتا ہے تو اس سے گناہ چھوٹ جاتے ہیں، مگر اس کی شرائط و آداب کے ساتھ پابندی ضروری ہے، جس طرح دواؤں کی مختلف تاثیرات ہیں اور کہا جاتا ہے کہ فلاں دوا فلاں بیماری میں مفید ہے اور واقعتاً ایسا ہوتا بھی ہے لیکن کب؟ جب دو باتوں کا التزام کیا جائے ایک تو دوا کو پابندی کے ساتھ بتائے ہوئے طریقہ اور شرائط کے ساتھ استعمال کیا جائے اور دوسری چیز پرہیز یعنی ایسی چیزوں سے اجتناب کیا جائے جو اس دوا کے اثرات کو زائل کرنے والی ہوں، اسی طرح نماز کے اندر بھی اللہ تعالیٰ نے یقیناً ایسی روحانی تاثیر رکھی ہے کہ انسان کو بے حیائی اور برائی سے روک دیتی ہے لیکن جب کہ نماز کو سنت نبوی کے طریقہ پر پڑھا جائے۔

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَر یعنی اللہ کا ذکر بہت بڑا ہے، اس کا مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بندہ جو نماز یا نماز سے باہر اللہ کا ذکر کرتا ہے یہ بڑی چیز ہے اور یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ بندے جب اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اپنے ذاکر بندے کا ذکر فرشتوں کے مجمع میں کرتا ہے اور فاذكرونى اذكركم کے پیش نظر اللہ کا اپنے بندوں کو یاد کرنا بہت بڑی نعمت ہے۔

وَلَا تُجَادِلُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ اِلَّا بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَن اِلَّا الَّذِيْنَ ظلموا یعنی اہل کتاب سے اگر بحث و مباحثہ کی نوبت آئے تو مجادلہ ایسے طریقہ سے کرو جو بہتر ہو مثلاً سخت کلام کا جواب نرم گفتاری سے اِلَّا الذين ظلموا منهم یعنی جو بحث و مباحثہ میں افراط و تفریط سے کام لیں تو تمہیں بھی سخت لب و لہجہ اختیار کرنے کی اجازت ہے، بعض مفسرین نے پہلے گروہ سے وہ اہل کتاب مراد لئے ہیں جو مسلمان ہوگئے تھے اور دوسرے گروہ سے وہ اشخاص مراد لئے ہیں جو مسلمان نہیں ہوئے بلکہ یہودیت اور نصرانیت پر قائم رہے اور بعض نے الذين ظلموا منهم کا مصداق ان اہل کتاب کو لیا ہے جو مسلمانوں کے خلاف جارحانہ عزائم رکھتے تھے، اور جنگ و جدال کے بھی مرتکب ہوتے تھے ان سے تم بھی قتال کرو تا آنکہ مسلمان ہوجائیں یا جزیہ دینا قبول کریں۔

آمَنَّا بِالَّذِىْ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ اس آیت میں مسلمانوں کے تورات اور انجیل پر ایمان لانے کا تذکرہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم تورات اور انجیل پر اجمالی ایمان رکھتے ہیں یہ اللہ کی نازل کردہ آسمانی کتابیں ہیں، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ موجودہ تورات و انجیل کے تمام مضامین پر ہمارا ایمان ہے گذشتہ زمانہ میں ان میں ہزارہا تحریفات ہوچکی

ہیں اوراب بھی تحریفات کا سلسلہ جاری ہے۔

موجودہ توراۃ وانجیل کی نہ مطلقاً تصدیق کی جائے اور نہ تکذیب، صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ اہل کتاب توراۃ وانجیل کو ان کی اصل زبان عبرانی میں پڑھتے تھے اور مسلمانوں کو ان کا ترجمہ عربی میں سناتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق مسلمانوں کو یہ ہدایت فرمائی کہ تم اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب بلکہ یوں کہو آمَنَّا بِالَّذِی اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَاُنْزِلَ اِلَیْکُمْ یعنی ہم اجمالاً اس وحی پر ایمان لاتے ہیں جو تمہارے انبیاء پر نازل ہوئی ہے اور جو تفصیلات تم بتاتے ہو وہ ہمارے نزدیک قابل اعتماد نہیں، اس لئے ہم اس کی تصدیق وتکذیب سے اجتناب کرتے ہیں۔

تفسیر کی کتابوں میں جو عام مفسرین نے اہل کتاب کی روایات (اسرائیلیات) نقل کی ہیں ان کا بھی یہی درجہ ہے اور نقل کرنے کا منشا اس کی صرف تاریخی حیثیت کو واضح کرنا ہے، حلال وحرام کا اس سے استنباط نہیں کیا جاسکتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا امی ہونا آپ کی نبوت کی اہم دلیل ہے:

حق تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت پر جس طرح بہت سے واضح معجزات ظاہر فرمائے انہی میں سے ایک یہ ہے کہ آپ کو امی رکھا، اور آپ کا اختلاط اہل کتاب سے بھی کبھی نہیں رہا کہ ان سے کچھ سن لیتے اس لئے کہ مکہ میں اہل کتاب تھے ہی نہیں، چالیس سال ہونے پر یکا یک آپ کی زبان مبارک سے ایسا کلام جاری ہونے لگا جو اپنے مضامین اور معانی کے اعتبار سے بھی معجزہ تھا اور لفظی فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے بھی۔

لَوْ لَا اُنْزِلَ عَلَیْهِ آیٰتٌ مِنْ رَبِّهٖ یعنی اہل مکہ آپ سے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسے معجزے طلب کرتے ہیں اول تو آپ فرما دیجئے کہ معجزوں کا ظاہر کردینا اور نشانیوں کا دکھا دینا میرے اختیار میں نہیں ہے اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں ظاہر فرما دیتے ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ کیا یہ قرآن معجزہ نہیں ہے جس کی بابت انہیں چیلنج دیا گیا ہے کہ اس جیسا لاکر دکھائیں یا کوئی ایک ادنیٰ سورت ہی بنا کر پیش کردیں، اور یہ چیلنج آج بھی باقی ہے اور تا قیامت رہیگا، جب قرآن کی اس معجزہ نمائی کے باوجود اس قرآن پر ایمان نہیں لا رہے ہے تو اگر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح کے معجزے ان کو دکھا بھی دیئے گئے تو کیا ضمانت ہے کہ یہ ایمان لے ہی آئیں گے، جبکہ سابق انبیاء علیہم السلام کے معجزے ان کی زندگی کے ساتھ ساتھ ختم ہوگئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن کا معجزہ آج بھی باقی ہے اور تا قیامت باقی رہے گا۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ بصدقی يَعْلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ ومنهُ حالی وحالکم وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وهو ما يُعْبَدُ من دون اللهِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ منکم اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۵۲﴾ فی صَفْقَتِهِم حیث اشْتَرَوُا الکفرَ بالایمانِ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۗ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لـه لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ۗ عاجلاً وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۳﴾ بوقتِ اِتْيانِه يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۗ فی الدنیا وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ ۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ يَوْمَ يَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ

اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ فِيهِ بالنون اى نامُرُ بالقَوْل وبالياءِ اى يقول المُوَكَّلُ بالعذاب ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ اى جزاء ہ فلا تَفُوْتُوْنَنَا يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ فى اَيِّ ارضٍ تَيَسَّرَتْ فيها العبادةُ بِاَنْ تُهاجِرُوْا اليها من ارض لَمْ يَتَيَسَّرْ فيها نزل فى ضُعَفاءِ مُسْلِمِى مَكَّةَ كانوا فى ضيق من اظهار الاسلام بها كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۷﴾ بالتاء والياءِ بعدَ البعثِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ نُنْزِلَنَّهم وفى قراءة بالمثلثةِ بعدَ النونِ من الثَوِىِّ الاِقامةُ وتَعْدِيَتُه الٰى غُرَفٍ بحذفِ فِى مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ مُقَدِّرِينَ الخلودَ فِيْهَا نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۵۸﴾ هٰذا الاجرُ هم الَّذِيْنَ صَبَرُوْا على اذى المشركينَ والهجرةِ لِاِظْهار الدِّين وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۵۹﴾ فيرزُقُهم من حيثُ لا يَحْتَسِبُوْنَ وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا لِضُعْفِهَا اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ اَيُّها المهاجرونَ وإن لم يكن معكم زادٌ ولا نفقةٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ لِقَوْلِكم الْعَلِيْمُ ﴿۶۰﴾ بضَمِيرِكم وَلَئِنْ لامُ قَسمٍ سَاَلْتَهُمْ اى الكفارَ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ يُصْرَفونَ عن توحيدِه بعدَ اقرارِهم بذٰلك اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ يُوَسِّعُه لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ اِمْتِحَانًا وَيَقْدِرُ يُضَيِّقُ لَهٗ بعدَ البَسْطِ اَوْ لِمَنْ يشاء اِبْتِلاءً اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۲﴾ ومنهُ محلُّ البسطِ والتَّضْيِيقِ وَلَئِنْ لامُ قَسمٍ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فكَيْفَ يُشْرِكُوْنَ بِه قُلْ لهم الْحَمْدُ لِلّٰهِ على ثبوتِ الحُجَّةِ عليكم بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ تَناقُضَهم فى ذٰلك.

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان میری سچائی پر گواہ کافی ہے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اسے سب باتوں کی خبر ہے اور انہیں میں میرا اور تمہارا حال بھی ہے اور جو لوگ باطل پر اور وہ اللہ کے علاوہ وہ چیزیں ہیں جن کی پوجا پاٹ کی جاتی ہے یقین رکھتے ہیں اور تم میں سے اللہ کے منکر ہیں یہی لوگ ہیں جو اپنے سودے میں نقصان اٹھانے والے ہیں اس طور پر کہ انہوں نے ایمان کے بدلے کفر اختیار کرلیا ہے اور یہ لوگ آپ سے عذاب کے بارے میں جلدی کرتے ہیں اور اگر عذاب کی مدت متعین نہ ہوتی تو ان پر فوری عذاب آچکا ہوتا اور ان پر وہ عذاب دفعۃً آپہنچے گا اور ان کو اس کے آنے کی خبر بھی نہ ہوگی، یہ لوگ آپ سے دنیا ہی میں عذاب کا تقاضا کرتے ہیں (ذرا تسلی رکھیں) بلاشبہ جہنم کافروں کو گھیرے میں لینے والی ہے جس دن عذاب ان کو ان کے اوپر سے اور نیچے سے گھیرے گا، عذاب کے ذمہ دار فرشتے کہیں گے اپنے اعمال کی جزا چکھو یقول میں نون اور یا دونوں ہیں، اگر نون ہو تو مطلب ہوگا ہم فرشتوں کو یہ بات کہنے کا حکم کریں گے تو تم ہم سے بچ کر نہیں نکل سکتے اے میرے ایماندار بندو! میری زمین بہت کشادہ ہے میری ہی بندگی کرو جہاں بھی عبادت آسان ہو، لہٰذا اس سرزمین سے جہاں عبادت آسان نہ ہو اس سرزمین کی طرف ہجرت کر جاؤ (کہ جہاں عبادت کرنا آسان ہو) (یہ آیت) مکہ کے ان

کمزور مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی جو مکہ میں اظہار اسلام کے بارے میں تنگی میں تھے، ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے پھر تم سب زندہ ہونے کے بعد ہماری طرف لوٹائے جاؤ گے تُرْجَعُوْنَ تا اور یا کے ساتھ، جو لوگ ایمان لائے اور اچھے اعمال کئے ہم ان کو جنت کے بالا خانوں میں جگہ دیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جنت کے بالا خانوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یعنی ہم نے ان کے لئے جنت کے بالا خانہ میں ہمیشہ رہنا مقدر کر دیا ہے، عمل کرنے والوں کا اجر کیا ہی خوب ہے یہ اجر، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے مشرکین کی ایذاؤں پر اور دین کے اظہار پر صبر کیا اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں تو وہ ان کو ایسے طریقے سے روزی دے گا کہ ان کو وہم و گمان بھی نہ ہوگا اور بہت سے جانور ایسے ہیں جو اپنی کمزوری کی وجہ سے اپنی روزی اٹھائے نہیں پھرتے اے ہجرت کرنے والو! اللہ تم کو بھی روزی دے گا اور ان کو بھی اگرچہ تمہارے پاس زادراہ اور خرچہ نہ ہو وہ تمہاری باتوں کو سنتا ہے اور تمہارے دل کے رازوں کو جانتا ہے اور اگر آپ ان سے یعنی کفار سے دریافت کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ اور کس نے شمس و قمر کو مسخر کر رکھا ہے؟ وَلَئِنْ میں لام قسم کا ہے تو یقیناً یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے، تو پھر یہ لوگ توحید کو چھوڑ کر اس کا اقرار کرنے کے بعد کہاں الٹے چلے جا رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کا چاہتے ہیں بطور آزمائش رزق کشادہ کر دیتے ہیں اور کشادہ کرنے کے بعد اس کا رزق تنگ کر دیتے ہیں یا بطور آزمائش جس کی چاہیں (روزی تنگ کر دیتے ہیں) بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر شئ کے حال سے واقف ہے اور اسی (معلوم) شئ میں روزی کشادہ اور تنگ کرنے کا محل بھی ہے اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ وہ ذات کون ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا اور اس پانی کے ذریعہ زمین کو اس کے خشک ہو جانے کے بعد تر و تازہ کر دیا؟ تو یقیناً یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے تو پھر اس کے ساتھ کسی کو کیوں شریک کرتے ہیں؟ آپ کہیے تمہارے اوپر حجت ثابت ہونے پر، الحمد للہ، بلکہ ان میں اکثر لوگ اس معاملہ میں اپنے (قول میں) تناقض کو سمجھتے بھی نہیں ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: صَفْقَةٌ ہاتھ پر ہاتھ مارنا، تالی بجانا، معاملہ کرنا، عرب کی عادت تھی کہ بیع کے تام ہونے کو ظاہر کرنے کے لئے اختتام بیع پر ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مارتے تھے، یہاں مطلقاً بیع مراد ہے جس کو تجارتی اصطلاح میں سودا کہتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ، اِیَّایَ اپنے ماقبل فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے بعد کا فعل اس کی تفسیر کر رہا ہے تقدیر عبارت یہ ہے فاعبدوا ایَّایَ فاعبدون.

قَوْلُہٗ: لَنُبَوِّئَنَّهُمْ جمع متکلم لام تاکید بانون تاکید ثقیلہ بَوَّءَ یُبَوِّءُ تَبْوِئَةً (تفعیل) بَوْءٌ مادہ ہے، ٹھکانہ دینا، جگہ درست کرنا، اور ایک قراءت میں لَنُثْوِیَنَّهُمْ ای لنقیمنّهم مشتق من الثواء بمعنی اقامت، اس دوسری قراءت کے مطابق غُرَفًا مفعول بہ ہوگا نُثْوِی نُنْزِلُ کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے۔ اس صورت میں نُنْزِل کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے

متعدی بدومفعول ہوگا، مفعول اول هم ضمیر ہے اور دوسرا غُرَفًا بتقدیر فی ہے، ای فی غرفٍ من الجنة پہلی قراءت میں غُرَفًا مفعول ثانی ہے اور هم مفعول اول ہے اس لئے کہ بَوَّأَ متعدی بدومفعول ہے، قال اللّٰه تعالٰی تُبَوِّئُ المؤمنينَ مقاعِدَ لِلقتال اور کبھی متعدی بالام بھی ہوتا ہے کما قال تعالٰی وَاِذ بَوّأنا لِاِبْراهيمَ مكان البيتِ.

قَوْلُهُ: تجری من تحتها الانهار یہ جملہ ہوکر غُرَفًا کی صفت ہے۔

قَوْلُهُ: وَالذین آمنوا مبتداء لَنُبَوِّئَنَّهُمْ اس کی خبر والذين آمنوا فعل محذوف کی وجہ سے منصوب بھی ہوسکتا ہے جس پر بعد کا فعل دلالت کررہا ہے اس صورت میں یہ باب اشتغال سے ہوگا۔

قَوْلُهُ: مقدرين الخلود فيها اس سے اشارہ ہے کہ خالدین حال مقدرہ ہے ای انهم حين الدخول يقدرون الخلود.

قَوْلُهُ: هٰذا الاجر یہ مخصوص بالمدح ہے۔

قَوْلُهُ: الذین صَبَروا، هم مبتداء محذوف کی خبر ہے جیسا کہ شارح نے ظاہر کردیا ہے اور العاملین کی صفت بھی ہوسکتی ہے۔

قَوْلُهُ: وكأين من دابة كأيّن مبتداء ممیز، من دابةٍ اس کی تمیز لا تحملُ دابّةٍ کی صفت اللّٰه يَرْزُقُها جملہ ہوکر كأيّن مبتدا کی خبر۔

تفسیر و تشریح

شروع سورت سے یہاں تک مسلمانوں کے ساتھ کفار کی عداوت اور توحید و رسالت سے مسلسل انکار اور حق اور اہل حق کی راہ میں طرح طرح کی رکاوٹوں کا بیان تھا، مذکورۃ الصدر آیات میں مسلمانوں کے لئے ان کے شر سے بچنے اور حق کو شائع کرنے اور حق وانصاف کو دنیا میں قائم کرنے کی ایک تدبیر کا بیان ہے جس کا اصطلاحی نام ہجرت ہے یعنی اس وطن اور ملک کو چھوڑ دینا جس میں انسان خلاف حق بولنے اور کرنے پر مجبور ہو اور شعائر دین کو آزادی سے ادا نہ کرسکتا ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّ ارضی وَاسِعَةٌ فَاِيَّایَ فَاعْبُدُوْنِ یعنی اگر کسی ملک میں یا کسی علاقہ میں ایسے حالات پیدا ہوجائیں کہ جہاں فرائض دین اور شعائر اسلام کو بآسانی ادا نہ کرسکے اور باطل کی مجبوراً تائید کرنی پڑے تو ایسی جگہ سے ہجرت کرنا فرض ہوجاتا ہے، فرائض میں کوتاہی یا عدم ادائیگی کے بارے میں یہ عذر عند اللہ قابل قبول نہ ہوگا کہ جہاں ہم رہتے تھے کافروں اور ظالموں کی حکومت تھی فرائض اور شعائر اسلام کی ادائیگی وہاں ممکن نہیں تھی، اس لئے کہ اللہ کی زمین وسیع ہے ہجرت کرجانا چاہئے تھا۔

وطن سے ہجرت کرکے کسی دوسری جگہ جانے میں عام طور پر عادۃً دو قسم کے خطرات پیش آیا کرتے ہیں جو ہجرت سے روکتے ہیں، پہلا خطرہ اپنی جان کا ہے، جب وطن کو چھوڑ کر جائیں گے تو یہاں کے کفار اور ظالم لوگ راہ میں حائل ہوں گے

اور یہ بھی ممکن ہے کہ راستہ میں دیگر کافروں سے بھی مقابلہ یا مقاتلہ کی نوبت آجائے جس سے جان کا خطرہ ہو، اس کا جواب اس آیت میں دیا گیا ہے کہ کل نفسٍ ذائقة الموت یعنی موت تو ہر حال اور ہر جگہ آنے والی ہے اس لئے موت سے خوف اور گھبراہٹ مومن کا کام نہیں ہونا چاہئے اور مومن کا یہ عقیدہ ہے کہ موت اپنے مقررہ وقت سے پہلے نہیں آسکتی اس لئے ہجرت کرنے میں موت کا خوف حائل نہ ہونا چاہئے، خصوصاً جبکہ احکام الٰہی کی اطاعت کرتے ہوئے موت آجانا دائمی راحتوں اور نعمتوں کا ذریعہ ہے جو ان کو آخرت میں ملیں گی، جس کا ذکر بعد کی ان دو آیتوں میں فرمایا اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِنَ الجنةِ غُرَفًا. (الآیة)

دوسرا خطرہ ہجرت کی راہ میں یہ پیش آتا ہے کہ دوسرے ملک یا دوسری جگہ جا کر رزق کا کیا سامان ہوگا؟ اپنی جگہ رہتے ہوئے تو انسان کا کچھ نہ کچھ ذریعہ معاش ہوتا ہے، ہجرت کی وجہ سے یہ سب ختم ہو جاتا ہے، اس کا جواب بعد کی تین آیتوں میں اس طرح دیا گیا ہے کہ تم اس حاصل کردہ سامان کو رزق کی علت اور کافی سبب قرار دیتے ہو یہ خیال تمہارا غلط ہے رزق دینے والا درحقیقت اللہ ہے وہ بغیر کسی ظاہری سامان اور ذریعہ کے بھی رزق پہنچا دیتا ہے اور اگر وہ نہ چاہے تو سامان اور اسباب کے ہوتے ہوئے بھی انسان رزق سے محروم ہو سکتا ہے اس کے بیان کے لئے فرمایا وَكَاَيِّنْ مِنْ دَآبَّةٍ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ یعنی اس پر غور کرو کہ زمین پر چلنے والے ہزاروں قسم کے جانور ہیں کہ جو اپنا رزق جمع کرنے اور رکھنے کا انتظام نہیں کرتے مگر اللہ تعالیٰ ان کو روزانہ رزق مہیا کرتا ہے، سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان اور چوہا اور چیونٹی کے سوا کوئی حیوان اپنی غذا جمع نہیں کرتا بعض حضرات نے کوے کو بھی شمار کیا ہے وہ بھی اپنے آشیانہ میں غذا چھپا کر رکھتا ہے مگر بھول جاتا ہے، چیونٹی چونکہ سردی کے موسم میں اپنے سوراخ سے باہر نہیں آتی اس لئے موسم گرما ہی میں سرما کا انتظام کر لیتی ہے، بقیہ ہزار ہا اقسام کے جانور جن کا شمار بھی مشکل ہے ان میں کوئی جانور ایسا نہیں ہے کہ جو کل کی فکر کرتا ہو، حدیث شریف میں ہے کہ یہ پرندے صبح کو اپنے گھونسلوں سے بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے ہوئے واپس ہوتے ہیں نہ ان کی کوئی کھیتی باڑی ہے اور نہ زمین جائداد نہ کسی کارخانہ یا دفتر کے ملازم ہیں کہ وہاں سے اپنا رزق حاصل کریں، اور یہ ایک دن کا معاملہ نہیں جب تک وہ زندہ رہتے ہیں روزانہ ان کو پیٹ بھرائی رزق ملتا ہے۔

(معارف)

خلاصہ یہ ہے کہ ہجرت سے روکنے والی دوسری شئ فکر معاش ہے مگر یہ انسان کا خام خیال ہے اس لئے اپنے جمع کردہ اسباب معاش پر ہی بھروسہ کر لینا درست نہیں ہے اس لئے یہ دوسرا خطرہ بھی ہجرت سے مانع نہیں ہونا چاہئے۔

ہجرت سے متعلق الفاظ عام ہونے کی وجہ سے حکم اگرچہ عام ہے مگر آیت کے شان نزول میں مفسرین لکھتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مومنین کو جب مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم فرمایا تو صحابہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ہم کس طرح مدینہ جائیں نہ وہاں گھر ہے نہ در اور نہ وہاں مال، ہمیں وہاں کون کھلائے پلائے گا؟ تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

مسئلہ: جس شہر یا ملک میں انسان کو اپنے دین پر قائم رہنے کی آزادی نہ ہو، وہ کفر و شرک یا احکام شرعیہ کی خلاف ورزی

پر مجبور ہوتو ایسی جگہ سے بشرطیکہ قدرت ہو ہجرت کرنا واجب ہے البتہ اگر قدرت نہ ہو یا کوئی ایسی جگہ میسر نہ ہو کہ وہاں آزادی سے اپنے دین پر عمل کر سکے تو وہ شرعاً معذور ہے۔

مَسْئَلۃ: جس جگہ عام احکام دینیہ پر عمل کرنے کی آزادی ہو وہاں سے ہجرت فرض یا واجب تو نہیں مگر مستحب ہے، اور اس میں دارالکفر ہونا بھی ضروری نہیں دارالفسق جہاں احکام الٰہیہ کی خلاف ورزی اعلاناً ہوتی ہو اس کا بھی یہی حکم ہے اگرچہ اس کو دارالاسلام کہا جاتا ہو، یہ تفصیل حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں تحریر فرمائی ہے۔

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ واما القُرَبُ فمِنْ اُمورِ الاٰخرةِ لِظُهورِ ثمرتِها فيها **وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ** بمعنى الحياةِ **لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ** ذٰلك ما آثَرُوا الدُّنيا عَلَيها **فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ** اى الدعاءَ اى لا يَدعُونَ معه غيرَه لِاَنَّهُم في شِدّةٍ ولا يَكْشِفُها الّا هو **فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ** به **لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ** مِنَ النِعْمَةِ **وَلِيَتَمَتَّعُوْا** باجتماعِهِم على عبادةِ الاَصْنام وفي قراءةٍ بسكون اللام اَمْرُ تَهديدٍ **فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ** عاقبةَ ذٰلك **اَوَلَمْ يَرَوْا** يَعْلَمُوا **اَنَّا جَعَلْنَا** بَلَدَهم مكةَ **حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ** قتلاً وسَبْيًا دُونَهم **اَفَبِالْبَاطِلِ** الصنمِ **يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ** باِشراكِهِم **وَمَنْ اَظْلَمُ** اى لا احدَ اَظْلَمُ **مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا** بِاَنْ اَشرَكَ به **اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ** النبيِّ او الكتابِ **لَمَّا جَآءَهٗ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى** ماوى **لِّلْكٰفِرِيْنَ** اى فيه ذٰلك وهو منهم **وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا** في حَقِّنا **لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا** اى طُرُقَ السَّيرِ اِلَينا **وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ** المؤمنين بالنصرِ والعَوْنِ.

ترجمہ: اور یہ دنیوی زندگی کھیل تماشہ کے سوا کچھ نہیں البتہ عبادات تو یہ امور آخرت میں سے ہیں اس لئے کہ اس کے ثمرات آخرت میں ظاہر ہونگے اور اصل زندگی دار آخرت ہی کی ہے اگر یہ لوگ اس بات کو سمجھ لیتے تو دنیوی زندگی کو آخرت پر ترجیح نہ دیتے پھر جب یہ لوگ کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو خالص اعتقاد کے ساتھ اللہ ہی سے دعا کرتے ہیں یعنی اس کے ساتھ غیر کو نہیں پکارتے اس لئے کہ وہ (اس وقت) ایک عظیم پریشانی میں (مبتلا) ہوتے ہیں اور اس پریشانی کو اس کے علاوہ کوئی دور نہیں کر سکتا پھر جب ان کو نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو فوراً ہی اس کے ساتھ شریک ٹھہرانے لگتے ہیں تاکہ ہماری دی ہوئی نعمت کی ناقدری کرتے رہیں اور یہ لوگ بتوں کی بندگی پر مجتمع ہو کر قدرے اور فائدہ اٹھالیں اور ایک قراءت میں وَلْيَتَمَتَّعُوْا کے لام کے سکون کے ساتھ امر تہدیدی ہے ان کو اس کے انجام کا جلدی ہی پتہ چل جائے گا، کیا یہ نہیں جانتے کہ ہم نے مکہ شہر کو امن والا بنا دیا اور ان کے اطراف میں دوسرے لوگوں کو قتل وقید کے ذریعہ اچک لیا جاتا ہے کیا یہ لوگ جھوٹے

معبودوں (بتوں) پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کے ساتھ شریک کر کے اس کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا؟ یعنی اس سے بڑا ظالم کوئی نہیں، جو اللہ پر بہتان لگائے بایں طور کہ اس کے ساتھ شرک کرے یا جب اس کے پاس حق یعنی نبی یا کتاب آ جائے تو وہ اس کی تکذیب کرے کیا کافروں کا ٹھکانہ جہنم میں نہیں؟ اور ایسا شخص جہنمیوں میں سے ہے اور جو لوگ خالص ہمارے لئے جہاد کرتے ہیں تو ہم ایسے لوگوں کو ہم تک پہنچانے والے راستے ضرور دکھائیں گے بلاشبہ اللہ تعالیٰ (اپنی) نصرت اور مدد کے ذریعہ محسنین (یعنی) مومنین کے ساتھ ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: اَللَّهْوُ دنیوی لذتوں سے لذت اندوز ہونا، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ لھو لایعنی چیزوں میں مشغول ہونے کو کہتے ہیں اور اللعب ھو العبث.

قولہ: حَیَوَان زندگی، جینا، حَیَوَان حَیِیَ یَحْیٰ (س) کا مصدر ہے اصل میں حَیَیَانٌ تھا، ثانی یا واؤ سے بدل دی گئی ہے یہ حَیَاۃٌ سے زیادہ بلیغ ہے اس لئے کہ فَعَلَانٌ کے وزن میں حرکت اور اضطراب کے معنی ہیں جو لازمۂ حیات ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس مقام میں حیات کے بجائے حَیَوَان کا استعمال کیا گیا ہے۔ (لغات القرآن)

قولہ: لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ذٰلك۔ ذٰلك یعلمونَ کا مفعول ہے لَوْ حرف شرط ہے مَا آثروا الدنیا علَیْھَا جواب شرط ہے۔

قولہ: ای الدُّعَاء یہ تعیین معنی کے لئے ہے دین کے چونکہ مختلف معنی آتے ہیں الدعاءُ کے ذریعہ تفسیر کر کے چند معنی میں سے ایک معنی کو متعین کر لیا۔

قولہ: اِذَاھُمْ یشرکون یہ فَلَمَّا کا جواب ہے، مطلب یہ ہے کہ غرق سے نجات پاتے ہی بلا تاخیر شرک شروع کر دیتے ہیں لیکفروا میں لام، لامِ کی ہے اور لِیَتَمَتَّعُوْا کا لِیَکْفُرُوْا پر عطف ہے۔

(تنبیہ) لام کی کے بجائے اس کو لام عاقبت مانا جائے تو زیادہ مناسب ہے (جمل) ایک قراءت میں لام کے سکون کے ساتھ ہے اس صورت میں لام امر ہوگا دونوں فعلوں میں مگر یہاں یہ شبہ پیدا ہوگا کہ اس سے اللہ کا فعل قبیح کا امر کرنا لازم آتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ حکیم ہیں اور حکیم قبیح شی کا امر نہیں کرتا، امرُ تھدیدٍ کہہ کر اس سوال کا جواب دیدیا یعنی امر سے مراد امتثال امر نہیں ہے بلکہ تہدید و توبیخ مراد ہے فَسَوْفَ یعلمون امر کے تہدیدی ہونے کا قرینہ ہے۔

قولہ: وَیُتَخَطَّفُ جملہ حالیہ ہے اور اس سے پہلے ھُمْ مبتداء محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے وَھُمْ یُتَخَطَّفُ النَّاسُ الخ.

قولہ: فیھا ذٰلكَ اس سے اشارہ ہے کہ اَلَیْسَ فِی جَھَنَّمَ میں ہمزہ انکار کے لئے ہے اور یہ استفہام تقریری اس

لئے ہے کہ لیس حرف نفی ہے جب اس پر ہمزہ انکاری داخل ہوا تو نفی النفی ایجاب ہو گیا، لہٰذا اس میں تقریر کے معنی پیدا ہو گئے، مطلب یہ ہے کہ کافروں کا بلاشبہ ٹھکانہ جہنم ہے۔

تفسیر و تشریح

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدنيا (الآية) سابقہ آیات میں مشرکین کا یہ حال مذکور ہوا ہے کہ آسمان اور زمین کی پیدائش شمس وقمر کا نظام، بارش برسانے اور اس سے نباتات اگانے کا پورا نظام مشرکین بھی اللہ ہی کے قبضے میں ہونے پر یقین رکھتے ہیں، اس میں کسی بت یا دیوی دیوتا کو شریک نہیں مانتے مگر پھر بھی وہ خدائی میں بتوں کو شریک ٹھہراتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ **اكثرُهم لا يعلمُوْنَ** یعنی ان میں اکثر لوگ ایسے ہیں کہ جو جانتے نہیں ہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے، آخر یہ لوگ مجنون یا دیوانے تو نہیں ہیں، ہوشیار اور سمجھ دار ہیں دنیا کے بڑے بڑے کام بخوبی انجام دیتے ہیں، پھر ان کے ناسمجھ ہونے کے کیا معنی؟ اس کا جواب مذکورۃ الصدر آیات سے سابقہ آیات میں یہ دیا گیا ہے کہ دنیا اور اس کی مادی اور فانی لذتوں وخواہشات نفسانی کی محبت نے ان کو آخرت اور انجام میں غور وفکر کرنے سے اندھا کر دیا ہے، حالانکہ یہ دنیا کی زندگی لہو ولعب کے سوا کچھ نہیں اور اصلی زندگی جو لافانی اور جاودانی ہے وہ آخرت کی زندگی ہے، مذکورہ آیت میں بھی دنیوی زندگی کو لہو ولعب فرمایا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ جس طرح کھیلوں کا کوئی ثبات وقرار نہیں ہوتا اور نہ ان سے کوئی بڑا مقصد حل ہوتا ہے، تھوڑی دیر کے بعد سب تماشہ ختم ہو جاتا ہے یہی حال اس دنیا کا ہے۔

اس کے بعد کی آیت میں ان مشرکوں کے قول میں تضاد کو بیان فرمایا گیا ہے جیسے یہ لوگ تخلیق کائنات میں اللہ کو منفرد ماننے کے باوجود اس جہالت کے شکار ہیں کہ بت خدائی میں شریک ہیں اور جب کوئی بڑی مصیبت آپڑتی ہے تو اس مصیبت کے وقت بھی ان کو یہ یقین اور اقرار ہوتا ہے کہ اس مصیبت میں کوئی بت ہمارا مددگار نہیں بن سکتا چنانچہ ایسے موقع پر خدائے واحد ہی کو بڑے اخلاص اور یقین کے ساتھ پکارتے ہیں۔

اس تناقض کو حضرت عکرمہ بن ابی جہل سمجھ گئے تھے جس کی وجہ سے ان کو قبول اسلام کی توفیق حاصل ہو گئی ان کے بارے میں آتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد یہ مکہ سے فرار ہو گئے تاکہ نبی ﷺ کی گرفت سے بچ سکیں، یہ حبشہ جانے کیلئے ایک کشتی میں سوار ہوئے کشتی گرداب میں پھنس گئی تو کشتی میں سوار لوگوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ پورے خلوص سے رب سے دعائیں کرو اس لئے کہ یہاں اس کے علاوہ کوئی نجات دینے والا نہیں، حضرت عکرمہ نے یہ سن کر کہا کہ اگر یہاں سمندر میں اس کے سوا کوئی نجات نہیں دے سکتا تو خشکی میں بھی اس کے سوا کوئی نجات نہیں دے سکتا اور اسی وقت اللہ سے عہد کر لیا کہ اگر میں یہاں سے بخیریت ساحل پر پہنچ گیا تو میں محمد (ﷺ) کے ہاتھ پر بیعت کر لوں گا یعنی مسلمان ہو جاؤں گا، چنانچہ یہاں سے نجات پا کر انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ (ابن کثیر بحواله سیرت محمد بن اسحاق)

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا آمِنًا وَیُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ بعض مشرک اپنے شرک وکفر کا ایک عذر یہ بھی بیان کرتے تھے کہ ہم آپ کے دین کو تو حق اور درست مانتے ہیں لیکن اس کی پیروی کرنے اور مسلمان ہو جانے میں ہم اپنی جانوں کا خطرہ محسوس کرتے ہیں، کیونکہ پورا عرب اسلام کے خلاف ہے ہم اگر مسلمان ہوگئے تو باقی عرب ہمیں اچک لیجائیں گے اور مار ڈالیں گے۔ (کما روی عن عباس، روح)

اس کے جواب میں حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کا یہ عذر بھی لغو ہے کیونکہ اہل مکہ کو تو حق تعالیٰ نے بیت اللہ کی وجہ سے وہ شرف اور بزرگی دی ہے جو دنیا میں کسی مقام کے لوگوں کو حاصل نہیں ہے، حق تعالیٰ نے مکہ کی پوری زمین کو حرم بنا دیا عرب کے باشندے مومن ہوں یا کافر سب کے سب حرم کا احترام کرتے ہیں اس میں قتل وقتال ناجائز سمجھتے ہیں، حرم میں انسان تو انسان وہاں کے شکار کو قتل کرنا اور وہاں کے درختوں کو کاٹنا بھی کوئی جائز نہیں سمجھتا، باہر کا کوئی آدمی اگر حرم میں داخل ہو جائے تو وہ بھی قتل سے مامون ہو جاتا ہے تو مکہ مکرمہ کے باشندوں کو اسلام قبول کرنے سے جانوں کا خطرہ بتلانا بھی ایک عذر لنگ ہے۔

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا جہاد کے اصل معنی دین میں پیش آنے والی رکاوٹوں کو دور کرنے میں اپنی پوری توانائی صرف کرنے کے ہیں، ان میں وہ رکاوٹیں بھی داخل ہیں جو کفار وفجار کی طرف سے پیش آتی ہیں کفار سے مقاتلہ اس کا اعلیٰ فرد ہے، اور وہ رکاوٹیں بھی داخل ہیں جو اپنے نفس اور شیطان کی جانب سے پیش آتی ہیں۔

جہاد کی ان دونوں قسموں پر اس آیت میں یہ وعدہ ہے کہ ہم جہاد کرنے والوں کو اپنے راستوں کی ہدایت کر دیتے ہیں یعنی ان کے قلوب کو اسی طرف پھیر دیتے ہیں جس میں ان کے لئے خیر و برکت ہو، حضرت ابوالدرداء نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ اللہ کی طرف سے جو علم لوگوں کو دیا گیا ہے، جو لوگ اپنے علم پر عمل کرنے میں جہاد کرتے ہیں ہم ان پر دوسرے علوم بھی منکشف کر دیتے ہیں، جو اب تک حاصل نہیں تھے، اور فضیل بن عیاض نے فرمایا کہ جو لوگ طلب علم میں کوشش کرتے ہیں ہم ان کے لئے عمل بھی آسان کر دیتے ہیں۔ (مظهری)

سُوْرَۃُ الرُّوْمِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ سِتُّوْنَ اٰیَۃً وَّسِتُّ رُکُوْعَاتٍ

سُوْرَۃُ الــرُّوْمِ مَکِّیَّۃٌ وھی سِتُّوْنَ او تِسعٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰیَۃً.

سورۂ روم مکی ہے اور وہ ساٹھ یا انسٹھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ الٓمّٓ ﴿۱﴾ اللّٰہ اعلمُ بمُرادِہٖ بہ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ﴿۲﴾ وہم اہلُ کِتَاب غَلَبتْہا فَارِسُ وَلَیسُوْا اَہلَ کِتاب بَلْ یَعْبُدُوْنَ الاَوْثانَ فَفَرِحَ کُفَّارُ مَکَّۃَ بذٰلک وقَالُوْا لِلْمُسْلِمِیْنَ نحنُ نَغْلِبُکم کما غَلَبَتْ فارسُ الرُّومَ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ ای اَقْرَب اَرْضِ الرُّوْمِ الی فارسٍ بِالجَزِیْرَۃِ اِلْتَقٰی فیہا اَلْجَیْشَانِ والبَادِیْ بالغزْوِ الفُرسُ وَھُمْ ای الروم مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِہِمْ اُضِیْفَ الْمَصْدرُ الی المَفْعُوْلِ ای غَلَبَۃِ فَارِسَ اِیَّاہُم سَیَغْلِبُوْنَ ﴿۳﴾ فارسَ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ہو مَا بَیْنَ الثَّلَاثِ الی التِّسعِ او العَشرِ فَالْتَقٰی الجَیْشَانِ فی السَّنَۃِ السَّابِعَۃِ مِنَ الِالْتِقَاءِ الاوَّلِ وغَلَبَتِ الرُّوْمُ فَارِسَ لِلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ای مِن قَبلِ غَلْبَۃِ الرُّوم ومِن بَعْدِہٖ المعنٰی اَنَّ غَلبَۃَ فَارِسَ اَوَّلاً وغَلبۃَ الرُّوم ثانیًا بِاَمْرِ اللّٰہِ ای اِرادتِہٖ وَیَوْمَئِذٍ ای یَوْمَ تَغْلِبُ الرُّوْم یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۴﴾ بِنَصْرِ اللّٰہِ اِیَّاہُمْ عَلٰی فَارِسَ وقَدْ فَرِحُوْا بذٰلک وعَلِمُوْا بہ یَوْمَ وقُوْعِہٖ یَوْمَ بَدْرٍ بنُزُوْلِ جبْرَئِیْلَ بذٰلک فیہ مَعَ فَرْحِہِم بنَصْرِہِم علی المُشْرِکِیْنَ فیہ یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الغَالِبُ الرَّحِیْمُ ﴿۵﴾ بالمُؤْمِنِیْن وَعْدَ اللّٰہِ مَصْدَرٌ بَدَلٌ مِنَ اللَّفظِ بِفِعْلِہٖ والاَصلُ وَعَدَہم اللّٰہُ النَّصرَ لَا یُخْلِفُ اللّٰہُ وَعْدَہٗ بہ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ ای کُفَّارَ مَکَّۃَ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۶﴾ وَعْدَہ تَعَالٰی بنَصْرِہم یَعْلَمُوْنَ ظَاہِرًا مِّنَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ای مَعَایِشَہَا مِنَ التِّجَارَۃِ والزِّرَاعَۃِ والبِنَاءِ والغَرْسِ وَغَیرِذٰلک وَھُمْ عَنِ الْاٰخِرَۃِ ھُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۷﴾ اِعادۃُ ہم تاکِیدٌ اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا فِیْٓ اَنْفُسِہِمْ لِیَرْجِعُوْا عَنْ غَفْلَتِہِم مَا خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَہُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّی لِذٰلک تَفْنٰی عِنْدَ انْتِہائِہٖ وبَعْدَہُ البَعْثُ وَاِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ ای کفار مکۃ بِلِقَآئِ رَبِّہِمْ لَکٰفِرُوْنَ ﴿۸﴾ ای لَا یُؤْمِنُوْنَ بالبَعْثِ بَعْدَ المَوتِ اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِہِمْ مِنَ الاُمَمِ وہِیَ اِہلاکُہم بتکذِیبِہِم رُسُلَہم کَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْہُمْ قُوَّۃً کَعَادٍ وثمُوْدَ وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ حَرَثُوْہا وقَلَّبُوْہا للزَّرْعِ والغَرْسِ وَعَمَرُوْھَآ اَکْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْھَا اَیْ کُفَّارُ مَکَّۃَ وَجَآءَتْہُمْ رُسُلُہُمْ بِالْبَیِّنٰتِ بالحُجَجِ

الظَّاهِرَاتِ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ بِاِهْلَاكِهِمْ بِغَيْرِ جُرْمٍ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۹ بِتَكْذِيْبِهِمْ رُسُلَهُمْ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰى تَانِيْثُ الْاَسْوَءِ، الاَقْبَحِ خَبَرُ كَانَ عَلٰى رَفْعِ عَاقِبَةُ وَاسْمُ كَانَ عَلٰى نَصَبِ عَاقِبَةَ وَالمُرَادُ بِهَا جَهَنَّمُ وَاِسَاءَ تُهُمْ اَنْ اَىْ بِاَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ القُرْاٰنِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ۱۰ ع

ترجمہ: الٓمّٓ اس کی مراد اللہ ہی بہتر جانتا ہے رومی مغلوب ہو گئے اور وہ اہل کتاب ہیں ان کو اہل فارس نے مغلوب کر دیا اور وہ اہل کتاب نہیں ہیں، بلکہ بت پرست ہیں، اس خبر سے اہل مکہ خوش ہوئے اور مسلمانوں سے کہا ہم تم کو اسی طرح مغلوب کر دیں گے جس طرح اہل فارس نے رومیوں کو قریبی زمین میں یعنی جزیرۂ روم کے اس علاقہ میں جو فارس سے بہت قریب تھا، جہاں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا تھا اور وہ یعنی رومی مغلوب ہونے کے بعد مصدر کی اضافت مفعول کی جانب کی گئی ہے، اى غلبة فارسٍ ايّاهم جنگ کی ابتداء کرنے والے اہل فارس ہیں، عنقریب چند سالوں میں اہل فارس پر غالب آجائیں گے اور وہ تین سال سے نو یا دس کے درمیان ہے چنانچہ پہلے مقابلہ کے سات سال کے بعد دونوں لشکروں کا دوبارہ مقابلہ ہوا، اور رومی فارسیوں پر غالب آگئے، پہلے اور بعد میں اختیار اللہ ہی کو ہے یعنی روم کے غلبہ سے پہلے اور اس کے بعد، معنی یہ کہ اہل فارس کا اولاً غالب آجانا اور رومیوں کا ثانیاً غالب آجانا یہ (سب) اللہ ہی کے حکم اور ارادہ سے تھا، اور اس دن یعنی جس دن رومی غالب ہوں گے تو مسلمان اہل فارس کے مقابلہ ان کی اللہ کی مدد سے خوش ہوں گے چنانچہ (مسلمان) اس سے خوش ہوئے، اور اس نصرت (غلبہ) کے وقوع کا علم بدر کے دن جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام کے وحی لیکر آنے سے ہوا، اور یہ خوشی مسلمانوں کو مشرکوں پر (بدر کے دن) نصرت (غلبہ) کی خوشی کے ساتھ حاصل ہوئی وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے وہ غالب ہے درحقیقت غالب و مہربان وہی ہے اللہ کا وعدہ ہے اس کو تلفظ میں اپنے فعل سے بدل دیا گیا ہے اور اصل یہ ہے وَعَدَهم اللّٰه النصرَ اللہ تعالیٰ نصرت کے اپنے وعدہ کا خلاف نہیں کرے گا لیکن اکثر لوگ یعنی کفار مکہ مومنین سے اللہ کے نصرت کے وعدہ کو نہیں جانتے وہ تو (صرف) دنیوی زندگی کے ظاہر (ہی) کو یعنی دنیوی معاش کے طریقوں مثلاً تجارت اور زراعت اور تعمیرات اور شجر کاری وغیرہ کو جانتے ہیں اور وہ آخرت سے بالکل بے خبر ہیں اور لفظ هُمْ کا اعادہ تاکید کے لئے ہے کیا ان لوگوں نے اپنے دل میں اس بات پر غور نہیں کیا؟ تاکہ اپنی غفلت سے باز آجائیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے (سب کو) بڑے قرینے سے اور مقررہ وقت تک کے لئے پیدا فرمایا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اپنی مدت پوری ہونے کے بعد فنا ہو جائے گا اور اس کے بعد (زندہ ہو کر) اٹھنا ہوگا یقیناً اکثر لوگ یعنی کفار مکہ اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں یعنی مرنے کے بعد زندہ ہونے پر یقین نہیں رکھتے، کیا انہوں نے زمین میں چل پھر کر یہ نہیں دیکھا کہ ان کے پہلے لوگوں یعنی سابقہ امتوں کا کیا انجام ہوا؟ اور وہ ان کی ہلاکت ہے ان کے رسول کی تکذیب کرنے کی وجہ سے اور وہ ان سے بہت زیادہ طاقتور تھے مثلاً عاد اور ثمود اور انہوں نے (بھی) زمین کو جوتا اور زراعت و شجر کاری کے لئے اس کو الٹ پلٹ کیا اور مکہ والوں سے اس کو زیادہ آباد

کیا، اوران کے پاس ان کے رسول روشن یعنی واضح دلائل لے کر آئے یہ تو ناممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ بغیر جرم کے ان کو ہلاک کر کے ان پر ظلم کرتا لیکن (اصل بات یہ ہے) کہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر اپنے رسولوں کی تکذیب کر کے ظلم کرتے تھے آخرش برا کرنے والوں کا بہت ہی برا انجام ہوا السُّوْاٰی، اَسْوَءُ کی تانیث ہے بمعنی اقبح اگر عاقبةُ پر رفع ہو تو سُوْآی کان کی خبر ہوگی اور کان فعل کی تذکیر عاقبةً کے مؤنث مجازی ہونے کی وجہ سے ہوگی اور اگر عاقبة پر نصب ہو تو (السُّوْاٰی) کان کا اسم ہوگا اور (بدانجامی) سے مراد جہنم ہے اور ان کی بدانجامی کی وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے اللہ کی آیتوں قرآن کی تکذیب کی اور وہ ان (آیتوں) کا مذاق اڑاتے تھے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: غُـلِبَتِ الرُّوْمُ روم ایک قبیلہ کا نام ہے جو کہ ان کے جدامجد روم بن عیصو بن اسحٰق بن ابراہیم کے نام سے موسوم ہے، عیصو اپنے بھائی یعقوب کے ساتھ اپنی ماں کے بطن میں تھے جب ان کی ولادت کا وقت آیا تو عیصو نے حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا مجھے پہلے نکلنے دے اور اگر تو مجھے پہلے نہیں نکلنے دے گا تو میں تیرے برابر سے ہو کر نکل جاؤں گا، تو حضرت یعقوب شفقةً پیچھے ہٹ گئے، یہی وجہ ہے کہ حضرت یعقوب ابوالانبیاء ہوئے اور عیصو ابوالجبارین ہوئے (جمل) الجزیرة دجلہ اور فرات کے درمیانی علاقہ کو کہا جاتا ہے، یہاں جزیرۃ العرب مراد نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: بالجزیرة محذوف کے متعلق ہو کر الارض کی صفت ہے ای ارض الروم الکائنة بالجزیرة وقَدْ فرِحوا بذٰلِكَ ای بنصرہٖ.

قَوْلُهُ: یَوْمَ وُقوعِهٖ یوْمَ بَدْرٍ یوم بدرٍ یومَ وقوعِهٖ سے بدل ہے بنزول، علِمُوا سے متعلق ہے یعنی روم کے غلبہ کا علم واقعہ بدر کے دن ہوا رومیوں کو غلبہ اس روز ہوا جبکہ مسلمانوں کو مشرکین پر بدر میں غلبہ حاصل ہوا اور مسلمانوں کو یہ خبر حضرت جبرئیل کے ذریعہ پہنچی۔

تفسیر و تشریح

ربط و شان نزول:

سورۂ عنکبوت کی آخری آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے راستہ میں جہاد کرنے والوں کے لئے راستہ کھول دینے اور ان کے مقاصد میں کامیابی کی بشارت دی تھی، سورۂ روم کی ابتداء جس قصہ سے ہوئی ہے وہ اسی نصرت الٰہیہ کا مظہر ہے اس سورت میں جو روم اور فارس کی جنگ کا واقعہ مذکور ہے، ظاہر ہے کہ دونوں فریق کفار ہی تھے، مگر ان دونوں مشرکوں میں فارس آتش پرست مشرک

تھے، اور رومی نصاریٰ اہل کتاب تھے، ظاہر ہے کہ دونوں قسم کے مشرکوں میں سے اہل کتاب مسلمانوں سے نسبتاً قریب ہیں، اس لئے کہ دونوں اہل کتاب ہیں، اور اسی قدر مشترک سے رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس مکتوب میں کام لیا جو روم کے بادشاہ کو دعوت اسلام دینے کے لئے بھیجا تھا اور وہ تَعَالَوْا اِلٰی کلمةٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُم ہے۔

آنحضرت ﷺ کے مکہ کے قیام کے دوران روم اور فارس کے تعلقات نہایت کشیدہ تھے گویا کہ دونوں حالت جنگ میں تھے، آخر کار دونوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی اور ابتداء فارس نے کی تھی اس جنگ میں اہل مکہ کی ہمدردیاں اہل فارس کے ساتھ تھیں اس لئے کہ اہل فارس اور اہل مکہ دونوں مشرک تھے اور مسلمانوں کی ہمدردیاں قدرتی طور پر رومیوں کے ساتھ تھیں، مشرکین مکہ کی یہ خواہش تھی کہ اہل فارس فتح مند ہوں اور مسلمانوں کی یہ تمنا تھی کہ رومی غالب ہوں، یہ جنگ رومیوں کے اس علاقہ میں ہوئی جو عرب کا علاقہ فارس سے بہت قریب تھا یہ جنگ اذرعات اور بصرہ کے علاقہ میں ہوئی، اس جنگ میں فارس نے روم کو شکست دیدی یہاں تک کہ قسطنطنیہ بھی فتح کرلیا اور وہاں اپنی عبادت کے لئے ایک آتش کدہ تعمیر کیا اور یہ فتح کسریٰ پرویز کی آخری فتح تھی، اس کے بعد اس کا زوال شروع ہوا، اور پھر مسلمانوں کے ہاتھوں حضرت عمر کے دور خلافت میں اس کا خاتمہ ہوگیا (جمل وقرطبی) اس واقعہ سے مشرکین مکہ نے خوشیاں منائیں اور مسلمانوں کو عار دلائی کہ تم جس کو چاہتے تھے وہ ہار گیا، اور جس طرح اہل کتاب رومیوں کو فارس کے مقابلہ میں شکست ہوئی ہے ہمارے مقابلہ میں تم کو بھی شکست ہوگی اس سے مسلمانوں کو رنج ہوا۔ (معارف)

سورۂ روم کی ابتدائی آیتیں اسی واقعہ سے متعلق نازل ہوئی ہیں، جن میں پیشین گوئی اور بشارت دی گئی ہے کہ چند سال بعد پھر رومی فارسیوں پر غالب آجائیں گے۔

حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے جب یہ آیات سنیں تو اس قدر پختہ یقین کرلیا کہ مکہ کے اطراف اور مشرکین کے مجامع اور بازار میں اعلان کرتے پھرتے تھے کہ تمہارے خوش ہونے کا کوئی موقعہ نہیں چند سال میں پھر روم فارس پر غالب آجائیں گے، مشرکین مکہ میں سے ابی بن خلف جمحی کھڑا ہوا اور کہا کذبتَ تو جھوٹا ہے، تو حضرت ابوبکر صدیق نے کہا انتَ اکذب یا عدو اللہ تو جھوٹوں کا سردار ہے اے اللہ کے دشمن اور فرمایا میں تجھ سے اس بات پر شرط لگاتا ہوں کہ اگر رومی جیت گئے تو دس اونٹ تو مجھے دینا اور اگر ہار گئے تو میں دوں گا اور تین سال کی مدت مقرر ہوئی، (اس وقت تک اس قسم کی شرط حرام نہیں ہوئی تھی) شرط لگا کر ابوبکر صدیق آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس واقعہ کا ذکر کیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تو تین سال کی مدت بیان نہیں کی تھی کیونکہ قرآن میں بضع سنین مذکور ہے جس کا اطلاق تین سے نو تک ہوتا ہے، تم جاؤ اور جس سے یہ معاہدہ ہوا ہے اس سے کہہ دو کہ میں دس اونٹوں کے بجائے سو اونٹوں کی شرط لگاتا ہوں مگر مدت تین سال کے بجائے نو سال ہوگی، بعض روایات میں ہے کہ سات سال مقرر کی، چنانچہ حضرت ابوبکر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے جا کر ابی بن خلف سے دوبارہ بات کی تو وہ راضی ہوگیا، جب ابی بن خلف کو یہ خطرہ ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ ابوبکر ہجرت کر کے چلے جائیں اور شرط کی رقم میں وصول نہ کرسکوں، چنانچہ ابی بن خلف ابوبکر صدیق کے پاس آیا اور کہا مجھے اندیشہ

ہے کہ کہیں تم مکہ چھوڑ کر چلے جاؤ لہٰذا مجھے ضامن دو چنانچہ حضرت ابوبکر نے اپنے صاحبزادے عبدالرحمٰن کی ضمانت دی جب ابی بن خلف نے جنگ میں شرکت کے لئے احد جانے کا ارادہ کیا تو عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے اس کو پکڑا اور کہنے لگے کہ کفیل دیکر جاؤ جب تک کفیل نہ دوگے میں تم کو ہرگز نہ چھوڑوں گا چنانچہ ابی بن خلف نے مجبوراً کفیل دیدیا، اور احد کی جنگ میں شریک ہونے کے لئے چلا گیا، احد سے آنحضرت ﷺ کی تلوار سے زخم خوردہ ہوکر واپس آیا اور اسی زخم کی وجہ سے کچھ روز بعد مرگیا، روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شرط کا یہ واقعہ ہجرت سے پانچ سال قبل پیش آیا تھا اور سات سال پورے ہونے پر غزوۂ بدر کے وقت رومی اہل فارس پر غالب آگئے اس صورت میں شرط کا معاملہ ہجرت سے پانچ سال پہلے واقع ہوا، مگر اس روایت کو صحیح ماننے کی صورت میں دشواری یہ پیش آتی ہے کہ یہ بات طے ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰیعَنْہُ نے شرط کی رقم (سواونٹ) ابی بن خلف کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں سے وصول کی ہیں اور ابی بن خلف کا انتقال غزوۂ احد کے بعد ہوا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ رومیوں کے غلبہ کی اطلاع کے وقت جو کہ غزوۂ بدر میں ہوئی ابی بن خلف زندہ تھا اس لئے کہ اس کا انتقال غزوۂ احد کے بعد ہوا ہے، تو پھر شرط کی رقم کے ورثاء سے وصول کرنے کے کیا معنی؟ البتہ تطبیق کی یہ شکل ہوسکتی ہے کہ ابی بن خلف نے شرط کی رقم (اونٹ) دینے میں تاخیر کی ہو ٹال مٹول کرتے کرتے ایک سال کا عرصہ نکالدیا ہو اس کے بعد اس کا انتقال ہوگیا ہو جس کی وجہ سے اس کے وارثوں سے رقم وصول کی گئی ہو۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ رومیوں کا غلبہ صلح حدیبیہ کے وقت ہوا تھا **اخرجہ الترمذی وحسّنہ** (روح المعانی) اس روایت کے مطابق حضرت ابوبکر اور ابی بن خلف کی شرط کا معاملہ ہجرت سے ایک سال پہلے ماننا ہوگا جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے اس صورت میں ابی بن خلف کے ورثاء سے شرط کی رقم (سواونٹ) وصول کرنے میں کوئی اشکال نہیں ہوگا اس لئے کہ ابی بن خلف غزوۂ احد کے بعد متصلاً مر چکا تھا، صاحب جمل نے یوم بدر والی روایت کو **قیل** سے بیان کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صلح حدیبیہ کی روایت راجح ہے اگرچہ اکثر محدثین نے غزوۂ بدر کے موقع ہی کو رومیوں کی فتح کا وقت قرار دیا ہے۔

جب شرط کے مطابق حضرت ابوبکر صدیق رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰیعَنْہُ جیت گئے اور سواونٹ ان کو ہاتھ آئے تو سب کو لیکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے فرمایا ان اونٹوں کو صدقہ کردو اور حضرت براء بن عازب کی روایت سے اس میں یہ الفاظ منقول ہیں **ھٰذا سحت تصدق بہ** یہ تو حرام ہے اس کو صدقہ کردو۔ (روح المعانی)

مَسْئَلَہٗ: قمار یعنی جوا، از روئے نصوصِ قرآنی قطعی حرام ہے، ہجرتِ مدینہ کے بعد جس وقت شراب حرام کی گئی اسی کے ساتھ قمار بھی حرام کردیا گیا تھا اور اس کو شیطانی عمل قرار دیا **انما الخمر والمیسرُ وَالْاَنْصَابُ والازلام رجسٌ من عمل الشیطٰن** اور یہ دوطرفہ شرط جو حضرت ابوبکر صدیق رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰیعَنْہُ نے ابی بن خلف کے ساتھ ٹھہرائی تھی یہ بھی ایک قسم کا جوا ہی تھا، مگر یہ واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے جب قمار حرام نہیں ہوا تھا، لہٰذا اس وقت شرط میں جیتا ہوا مال حرام نہیں تھا۔

اس لئے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس کے صدقہ کرنے کا حکم کیوں فرمایا؟ اس کا جواب حضرات فقہاء نے یہ دیا ہے کہ یہ مال اگرچہ اس وقت حلال تھا مگر قمار کے ذریعہ اکتساب مال اس وقت بھی آپ کو پسند نہیں تھا اس لئے صدیق

اکبر کی شان کے مناسب نہ سمجھ کر ان کو صدقہ کرنے کا حکم دیا اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ شراب حلال ہونے کے زمانہ میں بھی آپ ﷺ اور صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے کبھی استعمال نہیں فرمائی۔

یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِنَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وھم عن الآخرۃ ھم غٰفلون یعنی یہ لوگ دنیا کے ایک پہلو کو تو خوب جانتے ہیں کہ تجارت کس طرح کریں؟ کس مال کی کریں، کہاں سے خریدیں اور کہاں فروخت کریں؟ لیکن اسی حیات دنیا کا دوسرا پہلو جو اس کی حقیقت اور اس کے اصلی مقصد کو واضح کرتا ہے کہ دنیا کا چند روزہ قیام درحقیقت ایک مسافرانہ قیام ہے انسان یہاں کا مقامی (نیشنل) نہیں بلکہ دوسرے ملک کا باشندہ ہے یہاں کچھ مدت کے لئے ویزا پر آیا ہے، اس کا اصلی کام یہ ہے کہ اپنے اصلی وطن کے لئے یہاں سے سامان راحت فراہم کر کے وہاں بھیجے اور وہ سامان راحت ایمان اور عمل صالح ہے، اس دوسرے رخ سے بڑے بڑے عاقل کہلانے والے غافل اور بے خبر ہیں۔ (معارف)

اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا فِیْ اَنْفُسِهِمْ کیا لوگ اپنی ذات اور خدا کی کائنات میں غور نہیں کرتے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین وآسمان اور دنیا کی ہر شئ کو کس قدر بہترین قرینے سے پیدا فرمایا ہے کوئی شئ خدا کی کائنات میں بے مقصد اور بے فائدہ نہیں، اگر یہ لوگ صرف اپنے وجود ہی میں غور کرلیں کہ کس طرح نیست سے ہست کیا اور ایک حقیر و بے قدر پانی سے ان کی تخلیق کی اگر یہ لوگ اپنی ذات اور خدا کی کائنات میں غور وفکر کرتے تو یقیناً اللہ کے وجود، اس کی ربوبیت، اس کی الوہیت اور اس کی قدرت مطلقہ کا انہیں ادراک واحساس ہوجاتا اور اس پر ایمان لے آتے، نیز یہ حضرات تجارت کے سلسلہ میں شام ویمن کا سفر کرتے ہیں اور اس سفر کے دوران عاد وثمود کی بستیوں پر سے ان کا گذر ہوتا ہے تو کیا ان کے خرابات وکھنڈرات کو نہیں دیکھتے؟ یقیناً دیکھتے ہیں مگر ان کی تباہی کے اسباب پر غور وفکر نہیں کرتے اگر یہ ان قوموں کی تباہی کے اسباب اور ان کے عبرتناک انجام پر غور کریں تو یقیناً ان کو ہدایت ہوسکتی ہے۔

قَوْلُهٗ: سُوْآی بروزن فُعْلیٰ سوْءٌ سے اَسْوَءُ کی مؤنث ہے جیسے حُسْنیٰ اَحْسَنُ کی تانیث ہے یعنی ان کا جو انجام ہوا وہ بدترین انجام تھا۔

اَللّٰهُ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ای یُنْشِئُ خَلْقَ النَّاسِ **ثُمَّ یُعِیْدُهٗ** ای خَلْقَهم بَعْدَ مَوْتِهم **ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ**⑪ بالتَّاء والیاء **وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ**⑫ یَسْكُتُ المُشْرِكُوْنَ لِانْقِطَاعِ حُجَّتِهم **وَلَمْ یَكُنْ** ای لا یَكُونُ **لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ** مِمَّنْ اَشْرَكُوهم بِاللّٰهِ وهم الاَصْنامُ لِیَشْفَعُوْا لهم **شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا** ای یَكُونُونَ **بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِیْنَ**⑬ ای مُتَبَرِّئِیْنَ منهم **وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یَوْمَئِذٍ** تَاكِیْدٌ **یَّتَفَرَّقُوْنَ**⑭ ای المُؤمِنُونَ والكافِرُونَ **فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِیْ رَوْضَةٍ** جَنَّةٍ **یُّحْبَرُوْنَ**⑮ یُسَرُّوْنَ **وَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا** القُراٰن **وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ** البَعْثِ وغَیرِه **فَاُولٰٓئِكَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ**⑯ **فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ** ای

سَبِّحوا اللّٰہ بمعنیٰ صَلُّوا **حِيْنَ تُمْسُوْنَ** ای تدخلُونَ فِی المَساء وفیہ صَلاتان المَغربُ والعِشاءُ **وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ** تدخلُونَ فِی الصَّباحِ وفیہ صَلوةُ الصُّبحِ **وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ** اِعْتِراضٌ ومعناه يَحْمَدُهٗ اَهْلُهُمَا **وَعَشِيًّا** عطفٌ علىٰ حِيْنَ وفیہ صَلوةُ العَصْرِ **وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ** تدخُلُونَ فِی الظَّهيرَةِ وفیہ صَلوة الظُّهرِ **يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ** كَالْاِنْسَانِ مِنَ النُّطفَةِ والطَّائِرِ مِنَ البَيْضَةِ **وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ** النُّطفَةَ والبَيْضَةَ **مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْأَرْضَ** بالنَّبَاتِ **بَعْدَ مَوْتِهَا** اى يُبْسِهَا **وَكَذٰلِكَ** الاِخْرَاجِ **تُخْرَجُوْنَ** مِنَ القُبُوْرِ بالبِنَاءِ للفَاعِلِ ولِلْمَفعُوْلِ.

تَرْجَمَہ: اللہ تعالیٰ ہی مخلوق کی ابتداء کرتا ہے یعنی انسانوں کی تخلیق کو ظاہر کرتا ہے (عدم سے وجود میں لاتا ہے) اور پھر وہی ان کے مرجانے کے بعد ان کی تخلیق کا اعادہ کرے گا پھر تم سب اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے تاوریا کے ساتھ اور جس دن قیامت قائم ہوگی تو مجرم حیرت زدہ رہ جائیں گے اور مشرکین لاجواب ہوجانے کی وجہ سے ساکت (وصامت) رہ جائیں گے، اور ان کا ان کے شرکاء میں سے کوئی سفارشی نہ ہوگا (یعنی) ان شرکاء میں سے جن کو انہوں نے اللہ کا شریک قرار دیا تھا تاکہ ان کی سفارش کریں، اور وہ بت ہیں، اور یہ بت پرست اپنے شرکاء کا انکار کردیں گے یعنی ان سے اظہار براءت کردیں گے اور جس دن قیامت قائم ہوگی تو مومنین اور کفار الگ الگ ہوجائیں گے یَوْمَئِذٍ (پہلے یوم کی) تاکید ہے لیکن جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے تو وہ جنت کے باغوں میں خوش وخرم ہوں گے لیکن وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں قرآن کو اور آخرت کے پیش آنے کو یعنی بعث (بعد الموت) وغیرہ کو جھٹلایا ایسے ہی لوگ ہیں جو عذاب میں گرفتار ہوں گے پس اللہ کی تسبیح بیان کیا کرو یعنی جب تم شام کے وقت میں داخل ہوتو نماز پڑھا کرو سبحوا بمعنی صلوا ہے اور اس وقت میں دو نماز ہیں مغرب اور عشاء اور جب تم صبح میں داخل ہوتو نماز پڑھا کرو (یعنی جب صبح کرو) اور اس وقت میں صبح کی نماز ہے آسمانوں اور زمین میں اسی کی حمد ہوتی ہے یہ جملہ معترضہ ہے اور معنی یہ ہیں کہ زمین اور آسمانوں والے اس کی حمد بیان کرتے ہیں اور شام کے وقت میں (نماز پڑھا کرو) اس کا عطف حین پر ہے اور اس وقت میں عصر کی نماز ہے اور جب تم دوپہر کے وقت میں داخل ہو (نماز پڑھا کرو) اور اس وقت میں ظہر کی نماز ہے (وہی) زندہ کو مردے سے نکالتا ہے جیسا کہ انسان کو نطفہ سے اور پرندے کو انڈے سے اور مردے کو جیسا کہ نطفہ اور انڈے کو زندہ سے نکالتا ہے اور زمین کو نباتات کے ذریعہ اس کے مردہ ہونے یعنی خشک ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے اور اسی طرح تم کو بھی نکالا جائے گا۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: یَبْدَؤُا الخلق ماضی کے بجائے مضارع کا صیغہ استعمال فرمایا تاکہ تجدد پر دلالت کرے اس لئے بدا اور خلق ہر آن اور ہر لحہ ہوتا رہتا ہے اور تجدد جب تک دنیا رہے گی ہوتا رہے گا یَبْدَؤُا، میں واو جمع کا نہیں ہے مشابہ جمع ہونے کی

وجہ سے اس کے آخر میں الف لکھا گیا ہے مگر پڑھا نہیں جاتا اور نہ پڑھنے کی علامت کے طور پر اس الف پر ایک چھوٹا سا گول دائرہ بنا رہتا ہے۔

قِوْلَہُ: یُنشِئُ یَبْدَؤُا کی تفسیر ینشئُ سے بیان معنی کے لئے کی ہے اس کے معنی ہیں ظاہر کرنا عدم سے وجود میں لانا یَوْمَ تقومُ الساعة یُبْلِسُ کا ظرف مقدم ہے۔

قِوْلَہُ: لا یکونُ، لَمْ یکن کی تفسیر لا یکون سے کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ لم یکن اگرچہ ماضی کے معنی میں ہے مگر یہاں مضارع ہی کے معنی مراد ہیں۔

قِوْلَہُ: بشر کائھم کافرون، بِشر کائھم کافرین کا متعلق مقدم ہے۔

قِوْلَہُ: یُحْبَرُوْنَ، حِبْرٌ سے مضارع جمع مذکر غائب (ن) ان کو خوش کیا جائے گا، ان کی عزت کی جائے گی۔

قِوْلَہُ: بمعنی صلوا، سبّحوا کی تفسیر صلّوا سے کر کے اشارہ کر دیا کہ تسبیح قولی، فعلی، قلبی تینوں طریقہ سے ہوتی ہے اور صلوٰۃ ان سب کو جامع ہے نیز سبحٰن اللّٰہ کی تفسیر سبّحوا اللّٰہ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ خبر بمعنی امر ہے اور سبحٰن مصدر ہے اس سے پہلے فعل محذوف ہے ای سبّحوا سبحانًا.

قِوْلَہُ: تمسُونَ اور تُصْبِحُونَ کی تفسیر تدخلون سے کر کے اشارہ کر دیا کہ دونوں فعل تام ہیں اس آیت میں پانچوں نمازوں کا ذکر ہے۔

قِوْلَہُ: اعتراضٌ یعنی معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

تفسیر و تشریح

اللہ تعالیٰ جس طرح پہلی مرتبہ پیدا کرنے پر قادر ہے اسی طرح دوسری مرتبہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے اس لئے کہ دوبارہ پیدا کرنا پہلی مرتبہ پیدا کرنے سے مشکل نہیں ہوتا اور یہ انسانوں کے اعتبار سے ہے ورنہ تو اللہ تعالیٰ کے لئے نہ پہلی مرتبہ پیدا کرنا مشکل اور نہ دوسری مرتبہ اعادہ یُبْلِسُ المجرمون ابلاس کے معنی ہیں اپنے موقف و مدعیٰ پر کوئی دلیل نہ پیش کر سکنا اور حیران ساکت و صامت کھڑے رہ جانا، اسی کو ناامیدی کے مفہوم سے بھی تعبیر کر دیتے ہیں، روز قیامت کافروں اور مشرکوں کا یہی حال ہوگا۔

وکانوا بشر کائھم کافرین جن معبودوں کی مشرکین یہ سمجھ کر کہ یہ ہماری سفارش کریں گے قیامت کے دن جب یہ دیکھیں گے کہ یہ تو کسی گرت کے نہیں کیونکہ یہ تو کسی کو کوئی فائدہ پہنچانے پر قطعاً قادر ہی نہیں ہیں تو ان کی الوہیت کے منکر ہو جائیں گے فھُمْ فی روضةٍ یُحْبَرُوْنَ یحبرون حبور سے مشتق ہے جس کے معنی سرور اور خوشی کے ہیں اور اس لفظ کے عموم میں ہر قسم کی خوشی اور سرور و مسرت نیز نعمتہائے جنت داخل ہیں۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ تعالى الدالة على قدرته تعالى اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ اى اصلكم آدم ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ من دم ولحم تَنْتَشِرُوْنَ ۝ في الأرض وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا فخلقت حواء من ضلع آدم وسائر النساء من نطف الرجال والنساء لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وتألفوها وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ جميعا مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ المذكور لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ في صنع الله تعالى وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ اى لغاتكم من عربية وعجمية وغيرهما وَاَلْوَانِكُمْ من بياض وسواد وغيرهما وانتم اولاد رجل واحد وامرأة واحدة اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ دلالات على قدرته تعالى لِّلْعٰلِمِيْنَ ۝ بفتح اللام وكسرها اى ذوى العقول وأولى العلم وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ بارادته تعالى راحة لكم وَابْتِغَاۗؤُكُمْ بالنهار مِّنْ فَضْلِهٖ اى تصرفكم فى طلب المعيشة بارادته اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝ سماع تدبر واعتبار وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ اى اراء تكم الْبَرْقَ خَوْفًا للمسافر من الصواعق وَّطَمَعًا للمقيم فى المطر وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اى يبسها بان تنبت اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ المذكور لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ يتدبرون وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَاۗءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ۭ بارادته من غير عمد ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ڰ مِّنَ الْاَرْضِ ڰ بان ينفخ اسرافيل فى الصور للبعث من القبور اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ۝ منها احياء فخروجكم منها بدعوة من آياته تعالى وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ ملكا وخلقا وعبيدا كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۝ مطيعون وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ للناس ثُمَّ يُعِيْدُهٗ بعد هلاكهم وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ۭ من البدء بالنظر الى ما عند المخاطبين من ان اعادة الشيء اسهل من ابتدائه والا فهما عنده تعالى سواء فى السهولة وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ اى الصفة العليا وهى انه لا اله الا هو وَهُوَ الْعَزِيْزُ فى ملكه الْحَكِيْمُ ۝ فى خلقه.

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کی ان نشانیوں میں سے کہ جو اس کی قدرت پر دلالت کرتی ہیں یہ ہے کہ اس نے تم کو یعنی تمہاری اصل آدم کو مٹی سے پیدا کیا پھر اب دفعۃً تم خون اور گوشت کے انسان بن کر زمین میں پھیلے پھرتے ہو اور اسی کی (قدرت) کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کی بیویاں بنائیں چنانچہ حواء کو آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پسلی سے پیدا کیا گیا اور (دیگر) تمام عورتوں کو مردوں اور عورتوں کے نطفہ سے پیدا کیا گیا تاکہ تم ان سے آرام پاؤ اور ان سے الفت کرو اور تم سب کے اندر محبت اور ہمدردی پیدا کی یقیناً ان مذکورہ چیزوں میں اللہ کی کاری گری میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے (قدرت) کی نشانیاں ہیں اور اسی کی (قدرت) کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور

زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں یعنی لغات کا (اختلاف ہے) بعض عربی اور بعض عجمی وغیرہ اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے کسی کا رنگ سفید اور (کسی کا) کالا وغیرہ حالانکہ تم سب ایک مرد اور ایک عورت کی اولاد ہو دانشمندوں کے لئے یقیناً ان میں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلالت کرنے والی نشانیاں ہیں العٰلمین فتحۂ لام اور کسرۂ لام کے ساتھ ہے یعنی عقل وعلم رکھنے والوں کے لئے اور اس کی (قدرت) کی نشانیوں میں سے تمہارا رات اور دن میں اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے تمہاری راحت کے لئے سونا (بھی) ہے اور دن میں تمہارا اس کی روزی میں سے طلب کرنا ہے یعنی طلب رزق کے لئے اللہ تعالیٰ کی مشیت سے تمہارا چلت پھرت (کوشش) کرنا ہے بلاشبہ اس امر میں بھی ان لوگوں کے لئے جو غور وفکر اور عبرت کے لئے سنتے ہیں (قدرت کی) نشانیاں ہیں اور اس کی نشانیوں میں سے مسافروں کو ڈرانے کے لئے اور مقیموں کو بارش کی امید دلانے کے لئے بجلی چمکا کر دکھانا (بھی) ہے اور وہی آسمان سے پانی برساتا ہے جس کے ذریعہ مردہ یعنی خشک زمین کو زندہ کر دیتا ہے اس طریقہ سے کہ وہ زمین گھاس اگانے لگتی ہے بلاشبہ ان مذکورہ باتوں میں (بھی) غور وفکر کرنے والوں کے لئے (قدرت) کی نشانیاں ہیں اور اسی کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے یہ (بھی) ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم یعنی ارادہ سے بغیر ستون کے قائم ہیں پھر جب وہ تمہیں آواز دے گا تو ایک ہی آواز میں بایں طور کہ اسرافیل علیہ الصلاۃ والسلام قبروں سے اٹھانے کے لئے صور پھونکیں گے تو تم اچانک زمین یعنی قبروں سے زندہ ہو کر نکل آؤ گے، تو تمہارا قبروں سے ایک ہی آواز میں نکل آنا خدا کی (قدرت) کی نشانیوں میں سے ہے اور زمین وآسمان کی ہر شئ اسی کی ہے ملک ہونے کے اعتبار سے اور مخلوق ہونے کے اعتبار سے اور غلام ہونے کے اعتبار سے اور ہر شئ اسی کی فرمانبردار ہے وہی ہے جو اول بار لوگوں کو پیدا کرتا ہے پھر اس کے ہلاک ہونے کے بعد دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ (اعادہ) اس کے لئے ابتداء تخلیق سے بہت آسان ہے مخاطبین کی نسبت کا اعتبار کرتے ہوئے، اس لئے کہ شئ کا اعادہ اس کی ابتداء سے آسان ہوتا ہے ورنہ تو ابتداء اور اعادہ اللہ تعالیٰ کیلئے سہولت کے اعتبار سے برابر ہے آسمانوں اور زمین میں اسی کی شان اعلیٰ ہے یعنی اسی کی صفت اعلیٰ ہے اور وہ یہ کہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہی اپنے ملک میں غالب ہے اور اپنی تخلیق میں حکمت والا ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: اَصْلُکُمْ مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ خَلَقَکُمْ میں کُمْ سے پہلے مضاف محذوف ہے اور یہ بھی بتا دیا کہ اصل سے مراد آدم علیہ الصلاۃ والسلام ہیں۔

قولہ: ثُمَّ، ثم سے تعبیر کر کے تاخیر تغیرات کی طرف اشارہ کر دیا اس لئے کہ غذا اولاً نطفہ بنتی ہے پھر علقہ اور پھر مضغہ اور ان سب تغیرات کا وقفہ چالیس، چالیس ایام ہوتا ہے اور جب ایک سو بیس ایام ہو جاتے ہیں تو اس گوشت پوست کے لوتھڑے میں روح پھونک دی جاتی ہے تو وہ دفعۃً بشر ہو جاتا ہے اِذا مفاجاتیہ ہے اگرچہ اذا مفاجاتیہ اکثر فا کے بعد آتا ہے مگر بعض اوقات

واؤ کے بعد بھی آتا ہے، اذا مفاجاتیہ لانے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ جب مذکورہ تینوں تغیرات مکمل ہوجاتے ہیں تو پھر بشر بننے میں دیر نہیں لگتی ادھر روح پھونکی ادھر بشر بن کر تیار ہوگیا۔

قولہ: ومِنْ آیاتِہٖ یُریکُم البرقَ.

قولہ: یُرِیکم اصل میں اَنْ یُریکم تھا جس کی وجہ سے یُرِیکم اراء تکم مصدر کے معنی میں ہے اَن مصدریہ کو حذف کردیا گیا مفسر علام نے یُریکم کی تفسیر اراء تکم سے کرکے اسی حذف ان مصدریہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور اَن مصدریہ کو کلام عرب میں حذف کرنا شائع ذائع ہے، جیسے۔

تَسْمَعُ بالمُعِیْدی خیرٌ مِن أن تراہ

ای اَنْ تسْمَعَ، یُریکم البرقَ مبتداء مؤخر ہے اور ومن آیاتِہٖ خبر مقدم ہے۔

قولہ: خَوْفًا وطَمَعًا یہ یُریکم کے مفعول لہ ہیں۔

قولہ: ھُوَ اس کا مرجع اعادہ ہے جو یعیدہ سے مفہوم ہے ھو ضمیر کو خبر کی رعایت سے مذکر لایا گیا ہے، ھو اَھْوَن مبتدا خبر ہیں۔

قولہ: بالنظر إلی ما عند المخاطبین مفسر علام اس عبارت سے ایک شبہ کا جواب دینا چاہتے ہیں، شبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ابتداء اور اعادہ دونوں برابر ہیں یعنی آسان ہیں مگر اَھْوَن علیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے بھی اعادہ ابتداء سے آسان ہے۔

جواب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس میں انسانوں کے اعتبار سے ایک اصولی بات بتائی گئی ہے اور عقل کا مقتضی بھی یہی ہے کہ ابتداءً بنانے کے اعتبار سے ثانیاً کسی چیز کا بنانا آسان ہوتا ہے، دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اَھْوَنُ اسم تفضیل ھَیّن کے معنی میں ہے اور بعض حضرات نے یہ جواب دیا کہ ہے کہ ھُوَ اَھْوَنُ عَلَیْہِ میں علیہ کی ضمیر کا مرجع مخلوق کی طرف راجع ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اور مطلب یہ ہے کہ جب صور پھونکا جائے گا، تو مخلوق کے لئے عود کرنا بہ نسبت ابتداء کے آسان ہوگا اس لئے کہ اُدھر روح کا تعلق جسم سے ہوا ادھر اعادہ ہوگیا، بخلاف ابتداء کے کہ اس میں متعدد اور مختلف تغیرات ہونے کے بعد زندگی ملتی ہے، مثلاً پہلے چالیس روز میں علقہ بنتا ہے اس کے بعد دوسرے چالیس دن میں مضغہ بنتا ہے اس طرح اس میں تاخیر ہوتی ہے جو عود کے اعتبار سے دشوار ہے۔ (حاشیہ جلالین)

تفسیر وتشریح

سورۂ روم کے شروع میں روم وفارس کی جنگ کا ایک واقعہ سنانے کے بعد منکرین وکفار کی گمراہی اور حق بات سننے سمجھنے سے بے پروائی کا سبب ان کا صرف دنیا کی فانی زندگی کو اپنا مقصد حیات بنالینا اور آخرت کی طرف کوئی توجہ نہ دینا قرار دیا گیا تھا، اس کے بعد قیامت میں دوبارہ زندہ ہونے اور حساب وکتاب اور جزاء وسزا کے واقع ہونے پر جو سطحی نظر والوں

کو استبعاد ہو سکتا تھا اس کا جواب مختلف پہلوؤں سے دیا گیا ہے، پہلے خود اپنے نفس میں غور و فکر کی، پھر گرد و پیش میں گذرنے والی اقوام کے حالات اور ان کے انجام میں نظر کرنے کی دعوت دی گئی، پھر حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا ذکر فرمایا جس کا کوئی سہیم و شریک نہیں، مذکورۃ الصدر آیات میں اسی قدرت کاملہ اور اس کی حکمت بالغہ کے چھ مظاہر آیات قدرت کے عنوان سے بیان فرمائے گئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی بے مثال قدرت و حکمت کی نشانیاں ہیں۔

مظاہر قدرت کو بیان کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے وَمِنْ آیَاتِهٖ کا اس موقع پر چھ مرتبہ ذکر فرمایا اور ابتداء تخلیق انسانی کے ذکر سے فرمائی ہے، اس کے بعد عالم علوی اور سفلی کی تخلیق کا ذکر فرما کر اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا کہ ان عالموں سے استفادہ کرنے کا حق انسان کو ہے اور ان کی تخلیق انسانوں ہی کے لئے ہوئی ہے، ان آیات قدرت اور مظاہر قدرت کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان آیات قدرت میں غور و فکر کر کے راہ ہدایت کو اختیار کرے۔

ضَرَبَ جَعَلَ **لَكُمْ** اَيُّها المُشرِكُونَ **مَّثَلًا** كائنا **مِّنْ اَنْفُسِكُمْ** وهو **هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ** اى مِن مَمَالِيكِكُم **مِّنْ شُرَكَآءَ** لَكُم **فِىْ مَا رَزَقْنٰكُمْ** من الامْوالِ وغيرِها **فَاَنْتُمْ** وهم **فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ** اى اَمثالَكم مِنَ الاَحرارِ والاِستِفهامُ بِمَعنَى النَّفيِ، المعنىٰ ليس مَمَالِيكُكُم شُرَكاءَ لكم الىٰ اٰخرِه عِندَكم فَكَيفَ تَجعَلُونَ بَعضَ مَمَالِيكِ اللّٰهِ شُرَكاءَ له **كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ** نُبيِّنُها مِثلَ ذٰلِكَ التَّفصِيلِ **لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ** ﴿۲۸﴾ يَتدبَّرُونَ **بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا** بالاِشراكِ **اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَمَنْ يَّهْدِىْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ** اى لا هَادِيَ لَهٗ **وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ** ﴿۲۹﴾ مَانِعِينَ مِن عَذابِ اللّٰهِ **فَاَقِمْ** يا مُحَمَّدُ **وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا** مَائِلًا اِلَيه اى اَخلِصْ دِينَكَ لِلّٰهِ اَنتَ ومَن تَبِعَكَ **فِطْرَتَ اللّٰهِ** خِلقَتَهُ **الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا** وهى دِينُهٗ اى اَلزِمُوها **لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ** لِدينِه اى لا تُبدِّلُوه بِاَنْ تُشرِكُوا **ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ** المُستَقِيمُ تَوحِيدُ اللّٰهِ **وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ** اى كُفَّارَ مَكَّةَ **لَا يَعْلَمُوْنَ** ﴿۳۰﴾ تَوحِيدَ اللّٰهِ **مُنِيْبِيْنَ** رَاجِعِينَ **اِلَيْهِ** تَعالىٰ فيما اَمَرَ به ونَهىٰ عَنه حَالٌ مِن فَاعِلِ اَقِمْ وما اُرِيدَ به اى اَقِيمُوا **وَاتَّقُوْهُ** خَافُوهُ **وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ** ﴿۳۱﴾ **مِنَ الَّذِيْنَ** بَدَلٌ بِاِعادةِ الجار **فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ** بِاختِلافِهم فيما يَعبُدُونَهٗ **وَكَانُوْا شِيَعًا** فِرَقًا في ذٰلك **كُلُّ حِزْبٍ** مِنهم **بِمَا لَدَيْهِمْ** عندهم **فَرِحُوْنَ** ﴿۳۲﴾ مَسرُورُونَ وفي قِرَاءَةٍ فارَقُوا اى تَرَكُوا دِينَهم الَّذِي اُمِرُوا به **وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ** اى كفار مكة **ضُرٌّ** شِدَّةٌ **دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ** رَاجِعِينَ **اِلَيْهِ** دُونَ غَيرِه **ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً** بالمَطرِ **اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ** ﴿۳۳﴾ **لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ** اُرِيدَ به التَّهدِيدُ **فَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ** ﴿۳۴﴾ عَاقِبَةَ تَمتُّعِكُم فيه اِلتِفاتٌ عن الغَيبَةِ **اَمْ** بمعنى هَمزَةِ الاِنكارِ **اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا** حُجَّةً وكِتابًا **فَهُوَ يَتَكَلَّمُ** تَكَلُّمَ دَلالَةٍ **بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ** ﴿۳۵﴾ اى يَامُرُهم بالاِشراكِ لا

وَإِذَآ أَذَقْنَا النَّاسَ كُفَّارَ مَكَّةَ وَغَيْرَهُمْ رَحْمَةً نِعْمَةً فَرِحُوا بِهَا فَرَحَ بَطَرٍ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ شِدَّةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ ﴿۳۶﴾ يَيأَسُونَ مِنَ الرَّحْمَةِ ومِنْ شَانِ المُؤْمِنِ أَن يَّشْكُرَ عِنْدَ النِّعْمَةِ وَيَرْجُوا رَبَّهُ عِنْدَ الشِّدَّةِ أَوَلَمْ يَرَوْا يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ يُوَسِّعُه لِمَن يَشَاءُ اِمْتِحَانًا وَيَقْدِرُ يُضَيِّقُهُ لِمَن يَّشَاءُ اِبْتِلَاءً إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۳۷﴾ بِهَا فَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ القَرَابَةِ حَقَّهُ مِنَ البِرِّ والصِّلَةِ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ المُسَافِرِ مِنَ الصَّدَقَةِ وامَّةُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وَسَلَّمَ تبع له في ذٰلك ذَٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ اى ثَوَابَهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۳۸﴾ الفَائِزُوْنَ وَمَا آتَيْتُم مِّن رِّبًا بِاَنْ يُّعْطِيَ شَيْئًا هِبَةً او هَدِيَّةً لِيَطْلُبَ اَكْثَرَ منه فَسُمِّيَ بِاسْمِ المَطْلُوْبِ مِنَ الزِّيَادَةِ فِي المُعَامَلَةِ لِّيَرْبُوَ فِي أَمْوَالِ النَّاسِ المُعْطِيْنَ اى يَزِيْدُ فَلَا يَرْبُو يَزْكُوا عِندَ اللَّهِ اى لَا ثَوَابَ فِيهِ لِلْمُعْطِيْنَ وَمَا آتَيْتُم مِّن زَكَاةٍ صَدَقَةٍ تُرِيدُونَ بِهَا وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ ﴿۳۹﴾ ثَوَابَهُمْ بِمَا اَرَادُوْهُ فِيهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الخِطَابِ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ هَلْ مِن شُرَكَائِكُم مِمَّنْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَّن يَفْعَلُ مِن ذَٰلِكُم مِّن شَيْءٍ لا سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۴۰﴾

ترجمہ: اے مشرکو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے خود تمہاری ہی مثال بیان فرمائی اور وہ یہ ہے کہ جو کچھ ہم نے تم کو اموال وغیرہ دے رکھے ہیں کیا اس میں تمہارے غلاموں میں سے تمہارا کوئی شریک ہے؟ کہ تم اور وہ اس میں برابر درجہ کے ہو اور تم ان سے ایسا اندیشہ رکھتے ہو جیسا کہ خود آپس کا یعنی اپنے جیسے آزاد لوگوں کا، اور استفہام نفی کے معنی میں ہے، مطلب یہ کہ تمہارے نزدیک بھی تمہارے غلام تمہارے شریک نہیں ہیں، (الی آخرہ) یعنی ان اموال میں جو ہم نے تم کو دے رکھے ہیں تمہارے غلام تمہارے جیسے آزادوں کے مانند شریک نہیں ہیں کہ برابر کا درجہ رکھتے ہوں، تو پھر تم اللہ کے بعض غلاموں کو اس کا شریک کس طرح قرار دیتے ہو؟ ہم اسی طرح جس طرح یہ تفصیل بیان کی عقلمندوں کے لئے یعنی غور وفکر کرنے والوں کے لئے صاف صاف دلائل بیان کرتے ہیں بلکہ بات یہ ہے کہ شرک کرنے والے ظالم تو بغیر جانے بوجھے ہی اپنی خواہشات کی اتباع کر رہے ہیں سو جسے اللہ گمراہ کرے اس کو کون راہ (راست) پر لائے یعنی اس کو کوئی راہ پر لانے والا نہیں ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا یعنی اللہ کے عذاب سے بچانے والا نہیں ہوگا تو اے محمد ﷺ آپ یکسو ہو کر اپنا رخ اس دین (حق) کی طرف رکھیں یعنی اپنے دین کو اللہ کے لئے آپ اور آپ کی اتباع کرنے والے خالص رکھیں خدادادقابلیت کو جس پر لوگوں کو پیدا فرمایا ہے اور وہ اس کا دین ہے لازم پکڑو، اللہ تعالیٰ کے دین کو بدلنا نہیں چاہیے یعنی شرک کر کے دین فطرت کو تبدیل مت کرو یہی اللہ کی توحید کا قائل ہونا ہی دین مستقیم ہے لیکن اکثر لوگ یعنی کفار مکہ اللہ کی توحید کو نہیں جانتے (آپ مع اپنے اصحاب کے دین کی جانب رخ رکھئے) اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہوئے ان چیزوں میں جن کا حکم کیا گیا ہے، اور جن سے منع کیا گیا ہے (منیبین) اقم

سے اور اَقِمْ سے جومراد ہیں یعنی اَقِیْمُوا سے حال ہے اس سے ڈرتے رہو نماز کی پابندی رکھو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ، جنہوں نے اپنے دین کے اپنے معبودوں کے بارے میں اختلاف کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر لئے (مِنَ الَّذِیْنَ) اعادۂ جار کے ساتھ المشرکین سے بدل ہے اور دین کے بارے میں گروہ در گروہ ہو گئے اور ان میں کا ہر گروہ اس (دین) پر جو اس کے پاس ہے خوش ہے مگن ہے اور ایک قراءت میں فارقوا ہے یعنی ان لوگوں نے اپنے اس دین کو ترک کر دیا جس دین کا ان کو حکم دیا گیا تھا اور جب لوگوں کو یعنی مکہ کے کافروں کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو اس کی طرف نہ کہ اس کے غیر کی طرف رجوع ہو کر اپنے ربّ (حقیقی) کو پکارنے لگتے ہیں پھر جب ان کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا بارش کے ذریعہ مزا چکھا دیتا ہے تو ان میں کا ایک فریق اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے چاہئے کہ وہ ہماری دی ہوئی (نعمتوں) کی ناشکری کریں اس امر سے تہدید کا ارادہ کیا گیا ہے سو چند دن اور مزے اڑا لو، تمہارے مزے اڑانے کا انجام تم کو جلدی ہی معلوم ہو جائے گا اس میں غیبت سے (خطاب) کی جانب التفات ہے کیا ہم نے ان کے اوپر کوئی حجت اور کتاب نازل کی ہے کہ وہ دلالۃً ان سے شریک کرنے کے لئے کہتی ہے یعنی (وہ کتاب) (دلالت حال سے) ان کو شرک کرنے کو کہتی ہے، نہیں، اور جب ہم لوگوں یعنی مکہ کے کفار وغیرہ کو رحمت یعنی نعمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو وہ اس نعمت سے خوش ہوتے ہیں اترانے لگتے ہیں، اور اگر ان کے اعمال کے بدلے ان کو کوئی مصیبت پہنچ جاتی ہے تو وہ ایک دم رحمت سے ناامید ہو جاتے ہیں اور مومن کی شان یہ ہے کہ نعمت کے وقت شکر ادا کرے اور مصیبت کے وقت اپنے رب سے امید رکھے کیا ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے امتحاناً اس کے رزق میں وسعت کرتا ہے اور جس کے رزق میں چاہتا ہے ابتلاءً تنگی کرتا ہے ان میں (بھی) ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو ان نشانیوں پر ایمان رکھتے ہیں پس قرابت دار کو اس کا حق جو کہ حسن سلوک اور صلہ رحمی ہے دیجئے اور مسکین اور مسافر کو صدقہ دیجئے اور نبی ﷺ کی امت بھی اس حکم میں نبی کے تابع ہے یہ ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی رضا کے طالب ہیں یعنی اس سے اپنے اعمال کے ثواب کے طالب ہیں ایسے ہی لوگ فائز المرام ہونے والے ہیں اور جو چیز تم زیادہ ہونے کے خیال سے دیتے ہو اس طریقہ پر کوئی چیز ہبہ یا ہدیہ کے طور پر دی اس خیال سے کہ اس سے دیئے ہوئے سے زیادہ طلب کرے تاکہ جن لوگوں کو دیا گیا ہے ان کے مال میں مل کر زیادہ ہو جائے تو وہ اللہ کے نزدیک بڑھتا نہیں ہے یعنی اس میں دینے والوں کو کوئی اجر نہیں ہے، ربوا کے خیال سے (دی ہوئی چیز کا) جس کے دینے میں زیادتی مطلوب ہے اس شئ کا نام ربوا رکھ دیا ہے (یعنی جو ہدیہ یا ہبہ زیادتی کے ارادہ سے دیا گیا ہے چونکہ اس میں زیادتی یعنی ربوا مطلوب ہے لہٰذا اس ہبہ یا ہدیہ کا نام ہی قرآن میں ربوا رکھ دیا گیا ہے) اور جو تم زکوٰۃ دو گے جس سے تمہارا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا ہے تو ایسے لوگ ہی ہیں جو اپنے ثواب کو اپنے مطلوب کے مطابق دوگنا کرتے ہیں اس میں خطاب سے (غیبت) کی طرف التفات ہے اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو رزق دیا پھر تم کو موت دے گا پھر تم کو زندہ کرے گا تمہارے شرکاء میں بھی جن کو تم اللہ کے ساتھ شریک کرتے ہو کوئی ایسا ہے کہ جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے نہیں وہ ان کے شریک سے پاک اور برتر ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: کائنًا، کائنًا محذوف مان کر اشارہ کردیا مِنْ اَنْفُسِکُمْ کائنًا سے متعلق ہو کر مثلاً کی صفت ہے اور مِن ابتدائیہ ہے۔

قولہ: مِمّا مَلَکَتْ اَیْمانکمر، مِن شرکاء سے حال مقدم ہے پہلا من ابتدائیہ ہے دوسرا تبعیضیہ ہے اور تیسرا زائدہ۔

قولہ: انتَ ومَن اتبعكَ اس سے اشارہ کردیا کہ اَقِمْ وَجْهَكَ میں اگرچہ خطاب آپ ﷺ کو ہے مگر مراد امت ہے۔

قولہ: فطرتَ اللّٰه فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے اور وہ اَلْزِمُوْا ہے جیسا کہ شارح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے مقدر مان کر اشارہ کردیا ہے ''فطرة'' کے معنی پیدائشی صلاحیت اور خداداد قابلیت کے ہیں ''فطرت'' لمبی ت کے ساتھ قرآن میں صرف اسی جگہ ہے۔

قولہ: لَا تُبَدِّلُوْہ اس سے شارح نے اشارہ کردیا کہ لَا تَبْدِیْلَ خبر بمعنی امر ہے، یہ بھی کہہ سکتے ہیں نفی بمعنی نہی ہے فطرة کی دو تفسیریں ہیں ایک فطری صلاحیت دوسری بمعنی دین اسلام دوسری تفسیر کی طرف شارح علام نے وھی دینہ کہہ کر اشارہ کردیا، جس کی وجہ سے دونوں تفسیریں خلط ملط ہوگئیں، البتہ اگر وھِیَ دِیْنُهٗ کے واؤ کو اَوْ کے معنی میں لے لیا جائے تو یہ اختلاط ختم ہوسکتا ہے۔ (جمل)

قولہ: منيبين یہ اَقِمْ اور اَقِمْ سے جو مراد ہے یعنی اقیموا سے حال ہے اس لئے کہ اَقِمْ میں اگرچہ خطاب آپ ﷺ کو ہے مگر مراد امت ہے۔

قولہ: لِيَكْفُرُوْا کے بعد اُرِيْدَ به التهديد کا اضافہ کرکے اشارہ کردیا کہ لِیکفروا میں لام امر کا ہے اور لام عاقبت بھی ہوسکتا ہے یعنی آخر کار وہ ناشکری کرنے لگتے ہیں۔

قولہ: تَكَلَّمَ دلالةِ یہاں تکلم سے مجازاً دلالت مراد ہے ورنہ تو حجت یا کتاب تکلم نہیں کرتی، البتہ مجازاً کہا جاتا ہے کتابٌ ناطقٌ ویقال هذا مما نَطَقَ به القرآن، بَطَرٌ بے انتہاء خوشی کا اظہار کرنا جو تکبر اور اترانے کی حد تک پہنچ جائے، شارح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے فرحَ بَطَرٍ کا اضافہ کرکے اس شبہ کا جواب دیدیا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر خوشی کا اظہار کرنا کوئی مذموم بات نہیں بلکہ وَاَمَّا بنعمةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ کی رو سے محمود ہے، تو اس کا جواب دیا کہ تحدیث نعمت کے طور پر اظہار نعمت کرنا اگرچہ محمود ہے مگر تکبر اور اترانے کے طور پر اظہار ممنوع ہے۔

قولہ: اللّٰه الذی خَلَقَكُمْ اللّٰہ مبتداء ہے اَلَّذِیْ خلقکُمْ موصول صلہ سے مل کر مبتداء کی خبر، مبتداء اور خبر دونوں کے معرفہ ہونے کی وجہ سے جملہ حصر کا فائدہ دے رہا ہے۔

قولہ: هَلْ مِن شر کائِکُمْ خبر مقدم ہے مَنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلکم مبتداء مؤخر ہے اور من شرکاء هم خبر مقدم ہے۔

تفسیر و تشریح

ضَرَبَ لَكُمْ مَثَلًا مِنْ اَنْفُسِكُمْ آیات مذکورہ میں توحید کے مضمون کو مختلف شواہد اور دلائل اور مختلف عنوانات میں بتلایا گیا ہے اور ایسا دلنشین اندازِ بیان اختیار کیا گیا ہے کہ ہر شخص کے دل میں اتر جائے، پہلے ایک مثال سے سمجھایا کہ تمہارے غلام ونوکر جو تمہارے ہی جیسے انسان ہیں شکل وصورت ہاتھ پاؤں اور مقتضیات طبعیہ سب چیزوں میں تمہارے شریک ہیں مگر تم کو یہ پسند نہیں کہ وہ تمہارے مال و دولت میں شریک ہو جائیں تو پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ کے بندے چاہے وہ فرشتے ہوں یا رسول اور نبی، اولیاء اللہ ہوں یا صلحاء واتقیاء یا شجر و حجر کے بنائے ہوئے معبود، وہ اللہ کے ساتھ شریک ہو جائیں، جبکہ وہ بھی اللہ کے غلام اور اس کی مخلوق ہیں، یعنی جس طرح پہلی بات نہیں ہو سکتی دوسری بھی نہیں ہو سکتی، اس لئے اللہ کے ساتھ دوسروں کی بھی بندگی کرنا اور انہیں حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا یکسر غلط ہے۔

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا فطرت کے کیا معنی ہیں؟ اس بارے میں مفسرین کے متعدد اقوال منقول ہیں ان میں دو زیادہ مشہور ہیں (اول قول) یہ ہے کہ فطرت سے مراد استعداد وصلاحیت ہے یعنی تخلیق انسانی میں اللہ تعالیٰ نے یہ خاصیت رکھی ہے، ہر انسان اپنے خالق کو پہچانے جس کا اثر اسلام کا قبول کرنا ہوتا ہے بشرطیکہ اس استعداد وصلاحیت سے کام لے، یہی معنی مفسر علام علامہ محلی نے اختیار کئے ہیں، یہ معنی بے غبار ہیں اس پر کسی قسم کا اعتراض وشبہ وارد نہیں ہوتا، اس خلقی صلاحیت کے متعلق یہ بات بالکل صحیح ہے کہ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، جو شخص والدین یا کسی دوسرے کے گمراہ کرنے سے کافر ہو گیا اس میں استعداد اور قابلیت حق ختم نہیں ہوتی گو مغلوب ومستور ہو جاتی ہے۔

فطرت کے دوسرے معنی۔ بعض مفسرین نے فطرت سے اسلام مراد لیا ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو اپنی فطرت اور جبلت کے اعتبار سے مسلمان پیدا کیا ہے، اگر اس کو گرد و پیش اور ماحول میں کوئی خراب کرنے والا خراب نہ کرے تو ہر پیدا ہونے والا بچہ مسلمان ہی ہوگا، مگر عموماً ہوتا یہ ہے کہ والدین اس کو بعض اوقات اسلام کے خلاف باتیں بتلاتے ہیں، ذہن نشین کراتے ہیں جس کے سبب وہ اسلام پر قائم نہیں رہتا، جیسا کہ صحیحین کی ایک روایت میں مذکور ہے، قرطبی نے اس قول کو جمہور کا قول قرار دیا ہے۔

دوسرے قول پر متعدد اعتراضات:

پہلا اعتراض:

یہ کہ خود اسی آیت میں آگے یہ مذکور ہے کہ لا تبدیلَ لخلق اللّٰه اور یہاں خلق اللہ سے مراد وہی فطرۃ اللہ ہے جس کا اوپر ذکر ہوا ہے اس لئے اس جملہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی اس فطرت کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا حالانکہ صحیحین کی حدیث شریف میں خود

یہ آیا ہے کہ پھر ماں باپ بعض اوقات بچے کو یہودی یا نصرانی بنا لیتے ہیں، اگر فطرت کے معنی خود اسلام کے لئے جائیں جس میں تبدیلی نہ ہونا خود اسی آیت میں مذکور ہے تو حدیث مذکور میں یہودی، نصرانی بنانے کی تبدیلی کیسے صحیح ہوگی اور یہ تبدیلی تو عام مشاہدہ ہے، اور اگر اسلام ایسی فطرت ہے، جس میں تبدیلی نہ ہو سکے تو پھر یہ تبدیلی کیسے اور کیوں؟

دوسرا اعتراض:

حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جس لڑکے کو قتل کیا تھا اس کے متعلق صحیح حدیث میں ہے کہ اس لڑکے کی فطرت میں کفر تھا اس لئے خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو قتل کیا یہ حدیث بھی اس کے منافی ہے کہ ہر انسان فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔

تیسرا اعتراض:

اگر اسلام کوئی ایسی چیز ہے جو انسان کی فطرت میں اس طرح رکھ دی گئی ہے کہ جس کی تبدیلی پر انسان کو قدرت نہیں تو اس صورت میں اسلام کوئی اختیاری فعل نہ ہوا پھر اس پر آخرت کا ثواب کیسا؟ اس لئے کہ ثواب تو اختیاری عمل پر ملتا ہے، یہ سب شبہات امام تورپشتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح مصابیح میں بیان کئے ہیں اور اسی بناء پر انہوں نے اول معنی کو ترجیح دی ہے کہ اس خلقی صلاحیت کے متعلق یہ صحیح ہے کہ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ (معارف ملخصًا)

وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ رِبًا لِيَرْبُوا فِي اموال النَّاسِ اس آیت میں ایک بری رسم کی اصلاح کی گئی ہے جو عام خاندانوں اور اہل قرابت میں چلتی ہے وہ یہ کہ عام طور پر کنبہ رشتہ کے لوگ شادی بیاہ، عقیقہ یا دیگر تقریبات کے موقع پر ہدیہ تحفہ کے نام پر روپیہ پیسہ یا کوئی چیز دیتے ہیں تو ان کی نظر اس بات پر ہوتی ہے کہ وہ ہمارے یہاں تقریبات کے موقع پر کچھ دے گا دیکھنے میں یہ بھی آیا ہے کہ دینے والا اور لینے والا اس رقم یا ہدیہ تحفہ کو لکھ بھی لیتا ہے تا کہ بھول نہ جائے اس سے معلوم ہوا کہ بدلے کی نیت ہے ورنہ لکھنے کے کیا معنی، اس آیت میں ہدایت کی گئی ہے کہ نہ ان پر احسان جتائے اور نہ کسی بدلے پر نظر رکھے اور جس نے بدلے کی نیت سے دیا کہ اس کا مال دوسرے عزیز رشتہ دار کے مال میں شامل ہونے کے بعد کچھ زیادتی لے کر واپس آئے گا تو اللہ کے نزدیک اس کا کوئی درجہ اور ثواب نہیں اور قرآن کریم نے اس زیادتی کو لفظ ربوا سے تعبیر کر کے اس کی قباحت کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ ایک صورت سود کی سی ہوگئی۔

مَسْئَلَہ: بغیر بدلہ اور عوض کی نیت کے ہدیہ تحفہ لینے دینے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ باعث اجر و محبت ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ اى القِفَارِ بِقَحْطِ المَطَرِ وَقِلَّةِ النَّبَاتِ **وَالْبَحْرِ** اى البِلَادِ الَّتِي عَلَى الْاَنْهَارِ بِقِلَّةِ مَائِهَا **بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ** مِنَ المَعَاصِي **لِيُذِيْقَهُمْ** بالنُّوْنِ والياءِ **بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوْا** اى عُقُوْبَتَهُ **لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ**۝

يَتُوبُونَ قُلْ لِكُفَّارِ مَكَّةَ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ﴿۴۲﴾ فَاُهْلِكُوْا بِاِشْرَاكِهِمْ وَمَسَاكِنُهُمْ وَمَنَازِلُهُمْ خَاوِيَةٌ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ دِيْنِ الْاِسْلَامِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ هُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ﴿۴۳﴾ فِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الصَّادِ يَتَفَرَّقُوْنَ بَعْدَ الْحِسَابِ اِلَى الْجَنَّةِ وَالنَّارِ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ وَبَالُ كُفْرِهٖ هُوَ النَّارُ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ﴿۴۴﴾ يُوَطِّئُوْنَ مِنْ مَنَازِلِهِمْ فِي الْجَنَّةِ لِيَجْزِيَ مُتَعَلِّقٌ بِيَصَّدَّعُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ يُثِيْبُهُمْ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۵﴾ اَيْ يُعَاقِبُهُمْ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ تَعَالٰى اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ بِمَعْنَى لِتُبَشِّرَكُمْ بِالْمَطَرِ وَلِيُذِيْقَكُمْ بِهَا مِّنْ رَّحْمَتِهٖ الْمَطَرِ وَالْخِصْبِ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ السُّفُنُ بِهَا بِاَمْرِهٖ بِاِرَادَتِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا تَطْلُبُوْا مِنْ فَضْلِهٖ الرِّزْقَ بِالتِّجَارَةِ فِي الْبَحْرِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۴۶﴾ هٰذِهِ النِّعَمَ يَا اَهْلَ مَكَّةَ فَتُوَحِّدُوْنَهٗ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ بِالْحُجَجِ الْوَاضِحَاتِ عَلٰى صِدْقِهِمْ فِي رِسَالَتِهِمْ اِلَيْهِمْ فَكَذَّبُوْهُمْ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا اَهْلَكْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْهُمْ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ عَلَى الْكَافِرِيْنَ بِاِهْلَاكِهِمْ وَاِنْجَاءِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا تُزْعِجُهٗ فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ مِنْ قِلَّةٍ وَكَثْرَةٍ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا بِفَتْحِ السِّيْنِ وَسُكُوْنِهَا قِطَعًا مُتَفَرِّقَةً فَتَرَى الْوَدْقَ الْمَطَرَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ اَيْ وَسَطِهٖ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ بِالْوَدْقِ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ يَفْرَحُوْنَ بِالْمَطَرِ وَاِنْ وَقَدْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ تَاكِيْدٌ لَمُبْلِسِيْنَ ﴿۴۹﴾ اٰيِسِيْنَ مِنْ اِنْزَالِهٖ فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ وَفِي قِرَاءَةٍ اَثَرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ اَيْ نِعْمَتِهٖ بِالْمَطَرِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اَيْ يُبْسِهَا بِاَنْ تُنْبِتَ اِنَّ ذٰلِكَ الْمُحْيِيَ الْاَرْضَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾ وَلَئِنْ لَامُ قَسَمٍ اَرْسَلْنَا رِيْحًا مُضِرَّةً عَلٰى نَبَاتٍ فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا صَارُوْا جَوَابُ الْقَسَمِ مِنْ بَعْدِهٖ اَيْ بَعْدَ اِصْفِرَارِهٖ يَكْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾ يَجْحَدُوْنَ النِّعْمَةَ بِالْمَطَرِ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْيَاءِ وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ اِنْ مَا تُسْمِعُ سَمَاعَ اِفْهَامٍ وَقَبُوْلٍ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الْقُرْاٰنِ فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾ مُخْلِصُوْنَ بِتَوْحِيْدِ اللّٰهِ.

ترجمہ: خشکی یعنی میدانوں میں خشک سالی اور نباتات کی کمی کی وجہ سے اور تری یعنی ان شہروں میں جو نہروں (سمندروں) کے کنارے واقع ہیں پانی کی قلت کی وجہ سے لوگوں کی بداعمالیوں کے باعث فساد ظاہر ہو گیا تا کہ ہم ان کو ان کے بعض اعمال کی سزا کا مزہ چکھائیں ممکن ہے کہ وہ باز آجائیں توبہ کریں، آپ مکہ کے کافروں سے کہئے کہ زمین میں چلو پھرو دیکھو پہلوں کا کیا انجام ہوا؟ جن میں اکثر لوگ مشرک تھے تو وہ اپنے شرک کے سبب ہلاک کر دیئے گئے اور ان کے گھر اور

مکانات گرے پڑے ہیں آپ اپنی توجہ دین قیم یعنی اسلام کی جانب رکھئے قبل اس کے کہ وہ دن آجائے جس کو اللہ (ہرگز) نہیں ٹالے گا وہ قیامت کا دن ہوگا اس روز سب لوگ جدا جدا ہو جائیں گے (یصّدّعون) میں اصل میں تا کا صاد میں ادغام ہے (یعنی) حساب کے بعد جنت یا دوزخ کی طرف متفرق ہو جائیں گے کفر کرنے والوں پر ان کے کفر کا وبال پڑے گا وہ دوزخ ہے اور نیک عمل کرنے والے اپنے لئے آرام گاہ بنوا رہے ہوں گے یعنی جنت میں اپنے گھر بنا رہے ہوں گے تاکہ اللہ تعالیٰ ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو اپنے فضل سے اجر دے لِیَجْزِیَ، یَصَّدَّعُوْنَ کے متعلق ہے بلاشبہ وہ کافروں کو پسند نہیں کرتا یعنی ان کو سزا دے گا اور اللہ تعالیٰ کی (قدرت) کی نشانیوں میں سے بارش کی خوشخبری دینے والی ہواؤں کا چلانا بھی ہے اور مُبَشِّرَاتٍ، لِتُبَشِّرَکُمْ کے معنی میں ہے تاکہ تم کو ہواؤں کے ذریعہ اپنی رحمت یعنی بارش اور شادابی کے ذریعہ لطف اندوز کرے اور اس لئے کہ اس کے حکم ارادہ سے ہواؤں کے ذریعہ کشتیاں چلیں اور اس لئے کہ تم اس کا فضل یعنی روزی دریائی سفر کے ذریعہ تجارت کرکے تلاش کرو اور اس لئے تاکہ اے مکہ والو! تم ان نعمتوں کا شکر ادا کرو پھر اس کی توحید کے قائل ہو جاؤ اور ہم نے آپ سے پہلے بھی اپنے رسولوں کو ان کی قوم کی طرف بھیجا وہ ان کے پاس ان کی طرف رسول ہونے کے بارے میں اپنی صداقت کی واضح دلیلیں لے آئے پھر بھی ان لوگوں نے ان کی تکذیب کی پھر ہم نے مجرموں سے انتقام لیا یعنی جن لوگوں نے ان کی تکذیب کی ہم نے ان کو ہلاک کر دیا اور ہم پر کافروں کے مقابلہ میں مومنین کی مدد کرنا لازم ہے کافروں کو ہلاک کرکے اور مومنوں کو نجات دے کر اللہ وہ ذات ہے جو ہوائیں چلاتا ہے وہ بادل کو اٹھاتی ہیں حرکت دیتی ہیں پھر وہ اپنی منشاء کے مطابق آسمان میں کم یا زیادہ پھیلا دیتا ہے پھر اس کو متفرق کر دیتا ہے (کِسَفًا) سین کے فتحہ اور اس کے سکون کے ساتھ الگ الگ ٹکڑے کرنا پھر اے مخاطب تو بارش کو دیکھے گا کہ وہ بادل کے درمیان سے نکلتی ہے پھر وہ اپنے بندوں میں سے جن کو چاہتا ہے وہ بارش پہنچا دیتا ہے تو وہ خوشیاں کرنے لگتے ہیں یعنی بارش سے خوش ہو جاتے ہیں، یقین مانا کہ ان پر بارش برسنے سے پہلے پہلے تو وہ بارش سے ناامید ہو رہے تھے قَبْلِ پہلے قبل کی تاکید ہے پھر آپ رحمت الٰہی کے آثار دیکھیں یعنی اس نعمت کو بارش کی صورت میں ایک قراءت میں آثارٌ ہے کہ وہ زمین کو مردہ ہونے یعنی اس کے خشک ہونے کے بعد کس طرح زندہ کرتا ہے بایں معنی کہ وہ اگانے لگتی ہے یقیناً یہی زمین کو زندہ کرنے والی ذات مردوں کو زندہ کرے گی اور وہ ہر شئ پر قادر ہے اور قسم ہے اگر ہم ان کی کھیتیوں پر مضر ہوا چلا دیں تو وہ اس کھیتی کو زرد دیکھیں تو وہ اس کے زرد ہونے کے بعد نعمت باراں کی ناشکری کرنے لگیں اور وَلَئِنْ میں لام قسم ہے بے شک آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو اپنی آواز سنا سکتے ہیں جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں (ءَ اِذَا) میں دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے ہمزہ کی تسہیل یا اور ہمزہ کے بین بین اور اسی طرح آپ اندھوں کو ان کی بے راہی سے راہ پر نہیں لاسکتے آپ تو بس فہم وقبول کا سنانا اسی کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر قرآن پر ایمان رکھتا ہو لہٰذا اللہ کی توحید میں یہی لوگ مخلص ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: قِفار قَفْرٌ کی جمع ہے چٹیل میدان، قَفار قاف کے فتحہ کے ساتھ وہ روٹی کہ جس کے ساتھ سالن نہ ہو بِمَا کَسَبَتْ با سببیہ اور مَا مصدریہ ہے ای بسبب کسبهم لِیُذِیْقَهُمْ میں لام عاقبت کا ہے اور ظَهَرَ الفساد سے متعلق ہے۔

قَوْلُہٗ: ای عُقوبَتَهٗ سے حذف مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے اَیْ عُقُوبَةَ مَا عَمِلُوْا مجازاً سبب کا اطلاق مسبب پر کیا ہے، چونکہ اعمال بدعقوبت کا سبب ہیں لہٰذا سبب بول کر مسبب مراد لیا ہے۔

قَوْلُہٗ: من اللّٰه کا تعلق یأتی سے ہے۔

قَوْلُہٗ: یَوْمَئِذٍ، یَوْمَئِذٍ کی تنوین جملہ کے عوض میں ہے، ای یومَ اذ یاتی هٰذا الیوم.

قَوْلُہٗ: یَصَّدَّعُوْنَ مضارع جمع مذکر غائب اصل میں یَتَصَدَّعونَ تھا تا کو صاد کیا اور صاد کو صاد میں ادغام کر دیا تَفَعُّلٌ سے تَصَدُّعٌ مصدر ہے منتشر ہونا، کسی سخت چیز کا پھٹنا وبالَ کُفْرِہٖ کا اضافہ کرکے حذف مضاف کی طرف اشارہ کر دیا۔

قَوْلُہٗ: یُوَطِّئُوْنَ وہ آراستہ کرتے ہیں سنوارتے ہیں بناتے ہیں وَطَّأ توطِئَةً درست کرنا بچھانا لِیَجْزِیَ یَصَّدَّعُوْنَ سے متعلق ہے، ای یَصَّدَّعونَ لِیَجْزِیَهم وہ الگ الگ ہو جائیں گے تا کہ ان کو اللہ جزاء دے۔

قَوْلُہٗ: یُثِیْبَهُمْ لیجزیَ کی تفسیر ہے۔

قَوْلُہٗ: بمعنی لتُبَشِّرَکم اس اضافہ کا مقصد سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ لِیُذِیْقَکُمْ کا عطف مبشرات پر ہے اور یہ درست نہیں ہے اس لئے کہ یہ فعل کا اسم پر عطف ہے، شارح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اس کا جواب دیا کہ مُبَشِّر بمعنی تُبَشِّر ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

قَوْلُہٗ: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ (الآیة) یہ آیت، آیتِ مُفَصَّلَه یعنی ومِن آیاتِهٖ اَن یرسِلَ (الآیة) اور آیتِ مفَصّله یعنی اللّٰه الذیْ یُرسِلُ الرِّیَاحَ (الآیة) کے درمیان معترضہ ہے، مطلب یہ کہ ومِن آیاتِهٖ الخ مفصل ہے اور اللّٰه الذی اس کی تفصیل ہے اور ولقد ارسلنا من قبلك الخ آیت معترضہ ہے اور مقصد اس کا آپ ﷺ کی تسلی ہے۔

قَوْلُہٗ: فانتقمنا کا عطف محذوف پر ہے شارح نے فکذبوا سے معطوف علیہ محذوف کی جانب اشارہ کر دیا ہے،

قَوْلُہٗ: وکان حقًّا عَلَیْنَا نصر المؤمنین کان فعل ناقص حقًّا اس کی خبر مقدم اور نصر المؤمنین اسم مؤخر، اور علینا حقًّا کے متعلق ہے۔

قَوْلُہٗ: وَاِن وَقَدْ شارح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے انْ کی تفسیر قَدْ کے ساتھ بغوی کی اتباع میں کی ہے اس صورت میں واؤ حالیہ ہے، اور دیگر حضرات نے اِنْ کو مخففہ عن المثقلہ قرار دیا ہے اور اس کا اسم هُمْ ضمیر شان محذوف مانی ہے اور جملہ کو اِنّ کی خبر قرار دیا ہے اور لَمبلِسِین میں لام فارقہ ہے۔

قَوْلُہٗ: لَظَلُّوْا جواب قسم ہے جو کہ جواب شرط کے بھی قائم مقام ہے، اس لئے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جب شرط اور قسم دونوں جمع

ہو جائیں تو ان میں سے پہلے کا جواب مذکور ہوتا ہے اور دوسرے کا محذوف اور پہلے کا جواب ہی دوسرے کے جواب کی قائم مقامی کرتا ہے یہاں لَئِنْ میں قسم اور شرط دونوں جمع ہیں۔

تفسیر وتشریح

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ ایدی الناس بحر و بر میں فساد پھیلنے کا مطلب یہ ہے کہ پوری دنیا میں فساد نمودار ہو گیا، مفسرین نے ''فساد'' کے مختلف معنی مراد لئے ہیں، بعض حضرات نے قحط اور وبائی امراض اور ہر شئ سے خیر و برکت کا اٹھ جانا مراد لیا ہے، نیز مذکورہ آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان آفات کا سبب انسانوں کے اعمال بد ہیں جن میں شرک و کفر سب سے زیادہ شدید ہے اور یہی دیگر آیات سے بھی معلوم ہوتا ہے مثلاً وَمَا اَصَابَكُمْ من مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُمْ ويعفوا عن كثيرٍ.

ایک شبہ اور اس کا جواب:

احادیث صحیحہ میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بھی موجود ہے کہ دنیا مومن کیلئے جیل خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت، اور یہ کہ کافر کو اس کے نیک اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں مال و دولت اور صحت کی صورت میں دیدیا جاتا ہے اور مومن کے اعمال کا بدلہ آخرت کیلئے محفوظ کر دیا جاتا ہے، اور یہ کہ اشد الناس بلاءً الانبیاء ثمّ الأمثل فالأمثل یعنی دنیا میں سب سے زیادہ مصیبتیں انبیاء پر آتی ہیں پھر جو ان سے قریب ہو، مذکورہ احادیث اس آیت کے مضمون سے مختلف ہیں اور عام دنیا کے مشاہدات بھی بتلاتے ہیں کہ دنیا میں عام طور پر مومن تنگی اور تکلیف میں اور کفار و فجار عیش و عشرت میں رہتے ہیں، اگر آیت مذکورہ کے مطابق دنیا کے مصائب اور تکلیفیں گناہوں کی وجہ سے ہوتیں تو معاملہ برعکس ہوتا۔

جوابؑ: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ آیت مذکورہ میں گناہوں کو آفات و مصائب کا سبب ضرور بتایا گیا ہے مگر علت تامہ نہیں فرمایا کہ جب کسی پر مصیبت آئے تو گناہوں کے ہی سبب سے آئے گی اور جس پر اگر کوئی مصیبت آئے تو اس کا گنہگار ہونا ضروری ہو، بلکہ عام اسباب کا جو دنیا میں دستور ہے کہ سبب واقع ہونے کے بعد اس کا مسبب اکثر واقع ہو جاتا ہے اور اگر کبھی کوئی دوسرا سبب اس کے اثر کے ظاہر ہونے سے مانع ہو جاتا ہے تو اس سبب کا اثر ظاہر نہیں ہوتا، جیسے کہ کوئی شخص کسی دست آور دوا کے متعلق یہ کہے کہ اس سے اسہال ہوں گے، تو یہ اپنی جگہ صحیح ہے مگر بعض اوقات کسی عارض کی وجہ سے دست آور دوا سے اسہال نہیں آتے اور کبھی اسہال بغیر کسی دست آور دوا کھائے بھی آجاتے ہیں، اس لئے آیت کا خلاصہ یہ ہوا کہ گناہوں کا اصل خاصہ یہ ہے کہ ان سے مصائب و آفات آئیں لیکن بعض اوقات دوسرے کچھ اسباب اس کے منافی جمع ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے مصائب کا ظہور نہیں ہوتا، اور بعض صورتوں میں بغیر کسی گناہ کے کسی مصیبت اور آفت کا آجانا بھی اس کے منافی نہیں کیونکہ آیت میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ بغیر گناہ کے کسی کو کوئی تکلیف یا مصیبت پیش نہیں آتی، بلکہ ہو سکتا ہے کہ کسی کو کوئی مصیبت و آفت کسی دوسرے سبب سے پیش

آجائے، جیسے انبیاء واولیاء کو جو مصیبتیں اور تکلیفیں پیش آتی ہیں ان کا سبب گناہ نہیں ہوتا بلکہ ان کی آزمائش اور آزمائش کے ذریعہ ان کے درجات کی ترقی اس کا سبب ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ قرآن نے جن مصائب وآلام کا گناہوں کو سبب قرار دیا ہے اس سے مراد وہ آفات ومصائب ہیں جو عمومی ہوں اور پوری دنیا یا پورے علاقہ یا پورے شہر کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں، ذاتی اور شخصی آفات ومصائب مراد نہیں ہیں۔

فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ آپ مردوں کو سنا نہیں سکتے رہا یہ معاملہ کہ مُردوں میں سننے کی صلاحیت ہے یا نہیں اور عام مردے زندوں کا کلام سنتے ہیں یا نہیں اس مسئلہ کی تحقیق سورۂ نمل کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ مَاءٍ مَهِيْنٍ **ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ** اٰخَرَ وهو ضُعْفُ الطُّفُوْلِيَّةِ **قُوَّةً** اى قُوَّةَ الشَّبَابِ **ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَيْبَةً** ضُعفَ الكِبَرِ وشَيْبَ الهَرَمِ وَالضُّعفُ في الثَّلاثَةِ بضَمِّ اوله وفتحه **يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ** مِنَ الضُّعفِ والقوةِ والشَّبابِ والشَّيْبَةِ **وَهُوَ الْعَلِيْمُ** بتَدبيرِ خَلْقِهٖ **الْقَدِيْرُ** على مَا يَشاءُ **وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ** يَحلِفُ **الْمُجْرِمُوْنَ** الكَافِرُوْنَ **مَا لَبِثُوْا** فِى القُبُوْرِ **غَيْرَ سَاعَةٍ** قالَ تعالٰى **كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ** يُصرَفُوْنَ عَنِ الحَقِّ البَعثِ كَما صَرَفُوْا عَنِ الحَقِّ الصِّدقِ فى مُدَّةِ اللُّبثِ **وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ** مِنَ المَلائكةِ وغيرهم **لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ** فيما كَتَبَهٗ فى سَابِقِ عِلْمِهٖ **اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ** الذى اَنكَرتُمُوه **وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ** وُقوعَهٗ **فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ** بالتاء والياء **الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ** فى اِنكارِهم له **وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ** لا يُطلَبُ مِنهم العُتبٰى اى الرُّجُوْعُ الٰى ما يَرضَى اللّٰهُ **وَلَقَدْ ضَرَبْنَا** جَعلنَا **لِلنَّاسِ فِىْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ** تَنبيهًا لهم **وَلَئِنْ** لامُ قَسمٍ **جِئْتَهُمْ** يا مُحَمَّدُ **بِاٰيَةٍ** مثلِ العَصا واليَدِ لِموسٰى **لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** منهم **اِنْ** ما **اَنْتُمْ** اى مُحَمَّدٌ واَصحابُهٗ **اِلَّا مُبْطِلُوْنَ** اَصحابُ اَباطِيلَ **كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ** التَّوحِيدَ كَما طَبَعَ عَلٰى قُلُوبِ هٰؤلاءِ **فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ** بِنَصرِك عليهم **حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ** بالبَعثِ اى لا يَحمِلَنَّكَ على الخِفَّةِ والطَّيشِ بتَركِ الصَّبرِ اى لا تَترُكَنَّهٗ.

قرأ حفص بضم الضاد وفتحها فى الثلاثة لكن الضم مختاره.

ترجمہ: اللہ وہ ذات ہے کہ جس نے تم کو ضعف (یعنی) بےوقعت پانی سے پیدا کیا پھر ضعف آخر یعنی ضعف طفولیت کے بعد توانائی بخشی یعنی قوت شباب پھر قوت کے بعد ضعف اور بڑھاپا دیا یعنی کلاں سالی کی کمزوری اور بڑھاپے کی سفیدی اور (لفظ ضعف) تینوں جگہ ضاد کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ ہے (اور) وہ ضعف وقوت جوانی اور بڑھاپا جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے وہ اپنی مخلوق کی تدبیر سے باخبر اور جو چاہے اس پر قادر ہے اور جس دن قیامت برپا ہوگی تو یہ مجرم کافر

قسمیں کھائیں گے کہ وہ قبروں میں ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اسی طرح یہ حق یعنی بعث بعد الموت سے (دنیا) میں الٹے پلا کرتے تھے جیسا کہ مدت بعث کے بارے میں سچی حقیقت سے الٹے چل رہے ہیں اور جن ملائکہ وغیرہ کو علم وایمان عطا کیا گیا وہ کہیں گے تم تو نوشتۂ خداوندی کے مطابق یعنی اس نوشتہ کے مطابق جو کہ اس کے علم ازلی میں ہے قیامت کے دن تک ٹھہرے رہے یہ (دن) یوم بعث ہی ہے جس کا تم انکار کرتے رہے لیکن تم تو اس کے وقوع کا یقین ہی نہیں کرتے تھے، غرض یہ کہ اس دن ظالموں کو بعث کے انکار کے بارے میں معذرت کرنا کوئی فائدہ نہیں دے گا تنفع میں یا اور تا دونوں صحیح ہیں اور نہ ان سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا یعنی نہ ان سے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کہا جائے گا اور ہم نے لوگوں کے لئے اس قرآن میں ان کو تنبیہ کرنے کے لئے ہر قسم کے عمدہ مضامین بیان کئے ہیں اور قسم ہے اے محمد اگر آپ ان کے پاس موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عصا اور ید بیضاء جیسے معجزے لے آئیں تو بھی ان میں جو کافر ہیں یہی کہیں گے کہ تم اور تمہارے ساتھی نرے اہل باطل ہو جو لوگ توحید کا علم (یقین) نہیں رکھتے اللہ تعالیٰ ان کے قلوب پر مہر لگا دے گا جیسا کہ ان لوگوں کے قلوب پر مہر لگا دی لہٰذا آپ صبر کیجئے بلا شبہ ان کے مقابلہ میں اللہ کا وعدہ آپ کی نصرت کا سچا ہے اور بعث بعد الموت کا یقین نہ رکھنے والے یہ لوگ (کہیں) آپ کو بے صبرا نہ کر دیں یعنی (کہیں) آپ کو ورغلا کر جلد بازی اور غصہ پر مجبور نہ کر دیں یعنی ہرگز آپ کے ہاتھ سے دامن صبر چھوٹنے نہ پائے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلُہٗ: ماءٍ مھینٍ یہ ضُعْفٍ کی تفسیر ہے اس تفسیر کا مقصد ایک اعتراض کو دفع کرنا ہے، اعتراض یہ ہے کہ ضُعْف صفت ہے اس سے کسی چیز کی تخلیق نہیں ہو سکتی۔

جَوَابٌ: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ضعف سے مراد اصلِ ضعیف ہے جیسا کہ نطفہ اصل ضعیف ہے یعنی ضعف مصدر ذو ضعفٍ کے معنی میں ہے۔

قِوْلُہٗ: اللہ الذی خَلَقَکُمْ جملہ مبتداء وخبر ہے۔

قِوْلُہٗ: شَیْبَۃ بالوں کی سفیدی جو عام طور پر تینتالیس سال کی عمر میں ظاہر ہوتی ہے، اور یہی کہولت کی ابتداء ہوتی ہے۔

قِوْلُہٗ: من الضُعفِ والقوۃ، ما، کا بیان ہے۔

قِوْلُہٗ: من الملائکۃ وغیرھم ای الانبیاء والمؤمنون.

قِوْلُہٗ: وَلَاھُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ (استفعال) سے استعتاب مصدر ہے، ان سے (اللہ کو) رضامند کرنے کی خواہش نہیں کی جائے گی، بعض مفسرین نے ترجمہ کیا ہے، ان کے عذر قبول نہیں کئے جائیں گے، علامہ محلی نے اس لفظ کی تشریح میں فرمایا لا یُطْلَبُ منھم العتبیٰ ای الرجوع الی مَا یرضی اللہ ان ظالموں سے توبہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا یعنی ایسے عمل کی طرف رجوع

کرنے کے لئے نہیں کہا جائے گا جس سے اللہ راضی ہو، امام بغوی نے معالم میں لکھا ہے لا یکلفون اَن یرضوا ربھم لأن الآخرۃَ لیست بدار التکلیف قیامت کے دن وہ اللہ کو رضامند کرنے کے مکلف نہ ہوں گے کیونکہ دار آخرت دار تکلیف نہیں ہے بلکہ دار جزا ہے، صاوی نے کہا ہے العُتْبیٰ، الرُجعیٰ کے مانند ہے وزن اور معنی میں، اور لَا یُستَعْتَبُوْنَ کے معنی ہیں دنیا میں واپس جانے کی ان کی درخواست قبول نہیں کی جائے گی، دیگر آیات میں بھی اس مضمون کو بیان کیا گیا ہے کہ کفار و مشرکین قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں گے کہ ہم کو دنیا میں واپس بھیج کر ایک موقع دیا جائے تاکہ تلافی مافات کرسکیں۔

قِوْلُہٗ: لَیَقُوْلَنَّ اس کے بعد کی عبارت شارح کے قلم کی سبقت ہے غالباً جمع مذکر غائب کا صیغہ سمجھ کر مذکورہ تعلیل کی ہے، ورنہ باتفاق قراء لیقولَنَّ میں لام مفتوح ہے اور الذین کفروا اس کا فاعل ہے۔

قِوْلُہٗ: فاصبِرْ شرط محذوف کی جزاء ہے، ای اِذَا عَلِمتَ حالَھم انَّھم لایؤمنون فاصْبِرْ.

تفسیر و تشریح

اس سورت کا بڑا حصہ منکرین قیامت کے شبہات کے ازالہ سے متعلق ہے، جس کے لئے حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کی بہت سی آیات اور نشانیاں دکھلا کر غافل انسان کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کا سامان کیا گیا ہے، مذکورۃ الصدر آیت میں قوت و ضعف کے اعتبار سے انسانی وجود کا ایک مکمل خاکہ پیش کیا گیا ہے، جس میں دکھلایا گیا ہے کہ انسان کی ابتداء بھی کمزور اور انتہا بھی درمیان میں بہت تھوڑے دنوں کے لئے اس کو ایک قوت ملتی ہے عقل کا تقاضہ یہ ہے کہ اس چندروزہ قوت کے زمانہ میں اپنی پہلی کمزوری اور آنے والی کمزوری سے غافل نہ ہو۔

خَلَقَکُمْ من ضعفٍ انسان کو یہی سبق دیا گیا ہے کہ اپنی اصل بنیاد کو دیکھ کہ کس قدر ضعیف بلکہ عین ضعف ہے کہ قطرۂ بے شعور و بے جان ہے کہ کس کی قدرت و حکمت نے اس حقیر اور ناپاک قطرے کو مختلف اطوار و حالات سے گذار کر ایک عاقل و باشعور، باعزت و باوقار انسان کا وجود بخشا۔

کمزوری سے مراد کہولت کی عمر ہے جس میں عقلی اور جسمانی قوتوں میں نقصان کا آغاز ہوجاتا ہے اور بڑھاپے سے مراد شیخوخت کا دور ہے جس میں ضعف بڑھ جاتا ہے، ہمت پست، ہاتھ پیروں کی حرکت اور گرفت کمزور، بال سفید اور تمام ظاہری و باطنی صفات متغیر ہوجاتی ہیں۔

وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَۃُ یُقْسِمُ المجرمُوْنَ مَا لَبِثُوْا غَیْرَ سَاعَۃٍ یعنی جس روز قیامت قائم ہوگی تو منکرین قیامت وہاں کی ہولناکی اور شدائد کو دیکھ کر قسمیں کھانے لگیں گے کہ ہمارا قیام تو ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہا، اس قیام سے مراد ہوسکتا ہے کہ دنیا کا قیام ہو کیونکہ ان کی دنیا عیش و آرام سے گذری تھی اور اب یہاں مصائب و شدائد سامنے آئے تو انسانی

عادت اور فطرت کے مطابق انسان آرام وراحت کے زمانہ کو بہت مختصر سمجھتا ہے اس لئے قسمیں کھائیں گے کہ دنیا میں تو ہمارا قیام بہت ہی مختصر صرف ایک گھڑی کا تھا۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس قیام سے قبر اور برزخ کا قیام مراد ہو اور ''بہت قلیل مدت'' کے قیام سے قبر یا برزخ کا قیام مراد ہو یہ انسانی فطرت ہے کہ مصائب کے وقت پچھلی راحت کو بہت مختصر سمجھنے لگتا ہے، اور کافروں کو اگرچہ قبر و برزخ میں بھی عذاب ہوگا مگر قیامت کے عذاب کے مقابلہ میں وہ بھی راحت محسوس ہونے لگے گا اور اس زمانہ کو مختصر سمجھ کر قسمیں کھائیں گے کہ ہمارا قیام قبر میں بہت مختصر تھا۔

وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ اس کا مطلب یہ ہے کہ مجرموں سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ تم توبہ کر کے یا نیک اعمال کر کے خدا کو راضی کر لو کیونکہ قیامت کا دن دار الجزاء ہے، دار العمل نہیں ہے، صاحب جلالین نے یہی مطلب بیان کیا، ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا کہ مجرمین اللہ تبارک وتعالیٰ سے دنیا میں واپس بھیجے جانے کی درخواست کریں گے تاکہ دنیا میں نیک عمل کر کے تلافی مافات کر سکیں مگر ان کی یہ درخواست قبول نہیں کی جائے گی، تحقیق و ترکیب کے زیر عنوان اس کی مزید تفصیل گذر چکی ہے دیکھ لیا جائے۔

سُوْرَۃُ لُقْمٰنَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ لُقْمَانَ مَكِّيَّةٌ اِلَّا وَلَوْ اَنَّ مَا فِى الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أقلامٌ الآيَتَيْنِ وَهِىَ اَرْبَعٌ وَثَلٰثُوْنَ آيَةً.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾ اللّٰہ اعلمُ بمُرادِہ بہ تِلْكَ اى ہٰذِہِ الأيات اٰيٰتُ الْكِتٰبِ القراٰنِ الْحَكِيْمِ ۙ﴿۲﴾ ذى الحكمةِ والاضافةُ بمعنَى مِن ہو هُدًى وَّرَحْمَةً بالرفع لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۙ﴿۳﴾ وفى قِراءَ ةِ العامّة بالنصبِ حالاً من الأياتِ العاملُ فيها ما فى تلك من مَعْنى الاِشارةِ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ بيانٌ لِلْمُحسِنِيْن وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ؕ﴿۴﴾ ہُمْ الثانى تاكيدٌ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾ الفائزُوْن وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ اى مَا يُلهِى منه عن ما يعنى لِيُضِلَّ بفَتْحِ الياءِ وضمِّها عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ طريقِ الاسْلَام بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا بالنَّصْبِ عَطْفا علٰى يُضِلَّ وبالرَّفع عَطْفا على يَشْترِىْ هُزُوًا ؕ مَہزُوًّا بِہا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۶﴾ ذُو اِہانَةٍ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا القراٰنُ وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا مُتكبِّرا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِىْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ صَمَمًا وجُملتَا التشبيهِ حالانِ مِنْ ضميرِ ولّٰى او الثانيةُ بيانٌ لِلاُولٰى فَبَشِّرْهُ اَعْلِمْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۷﴾ مُؤلِمٍ وذكْرُ البشارةِ تَہكُّمٌ بِہٖ وہو النَضرُ بنُ الحَارِثِ كان ياتى الحِيرة يَتَّجِرُ فِيشْتَرِىْ كُتُبَ اَخْبارِ الاَعَاجِمِ ويُحَدِّثُ بِہا اَہلَ مَكَّةَ ويقولُ اِنَّ محمدًا يُحدِّثُكُم اَحادِيثَ عادٍ وثمود وانا اُحدِّثُكم حديثَ فارسَ والرومِ فيستَمْلِحونَ حدِيثَهُ ويترُكُوْنَ اسْتماعَ القُراٰنِ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ۙ﴿۸﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ حالٌ مُقدَّرَةٌ اى مُقدَّرًا خلودُہم فيها اذا دَخلُوہا وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اى وعَدَہم اللّٰہُ ذٰلك وحقّهٗ حقًّا وَهُوَ الْعَزِيْزُ الذى لا يَغْلِبُهٗ شئٌ فيمنعه عن انجازِ وَعْدِہ وَوَعِيْدِہِ الْحَكِيْمُ ﴿۹﴾ الَّذى لا يَضعُ شيئًا اِلَّا فى مَحلِّہ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا اى العَمَدُ جَمْعُ عِمادٍ وہو الاُسْطُوانَةُ وہو صادق بان لا عَمَدَ اَصلاً وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ جبالاً مُرْتفعةً اَنْ لا تَمِيْدَ تتحرَّكُ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ؕ وَاَنْزَلْنَا فيه التفاتٌ عن الغَيْبَةِ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۰﴾ صِنفٍ حَسَنٍ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ اى مَخْلُوقُهٗ فَاَرُوْنِىْ اَخبِرُوْنِىْ يا اَہلَ مَكَّةَ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ غيرِہِ اى

اٰلِهَتُكُمْ حَتّٰى اَشْرَكْتُمُوْهَا بِهٖ تَعَالٰى وما اسْتِفْهَامُ اِنْكَارٍ مُبْتَدأٌ وذَا بمعنى اَلَّذِيْ بصلتِهٖ خَبَرُهٗ وَاَرُوْنِيْ مُعَلَّقٌ عن العمل وما بَعْدَهٗ سَدَّ مَسَدَّ الْمَفْعُوْلَيْنِ بَلْ لِلْاِنْتِقَالِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿١١﴾ بَيِّنٍ بِاِشْرَاكِهِمْ وَاَنْتُمْ مِنْهُمْ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے الٓمّٓ اس کی (حقیقی) مراد تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے تلك یعنی یہ آیتیں حکمت والی کتاب یعنی قرآن کی آیتیں ہیں، اضافت بمعنی مِن ہے، وہ نیکوکاروں کے لئے رہبر اور (سراسر) رحمت ہے رَحْمَةٌ کے رفع کے ساتھ رَحْمَةً عام قراءت میں آیات سے حال واقع ہونے کی وجہ سے منصوب ہے (اور) عامل اس میں وہ (فعل) ہے جو تلك میں اشارہ کے معنی ہیں (یعنی اُشِیْرُ) جو لوگ نماز قائم کرتے ہیں یہ محسنین کا بیان ہے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر (کامل) یقین رکھتے ہیں ثانی ھم پہلے ھم کی تاکید ہے، یہی ہیں وہ لوگ جو اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ نجات پانے والے ہیں کامیاب ہونے والے ہیں اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ جو لغو باتوں کو خریدتے ہیں یعنی وہ چیز جس کی وجہ سے مقصد سے غافل رہتے ہیں (نوٹ) یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جبکہ یَلْهٰى معروف پڑھا جائے اور اگر یُلْهٰى مجہول پڑھا جائے تو ترجمہ یہ ہوگا، اور بعض لوگ ایسے ہیں جو ایسی لغویات کو خرید لیتے ہیں کہ جن کے ذریعہ مقصد سے غافل کئے جائیں تاکہ اللہ کے راستہ سے یعنی اسلام کے طریقہ سے ناسمجھی کی وجہ سے گمراہی میں پڑے رہیں (یا) تاکہ لوگوں کو گمراہ کریں لِیُضِل فتحہ اور ضمہ کے ساتھ ہے وَیَتَّخِذَهَا نصب کے ساتھ یُضِلَّ پر عطف کرتے ہوئے اور رفع کے ساتھ یَشْتَرِی پر عطف کرتے ہوئے تاکہ ان آیات یعنی سبیل اللہ کا مذاق اڑائے یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے رسوا کن عذاب ہے اور جب اس کو ہماری آیتیں قرآن پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو تکبر کرتا ہوا اس طرح منہ پھیر لیتا ہے گویا کہ اس نے سنا ہی نہیں گویا کہ اس کے کانوں میں ڈاٹ لگی ہوئی ہے (یعنی) گراں گوش ہے، اور تشبیہ کے دونوں جملے وَلّٰی کی ضمیر سے حال ہیں یا ثانی جملہ پہلے جملہ کا بیان ہے آپ اس کو دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے اور خوشخبری کا ذکر اس کے لیے مذاق کے بطور ہے اور وہ نضر بن حارث ہے جو تجارت کے سلسلہ میں حیرہ جایا کرتا تھا (وہاں) سے عجمیوں کی تاریخی کتابیں خرید لاتا تھا اور ان کتابوں کو اہل مکہ کو سنایا کرتا تھا، اور کہا کرتا تھا کہ محمد تو تم کو عاد و ثمود کے قصے سناتے ہیں اور میں تم کو فارس اور روم کے قصے سناتا ہوں تو یہ لوگ اس کی بات کو پسند کرتے تھے اور قرآن سننا ترک کر دیتے تھے، بے شک جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور کام بھی نیک کئے ان کے لئے نعمتوں والی جنتیں ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے، حال مقدرہ ہے، یعنی ان کا جنت میں ہمیشہ رہنا مقدر ہو چکا ہے جب وہ اس میں داخل ہو جائیں گے اللہ کا وعدہ سچ یعنی اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے سچا وعدہ وہ غلبہ والا ہے اس کو کوئی شئ مغلوب نہیں کر سکتی کہ اس کو اس کے وعدوں اور وعیدوں کو پورا کرنے سے روک سکے، وہ بڑی حکمت والا ہے کہ وہ ہر شئ کو اس کے محل اور موقع ہی میں رکھتا ہے اسی نے آسمانوں کو بلاستون بنایا (جیسا کہ) تم ان کو دیکھ رہے ہو عَمَدٌ عِمَادٌ کی

جمع ہے اور وہ ستون ہیں، اور یہ بات اس صورت میں بھی صادق آتی ہے کہ ستون بالکل ہی نہ ہوں اور زمین پر اونچے اونچے پہاڑ رکھ دیئے تا کہ تم کو لیکر (اضطرابی) حرکت نہ کرے اور ہر قسم کے جانور زمین میں پھیلا دیئے اور ہم نے آسمان سے پانی برسایا اس میں غیبت (سے تکلم کی جانب) التفات ہے پھر اس زمین میں طرح طرح کی (نباتات) کی عمدہ قسمیں اگائیں یہ ہیں اللہ کی پیدا کی ہوئی (چیزیں) یعنی اس کی مخلوق اب اے مکہ والو! مجھے بتاؤ کہ غیر اللہ نے کیا پیدا کیا؟ یعنی تمہارے معبودوں نے حتی کہ تم نے ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرا دیا، ما، استفہام انکاری مبتداء ہے اور ذَا بمعنی الذی مع اپنے صلہ کے اس کی خبر ہے، اور اَرُوْنی کو عمل سے روک دیا گیا ہے، اور اس کا مابعد دو مفعولوں کے قائم مقام ہے بل انتقال کے لئے ہے بلکہ ظالم صریح گمراہی میں ہیں ان کے شرک کرنے کی وجہ سے اور انہیں میں سے تم بھی ہو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اَیْ ھٰـذِہِ الْآیَات ، تِـلْكَ اسم اشارہ بعید کی تفسیر، ھٰـذہ اسم اشارہ قریب سے کرکے اشارہ کر دیا کہ سورت کی آیات عند اللہ رتبہ کے اعتبار سے رفیع القدر ہیں، اگرچہ اذہان سے قریب ہیں، ھُوَ محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ ھُدًی ورحمةً مبتداء محذوف کی خبر ہے، اور اگر ھدًی اور رحمةً منصوب ہوں تو آیات سے حال ہوں گے اور عامل تلكَ، یُشیرُ کے معنی میں ہوکر ہوگا۔

قَوْلُہٗ: وَمِـنَ الـناس مَنْ یشْتَرِی لَھْوَ الحدیث اس سے پہلی آیت میں نیکوکار مومنین کا ذکر تھا، اس آیت میں بطور تقابل بدکار مشرکین کا ذکر ہے، پہلی آیت میں محسنین کے اوصاف کا ذکر تھا اس آیت میں مشرکین کے اوصاف کا ذکر ہے، وَمِنَ النّاس میں مِـــن تبعیضیہ ہے، شان نزول کے اعتبار سے اگرچہ ایک خاص شخص نضر بن حارث بن کلدہ مراد ہے مگر الفاظ عام ہیں جس میں لہو الحدیث سے دلچسپی رکھنے والا ہر شخص داخل ہے۔

قَوْلُہٗ: لَھْوٌ (ن) کا مصدر ہے، ایسے فضول کام میں مشغول ہونا کہ جس کی وجہ سے مفید کام متروک ہو جائے، یہاں مصدر اسم فاعل کے معنی میں ہے یعنی وہ فضول باتیں جو غافل کرنے والی ہوں لَھْـوَ الـحدیث یہ اضافت بمعنی من ہے، جیسا کہ شارح نے منه کہہ کر اشارہ کر دیا ہے، اصل میں لھوًا من الحدیث تھا، فضول اور بے سروپا قصوں کا کھیل تماشہ۔

قَوْلُہٗ: ای مَا یَلْھٰی (س) واحد مذکر غائب مضارع معروف۔

قَوْلُہٗ: عَـمّا یـعـنـی. مـایعنی وہ چیز جو مقصود ہو، اب ترجمہ یہ ہوا لَھْـوَ الـحدیثِ وہ شی جو مفید اور کار آمد شی سے غافل کر دے۔

قَوْلُہٗ: لِیَـضِـلَّ اور لِیُـضِـلَّ دونوں قراءتیں ہیں پہلی صورت میں ترجمہ یہ ہوگا، وہ لہو الحدیث اس لئے خرید کر لاتا ہے تا کہ خرافات اور بیہودہ قصہ گوئیوں میں ہمیشہ مشغول ہوکر گمراہ رہے، اور دوسری صورت میں ترجمہ ہوگا، تا کہ وہ دوسروں کو

گمراہ کرے یعنی ضال بھی اور مضل بھی۔

قَوْلُہٗ: صَمَمًا یہ وَقرًا کی تفسیر ہے "وقر" ڈاٹ کو کہتے ہیں جو کہ محسوس اور خارجی چیز ہوتی ہے، یہاں معنوی ڈاٹ مراد ہے اور وہ ثقل اور بہرا پن ہے نہ سننے یا سن کر عمل نہ کرنے کو وقرٌ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: فبشّرہُ ای اَعلِمهُ بشِّرہ کی تفسیر اَعْلِمهُ سے کرکے اشارہ کر دیا کہ یہاں خوشخبری دینا مراد نہیں ہے، کیونکہ عذاب الیم کی خوشخبری کا کوئی مطلب نہیں، اس لئے کہ خوشخبری اچھی خبر کی ہوا کرتی ہے، مراد مطلقاً خبر دینا ہے۔

قَوْلُہٗ: وَذِکرُ البَشَارَةِ تهکّمٌ یہ فبشِّرہُ کی دوسری تفسیر ہے، شارح علام کے لئے مناسب تھا کہ یہاں واؤ کے بجائے او ذکر کرتے۔

دوسری تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں بشارت سے مراد بشارت ہی ہے مگر یہ تمسخراً اور استہزاءً ہے۔

قَوْلُہٗ: خالدین فیها یہ جنّٰتٌ یا لَهُمْ کی ضمیر سے حال مقدرہ ہے، اس لئے کہ حال اور ذوالحال کا زمانہ ایک ہونا ضروری ہے۔

قَوْلُہٗ: وَعَدَهم الله ذٰلك اس تفسیر سے اشارہ کر دیا کہ وَعْدًا مصدر ہے اور اپنے فعل کی جگہ واقع ہے یعنی فعل کو حذف کرکے مصدر کو اس کی جگہ رکھ دیا گیا ہے، تقدیر عبارت تھی وَعَدَهم الله وَعْدًا اور وَعْدًا مصدر مؤکد لنفسه ہے، اس لئے کہ۔ لَهُمْ جناتُ النعیم معنی میں وَعَدَهُم اللّٰهُ ذٰلك کے ہے، اور حَقًّا مصدر مؤکد لغیرہ ہے اس لئے کہ ہر وعدہ حق نہیں ہوتا۔

قَوْلُہٗ: اُسْطُوَانَةٌ ستون، کھمبا (ج) اساطین.

قَوْلُہٗ: هُوَ صَادِق بان لا عَمَدَ اَصلاً شارح رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے مذکورہ عبارت سے بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَ کے دو معنی کی طرف اشارہ کیا ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو ایسے ستونوں پر قائم کیا ہے جن کو تم نہیں دیکھ سکتے، اور اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ آسمانوں کو بغیر ستونوں کے قائم کیا ہے جن کو تم نہیں دیکھ سکتے، اور اس کا تیسرا مطلب یہ ہے کہ آسمانوں کو بغیر ستونوں کے پیدا فرمایا اس لئے کہ جب آسمانوں کے ستون ہیں ہی نہیں تو نظر کہاں سے آئیں گے، اس لئے کہ قضیہ سالبہ جس طرح موضوع کے لئے محمول کے ثابت نہ ہونے کی صورت میں صادق آتا ہے اسی طرح موضوع سرے سے موجود نہ ہونے کی صورت میں بھی صادق آتا ہے، زید اگر بیٹھا ہو تو زیدٌ لیسَ بقائمٍ کہنا صحیح ہے، اور اگر زید دنیا میں موجود ہی نہ ہو تب بھی زید لیس بقائم صادق ہے۔

قَوْلُہٗ: لِاَنْ لَا تمیدَ بکم مفسر علام نے لام تعلیل اور لائے نافیہ مقدر مان کر اشارہ کر دیا ہے کہ زمین پر پہاڑوں کے نصب کرنے کی علت زمین کو اضطرابی حرکت سے روکنا ہے، پیش نظر نسخہ میں اَنْ سے پہلے لام مکتوب نہیں ہے، صاوی کے نسخہ میں لام تعلیلیہ بھی مکتوب ہے۔

قَوْلُہٗ: مَا ذَا خَلَقَ الَّذِیْنَ مِنْ دونِهٖ، غیرہ، دونِهٖ کی تفسیر ہے آلِهَتُکُمْ، الذین کی تفسیر ہے مَاذَا میں مَا استفہام

انکاری ہے اور مبتداء ہے اور ذا بمعنی الذی مع اپنے صلہ کے مبتداء کی خبر ہے اور عائد محذوف ہے ای ما الذی خلقهٗ آلِهَتُکُمْ اور اَرُوْنِی ممنوع العمل ہے لفظاً، اس لئے کہ ما استفہامیہ سے پہلے واقع ہوا ہے اگر ارونی کو عمل دیدیا جائے، تو ما استفہامیہ کی صدارت کلام باطل ہو جائے گی۔

قَوْلُہٗ: مَا بعدهٗ سَدَّ مسدَّ المفعولین یہ اس صورت میں درست ہے جبکہ ارُونی کو متعدی بسہ مفعول مانا جائے تو اس صورت میں مفعول اول اَرُونی کی یاء ہوگی اور بعد کا جملہ قائم مقام دو مفعولوں کے ہوگا، مگر یہ اس کے خلاف ہے جو بیان کیا گیا ہے کہ اَرَیٰ جب اَخْبَرَ کے معنی میں ہو تو متعدی بدو مفعول ہوتا ہے جیسا کہ یہاں ہے، لہٰذا اس صورت میں شارح کا سد مسد المفعولین کہنا مناسب معلوم نہیں ہوتا بلکہ سَدَّ مسد المفعول الثانی فرماتے تو بہتر ہوتا۔

تفسیر وتشریح

الٓمّٓ یہ حروف مقطعات میں سے ہے، جن کی حقیقی مراد تو اللہ ہی کو معلوم ہے، تاہم بعض مفسرین نے اس کے دو اہم فائدے بیان کئے ہیں، ایک یہ کہ یہ قرآن انہی حروف مقطعات سے مرتب ہے، جن کو تمام عرب استعمال کرتے ہیں پھر بھی قرآن کا مثل پیش کرنے سے عاجز ہیں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قرآن اللہ ہی کا نازل کردہ ہے، اور جس پیغمبر پر یہ نازل ہوا ہے وہ سچا رسول ہے۔

دوسرا یہ کہ مشرکین اپنے ساتھیوں کو اس قرآن کے سننے سے روکتے تھے کہ مبادا اس سے متاثر ہو کر مسلمان ہو جائیں، اللہ تعالیٰ نے مختلف سورتوں کا آغاز حروف مقطعات سے فرمایا تاکہ وہ اس کے سننے پر مجبور ہو جائیں، کیونکہ یہ انداز بیان نرالا اور اچھوتا تھا۔

محسنین، محسن کی جمع ہے اس کے ایک معنی ہیں احسان کرنے والا، والدین کے ساتھ، اعزہ واقارب کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا، دوسرے معنی ہیں نیکیاں اختیار کرنے والا اور برائیوں سے اجتناب کرنے والا، تیسرے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ کرنے والا جس طرح حدیث جبرائیل میں ہے أنْ تعبد اللّٰہ کأنک تراہ میں یہی معنی مراد ہیں، قرآن ویسے تو سارے جہان کے لئے ہدایت اور رحمت کا ذریعہ ہے لیکن اس سے اصل فائدہ چونکہ محسنین اور متقین ہی اٹھاتے ہیں اس لئے یہاں محسنین کی تخصیص فرمائی، محسنین کے اوصاف شمار کراتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے نماز، زکوٰۃ، اور آخرت پر یقین کو بیان فرمایا، یہ تینوں چونکہ نہایت اہم ہیں اس لئے ان کا بطور خاص ذکر کیا ورنہ محسنین ومتقین تمام فرائض وسنن بلکہ مستحبات تک کی پابندی کرتے ہیں۔

یؤتون الزکوٰۃ اس آیت میں زکوٰۃ کا حکم ہے حالانکہ آیت مکی ہے اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کا حکم مکہ ہی میں ہجرت سے پہلے آچکا تھا، ورنہ یہ مشہور ہے کہ زکوٰۃ کا حکم ہجرت سے دوسرے سال نافذ ہوا، اس سے مراد نصابوں کا تعین اور اس کی تفصیل ہے اور حکومت اسلامیہ کی جانب سے اس کی وصول یابی اور مصرف کا انتظام ہے، یہ ہجرت کے دوسرے سال

ہوا ہے، ابن کثیر نے اقیموا الصَّلوٰۃ و آتوا الزکوٰۃ کے تحت یہی تحقیق فرمائی ہے۔

وَمِنَ الناسِ من یَشتَرِی لَھْوَ الحدیث، اشتریٰ کے لغوی معنی خریدنے کے ہیں، اور بعض اوقات ایک کام کے بدلے دوسرے کو اختیار کرنے کیلئے بھی لفظ اشتراء استعمال کیا جاتا ہے جیسے الذینَ اشتَرَوا الضَّلٰلَةَ بِالْھُدٰی وغیرہ آیات میں یہی معنی مراد لئے گئے ہیں۔

شانِ نزول:

اس آیت کا شانِ نزول ایک خاص واقعہ ہے کہ نضر بن حارث بن کلدہ مشرکین مکہ میں ایک بڑا تاجر تھا، اور تجارت کے لئے مختلف ملکوں کا سفر کرتا تھا وہ ملک فارس سے شاہانِ عجم، کسریٰ وغیرہ کے تاریخی قصے خرید کر لایا اور مشرکین مکہ سے کہا کہ محمد ﷺ تم کو قوم عاد و ثمود کے واقعات سناتے ہیں، میں تمہیں ان سے بہتر، رستم اور اسفندیار اور دوسرے شاہانِ فارس کے قصے سناتا ہوں، یہ لوگ اس قصہ کو شوق اور رغبت سے سننے لگے، کیونکہ اس میں کوئی تعلیم تو تھی نہیں جس پر عمل کرنے کی محنت اٹھانی پڑے صرف لذت آمیز کہانیاں تھیں ان کی وجہ سے بہت سے مشرکین اس سے پہلے جو کلام الٰہی کے اعجاز اور یکتائی کی وجہ سے اس قرآن سننے کی رغبت رکھتے تھے اور چوری چوری سنا بھی کرتے تھے ان لوگوں کو قرآن سے اعراض کا بہانا ہاتھ آ گیا اور حضرت ابن عباس سے درمنثور میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ نضر بن الحارث باہر سے ایک گانے والی لونڈی خرید لایا تھا اور رقص و سرود کی محفل قائم کرتا تھا تا کہ لوگوں کو قرآن سننے سے روکے۔

لَھْوَ الْحَدِیْث:

''لہو الحدیث'' کے معنی اور تفسیر میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں حضرت ابن عباس اور ابن مسعود اور جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک روایت میں اس کی تفسیر گانے بجانے سے کی گئی ہے۔ (رواہ الحاکم) اور جمہور صحابہ و تابعین اور عامۃ المفسرین کے نزدیک لہو الحدیث عام ہے تمام ان چیزوں کے لئے جو اللہ کی عبادت اور اس کی یاد سے غفلت میں ڈالدیں اس میں غنا و مزامیر بھی داخل ہیں، اور بے سروپا بیہودہ قصے کہانیاں بھی، امام بخاری نے اپنی کتاب الادب المفرد میں اور بیہقی نے اپنی سنن میں یہی تفسیر کی ہے اس میں فرمایا لَھْوَ الحدیث ھو الغِنَاء واَشباھُهٗ. (معارف)

لہو ولعب اور تمتع وتفریح کے ساز وسامان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ کہ جن کا تعلق کھیل کود کے مقابلوں اور مظاہروں سے بڑھی ہوئی دلچسپی اور انہماک سے ہے جیسا کہ اس زمانہ میں کرکٹ وغیرہ، اور دوسری قسم لطف وتفریح کی گفتگو ہے جس میں پڑ کر لوگ فرائض وواجبات سے غافل ہو جاتے ہیں اس میں قصے کہانیاں اور فحش افسانے آتے ہیں، یہاں اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں دونوں کو یکجا کر دیا ہے اور ان کو لہو ولعب سے تعبیر کیا ہے۔

قرآن کا ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ یہ آیت آج کے جدید ترین اسالیب وآلات تسلی وتفریح پر بھی منطبق ہوتی ہے، خصوصاً ویڈیو،

ٹیلی ویژن پر تو پوری طرح منطبق ہوتی ہے اس لئے کہ یہ بیک وقت لہو بھی ہے اور حدیث بھی، تطبیق کی تکمیل آیت کریمہ کے اگلے لفظ سے مزید ہو جاتی ہے، فرمایا وَمِنَ الناس مَن یشتری لهوَ الحَدیث لِیُضِلَّ عن سبیل اللّٰہ اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ بیہودہ حکایتیں خریدتے ہیں تاکہ لوگوں کو بے سمجھے خدا کے راستے سے گمراہ کریں، اب ذرا غور کیجئے کہ اس کے حصول کے لئے رقم خرچ کرنے اور بازار سے خریدنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صرف نام لینا باقی رہ گیا، ویڈیو اور ٹیلی ویژن کا، یہ قرآن کا اعجاز ہی معلوم ہوتا ہے کہ آج سے چودہ سو برس پہلے جو کتاب نازل ہوئی اس میں ٹھیک ٹھیک چودہ سو سال بعد ظاہر ہونے والے آلات وحالات کی نشاندہی کی اور وہ حرف بحرف صادق آئی، آج سے چودہ سو برس پہلے جب یہ چیزیں ایجاد ہونا تو درکنار، کسی نے خواب میں بھی نہ دیکھا تھا اور نہ اس وقت کوئی تصور کر سکتا تھا، اس وقت اللہ کی کتاب نے کہہ دیا کہ، بہت سے لوگ ہیں جو لہو الحدیث خریدتے ہیں۔

غناء اور مزامیر کے احکام:

آیت مذکورہ میں چند صحابہ کرام نے لہو الحدیث کی تفسیر گانے بجانے سے کی ہے اور دوسرے حضرات نے اگر چہ تفسیر عام قرار دی ہے، ہر ایسے کھیل کو جو اللہ سے غافل کرے، لہو الحدیث قرار دیا ہے مگر ان کے نزدیک بھی گانا بجانا لہو الحدیث میں داخل ہے، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے سنن میں اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابو مالک اشعری سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَیَشْرَبَنَّ نَاسٌ مِنْ اُمَّتی الخمرَ یَسُمُّونَها بِغَیْرِ اِسْمِهَا یعْزفُ عَلٰی رُؤسِهِمْ بالمعازف والمغنیات یخسف اللّٰه بهم الارضَ ویجعل اللّٰه مِنهم القردَةَ والخنازیرَ.

''میری امت کے کچھ لوگ شراب کو اس کا نام بدل کر پئیں گے ان کے سامنے معازف اور مزامیر کے ساتھ عورتوں کا گانا ہوگا، اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں خسف کر دے گا اور بعض کی صورتیں مسخ کر کے بندر اور خنزیر بنا دے گا''۔

رُوِیَ عن ابی هریرة قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم إذَا ① اتخذ الفئ دولًا ② والامانة مغنمًا ③ والزکوة مغرمًا، ④ وتعلم لغیر الدین، ⑤ واطاع الرجل امْرأته ⑥ وعقّ امَّهُ، ⑦ واولٰی صدیقهُ، ⑧ واقصٰی اباه، ⑨ وظهرت الاصوات فی المساجد ⑩ وساد القبیلة فاسقُهم ⑪ وکان زعیم القوم ارذلهم ⑫ واکرم الرجل مخافة شرّهٖ ⑬ وظهرت القیان والمعازف ⑭ وشربت الخمر ⑮ ولَعَن آخر هٰذه الامة اَوَّلَها فَلْیَرْتقبوا عند ذٰلك ریحًا حمراء وزلزلةً ومسْخًا وقَذْفًا وَآیات تَتَابِعُ کنظام بالٍ قطع سلکه فتتابع بعضه بعضًا.

(رواہ الترمذی وقال هٰذا حدیث حسن غریب)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب مال غنیمت کو شخصی دولت بنالیا جائے اور

جب لوگوں کی امانت کو مال غنیمت سمجھ لیا جائے، اور جب زکوٰۃ کو ایک تاوان سمجھا جانے لگے، اور علم دین کو دنیا طلبی کے لئے سیکھا جانے لگے اور جب شوہر اپنی بیوی کی اطاعت اور ماں کی نافرمانی کرنے لگے اور دوست کو اپنے قریب کرلے اور باپ کو دور رکھے اور مسجدوں میں شور وغل ہونے لگے اور قبیلہ کا سرداران کا فاسق، بدکار بن جائے اور جب قوم کا سرداران میں کا ارذل شخص بن جائے اور جب شریر آدمی کی عزت اس کے شر کے خوف سے کی جانے لگے اور جب گانے والی عورتوں اور باجوں گاجوں کا عام رواج ہوجائے اور جب شرابیں (کثرت) سے پی جانے لگیں اور اس امت کے آخری لوگ پہلے لوگوں پر لعنت کرنے لگیں، تو اس وقت انتظار کرنا زمین میں دھنسنے کا اور صورتیں مسخ ہونے کا اور قیامت کی ایسی نشانیوں کا جو یکے بعد دیگرے اس طرح آئیں گی جیسے کسی ہار کی لڑی ٹوٹ جائے اور اس کے دانے بیک وقت بکھر جاتے ہیں''۔

تنبیہ: اس حدیث کے الفاظ کو بار بار پڑھئے اور دیکھئے کہ اس وقت کی دنیا اس حدیث کا پورا پورا نقشہ ہے یا نہیں؟ اور وہ گناہ جو مسلمانوں میں عام ہوچکے ہیں اور بڑھتے جارہے ہیں ان کی خبر چودہ سو سال پہلے رسول اللہ ﷺ نے دیدی ہے، اور مسلمانوں کو متنبہ کیا ہے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ ایسے حالات سے باخبر رہیں، اور گناہوں سے بچنے بچانے کا پورا پورا اہتمام کریں، ورنہ جب یہ گناہ عام ہوجائیں گے تو ایسے گناہ کرنے والوں پر آسمانی عذاب نازل ہوں گے، اور پھر قیامت کی آخری علامات سامنے آجائیں گی، مذکورہ گناہوں میں عورتوں کا گانا اور گانے بجانے کے آلات طبلہ، سارنگی وغیرہ بھی ہیں، اس جگہ اس روایت کو اسی مناسبت سے نقل کیا گیا ہے۔ (معارف)

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بغیر عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ترکیب نحوی کے اعتبار سے اس کے دو مفہوم ہوسکتے ہیں، ایک یہ کہ **تَرَوْنَهَا** کو **عَمَدٍ** کی صفت قرار دیا جائے اور اس کی ضمیر **عَمَد** کی طرف راجع کی جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو پیدا کیا بغیر ستونوں کے جیسا کہ تم دیکھتے ہو، یعنی اگر ستون ہوتے تم ان کو دیکھتے جب ستون نظر نہیں آتے تو معلوم ہوا کہ یہ آسمان کی عظیم الشان چھت بغیر ستونوں کے بنائی گئی ہے یہ تفسیر حضرت حسن اور قتادہ سے منقول ہے۔ (ابن کثیر)

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ **تَرَوْنَهَا** کی ضمیر **سمٰوٰت** کی طرف راجع ہو اور یہ جملہ مستقل قرار دیا جائے، اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے پیدا فرمایا جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو، پہلی صورت میں ایک ترجمہ یہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ آسمان ستونوں پر قائم ہیں لیکن ان ستونوں کو تم دیکھ نہیں سکتے وہ غیر مرئی ہیں۔ (یہ تفسیر ابن عباس وعکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے)۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ مِنهَا العلمُ والديانَةُ والإصابَةُ في القولِ وحِكَمُهُ كثيرةٌ ماثُورةٌ كان يُفتِيْ قَبْلَ بَعْثِ داوٗدَ وأدْرَكَ زَمَنَهُ واخذَ منه العلمَ وترَكَ الفُتْيا وقال فِيْ ذٰلِكَ الَا اَكْتَفِي إِذَا كُفِيْتُ وقيل له اَيُّ الناسِ شرٌّ قال الذِيْ لا يُبالي اَنْ راٰه النَّاسُ مسيئًا **اَنِ** اَيْ وقُلْنا لَهُ اَنْ **اشْكُرْ لِلّٰهِ** على ما اَعْطاك من الحكْمَةِ **وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ** لأنَّ ثوابَ شُكْرِهِ له **وَمَنْ كَفَرَ** النِعْمَةَ **فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ** عن خَلْقِه **حَمِيْدٌ** مَحْمُوْدٌ في

صنعه وَ اذكر اِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ تصغير اشفاق لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ بالله لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿١٣﴾ فرجع اليه واسلم وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ امرناه ان يبرّهما حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ فوهنت وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ اى ضعفت للحمل وضعفت للطلق وضعفت للولادة وَّفِصٰلُهٗ فطامه فِيْ عَامَيْنِ وقلنا له اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿١٤﴾ اى المرجع وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ موافقة للواقع فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا اى بالمعروف البرّ والصلة وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ طريق مَنْ اَنَابَ رجع اِلَيَّ بالطاعة ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٥﴾ فاجازيكم عليه وجملة الوصية وما بعدها اعتراض يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اى الخصلة السيئة اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ اى فى اخفى مكان من ذلك يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ فيحاسب عليها اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ باستخراجها خَبِيْرٌ ﴿١٦﴾ بمكانها يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ بسبب الامر والنهى اِنَّ ذٰلِكَ المذكور مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿١٧﴾ اى معزوماتها التى يُعزم عليها لوجوبها وَلَا تُصَعِّرْ وفى قراءة تصاعر خَدَّكَ لِلنَّاسِ لا تمل وجهك عنهم تكبرًا وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اى خيلاء اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ متبختر فى مشيه فَخُوْرٍ ﴿١٨﴾ على الناس وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ توسط فيه بين الدبيب والاسراع وعليك السكينة والوقار وَاغْضُضْ اخفض مِنْ صَوْتِكَ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ اقبحها لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ﴿١٩﴾ اوله زفير وآخره شهيق.

ترجمہ: اور بلاشبہ ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی تھی ان ہی میں سے علم اور دیانت اور راست گوئی ہیں، اور ان کی حکمت کی (باتیں) بہت ہیں جو کہ منقول ہیں اور وہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پہلے فتویٰ دیا کرتے تھے حضرت لقمان نے داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ پایا تھا اور ان سے علم بھی حاصل کیا تھا، اور (داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے بعد) فتویٰ دینا ترک کر دیا تھا، اور فتویٰ (کے معاملہ میں) فرمایا کیا میں سبک دوشی اختیار نہ کروں؟ جب سبک دوش کیا جاؤں اور حضرت لقمان سے دریافت کیا گیا کہ بدترین شخص کون ہے؟ جواب دیا: وہ شخص جو اس بات کی پرواہ نہ کرے کہ لوگ اسے برا کرتے ہوئے دیکھیں گے یعنی ہم نے اس سے کہا تو اللہ کا شکر کر اس بات پر کہ تجھ کو حکمت عطا کی اور ہر شکر کرنے والا اپنے ہی نفع کے لئے شکر کرتا ہے اس لئے کہ اس کے شکر کا اجر اسی کو ملتا ہے اور جس نے نعمت کی ناشکری کی (وہ جان لے) کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے بے نیاز ہے اور اپنی صنعت میں قابل ستائش ہے اور اس وقت کو یاد کرو جب لقمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا اے میرے منّے بُنَیَّ شفقت کے لئے تصغیر ہے اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا بلاشبہ شرک باللہ بڑا بھاری ظلم ہے چنانچہ اس نے لقمان کی بات مان لی اور اسلام قبول کرلیا، اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا (تاکیدی) حکم دیا ہے، اس کی ماں نے دکھ پر دکھ اٹھا کر اس کو حمل میں رکھا یعنی حمل کی وجہ سے اسے ضعف لاحق ہوا، اور دردِ زہ کی وجہ سے کمزوری لاحق ہوئی، اور

ولادت کی وجہ سے ناتوانی ہوئی، اور دو سال میں اس کا دودھ چھوٹتا ہے اور ہم نے اس سے کہا کہ تو میری اور اپنے والدین کی شکر گذاری کیا کر میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اور اگر وہ دونوں (بھی) تجھ پر اس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک کر کہ جس کی تیرے پاس واقع کے مطابق دلیل نہ ہو تو ان کا کہنا نہ ماننا (ہاں) دنیا میں ان کے ساتھ خوبی کے ساتھ بسر کرنا یعنی حسن سلوک کے ساتھ اور اس شخص کے طریقہ کی اتباع کرنا جو میری طرف طاعت کے ذریعہ رجوع ہو پھر تم سب کو میرے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے پھر میں تم کو بتلادوں گا جو کچھ تم کرتے تھے بعد ازاں ان اعمال کی تم کو جزا دوں گا، وصیت اور اس کے مابعد کا جملہ جملۂ معترضہ ہے اے میرے پیارے بیٹے بری خصلت اگرچہ وہ رائی کے دانے کے برابر ہو اور پھر وہ (بھی) چٹان میں ہو یا آسمانوں میں ہو یا زمین میں ہو یعنی ان مذکورہ جگہوں سے زیادہ پوشیدہ جگہ میں ہو، اللہ تعالیٰ اس کو ضرور نکال لائے گا پھر اس پر محاسبہ کرے گا بلاشبہ اللہ اس کو نکالنے کے بارے میں باریک بین ہے اور اس کی جگہ سے باخبر ہے، اے میرے پیارے بیٹے تو نماز قائم رکھنا اور اچھے کاموں کی نصیحت کرتے رہنا برے کاموں سے منع کرتے رہنا اور امر و نہی کی وجہ سے تم پر اگر کوئی مصیبت آجائے تو صبر کرنا یقین مان کہ یہ صبر بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے یعنی یہ صبر ان امور میں سے ہے کہ جن کے واجب ہونے کی وجہ سے ان کی تاکید کی گئی ہے اور تو لوگوں سے تکبر کی وجہ سے اپنا رخ نہ پھیر اور زمین پر اترا کر مت چل یعنی عجب و خود پسندی کے ساتھ، بلاشبہ اللہ تعالیٰ اکڑ کر چلنے والوں کو اور لوگوں کے مقابلہ میں فخر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے اور تو اپنی رفتار میں رینگنے اور دوڑنے کے درمیان اعتدال اختیار کر اور وقعت و وقار کو لازم پکڑ اور اپنی آواز پست کر یقیناً آوازوں میں سب سے زیادہ ناگوار گدھے کی آواز ہے (گدھے کی آواز کا) اول حصہ زفیر ہے اور اس کا آخر شہیق ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمَانَ الْحِکْمَةَ لقمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں بعض نے کہا یہ عجمی لفظ ہے اور علمیة اور عجمہ کی وجہ سے غیر منصرف ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ عربی لفظ ہے علمیة اور الف نون زائدتان کی وجہ سے غیر منصرف ہے، حضرت لقمان کے نسب کے بارے میں مختلف اقوال ہیں بعض حضرات لقمان بن باعور بن ناخور بن تارخ اور تارخ آزر ہی کا نام ہے، اس نسب کے اعتبار سے لقمان علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھائی کے پوتے ہوتے ہیں اور بعض حضرات نے حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھانجے کہا ہے، اور بعض نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خالہ زاد بھائی بتایا ہے، کہا گیا ہے کہ حضرت لقمان علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک ہزار سال بقید حیات رہے حتی کہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ پایا، جمہور اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت لقمان حکیم تھے نبی نہیں تھے، البتہ عکرمہ اور شعبی ان کی نبوت کے قائل ہیں۔ (صاوی)

قولہ: أن. ای وَقُلْنَا لَهٗ شارح رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس تفسیری عبارت سے دو باتوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے، اول یہ کہ أن تفسیریہ ہے، دوسرے یہ کہ حذف قلنا کے ذریعہ أن اشکر کا عطف ولقد اٰتینا لقمٰنَ پر ہے، حضرت لقمان علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے صاحبزادے کے نام میں تین قول ہیں، بعض نے ''ثاران'' بتایا ہے، اور کلبی نے ''مشکم'' کہا ہے اور بعض نے ''انعم'' بتایا ہے (جمل) کہا گیا ہے کہ حضرت لقمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اہلیہ اور صاحبزادے کافر تھے، آپ کی نصیحت سے مسلمان ہو گئے۔

قولہ: فَرَجَعَ وَاَسْلَمَ یہ عطف تفسیری ہے۔

قولہ: وَوَصَّیْنَا الانسانَ یہ دو آیتیں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، جیسا کہ سابق میں گذر گیا ہے اور یہ دو آیتیں حضرت لقمان کے کلام کے درمیان جملہ معترضہ کے طور پر واقع ہوئی ہیں۔

قولہ: وَھَنَتْ وَھْنًا علٰی وَھْنٍ مفسر علام نے وَھْنًا سے پہلے وَھَنَتْ فعل محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ وھْنًا فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے اور علٰی وَھْنٍ یہ کائنًا محذوف سے متعلق ہو کر وَھْنًا کی صفت ہے ای وَھْنًا کائنًا علٰی وَھْنٍ اور صاوی نے کہا ہے کہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ اُمُّہٗ سے حال قرار دیا جائے، ای حملَتْہُ اُمُّہٗ ذات وھنٍ.

قولہ: موافقة لِلواقع شارح رحمہ اللہ تعالیٰ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ یہ قید بیان واقعہ کے لئے ہے یعنی واقعی اور حقیقت میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے تو پھر اس کا علم یا دلیل کہاں ہوگی؟ یہ قید احترازی نہیں ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ جس کے شریک ہونے کی تیرے پاس دلیل نہ ہو اس کو شریک نہ کر اور جس کے شریک ہونے کی دلیل ہو اس کو شریک کر سکتا ہے یہ اس کا مفہوم مخالف ہوگا، جو معتبر نہیں ہے اسی کو کہا جاتا ہے لا مفھومَ لہٗ یعنی اس کا مفہوم مخالف مراد نہیں ہے۔

قولہ: وَوَصَّیْنَا الانسانَ سے دو آیتیں، حضرت لقمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام کے درمیان بطور جملہ معترضہ کے ہیں، مقصد ان کا حضرت لقمان کے کلام کی تاکید ہے یا بُنَیَّ یہ حضرت لقمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنے بیٹے کو نصیحت کی جانب عود ہے۔

قولہ: فی صخرةٍ، صخرة مطلقاً پتھر کی چٹان کو کہتے ہیں اور ساتویں زمین کے نیچے جو سخت پتھر ہے اس کو بھی کہتے ہیں۔

قولہ: لَا تُصَعِّرْ فعل نہی تو نہ موڑ، یہاں تکبر کی وجہ سے رخ پھیرنے سے نہی ہے۔

تفسیر و تشریح

وَلَقَدْ آتَیْنَا لُقْمَانَ حضرت لقمان علیہ الصلوٰۃ والسلام وہب بن منبہ کی روایت کے مطابق حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھانجے تھے اور مقاتل نے ان کا خالہ زاد بھائی بتلایا ہے، تفسیر بیضاوی وغیرہ میں ہے کہ ان کی عمر دراز ہوئی، حضرت لقمان نے حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ پایا تھا۔

اور تفسیر درمنثور میں حضرت ابن عباس کی روایت یہ ہے کہ حضرت لقمان ایک حبشی غلام تھے، نجاری کا کام کرتے تھے اور حضرت جابر بن عبداللہ سے ان کے حالات دریافت کئے گئے تو فرمایا پست قد، چپٹی ناک کے حبشی تھے، ایک حبشی حضرت سعید بن مسیّب کے پاس کوئی مسئلہ دریافت کرنے کے لئے آیا تو حضرت سعید نے ان کی دل جوئی کے لئے فرمایا کہ تم اپنے کالے ہونے پر غم نہ کرو کیونکہ کالے لوگوں میں تین بزرگ ایسے گذرے ہیں جو لوگوں میں سب سے بہتر تھے ① حضرت

بلال حبشی ② اور مَهْجَع حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کے آزاد کردہ غلام اور ③ حضرت لقمان عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَام۔

حضرت لقمان جمہور سلف کے نزدیک نبی نہیں تھے، بلکہ ولی اور حکیم تھے، ابن کثیر نے بھی ان کے نبی نہ ہونے پر اتفاق نقل کیا ہے، صرف عکرمہ نے ان کو نبی کہا ہے مگر اس کی سند ضعیف ہے۔

جب جمہور کے نزدیک حضرت لقمان کا نبی نہ ہونا راجح بلکہ مسلم ہے تو پھر ان کو وہ حکم جو قرآن میں مذکور ہے أن اشكر لي یہ بذریعہ الہام ہوسکتا ہے جو اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے۔

حضرت لقمان عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَام حضرت داؤد عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَام سے پہلے شرعی مسائل میں لوگوں کو فتویٰ دیا کرتے تھے، جب داؤد عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَام کو نبوت عطا کی گئی تو فتویٰ دینا چھوڑ دیا اور فرمایا کہ اب میری ضرورت نہیں رہی، اس بات سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے کہ لقمان نبی نہیں تھے اس لئے کہ کسی نبی کے لئے یہ درست نہیں کہ وہ کار نبوت کو ترک کردے، بعض روایات میں ہے کہ بنی اسرائیل کے قاضی تھے، حضرت لقمان کے کلمات حکمت بہت منقول ہیں، وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت لقمان کی حکمت کے دس ہزار سے زیادہ ابواب پڑھے ہیں۔ (قرطبی، معارف)

ایک روز حضرت لقمان ایک بڑی مجلس میں لوگوں کو حکمت کی باتیں سنا رہے تھے ایک شخص آیا اور اس نے سوال کیا کہ کیا تم وہی نہیں جو میرے ساتھ فلاں جنگل میں بکریاں چرایا کرتے تھے، لقمان عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَام نے فرمایا ہاں میں وہی ہوں، تو اس شخص نے پوچھا کہ پھر آپ کو یہ مقام کیسے حاصل ہوا کہ خلق خدا آپ کی تعظیم کرتی ہے اور آپ کے کلمات سننے کے لئے دور دور سے جمع ہوتی ہے، حضرت لقمان عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَام نے فرمایا کہ اس کا سبب میرے دو کام ہیں، اوّل ہمیشہ سچ بولنا، دوسرے فضول باتوں سے اجتناب کرنا اور ایک روایت میں یہ ہے کہ لقمان نے فرمایا کہ چند کام ایسے ہیں جنہوں نے مجھے اس درجہ پر پہنچایا، اگر تم اختیار کرلو تو تمہیں بھی یہی درجہ اور مقام حاصل ہوجائے گا وہ کام یہ ہیں، اپنی نظر کو پست رکھنا، زبان کو بند رکھنا، حلال روزی پر قناعت کرنا، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنا، بات کی سچائی پر قائم رہنا، عہد پورا کرنا، مہمان کا اکرام کرنا پڑوسی کی حفاظت کرنا، اور فضول کام اور فضول کلام چھوڑ دینا۔ (ابن کثیر)

حکمت لقمان سے کیا مراد ہے؟

لفظ ''حکمت'' قرآن کریم میں متعدد معانی کے لئے استعمال ہوا ہے، علم، عقل، حلم، بردباری، نبوت، اصابت رائے، ابوحیان نے فرمایا کہ حکمت سے مراد وہ کلام ہے جس سے لوگ نصیحت حاصل کریں، اور ان کے دلوں میں مؤثر ہو اور جس کو لوگ محفوظ کرکے دوسروں کو پہنچائیں، اور حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا نے فرمایا کہ حکمت سے مراد عقل و فہم اور ذہانت ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ علم کے مطابق عمل کرنا حکمت ہے۔

آیت مذکور میں حضرت لقمان عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَام کو حکمت عطا کرنے کا ذکر فرما کر آگے فرمایا ہے اَنِ اشْکُرْ لِیْ یہ خود حکمت کی تفسیر ہے یعنی وہ حکمت جو لقمان عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَام کو دی گئی تھی کہ ہم نے اس کو شکر کا حکم دیا، انہوں نے تکمیل کی اس صورت میں مطلب یہ ہوگا

کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر گذار ہونا بڑی حکمت ہے، اس کے بعد یہ جتلا دیا کہ یہ شکر گذاری کا حکم ہم نے کچھ اپنے فائدے کے لئے نہیں دیا، ہمیں کسی کے شکر کی حاجت نہیں بلکہ یہ ان ہی کے فائدے کے لئے دیا ہے کیونکہ ہمارا ضابطہ یہ ہے کہ جو شخص ہماری نعمت کا شکر ادا کرتا ہے، ہم اس کی نعمت میں اور زیادتی کر دیتے ہیں۔

اس کے بعد لقمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کچھ کلمات حکمت کا ذکر فرمایا ہے جو انہوں نے اپنے بیٹے کو مخاطب کر کے ارشاد فرمائے تھے وہ کلمات قرآن کریم نے اس لئے نقل فرمائے کہ دوسرے لوگ بھی ان سے فائدہ اٹھائیں، ان کلمات حکمت میں سب سے اول تو عقائد کی درستی ہے اور ان میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کو سارے عالم کا خالق و مالک بلا شرکت غیرے یقین کرے اس لئے کہ اس دنیا میں اس سے بڑا بھاری ظلم کوئی نہیں ہو سکتا کہ خدائے تعالیٰ کی کسی مخلوق کو خالق کے برابر ٹھہرائے، اس لئے فرمایا یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ اس کے بعد حضرت لقمان کی دوسری نصائح اور کلمات حکمت بیان ہوئے ہیں جو اپنے بیٹے کو مخاطب کر کے فرمائے تھے، حکمت لقمان کے کچھ کلمات قرآن کریم نے اس لئے نقل فرمائے ہیں تا کہ دوسرے لوگ بھی اس سے استفادہ کریں۔

والدین کی اطاعت فرض ہے بشرطیکہ معصیت الٰہی نہ ہو:

والدین کی اطاعت اور شکر گزاری کی بڑی تاکید فرمائی گئی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت و شکر گذاری کے ساتھ ساتھ والدین کی شکر گذاری اور اطاعت کا حکم دیا ہے، لیکن شرک ایسا ظلم عظیم اور سنگین جرم ہے کہ وہ والدین کے کہنے اور ان کے مجبور کرنے سے بھی جائز نہیں۔

یہاں والدین کی شکر گذاری اور اطاعت کا حکم دیا گیا ہے ساتھ ساتھ اس کی حکمت بھی بیان فرما دی کہ اس کے وجود و بقاء میں والدین کا بہت بڑا دخل ہے، خاص طور سے اس کی ماں کو اس کے وجود و بقاء کے لئے بڑی مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے، اسی لئے ماں کے حقوق پہلے بیان فرمائے ہیں، وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰی وَهْنٍ وَفِصَالُهٗ فِیْ عَامَیْنِ ممکن تھا کہ بیٹا والدین کے شرک کے لئے مجبور کرنے اور دباؤ ڈالنے کی وجہ سے رنجیدہ اور کبیدہ خاطر ہو کر والدین کے ساتھ بدکلامی یا بدخوئی سے پیش آئے ان کی توہین کرے، اسلام چونکہ ایک قانون عدل ہے اس لئے ساتھ ہی یہ حکم بھی دیدیا وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا یعنی معصیت کے معاملہ میں تو تم ان کا کہنا نہ مانو البتہ دنیا کے کاموں میں اس کے عام دستور کے مطابق معاملہ کرو، مالی اخراجات وغیرہ میں کمی نہ ہونے دو اور نہ عزت و احترام میں کسی قسم کی کوتاہی ہونے دو۔

فَائِدَہ: اس آیت میں جو بچے کے دودھ چھڑانے کی مدت دو سال بتلائی گئی ہے، یہ عام عادت کے مطابق ہے اس میں اس کی کوئی صراحت نہیں کہ اس سے زیادہ مدت تک دودھ پلایا جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس مسئلہ کی تشریح انشاء اللہ سورۂ احقاف کی آیت وحمله وفصاله ثلثون شهرًا کے تحت آئے گی۔

قَوْلُہٗ: اِنْ تَكُ کا مرجع اگر خطیئة ہو تو مطلب گناہ اور اللہ کی نافرمانی والا کلام ہے اور اگر اس کا مرجع خصلة ہو تو مطلب

اچھی یا بری خصلت ہوگا، خلاصہ یہ ہے کہ انسان اچھا یا برا عمل کتنا ہی چھپ کر کرے۔ اللہ سے مخفی نہیں رہ سکتا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو ضرور حاضر کرلیں گے، یعنی اس کی جزاء یا سزا دے گا خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا عمل کیوں نہ ہو؟

قَوْلُہٗ: مِنْ ذٰلكَ ای المذکور.

قَوْلُہٗ: اِنَّ ذٰلِكَ یہاں ذٰلِكَ کا مرجع صبر ہے۔

قَوْلُہٗ: وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ یعنی تکبر نہ کر کہ لوگوں کو حقیر سمجھے اور جب وہ تجھ سے ہم کلام ہوں تو تو ان سے منہ پھیر لے یعنی بے رخی کرے، صعر ایک قسم کی بیماری ہے جس کی وجہ سے اونٹ کی گردن مڑ جاتی ہے، یہاں بطور کنایہ یہ لفظ تکبر سے منہ پھیر لینے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

قَوْلُہٗ: واقصد فی مشیك یعنی ایسی چال یا رویہ کہ جس سے مال ودولت یا جاہ ومنصب یا قوت وطاقت کی وجہ سے فخر وغرور کا اظہار ہوتا ہو، یہ اللہ کو ناپسند ہے، اس لئے کہ انسان ایک بندۂ عاجز وحقیر ہے، اللہ کو یہی پسند ہے کہ اپنی حیثیت کے مطابق عاجزی اور انکساری ہی اختیار کرے، ایسا کوئی طریقہ اختیار نہ کرے کہ اس سے بڑائی کا اظہار ہوتا ہو اس لئے کہ بڑائی صرف اللہ ہی کے لئے زیبا ہے، اور یہ کہ زیادہ چیخ وچلا کر بات نہ کر، اس لئے کہ اگر زیادہ اونچی آواز سے بات کرنا پسندیدہ ہوتا تو گدھے کی آواز سب سے اچھی سمجھی جاتی، حال یہ ہے کہ گدھے کی آواز سب سے زیادہ بدتر اور کریہہ ہے، حدیث میں بھی آیا ہے کہ اگر گدھے کی آواز سنو تو شیطان سے پناہ مانگو۔ (بخاری کتاب بدء الخلق)

اَلَمْ تَرَوْا تعلَموا یا مخاطبِین **اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ** مِن الشمسِ والقمرِ والنُّجومِ لِتَنْتَفِعُوا بها **وَمَا فِي الْاَرْضِ** مِن الثمارِ والانهارِ والدّوابِّ **وَاَسْبَغَ** اَوْسَعَ واَتَمَّ **عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً** وهي حُسْنُ الصُّورةِ وتَسْوِيَةُ الاعْضاءِ وغيرُ ذٰلك **وَّبَاطِنَةً** هي المعرفةُ وغيرُها **وَمِنَ النَّاسِ** اي اَهلَ مكّة **مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى** مِن رَسُولٍ **وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ**⑳ اَنزلَه اللّٰهُ بل بالتقليد **وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا** قال تعالى اَ يَتَّبِعُونَهُ **وَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ**㉑ اي موجِباتِه، **وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ** اي يُقبل على طاعتِه **وَهُوَ مُحْسِنٌ** مُوَحِّد **فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى** بالطرفِ الاَوْثَقِ الذي لا يخافُ انقطاعه **وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ**㉒ مَرجعُها **وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ** يا محمد **كُفْرُهٗ** لا تَهْتَمَّ بكفرِه **اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ**㉓ اي بما فيها كغيرِه فمُجازٍ عليه **نُمَتِّعُهُمْ** في الدنيا **قَلِيْلًا** ايامَ حيوتِهم **ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ** في الاٰخرةِ **اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ**㉔ وهو عذابُ النارِ لا يَجِدُونَ عنه مَحِيصًا **وَلَئِنْ** لامُ قسمٍ **سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ** حُذِفَ منه نُونُ الرفعِ لِتَوالِي الامثالِ وَوَاوُ الضميرِ لالتقاءِ الساكنَينِ **قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ** على ظُهورِ الحُجّةِ عليهم بالتوحيد **بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ**㉕ وُجُوبَه

عَلَيهم لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مِلْكًا وخَلْقًا وعَبِيدًا فلا يَستَحِقُّ العِبادَةَ فِيهما غيرُهُ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ عن خَلْقِهِ الْحَمِيْدُ﴿۲۶﴾ المَحْمُودُ في صُنعِهِ وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ عطفٌ على اسم اَنَّ يَمُدُّهٗ مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مِدادٌ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ المعبّر بها عن معلوماتِهِ بكَتْبِها بتلك الاَقلام بذلك المداد ولا باَكْثَرَ مِن ذلك لِاَنَّ معلوماته تعالٰى غيرُ مُتناهِيَة اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ لا يُعجِزُهُ شيءٌ حَكِيْمٌ﴿۲۷﴾ لا يَخْرُجُ شيءٌ عن علمِه وحكمتِه مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ خَلْقًا وبَعْثًا لاَنَّهٗ بكلمةِ كُنْ فيَكُونُ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ يَسمعُ كلَّ مَسموعٍ بَصِيْرٌ﴿۲۸﴾ يُبصِرُ كلَّ مُبصَرٍ لا يَشغَلُه شيءٌ عن شيءٍ اَلَمْ تَرَ تعلَم يا مُخاطِبًا اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ يُدخِلُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ يُدخِلُهُ فِي الَّيْلِ فيَزِيدُ كلٌّ مِنهُما بما نَقَصَ مِنَ الآخرِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ منهما يَّجْرِيْٓ في فَلَكِهِ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى هو يومُ القِيٰمةِ وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ المَذكُورُ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الثابت وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ بالياءِ والتاءِ يعبدون مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ الزائِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ على خَلقِهِ بالقهرِ الْكَبِيْرُ﴿۳۰﴾ العَظِيمُ.

ع ۳ ۱۲

ترجمہ: اے مخاطبو! کیا تم اس بات کو نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے کام میں لگا رکھا ہے ان تمام چیزوں کو جو آسمانوں میں ہیں یعنی سورج اور چاند اور ستارے تاکہ تم ان سے فائدہ حاصل کرو اور ان چیزوں کو جو زمین میں ہیں، پھل اور نہریں اور جانور (وغیرہ) اور تم کو اپنی ظاہری نعمتیں اور وہ حسن صورت اور تناسب اعضاء وغیرہ وغیرہ ہیں، اور باطنی (نعمتیں) (اور) وہ معرفت (الٰہی) وغیرہ ہے بھرپور دے رکھی ہیں اور کچھ لوگ یعنی اہل مکہ ایسے بھی ہیں کہ جو اللہ کے بارے میں بغیر علم کے اور رسول کی جانب سے بغیر ہدایت کے اور بغیر کسی روشن کتاب کے کہ جس کو اللہ نے نازل کیا ہو، جھگڑتے ہیں بلکہ تقلید کی وجہ سے (جھگڑتے ہیں) اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کی تابعداری کرو تو کہتے ہیں کہ ہم نے تو جس طریق پر اپنے آباؤ اجداد کو پایا ہے، اسی کی تابعداری کریں گے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا یہ اسی راستہ کی پیروی کریں گے اگرچہ ان کو شیطان نے دوزخ کے عذاب کی طرف یعنی اس کے موجبات کی طرف بلایا ہو؟ نہیں اور جو شخص اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کردے یعنی اس کی اطاعت کی طرف متوجہ ہوجائے اور حال یہ ہے کہ وہ نیکوکار یعنی موحد ہو تو یقیناً اس نے مضبوط حلقہ یعنی ایسا مضبوط کنارا تھام لیا کہ جس کے ٹوٹنے کا اندیشہ نہیں اور تمام کاموں کا انجام یعنی مرجع اللہ ہی کی طرف ہے اے محمد ﷺ آپ کافروں کے کفر سے رنجیدہ نہ ہوں، یعنی آپ ان کے کفر سے کبیدہ خاطر نہ ہوں، (آخر) ان کو ہمارے ہی پاس لوٹنا ہے تو ہم ان کو ان کے سب کرتوت بتادیں گے بلاشبہ اللہ تعالیٰ سینوں کے رازوں سے یعنی جو کچھ دلوں میں ہے واقف ہے، جیسا کہ دلوں کے رازوں کے علاوہ سے واقف ہے تو ان کا بدلہ دے گا ہم ان کو دنیا میں کچھ تھوڑا سا (یعنی) ان کی مدت حیات تک فائدہ دیدیں گے، بالآخر ہم انہیں نہایت بیچارگی کی حالت میں آخرت میں سخت عذاب کی طرف ہنکا لیجائیں گے، اور وہ دوزخ کا

عذاب ہے کہ وہ اس سے جائے پناہ نہ پائیں گے اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمانوں اور زمین کا خالق کون ہے؟ تو یقیناً یہی جواب دیں گے کہ اللہ ہے اس سے نون رفع کو پے درپے چند نونوں کے آجانے کی وجہ سے حذف کردیا گیا ہے، اور ضمیر کا واؤ (بھی) التقاء ساکنین کی وجہ سے ساقط ہوگیا، ان پر توحید کی حجت ظاہر ہوجانے پر آپ الحمد للہ کہئے، لیکن ان میں اکثر لوگ اپنے اوپر توحید کے وجوب سے واقف نہیں ہیں، آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے مملوک اور مخلوق اور غلام ہونے کے اعتبار سے اللہ ہی کا ہے، لہٰذا آسمانوں اور زمینوں میں اس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں یقیناً اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے بے نیاز ہے اور اپنی صنعت میں قابل ستائش ہے اگر روئے زمین کے تمام درخت قلم ہوں اور تمام سمندر روشنائی ہوجائیں، اِنَّ کے اسم پر عطف ہے اور ان کے ساتھ سات سمندر اور شامل ہوجائیں تاہم اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوسکتے، اللہ تعالیٰ کی معلومات کو کلمات سے تعبیر کیا ہے ان معلومات کے ان قلموں سے لکھنے کی وجہ سے اس روشنائی سے اور نہ اس (مذکور) سے زیادہ (مقدار) سے ختم ہوسکتے ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی معلومات غیر متناہیہ ہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے غلبہ والے ہیں اس کو کوئی شئ عاجز نہیں کرسکتی اور بڑی حکمت والے ہیں کوئی شئ اس کے علم و حکمت سے خارج نہیں ہے تم سب کی پیدائش اور مرنے کے بعد زندہ ہونا ایسا ہی ہے جیسے نفس واحد کا پیدا ہونا اور زندہ ہونا، اس لئے کہ یہ سب (کچھ) کلمہ کن فیکون سے ہوتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ ہر بات کو سنتا ہے ہر مرئی شئ کو دیکھتا ہے اس کو کوئی شئ کسی شئ سے نہیں روک سکتی، اے مخاطب کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کردیتا ہے، ان میں سے ہر ایک میں اتنا اضافہ ہوجاتا ہے جتنا دوسرے سے کم ہوتا ہے شمس و قمر میں سے ہر ایک کو اس نے مسخر کر رکھا ہے کہ مقررہ وقت تک اپنے محور پر چلتا رہے اور مقررہ وقت قیامت کا دن ہے، اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل سے باخبر ہے، یہ مذکور (تسخیر و انتظامات) اس لئے ہیں کہ اللہ برحق ثابت الالوہیۃ ہے اور اس کے علاوہ جن جن (معبودوں) کو پکارتے ہیں یعنی بندگی کرتے ہیں سب باطل ہیں، زائل ہونے والے ہیں یَدْعُوْنَ یا اور تا دونوں قراءتیں ہیں، اور یقیناً اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر غلبہ کے اعتبار سے عالی ہے اور عظیم ہے۔

تَحقِیق وَترکیب وَتَسہِیل وَتفسِیری فَوائد

قَوْلُہٗ: اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰہَ، الآیۃ یہ رد علی المشرکین کے مضمون سابق کی جانب رجوع ہے۔

قَوْلُہٗ: یا مخاطبین منادی مفرد ہونے کی وجہ سے قیاس یہ تھا کہ یا مخاطبون ہوتا، اس لئے کہ منادی مفرد مبنی علی علامۃ الضم ہوتا ہے، مگر ہوسکتا ہے کہ نکرہ غیر مقصودہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہو۔

قَوْلُہٗ: یقبلُ علٰی طاعتہٖ کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ وَجْہٌ سے چہرہ مراد نہیں ہے بلکہ ذات مراد ہے۔

قَوْلُہٗ: مُوَحِّدٌ، مُحْسِنٌ کی تفسیر مُوَحِّدٌ سے کرکے اس طرف اشارہ کردیا کہ یہاں احسان سے مراد احسان کامل نہیں ہے جو کہ أن تعبد اللّٰہ کانك تراہ کا درجہ ہے یہاں تو توحید کا قائل مسلمان مراد ہے تاکہ عام مسلمان بھی اس میں داخل ہوجائیں۔

قِوْلُہٗ: لَیَقُوْلُنَّ اللّٰہ یہ جملہ قسم محذوف کا جواب ہے اور جواب شرط قاعدہ کے مطابق محذوف ہے لفظ اللہ یا تو فعل محذوف کا فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے، تقدیر عبارت یہ ہے خَلَقَھُنَّ اللّٰہُ اور اس حذف کا قرینہ خَلَقَھُنَّ العزیزُ العلیمُ ہے، یا مبتداء محذوف کی خبر ہے تقدیر عبارت یہ ہے الخالق لَھُنَّ اللّٰہ.

قِوْلُہٗ: وَلَوْ أنَّ مَا فِي الارضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقلامٌ یہ پورا جملہ أنّ کا اسم ہے اور اَقلامٌ اس کی خبر ہے۔

قِوْلُہٗ: وَالْبَحْرُ عطف علی اسم أنَّ یہ البحرَ کے نصب کی توجیہ ہے، شارح نے رفع کی توجیہ ترک کردی ہے، رفع کی توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ البحرُ کا عطف أنّ اور اس کے اسم و خبر سے مل کر جملہ پر ہے، اس لئے کہ جملہ فعل محذوف کے فاعل ہونے کی وجہ سے محل میں رفع کے ہے، تقدیر عبارت یہ ہے لَوْ ثَبَتَ أنّ مَا فی الارضِ الخ یا البحر مبتداء ہے اور یمدہٗ اس کی خبر ہے اور جملہ حالیہ ہے۔

قِوْلُہٗ: مِدادٌ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے ای الجمیعُ مِدادٌ یہ جملہ مستانفہ ہے۔

قِوْلُہٗ: مَا نَفِدَتْ الخ یہ لَوْ کا جواب ہے مگر لَوْ یہاں اپنے مشہور معنی یعنی انتفاء شرط کی وجہ سے انتفاء جزاء کے لئے نہیں ہے۔

قِوْلُہٗ: بکتبِها بتلكَ الْاَقلام الخ اس عبارت سے اشارہ کردیا کہ کلام میں حذف ہے اور کلمات اللّٰہ سے اللہ تعالیٰ کے کلام نفسی قدیم قائم بالذات کے مدلولات مراد ہیں۔

قِوْلُہٗ: ذٰلك المذكور، ذٰلك مبتداء بِاَنَّ اللّٰهَ هو الحقُّ اس کی خبر ہے۔

تفسیر و تشریح

سَخَّرَ لَکُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْض اللہ نے تمہارے لئے ان تمام چیزوں کو جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، مسخر کردیا ہے، مسخر کرنے کے مشہور معنی کسی چیز کو کسی کے تابع کردینے کے ہیں، یہاں اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے اول تو زمین کی سب چیزیں بھی انسان کے تابع فرمان نہیں، بلکہ بہت سی چیزیں اس کے مزاج کے خلاف کام کرتی ہیں، خصوصاً جو چیزیں آسمانوں میں ہیں ان میں تو انسان کے تابع فرمان ہونے کا کوئی احتمال ہی نہیں۔

جواب یہ ہے کہ دراصل تسخیر کے معنی کسی چیز کو زبردستی کسی خاص کام میں لگا دینا ہے اور اس پر مجبور کردینا ہے، آسمان و زمین کی تمام مخلوق انسان کے تابع اور مسخر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان تمام مخلوقات کو انسان کی خدمت اور نفع رسانی میں لگا دیا ہے، ان میں بہت سی چیزوں کو تو اس طرح خدمت میں لگایا کہ ان کو انسان کا تابع فرمان بھی بنا دیا وہ جس وقت جس طرح چاہے ان کو استعمال کرتا ہے، بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ ان کو انسان کے کام میں تو لگا دیا ہے کہ وہ انسان کی خدمت میں لگی ہوئی ہیں، مگر بتقاضائے حکمت ربانی ان کو انسان کے تابع نہیں بنایا گیا مثلاً آسمانی مخلوق، سیارات، برق و باراں وغیرہ، کہ ان کو انسان کے حکم کے تابع بنا دیا جاتا تو انسان کی طبائع اور مزاجوں اور حالات کے اختلاف کا ان پر اثر پڑتا، ایک انسان چاہتا کہ آفتاب

جلدی طلوع ہو اور دوسرے کی خواہش یہ ہوتی کہ دیر سے طلوع ہو ایک بارش چاہتا اور دوسرا چاہتا کہ بارش نہ ہو یہ متضاد تقاضے آسمانی کائنات کے عمل میں خلل پیدا کرتے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب چیزوں کو انسان کی خدمت میں لگادیا مگر ان کا تابع حکم نہیں بنایا یہ بھی ایک قسم کی تسخیر ہی ہے۔ (معارف)

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَۃٍ اقلامٌ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی معلومات اور اپنی قدرت کے تصرفات اور اپنی نعمتوں کی مثال دی ہے کہ وہ غیر متناہی ہیں نہ وہ زبان سے شمار ہو سکتی ہیں اور نہ قلم سے ان کو لکھا جا سکتا ہے، مثال یہ بیان فرمائی کہ ساری زمین میں جتنے درخت ہیں اگر ان سب کی شاخوں کے قلم بنالئے جائیں اور ان سے لکھنے کے لئے سمندروں کو روشنائی بنادیا جائے اور یہ سب قلم حق تعالیٰ کی معلومات اور تصرفات قدرت کو لکھنا شروع کردیں تو سمندر ختم ہوجائیں گے مگر معلومات اور تصرفات ختم نہ ہوں گے۔

شانِ نزول:

بعض روایات میں ہے کہ یہ آیت احبار یہود کے ایک سوال کے جواب میں نازل ہوئی وجہ یہ تھی کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قلیلاً یعنی تم کو بہت تھوڑا سا علم دیا گیا ہے جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو چند احبار یہود آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس آیت کے بارے میں معارضہ کیا کہ آپ جو کہتے ہیں کہ تمہیں تھوڑا علم دیا گیا ہے، یہ آپ نے اپنی قوم کا حال ذکر کیا ہے یا اس میں آپ نے ہمیں بھی داخل کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا سب مراد ہیں یعنی ہماری قوم بھی اور یہود و نصاریٰ بھی، تو انہوں نے یہ معارضہ کیا کہ ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے توریت عطا فرمائی ہے جس کی شان تبیان لکل شئ ہے یعنی اس میں ہر چیز کا بیان ہے، آپ نے فرمایا کہ وہ بھی علم الٰہی کے مقابلہ میں قلیل ہی ہے، پھر تورات میں جتنا علم ہے اس کا بھی تم کو پورا علم نہیں، بقدر کفایت ہی ہے اس لئے علم الٰہی کے مقابلہ میں ساری آسمانی کتابوں اور سب انبیاء کے علوم کا مجموعہ بھی قلیل ہے، اسی کلام کی تائید کے لئے یہ آیت نازل ہوئی وَلَوْ أنَّ ما فی الارض من شجرۃ اقلام (الآیۃ). (ابن کثیر)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہ یولج اللیل فی النھار (الآیۃ) اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ رات کے کچھ حصہ کو دن میں اور دن کے کچھ حصہ کو رات میں داخل کردیتا ہے جس سے دن اور رات چھوٹے بڑے ہوتے رہتے ہیں، رات اور دن کے مجموعی گھنٹے چوبیس ہوتے ہیں، مگر ان میں چار گھنٹے ایسے ہیں جو بتدریج کبھی دن میں شامل ہوجاتے ہیں تو دن سولہ گھنٹے کا اور رات آٹھ گھنٹے کی ہوجاتی ہے اور جب یہ چار گھنٹے رات میں بتدریج شامل ہوجاتے ہیں تو رات سولہ گھنٹے کی اور دن آٹھ گھنٹے کا ہوجاتا ہے، مگر رات اور دن کے مجموعی گھنٹوں کی تعداد چوبیس ہی رہتی ہے۔

فائدہ: ایک سوبیس ہزار سال میں زمین کی حرکت محوری ایک سکنڈ سست ہوجاتی ہے جس کی وجہ سے قرب قیامت میں ایک رات کئی راتوں کے برابر اور ایک دن کئی دنوں کے برابر ہوگا۔ (فلکیات حدیدہ)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ السُفُنَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِیُرِیَكُمْ یا مُخاطَبینَ بذلك مِّنْ اٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ عِبرًا لِّكُلِّ صَبَّارٍ عَنْ مَعَاصِی اللّٰہِ شَكُوْرٍ ﴿۳۱﴾ لِنِعَمِہٖ وَ اِذَا غَشِیَهُمْ ای عَلاَ الکُفّار مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ کَالجِبالِ الّتی تَظِلُّ مِنْ تَحتِها دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ۬ ای الدُّعاءَ بِاَنْ یُنجیھم ای لا یَدعُوْن معهٗ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ مُتَوَسِّطٌ بَیْنَ الکُفرِ والایمان ومِنهم باقٍ عَلٰی کُفرِہٖ وَ مَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ ومنها الإنجاءُ من الموجِ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ غدّارٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۲﴾ لِنِعَمِ اللّٰہِ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ای اَہلَ مَکَّۃَ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَ اخْشَوْا یَوْمًا لَّا یَجْزِیْ یُغنِی وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ فیه شیئًا وَ لَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ فیه شَیْـًٔا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ بالبَعثِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ٙ عن الإسلام وَ لَا یَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ فی حِلمِه وامهاله الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾ الشیطانُ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ متی تَقُوْمُ وَ یُنَزِّلُ بالتَّخفیفِ والتَّشدیدِ الْغَیْثَ ۚ بِوَقتٍ یَعلمُهٗ وَ یَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ ؕ ذَکرٌ اَوْ اُنثی ولا یَعلمُ واحدٌ من الثلاثۃ غیرُ اللّٰہِ تعالٰی وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ من خَیرٍ او شَرٍّ ویعلمه اللّٰہُ وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ ویعلمه اللّٰہ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ بِکُلِّ شیءٍ خَبِیْرٌ ﴿۳۴﴾ بباطِنِہٖ کَظاہِرِہٖ روی البخاری عَنْ ابنِ عُمَرَ حدیث مَفاتحَ الغَیبِ خَمسۃٌ اِن اللّٰہ عنده علمُ الساعۃِ اِلٰی اٰخِرِ السُّوْرَۃِ.

ترجمہ: کیا تم اس پر غور نہیں کرتے کہ دریا میں کشتیاں اللہ کے فضل سے چلتی رہتی ہیں تاکہ اے مخاطبو! اس کے ذریعہ تم کو اپنی (قدرت) کی نشانیاں دکھادے یقیناً اس میں اللہ کی معصیت سے ہر صبر کرنے والے اور اس کی نعمتوں کا شکر کرنے والے کے لئے عبرت کی نشانیاں ہیں اور جب ان پر یعنی کفار پر موجیں ایسے پہاڑوں کے مانند چھا جاتی ہیں جو ہر اس شئ پر جو اس کے زیر سایہ آجائے سایہ فگن ہوجائیں، تو نہایت خالص اعتقاد کے ساتھ اللہ ہی سے دعاء کرنے لگتے ہیں کہ ان کو (غرق) سے نجات دے یعنی (اس وقت) اس کے ساتھ غیر اللہ کو نہیں پکارتے پھر جب وہ ان کو نجات دے کر خشکی کی طرف پہنچا دیتا ہے تو کچھ ان میں سے اعتدال پر رہتے ہیں یعنی کفر اور ایمان کی درمیانی راہ اختیار کرتے ہیں اور بعض اپنے کفر ہی پر باقی رہ جاتے ہیں اور ہماری نعمتوں کا اور ان میں (دریائی) موجوں سے نجات دینا بھی ہے صرف وہی انکار کرتے ہیں جو بدعہد اور اللہ کی نعمتوں کے ناشکرے ہوتے ہیں، اے لوگو! مکہ والو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو جس دن باپ اپنے بیٹوں کو کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے گا اور نہ بیٹا اپنے باپ کو اس دن کچھ بھی فائدہ پہنچا سکے گا، یقین مانو اللہ کا بعث کا وعدہ حق ہے دیکھو تمہیں دنیوی زندگی اسلام کے بارے میں دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ شیطان تم کو اللہ کے حلم اور مہلت دینے کے بارے میں دھوکے میں ڈالے بلاشبہ اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کا علم کہ کب واقع ہوگی، اور وہی بارش نازل کرتا ہے اس وقت میں جس کو وہ جانتا ہے، ینزل تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے اور اس کو بھی جانتا ہے جو رحم مادر میں ہوتا ہے آیا لڑکی ہے یا لڑکا؟ اور تینوں میں سے ایک کو بھی

اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور کوئی بھی نہیں جانتا کہ کل کیا کرے گا خیر یا شر اللہ اس کو جانتا ہے اور نہ کسی کو یہ معلوم کہ وہ کہاں مرے گا اور اللہ کو معلوم ہے بلاشبہ اللہ کو ہر شئی کا علم ہے (اور وہ) ہر شئی کے باطن سے اسی طرح واقف ہے جس طرح ظاہر سے امام بخاری نے ابن عمر سے مفاتح الغیب خمسةٌ والی حدیث روایت کی ہے اِنّ اللّٰہ عندہ علم الساعة الٰی آخر السورةِ.

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: لَا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَلَدِہٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ الخ مذکورہ دونوں جملے یومًا کی صفت ہیں اور عائد محذوف ہے جیسا کہ شارح نے فیہِ مقدر مان کر اشارہ کردیا ہے۔

قولہ: وَلا مَوْلُوْدٌ یہ مبتداء اول ہے اور ھُوَ مبتداء ثانی ہے اور جازٍ مبتداء ثانی کی خبر ہے اور پھر جملہ ہو کر مبتداء اول کی خبر ہے۔

سوال: مولودٌ نکرہ ہے اس کا مبتداء بنا کس طرح درست ہے؟

جواب: نکرہ جب تحت النفی داخل ہو تو اس کا مبتداء بنا درست ہوتا ہے، یہاں بھی مولودٌ، لانافیہ کے تحت داخل ہے۔

قولہ: شیئًا یہ تنازع فعلان کے قبیل سے ہے شیئًا میں یجزی اور جازٍ نے مفعول بنانے میں تنازع کیا ثانی یعنی جاز کو عمل دے دیا اور اول یعنی یجزِی کے لئے مفعول محذوف مان لیا جیسا کہ شارح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے شیئًا محذوف مان کر اشارہ کردیا۔

قولہ: غَرُوْر صیغہ صفت ہے دھوکا دینے والا، جھوٹی امید دلانے والا، شیطان۔

قولہ: باللّٰہ با سببیہ ہے اور مضاف محذوف ہے ای بسبب حلم اللّٰہ جیسا کہ شارح نے حذف مضاف کی طرف اشارہ کردیا ہے۔

قولہ: اِنّ اللّٰہَ عندہٗ علم الساعة یہ آیت حارث بن عمرو کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

قولہ: وینزل الغیث اس کا عطف عندہٗ علم الساعة پر ہے جو کہ اِنّ کی خبر ہے۔

قولہ: بوقتٍ ای فی وقتٍ.

قولہ: واحدًا یہ لا یَعْلَمُ کا مفعول مقدم ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور غیر اللہ اس کا فاعل ہے۔

قولہ: مَا ذا تکسب غدًا ما استفہامیہ مبتداء، ذا اسم موصول تَکْسِبُ غدًا صلہ موصول با صلہ مبتداء کی خبر۔

تفسیر و تشریح

اَلَمْ تَرَ اَنّ الفُلْکَ یہ خدا کی غالب قدرت اور غایت حکمت پر دوسرا استشہاد ہے، سمندروں میں کشتیوں کا چلنا یہ بھی اس کے لطف و کرم کا ایک مظہر اور اس کی قدرت و تسخیر کا ایک نمونہ ہے، اس نے ہوا اور پانی کو ایسے مناسب انداز سے رکھا ہے کہ سمندر

کی سطح پر کشتیاں چل سکیں ورنہ وہ چاہے تو ہوا کی تندی اور موجوں کی طغیانی سے کشتیوں کا چلنا ناممکن ہو جائے، جب ان کی کشتیاں ایسی طغیانی والی موجوں میں گھر جاتی ہیں جو بادلوں اور پہاڑوں کی طرح ہوتی ہیں اور موت کا آہنی پنجہ ان کو اپنی گرفت میں لیتا نظر آتا ہے تو پھر سارے زمینی معبود ان کے دل و دماغ سے نکل جاتے ہیں، اور صرف ایک آسمانی معبود کو بڑے اخلاص و اعتقاد کے ساتھ پکارتے ہیں، جو واقعی اور حقیقی معبود ہے۔

شانِ نزول:

فمنھم مقتصد بعض حضرات نے ''مقتصد'' کے معنی عہد کو پورا کرنے والا، کئے ہیں یعنی بعض لوگ ایمان، توحید اور اطاعت کے اس عہد پر قائم رہتے ہیں جو موج و گرداب میں انہوں نے کیا تھا، ان کے نزدیک کلام میں حذف ہوگا، تقدیر کلام یہ ہوگی، **فمنھم مقتصد ومنھم کافر** (تو ان میں سے بعض مومن اور بعض کافر ہوتے ہیں،) خازن میں ہے کہ مذکورہ آیت حضرت عکرمہ بن ابی جہل کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اس کا مختصر واقعہ اس طرح ہے کہ فتح مکہ کے دن عکرمہ ڈر کے مارے دریا کی طرف بھاگ گئے تھے، اور ایک کشتی میں سوار ہو کر فرار ہونے کی کوشش کر رہے تھے کہ اچانک کشتی گرداب میں پھنس گئی، نجات کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو اس وقت عکرمہ نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس مصیبت سے نجات دیدی تو میں مکہ جا کر محمد ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ دیدوں گا، چنانچہ ہوا کی تندی اور موجوں کی طغیانی ختم ہوگئی اور کشتی گرداب سے نکل کر ساحل سمندر پر آگئی، چنانچہ عکرمہ مکہ آئے اور اسلام قبول کر لیا اور بہت خوب اسلام قبول کیا، مذکورہ آیت میں حضرت عکرمہ کو مقتصد یعنی عہد کو پورا کرنے والا اور وعدہ کو وفا کرنے والا کہا گیا ہے، اور بعض مفسرین نے مقتصد کے معنی اعتدال پر رہنے والا، کے کئے ہیں یعنی اتنے ہولناک حالات اور وہاں قدرت خداوندی کی اتنی عظیم آیات کا مشاہدہ کرنے، اور اللہ کے اس احسان کے باوجود کہ اس نے غرق ہونے سے نجات دی، انسان اب بھی اللہ کی مکمل عبادت واطاعت نہیں کرتا اور متوسط راستہ اختیار کرتا ہے، جبکہ وہ حالات جن سے یہ گذر کر آیا ہے مکمل بندگی کا تقاضہ کرتے ہیں، نہ کہ اعتدال کا، شارح جلالین علامہ محلی نے دوسرے مفہوم کو اختیار کیا ہے، مگر سیاق وسباق کے اعتبار سے پہلا مفہوم راجح ہے، اگر مفسر علام مقتصد کی تفسیر متوسط کے بجائے معتدل سے کرتے تو زیادہ مناسب ہوتا۔

وَاخْشَوْا یَوْمًا لَا یَجْزِی وَالِدٌ عَنْ وَلَدِہٖ (الآیۃ) یعنی اس دن سے اندیشہ کرو کہ جس دن نہ بیٹا باپ کے کام آئے گا اور نہ باپ بیٹے کے، یہاں باپ بیٹوں سے وہ مراد ہیں کہ ایک مومن ہو اور دوسرا کافر، ورنہ تو مومن باپ بیٹے ایک دوسرے کے کام آئیں گے، اس لئے کہ حدیث میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ اولاد والدین کے اور والدین اولاد کے کام آئیں گے، قرآن کریم میں بھی اس کی صراحت موجود ہے **وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا وَاتَّبَعَتْھُمْ ذریتھم بایمان الحقنا بھم ذریتَھُمْ** یعنی جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد بھی ایمان میں ان کے تابع ہوئی تو ہم ان کی اولاد کو بھی ان کے

صالحین ماں باپ کے درجہ میں پہنچادیں گے اگرچہ ان کے اپنے اعمال اس درجہ کے قابل نہ ہوں مگر شرط اس میں یہی ہے کہ اولاد مومن ہو اگرچہ عمل میں کچھ کوتاہی ہوئی ہو۔

اِنَّ اللّٰہ عندہٗ علم الساعۃ (الآیۃ) حدیث شریف میں آیا ہے کہ پانچ چیزیں مفاتیح الغیب ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، (صحیح بخاری، تفسیر سورۂ لقمان) قرب قیامت کی علامات قریبہ وبعیدہ تو اللہ کے رسول ﷺ نے بیان فرمائی ہیں، لیکن ① قیامت کے وقوع کا یقینی علم کسی کو نہیں نہ کسی فرشتے کو اور نہ کسی نبی مرسل کو، ② بارش کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے، آثار وعلامات سے تخمینہ تو لگایا جاسکتا ہے، مگر یہ تخمینے کبھی صحیح ثابت ہوتے ہیں اور کبھی غلط حتی کہ محکمہ موسمیات کے اعلانات بھی بعض دفعہ صحیح ثابت نہیں ہوتے جس سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ بارش کا صحیح اور یقینی علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں، ③ رحم مادر میں مشینی ذرائع سے جنسیت کا ناقص اندازہ تو شاید ممکن ہو کہ بچہ ہے یا بچی؟ لیکن رحم مادر میں نشو ونما پانے والا بچہ نیک بخت، ہے یا بدبخت ناقص ہوگا یا کامل، خوبرو ہوگا یا بدشکل وغیرہ ان باتوں کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں، ④ انسان کل کیا کرے گا؟ خواہ دین کا معاملہ ہو یا دنیا کا آنے والے کل کے بارے میں کسی کو کچھ یقینی طور پر معلوم نہیں کہ کل کا دن آئے گا یا نہیں، اور وہ کل کیا کچھ کرے گا؟ یہ سب پردۂ غیب میں ہے، ⑤ موت کہاں آئے گی؟ گھر میں یا گھر سے باہر اپنے وطن میں یا دیار غیر میں جوانی میں یا بڑھاپے میں کسی کو معلوم نہیں۔

الحمد للہ آج بتاریخ ۱۲ر شعبان ۱۴۲۱ھ مطابق ۳۰ر اکتوبر ۲۰۰۱ء

سُوْرَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ سجدہ مکی ہے اور وہ تیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ الٓمّٓ ۝ الله اَعْلم بمرادهٖ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ القران مبتدأ لَا رَيْبَ شكَّ فِيْهِ خبرٌ اولٌ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ خبرٌ ثان اَمْ بل يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ محمدٌ لَا بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ به قَوْمًا مَّا نافية اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝ بِاِنْذارِكَ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ اَوَّلُهَا الْاَحدُ واٰخِرُها الجُمُعة ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وهو في اللُّغةِ سريرُ المَلِكِ اِسْتواءً يَلِيْقُ به مَا لَكُمْ يا كفار مَكَّةَ مِّنْ دُوْنِهٖ غيره مِنْ وَّلِيٍّ اسمُ ما بزيادةِ مِنْ اى ناصرٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يَدفعُ عنكم عذابَه اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ هذا فتؤمِنُوْن يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ مُدَّةَ الدُّنيا ثُمَّ يَعْرُجُ يَرجعُ الامرُ والتَّدبيرُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ فِي الدُّنيا وفي سورةِ سَأَلَ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ وهو يومُ القيٰمة لِشِدَّةِ اَهْوَالِه بِالنِّسْبَةِ الى الكافرِ واما المؤمنُ فيكونُ اَخَفَّ عليه من صلوةٍ مَكْتُوْبَةٍ يُصَلِّيْهَا في الدنيا كما جاءَ في الحديثِ ذٰلِكَ الخالقُ المُدبرُ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اى مَا غَابَ عَنِ الْخَلْقِ وما حَضَرَ الْعَزِيْزُ المَنِيْعُ فِيْ مُلْكِهٖ الرَّحِيْمُ ۝ بِاَهْلِ طَاعَتِهٖ الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ بفتحِ اللَّامِ فِعلًا مَاضِيًا صِفَةً وبسُكُوْنِهَا بَدَلَ اِشْتِمال وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ ادمَ مِنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ ذُرِّيَّتَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ عَلَقَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝ ضعيفٍ هو النُّطفَةُ ثُمَّ سَوّٰىهُ اى خَلْقَ ادمَ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ اى جَعَلَهٗ حيًّا حسَّاسًا بعدَ اَنْ كان جمادًا وَجَعَلَ لَكُمُ اى الذريةِ السَّمْعَ بمعنى الاسماع وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ القلوبَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ ما زائدةٌ مؤكِّدةٌ لِلْقِلَّةِ وَقَالُوْٓا اى منكرُوا البعثِ ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ غِبْنَا فيها بِاَنْ صِرنا تُرابًا مُخْتَلِطًا بِتُرَابِهَا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ استفهامُ اِنْكارٍ بتحقيقِ الهمزتينِ وتسهيلِ الثانيةِ وادخالِ الفٍ بينهما على الوجهين في المَوْضعين قال تعالى بَلْ هُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ بالبَعْثِ كٰفِرُوْنَ ۝ قُلْ لهم يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ

الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ ای بِقَبْضِ اَرْوَاحِکُمْ ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾ اَحیاءً فیُجازِیکم بأعمالِکم.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔ الٓـمّٓ اس کی مراد تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، بلاشبہ یہ کتاب قرآن تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے نازل کی ہوئی ہے (تنزیل الکتاب) مبتداء ہے (لاشك فيه) خبر اول ہے (من ربِّ العالمین) خبر ثانی ہے، کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس کو محمد ﷺ نے گھڑ لیا ہے؟ نہیں، (نہیں) بلکہ وہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے تاکہ آپ اس کے ذریعہ اس قوم کو ڈرائیں کہ جس کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، ما نافیہ ہے تاکہ وہ آپ کے ڈرانے سے ہدایت حاصل کریں، اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے چھ دن میں پیدا کیا ان میں کا پہلا دن یکشنبہ ہے اور آخری دن جمعہ پھر وہ عرش پر قائم ہو گیا (عرش) لغت میں تخت شاہی کو کہتے ہیں، ایسا قیام جو اس کی شان کے لائق ہے، اے کفار مکہ! تمہارے لئے اس کے علاوہ کوئی حمایتی نہیں ہے (من ولی) من کی زیادتی کے ساتھ ما کا اسم ہے، یعنی کوئی حمایتی نہیں، اور نہ کوئی سفارشی کہ جو تم سے اس کے عذاب کو دفع کر سکے، پھر کیا تم اس کو سمجھتے نہیں ہو کہ ایمان لے آؤ، آسمان سے لیکر زمین تک دنیا کی مدت تک ہر حال کی تدبیر کرتا ہے پھر تمام امور اور تدبیریں اسی کی طرف لوٹ جائیں گی ایسے دن میں کہ جس کی مقدار دنیا میں تمہارے شمار کے اعتبار سے ہزار سال کے برابر ہوگی اور سورۂ سَأَلَ میں پچاس ہزار سال ہے، اور وہ قیامت کا دن ہے اس کی شدید ہولناکی کی وجہ سے بہ نسبت کافر کے، رہا مومن تو (وہ دن) اس پر ایک فرض نماز پڑھنے کے وقت سے بھی کم ہوگا کہ جس کو دنیا میں پڑھا کرتا تھا، جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے، یہ خالق جو کہ تدبیر کرنے والا ہے غائب اور حاضر کا جاننے والا ہے یعنی (ہر اس چیز کا) جو مخلوق کے لئے غائب اور جو ظاہر ہے جو غالب ہے اپنے ملک میں اور نہایت رحم والا ہے اطاعت کرنے والوں پر جس نے نہایت خوب بنائی جو چیز بھی بنائی (خَلَقَہٗ) میں لام کے فتحہ کے ساتھ فعل ماضی ہونے کی وجہ سے، حال یہ ہے کہ (جملہ ہو کر) شئ کی صفت ہے اور سکون لام کے ساتھ بدل الاشتمال ہے، اور انسان یعنی آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تخلیق کی ابتداء مٹی سے کی، پھر اس کی نسل کا (سلسلہ) بے وقعت پانی کے جوہر خون بستہ سے جاری کیا اور وہ نطفۂ منی ہے اور پھر اس کو یعنی آدم کی تخلیق کو ٹھیک ٹھاک کیا پھر اس میں اپنی روح پھونک دی یعنی اس کو زندگی بخشی اور حساس بنایا حالانکہ وہ جماد (بے حس) تھا اور اسی نے اے اولاد آدم تمہارے کان بنائے سَمْعٌ بمعنی اسماعٌ ہے اور آنکھیں بنائیں اور دل بنائے (اس پر بھی) تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو ما زائدہ قلت کی تاکید کے لئے ہے، اور منکرین بعث نے کہا: کیا جب ہم زمین میں رل مل جائیں گے یعنی زمین میں غائب ہو جائیں گے اس طریقہ پر کہ ہم مٹی ہو جائیں گے اور زمین کی مٹی میں خلط ملط ہو جائیں گے تو کیا ہم نئی تخلیق میں آجائیں گے؟ یہ استفہام انکاری ہے، دونوں جگہوں میں دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کی تسہیل اور دونوں صورتوں میں دونوں ہمزوں کے درمیان الف داخل کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا بلکہ (بات یہ ہے) کہ وہ لوگ بعث (بعد الموت) کے ذریعہ اپنے رب کی ملاقات کے منکر

ہیں آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم کو موت کا فرشتہ فوت کرے گا جو تم پر مقرر ہے یعنی تمہاری روحوں کو قبض کر کے پھر تم سب اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے، زندہ کر کے، بعد ازاں وہ تم کو تمہارے اعمال کی جزا دے گا۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

سورۂ سجدہ مکی ہے اس میں تیس آیات ہیں اور بعض کے نزدیک انتیس آیات ہیں، البتہ تین آیتیں مدنی ہیں، یہ کلبی اور مقاتل کا قول ہے، ان کے علاوہ نے کہا ہے پانچ آیتیں مدنی ہیں، جن کی ابتداء تتجافٰی جنوبھم سے ہے، اور انتہاء الذی کنتم به تکذبون پر ہے۔

قَوْلُهُ: الٓمٓ تَنْزِیْلُ الکتاب لَا رَیْبَ فیهِ مِنْ رَّبِّ العٰلمینَ اس میں متعدد ترکیبیں ہوسکتی ہیں مگر بہتر اور آسان وہی ہے جس کو شارح علام نے بیان کیا ہے وہ یہ کہ تنزیل الکتاب مبتداء اور لاریب فیه خبر اول اور من رَّبِّ العٰلمینَ خبر ثانی، مبتداء اپنی دونوں خبروں سے مل کر خبر الٓمٓ مبتداء کی۔

قَوْلُهُ: اَمْ یقولونَ افتراهُ اَمْ منقطعہ ہے جو معنی میں بل أیقولون افتراہ کے ہے اس میں ہمزہ انکاری ہے مگر مفسر علام نے صرف بل تحریر کیا ہے، شاید کہ کاتب سے ہمزہ رہ گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ اس میں مشرکین کے اس دعوے کا انکار ہے کہ یہ قرآن محمد ﷺ کی خود ساختہ اور گھڑی ہوئی کتاب ہے، اس کا رد اور انکار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایسی بات نہیں ہے اس لئے کہ اس قسم کا کلام طاقت بشری سے باہر ہے پوری دنیائے عرب کے فصحاء وبلغاء اس کے مثل لانے سے عاجز رہے ہیں، اور آج بھی قرآن کا یہ چیلنج باقی ہے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ مثل تین آیتوں کے کوئی سورت بنا کر پیش کردے۔

قَوْلُهُ: بل هو الحق، افتراء کی نفی کرنے کے بعد اثبات حقیقت کے لئے یہ اضراب انتقالی ہے، یہ اضراب ابطالی بھی ہوسکتا ہے یعنی مشرکین کے قول افتراء کو باطل کرتے ہوئے کہا گیا ہے، اس صورت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی لیس هو کما قالوا بل هو الحق اب رہا یہ مقولہ کہ کل ما فی القرآن من الاضراب انتقالیٌ تو اس کے علاوہ پر محمول ہوگا (صاوی) آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ قرآن میں جو کچھ ہے وہ حق ہے اور یہ حصر جملہ (بل هو الحق) معرفۃ الطرفین سے مستفاد ہے۔

قَوْلُهُ: لِتُنْذِرَ قَوْمًا. تُنْذِرُ دو مفعولوں کو نصب دیتا ہے پہلا مفعول قَوْمًا ہے، دوسرا محذوف ہے جس کو مفسر نے اپنے قول به سے ظاہر کیا ہے اور بعض حضرات نے مفعول ثانی العقاب محذوف مانا ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی لِتنذر قومًا العقابَ اور ما اتاهم الخ قومًا کی صفت ہے۔

قَوْلُهُ: لَعَلَّهم یهتدون یہ ترجی آپ ﷺ کے اعتبار سے ہے، مطلب یہ ہے کہ آپ قوم کو ہدایت کی امید کے ساتھ ڈراتے رہئے اور مایوس نہ ہوجئے۔

قَوْلُهُ: اللّٰه، الذی خلق الخ جملہ مبتداء خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: مَالکم من دونِهٖ من وليٍ من دونه، ما کا اسم ہے من زائدہ ہے، اس عبارت سے مفسر علام نے اشارہ کردیا کہ ما حجازیہ ہے من وليٍ اسم مؤخر ہے، اور من دونِهٖ خبر مقدم ہے، مگر اس میں یہ اعتراض ہوگا کہ ما کے عامل ہونے کے لئے اس کے اسم وخبر میں ترتیب ضروری ہے حالانکہ یہاں ترتیب باقی نہیں ہے، اس کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ نحویوں کے قول ضعیف کے مطابق عمل کیا ہے، اس لئے کہ قول ضعیف کے مطابق ما کے عمل کے لئے ترتیب شرط نہیں ہے، اور بہتر یہ ہے کہ ما کو تمیمیہ مانا جائے اور من دونه کو خبر مقدم اور وليّ کو مبتداء مؤخر مانا جائے اس لئے کہ قرآن میں قول ضعیف پر حمل کرنا مناسب نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ہمزہ، محذوف پر داخل ہے، اور فا عاطفہ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے أَغَفَلْتُمْ فَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ هٰذَا، هٰذَا، تتذكرونَ کا مفعول ہے۔

قَوْلُہٗ: يُدَبِّرُ الْاَمْرَ (الآية) یعنی اللہ تعالیٰ جو کہ خالق اور مدبر الامور ہے وہ اپنے ارادے اور علم ازلی کے مطابق مخلوق میں تصرف کرتا ہے یعنی ہر آن اس کی ایک شان ہے اى كلَّ يومٍ هو فى شأن ہر شئ اسی کی قضاء وقدر سے ہوتی ہے۔

قَوْلُہٗ: من السماء الى الارض ابن عباس رَضَوَاللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ قضاء وقدر نازل ہوتی ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ مراد وحی کا نزول ہے۔

قَوْلُہٗ: مدة الدنيا مختلف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی عمر (انسانی) سات ہزار سال ہے اور آپ کی بعثت چھٹے ہزار کے شروع میں ہوئی ہے اور بعض آثار اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کی امت کی عمر ہزار سال سے زیادہ ہوگی مگر یہ زیادتی پانچ سو سال سے زیادہ نہ ہوگی۔ (الكشف عن مجاوزة هذه الامة الف، للسيوطي).

قَوْلُہٗ: فى يومٍ كانَ مِقدَارُه الفَ سَنَةٍ یہاں یوم سے معروف یوم مراد نہیں ہے کہ جو دو راتوں کے درمیان محدود ہوتا ہے بلکہ مدت دراز اور عصر طویل مراد ہے اس لئے کہ عرب مدت دراز کو یوم سے تعبیر کرتے ہیں، نحاس رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى نے فرمایا ہے کہ لغت میں مطلق وقت کے معنی میں بھی مستعمل ہے، لہٰذا اب تعارض کا وہ اشکال دفع ہوگیا جو سورۂ سأل میں خمسين الف سنة اور یہاں الف سنة وارد ہوا ہے، مندرجہ ذیل شعر میں یوم مطلق مدت کے معنی میں استعمال ہوا ہے:

يومانِ: يومُ مقاماتٍ وانديةٍ ويومُ سيرٍ الى الاعداء تأويبُ

(اعراب القرآن)

قَوْلُہٗ: ذلك مبتداء ہے اور عالم خبر اول العزيز خبر ثانی اور الرحيم خبر ثالث اور الذى احسن خبر رابع۔

قَوْلُہٗ: خَلَقَهٗ فعل ماضی کی صورت میں جملہ ہو کر شئ کی صفت ہو تو محلاً مجرور ہوگی اور اگر كلَّ کی صفت ہو تو محلاً منصوب ہوگی اور اگر خَلْقَهٗ سکون لام کے ساتھ ہو جیسا کہ بعض قراءتوں میں ہے تو كلَّ سے بدل الاشتمال ہوگا۔

قَوْلُہٗ: وَبَدَأَ اس کا عطف احسن پر ہے اور الانسان مفعول بہ ہے اور من طين خَلْقَ کے متعلق ہے، انسان سے مراد آدم عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ ہیں اور ہٗ ضمیر کا مرجع آدم ہیں نسلٌ بھی مرجع ہوسکتا ہے یعنی نسل آدم کو رحم مادر میں درست کیا۔

قَوْلَهُ: مِنْ روحِهٖ میں اضافت تشریف کے لئے ہے۔

قَوْلَهُ: جعل لکم میں غیبت سے خطاب کی جانب التفات ہے اس لئے کہ مضغہ میں روح پھونکنے کے بعد مخاطب بننے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے السمعَ مصدر بمعنی اسماع ہے۔

قَوْلَهُ: ادخال الف بینهما علی الوجهین یہاں وترکِها کا لفظ چھوٹ گیا ہے، اس طرح کل چار قراءتیں ہوں گی۔

قَوْلَهُ: فی الموضعین موضعین سے مراد أَاِذَا ضَلَلْنَا اور أَاِنَّا ہے۔

قَوْلَهُ: بل هم بلقاء رَبِّهِمْ کافرون یہ انکار بعث سے انکار لقاء کی طرف اضراب ہے۔

تفسیر و تشریح

سورۂ سجدہ کی فضیلت:

صحیح بخاری و مسلم میں روایت ہے کہ آپ ﷺ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورۂ الٓمٓ السجده اور دوسری رکعت میں هَلْ اَتٰی علی الانسان پڑھتے تھے، اور یہ بھی صحیح سند سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ رات کو سونے سے قبل سورۂ الم السجدہ اور سورۂ ملک تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

الٓـمٓ (الآیة) مطلب یہ ہے کہ یہ جھوٹ، جادو، کہانت اور من گھڑت قصے کہانیوں کی کتاب نہیں ہے بلکہ رب العالمین کی طرف سے صحیفۂ ہدایت ہے اَمْ یقولون سے بطور توبیخ فرمایا، کیا یہ کافر اور مشرک رب العالمین کے نازل کردہ اس کلام بلاغت نظام کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ اسے محمد ﷺ نے خود گھڑ لیا ہے؟ ایسی بات نہیں ہے بلکہ یہ تیرے رب کی طرف سے صحیفۂ حق ہے تاکہ آپ انہیں ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ وہ راہ راست پر آجائیں، اس آیت میں نزول قرآن کی علت کا بیان ہے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ عربوں میں پہلے نبی تھے، بعض حضرات نے حضرت شعیب علیہ الصلاۃ والسلام کو بھی عربوں میں مبعوث نبی قرار دیا ہے، (واللہ اعلم) اس اعتبار سے قوم سے مراد پھر خاص قریش مراد ہوں گے، جن کی طرف آپ سے پہلے کوئی نبی نہیں آیا۔

مَا اتٰهُم مِن نذیر نذیر سے اس جگہ رسول اصطلاحی مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ قریش مکہ میں آنحضرت ﷺ سے پہلے کوئی رسول نہیں آیا تھا، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انبیاء کی دعوت بھی ان تک نہ پہنچی ہو اس لئے کہ دوسری آیت میں واضح طور پر ارشاد ہے وَاِنْ مِنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ یعنی کوئی امت اور جماعت دنیا میں نہیں جس میں کوئی اللہ سے ڈرانے والا اور اللہ کی طرف دعوت دینے والا نہ آیا ہو۔

اس آیت میں لفظ نذیر اپنے عام لغوی معنی میں ہے یعنی اللہ کی طرف دعوت دینے والا وہ خواہ کوئی رسول ہو یا اس کا کوئی نائب یا عالم دین اور داعی، تو اس آیت سے تمام امتوں تک توحید کی دعوت پہنچ جانا معلوم ہوتا ہے، اس کا مقتضی یہ ہے کہ اقوام عرب میں

بھی توحید کی دعوت پہلے سے ضرور پہنچی ہوگی، مگراس کیلئے یہ ضروری نہیں کہ یہ دعوت خود کوئی نبی ورسول لے کر آیا ہو ہوسکتا ہے کہ ان کے نائبین علماء کے ذریعہ پہنچ گئی ہو، اسلئے اس سورت اور سورۂ یٰسین وغیرہ کی وہ آیتیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قریش عرب میں آپ سے پہلے کوئی نذیر نہیں آیا تھا، ضروری ہے کہ اس میں نذیر سے مراد اصطلاحی معنی کے اعتبار سے رسول و نبی ہو اگرچہ دعوت ایمان وتوحید دوسرے ذرائع سے ان کے پاس پہنچ چکی ہو۔

زمانہ فترت یعنی آپ کی بعثت سے پہلے بعض حضرات کے متعلق ثابت ہے کہ وہ دین ابراہیم واسماعیل علیہما السلام پر قائم تھے توحید پر ان کا ایمان تھا اور بت پرستی اور بتوں کے لئے قربانی سے متنفر تھے۔

روح المعانی میں موسیٰ بن عقبہ کی مغازی سے یہ روایت نقل کی ہے کہ عمرو بن نُفَیل جو آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے آپ سے بھی ملے تھے مگر آپ کی بعثت سے قبل ہی ان کا انتقال ہوگیا، اسی سال قریش نے بیت اللہ کی تعمیر کی تھی، یہ واقعہ آپ کی بعثت سے پانچ سال قبل کا ہے، ان کا حال موسیٰ بن عقبہ نے یہ نقل کیا ہے کہ قریش کو بت پرستی سے روکتے تھے اور بتوں کے نام پر قربانی کو برا سمجھتے تھے، اور مشرکین کا ذبیحہ نہیں کھاتے تھے۔

اسی طرح ورقہ بن نوفل جو آپ کے زمانۂ نبوت شروع ہونے اور نزول قرآن کے وقت موجود تھے، توحید پر قائم تھے اور انہوں رسول اللہ ﷺ کی مدد کرنے کا اپنا عزم ظاہر کیا تھا مگر جلدی ہی ان کا انتقال ہوگیا۔

فی یومٍ کانَ مقدارُهٗ الفَ سنةٍ مِمَّا تَعدُّونَ یعنی اس دن کی مقدار تمہاری گنتی کے اعتبار سے ایک ہزار سال ہوگی، اور سورۂ معارج میں فرمایا گیا **فی یومٍ کان مقدارُهٗ خمسین الفَ سنَةٍ** یعنی اس دن کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی، اس ایک اور پچاس کے فرق کی توجیہ، تحقیق وترکیب کے زیر عنوان دیکھ لی جائے، ایک سیدھا سا جواب وہ ہے جو بیان القرآن میں اختیار کیا گیا ہے، کہ اس دن کے ہولناک ہونے کے سبب یہ لوگوں کو بہت دراز معلوم ہوگا، اور یہ درازی اپنے ایمان واعمال کے اعتبار سے ہوگی جو بڑے مجرم ہوں گے ان کو زیادہ اور جو کم ہیں ان کو کم محسوس ہوگی، یہاں تک کہ بعض لوگوں کو یہ دن ایک ہزار سال اور دوسروں کو وہی دن پچاس ہزار سال کا معلوم ہوگا، حتی کہ مومنین صالحین کو وہی دن ایک فرض نماز کے بقدر معلوم ہوگا، روح المعانی میں اور بھی متعدد توجیہات بیان کی گئی ہیں مگر سب کی سب قیاسات اور تخمینات کے قبیل سے ہیں، ایسی چیز جس کو قرآن کا مدلول کہا جاسکے نہیں اس لئے اسلم اور بہتر طریقہ وہی ہے جو سلف صالحین اور صحابہ وتابعین نے اختیار کیا ہے کہ اس ایک اور پچاس کے فرق کو علم الٰہی کے حوالہ کیا جائے، اور واللہ اعلم کہنے پر اکتفا کیا جائے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی اسی قسم کا قول منقول ہے۔

اَلَّذی اَحْسَنَ کُلَّ شیءٍ خَلقَهٗ یعنی جو چیز بھی اللہ نے بنائی ہے چونکہ وہ اس کی حکمت اور مصلحت کے اقتضاء کے مطابق ہے، اس لئے اس میں اپنا ایک حسن اور انفرادیت ہے اس اعتبار سے اس کی ہر بنائی ہوئی چیز حسین ہے اور ان میں سب سے زیادہ حسین اور بہتر انسان کو بنایا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا **لَقَدْ خَلَقْنَا الانسانَ فی اَحْسَنِ تقویم** دیگر مخلوقات خواہ بظاہر کتنی ہی بری سمجھی جاتی ہوں، مثلاً کتا، خنزیر، سانپ، بچھو وغیرہ مگر مجموعہ عالم کے مصالح کے لحاظ سے ان میں کوئی برا نہیں۔

وَبَدَأَ خلق الإنسان من طين اوپر بیان فرمایا کہ کارخانۂ عالم میں یوں تو ہر چیز حسین ہے مگر انسان سب سے زیادہ حسین اور بہتر ہے مگر یہ اس لئے نہیں کہ انسان کا مادہ جس سے انسان کو بنایا گیا ہے، وہ سب سے بہتر تھا اس لئے انسان سب سے زیادہ بہتر ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انسان کا مادۂ تخلیق سب سے کمتر یعنی مٹی یا منی ہے، اول انسان، آدم کو مٹی سے پیدا فرمایا جو عناصر اربعہ میں کمتر ہے اور دیگر انسانی ذریت کو مادہ منویہ سے پیدا فرمایا جو کہ کمتر اور ناپاک بھی ہے۔

قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ ملكُ الموتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ اس سے سابقہ آیت میں منکرین قیامت کو تنبیہ اور ان کے استعجاب کا جواب تھا کہ مرنے اور مٹی ہو جانے کے بعد دوبارہ کس طرح زندہ ہوں گے؟ اس آیت میں اس بات کا بیان ہے کہ انسان کو موت خود بخود نہیں آتی بلکہ ہر ذی روح کی موت کا ایک وقت مقرر ہے اور اس کے لئے حضرت عزرائیل علیہ الصلاۃ والسلام کی زیر قیادت فرشتوں کا ایک نظام قائم ہے، جس کی جس وقت اور جس جگہ موت مقرر ہے ٹھیک اسی جگہ اور اسی وقت اس کی روح قبض کر لی جاتی ہے، اس آیت میں ''ملک الموت'' بلفظ مفرد ذکر کیا گیا ہے اس سے حضرت عزرائیل علیہ الصلاۃ والسلام مراد ہیں، اور ایک دوسری آیت میں بلفظ جمع ذکر کیا گیا ہے الذین تتوفّٰهم الملٰئكة اس میں اشارہ ہے کہ قبض روح کی خدمت تنہا حضرت عزرائیل انجام نہیں دیتے ان کے ماتحت بہت سے فرشتے شریک کار ہیں۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ الكافِرُونَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ مُطَاطِئُوهَا حَيَاءً يقولُونَ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا ما اَنْكَرْنَا مِنَ البَعْثِ وَسَمِعْنَا منك تصديقَ الرُّسُلِ فيما كَذَّبْنَاهم فيه فَارْجِعْنَا الى الدُّنيا نَعْمَلْ صَالِحًا فيها اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ الآنَ فما ينفعُهم ذلك ولا يُرْجَعُونَ وجوابُ لَوْ لَرَأَيْتَ اَمْرًا فظيعًا قال تعالى وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا فتهتدى بالايمان والطاعةِ بِاخْتِيَارٍ منها وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّىْ وهو لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ الجنّ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳﴾ وتقول لهم الخَزَنَةُ اِذا دَخَلُوْهَا فَذُوْقُوْا العذابَ بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا اى بتَرْكِكُم الايمانَ به اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ تَرَكْنَاكُم فى العذاب وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ الدَّائِم بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ مِنَ الكُفرِ والتكذيبِ اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا القُرآنِ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا وُعِظُوا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا مُتَلَبِّسِيْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ اى قالوا سُبحانَ اللهِ وبحمدِه وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۱۵﴾ عن الايمان والطاعةِ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ تَرْتَفِعُ عَنِ الْمَضَاجِعِ مَوَاضِعِ الِاضْطِجَاعِ بِفُرُشِهَا لِصلاتهم باللَّيْل تَهَجُّدًا يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا مِنْ عِقابِه وَّطَمَعًا فى رَحْمَتِه وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ يَتَصدَّقُونَ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ خُبِئَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ما تقرُّبه اَعْيُنُهم وفى قراءةٍ بسُكُونِ الياءِ مضارعٌ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوٗنَ ﴿۱۸﴾ اى المؤمنونَ والفاسقونَ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى نُزُلًا وهو ما يُعَدُّ لِلضَّيف بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا بالكُفر والتكذيب فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ

الْاَدْنٰى عذابِ الدنيا بالقتل والاَسْرِ والجَدْبِ سنينَ والامراض **دُوْنَ** قَبلَ **الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ** عذاب الاخرةِ **لَعَلَّهُمْ** اى مَن بَقِىَ منهم **يَرْجِعُوْنَ** ﴿۲۱﴾ الى الايمان **وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ** القراٰنِ **ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا** اى لا احدٌ اَظْلَمَ منه **اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ** اى المشركينَ **مُنْتَقِمُوْنَ** ﴿۲۲﴾

٢ ع ١١ ١٥

ترجمہ: اور اگر آپ دیکھیں جبکہ گنہگار لوگ یعنی کافر اپنے رب کے سامنے سرنگوں ہوں گے یعنی ندامت کی وجہ سے سر جھکائے ہوئے کہیں گے اے ہمارے رب ہم نے مرنے کے بعد زندہ ہونے کو دیکھ لیا جس کے ہم منکر تھے، اور تیری جانب سے رسولوں کی ان باتوں کی تصدیق سن لی جن باتوں میں ہم ان کی تکذیب کیا کرتے تھے اب تو ہمیں دنیا میں واپس لوٹا دے ہم دنیا میں جا کر نیک اعمال کریں گے اب ہم کو یقین آ گیا ان کو ان کا (یہ اقرار و یقین) کوئی فائدہ نہیں دے گا اور نہ ان کو دنیا میں واپس لوٹایا جائے گا، اور لو کا جواب لَرَأيْتَ اَمرًا فظيعًا محذوف ہے اور اگر ہم چاہتے تو ہر ایک کو ہدایت نصیب فرما دیتے تو وہ ایمان و اطاعت کو قبول کر کے ہدایت یافتہ ہو جاتا، لیکن میری بات بالکل حق ہو چکی ہے اور وہ یہ ہے کہ میں بالیقین جہنم کو جن اور انسانوں سے پُر کر دوں گا جب وہ جہنم میں داخل ہوں گے تو جہنم کے نگران ان سے کہیں گے کہ اب تم اس دن کو فراموش کرنے کے عذاب کا مزہ چکھو یعنی تمہارے اس دن پر ایمان کو ترک کرنے کی وجہ سے ہم نے بھی تم کو بھلا دیا (یعنی) تم کو عذاب میں چھوڑ دیا اور تم اپنے اعمال (کی شامت) یعنی کفر و تکذیب کے دائمی عذاب کا مزہ چکھو ہماری آیتوں (یعنی) قرآن پر وہی لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جنہیں جب کبھی اس کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے تو سجدہ میں گر جاتے ہیں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح پڑھتے ہیں یعنی سبحان اللہ و بحمدہ کہتے ہیں اور وہ ایمان و طاعت کے مقابلہ میں تکبر نہیں کرتے اور ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں یعنی راتوں میں تہجد کی نماز پڑھنے کی وجہ سے خوابگاہوں میں بچھے ہوئے بستروں کو چھوڑ دیتے ہیں اپنے رب کو اس کے عذاب کے خوف اور اس کی رحمت کی امید کے ساتھ پکارتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دے رکھا ہے اس میں سے راہ خدا میں صدقہ کرتے ہیں اور کوئی نفس اس کو نہیں جانتا جو ہم نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان پردۂ غیب میں مخفی کر رکھا ہے یعنی ایسا سامان کہ جس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی، اور ایک قراءت میں (اُخْفِىْ) کی یا کے سکون کے ساتھ مضارع کا صیغہ ہے یہ ان کے اعمال کے صلہ کے طور پر ہے، کیا وہ شخص جو مومن ہو اس کے مثل ہو سکتا ہے جو فاسق ہو؟ برابر نہیں ہو سکتے یعنی مومن اور فاسق (کافر) برابر نہیں ہو سکتے جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بھی کئے تو ان لوگوں کے لئے دائمی ٹھکانہ جنتوں میں بطور مہمانی کے ہوگا (نُـزُل) اس چیز کو کہا جاتا ہے جو مہمان کے لئے تیار کی جاتی ہے اور جن لوگوں نے کفر و تکذیب کے ذریعہ حکم عدولی کی تو ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا جب کبھی جہنم سے باہر نکلنا چاہیں گے اسی میں دھکیل دیئے جائیں گے اور ان سے کہہ دیا جائے گا اس دوزخ کا عذاب چکھو جس کی تم تکذیب کیا کرتے تھے اور ہم ان کو قتل و قید اور قحط سالی اور امراض کا

ادنیٰ دنیوی عذاب (بھی) چکھائیں گے عذاب آخرت کے بڑے عذاب سے پہلے تاکہ وہ یعنی جوان میں سے باقی رہ گئے ہیں ایمان کی طرف رجوع کریں اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس کو اس کے رب کی آیتوں یعنی قرآن کے ذریعہ نصیحت کی جائے پھر وہ اس سے اعراض کرے؟ یعنی ایسے شخص سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں یقیناً ہم مجرموں یعنی مشرکوں سے انتقام لیں گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلُهُ: وَلَوْ تریٰ اِذ المجرمونَ روز قیامت مجرمین کی عام حالت کو بیان کرنے کے لئے یہ جملہ مستانفہ ہے، خطاب آپ ﷺ کو ہے یا ہر وہ شخص مخاطب ہے جس میں مخاطب بننے کی صلاحیت ہے اس آیت میں مجرموں کی روز محشر ناگفتہ بہ حالت کی منظر کشی کی گئی ہے، اور ان کی معنوی حالت کو محسوس و مجسم کر کے پیش کیا گیا ہے، لَوْ اور اِذْ اگر چہ ماضی کے لئے ہیں مگر یہاں مضارع پر داخل ہیں اس لئے کہ مجرمین کی حالت مذکورہ کا وقوع یقینی ہے اس لئے ان کا مضارع پر داخل ہونا درست ہے اور ابوالبقاء نے کہا ہے کہ اِذْ ، اِذَا کی جگہ واقع ہے۔

قِوْلُهُ: المجرمون مبتدا ہے اور ناکسوا رء وسھم اس کی خبر ہے، جملہ فعلیہ کے بجائے جملہ اسمیہ اختیار کرنے کا مقصد ان کی سرنگونی اور حالت ندامت کے دوام پر دلالت کرنا ہے۔

قِوْلُهُ: تریٰ کا مفعول محذوف ہے اس لئے رویت سے رویت بصریہ مراد ہے، تقدیر عبارت یہ ہے لو تری المجرمینَ جوابِ لَوْ محذوف ہے ای لَرَأیْتَ امرًا فظِیْعًا لا یمکن وصفه اور علامہ زمخشری نے لَوْ کو تمنی کے لئے کہا ہے اس صورت میں جواب کی ضرورت نہ ہوگی۔

قِوْلُهُ: یقولون ربَّنَا مفسر علام نے یقولون کا اضافہ کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ رَبَّنا بتقدیر قول حال ہے ای قائلین یا رَبَّنا.

قِوْلُهُ: اَبْصَرنا فعل بافاعل ہے اور مفعول محذوف ہے ای اَبْصرنا صِدقَ وَعْدِكَ ووَعِیدكَ.

قِوْلُهُ: سَمِعْنَا کا عطف ابصرنا پر ہے سمعنا کا بھی مفعول محذوف ہے ای سمعنا منك تصدیقَ رُسُلِكَ اور یہ بھی جائز ہے کہ مفعول محذوف نہ مانا جائے، ای صِرنا مِمن یَبْصر ویَسْمع و کنّا من قبل صمًّا وعمیانًا.

قِوْلُهُ: نَعْمَلْ جواب امر کی وجہ سے مجزوم ہے۔

قِوْلُهُ: فتھتدی یہ لو کا جواب ہے جس کو شارح نے ظاہر کر دیا ہے۔

قِوْلُهُ: بترککم مفسر علام نے نسیان کی تفسیر ترک سے کر کے اشارہ کر دیا کہ نسیان سے دونوں جگہ لازم معنی مراد ہیں اس لئے کہ نسیان کے لئے ترک لازم ہے، ورنہ تو نسیان پر مواخذہ نہیں ہے، نیز اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب نسیان کی نسبت

محال ہے یہ نسبت استعارہ یا مجاز مرسل کے طور پر ہی ہوسکتی ہے۔

قِوْلَہٗ: ذوقوا عذاب الخلد کی تکرار اول ذوقوا کے مفعول محذوف ہونے پر دلالت کرنے کے لئے ہے۔

قِوْلَہٗ: بما کنتم میں باسببیہ ہے من الکفر والتکذیب، ما کا بیان ہے۔

قِوْلَہٗ: تتجافٰی جنوبھم، تجَافِیٌ سے مضارع واحد مؤنث غائب، دور رہتی ہے، الگ رہتی ہے، یہ جملہ مستانفہ بھی ہوسکتا ہے اور یستکبرون کی ضمیر سے حال بھی ہوسکتا ہے، اسی طرح یدعون میں بھی یہی دونوں احتمال ہیں، یدعون کو حال قرار دینے کی صورت میں یہ بھی احتمال ہے کہ حال ثانیہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ جنوبھم کی ضمیر سے حال ہو۔

قِوْلَہٗ: خوفًا وطمعًا یہ دونوں مفعول لہ ہیں، اور حال بھی ہوسکتے ہیں اور فعل محذوف کے مفعول مطلق بھی ہوسکتے ہیں ای جوزوا جزاءً اور اُخْفِیَ کا مفعول لہ بھی ہوسکتے ہیں ای اُخفِیَ لاجل جزاء ھم۔

تفسیر و تشریح

ولو تَرٰی اس آیت میں مجرمین کی اس ناگفتہ بہ حالت کا بیان ہے جو محشر میں رب العالمین کے روبرو پیشی کے وقت ذلت و رسوائی کی صورت میں ہوگی، ذلت و رسوائی ندامت و شرمندگی کو جو کہ معنوی اور غیر مرئی شئ ہے اللہ تعالیٰ نے محسوس اور مرئی صورت میں بیان فرمایا ہے، اور مجرمین سے یہاں وہی لوگ مراد ہیں جنہوں نے کہا تھا ءَ اِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَ اِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جدیدٍ جب ہم خاک میں رل مل جائیں گے تو کیا ہم کو نئے سرے سے پیدا کیا جائے گا؟ مذکورہ مجرمین کہیں گے کہ ہمارے کان اور آنکھیں کھل گئیں، پیغمبر جو فرمایا کرتے تھے اب ہم کو ان کا یقین آ گیا بلکہ آنکھوں سے مشاہدہ کرلیا، اب ایک مرتبہ پھر دنیا میں بھیج دیجئے، دیکھئے ہم کیسے نیک کام کرتے ہیں، مگر اس وقت کا یقین کرنا کچھ کام نہ آئے گا اب تو اللہ کا عذاب ان پر ثابت ہو چکا بھگتنا ہی پڑے گا، اس لئے کہ ایمان وہی معتبر ہوتا ہے جو غائبانہ ہو ورنہ عذاب کا مشاہدہ کرنے کے بعد تو ہر مشرک و کافر ایمان لے ہی آتا ہے، لہٰذا ایمان بالمشاہدہ معتبر نہیں، یہی وجہ ہے کہ حالت غرغرہ کا ایمان معتبر نہیں ہے، آگے آنحضرت ﷺ کی تسلی کے لئے فرماتے ہیں کہ آپ اہل مکہ کے ایمان نہ لانے پر اس قدر غم نہ کریں، کہ خود کو ہلاک ہی کرڈالیں، اس لئے کہ اگر ہم چاہتے تو ہر کافر و مشرک کو ایمان کی ہدایت عطا کردیتے لیکن یہ ہدایت جبری ہوتی جس میں امتحان اور آزمائش کی گنجائش نہ ہوتی آزمائش تو اختیاری ایمان ہی میں ہوتی ہے، دوسری جگہ فرمایا وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُھُوْا عَنْہُ (انعام: رکوع ۳) یعنی جھوٹے ہیں اگر دنیا کی طرف لوٹائے جائیں پھر ان کی وہی روش رہے گی، ان کی طبیعت کی افتاد ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ شیطان کے اغوا کو قبول کرلیں اور اللہ کی رحمت سے دور بھاگیں، بلاشبہ ہم کو قدرت ہے اگر ہم چاہتے تو تمام انسانوں کو زبردستی اسی راہ ہدایت پر قائم رکھتے جس کی طرف انسان کا دل فطرۃً رہنمائی کرتا ہے لیکن اس طرح سب کو ایک ہی طور و طریق اختیار کرنے کے لئے مضطر و مجبور کردینا حکمت کے خلاف تھا، اور وہ بات بھی پوری ہونی تھی جو

ابلیس کے دعوے لَأُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِين اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُم المخلَصين کے جواب میں فرمائی تھی فَالحقُّ وَالحقَّ اَقُوْلُ لَأَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ معلوم ہوا کہ یہاں جن وانس سے شیاطین اوران کے اتباع مراد ہیں، اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ میں نسیان سے ترک کرنا اور نظرانداز کرنا مراد ہے جو کہ نسیان کے لئے لازم ہے، اس لئے کہ نسیان اللہ تعالیٰ سے محال ہے۔

اِنما یؤمِنُ بِآيٰتِنَا (الآیۃ) سے اسلوب قرآنی کے مطابق تقابل کے طور پر مومنین اوران کے اوصاف کا ذکر ہے یعنی مشرکین متمردین کے برخلاف مومنین کا حال یہ ہے کہ وہ خوف وخشیت اور خشوع وخضوع سے سجدہ میں گر پڑتے ہیں، زبان سے اللہ کی تسبیح وتحمید کرتے ہیں دل میں کبر وغرور نہیں، مومنین مخلصین کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ سردی کے موسم میں میٹھی نینداور نرم گرم بستروں کو چھوڑ کر اللہ کے سامنے کھڑے ہوجاتے ہیں اس سے مراد تہجد کی نماز ہے، روایات حدیث سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے، مسند احمد، ترمذی، نسائی وغیرہ میں حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ میں ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھا، ایک روز میں دوران سفر صبح کے وقت آپ ﷺ کے قریب ہوا تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ! مجھے کوئی ایسا عمل بتادیجئے جو مجھے جنت میں داخل کرے، اور جہنم سے دور کرے، آپ ﷺ نے فرمایا تم نے ایک بڑی چیز کا سوال کیا مگر جس کو اللہ آسان کردے اس کے لئے آسان ہوجاتی ہے، اور فرمایا کہ وہ عمل یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، اور بیت اللہ کا حج کرو اور پھر فرمایا کہ لو اب میں تم کو خیر کے ابواب بتلاتا ہوں وہ یہ ہیں روزہ ڈھال ہے جو عذاب سے بچاتا ہے، اور صدقہ آدمی کے گناہوں کی آگ کو بجھادیتا ہے، اسی طرح آدمی کی نماز درمیان شب میں، اور یہ فرما کر قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی **تتجافٰی جنوبُهم عن المضاجع**۔

حضرت قتادہ، ابوالدرداء اور ضحاک رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ نے فرمایا ہے کہ پہلوؤں کے بستروں سے الگ ہونے کی صفت ان لوگوں پر بھی صادق آتی ہے جو عشاء کی نماز جماعت سے ادا کریں پھر فجر کی نماز جماعت سے ادا کریں، اور ترمذی میں صحیح سند کے ساتھ انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ تتجافٰی جنوبُهم عشاء کی نماز سے پہلے نہ سونے اور جماعت عشا کا انتظار کرنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی۔

اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت ان لوگوں سے متعلق ہے جو مغرب اور عشاء کے درمیان نوافل پڑھتے ہیں (رواہ محمد بن نصر) اور حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے اس آیت کے متعلق فرمایا کہ جو لوگ جب آنکھ کھلے اللہ کا ذکر کریں لیٹے بیٹھے اور کروٹ پر وہ بھی اس میں داخل ہیں، امام تفسیر ابن کثیر نے فرمایا کہ ان تمام اقوال میں کوئی تعارض نہیں، صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت ان سب کو شامل ہے آخر شب کی نماز ان سب میں اعلیٰ وافضل ہے۔ (بیان القرآن)

اور حضرت اسماء بنت یزید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اولین وآخرین کو جمع فرمائیں گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک منادی کھڑا ہوگا جس کی آواز تمام مخلوق سنے گی، وہ ندا دے گا کہ آج اہل محشر جان لیں گے کہ اللہ کے نزدیک کون لوگ عزت واکرام کے مستحق ہیں، پھر وہ فرشتہ ندا دے گا کہ اہل محشر میں سے وہ

لوگ کھڑے ہوں جن کی صفت یہ تھی تتجافٰی جنوبُھُمْ عن المضاجع یعنی ان کے پہلو بستروں سے الگ ہوجاتے ہیں، اس آواز پر یہ لوگ کھڑے ہوں گے جن کی تعداد قلیل ہوگی اور اسی روایت کے بعض الفاظ میں ہے کہ یہ لوگ بغیر حساب کے جنت میں بھیج دیئے جائیں گے، اس کے بعد اور تمام لوگ کھڑے ہوں گے ان سے حساب لیا جائے گا۔ (مظهری)

یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ خوفًا و طمعًا یعنی اس کی رحمت وفضل وکرم کی امید بھی رکھتے ہیں اور اس کے عتاب وغضب اور مواخذہ وعذاب سے ڈرتے بھی ہیں، محض امید ہی امید نہیں رکھتے کہ عمل سے بے پرواہ ہوجائیں (جیسا کہ بے عمل اور بدعمل لوگوں کا شیوہ ہے) اور نہ عذاب ومواخذہ کا اتنا خوف طاری کرلیتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی سے مایوس ہوجائیں کہ یہ مایوسی بھی کفر وضلالت ہے۔

فائدہ: انفاق میں صدقات واجبہ اور نافلہ دونوں شامل ہیں اہل ایمان حسب استطاعت دونوں کا اہتمام کرتے ہیں۔

فلا تعلمُ نفسٌ میں نفس نکرہ ہے جو عموم کا فائدہ دیتا ہے یعنی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا یعنی ان نعمتوں کی حقیقت کو کماحقہٗ کوئی نہیں جانتا جو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ اہل ایمان کے لئے مخفی رکھی ہیں، ان کی تفسیر میں نبی کریم ﷺ نے یہ حدیث قدسی بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ وہ چیزیں تیار کر رکھی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں اور نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا گذر ہوا۔ (صحیح بخاری تفسیر سورۂ سجدہ)

تنبیہ: اس حدیث کو لے کر سرسید وغیرہ نے جنت کی جسمانی نعمتوں کا انکار کیا ہے، مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کا اس کے جواب میں "ہدیہ سنیہ" کے نام سے ایک مضمون چھپا ہے اس کو دیکھ لیا جائے۔ (فوائد عثمانی)

اَفَمَنْ کَانَ مؤمنًا (الآیۃ) یہ استفہام انکاری ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے یہاں مومن وکافر، فرمانبردار اور نافرمان برابر نہیں ہوسکتے، اگر دونوں کا انجام برابر ہوجائے تو یہ عدل کے خلاف ہوگا (نعوذ باللہ) یہ اندھیر نگری جیسا معاملہ ہوجائے گا، بلکہ ان دونوں فریقوں کے درمیان بڑا فرق ہوگا، مومن اللہ کے مہمان ہوں گے نیز اعزاز واکرام کے مستحق، اور فاسق وکافر تعزیر وعقوبت کی بیڑیوں میں جکڑے ہوئے جہنم کی آگ میں جھلسیں گے، جہنم کے عذاب کی شدت اور ہولناکی سے گھبرا کر جہنمی باہر نکلنا چاہیں گے یا کبھی کبھی آگ کے شعلے جہنمیوں کو دروازے کی طرف پھینک دیں گے اس وقت شاید نکلنے کا خیال کریں فرشتے پھر ادھر ہی دھکیل دیں گے کہ جاتے کہاں ہو؟ جس چیز کو جھٹلاتے تھے ذرا اس کا مزہ چکھو (فوائد عثمانی) آخرت کے بڑے عذاب سے پہلے دنیوی چھوٹے عذاب مثلاً دنیا کی مصیبتیں امراض، بعض کے نزدیک ادنیٰ عذاب سے وہ قتل مراد ہے جس سے کافر غزوۂ بدر میں دوچار ہوئے تھے، یا وہ قحط سالی جو مکہ والوں پر مسلط کی گئی تھی مراد ہے، دنیوی مصائب وآلام بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ جس کے لئے رجوع کی توفیق مقدر ہے وہ خدا کی طرف رجوع ہوجائے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ التورٰة **فَلَا تَكُنْ فِىْ مِرْيَةٍ** شكٍّ **مِّنْ لِّقَآئِهٖ** وقد التَقَيَا ليلةَ الإسراءِ **وَجَعَلْنٰهُ** اى موسٰى او الكتاب **هُدًى** هادِيًا **لِّبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ**۝۲۳ **وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً** بتحقيق الهمزتين وابدالِ

الثانية ياء قادة يَّهْدُوْنَ الناس بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا علی دینهم وعلى البلاءِ من عَدُوّهم وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا الدالةِ على قُدرتِنا ووحدانيّتِنا يُوْقِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ وفي قراء ة بكسر اللام وتخفيفِ الميم اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۲۵﴾ من اَمرِ الدِّينِ اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ اى لم يَتبيَّنْ لِكفّار مَكَّةَ اِہلاکُنا كثيرًا مِّنَ الْقُرُوْنِ الأمَمِ بكفرِہم يَمْشُوْنَ حالٌ من ضمير لَهُمْ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ في اَسفارِہم الى الشام وغيرِہا فيَعْتَبِرُوا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ دَلالاتٍ على قُدرَتِنا اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۶﴾ سماعَ تدبُّرٍ واتِّعاظٍ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ اليابسةِ التي لا نَباتَ فيها فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ ہذا فيَعلمون انّا نَقدِرُ على اِعادَتِہم وَيَقُوْلُوْنَ لِلمؤمنين مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ بَينَنا وبينكم اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ بِاِنزالِ العذابِ بہم لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۲۹﴾ يُمهَلُونَ لِتَوبَةٍ او مَعذرةٍ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنزالَ العذابِ بہم اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴿۳۰﴾ بك حادثَ موتٍ او قتلٍ فيَستريحُونَ منك وہذا قبلَ الأمرِ بِقتالِہم.

ترجمہ: اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو کتاب تورات عطا کی سو آپ کو ان کی ملاقات کے بارے میں ہرگز شک نہ کرنا چاہئے اوران دونوں حضرات کی ملاقات لیلۃ الاسراء میں ہوئی اور ہم نے ان کو یعنی موسیٰ یا کتاب کو بنی اسرائیل کے لئے رہنما بنایا اور جب ان لوگوں نے اپنے دین پر (قائم رہنے) اور اپنے دشمنوں کی جانب سے ایذاؤں پر صبر کیا تو ہم نے ان میں سے ایسے پیشوا بنائے جو ہمارے حکم سے لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے (ائمة) میں دونوں ہمزوں کی تحقیق کے ساتھ اور ثانی ہمزہ کو ی سے بدل کر بمعنی پیشوا اور ان آیات پر ایمان رکھتے تھے جو ہماری قدرت اور ہماری وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں، اور (لَمَّا) ایک قراءت میں لام کے کسرہ اور میم کی تخفیف کے ساتھ ہے (یعنی لِمَا) یقیناً آپ کا رب ان کے درمیان قیامت کے دن ان باتوں (یعنی) امور دین کا فیصلہ کردے گا جن میں وہ اختلاف کررہے ہیں کیا اس بات نے بھی ان کو ہدایت نہیں دی کہ ان سے پہلے ہم نے کتنی ہی امتوں کو ان کے کفر کے سبب سے ہلاک کردیا، حالانکہ یہ لوگ اپنے شام وغیرہ کے سفر میں ان کے مکانوں سے گذرتے ہیں کہ عبرت حاصل کریں، بلاشبہ اس میں ہماری قدرت کے دلائل ہیں کیا یہ تدبر وتذکر کے طور پر سنتے نہیں ہیں کیا یہ نہیں دیکھتے ہیں کہ ہم پانی کو خشک زمین کی طرف جس میں گھاس نہیں ہوتی پہنچاتے ہیں پھر اس پانی سے ہم کھیتی اگاتے ہیں جس سے وہ اور ان کے جانور کھاتے ہیں کیا پھر بھی یہ اس کو نہیں دیکھتے کہ سمجھ جائیں کہ ہم دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہیں، اور مومنین سے کہتے ہیں کہ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کب ہوگا؟ اگر تم سچے ہو (تو بتاؤ) آپ کہہ دیجئے ان پر عذاب نازل کرکے فیصلے کے دن ان کافروں کو ان کا ایمان کچھ فائدہ نہ دے گا اور نہ ان کو توبہ یا عذر خواہی کیلئے مہلت دی جائے گی اب آپ ان کا خیال چھوڑ دیجئے اور ان پر نزول

عذاب کا انتظار کیجئے وہ بھی آپ پر حادثۂ موت یا قتل کا انتظار کر رہے ہیں تا کہ وہ آپ سے راحت پا جائیں، اور یہ حکم جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلُہٗ: مِرْيَة اسم مصدر بمعنی تردد، شک لِقَائِهٖ ضمیر کے مرجع میں چند اقوال ہیں ① موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف راجع ہے اور لقاء مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے مِنْ لِقَائِكَ موسىٰ ليلةَ الإسراءِ ② کتاب کی طرف راجع ہے، اس صورت میں مصدر کی اضافت فاعل اور مفعول دونوں کی طرف درست ہوگی، فاعل کی طرف اضافت کی صورت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی مِنْ لقاءِ الكتابِ لمُوسىٰ اور مفعول کی طرف بھی درست ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی لقاء موسىٰ الكتاب یہ بھی احتمال ہے کہ لقائِهٖ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہو، ای من لقاء موسىٰ الله اس صورت میں مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہوگی، اور یہ بھی احتمال ہے کہ لقائِهٖ کی ضمیر موسیٰ کی طرف راجع ہو اس صورت میں اضافت فاعل کی طرف ہوگی، یعنی اے محمد ﷺ آپ موسیٰ کی اللہ سے ملاقات کے بارے میں شک نہ کیجئے یا اللہ کی موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات کے بارے میں شک نہ کیجئے (اعراب القرآن لابی البقاء) ان اقوال کے علاوہ بھی اقوال ہیں مگر وہ ضعف سے خالی نہیں۔

قِوْلُہٗ: أئـمـة اس میں ایک قراءت ہمزہ کو ی سے بدل کر بھی ہے یعنی أَيِـمَّةً اور یہ قراءت عربیت کے اعتبار سے ہے نہ کہ قراءت سبعہ کے اعتبار سے اور شرح عقائد میں ہے کہ أئـمّة کی اصل أأمِـمَة تھی اس لئے کہ یہ امام کی جمع ہے دو میم جمع ہوئے، اول کا ثانی میں ادغام کر دیا، نیز حرکت نقل کر کے ہمزہ کو دیدی أئـمة ہوا دو ہمزوں کے اجتماع کی کراہت کی وجہ سے ہمزہ مکسورہ کو ی سے بدل دیا أيِمَّةً ہو گیا۔

قِوْلُہٗ: قادة یہ قائد کی جمع ہے بمعنی رہبر، کشندہ، جیسا کہ سادةٌ سید کی جمع ہے۔

قِوْلُہٗ: لَـمَّـا صَبَرُوْا جمہور کی قراءت میں لام کے فتحہ اور میم کی تشدید کے ساتھ ہے لَـمَّـا، حِيْنَ کے معنی میں ہے اور جملہ جزائیہ ہے ای جَـعَلْنَاهم أئِمَّةً حِيْنَ صَبَرُوْا، صَبَرُوْا کی ضمیر أئِمَّة کی طرف راجع ہے اور لَمَّا کا جواب محذوف ہے جس پر جَـعَلْنَا مِنْهُمْ دلالت کر رہا ہے، تقدیر عبارت یہ ہے لَـمَّـا صَبَرُوْا جعلْنا مِنْهُمْ أئِمَّةً حمزہ اور کسائی کی قراءت میں لِمَا لام کے کسرہ اور میم کی تخفیف کے ساتھ ہے اس صورت میں لام تعلیلیہ ہوگا اور ما مصدریہ ای بسبب صبرهم علىٰ دينِهِمْ وعلَى البَلاءِ مِنْ عدُوّهم. (جمل)

قِوْلُہٗ: بَيْنَهُمْ سے یا تو انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتیں مراد ہیں، یا مومنین و مشرکین مراد ہیں۔

قِوْلُہٗ: اَوَلَمْ يَهْدِلهم کا عطف محذوف پر ہے ای أغفلُوْا ولَمْ يتبيَّن لَهُمْ يا الَمْ يَتَّعِظُوْا.

قِوْلُہٗ: يَهْدِلَهُمْ کا فاعل مضمون جملہ ہے جیسا کہ مفسر علام نے هَلاكُنَا کہہ کر اشارہ کر دیا ہے، اگر حذف فاعل پر قرینہ موجود

ہوتو فاعل کو حذف کرنا جائز ہے۔

قِوْلَہٗ: فِی ذٰلِکَ ای فی کَثْرَۃِ اِھْلَاکِ الْاُمَمِ الماضِیَۃِ.

قِوْلَہٗ: اَلْجُرُزُ اس زمین کو کہتے ہیں جس کی گھاس وغیرہ کاٹ کر سپاٹ میدان کر دیا گیا ہو یابِسَۃً اس کے لازم معنی ہیں۔

تفسیر وتشریح

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتَابَ.

سُوَال: اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اعطاء کتاب کا ذکر کس مناسبت سے کیا گیا ہے؟ حالانکہ زمانہ کے اعتبار سے آپ ﷺ سے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام قریب ہیں۔

جَوَاب: پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ ﷺ کو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بہت سے احوال میں قریبی مشابہت ہے، جس کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر فرمایا، دوسری وجہ یہ ہے کہ جن لوگوں پر حجت قائم کرنی مقصود تھی وہ یہود ونصاریٰ ہیں یہود چونکہ حضرت عیسیٰ کی نبوت کے قائل نہیں تھے اس لئے اگر عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر کیا جاتا تو یہود کے لئے قابل قبول نہ ہوتا اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام چونکہ یہود ونصاریٰ کے لئے متفق علیہ نبی ہیں دونوں ان کو مانتے ہیں جس کی وجہ سے دونوں کے لئے قابل قبول تھے، اس وجہ سے بھی حضرت موسیٰ کے ذکر کو اختیار فرمایا۔ (صاوی مع الاضافۃ)

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا (الآیۃ) یہ درمیان میں جملہ معترضہ ہے یعنی بلاشبہ موسیٰ کو کتاب دی گئی اور آپ کو بھی اسی طرح کتاب ملی ہے اس میں بھی شک وشبہ نہیں ہے، یا حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر پر فرمادیا کہ آپ کی ملاقات شب معراج میں جو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہوئی تھی وہ حقیقت ہے کوئی دھوکا یا نظر بندی نہیں ہے۔ (فوائد عثمانی)

فلا تکن فی مریۃٍ من لقائہٖ واحدی نے فرمایا کہ مفسرین نے کہا ہے آنحضرت ﷺ سے وعدہ فرمایا گیا کہ آپ کی ملاقات دنیوی زندگی ہی میں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہوگی، لہٰذا آپ کی ملاقات بیت المقدس میں لیلۃ الاسراء میں اور آسمانوں پر معراج میں ہوئی۔

لِقَاء کے معنی ملاقات کے ہیں، اس آیت میں کس کی ملاقات کس سے مراد ہے اس میں مفسرین کے اقوال مختلف ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ لقائہٖ کی ضمیر کتاب یعنی قرآن کی طرف راجع ہے، مطلب یہ ہے کہ جس طرح موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے کتاب دی تھی آپ بھی اپنی اس کتاب کے آنے میں کوئی شک نہ کریں جیسا کہ ایک دوسری آیت میں قرآن کے متعلق ایسے الفاظ آئے ہیں وانَّکَ لتلقی القرآن اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کی تفسیر اس طرح منقول ہے کہ لقائہٖ کی ضمیر حضرت موسیٰ کی طرف راجع ہے اور اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کی ملاقات موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

ساتھ ہونے کی خبر دی گئی ہے، اور فرمایا کہ آپ اس میں شک نہ کریں کہ آپ کی ملاقات موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہوگی، چنانچہ ایک ملاقات کا تو شب معراج میں ہونا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے پھر قیامت میں ملاقات ہونا بھی ثابت ہے۔

اور حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ تفسیر فرمائی ہے کہ جس طرح موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک کتاب دی گئی اور لوگوں نے ان کی تکذیب کی اور ان کو ستایا، آپ بھی یقین رکھیں کہ یہ سب چیزیں آپ کو بھی پیش آئیں گی اس لئے آپ کفار کی ایذاؤں سے رنجیدہ نہ ہوں بلکہ اس کو سنت انبیاء سمجھ کر برداشت کریں۔

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً (الآیة) اس آیت سے صبر کی فضیلت واضح ہے، صبر کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اوامر کے بجالانے اور ترک زواجر میں، اور اللہ کے رسولوں کی تصدیق اور ان کے اتباع میں جو تکلیفیں آئیں انہیں خندہ پیشانی سے برداشت کرنا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کے صبر کرنے اور آیات الٰہیہ پر یقین رکھنے کی وجہ سے ہم نے ان کو دینی امامت اور پیشوائی کے منصب پر فائز کیا، لیکن جب انہوں نے اس کے برعکس تبدیل وتحریف کا ارتکاب کیا تو ان سے یہ مقام سلب کر لیا گیا چنانچہ اس کے بعد ان کے دل سخت ہو گئے، پھر نہ ان کا عمل صالح رہا اور نہ ان کا اعتقاد صحیح۔

خلاصہ یہ ہے کہ امامت اور پیشوائی کے لائق اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف وہ لوگ ہیں جو عمل میں کافی کامل ہوں اور علم میں بھی اور یہاں عملی کمال کو علمی کمال پر مقدم بیان فرمایا ہے حالانکہ طبعی ترتیب کے اعتبار سے علم عمل سے مقدم ہوتا ہے، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ علم قابل اعتبار ہی نہیں جس کے ساتھ عمل نہ ہو۔ (معارف)

شان نزول:

کفار مکہ کی جانب سے رات دن کی ایذاؤں سے تنگ آکر مسلمان مشرکین سے کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ عنقریب مسلمانوں کو مشرکین پر فتح عطا فرمائیں گے اور ہمارے اور ان کے درمیان ایک روز عملی فیصلہ فرمائیں گے۔ جب مشرکین مسلمانوں کی یہ بات سنتے تھے تو استہزاء واستعجال وتکذیب کے طور پر کہا کرتے تھے کہ یہ فتح ونصرت کا دن کب آئے گا تو اس وقت **متیٰ هٰذا الفتح إن كنتم صادقين** نازل ہوئی، اس کے جواب میں حق تعالیٰ نے فرمایا **قُلْ يوم الفتحِ لا ينفعُ الذين كفروْا اِيمَانُهم** یعنی آپ ان کے جواب میں یہ کہہ دیجئے کہ تم ہماری فتح کا دن ہم سے کیا پوچھتے ہو وہ دن تو تمہاری مصیبت کا ہوگا کیونکہ جس دن ہماری فتح ہوگی تو اس دن تم عذاب میں گرفتار ہو چکے ہوگے، خواہ دنیا میں جیسے غزوہ بدر میں ہوا، یا آخرت میں، اور جب اللہ کا عذاب کسی کو پکڑ لیتا ہے پھر اس کا ایمان قبول نہیں کرتا (کذا ذکرہ ابن کثیر) اور بعض حضرات نے اس جگہ **متیٰ هٰذا الفتحُ** کے معنی روز قیامت کے کئے ہیں۔

سُوال: مشرکین مکہ کے قول **ويقولون متىٰ هٰذا الفتحُ** میں وقت فتح کا سوال ہے اور وہ مومنین وکافرین کے درمیان یوم

قضا یعنی یوم قیامت ہے تو اس صورت میں مابعد کے جواب کی سوال کے ساتھ کیسے مطابقت ہوگی؟

جَوَابِ: مشرکین مکہ کا سوال چونکہ قیامت کے بارے میں بطور تکذیب واستہزاء کے تھا نہ کہ سوال استفہام، لہٰذا جواب بھی تکذیب واستہزاء کے مطابق تہدید سے دیا گیا جو کہ عین مطابق ہے۔

سِوَال: جن حضرات نے یوم الفتح کی تفسیر فتح مکہ یا یوم بدر سے کی ہے تو پھر جواب کی تطبیق، **یوم الفتح لا ینفعُ الذین کفروا** سے کس طرح ہوگی، حالانکہ بعض کفار کو ان دونوں دنوں میں ان کے ایمان نے فائدہ پہنچایا، اس لئے کہ جو لوگ ایمان لائے وہ طلقاء قرار دیئے گئے۔

جَوَابِ: مراد مشرکین کے مقتولین ہیں ان کے ایمان نے حالت قتل میں ان کو کوئی فائدہ نہیں دیا، جیسا کہ غرق کے یقین کے وقت فرعون کو اس کے ایمان نے کوئی فائدہ نہیں پہنچایا (**انموذج جلیل فی بیان اسئلة واجوبة من غرائب التنزیل، لعلامة محمد بن ابی بکر القادر الرازی رحمهُ اللّٰه تعالٰی**).

سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَلٰثٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّتِسْعُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَلٰثٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ دُمْ على تقواهُ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ فيما يُخالِفُ شريعَتَكَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا بما يكُونُ قبلَ كونِهٖ حَكِيْمًا ۝ فيما يخلُقُهٗ وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ اى القُراٰنَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ وفي قراءةٍ بالفوقانِيَّةِ وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ في اَمْرِكَ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝ حافِظًا لك واُمَّتُهٗ تبعٌ له في ذٰلك كلِّهٖ مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ رَدًّا على مَنْ قال مِنَ الكُفّارِ اِنَّ له قلبَيْنِ يَعْقِلُ بكُلٍّ منهما افضلَ مِنْ عَقْلِ مُحَمَّدٍ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓئِیْ بهمزةٍ وياءٍ وبلا ياءٍ تُظٰهِرُوْنَ بلا اَلِفٍ قبلَ الهاءِ وبها والتاءُ الثانيةُ في الاَصْلِ مُدْغَمَةٌ في الظّاءِ مِنْهُنَّ بقولِ الواحِدِ مثلًا لِزوجتِهٖ انتِ عليَّ كظَهْرِ اُمّي اُمَّهٰتِكُمْ اى كالاُمّهاتِ في تحريمِها بذالك المُعدِّ في الجاهِلِيَّةِ طلاقًا وانما تجبُ به الكفّارةُ بشرطِهٖ كما ذُكِرَ في سُورةِ المُجادلَةِ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ جمعُ دَعِيٍّ وهو مَنْ يُدعٰى لِغيرِ اَبيهِ اِبنًا له اَبْنَآءَكُمْ حقيقَةً ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ اى اليهودِ والمنافقينَ قالُوا لَمّا تزوَّجَ النبيُّ صلى اللّٰه عليه وسلّم زَيْنَبَ بنتَ جَحْشٍ الّتي كانَتِ امرأةَ زيدِ بنِ حارِثَةَ الذي تبنّاه النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قالُوا تزوَّجَ مُحمَّدٌ اِمْرأةَ ابنِهٖ فاَكْذَبَهم اللّٰهُ في ذٰلك وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ في ذٰلك وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝ سبيلَ الحقّ لكِنْ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ اَعْدَلُ عِنْدَ اللّٰهِ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ بَنُوْ عَمِّكم وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ في ذٰلك وَلٰكِنْ في مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ فيهِ وهو بعدَ النَّهْيِ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا لِمَا كانَ مِنْ قولِكم قبلَ النَّهْيِ رَّحِيْمًا ۝ بكم في ذٰلك اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ فِيما دعاهم اليه ودعَتْهم اَنفُسُهم الى خِلافِهٖ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ في حُرْمَةِ نِكاحِهِنَّ عليهم وَاُولُوا الْاَرْحَامِ ذَوُوا القَراباتِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ في الارثِ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اى مِنَ الارثِ بالاِيمانِ والهجرةِ الذي كان اَوَّلَ الاِسلامِ فنُسِخَ اِلَّآ لكن اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا بوَصِيَّةٍ فجائزٌ كَانَ ذٰلِكَ اى نَسْخُ الارثِ بالاِيمانِ والهجرةِ بارثِ ذَوِي الاَرحامِ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝ واُرِيدَ بالكتاب في الموضِعَيْنِ اللَّوْحُ

المَحفُوظُ وَ اذكُر اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ حِينَ اُخرِجُوا مِن صُلبِ ادَمَ كَالذَّرِّ جَمعُ ذُرَّةٍ وهِيَ اَصغَرُ النَّملِ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ بِاَن يَعبُدُوا اللّٰهَ ويَدعُوا النَّاسَ اِلٰى عِبَادَتِهٖ وذِكرُ الخَمسَةِ مِن عَطفِ الخَاصِّ عَلَى العَامِّ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿٧﴾ شَدِيدًا بالوَفَاءِ بما حَمَلُوهُ وهو اليَمِينُ باللّٰهِ تَعَالٰى ثم اَخذَ المِيثَاقَ لِّيَسْـَٔلَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ فِي تَبلِيغِ الرِّسَالَةِ تَبكِيتًا لِلكَافِرِينَ بِهِم وَاَعَدَّ تعالى لِلْكٰفِرِيْنَ بِهِم عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿٨﴾ مُؤلِمًا هو عَطفٌ عَلٰى اَخَذنَا.

ع ۸ ۱۷

ترجمہ: شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے اے نبی اللہ سے ڈرتے رہئے یعنی اس کے تقویٰ پر قائم رہئے اور کافروں اور منافقوں کی وہ باتیں نہ مانئے جو آپ کی شریعت کے خلاف ہوں اللہ تعالیٰ ہونے والی شئ کا اس کے ہونے سے پہلے علم رکھتے ہیں اور جو چیز پیدا فرماتے ہیں اس کے بارے میں حکیم ہیں اور آپ کے پروردگار کی طرف سے جو حکم آپ کی طرف بذریعہ وحی یعنی بذریعہ قرآن بھیجا جاتا ہے آپ اس پر چلتے رہئے بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل سے پوری طرح باخبر ہے ایک قراءت میں تائے فوقانیہ کے ساتھ ہے اور آپ اپنے معاملہ میں اللہ ہی پر توکل رکھئے اور اللہ کارسازی کے اعتبار سے کافی ہے آپ کا محافظ ہے، اور آپ کی امت ان تمام امور میں آپ کے تابع ہے اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں بنائے یہ رد ہے بعض کفار کے اس قول کا کہ فلاں شخص کے سینے میں دو دل ہیں وہ دونوں دلوں سے محمد ﷺ سے زیادہ بہتر سمجھتا ہے اور اپنی جن بیبیوں سے تم ظہار کر بیٹھتے ہو (یعنی حرمت کی نیت سے ماں کہہ بیٹھتے ہو) انہیں اللہ نے تمہاری (حقیقی) ماں نہیں بنایا اللّٰئی ہمزہ اور ی اور بغیر ی دونوں قراءتیں ہیں تظھرون ھا سے پہلے الف اور بغیر الف دونوں صورتیں ہیں اور تاء ثانیہ اصل میں ظا میں مدغم ہے، کسی نے اپنی بیوی سے مثلاً (انتِ علیَّ کظھرِ امی) کہا یعنی ظہار کی وجہ سے حرمت میں (حقیقی) ماں کے مثل نہیں ہے ظہار کو جاہلیت میں طلاق شمار کرنے کی وجہ سے اور بلاشبہ ظہار کی وجہ سے کفارہ اس کی شرط کے ساتھ واجب ہوتا ہے جیسا کہ سورۂ مجادلہ میں ذکر کیا گیا ہے اور نہ تمہارے متبنّاؤں کو تمہارے (حقیقی) بیٹے بنایا، اَدْعِیَاءُ دَعِیٌّ کی جمع ہے، اس شخص کو کہتے ہیں جس کے ابن ہونے کی نسبت اس کے باپ کے بجائے غیر کی جانب کی گئی ہو اے یہود اور منافقو! یہ تمہارے منہ کی باتیں ہیں، جب نبی ﷺ نے اپنے متبنّیٰ زید بن حارثہ کی بیوی زینب بنت جحش سے نکاح کرلیا تو (یہود و منافقین) نے کہا تھا کہ محمد ﷺ نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرلیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بارے میں تکذیب فرمائی اور اللہ اس معاملہ میں حق بات کہتا ہے اور وہ راہ (حق) کی جانب رہنمائی کرتا ہے لیکن تم متبنّاؤں کو ان کے باپوں کی طرف نسبت کر کے پکارا کرو اللہ کے نزدیک صحیح بات یہی ہے اور اگر تم کو ان کے باپوں کا علم نہ ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی اور تمہارے چچازاد بھائی ہیں اور اگر تم سے اس معاملہ میں بھول چوک ہو جائے تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں، البتہ گناہ وہ ہے کہ ممانعت کے بعد تم قصداً کرو اور ممانعت سے پہلے تم جو کچھ کہہ چکے ہو اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا ہے اور اس بارے میں تم پر

مہربان ہے نبی مومنین پر خود کے نفسوں سے بھی زیادہ مشفق (مہربان) ہے ان چیزوں میں جن کی طرف وہ بلاتے ہیں اور ان کے نفوس اس کے خلاف کی جانب بلاتے ہیں اور ان کی ازواج ان کی مائیں ہیں ان پر ان کے نکاح کے حرام ہونے میں اور ذوی الارحام یعنی قریبی رشتہ دار کتاب اللہ کی رو سے بہ نسبت دوسرے مومنین اور مہاجرین کے آپس میں زیادہ حقدار ہیں میراث کے معاملہ میں یعنی ایمان اور ہجرت کی وجہ سے ارث سے جو ابتداء اسلام میں تھی پھر منسوخ کردی گئی مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں کے ساتھ وصیت کے ذریعہ کچھ سلوک کرنا چاہو تو جائز ہے اور یہ یعنی ایمان وہجرت کی وجہ سے میراث کا حکم ذوی الارحام کے ذریعہ منسوخ ہونا کتاب لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے کتاب سے دونوں جگہ لوح محفوظ مراد ہے اور یاد کرو ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا تھا جب کہ ان کو آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پشت سے چھوٹی چیونٹیوں کے مانند نکالا گیا تھا ذُرٌّ ذُرَّۃٌ کی جمع ہے نہایت چھوٹی چیونٹی کو کہتے ہیں، اور (بالخصوص) آپ سے اور نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اور ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام سے (عہد لیا تھا) یہ کہ اللہ کی بندگی کریں گے اور لوگوں کو اس کی بندگی کی طرف دعوت دیں گے اور تخصیص کے طور پر ان پانچ (انبیاء) کا ذکر عطف خاص علی العام کے قبیل سے ہے اور ہم نے ان سے ذمہ داری کو پورا کرنے کا نہایت پختہ عہد لیا تھا اور وہ (میثاق) اللہ تعالیٰ کی قسم تھی تاکہ اللہ تعالیٰ ان سچوں سے تبلیغ رسالت کے سلسلہ میں سچ کے بارے میں دریافت کرے ان کے منکرین کو لاجواب کرنے کے لئے اور کافروں کے لئے اللہ تعالیٰ نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے یعنی تکلیف دہ، اس کا عطف اخذنا پر ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلُہٗ: یٰاَیُّھَا النبی اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیگر انبیاء کی مانند خطاب نہیں فرمایا، دیگر انبیاء کو خطاب فرمایا یا موسیٰ یا عیسیٰ یا داؤد، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ افضل الخلق علی الاطلاق ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آپ کو تعظیم واکرام کے الفاظ سے خطاب فرمایا ہے مثلاً فرمایا۔ یٰاَیُّھا النبی، یٰاَیُّھا الرَّسول اور اگر کہیں صراحۃً آپ سے نام کے بیان کرنے کی ضرورت پیش آئی تو معاً اس کے بعد کوئی کلمہ ذکر فرمایا جو تعظیم پر دلالت کرتا ہو، مثلاً فرمایا محمد رسول اللہ۔ وما محمد اِلّا رسول وغیر ذٰلك.

قِوْلُہٗ: دُمْ علی تقواہُ اس اضافہ کا مقصد تحصیل حاصل کے شبہ کا جواب ہے، اس لئے کہ آپ تو تقویٰ پر پہلے ہی سے تھے پھر آپ کو تقویٰ کا حکم دینا یہ تحصیل حاصل ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ مقصد تقویٰ پر قائم رہنے کا حکم ہے نہ کہ انشاء تقویٰ کا یا حکم اگرچہ آپ کو ہے مگر مراد امت ہے۔

قِوْلُہٗ: کَفٰی بِاللّٰہِ میں اللہ کفٰی کا فاعل ہونے کی وجہ سے محل میں رفع کے ہے فاعل پر ب زائدہ ہے، وکیلاً تمیز ہے یا حال ہے۔

قَوْلُہٗ: وَمَا جَعَلَ اَدْعِیَاءَ کُمْ یہ آیت حضرت زید بن حارثہ بن شرحبیل کے بارے میں نازل ہوئی، دَعِیٌّ بمعنی مَدْعُوٌّ یعنی فعیلٌ بمعنی مَفْعُوْلٌ دَعِیٌّ اصل میں دَعِیْوٌ تھا واؤ اور یا ایک جگہ جمع ہوئے یا ساکن ہے واؤ کو یا کیا اور یا کو یا میں ادغام کردیا دَعِیٌّ ہوگیا لیکن دَعِیٌّ کی جمع اَدْعیاء خلاف قیاس ہے اس لئے کہ فَعِیْلٌ معتل لام کی جمع اَفعِلاءُ اس وقت آتی ہے جب فاعل کے معنی میں ہو جیسے تَقِیٌّ کی جمع اَتْقیاءُ اور غنِیٌّ کی جمع اغنیاءُ دَعِیٌّ اگرچہ معتل لام ہے مگر بمعنی مفعول ہے لہٰذا قیاس یہ تھا کہ اس کی جمع اَدْعٰی بروزن فَعْلٰی ہو جیسے قتیلٌ کی جمع قَتْلٰی اور جَرِیح کی جمع جَرْحٰی آتی ہے، لہٰذا یہ شاذ ہے۔

قَوْلُہٗ: بَنُوْ عَمِّکُمْ۔ مَوَالیکم کی تفسیر بنو عمکم سے کرنے کا مقصد معنی کی تعیین ہے اس لئے کہ مولیٰ کے بہت سے معنی آتے ہیں، منجملہ ان کے ابن عم بھی ہیں، حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا اِنی خِفْتُ المَوَالِیَ مِنْ وَرَائی یہاں مَوَالِی سے بنو عم مراد ہیں۔

قَوْلُہٗ: مَا تَعَمَّدَتْ میں مَا یا تو سابق مَا پر عطف کی وجہ سے محلاً مجرور ہے یا ابتداء کی وجہ سے مرفوع ہے اور خبر محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی ولکن ما تعمّدت تُؤاخَذُوْنَ به اَرْحامٌ جمع رَحِم بمعنی قرابت اَوْلٰی بِبَعْضٍ ای بِاِرْثِ بعضٍ شارح نے فی الارث کا اضافہ حذف مضاف کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کیا ہے فی کتاب اللّٰہ اَوْلٰی سے متعلق ہے ای ھٰذہ الاولویة ثابت فی کتاب اللّٰہ من المؤمنین کا تعلق بھی اَوْلٰی کے ساتھ ہے یعنی قرابت دار مومنین اجانب مہاجرین سے ارث کے زیادہ مستحق ہیں اِلَّا اَنْ تَفْعَلُوْا شارح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اِلَّا کی تفسیر لکن سے کرکے اشارہ کردیا کہ یہ مستثنیٰ منقطع ہے۔

قَوْلُہٗ: اَنْ تفعلُوْا بتاویل مصدر ہوکر مبتداء ہے اور اس کی خبر محذوف ہے شارح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فجائزٌ مقدر مان کر حذف خبر کی جانب اشارہ کردیا، تفعَلوا چونکہ تَوَصَّلُوْا کے معنی کو متضمن ہے لہٰذا اس کا صلہ الٰی لانا درست ہے۔

قَوْلُہٗ: بِاِرْثِ ذَوِی الارحام یہ نسخٌ سے متعلق ہے۔

قَوْلُہٗ: وَاِذْ اَخَذْنَا یہ اذکر محذوف کی وجہ سے محلاً منصوب بھی ہوسکتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ فی الکتاب کے محل پر عطف ہو تو اس وقت عامل مسطورًا ہوگا ای کان ھٰذا الحکم مسطورًا فی الکتاب وقت اَخَذْنا.

قَوْلُہٗ: وَاَعَدَّ اس کا عطف اَخَذْنَا پر ہے۔

تفسیر و تشریح

سورۂ احزاب بالاتفاق مدنی ہے اس میں تہتر آیتیں ہیں، اس سورت میں چونکہ واقعۂ غزوۂ احزاب مذکور ہے اس لئے اس کا نام سورۂ احزاب رکھا گیا، اس کے بیشتر مضامین نبی کریم ﷺ اور صحابہ کی مدح نیز منافقین کی مذمت وشناعت پر مشتمل ہیں، یہ سورۃ سورۂ بقرہ کے برابر تھی اور اسی میں آیت رجم الشیخ والشیخۃُ اِذَا زَنَیَا فارْجُموھما البتۃ

نکالاً مِنَ اللّٰہِ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ تھی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے موجودہ مقدار کے علاوہ بقیہ کو اٹھالیا، روافض کہتے ہیں کہ سورۂ احزاب کا کچھ حصہ ایک صحیفہ پر مکتوب تھا جو حضرت عائشہ (صدیقہ) کے گھر میں تھا اس کو بکری کھا گئی، یہ قول روافض اور زنادقہ کی تصنیف ہے، آیت رجم کے الفاظ اگرچہ منسوخ ہو گئے مگر حکم باقی ہے۔ (جمل)

شان نزول:

اس سورت کے شان نزول میں چند واقعات منقول ہیں:

❶ پہلا واقعہ:

یہ کہ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف فرما ہوئے، تو مدینہ کے آس پاس یہود کے قبائل بنو قریظہ، بنو نضیر، بنو قینقاع وغیرہ آباد تھے، آپ ﷺ کی خواہش اور کوشش یہ تھی کہ کسی طرح یہ لوگ مسلمان ہو جائیں، اتفاقاً ان یہودیوں میں سے چند آدمی آپ کی خدمت میں آنے لگے، اور منافقانہ طور پر اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے لگے، آپ ﷺ نے اس کو غنیمت سمجھا کہ کچھ لوگ اگر مسلمان ہو جائیں تو دوسروں کو دعوت دینا آسان ہو جائے گا، اس لئے آپ ان کے ساتھ خاص مدارات کا معاملہ فرماتے تھے اور ان کے آنے والے ہر چھوٹے بڑے کا اکرام فرماتے اور ان کی بعض غلطیوں کو نظر انداز بھی فرماتے، اس واقعہ پر سورۂ احزاب کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ (قرطبی)

❷ دوسرا واقعہ:

ابن جریر نے حضرت ابن عباس رَضِوَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے نقل کیا ہے کہ ہجرت کے بعد کفار مکہ میں سے ولید بن مغیرہ اور شیبہ بن ربیعہ مدینہ طیبہ آئے اور آنحضرت ﷺ کے سامنے یہ پیش کش کی کہ ہم قریش مکہ کے نصف اموال آپ کو دیدیں گے اگر آپ اپنے دعوے کو چھوڑ دیں، اور مدینہ طیبہ کے منافقین اور یہود نے آپ ﷺ کو یہ دھمکی بھی دی کہ اگر آپ نے اپنے دعوائے نبوت سے رجوع نہ کیا تو ہم آپ کو قتل کر دیں گے، اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ (روح)

❸ تیسرا واقعہ:

روایت کیا گیا ہے کہ ابوسفیان بن حرب اور عکرمہ بن ابی جہل اور ابوالاعور سلمی اس زمانہ میں جبکہ صلح حدیبیہ کی وجہ سے آپس میں ناجنگ معاہدہ ہو چکا تھا، مدینہ طیبہ آئے اور عبداللہ بن اُبیّ رئیس المنافقین کے یہاں اترے، اور آپ ﷺ نے ان کو ملاقات کرنے اور گفتگو کرنے کی اجازت دیدی، ان کے ساتھ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح اور طعمہ بن ابیرق بھی آئے حضرت

عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اس وقت آپ ﷺ کی خدمت میں موجود تھے، ان حضرات نے گفتگو کا سلسلہ شروع کرتے ہوئے عرض کیا کہ آپ ہمارے معبودوں کا برائی سے ذکر کرنا چھوڑ دیں اور صرف اتنا کہہ دیں کہ یہ بت بھی اپنے عابدین کی شفاعت کریں گے، اگر آپ اتنا کریں تو ہم آپ کو اور آپ کے رب کو چھوڑ دیں گے، جھگڑا ختم ہو جائے گا، یہ بات آپ کو اور مسلمانوں کو سخت ناگوار ہوئی، حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول آپ اجازت دیجئے میں ان کو قتل کر دوں، آپ نے فرمایا میں ان سے معاہدۂ امن کر چکا ہوں، اس لئے ایسا نہیں ہو سکتا اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں (روح واعراب القرآن للدرویش ملخصاً) یہ روایات اگرچہ مختلف ہیں مگر ان میں کوئی تضاد نہیں یہ سب واقعات بھی نزول کا سبب ہو سکتے ہیں۔

ان آیتوں میں رسول اللہ ﷺ کو دو حکم دیئے گئے ہیں: ① اِتَّقِ اللّٰہَ یعنی اللہ سے ڈرتے رہو، ② لَا تُطِعِ الکافرینَ یعنی کافروں کا کہنا نہ مانو، اللہ سے ڈرنے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ ان لوگوں کا قتل عہد شکنی ہے جو حرام ہے، اور کفار کی بات نہ ماننے کا حکم اس لئے کہ ان تمام واقعات میں کفار کی جو فرمائشیں ہیں وہ ماننے کے قابل نہیں، مذکورہ دونوں حکموں پر اگرچہ آپ پہلے ہی سے عامل تھے اس کے باوجود حکم دینے کا مطلب یہ ہے کہ گذشتہ کی طرح آئندہ بھی پابند رہئے۔ (روح)

بعض مفسرین نے فرمایا کہ مذکورہ آیات میں اگرچہ خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے مگر مراد امت ہے آپ تو معصوم تھے آپ سے احکام الٰہیہ کی خلاف ورزی کا کوئی احتمال نہیں تھا، مگر قانون پوری امت کے لئے ہے۔

ابن کثیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا کہ اس آیت میں کفار و مشرکین کی اطاعت سے منع کرنے کا مقصد آپ کو ان سے مشورہ کرنے اور ان کو اہمیت دینے نیز ان کو زیادہ مجالست کا موقع فراہم کرنے سے منع کیا گیا ہے اس لئے کہ بعض اوقات ایسے مشورے اور باہمی روابط بات ماننے کا سبب بن جایا کرتے ہیں اگرچہ آپ ﷺ سے ان کی بات مان لینے کا کوئی احتمال نہیں تھا مگر ان کو اپنے مشوروں میں شریک کرنے سے بھی روک دیا گیا ہے، تو یہاں درحقیقت آپ کو اسباب اطاعت سے منع کیا گیا ہے نفس اطاعت کا تو آپ سے احتمال ہی نہ تھا۔

فَائِدَہ: اس سے معلوم ہوا کہ امور دین میں کفار سے مشورہ لینا بھی جائز نہیں دیگر امور جن کا تعلق تجربے یا مہارت وغیرہ سے ہو تو ان میں مشورہ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (واللہ اعلم)۔

مَا جَعَلَ اللّٰہُ لِرَجُلٍ من قلبین فی جوفہٖ سابقہ آیات میں رسول اللہ ﷺ کو کفار و منافقین کے مشوروں پر عمل کرنے اور ان کو مشوروں میں شریک کرنے سے منع فرمایا تھا، آیات مذکورہ میں کفار میں چلی ہوئی رسموں اور باطل خیالات کی تردید ہے، پہلی بات یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں عرب لوگ ایسے شخص کے بارے میں جو غیر معمولی ذہین ہو کہا کرتے تھے کہ اس کے سینے میں دو دل ہیں، چنانچہ ابو معمر جمیل بن اسد الفہری جو کہ نہایت ذہین شخص تھا اس کے بارے میں عرب کا یہی خیال تھا، اس کا لقب ہی ذوالقلبین پڑ گیا۔

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ منافقین کہا کرتے تھے کہ محمد ﷺ کے سینے میں دو قلب ہیں ایک ہمارے ساتھ ہے اور ایک مسلمانوں کے ساتھ تو اللہ تعالیٰ نے اس باطل خیال کی مذکورہ آیت میں تردید فرمائی ہے۔

دوسری بات یہ کہ عرب میں یہ رسم تھی کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے ظہار کر لیتا یعنی اس کو اپنی محرمات ابدیہ جیسا کہ ماں، بہن وغیرہ کے ساتھ تشبیہ دیدیتا تو اس کو ہمیشہ کے لئے حرام سمجھا جاتا تھا۔

تیسری بات یہ کہ عرب میں متبنیٰ کو حقیقی بیٹا سمجھا جاتا تھا اور منہ بولا بیٹا تمام احکام میں حقیقی بیٹے کے مانند ہوتا تھا، مثلاً میراث میں حقیقی بیٹے کے مانند شریک ہوتا تھا، اور جس طرح نسبی رشتے بیٹے کے لئے حرام ہوتے ہیں اسی طرح متبنیٰ کے لئے بھی ان سے نکاح کرنا حرام سمجھا جاتا تھا، جس طرح حقیقی بیٹے کی بیوی سے طلاق دینے کے باوجود نکاح حرام ہے، اسی طرح متبنّٰی کی بیوی سے بھی نکاح حرام سمجھا جاتا تھا۔

زمانۂ جاہلیت کے یہ تین باطل خیالات اور رسوم تھیں جن میں سے پہلی بات کا تعلق مذہبی عقیدے سے نہیں ہے یہ تو محض طبی اور فنی مسئلہ ہے کہ ایک شخص کے دو دل ہو سکتے ہیں یا نہیں اس کی تردید کی بھی چنداں ضرورت نہیں تھی، مگر اس کی تردید بقیہ دو مسئلوں کی تمہید و تائید کے طور پر کی گئی ہے، یعنی جس طرح اہل جاہلیت کا یہ کہنا باطل ہے کہ کسی شخص کے سینے میں دو دل ہو سکتے ہیں اور اس کے بطلان کو خاص و عام سب ہی جانتے ہیں، اسی طرح ظہار اور متبنّٰی کے مسائل میں بھی ان کے خیالات باطل ہیں، باقی دو مسئلے یعنی ظہار اور متبنیٰ کے احکام یہ ان معاشرتی اور عائلی مسائل میں سے ہیں جن کی اسلام میں خاص اہمیت ہے، حتی کہ ان کی جزئیات بھی حق تعالیٰ نے قرآن میں خود ہی بیان فرمائی ہیں۔

وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ اللائی تُظٰهِرُوْنَ منهن اُمَّهَاتكم یعنی یہ تمہارا خیال غلط ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو (حرمت کی نیت سے) ماں کے برابر یا مثل کہہ دیا تو وہ ماں کی طرح اس کے واسطے ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی تمہارے کہنے سے بیوی حقیقی ماں نہیں ہو جاتی، تمہاری حقیقی ماں تو وہی ہے جس کے بطن سے تم پیدا ہوئے ہو، اس آیت نے اہل جاہلیت کے اس خیال کو باطل کر دیا کہ ظہار سے حرمت مؤبدہ ثابت ہو جاتی ہے۔

دوسرا مسئلہ متبنّٰی بیٹے کا ہے، مطلب یہ ہے کہ جس طرح کسی انسان کے دو دل نہیں ہوتے اور جس طرح بیوی ماں کہنے سے ماں نہیں بن جاتی، اسی طرح متبنّٰی بھی تمہارا حقیقی بیٹا نہیں ہو سکتا، یعنی متبنّٰی دوسرے حقیقی بیٹوں کے ساتھ نہ میراث میں شریک ہوگا اور نہ حرمت نکاح کے مسائل میں۔

چونکہ اس آخری معاملہ کا اثر بہت سے معاملات پر پڑتا ہے اس لئے یہ حکم نافذ کر دیا گیا کہ متبنّٰی بیٹے کو جب پکارو تو اصلی باپ کی طرف منسوب کر کے پکارو، کیونکہ اس سے بہت سے معاملات میں اشتباہ پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابن عمر رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰیٰ عَنْہُ کی حدیث ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ہم نے زید بن حارثہ کو زید بن محمد کہنا چھوڑ دیا۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بالمؤمنین (الآیة) نبی ﷺ مومنین کے ساتھ تو ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں، کیونکہ انسان کا نفس تو کبھی اس کو نفع پہنچاتا ہے، اور کبھی نقصان، بخلاف رسول اللہ ﷺ کے کہ آپ کی تعلیم نفع ہی نفع ہے اور خیر ہی خیر ہے، اس لئے کہ اپنے نفس کو تو خیر و شر اور منفعت و مضرت میں مغالطہ بھی ہو سکتا ہے اور نفس کو مصالح و مضار کا پورا علم بھی نہیں، بخلاف رسول

اللہ ﷺ کے کہ آپ کی تعلیمات میں کسی مغالطہ کا خطرہ ہی نہیں، جب نفع رسانی میں رسول اللہ ﷺ ہماری جان اور نفس سے بھی زیادہ ہیں تو ان کا حق بھی ہم پر ہماری جان سے زیادہ ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ کی ہر کام میں اطاعت کریں اور آپ ﷺ کی تکریم و تعظیم تمام مخلوقات سے زیادہ کریں، اور آپ کی ازواج مطہرات مومنین کی مائیں ہیں اور آپ ﷺ تمام امت کے روحانی باپ ہیں جو ان کی اپنی ذات سے بھی زیادہ ان پر شفیق و مہربان ہیں، اسی مناسبت سے آپ کی ازواج مطہرات جو کہ امت کی روحانی مائیں ہیں، یعنی ان کی تکریم و تعظیم اپنی حقیقی ماؤں کی طرح ہے۔

اس آیت میں آنحضرت ﷺ کو امت کا روحانی باپ اور آپ کی ازواج کو امت کی مائیں قرار دیا ہے تو اس سے بھی اسی طرح کا التباس اور اشتباہ ہوسکتا تھا جس طرح کا اشتباہ متبنّی کو اس کے غیر حقیقی باپ کی طرف منسوب کرنے میں ہوتا تھا جس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا تھا کہ امت کے مسلمان سب آپس میں بھائی بہن ہوجائیں جس کی وجہ سے آپس میں نکاح کا تعلق حرام ہوجائے، اور میراث کے احکام میں بھی ہر مسلمان دوسرے کا وارث قرار دیا جائے، اس التباس کو دور کرنے کے لئے آیت کے آخر میں فرمایا وَاُولُوا الْاَرْحَام بَعْضُهُمْ اولی ببعض (الآیة) کتاب اللہ یعنی حکم شرعی میں ایک دوسرے سے میراث کا بہ نسبت دیگر مومنین و مہاجرین کے زیادہ تعلق رکھتے ہیں، ابتداء ہجرت میں ایمانی اخوت کی بناء پر مہاجرین کو انصار کی میراث کا حقدار بنا دیا گیا تھا مگر بالآخر تقسیم میراث رشتہ داری اور ارحام کی بناء پر رہے گی، البتہ حسن سلوک رفیقوں اور دوستوں سے وصیت کے ذریعہ کیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ یہ وصیت تہائی متروکہ مال سے زیادہ نہ ہو۔ (الآیة)

میثاقِ انبیاء:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّيْنَ مِيْثَاقَهُمْ. آیت مذکورہ میں جو انبیاء علیہم السلام سے عہد و قرار لینے کا ذکر ہے وہ اس اقرار عام کے علاوہ ہے جو تمام مخلوق سے لیا گیا تھا، جیسا کہ مشکوٰۃ میں بروایت امام احمد مرفوعاً آیا ہے، کہ خُصُّوْا بمیثاق الرسالة والنُّبوَّة وهو قوله تعالیٰ وَاِذْ اَخذنا من النبیین میثاقَهم. (الآیة)

یہ عہد انبیاء علیہم السلام سے نبوت و رسالت کے فرائض ادا کرنے اور باہم ایک دوسرے کی تصدیق اور مدد کرنے کا عہد تھا، جیسا کہ ابن جریر و ابن ابی حاتم وغیرہ نے حضرت قتادہ سے روایت کیا ہے، اور ایک روایت میں اس عہد نامہ میں یہ بھی شامل تھا کہ وہ سب اس کا بھی اعلان کریں کہ محمد رسول اللّٰه لانبی بعدهٗ محمد رسول اللہ خاتم النبیین ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، اور یہ میثاق انبیاء بھی ازل میں اسی وقت لیا گیا تھا، جبکہ عام مخلوق سے الستُ بربکم کا عہد لیا گیا تھا (روح، مظہری) انبیاء علیہم السلام کے عام ذکر کے بعد ان میں سے پانچ انبیاء کا خصوصی ذکر ان کے اس خاص امتیاز و شرف کی بناء پر کیا گیا جو ان کو زمرۂ انبیاء میں حاصل ہے اور ان میں بھی آنحضرت ﷺ کو مقدم کیا گیا حالانکہ آپ کی بعثت سب کے بعد ہے، اس کی وجہ خود حدیث میں بیان کی گئی ہے، کنتُ اول الناس فی الخلق و آخرهم فی البعث دوسری وجہ یہ کہ آپ تمام انبیاء میں افضل ہیں اس لئے ذکراً بھی آپ کو مقدم کردیا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ مِنَ الكُفَّارِ مُتحزِّبُونَ اَيَّامَ حَفْرِ الْخَنْدَقِ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا مَلائِكَةً وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ اى بالتَّاء مِنْ حَفْرِ الْخَنْدَقِ وبالياءِ مِنْ تَخْرِيْبِ الْمُشْرِكِيْنَ بَصِيْرًا ﴿٩﴾ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ اى مِن اَعْلَى الوَادِىْ وَاَسْفَلِهٖ مِنَ المشرِقِ والمَغْرِبِ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ مَالَتْ عَنْ كُلِّ شَيْئٍ اِلَى عَدُوِّهَا مِنْ كُلِّ جانِبٍ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ جَمْعُ حَنْجَرَةٍ وهِىَ مُنْتَهى الْحُلْقُوْمِ مِنْ شِدَّةِ الْخَوْفِ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ﴿١٠﴾ المُخْتَلِفَةَ بالنَّصْرِ واليَاسِ هُنَالِكَ ابْتُلِىَ الْمُؤْمِنُوْنَ اُخْتُبِرُوا لِيَتَبَيَّنَ المُخْلِصُ مِنْ غَيْرِهٖ وَزُلْزِلُوْا حُرِّكُوا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ﴿١١﴾ مِن شِدَّةِ الفَزَعِ وَاذْكُرْ اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ضُعْفُ اِعْتِقَادٍ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ بالنَّصْرِ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿١٢﴾ بَاطِلاً وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اى المُنَافِقِيْنَ يٰۤاَهْلَ يَثْرِبَ هِىَ اَرْضُ المَدِيْنَةِ ولم تَنْصَرِفْ لِلْعَلَمِيَّةِ وَوَزْنِ الْفِعْلِ لَا مُقَامَ لَكُمْ بِضَمِّ المِيمِ وفتحِها اى لا اِقَامَةَ ولامَكانَةَ فَارْجِعُوْا اِلَى مَنَازِلِكُمْ مِنَ المدِيْنَةِ وكانُوْا خَرَجُوْا مَعَ النَّبِيِّ صلى اللّٰهُ عليهِ وسلَّمَ اِلَى سَلَعٍ جَبَلٍ خارِجَ المَدِينةِ لِلْقِتَالِ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِىَّ فى الرُّجُوعِ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ غَيْرُ حَصِيْنَةٍ نَخْشٰى عليها قال تعالٰى وَمَا هِىَ بِعَوْرَةٍ اِنْ ما يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿١٣﴾ مِنَ القِتَالِ وَلَوْ دُخِلَتْ اى المَدِيْنة عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا نَوَاحِيْهَا ثُمَّ سُئِلُوا اى سَاَلَهُم الداخِلُونَ الْفِتْنَةَ الشِّرْكَ لَاٰتَوْهَا بالمَدِّ والقَصْرِ اى اَعْطَوْهَا وفَعَلُوهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَاۤ اِلَّا يَسِيْرًا ﴿١٤﴾ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا ﴿١٥﴾ عَنِ الوَفاءِ بِهٖ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا اِنْ فَرَرْتُم لَّا تُمَتَّعُوْنَ فى الدُّنيا بَعْدَ فِرَارِكُم اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٦﴾ بَقِيَّةَ آجَالِكُمْ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِىْ يَعْصِمُكُمْ يُجِيْرُكم مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اِهْلاكًا اَوْ هَزِيْمَةً اَوْ يُصِيْبُكم بِسُوْءٍ ان اَرَادَ اللّٰه بِكُمْ رَحْمَةً خَيْرًا وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اى غَيْرِهٖ وَلِيًّا يَنْفَعُهم وَّلَا نَصِيْرًا ﴿١٧﴾ يَدْفَعُ الضُّرَّ عنهم قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ المُثَبِّطِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ تَعَالَوْا اِلَيْنَا وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ القِتَالَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٨﴾ رِيَاءً وسُمْعَةً اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ بالمُعَاوَنَةِ جمعُ شَحِيحٍ وهو حالٌ مِن ضَمِيرِ ياتُونَ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِىْ كَنظرِ او كَدَوَرَانِ الذى يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ اى سَكَرَاتِهٖ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ وحِيزَتِ الغَنَائِمُ سَلَقُوْكُمْ اٰذَوْكم وضَرَبُوْكم بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ اى الغَنِيْمَةِ يَطْلُبُونها اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا حَقِيْقَةً فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ وَكَانَ ذٰلِكَ الاِحْبَاطُ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿١٩﴾ بِاِرَادَتِهٖ يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ من الكُفَّارِ لَمْ يَذْهَبُوْا اِلَى مَكَّةَ لِخَوْفِهِم مِنهم وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ كَرَّةً اُخْرَى يَوَدُّوْا يَتَمَنَّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِى الْاَعْرَابِ اى كائِنُونَ فى البَادِيَةِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ اَخْبَارِكم مع الكُفَّارِ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ

مع عند التقدیمی

بہذہ الکرّۃ مَا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۲۰﴾ ریاءً وخوفًا مِنَ التَّعییرِ.

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے اوپر اللہ کے انعام کو یاد کرو جبکہ تم پر کفار کے بہت سے لشکر خندق کھودنے کے ایام میں (متحدہ محاذ) بنا کر چڑھ آئے تھے تو ہم نے ان پر آندھی بھیجی اور فرشتوں کی ایسی فوج بھیجی کہ جو تم کو نظر نہ آتی تھی اور اللہ تعالیٰ تمہارے خندق وغیرہ کھودنے کے عمل کو دیکھ رہا تھا (تعملون) میں تا اور یاء کے ساتھ اور مشرکین کی گروہ بندی (متحدہ محاذ) کو دیکھ رہا تھا، جبکہ (دشمن) تمہارے اوپر یعنی وادی کے اوپر کی جانب سے اور نیچے کی جانب سے چڑھ آئے تھے یعنی مشرق ومغرب کی جانب سے اور جبکہ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں (یعنی) ہر طرف سے چڑھ آنے والے اپنے دشمن کی طرف لگی ہوئی تھیں اور شدت خوف کی وجہ سے کلیجے منہ کو آنے لگے تھے (حناجر) حنجرۃ کی جمع ہے حنجرۃ حلق کے آخری حصہ کو کہتے ہیں اور تم اللہ کی نسبت مدد اور ناامیدی کے طرح طرح کے گمان کر رہے تھے اس موقع پر مومنوں کو آزمایا گیا تاکہ مخلص غیر مخلص سے ممتاز ہو جائے اور شدید خوف کے شدید زلزلے میں ڈالے گئے اور اس وقت کو یاد کیجئے جبکہ منافق اور وہ لوگ جن کے قلوب میں ضعف اعتقاد کا مرض تھا کہہ رہے تھے کہ ہم سے تو اللہ اور اس کے رسول نے نصرت کا محض دھوکے کا وعدہ کیا ہے اور جبکہ ان میں یعنی منافقوں میں سے ایک جماعت نے کہا اے یثرب والو! یہ مدینہ کے علاقہ کا نام ہے علمیت اور وزن فعل کی وجہ سے غیر منصرف ہے کہ تمہارے لئے ٹھہرنے کا موقع نہیں (مقام) میں میم کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ نہ ٹھہرنے کا موقع اور نہ ٹھہرنے کا مقام اپنے گھروں یعنی مدینہ لوٹ چلو اور یہ لوگ آپ ﷺ کے ساتھ جہاد کے لئے مدینہ سے باہر جبل سلع تک نکلے تھے، اور ان میں سے بعض لوگ نبی سے یہ کہہ کر واپس لوٹنے کی اجازت طلب کر رہے تھے کہ ہمارے گھر خالی (یعنی) غیر محفوظ ہیں ہمیں اپنے گھروں کے بارے میں (دشمن) کا اندیشہ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں ہیں، ان کا ارادہ قتال سے بھاگ کھڑے ہونے ہی کا تھا اور اگر مدینہ میں ان کے اوپر اطراف (مدینہ) سے لشکر چڑھا دیئے جائیں پھر ان سے داخل ہونے والے فتنہ شرک کا مطالبہ کریں تو یہ اس کو منظور کر لیں (لآتوھا) میں مد اور قصر دونوں ہیں یعنی اس کو منظور کر لیں اور کر گذریں اور گھر میں بہت ہی کم ٹھہریں حالانکہ یہ لوگ پہلے اللہ سے عہد کر چکے ہیں کہ پیٹھ نہ پھیریں گے اللہ سے جو عہد کیا جاتا ہے اس کی وفا کے بارے میں باز پرس ہوگی، آپ فرما دیجئے کہ تم کو بھاگنا کچھ فائدہ نہ دے گا اگر تم موت سے یا قتل سے بھاگتے ہو اور اگر تم بھاگے تو فرار کے بعد دنیا میں بجز تھوڑے دنوں کے یعنی بجز بقیہ مدت حیات کے مستفید نہیں ہو سکتے اور یہ بھی فرما دیجئے کہ وہ کون ہے جو تم کو اللہ سے بچا سکے اگر وہ تمہارے ساتھ برائی یعنی ہلاکت یا ہزیمت کا ارادہ کرے یا وہ کون ہے جو تم کو تکلیف پہنچا سکے اگر اللہ تمہارے ساتھ خیر کا معاملہ کرنا چاہے؟ اور نہ وہ خدا کے سوا اپنا کوئی حمایتی پائیں گے کہ ان کو نفع پہنچا سکے اور نہ مددگار کہ ان سے ضرر کو دفع کر سکے اللہ تعالیٰ تم میں سے ان کو جانتا ہے جو دوسروں کو روکنے والے ہیں اور اپنے بھائی

بندوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے پاس چلے آؤ، اورلڑائی میں شریک نہیں ہوتے مگر بہت کم دکھانے اور سنانے (ریاکاری) کے لئے، معاونت کے بارے میں تمہارے حق میں پورے بخیل ہیں اَشِحَّةٌ شحیحٌ کی جمع ہے، اور وہ یاتون کی ضمیر سے حال ہے اور جب خوف کا موقع آجائے تو آپ انہیں دیکھیں گے کہ وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھنے لگتے ہیں کہ ان کی آنکھیں چکرا جاتی ہیں، اس شخص کی نظر کے مانند یا اس شخص کے چکرانے کے مانند کہ جس پر نزع کی بیہوشی چھا گئی ہو اور جب خوف جاتا رہتا ہے اور اموال غنیمت جمع کئے جاتے ہیں تو تم کو تیز تیز زبانوں سے ایذاء پہنچاتے ہیں طعنے دیتے ہیں اور مال غنیمت پر بڑے حریص ہیں اس کا مطالبہ کرتے ہیں یہ لوگ حقیقت میں ایمان نہیں لائے تو اللہ نے ان کے اعمال بیکار کردیئے اور یہ بیکار کرنا اللہ کے لئے اس کی مشیئت سے بہت آسان ہے ان لوگوں کا یہ خیال ہے کہ کافروں کی یہ جماعتیں ابھی مکہ مکرمہ گئی نہیں ہیں ان سے خوف زدہ ہونے کی وجہ سے اور اگر (بالفرض) یہ جماعتیں پھر لوٹ آئیں تو یہ اس بات کو پسند کریں کہ کاش ہم دیہاتوں میں باہر جا رہیں یعنی دیہاتوں میں سکونت اختیار کرلیں، اور کافروں کے ساتھ تمہاری لڑائی کی خبریں معلوم کرتے رہیں اور اگر اس مرتبہ وہ تمہارے ساتھ ہوتے تو بھی بہت کم لڑتے ریاکاری کے طور پر اور عار کے خوف سے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہٗ: جُنُوْدٌ جمع جُنْدٍ بمعنی لشکر، قریش، غطفان، اور یہود بنی نضیر وغیرہ کے لشکر مراد ہیں۔

قِوْلَہٗ: اِذ جاءَ تْکُمْ، نِعْمَةَ اللّٰه سے بدل ہے، اس میں عامل اُذْکُرُوْا ہے۔

قِوْلَہٗ: مُتَحَزِّبُوْنَ ای مُجْتَمِعُوْنَ. متحدہ محاذ۔

قِوْلَہٗ: اِذْ جاء وکُمْ یہ اِذْ جَاءَ تْکُمْ سے بدل ہے، ظُنُوْنَا میں نافع اور ابن عامر اور ابوبکر نے مصحف امام (یعنی مصحف عثمانی) کی رعایت کرتے ہوئے وقفًا و وصلًا الف کے ساتھ پڑھا ہے اور ابوعمر وحمزہ نے دونوں حالتوں میں حذف الف کے ساتھ پڑھا ہے۔

قِوْلَہٗ: بالنصرِ والیاسِ نصرت کی امید رکھنے والے مومنین مخلصین تھے اور ناامید ہونے والے منافقین تھے۔

قِوْلَہٗ: زِلْـــزَالًا زا کے کسرہ کے ساتھ یہ عام قراءت ہے اور بعض حضرات نے زا کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اس لئے کہ فِعْلَالٌ کے دونوں مصدر آتے ہیں جیسے زِلْـزَالٌ، قِـلْقَالٌ، وصِلْصَالٌ کبھی زَالزَالٌ بالفتح اسم فاعل کے معنی میں بھی آتا ہے، جیسے زَلْزَال بمعنی مُزَلْزِلٌ.

قِوْلَہٗ: اِذ قالت طائفة قائل منافق اوس بن قیظی اور اس کے اصحاب ہیں لَا مُقَامَ قراءت حفص میں میم کے ضمہ کے ساتھ ہے اور بقیہ حضرات کے نزدیک فتحہ کے ساتھ ہے، قول الشارح لَا اِقَـامَةَ بمعنی ٹھہرنا مُـقَـامٌ بالضمہ کی تفسیر ہے اور لَا

مَکَانَۃَ بمعنی موضع قیام یہ مقام بالفتح کی تفسیر ہے۔

قَوْلُہٗ: یَثْرِبَ حدیث شریف میں مدینہ کو یثرب کہنے سے منع کیا گیا ہے اس لئے کہ یہ ثَرْبٌ سے مشتق ہے جس کے معنی ملامت اور تعفُّف کے ہیں، کہا گیا کہ قوم عمالقہ کا ایک شخص جس کا نام یَثْرِبْ تھا وہ اس جگہ سب سے پہلے فروکش ہوا تھا، اسی وجہ سے اس مقام کا نام یثرب ہو گیا، آپ ﷺ نے اس کا نام طَیْبَۃ، طابۃ، قُبَّۃُ الإسلام اور دار الھجرت رکھا۔

(اعراب القرآن للدرویش ملخصًا)

قَوْلُہٗ: سَلْعٌ مدینہ کے قریب ایک پہاڑ کا نام ہے اور شارح کا قول جبلٍ خارج المدینۃ سَلْعٌ کی تفسیر ہے۔

قَوْلُہٗ: فارجعوا میں فافصیحہ ہے ای اِن سمِعْتم نُصْحِی فارْجِعُوْا یعنی اگر تم نے میری نصیحت سن لی تو لوٹ جاؤ اور وَیَسْتَاذِن کا عطف قالَتْ پر ہے، حکایت حال ماضیہ کے طور پر مضارع کا صیغہ لایا گیا ہے یقولون جملہ حالیہ یا مفسرہ ہے جو یَسْتأذِنُ کی تفسیر کر رہا ہے۔

قَوْلُہٗ: وَلَوْ دُخِلَتِ المَدینۃ ای لَوْ دَخلَتِ الاحزابُ المدینۃَ ثم سُئِلُوْا ای المنافقون.

قَوْلُہٗ: اَلْفِتْنَۃَ ای الکُفرَ وَالرِّدۃَ.

قَوْلُہٗ: لَاٰتَوْھَا میں لام جواب قسم پر داخل ہے یعنی کفر وردۃ کو فوراً بلا تاخیر منظور کرلیں اور بعض حضرات نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ کفر وردۃ کا مطالبہ پورا کرنے کے بعد مدینہ میں زیادہ وقت نہ ٹھہر سکیں گے فوراً ہی نکال دیئے جائیں یا قتل کر دیئے جائیں گے۔ (بیضاوی، جمل)

قَوْلُہٗ: لَا یُوَلُّوْنَ یہ جواب قسم ہے اس لئے کہ عَاھَدُوْا معنی میں اَقْسَمُوْا کے ہے۔

قَوْلُہٗ: اِنْ فررتم شرط ہے اس کا جواب لن ینفعکم مقدم ہے یا ماقبل کی دلالت کی وجہ سے محذوف بھی ہو سکتا ہے۔

قَوْلُہٗ: اَلْمُعَوِّقِیْنَ یہ مُعَوِّقٌ اسم فاعل کی جمع ہے اس کے معنی ہیں روکنے والے۔

قَوْلُہٗ: ھَلُمَّ ای تَعَالَوْا ھَلُمَّ بنی تمیم اور حجازیین کے نزدیک فعل امر ہے مگر فرق یہ ہے کہ بنو تمیم کے نزدیک اس پر علامات تثنیہ و جمع و تذکیر و تانیث لاحق ہوتی ہیں یعنی ھَلُمَّا ھَلُمُّوا ھَلْمِّتْ وغیرہ کہہ سکتے ہیں، اور حجازیین کے نزدیک اس کا صرف واحد مذکر ہی کا صیغہ آتا ہے، شارح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے ھَلُمَّ کی تفسیر تعالوا سے کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ وہ ھَلُمَّ کے بارے میں حجازی مذہب کے قائل ہیں۔

قَوْلُہٗ: اَشِحَّۃً یہ شحیحٌ کی جمع ہے اس کے معنی ہیں حریص مع البخل، اَشِحَّۃً منصوب بالذم ہے یا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے بعض حضرات نے ھم مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع بھی پڑھا ہے۔

قَوْلُہٗ: رأیتَھُمْ اِلَیْکَ یہ منافقین کی بزدلی اور ان کے خوف کی کیفیت کا بیان ہے، بزدلی اور خوف کی دو وجہیں تھیں، اول مشرکین کے ساتھ قتال کا خوف دوسرے آنحضرت ﷺ کے غالب ہو جانے کا خوف، یَنْظُرُوْنَ اِلَیْکَ خوفًا من القتال کا تعلق پہلی صورت سے ہے اور تَدُوْرُ اَعْیُنُھُمْ کا تعلق دوسری صورت سے ہے۔

قَوْلُهٗ: ینظرون جملہ حالیہ ہے اس لئے کہ مراد رویت بصریہ ہے۔

قَوْلُهٗ: کنظرِ او دَوْرانِ شارح کا مقصد اس عبارت سے یہ بتانا ہے کہ کالَّذِیْ یُغْشٰی علیه میں دو صورتیں ہیں اول یہ کہ یہ یَنْظُرُوْنَ کے مصدر محذوف کی صفت ہو ای یـنظُرُوْنَ اِلَیْكَ نظرًا کنظر الَّذِیْ یُغشٰی علیه دوسرے یہ کہ تَدُوْرُ کے مصدر محذوف کی صفت ہو ای تَدُوْرُ دَوْرانًا کدورانِ عینِ الَّذِیْ یُغشٰی علیه.

قَوْلُهٗ: سلَقَ (ض) سلقا زبان سے تیز بات کہنا سلَقَهٗ بالکلام اس کو تیز بات کہی، طعنہ دیا۔

قَوْلُهٗ: بادُوْنَ یہ بادٍ کی جمع ہے، دیہاتی، دیہات کا باشندہ، یعنی کاش وہ دیہات کے باشندے ہوتے یَسئلُوْنَ جملہ ہوکر بادُوْنَ کی خبر ہے۔

تفسیر و تشریح

غزوۂ احزاب اور اس کا پس منظر:

سابقہ آیات میں رسول اللہ ﷺ کی عظمت شان اور مسلمانوں کو آپ کی مکمل اتباع واطاعت کی ہدایت تھی، اسی کی مناسبت سے یہ پورے دو رکوع قرآن کے غزوۂ احزاب کے واقعہ سے متعلق نازل ہوئے ہیں، جس میں کفار و مشرکین کی بہت سی جماعتوں کا مسلمانوں پر یکبارگی متحدہ محاذ کی شکل میں حملہ آور ہونے اور سخت نرغہ کے بعد مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کے انعامات اور رسول اللہ ﷺ کے متعدد معجزات کا ذکر ہے۔

غزوۂ احزاب کی تفصیل:

ان آیات میں غزوۂ احزاب کی کچھ تفصیل ہے جو شوال ۴ھ یا ۵ھ مطابق ۶۲۷ء میں پیش آیا، امام بخاری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے علاوہ جمہور مؤرخین اور مفسرین کے نزدیک راجح یہ ہے کہ ۵ھ میں واقع ہوا، تمام ائمہ مغازی اور علماء تاریخ وسیر کا اسی پر اتفاق ہے، حافظ ذہبی اور حافظ ابن قیم فرماتے ہیں، یہی قول قابل اعتماد اور صحیح ہے۔ (سیرت المصطفی)

غزوۂ احزاب اور اس کا سبب:

اس غزوہ کو غزوۂ احزاب اس لئے کہتے ہیں کہ اس غزوہ میں تمام اسلام دشمن جماعتیں متحدہ محاذ بنا کر مسلمانوں کے مرکز مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئی تھیں، احزاب حزبٌ کی جمع ہے بمعنی گروہ، اسی غزوہ کو غزوۂ خندق بھی کہتے ہیں، اس لئے کہ مسلمانوں نے اپنے بچاؤ کے لئے مدینہ کے اطراف میں حضرت سلمان فارسی کے مشورہ سے خندق کھودی تھی تاکہ دشمن مدینہ میں داخل نہ ہو سکے۔

غزوۂ احزاب کا باعث اور سبب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود کے قبیلہ بنونضیر کو ان کی مسلسل بدعہدیوں اور آپ ﷺ

کے قتل کی سازش کی وجہ سے جلاوطن کردیا تھا، یہ مدینہ سے نکل کر خیبر میں جا کر آباد ہو گیا تھا، یہودی اسلام اور مسلمانوں سے نہایت ہی بغض وعداوت رکھتے تھے، چنانچہ بنونضیر کے سرکردہ لوگوں کا ایک وفد جو کہ بیس افراد پر مشتمل تھا ان کے سردار حیی بن اخطب کی سرکردگی میں مشرکین مکہ کو آپ ﷺ سے جنگ کرنے پر آمادہ کرنے کے لئے روانہ ہوا، مکہ پہنچ کر قریشی سرداروں سے ملاقات کر کے ان کو مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے آمادہ کیا، قریشی سردار سمجھتے تھے کہ جس طرح مسلمان ہماری بت پرستی کو کفر کہتے ہیں اور اسی لئے ہمارے مذہب کو برا سمجھتے ہیں، یہود کا بھی یہی خیال ہے، تو ان سے موافقت اور اتحاد کی کیا توقع رکھی جائے؟ اس لئے ان لوگوں نے یہود سے سوال کیا کہ آپ لوگ جانتے ہیں کہ ہمارے اور محمد (ﷺ) کے درمیان دین ومذہب کا اختلاف ہے اور آپ لوگ اہل کتاب اور اہل علم ہیں، پہلے ہمیں یہ بتلائیے کہ آپ لوگوں کے نزدیک ہمارا دین بہتر ہے یا مسلمانوں کا؟

سیاست میں جھوٹ کوئی نئی چیز نہیں:

ان یہودیوں نے اپنے علم اور ضمیر کے بالکل برخلاف ان کو یہ جواب دیا کہ تمہارا دین محمد (ﷺ) کے دین سے بہتر ہے، اس پر یہ لوگ کچھ مطمئن ہوئے، مگر اس پر بھی یہ طے ہوا کہ آنے والے یہ بیس آدمی اور پچاس آدمی قریشی مع سرداروں کے مسجد حرام میں جا کر بیت اللہ کی دیواروں سے سینہ لگا کر اللہ کے سامنے یہ عہد کریں کہ ہم میں سے جب تک ایک فرد بھی زندہ رہے گا محمد (ﷺ) کے خلاف جنگ کرتا رہے گا۔

یہ یہودی قریش مکہ سے معاہدہ کرنے کے بعد عرب کے ایک بڑے جنگ جو قبیلہ غطفان کے پاس پہنچے اور ان سے کہا کہ ہم اور قریش مکہ اس پر متفق ہو گئے ہیں کہ اس نئے دین (اسلام) کے پھیلانے والوں کا ایک مرتبہ سب مل کر استیصال کردیں، آپ لوگ بھی اس پر ہم سے معاہدہ کریں، اور ان کو یہ رشوت بھی پیش کی کہ خیبر میں جس قدر کھجوروں کی پیداوار ہوگی اس کا نصف آپ کو ہر سال دیا کریں گے، قبیلہ بنوغطفان کے سردار نے جو کہ عیینہ بن حصن فزاری تھا اس پیش کش کو قبول کر لیا اور جنگ میں شریک ہونا منظور کر لیا، یہود کے وفد نے پورے جزیرۃ العرب کا ہنگامی دورہ کر کے بنواسد، قبیلہ اسلم، قبیلہ اشجع اور بنومرہ اور بنوکنانہ اور فزارہ وغیرہ دیگر قبائل کو بھی آمادۂ جنگ کر لیا، اس طرح یہ یہودی اسلام اور مسلمانوں کے تمام دشمنوں کا متحدہ محاذ بنا کر مدینہ پر حملہ آور ہونے میں کامیاب ہو گئے، حملہ آور اتحادیوں کی تعداد دس اور بارہ ہزار کے درمیان تھی ایک روایت میں پندرہ ہزار بھی مذکور ہے (معارف القرآن) جبکہ مسلمانوں کی تعداد کل تین ہزار تھی اور وہ بھی بے سروسامانی کے ساتھ جن میں صرف چھتیس گھوڑے تھے، مشرکین مکہ کی جن کی تعداد تقریباً چار ہزار تھی، قیادت ابوسفیان کے پاس تھی اور قبیلہ غطفان کی قیادت عیینہ بن حصن فزاری کے سپرد تھی۔

آنحضرت ﷺ کو متحدہ محاذ کے حرکت میں آنے کی اطلاع:

رسول اللہ ﷺ کو جب متحدہ محاذ کے حرکت میں آنے کی اطلاع ملی تو سب سے پہلا کلمہ جو آپ ﷺ کی زبان مبارک پر آیا وہ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ تھا، اس کے بعد آپ ﷺ نے مہاجرین وانصار کے اہل حل وعقد کو جمع کر کے ان سے

مشورہ لیا، اگرچہ صاحب وحی کو حقیقت میں مشورہ کی ضرورت نہیں ہوتی، وہ براہِ راست اللہ کے اذن واجازت سے کام کرتے ہیں مگر مشورہ میں دو فائدے تھے ایک تو امت کے لئے مشورہ کی سنت جاری کرنا، دوسرے قلوب مومنین میں باہمی ربط واتحاد کی تجدید اور تعاون وتناصر کا جذبہ بیدار کرنا، اس کے بعد جنگ کے مادی وسائل پر غور ہوا، مجلس مشورہ میں حضرت سلمان فارسی بھی شریک تھے، جو ابھی حال ہی میں ایک یہودی کی غلامی سے نجات حاصل کر کے اسلامی خدمات کے لئے تیار ہوئے تھے، انہوں نے مشورہ دیا کہ ہمارے بلاد فارس کے بادشاہ ایسے حالات میں دشمن کا حملہ روکنے کے لئے خندق کھود کر ان کا راستہ روک دیتے ہیں، آنحضرت ﷺ نے یہ مشورہ قبول فرما کر خندق کھودنے کا حکم دیدیا، اور اپنے دست مبارک سے خندق کے نشانات لگا کر اور بنفس نفیس خود بھی کھدائی کے کام میں شریک ہو گئے۔

خندق کا طول وعرض:

یہ خندق جبل سلع کے پیچھے اس پورے راستہ کی لمبائی پر کھودنا طے ہوا جس سے مدینہ کے شمال کی طرف سے دشمن آسکتا تھا، اس خندق کے طول وعرض کا خط خود رسول اللہ ﷺ نے کھینچا یہ خندق شیخین سے شروع ہو کر جبل سلع کے مغربی کنارے تک آئی اور بعد میں اس میں اور اضافہ کر کے وادیٔ بطحان اور وادی رانونا کے مقام اتصال تک پہنچا دیا گیا، اس خندق کی کل لمبائی ساڑھے تین میل یعنی تقریباً چھ کلو میٹر تھی، اور چوڑائی اس قدر کہ آسانی سے گھوڑسوار عبور نہ کر سکے، ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ چوڑائی پانچ گز تھی، ابن سعد فرماتے ہیں کہ چھ دن میں خندق کھودنے سے فراغت ہوئی، موسیٰ بن عقبہ فرماتے ہیں کہ بیس دن میں فارغ ہوئے، علامہ سمہودی فرماتے ہیں کہ چھ دن کی روایت صحیح ہے بیس دن حصار کی مدت ہے، غزوۂ خندق میں شریک مجاہدین کی کل تعداد تین ہزار بتائی گئی ہے ہر دس افراد کی جماعت کو بقول جمل وصاوی ومعارف چالیس گز خندق کھودنے کا کام سپرد کیا گیا، مگر سیرت مصطفیٰ ادریسی میں ہر دس افراد کو دس گز سپرد کی گئی تھی، پہلے قول کے مطابق خندق کی لمبائی بارہ ہزار گز ہوتی ہے، دوسرے قول کے مطابق تین ہزار گز ہوتی ہے، شرعی میل دو سو گز کا ہوتا ہے۔

غرضیکہ دشمن اس خندق کی وجہ سے مدینہ کے اندر داخل نہ ہو سکا، تاہم مسلمان اس محاصرہ اور دشمن کی یلغار سے سخت خوف زدہ تھے، کم وبیش یہ محاصرہ ایک ماہ تک قائم رہا، بالآخر اللہ تعالیٰ نے پردۂ غیب سے مسلمانوں کی مدد فرمائی، مذکورہ آیات میں ان ہی سراسیمہ کر دینے والے حالات اور امداد غیبی کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔

نابالغ بچوں کی شرکت اور ان کی واپسی:

چونکہ اس غزوہ میں پورا جزیرۃ العرب متحدہ محاذ کی شکل میں مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہوا تھا کہ مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجادیں گے، گویا اس غزوہ کے نتیجہ پر اسلام کی بقاء وفناء کا بظاہر دارومدار تھا، جس کی وجہ سے ہر مسلمان حتی کہ نابالغ بچے بھی جان

ہتھیلی پر رکھ کر نکل کھڑے ہوئے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان بچوں کو واپس فرما دیا جن کی عمر پندرہ سال سے کم تھی، مگر پندرہ سالہ نوجوانوں کو شرکت کی اجازت دیدی گئی، جن میں حضرت عبداللہ بن عمر بھی تھے، جن کو کم عمری کی وجہ سے غزوۂ احد میں واپس کر دیا گیا تھا، ان کے علاوہ زید بن ثابت، ابوسعید خدری، براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہم شامل ہیں، جس وقت یہ اسلامی لشکر مقابلہ کے لئے روانہ ہونے لگا تو جو منافقین مسلمانوں میں رَلے ملے رہتے تھے انہوں نے سرکنا شروع کر دیا کچھ تو چھپ کر نکل گئے، اور کچھ نے جھوٹے اعذار پیش کر کے رسول اللہ ﷺ سے واپسی کی اجازت لینی چاہی، یہ اپنے اندر ایک نئی آفت پھوٹی، مذکورۃ الصدر آیات میں انہیں منافقین کے متعلق چند آیات نازل ہوئی ہیں۔ (قرطبی)

ایک عظیم معجزہ:

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس حصہ میں جو حضرت سلمان فارسی اور ان کے رفقاء کے سپرد تھا اس میں ایک سخت چٹان نکل آئی، حضرت سلمان کے ساتھی عمرو بن عوف فرماتے ہیں کہ اس چٹان نے ہمارے اوزار توڑ دیئے اور ہم اس کے کاٹنے سے عاجز ہو گئے، تو میں نے سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ اگرچہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہم اس جگہ سے کچھ ہٹ کر خندق کھود یں اور ذرا سی کجی کے ساتھ اس کو اصل خندق کے ساتھ ملا دیں، مگر رسول اللہ ﷺ کے کھینچے ہوئے خط سے انحراف ہمیں اپنی رائے سے نہیں کرنا چاہئے، آپ آنحضرت ﷺ سے یہ واقعہ بیان کر کے حکم حاصل کریں کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے؟

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر صورت واقعہ بیان کی، آپ ﷺ خود بھی اپنے حصہ کی خندق میں کام کر رہے تھے خندق کی مٹی کو اس جگہ سے منتقل کرنے میں مصروف تھے، حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آپ کے جسم مبارک کو غبار نے ایسا ڈھانپ لیا تھا کہ پیٹ اور پیٹھ کی جلد نظر نہ آتی تھی، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوئی حکم یا ہدایت دینے کے بجائے آپ خود ان کے ہمراہ موقع پر تشریف لائے اور خود خندق میں اترے اور کدال اپنے ہاتھ میں لیکر اس چٹان پر ایک ضرب لگائی اور یہ آیت پڑھی تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا اس ایک ہی ضرب سے چٹان کا ایک تہائی حصہ کٹ گیا اور اس پتھر سے ایک روشنی نکلی، اس کے بعد دوسری ضرب لگائی اور آیت مذکورہ آخر تک پوری پڑھی، اس دوسری ضرب سے ایک تہائی چٹان اور کٹ گئی اور اسی طرح پتھر سے ایک روشنی نکلی، تیسری مرتبہ پھر وہی آیت پڑھ کر ضرب لگائی تو باقی چٹان بھی کٹ کر ختم ہو گئی (مسند احمد ونسائی) اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ جب آپ نے پہلی کدال ماری تو آپ نے فرمایا اللہ اکبر! مجھ کو شام کی کنجیاں عطا کی گئیں، خدا کی قسم میں شام کے سرخ محلوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں، پھر جب آپ نے دوسری کدال ماری تو دوسرا تہائی ٹکڑا ٹوٹ کر گرا تو آپ نے فرمایا اللہ اکبر! فارس کی کنجیاں مجھے عطا کی گئیں، خدا کی قسم مدائن کے قصر ابیض کو اس وقت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں، جب تیسری مرتبہ آپ نے کدال ماری اور چٹان کا بقیہ حصہ بھی ٹوٹ گیا تو آپ نے فرمایا اللہ اکبر! یمن کی کنجیاں مجھ کو عطا کی گئیں، خدا کی قسم صنعاء کے دروازوں کو میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں، حافظ عسقلانی فرماتے ہیں اس روایت کی سند حسن ہے۔ (ملخصًا)

منافقین کی طعنہ زنی اور مسلمانوں کا بے نظیر یقین ایمانی:

خندق کی کھدائی میں جو منافقین مرے دل سے شامل تھے وہ کہنے لگے کہ تمہیں محمد ﷺ کی بات پر حیرت اور تعجب نہیں ہوتا، وہ تمہیں کیسے باطل اور بے بنیاد وعدے سنا رہے ہیں، کہ یثرب میں خندق کی گہرائی میں انہیں حیرہ اور مدائنِ کسریٰ کے محلات نظر آرہے ہیں، ذرا اپنے حال کو تو دیکھو کہ تمہیں اپنے تن بدن کا تو ہوش نہیں قضائے حاجت کی مہلت نہیں، کیا تم ایسی حالت میں کسریٰ وغیرہ کے ملک کو فتح کرو گے؟ اس واقعہ پر مذکورۃ الصدر آیات نازل ہوئیں ''اِذْ یَقُوْلُ الْمُنَافِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اِلَّا غُرُوْرًا'' آپ غور کیجئے کہ ظاہری حالات کے بالکل ناموافق ہونے کے باوجود مسلمانوں کا آپ ﷺ کی خبر پر کس قدر یقین کامل تھا، ہر طرف سے کفار کے نرغہ اور خطرے میں ہیں نہایت سخت سردی نے سب کو پریشان کر رکھا ہے، ہر طرف خوف ہی خوف ہے بھوک کی شدت نے ہر شخص کو نڈھال کر رکھا ہے بھوک کی شدت کو کم کرنے کے لئے پیٹوں پر پتھر باندھے ہوئے ہیں، بظاہر اپنے بچاؤ کی بھی کوئی صورت نہیں ہے، ایسی حالت میں دنیا کی عظیم سلطنت روم وفارس کی فتوحات کی خوشخبری پر یقین کس طرح ہو، مگر ایمان کی قیمت سب اعمال سے زیادہ اسی وجہ سے ہے کہ اسباب وحالات کے سراسر خلاف ہونے کے باوجود ان کو رسول اللہ ﷺ کے ارشاد میں کوئی شک وشبہ پیدا نہ ہوا۔

حضرت جابر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی دعوت اور ایک کھلا معجزہ:

اسی خندق کی کھدائی کے دوران ایک مشہور واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک روز حضرت جابر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر یہ محسوس کیا کہ آپ بھوک سے متاثر ہو رہے ہیں، اپنی اہلیہ سے جا کر کہا تمہارے پاس کچھ ہو تو پکالو، حضور ﷺ پر بھوک کا اثر دیکھا نہیں جاتا، اہلیہ نے بتلایا کہ ہمارے گھر میں ایک صاع (تقریباً ساڑھے تین سیر) جو رکھے ہیں میں ان کو پیستی ہوں، اہلیہ پیسنے پکانے میں لگیں، گھر میں ایک بکری کا بچہ تھا، حضرت جابر نے اس کو ذبح کر کے گوشت تیار کیا اور آنحضرت ﷺ کو بلانے کے لئے چلے، تو اہلیہ نے پکار کر کہا، دیکھئے حضور کے ساتھ صحابہ کا بہت بڑا مجمع ہے، صرف حضور کو کسی طرح تنہا بلائیں، مجھے رسوا نہ کیجئے کہ کہیں صحابہ کا بڑا مجمع چلا آئے، حضرت جابر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے پوری صورت حال عرض کردی اور کہہ دیا کہ صرف اتنا کھانا ہے، مگر آپ نے پورے لشکر میں اعلان فرما دیا کہ چلو جابر کے گھر دعوت ہے، حضرت جابر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ حیران تھے، گھر پہنچے تو اہلیہ نے سخت پریشانی کا اظہار کیا، اور پوچھا کہ آپ نے آنحضرت کو پوری صورت حال اور کھانے کی مقدار بتلا دی تھی؟ جابر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا ہاں! میں بتلا چکا ہوں، تو اہلیہ محترمہ مطمئن ہوئیں کہ پھر ہمیں کچھ فکر نہیں، حضور مالک ہیں جس طرح چاہیں کریں۔

واقعہ کی مزید تفصیل کی چنداں ضرورت نہیں، بس اتنا نتیجہ معلوم کرلینا کافی ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے روٹی اور سالن سب کو دینے اور کھلانے کا اہتمام فرمایا اور پورے مجمع نے خوب شکم سیر ہوکر کھایا، حضرت جابر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ مجمع کی فراغت کے بعد بھی سالن اور روٹیاں اسی قدر موجود تھیں جتنی کہ شروع میں تھیں، بعد میں گھر والوں نے بھی کھایا اور پڑوسیوں میں بھی تقسیم کردیا۔

خندق کھودنے سے فراغت اور لشکر قریش کی آمد:

ادھر خندق کھودنے سے فراغت ہوئی ادھر قریش کا لشکر آگیا اس بارہ ہزار کے لشکر نے مدینہ کا محاصرہ کرلیا، جب قریش نے دیکھا تو کہنے لگے، یہ وہ مکر ہے کہ اس سے پہلے عرب اس سے واقف نہیں تھے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت سلمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے مشورہ سے خندق کا طریقہ اختیار فرمایا تھا، عرب اس طریقہ سے واقف نہیں تھے، اس سے معلوم ہوا کہ کفار کے طریقۂ جنگ کو اختیار کرنا درست ہے، اسی طرح کفار کے ایجاد کردہ آلات حرب کا استعمال بھی درست ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے غزوۂ طائف میں منجنیق کا استعمال فرمایا، دونوں لشکر آمنے سامنے کھڑے ہوگئے دونوں کے درمیان خندق حائل تھی جبل سَلَع مسلمانوں کے پس پشت تھا اور خندق سامنے، آپ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو ایک قلعہ میں محفوظ ہوجانے کا حکم دیا اور حسان بن ثابت رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو ان کا نگران مقرر فرمادیا، بنو قریظہ کے ساتھ چونکہ آپ ﷺ نے معاہدہ کر رکھا تھا اس وقت تک تو بنی قریظہ متحدہ محاذ سے الگ تھے مگر حیی بن اخطب بنو نضیر کا سردار بنی قریظہ کو اپنے ساتھ ملانے کی پوری کوشش کر رہا تھا، یہاں تک حیی بن اخطب خود بنی قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس گیا، کعب بن اسد نے حیی بن اخطب کو آتے دیکھ کر قلعہ کا دروازہ بند کرلیا، حیی بن اخطب نے آواز دی کہ دروازہ کھولو، کعب نے جواب دیا ''افسوس اے حیی بلاشبہ تو منحوس آدمی ہے، میں محمد (ﷺ) سے معاہدہ کر چکا ہوں میں اب اس عہد کو نہ توڑوں گا کیونکہ میں نے محمد (ﷺ) سے سوائے سچائی اور ایفائے عہد کے کچھ نہیں دیکھا''

حییؔ نے جواب دیا، میں تمہارے لئے دائمی عزت لے کر آیا ہوں، قریش اور غطفان کی فوج کو میں نے یہاں لاکر اتارا ہے، ہم سب نے یہ عہد کیا ہے کہ جب تک محمد اور ان کے ساتھیوں کا استیصال اور قلع قمع نہ کردیں گے اس وقت تک یہاں سے ہرگز نہ ٹلیں گے۔

کعب نے کہا خدا کی قسم تو ہمیشہ کی ذلت اور رسوائی لے کر آیا ہے، میں محمد (ﷺ) سے کبھی عہد نہ توڑوں گا، حییؔ برابر اصرار کرتا رہا، یہاں تک کہ اس کو عہد شکنی پر آمادہ کرلیا۔

رسول اللہ ﷺ کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو سعد بن معاذ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور سعد بن عبادہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور عبد اللہ بن رواحہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو تحقیق حال کے لئے روانہ فرمایا اور یہ حکم دیا کہ اگر یہ خبر صحیح نکلے تو وہاں سے واپس آکر اس خبر کو ایسے مبہم الفاظ میں بیان کرنا کہ لوگ سمجھ نہ سکیں اور اگر خبر غلط ہو تو پھر علی الاعلان بیان کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں، یہ لوگ کعب بن

اسد کے پاس گئے اور اس کو معاہدہ یاد دلایا، کعب نے کہا کیسا معاہدہ اور کون محمد؟ (ﷺ) میرا ان سے کوئی معاہدہ نہیں، جب یہ لوگ واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، عضلٌ وقارۃ یعنی جس طرح عضل وقارۃ نے اصحاب رجیع یعنی خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ غدر کیا تھا اسی طرح انہوں نے بھی غداری کی (سیرت ابن ہشام) آپ ﷺ سمجھ گئے کہ بنی قریظہ کی غداری کی خبر صحیح ہے، مسلمانوں کے لئے یہ وقت بڑے ابتلا وآزمائش کا تھا، ابتلاء کی کسوٹی پر نفاق واخلاص کسا جارہا تھا، اس کسوٹی نے کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا، چنانچہ منافقین نے حیلے بہانے شروع کئے، اور عرض کیا یا رسول ہمارے گھر پست دیوار ہونے کی وجہ سے غیر محفوظ ہیں، بچوں اور عورتوں کی حفاظت ضروری ہے، اس لئے ہم اجازت چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اسی صورت حال کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُیُوْتَنَا عَوْرَۃٌ وَمَا هِیَ بِعَوْرَۃٍ اِنْ یُّرِیْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا. (احزاب آیت ۱۳)

منافقین کہتے ہیں کہ ہمارے گھر خالی ہیں حالانکہ وہ خالی نہیں محض فرار مقصد ہے اس لئے یہ حیلے بہانے کر رہے ہیں۔

اور مسلمان جن کے قلوب اخلاص وایقان سے لبریز تھے ان کی ایمانی کیفیت کو بھی اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا:

وَلَمَّا رَاَی الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّا اِیْمَانًا وَّتَسْلِیْمًا. (سورۂ احزاب: آیت ۲۲)

اور اہل ایمان نے جب کافروں کی فوجیں دیکھیں تو فوراً یہ کہا کہ یہ وہی ہے جو اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ فرمایا ہے، اور اس کے رسول نے سچ کہا ہے، اور اس سے ان کے یقین اور ایمان میں اور زیادتی ہوگئی۔

غرض یہ کہ یہود ومنافقین سب ہی نے اس لڑائی میں بدعہدی کی، اور مسلمان اندرونی وبیرونی دشمنوں کے محاصرہ اور نرغہ میں آگئے، محاصرہ کی شدت اور سختی سے رسول اللہ ﷺ کو یہ خیال ہوا کہ مسلمان بمقتضائے بشریت کہیں گھبرا نہ جائیں، اس لئے یہ ارادہ فرمایا کہ عیینہ بن حصن فزاری اور حارث بن عوف سے (جو قبیلہ غطفان کے سردار اور قائد تھے) مدینہ کے نخلستان کے تہائی پھل دیکر ان سے صلح کر لی جائے تاکہ یہ لوگ ابوسفیان کی مدد سے کنارہ کش ہو جائیں اور مسلمانوں کو اس حصار سے نجات ملے، چنانچہ آپ نے سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ سے اپنا یہ خیال ظاہر فرمایا، ان دونوں حضرات نے عرض کیا، یا رسول اللہ کیا اللہ نے آپ کو ایسا حکم دیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو ہم اس کی تعمیل کے لئے حاضر ہیں، یا محض آپ از راہ شفقت ورافت ایسا قصد فرما رہے ہیں، آپ نے فرمایا اللہ کا کوئی حکم نہیں، محض تمہاری خاطر میں نے ایسا ارادہ کیا ہے، اس لئے کہ عرب نے متحد ہو کر ایک کمان سے تم پر تیر باری شروع کی ہے، اس طریقہ سے میں ان کی شوکت اور اجتماعی قوت کو توڑنا چاہتا ہوں۔

سعد بن معاذ نے عرض کیا کہ جب ہم اور یہ کافر ومشرک تھے، بتوں کو پوجتے تھے، اللہ عز وجل کو جانتے بھی نہ تھے اس وقت بھی ان کی یہ مجال نہ تھی کہ ہم سے ایک خرما بھی لے سکیں، الا یہ کہ مہمانی کے طور پر یا خرید کر اور اب جب کہ ہم کو اللہ

تعالیٰ نے ہدایت لازوال اور نعمت بے مثال سے مالا مال فرمایا اور اسلام سے ہم کو عزت بخشی تو اپنا مال ہم ان کو دیدیں یہ ناممکن ہے، واللہ انہیں اپنا مال دینے کی ہمیں کوئی حاجت نہیں، خدا کی قسم ہم ان کو سوائے تلوار کے کچھ نہ دیں گے، اور ان سے جو ہوسکتا ہے وہ کرلیں۔

دو ہفتے اسی طرح گذر گئے مگر دست بدست لڑائی اور مقابلہ کی نوبت نہیں آئی، طرفین سے صرف تیر اندازی ہوتی رہی، بالآخر عمرو بن عبدوُدّ، عکرمہ بن ابی جہل، ہبیرہ بن ابی وہب، ضرار بن خطاب، نوفل بن عبداللہ، مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے نکلے، ایک جگہ خندق کی چوڑائی کم تھی وہاں سے پھاند کر اس طرف پہنچے اور مسلمانوں کو مقابلہ کے لئے آواز دی، عمرو بن عبدودّ جو کہ سرتاپا غرق آہن تھا میدان میں آیا اور مبارزۃ کے لئے آواز دی، شیر خدا حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اس کے مقابلہ کے لئے بڑھے اور فرمایا اے عمرو! میں تجھ کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلاتا ہوں اور اسلام کی دعوت دیتا ہوں، عمرو نے کہا تم کم سن ہو اپنے سے بڑے کو میرے مقابلہ کے لئے بھیجو، میں تمہارے قتل کو پسند نہیں کرتا، حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا میں تمہارے قتل کو پسند کرتا ہوں یہ سن کر عمرو کو طیش آگیا اور گھوڑی سے نیچے اتر آیا، اور آگے بڑھ کر حضرت علی پر وار کیا، جس کو حضرت علی نے سپر سے روکا لیکن پیشانی پر زخم آیا بعد از اں حضرت علی نے اس پر وار کیا جس نے اس کا کام تمام کردیا۔

حضرت علی نے اللہ اکبر! کا نعرہ لگایا جس سے مسلمانوں نے سمجھ لیا کہ اللہ عزوجل نے مسلمانوں کو فتح دی، نوفل بن عبداللہ رسول اللہ ﷺ کے قتل کے ارادے سے آگے بڑھا، گھوڑے پر سوار تھا خندق عبور کرتے ہوئے خندق میں گر پڑا اور گردن ٹوٹ گئی اور مرگیا مشرکین نے دس ہزار درہم آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کئے کہ اس کی لاش ہمارے حوالہ کردیں، آپ نے ارشاد فرمایا وہ بھی خبیث اور ناپاک تھا اور اس کی دیت بھی خبیث اور ناپاک ہے، غرضیکہ لاش بلا عوض سپرد کردی۔

حضرت سعد بن معاذ شہ رگ پر تیر لگنے کی وجہ سے زخمی ہوگئے تھے، حضرت سعد بن معاذ نے یہ دعا مانگی کہ اے اللہ اگر قریش کے ساتھ ابھی لڑائی باقی ہے تو تو مجھے زندہ رکھ اور اگر تو نے ہمارے اور ان کے درمیان لڑائی کو ختم کردیا تو تو اس زخم کو میرے لئے شہادت کا ذریعہ بنا۔

آپ ﷺ کی چار نمازیں قضاء:

حملے کا یہ دن نہایت ہی سخت تھا پورا دن تیر اندازی اور سنگ باری میں گذرا، اسی میں رسول اللہ ﷺ کی چار نمازیں قضاء ہوئیں۔

آپ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو ایک قلعہ میں محفوظ کردیا تھا، حضرت حسان بن ثابت اس قلعہ کی نگرانی پر مامور تھے، آپ ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے دیکھا کہ ایک یہودی قلعہ کے چاروں طرف چکر لگا رہا ہے اندیشہ ہوا کہ کہیں جاسوس نہ ہو، حضرت صفیہ نے حضرت حسان سے کہا کہ اس کو قتل کردو ایسا نہ ہو کہ کہیں دشمنوں سے ہماری مخبری کردے، حضرت حسان نے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ میں اس کام کا آدمی نہیں حضرت صفیہ نے خیمہ کی ایک

لکڑی لیکر اس یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا، اور حضرت حسان سے فرمایا یہ مرد ہے اور میں عورت ہوں اس لئے میں تو ہاتھ نہ لگاؤں گی تم اس کے ہتھیار اتار لاؤ، حضرت حسان نے کہا مجھے اس کے ہتھیار اور سامان کی ضرورت نہیں (ابن ہشام) مَنْ قَتَلَ قتیلاً فَلَهٗ سَلَبُهٗ.

ایک جنگی تدبیر:

اثناء محاصرہ میں نُعَیم بن مسعود اشجعی غطفان کے ایک رئیس آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا، یا رسول اللہ میں آپ پر ایمان لایا ہوں، میری قوم کو ابھی میرے اسلام لانے کا علم نہیں، اگر اجازت ہو تو میں کوئی تدبیر کروں جس سے یہ حصار ختم ہو، آپ نے فرمایا ہاں تم ایک تجربہ کار آدمی ہو اگر کوئی ایسی تدبیر ہو سکے تو کر گذرو۔

فَاِنَّ الحربَ خدعَة اس لئے کہ لڑائی نام ہی اصل میں حیلہ و تدبیر کا ہے، نُعَیم بن مسعود ایک ذہین اور سمجھدار آدمی تھے، ایک منصوبہ دل میں بنالیا اور آنحضرت ﷺ سے اس کی اجازت چاہی کہ میں ان لوگوں میں جا کر جو مصلحت دیکھوں کہوں، آپ ﷺ نے اجازت دیدی، نُعَیم بن مسعود، بنی قریظہ کے پاس گئے جن کے ساتھ زمانہ جاہلیت میں قدیم تعلقات تھے، ان سے کہا اے بنو قریظہ! تم جانتے ہو کہ میں تمہارا قدیم دوست ہوں، انہوں نے اقرار کیا کہ ہمیں آپ کی دوستی میں کوئی شبہ نہیں، اس کے بعد بنو قریظہ کے سرداروں سے خیر خواہانہ انداز میں سوال کیا کہ آپ لوگ جانتے ہیں کہ قریش مکہ ہوں یا ہمارا قبیلہ غطفان، یا دوسرے قبائل یہود وغیرہ ان کا یہاں وطن نہیں، یہ اگر شکست کھا کر بھاگ جائیں تو ان کا کوئی نقصان نہیں، تمہارا معاملہ اس سے مختلف ہے، مدینہ تمہارا وطن ہے، تمہاری عورتیں اور اموال سب یہاں ہیں اگر تم نے ان کے ساتھ جنگ میں شرکت کی اور خدانخواستہ ان کو شکست ہوئی اور یہ بھاگ گئے تو تمہارا کیا بنے گا؟ کیا تم تنہا مسلمانوں کا مقابلہ کر سکو گے؟

اس لئے میں تم کو خیر خواہانہ مشورہ دیتا ہوں کہ تم لوگ ان کے ساتھ اس وقت تک جنگ میں شریک نہ ہو، جب تک یہ لوگ اپنے خاص سرداروں کی ایک تعداد تمہارے پاس رہن نہ رکھ دیں کہ یہ تم کو مسلمانوں کے حوالہ کر کے نہ بھاگ جائیں، بنو قریظہ کو ان کا یہ مشورہ بہت اچھا معلوم ہوا، اس کی قدر کی اور کہا تم نے بہت اچھا مشورہ دیا۔

اس کے بعد نُعَیم بن مسعود، قریشی سرداروں کے پاس تشریف لے گئے، اور ان سے کہا تم لوگ جانتے ہو کہ میں تمہارا دوست ہوں، اور محمد ﷺ سے بری ہوں، مجھے ایک خبر ملی ہے تمہاری خیر خواہی کا تقاضہ یہ ہے کہ میں وہ خبر تمہیں پہنچا دوں، بشرطیکہ آپ لوگ میرے نام کا اظہار نہ کریں، وہ خبر یہ ہے کہ یہود بنی قریظہ تمہارے ساتھ معاہدہ کرنے کے بعد نادم ہوئے اور اس کی اطلاع محمد ﷺ کے پاس یہ کہہ کر بھیج دی ہے کہ کیا آپ ہم سے اس شرط پر راضی ہو سکتے ہیں کہ ہم قریش اور غطفان کے چند سرداروں کو آپ کے حوالہ کر دیں کہ آپ ان کی گردن ماردیں پھر ہم آپ کے ساتھ مل کر ان کے ساتھ جنگ کریں، محمد ﷺ نے اس بات کو قبول کر لیا ہے، اب بنو قریظہ تم سے بطور رہن کے تمہارے کچھ سرداروں کا مطالبہ کریں گے اب آپ لوگ اپنے معاملہ کو سوچ لیں، اس کے بعد نُعَیم اپنے قبیلہ غطفان میں گئے اور ان کو بھی یہی خبر سنائی، ادھر یہ ہوا کہ ابوسفیان نے جو کہ متحدہ محاذ کی فوج کے

اعلیٰ کمانڈر تھے قریش کی طرف سے عکرمہ بن ابی جہل کو اور غطفان کی طرف سے ورقہ کو اس کام کے لئے مقرر کیا کہ وہ بنو قریظہ سے جا کر کہیں کہ اب ہمارا سامان جنگ ختم ہو رہا ہے اور ہمارے آدمی بھی مسلسل جنگ سے تھک رہے ہیں ہم آپ کے معاہدہ کے مطابق آپ کی شرکت اور امداد کے منتظر ہیں، بنو قریظہ نے اپنی قرارداد کے مطابق یہ جواب دیا کہ ہم تمہارے ساتھ جنگ میں اس وقت تک شریک نہیں ہو سکتے جب تک تم اپنے چند سردار ہمارے پاس بطور رہن نہ بھیج دو، عکرمہ اور ورقہ نے یہ خبر ابوسفیان کو پہنچادی، قریش اور غطفان کے سرداروں نے یقین کرلیا کہ نُعیم بن مسعود نے جو خبر دی تھی، وہ صحیح ہے، اور بنی قریظہ سے کہلا بھیجا کہ ہم اپنا ایک آدمی بھی تم کو نہیں دیں گے پھر آپ کا دل چاہے تو ہمارے ساتھ جنگ میں شرکت کریں اور نہ چاہے تو نہ کریں، بنو قریظہ کو بھی یہ صورت حال دیکھ کر اور قریش و غطفان کا جواب سن کر نُعیم کی بات کا اور زیادہ یقین ہو گیا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے دشمن کے متحدہ محاذ میں ایک شخص کے ذریعہ پھوٹ ڈالدی اور دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے۔

خدا کی غیبی مدد:

حضرت نُعیم بن مسعود کی تدبیر کے علاوہ دوسری آسمانی افتاد ان پر یہ آئی کہ اللہ تعالیٰ نے ایک سخت اور ٹھنڈی ہوا ان پر مسلط کردی، سخت جاڑوں کا موسم تھا، ہوا نے ان کے خیمے اکھاڑ دیئے، ہانڈیاں چولہوں سے الٹ دیں، یہ تو ظاہری اسباب اللہ تعالیٰ نے دشمن کے پاؤں اکھاڑنے کے لئے پیدا فرما دیئے تھے، اس پر مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتے بھیج دیئے تاکہ باطنی طور پر ان کے دلوں پر رعب طاری کردیں، ان دونوں باتوں کا ذکر آیات مذکورہ میں اس طرح فرمایا گیا ہے، فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا یعنی ہم نے ان کے اوپر ایک تند و تیز ہوا بھیج دی اور فرشتوں کے لشکر بھیج دیئے، جن کو تم نہیں دیکھ رہے تھے، غزوۂ احزاب میں فرشتوں نے اگرچہ عملی حصہ نہیں لیا تھا بلکہ مشرکین کے لشکر کو مرعوب اور خوف زدہ کیا تھا، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اب ان کے لئے بھاگ کھڑے ہونے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں تھا۔

حضرت حذیفہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کا دشمن کے لشکر کی خبر لینے کے لئے جانا:

حضرت نُعیم بن مسعود کی کارگذاری اور احزاب کے درمیان پھوٹ کے واقعات کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ کوئی آدمی جا کر دشمن کے لشکر اور ان کے ارادوں کی خبر لائے، مگر سخت برفانی ہوا جو دشمن پر بھیجی گئی تھی اس کا اثر مدینہ پر بھی تھا، رسول اللہ ﷺ نے مجمع کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کون ہے؟ جو کھڑا ہو اور دشمن کے لشکر میں جا کر ان کی خبر لائے؟ آنحضرت ﷺ نے یہ بات تین بار فرمائی مگر پورے مجمع میں دن بھر کی تکان اور سخت سردی کی وجہ سے کوئی ہمت نہ کرسکا، آخر میں آپ ﷺ نے حضرت حذیفہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کا نام لیکر فرمایا اے حذیفہ تم جاؤ، حذیفہ فرماتے ہیں میری حالت بھی دوسروں سے مختلف نہیں تھی مگر جب آپ نے نام لیکر فرمایا، اطاعت کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، میں کھڑا ہو گیا، سردی سے میرا بدن کانپ رہا تھا، آپ نے اپنا دست مبارک میرے سر اور چہرے پر پھیرا، اور فرمایا کہ دشمن کے لشکر میں جاؤ اور مجھے خبر لا دو اور میرے پاس واپس آنے سے پہلے کوئی

کام نہ کرو اور پھر آپ نے میری حفاظت کے لئے دعا فرمائی، میں اپنی تیر کمان اٹھا کر ان کی طرف روانہ ہوگیا، حذیفہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ جب میں یہاں سے روانہ ہوا تو عجیب ماجرا یہ دیکھا کہ خیمے کے اندر بیٹھے ہوئے سردی سے جو کپکپی طاری تھی وہ ختم ہوگئی جب میں لشکر میں پہنچا تو دیکھا کہ ہوا کے طوفان نے ان کے خیمے اکھاڑ دیئے تھے اور ہانڈیاں الٹ دی تھیں، ایک موقع ایسا آیا کہ ابوسفیان میرے تیر کی زد میں تھا میں نے چاہا کہ اس پر تیر چلاؤں مگر پھر آپ ﷺ کا فرمان یاد آیا جس کی وجہ سے میں نے ارادہ ملتوی کر دیا۔

ابوسفیان واپسی کا اعلان کرنا چاہتے تھے مگر اس کے لئے ضروری تھا کہ دیگر ذمہ داروں سے مشورہ کریں رات کی تاریکی اور سناٹے میں یہ خطرہ بھی تھا کہ کہیں کوئی جاسوس موجود نہ ہو اور وہ ہمارے راز کی بات سن لے، اس لئے ابوسفیان نے یہ ہوشیاری کی کہ بات کرنے سے پہلے سارے مجمع سے کہا کہ ہر شخص اپنے برابر والے شخص کو پہچان لے تاکہ کوئی غیر آدمی ہماری بات نہ سن سکے۔

حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ اب مجھے خطرہ ہوا کہ میرے برابر کا آدمی جب مجھ سے پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ تو میرا راز کھل جائے گا، انہوں نے بڑی ہوشیاری اور دلیری سے خود سبقت کر کے اپنے برابر والے آدمی کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا تعجب ہے تم مجھے نہیں جانتے، میں فلاں ابن فلاں ہوں، وہ قبیلہ ہوازن کا آدمی تھا، اس طرح حذیفہ کو اللہ تعالیٰ نے گرفتاری سے بچا لیا، ابوسفیان نے جب یہ اطمینان کر لیا کہ مجمع اپنا ہی ہے یہاں کوئی غیر نہیں تو اس نے پریشان حالات اور بنو قریظہ کی بدعہدی اور سامان جنگ ختم ہو جانے کے واقعات سنا کر کہا میری رائے یہ ہے کہ اب آپ سب واپس چلیں اور میں بھی واپس جا رہا ہوں، اسی وقت لشکر میں بھگدڑ مچ گئی، اور سب واپس جانے لگے۔

حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ جب میں واپس آیا تو آپ ﷺ نماز میں مشغول تھے، جب آپ نے سلام پھیرا تو میں نے پورے واقعہ کی روداد سنائی، رسول اللہ ﷺ اس خبر مسرت سے خوش ہو کر ہنسنے لگے حتی کہ رات کی تاریکی میں آپ کے دندان مبارک چمکنے لگے، آپ نے میرے اوپر اپنی چادر کا ایک حصہ ڈال دیا، یہاں تک کہ میں سو گیا، جب صبح ہوئی تو آپ نے ہی مجھے یہ کہہ کر بیدار کیا کہ قُمْ یا نومان کھڑا ہو اے بہت سونے والے!

صحیح بخاری میں سلیمان بن صرد کی روایت ہے کہ احزاب کے واپس جانے کے وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اَلْآنَ نَغْزُوھُمْ وَلَا یَغْزُوْنَنَا نحن نسیر اِلیھم یعنی اب وہ ہم پر حملہ آور نہ ہوں گے بلکہ ہم ان پر حملہ کریں گے اور ہم ان کے ملک پر چڑھائی کریں گے۔ (مظہری)

اَشِحَّۃً عَلَیْکُمْ (الآیۃ) یعنی تمہارے ساتھ خندق کھود کر تم سے تعاون کرنے میں یا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں یا تمہارے ساتھ مل کر لڑنے میں بڑے بخیل ہیں۔

فَاِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَاَیْتَھُمْ (الآیۃ) یہ منافقین کی بزدلی اور پست ہمتی کی کیفیت کا بیان ہے، یعنی یہ لوگ اپنی شجاعت و مردانگی کے بارے میں ڈینگیں مارتے ہیں جو سراسر جھوٹ پر مبنی ہوتی ہیں (یا) مال غنیمت کی تقسیم کے وقت اپنی زبان کی تیزی اور طراری سے لوگوں کو متاثر کر کے زیادہ سے زیادہ مال حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حضرت قتادہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مال غنیمت کی تقسیم کے وقت یہ سب سے زیادہ بڑا حصہ لینے والے اور لڑائی کے وقت سب سے زیادہ بزدل اور ساتھیوں کو بے یارومددگار چھوڑ کر بھاگ جانے والے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ دل سے ایمان لائے ہی نہیں ہیں، منافقوں کے اعمال کو حبط کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ کافر اور مشرک ہی ہیں اور کافر و مشرک کے اعمال باطل ہیں، یہ مطلب نہیں کہ اولاً ان کے اعمال قابل اجر و ثواب تھے بعد میں ان کو حبط کر دیا گیا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اَحْبط، اظہر کے معنی میں ہو یعنی ان کے اعمال کے بطلان کو ظاہر کر دیا۔

یَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ یَذْهَبُوْا (الآیۃ) یعنی ان منافقین کی بزدلی اور دوں ہمتی اور خوف و دہشت کا یہ حال ہے کہ کافروں کے گروہ اگرچہ ناکام و نامراد واپس جا چکے ہیں لیکن یہ اب تک یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ ابھی تک اپنے مورچوں اور خیموں میں موجود ہیں، اور بالفرض اگر کفار کی جماعت دوبارہ لڑائی کی نیت سے واپس آجائے تو منافقین کی خواہش یہ ہوگی کہ وہ مدینہ کے اندر رہنے کے بجائے باہر صحراء میں بادیہ نشینوں کے ساتھ ہوں اور وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں سے تمہاری بابت پوچھتے رہیں کہ محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھی ہلاک ہوئے یا نہیں؟ یا لشکر کفار ناکام رہا یا کامیاب؟

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ بِكَسْرِ الْهَمْزَةِ وَضَمِّهَا **حَسَنَةٌ** اِقْتِدَاءٌ بِهٖ فِي الْقِتَالِ وَالثَّبَاتِ فِي مَوَاطِنِهٖ **لِّمَنْ** بَدَلٌ مِنْ لَكُمْ **كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ** يَخَافُهٗ **وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا** ﴿۲۱﴾ بِخِلَافِ مَنْ لَيْسَ كَذٰلِكَ **وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ** مِنَ الْكُفَّارِ **قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ** مِنَ الْاِبْتِلَاءِ وَالنَّصْرِ **وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ** فِي الْوَعْدِ **وَمَا زَادَهُمْ** ذٰلِكَ **اِلَّآ اِيْمَانًا** تَصْدِيْقًا بِوَعْدِ اللّٰهِ **وَّتَسْلِيْمًا** ﴿۲۲﴾ لِاَمْرِهٖ **مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ** مِنَ الثَّبَاتِ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم **فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ** مَاتَ اَوْ قُتِلَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ **وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ** ذٰلِكَ **وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا** ﴿۲۳﴾ فِي الْعَهْدِ وَهُمْ بِخِلَافِ حَالِ الْمُنَافِقِيْنَ **لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ** بِاَنْ يُمِيْتَهُمْ عَلٰى نِفَاقِهِمْ **اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ** اِنْ شَاءَ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا** لِمَنْ تَابَ **رَّحِيْمًا** ﴿۲۴﴾ بِهٖ **وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** اَيِ الْاَحْزَابَ **بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا** مُرَادَهُمْ مِنَ الظَّفَرِ بِالْمُؤْمِنِيْنَ **وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ** بِالرِّيْحِ وَالْمَلٰئِكَةِ **وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا** عَلٰى اِيْجَادِ مَا يُرِيْدُهٗ **عَزِيْزًا** ﴿۲۵﴾ غَالِبًا عَلٰى اَمْرِهٖ **وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ** اَيْ قُرَيْظَةَ **مِنْ صَيَاصِيْهِمْ** حُصُوْنِهِمْ جَمْعُ صِيْصِيَةٍ وَهُوَ مَا يُتَحَصَّنُ بِهٖ **وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ** الْخَوْفَ **فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ** مِنْهُمْ وَهُمُ الْمُقَاتِلَةُ **وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا** ﴿۲۶﴾ مِنْهُمْ اَيِ الذَّرَارِيَّ **وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا** بَعْدُ وَهِيَ خَيْبَرُ اُخِذَتْ بَعْدَ قُرَيْظَةَ **وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا** ﴿۲۷﴾ ع ٧/١٩

ترجمہ: یقیناً تمہارے لئے (حیات) رسول اللہ میں اقتداء کے لئے قتال میں اور قتال میں ثابت قدم رہنے میں عمدہ نمونہ موجود ہے اسوة کے ہمزہ پر کسرہ اور ضمہ کے ساتھ (یعنی) ہر اس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت سے ڈرتا ہے

اور اللہ کا بکثرت ذکر کرتا ہے بخلاف اس شخص کے جو اس صفت پر نہیں ہے لِـمَـنْ ، لَـکُـمْ سے بدل ہے اور ایمان والوں نے جب کفار کے لشکروں کو دیکھا تو بے ساختہ کہہ اٹھے یہی ہے وہ آزمائش اور نصرت کہ جس کا وعدہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے کیا تھا، اللہ اور اس کا رسول وعدہ میں سچا ہے اور اس چیز نے اللہ کے وعدے کی تصدیق اور اس کے حکم کے امتثال میں اضافہ کر دیا ان مومنین میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ جنہوں نے نبی کے ساتھ ثابت قدم رہنے کا جو عہد کیا تھا سچ کر دکھایا پھر بعض ان میں وہ ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے انتقال کر گئے، یا اللہ کے راستہ میں شہید کر دیئے گئے اور ان میں سے بعض موقع کے منتظر ہیں، اور انہوں نے عہد میں کوئی تبدیلی نہیں کی اور ان کا حال منافقین کے حال کے برخلاف ہے (یہ واقعہ اس لئے ہوا) تا کہ اللہ تعالیٰ سچے مسلمانوں کو ان کے سچ کا صلہ دے اور منافقین کو اگر چاہے سزا دے اس طریقہ پر کہ ان کو نفاق ہی پر موت دے، اور اگر چاہے تو ان کی توبہ قبول کرے بلاشبہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں پر بڑا مہربان ہے، اور اللہ تعالیٰ نے کافروں یعنی احزاب کو غصہ میں بھرا ہوا نامراد واپس لوٹا دیا یعنی وہ مومنین پر فتح کی مراد کو حاصل نہ کر سکے، اور اللہ تعالیٰ قتال میں مومنین کی طرف سے آندھی اور ملائکہ کے ذریعہ خود ہی کافی ہو گیا اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اس کے موجود کرنے پر بڑی قوت والا ہے اور اپنے امر پر غالب ہے اور جن اہل کتاب یعنی بنی قریظہ نے ان کی مدد کی تھی ان کو بھی ان کے قلعوں سے نکال دیا صیاصی صِیْصِیَۃٌ کی جمع، اس عمارت کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ حفاظت کی جاتی ہے (قلعہ) اور ان کے قلوب میں رعب خوف بھر دیا ان میں سے ایک فریق کو تم قتل کر رہے تھے اور وہ مقاتلین (جنگباز) تھے، اور ان میں سے ایک فریق (یعنی) بچوں کو قید کر رہے تھے اور اس نے تم کو ان کی زمین کا اور ان کے گھر بار کا اور ان کے اموال کا وارث بنا دیا اور اس زمین کا بھی کہ جہاں ابھی تک تمہارے قدم نہیں پہنچے (وارث بنا دیا) اور وہ ارض خیبر ہے جو قریظہ کے بعد قبضہ میں لی گئی اور اللہ ہر شئ پر قادر ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اُسْوَۃٌ نمونہ عمل، اسم بمعنی مصدر ہے اَلْاِئْتِسَاءُ اقتداء کرنا شارح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اقتداء کے اضافہ سے اشارہ کر دیا کہ اُسْوَۃٌ اسم مصدر کے معنی میں ہے جیسے قُدْوَۃٌ بمعنی اقتداء یقال ائتسٰی فلانٌ بِفُلانٍ ای اِقتدیٰ بہٖ.

قَوْلُہٗ: فِی القِتَالِ والثباتِ یہ دونوں قیدیں اتفاقی ہیں اس کا مفہوم مخالف مراد نہیں ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ کی زندگی بہتر نمونہ عمل ہے ہر حال میں خواہ حالت جنگ ہو یا حالت امن یا حالت قتال میں ثابت قدمی کا معاملہ ہو یا شجاعت و پامردی کا۔

قَوْلُہٗ: فی مَواطِنِہٖ ای مواطِن قتال کسی عارف نے کیا خوب کہا ہے۔

وَخَـصَّـكَ بِـالْـهُـدٰى فِـىْ كُـلِّ اَمْـرٍ فَـلَـسْـتَ تَـشَـاءُ اِلَّا مَـا يَـشَـاءُ

قَوْلُہٗ : بَدَلٌ مِنْ لَکُمْ یعنی لِمَنْ ، لَکُمْ سے اعادۂ جار کے ساتھ بدل البعض ہے۔

قَوْلُہٗ : مَا وَعَدَنَا اللّٰہُ اللہ کے وعدہ سے اللہ تعالیٰ کا قول اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الجنَّةَ (الآیة) مراد ہے، اور قول رسول سے آپ ﷺ کا قول اَنَّ الاحزَابَ سَائرُونَ بعدَ تِسْعِ لیالٍ او عَشر وقوله صلی اللّٰه علیه وسلم سَیَشُدُّ الاَمْرُ بِاجمَاعِ الْاَحزَاب عَلَیْکُمْ وَالْعَاقِبَةُ لَکُمْ عَلَیْهِمْ مراد ہے۔

قَوْلُہٗ : صَدَقَ اللّٰہُ ای ظَهَرَ صِدْقُهٗ.

قَوْلُہٗ : صَدَقَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُهٗ اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لائے ہیں۔

سِوَال : اوپر اللہ اور رسول کا ذکر صراحۃً ہو چکا ہے، لہٰذا یہاں ضمیر لانا یعنی صَدَقَا کہنا کافی تھا، اسم ظاہر لانے کی کیا وجہ ہے؟

جَوَابِ : ❶ اللہ کے نام کی تکریم و تعظیم کے لئے اللہ کے نام کو مستقلاً ذکر کیا۔

جَوَابِ : ❷ یہ ہے کہ ضمیر لانے میں اللہ اور رسول کا نام ایک لفظ میں جمع ہو جاتا، اس لئے کہ دونوں کے لئے تثنیہ کا صیغہ صَدَقَا لایا جاتا جو موہم الی الشرک ہے، نیز آپ ﷺ نے دونوں اسموں کو لفظ واحد میں جمع کرنے سے منع فرمایا ہے اور ایک خطیب کی جس نے مَنْ یُطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ یَعْصِهِمَا فَقَدْ غَوٰی کہا تھا، مذمت فرماتے ہوئے فرمایا بِئْسَ خطیبُ القوم اَنْتَ قل وَمَنْ یعصِ اللّٰه وَرَسُوْلَه.

قَوْلُہٗ : نَحْبَهٗ، نَحْبٌ نذر، منت، یہ موت سے کنایہ ہے، اس لئے کہ ہر جاندار کے لئے نذر کی طرح موت بھی لازم ہوتی ہے۔

قَوْلُہٗ : صِیْصِیَةٌ ما یُتَحَصَّنُ بِهٖ یعنی جس کے ذریعہ حفاظت کی جائے خواہ قلعہ ہو یا اور کوئی شئ مثلاً سینگ، مرغ کا خار، وغیرہ۔

تفسیر و تشریح

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِی رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ سے وَاَنْزَلَ الَّذِیْنَ ظَاهَرُوهم من اهلِ الکتاب تک واقعۂ احزاب کا تتمہ ہے، ان آیات میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان مومنین مخلصین اور منافقین پر عتاب فرمایا ہے جو غزوۂ احزاب میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک نہیں ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے مسلمانو! اور منافقو! تم سب کے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے پس تم جہاد میں اور صبر و ثبات میں اسی کی پیروی کرو، ہمارا یہ پیغمبر جہاد میں بھوکا رہا حتی کہ اپنے پیٹ پر پتھر باندھے ان کا چہرۂ انور زخمی ہو گیا، ان کے دندان مبارک شہید ہوئے اور خندق اپنے ہاتھوں سے کھودی اور تقریباً ایک ماہ دشمن کے سامنے سینہ سپر رہا، یہ آیت اگرچہ جنگ احزاب کے ضمن میں نازل ہوئی ہے، جس میں جنگ کے موقع پر بطور خاص رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھنے اور اس کی اقتداء کرنے کا حکم دیا گیا ہے، مگر یہ حکم عام ہے، یعنی آپ ﷺ کے تمام اقوال و افعال

میں مسلمانوں کے لئے آپ ﷺ کی اقتداء ضروری ہے، چاہے اس کا تعلق عبادات سے ہو یا معاشرت سے، معیشت سے، یا سیاست سے زندگی کے ہر شعبہ میں آپ کی ہدایات واجب الاتباع ہیں۔

لِمَن کان یرجوا اللّٰہَ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اسوۂ رسول کو وہی شخص اپنائے گا جو آخرت میں اللہ کی ملاقات پر یقین رکھتا ہو اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہو، آج مسلمان بالعموم ان دونوں وصفوں سے محروم ہیں اس لئے اسوۂ رسول کی بھی ان کے دلوں میں کوئی اہمیت نہیں ہے۔

منافقین نے تو دشمن کی کثرت تعداد اور حالات کی سنگینی کو دیکھ کر کہا تھا کہ اللہ اور رسول کے دعوے فریب تھے، ان کے برعکس اہل ایمان نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول نے جو وعدہ کیا ہے کہ ابتلاء وامتحان سے گذرنے کے بعد تمہیں فتح ونصرت سے ہمکنار کیا جائے گا وہ سچا ہے، مطلب یہ ہے کہ حالات کی شدت اور ہولناکی نے ان کے ایمان کو متزلزل نہیں کیا، بلکہ ان کے ایمان میں جذبہ اطاعت وانقیاد اور تسلیم ورضاء میں مزید اضافہ کر دیا، اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ مختلف احوال کے اعتبار سے ایمان اور اس کی قوت میں کمی بیشی ہوتی ہے، جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے۔

شان نزول:

مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا یہ آیت صحابہ کرام کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی جن میں بعض وہ حضرات بھی شامل تھے کہ جو کسی وجہ سے غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے مگر انہوں نے یہ عہد کیا تھا کہ اگر آئندہ کبھی آپ ﷺ کی معیت میں جہاد میں شریک ہونے کا موقع ملے گا تو ہم جہاد میں بھرپور حصہ لیں گے اور راہ خدا میں اپنی جان عزیز بھی قربان کر دیں گے جیسے نضر بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ، بالآخر لڑتے ہوئے جنگ احد میں شہید ہوئے، ان کے جسم پر تیر وتلوار وغیرہ کے اسی سے بھی زیادہ زخم تھے، ان کی شہادت کے بعد ان کی ہمشیرہ نے انہیں ان کی انگلی کے پوروں سے پہچانا (مسند احمد ج ۴، ص ۱۹۳) نَحْبٌ کے معنی نذر، عہد، موت کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ ان صادقین میں سے کچھ نے اپنا عہد اور نذر پوری کرتے ہوئے جام شہادت نوش کر لیا۔

اور بعض وہ ہیں جو ابھی تک عروس شہادت سے ہمکنار نہیں ہوئے ہیں تاہم شہادت کے شوق میں شریک جہاد ہوتے ہیں، اور شہادت کی سعادت کے آرزومند ہیں، انہوں نے اپنی نذر یا عہد میں تبدیلی نہیں کی۔

رَدَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یعنی کفار کا لشکر ذلت وناکامی سے پیچ وتاب کھاتا ہوا اور غصہ سے دانت پیستا ہوا خائب وخاسر میدان چھوڑ کر بھاگ گیا، نہ فتح نصیب ہوئی اور نہ مال ہاتھ لگا، البتہ عمرو بن عبدوڈ جیسا نامور سوار جسے لوگ ہزار سواروں کے برابر سمجھتے تھے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے ہاتھ سے مارا گیا، مشرکین نے درخواست کی کہ دس ہزار درہم کے بدلے اس کی لاش ہمیں دیدی جائے، آپ نے فرمایا تم لیجاؤ، ہم مردوں کا ثمن نہیں کھاتے (فوائد عثمانی) غزوۂ احزاب میں دوبدو مقابلہ کی نوبت نہیں آئی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ہوا کا طوفان اور فرشتوں کا لشکر بھیج کر وہ اثر پیدا کیا کہ کفار

سراسیمہ اور مرعوب ہو کر بھاگ گئے، اس وقت آپ نے فرمایا الآن نغزوهم ولا يغزونا نحن نسير اليهم الخ.

(خازن، جمل)

غزوۂ بنی قریظہ:

وأنزل الذين ظاهروهم من اهل الكتاب غزوۂ بنوقریظہ چونکہ غزوۂ احزاب کا تتمہ بلکہ اسی کا ایک حصہ ہے اس لئے غزوۂ احزاب کے بعد غزوۂ بنی قریظہ کا ذکر فرمایا چونکہ ان دونوں غزوات میں زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق بہت سی ہدایات اور رسول اللہ ﷺ کے معجزات و بینات اور بہت سی عبرتیں اور نصیحتیں ہیں اس لئے ان دونوں غزوات کو تفصیل سے لکھا گیا ہے، اور خود قرآن کریم میں تفصیل کے ساتھ دو رکوع میں ذکر کیا گیا ہے۔

غزوۂ بنی قریظہ ذیقعدہ ۵ھ یوم چہارشنبہ کو پیش آیا، رسول اللہ ﷺ غزوۂ خندق سے صبح کی نماز کے بعد واپس ہوئے آپ ﷺ نے اور تمام مسلمانوں نے ہتھیار کھول دیئے، جب ظہر کا وقت قریب آیا تو جبرئیل امین ایک خچر پر سوار عمامہ باندھے ہوئے تشریف لائے۔

فائدہ: ابن سعد کی روایت میں ہے کہ جبرئیل امین موضع جنائز (وہ جگہ جو آپ نے نماز جنازہ کے لئے مسجد سے علیحدہ بنوائی تھی) کے قریب آکر کھڑے ہوگئے، (طبقات ص ۵۳، ج ۲) معلوم ہوا کہ جنازہ کی نماز مسجد میں نہ پڑھنی چاہئے، ورنہ نماز جنازہ کے لئے مسجد سے علیحدہ جگہ بنانے کی کیا حاجت تھی؟

جبرئیل امین نے آپ ﷺ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا، کیا آپ ﷺ نے ہتھیار اتار دیئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا فرشتوں نے تو ابھی ہتھیار نہیں کھولے، اور نہ وہ ہنوز واپس ہوئے، اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے آپ کو بنوقریظہ کی طرف جانے کا حکم فرمایا ہے، اور میں خود بھی بنی قریظہ کی طرف جا رہا ہوں ان کو جا کر متزلزل کرتا ہوں۔

(البداية والنهاية ج٤، ص١١٦)

حضرت انس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور بنی قریظہ کے درمیان پہلے معاہدہ تھا جب قریش پورے جزیرۃ العرب کا متحدہ محاذ بنا کر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے تو بنوقریظہ آپ ﷺ سے معاہدہ توڑ کر قریش کے ساتھ مل گئے (اس کی کچھ تفصیل سابق میں گذر چکی ہے) جب احزاب کو اللہ تعالیٰ نے شکست دی تو بنی قریظہ قلعہ بند ہوگئے، حضرت جبرئیل فرشتوں کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ فوراً بنی قریظہ کی طرف روانہ ہو جائیں، آپ نے فرمایا میرے اصحاب ابھی تھکے ہوئے ہیں، جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ آپ اس کا خیال نہ کریں اور روانہ ہو جائیں چنانچہ نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ کوئی شخص سوائے بنی قریظہ کے کہیں نماز عصر نہ پڑھے، راستہ میں جب نماز عصر کا وقت آیا تو اختلاف ہوا تو بعض حضرات نے کہا ہم تو بنی قریظہ پہنچ کر ہی عصر کی نماز پڑھیں گے بعض نے کہا ہم نماز پڑھ لیتے ہیں، چنانچہ کچھ لوگوں نے راستہ ہی میں نماز عصر ادا کر لی، اور بعض حضرات نے بنی

قریظہ پہنچ کر عصر کی نماز قضاء کی، قضاء نماز پڑھنے والوں نے کہا چونکہ آپ ﷺ نے بنی قریظہ پہنچ کر ہی نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے اس لئے ہم تو بنی قریظہ پہنچ کر ہی نماز پڑھیں گے، اور راستے میں نماز پڑھنے والوں نے یہ دلیل دی کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ مقصد نہ تھا کہ نماز قضاء کر دی جائے بلکہ مقصود تعجیل تھا، جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ نے کسی پر اظہار ناراضگی نہیں فرمایا (بخاری شریف) اس لئے کہ نیت ہر ایک کی خیر تھی۔

فائدہ: حافظ ابن قیم فرماتے ہیں جس نے حدیث کے ظاہر الفاظ پر عمل کیا اس کو بھی اجر ملا اور جس نے اجتہاد و استنباط کیا اس کو بھی اجر ملا، لیکن جن لوگوں نے ظاہر الفاظ پر نظر کر کے بنی قریظہ پہنچنے سے پہلے نماز عصر ادا نہ کی حتی کہ وقت عصر نکل گیا تو ان لوگوں کو فقط ایک فضیلت حاصل ہوئی یعنی حکم نبوی کی تعمیل کا اجر ملا، اور جن لوگوں نے اجتہاد و استنباط سے کام لیا اور منشاء نبوی کو سمجھا ان لوگوں کو دہرا اجر۔ (فتح الباری ملخصًا ص ۳۱۶، ج ۷)

بعد از آں آپ ﷺ نے حضرت علی کو رایۂ اسلام دے کر روانہ فرمایا جب حضرت علی وہاں پہنچے تو یہود نے آنحضرت ﷺ کو کھلم کھلا گالیاں دیں، اس کے بعد آپ ﷺ روانہ ہوئے اور پہنچ کر بنی قریظہ کا محاصرہ کیا، پچیس روز تک ان کو محاصرہ میں رکھا، اس اثناء میں ان کے سردار کعب بن اسد نے ان کو جمع کر کے یہ کہا کہ میں تین باتیں تم پر پیش کرتا ہوں ان میں سے جس ایک کو چاہو اختیار کر لو تاکہ تم کو اس مصیبت سے نجات ملے۔

اول یہ کہ ہم اس شخص (یعنی محمد ﷺ) پر ایمان لے آئیں اور اس کے متبع اور پیرو بن جائیں۔

فَوَاللّٰہِ لَقَدْ تَبَیَّنَ لکم اَنَّہٗ نبیٌّ مُرسلٌ وانَّہُ الّذی تجدونہٗ فی کتابکم فتامنون علٰی دمائکم واموالکم وابناء کم ونساء کم.

کیونکہ خدا کی قسم تم پر یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے، کہ وہ بلاشبہ اللہ کے نبی اور رسول ہیں اور تحقیق یہ وہی نبی ہیں جن کو تم تورات میں لکھا پاتے ہو اگر ایمان لے آؤ گے تو تمہاری جان اور مال اور عورتیں سب محفوظ ہو جائیں گی۔

بنی قریظہ نے کہا ہمیں یہ منظور نہیں، دوسری بات یہ کہ بچوں اور عورتوں کو قتل کر کے بے فکر ہو جاؤ اور شمشیر بکف ہو کر پوری ہمت اور پامردی کے ساتھ محمد (ﷺ) کا مقابلہ کرو اگر ناکام رہے تو عورتوں اور بچوں کا کوئی غم نہ ہوگا اور اگر کامیاب ہو گئے تو عورتیں بہت ہیں ان سے بچے بھی پیدا ہو جائیں گے، بنو قریظہ نے جواب دیا کہ بلا وجہ عورتوں اور بچوں کو قتل کر کے زندگی کا کیا لطف ہے؟ کعب نے کہا اچھا اگر یہ منظور نہیں تو تیسری بات یہ ہے کہ آج ہفتہ کی شب ہے عجب نہیں کہ محمد اور ان کے ساتھی غافل اور بے خبر ہوں، اور ہماری طرف سے اس وجہ سے مطمئن ہوں کہ ہفتہ ہمارے نزدیک محترم ہے ہم اس دن میں حملہ نہیں کر سکتے، مسلمانوں کی اس غفلت اور بے خبری سے یہ فائدہ اٹھاؤ کہ اچانک ان پر شب خون مارو، بنو قریظہ نے کہا اے کعب تجھ کو معلوم ہے کہ ہمارے اسلاف اسی دن کی بے حرمتی کی وجہ سے بندر اور سور بنائے گئے، پھر تو ہم کو اسی کام کا حکم دیتا ہے، الغرض بنو قریظہ نے کعب کی ایک بات بھی نہ مانی، اور سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ہتھیار ڈال دیں اور آپ ان

کے بارے میں جو فیصلہ فرمائیں اس پر راضی ہو جائیں، قبیلہ اوس نے جن کا بنو قریظہ سے قدیم زمانہ میں معاہدہ رہا تھا آپ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ان کے ساتھ بھی وہی معاملہ کریں جو بنی نضیر کے ساتھ کیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ میں ان کا معاملہ تمہارے ہی ایک سردار کے سپرد کردوں یہ لوگ اس پر راضی ہو گئے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا وہ تمہارے سردار سعد بن معاذ ہیں ان کا فیصلہ میں ان کے سپرد کرتا ہوں اس پر سب لوگ راضی ہو گئے۔

حضرت سعد بن معاذ چونکہ واقعہ خندق میں ایک تیر لگنے کی وجہ سے شدید زخمی ہو گئے تھے، آپ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ کا خیمہ مسجد نبوی کے صحن میں لگوادیا تھا تاکہ تیمارداری میں سہولت رہے، جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ بنو قریظہ کا فیصلہ حضرت سعد ہی پر چھوڑ دیا تھا، حضرت سعد نے یہ فیصلہ دیا کہ ان میں جو جنگ کرنے والے جوان ہیں وہ قتل کردیئے جائیں اور عورتوں بچوں نیز بوڑھوں کے ساتھ جنگی قیدیوں کا معاملہ کیا جائے جو اسلام میں معروف ہے، چنانچہ یہی فیصلہ نافذ کردیا گیا، اس فیصلے کے فوراً بعد ہی حضرت سعد کے زخم سے خون بہہ پڑا اسی میں ان کا انتقال ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے ان کی دونوں دعائیں قبول فرمائیں، ایک یہ کہ آئندہ قریش کا رسول اللہ ﷺ پر کوئی حملہ نہ ہوگا، دوسرے یہ کہ بنو قریظہ کو ان کی غداری کی سزا مل جائے۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وهُنَّ تِسعٌ وطَلَبنَ منه من زينَةِ الدُّنيا ما ليس عنده **اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ** اى مُتعَةَ الطَّلاقِ **وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا** ﴿۲۸﴾ اُطَلِّقكن من غير ضِرارٍ **وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ** اى الجنَّةَ **فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ** بِاِرادَةِ الاٰخرةِ **اَجْرًا عَظِيْمًا** ﴿۲۹﴾ اى الجنَّةَ فاختَرنَ الاٰخِرَةَ على الدُّنيا **يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ** بفتحِ الياءِ وكسرِها اى بُيِّنَتْ او هي بَيِّنَةٌ **يُّضٰعَفْ** وفي قراءةٍ يُضَعَّفْ بالتشديد وفي اُخرى نُضَعِّفْ بالنُّونِ معه ونَصبِ العَذابِ **لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ** ضِعفَي عَذابِ غيرِهِنَّ اى مِثلَيهِ **وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا** ﴿۳۰﴾ **وَمَنْ يَّقْنُتْ** يُطِعْ **مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ** اى مِثلَي ثَوابِ غيرِهِنَّ مِن نِساءٍ وفي قِراءةٍ بالتَّحتانِيَّةِ في تَعمَلْ ونُؤتِها **وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا** ﴿۳۱﴾ في الجنَّةِ زِيادَةً **يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ** كجَماعَةٍ **مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ** اللّٰهَ فاِنَّ كُنَّ اَعظَمَ **فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ** للرِّجالِ **فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ** نِفاقٌ **وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا** ﴿۳۲﴾ مِن غيرِ خُضُوعٍ **وَقَرْنَ** بكسرِ القافِ وفتحِها **فِيْ بُيُوْتِكُنَّ** مِنَ القَرارِ واَصلُهُ اِقْرِرْنَ بكسرِ الرَّاءِ وفتحِها مِن قَرِرتُ بفتحِ الراءِ وكسرِها نُقِلَتْ حَرَكَةُ الرَّاءِ الى القافِ وحُذِفَتْ مَعَ هَمزَةِ الوَصلِ **وَلَا تَبَرَّجْنَ** بتَركِ اِحدَى التَّائَينِ مِن اَصلِهِ **تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى** اى ما قَبلَ الاِسلامِ مِن اِظهارِ النِّساءِ مَحاسِنَهُنَّ لِلرِّجالِ والاِظهارُ بَعدَ الاِسلامِ مَذكُورٌ في اٰيَةِ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا

وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ الاِثم يَا اَهْلَ الْبَيْتِ اى نِسَاءَ النَّبِيِّ وَيُطَهِّرَكُمْ منه تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ القُرآن وَالْحِكْمَةِ السُّنَّةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا بِاَوْلِيَائِهٖ خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ بِجَمِيْعِ خَلْقِهٖ.

ترجمہ: اے نبی آپ اپنی ازواج سے کہہ دیجئے اگر تم دنیوی زندگی (کا عیش) اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو کچھ یعنی متعۂ طلاق دیدوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور دار آخرت کو چاہتی ہو یعنی جنت کو تو یقین جانو کہ تم میں نیک کام کرنے والیوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے ارادۂ آخرت پر زبردست اجر یعنی جنت تیار کر رکھی ہے، چنانچہ ان سب نے آخرت کو دنیا پر ترجیح دی، اے نبی کی بیبیو! جو بھی تم میں سے کھلی ہوئی بیہودگی کا ارتکاب کرے گی مُبَيِّنَةً میں ی کے فتحہ اور اس کے کسرہ کے ساتھ یعنی ظاہر کی ہوئی یا کھلی ہوئی تو اس کو دوہرا عذاب دیا جائے گا اور ایک قراءت میں يُضَعَّف تشدید کے ساتھ ہے، اور ایک قراءت میں نون مع التشدید اور العذاب کے نصب کے ساتھ (یعنی) غیر ازواج کے عذاب کا دوگنا، یعنی دو مثل اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بہت آسان ہے اور تم میں سے جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گی اور عمل صالح کرے گی تو ہم اس کو دوہرا اجر دیں گے، یعنی دوسری عورتوں کی بہ نسبت دوہرا اجر اور ایک قراءت میں نعمل اور نؤتها میں یا تحتانیہ کے ساتھ ہے، اور ہم نے اس کے لئے جنت میں مزید برآں بہترین روزی تیار کر رکھی ہے، اے نبی کی بیبیو! تم عام عورتوں کی طرح (معمولی) نہیں ہو اگر تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تو بلاشبہ تم بڑے درجوں والی ہو، تو مردوں سے گفتگو میں نرم لہجہ مت اختیار کرو، کہ جس کے قلب میں مرض نفاق ہو وہ طمع کرنے لگے، اور تم نرمی اور نزاکت کے بغیر قاعدے کے مطابق کلام کرو اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو قَرْنَ میں کسرہ اور فتحہ دونوں کے ساتھ ہے، یہ قرار سے مشتق ہے، اس کی اصل اِقْرِرْنَ راء کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ قَرِرْتَ فتحۂ راء اور کسرۂ راء سے مشتق ہے، راء کی حرکت قاف کی طرف منتقل ہوگئی اور مع ہمزہ وصل کے حذف ہوگئی اور قدیم زمانہ جاہلیت کے دستور کے مطابق تم اپنی زینت کا اظہار مت کرو، یعنی زمانہ ماقبل اسلام میں عورتوں کے مردوں کے لئے اظہار محاسن کے مانند، اور زمانہ اسلام کے بعد کا اظہار، آیت وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا میں مذکور ہے اور نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتی رہو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتی رہو اے اہل بیت یعنی نبی کی بیبیو! اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ تم سے گناہ کی آلودگی دور کرے اور تم کو خوب پاک صاف رکھے اور تم ان آیات قرآنی اور حکمت سنت کو یاد رکھو جن کا تمہارے گھروں میں تذکرہ رہتا ہے یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء پر لطف کرنے والا اور اپنی تمام مخلوق سے باخبر ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: یٰاَیُّھَا النبیُّ قل لِاَزْوَاجِکَ ازواج نبی ﷺ اور دیگر مسلمان عورتوں کے اسلامی موقف کو بیان کرنے کے لئے یہ کلام مستانف ہے۔

قولہ: فَتَعَالَیْنَ تم آؤ یہ تَعَالیٰ سے امر جمع مؤنث حاضر مبنی بر سکون ہے نون نسوۃ فاعل ہے، یہ کلمہ اپنے کثرت استعمال کی وجہ سے اَقْبِلْ (سنو) کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔

قولہ: اُمَتِّعْکُنَّ واُسَرِّحْکُنَّ عام قراءت میں یہ دونوں صیغے جزم کے ساتھ ہیں، مجزوم ہونے کی دو وجہ ہوسکتی ہیں، اول یہ کہ جواب شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم ہو اور کُنْتُنَّ شرط ہو اور شرط اور جواب شرط کے درمیان جملہ معترضہ ہو، دوسری وجہ یہ ہے کہ فَتَعَالَیْنَ جواب شرط ہو اور اُمَتِّعْکُنَّ جواب امر ہو۔

قولہ: مِنْ کُنَّ مِن بیانیہ ہے اس لئے کہ تمام ازواج محسنات ہیں، دوسری ترکیب اول سے بہتر ہے۔

(اعراب القرآن للدرویش)

قولہ: اِنِ اتَّقَیْتُنَّ اِنْ حرف شرط اِتَّقَیْتُنَّ شرط محلاً مجزوم، جواب شرط محذوف جیسا کہ شارح رحمہ اللہ تعالیٰ نے فَاَنْتُنَّ اعظم سے اشارہ کردیا ہے اور بعض مفسرین نے فَلَا تَخْضَعْنَ بالقول کو جواب شرط قرار دیا ہے، ای اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فلا تکلّمنَ کلامًا لَیّنًا خاضِعًا مع الرجالِ ککلامِ المربیَاتِ.

قولہ: وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ (در فارسیہ) ای آرام بگیرید در خانہائے خویش یعنی اپنے گھروں میں سکون سے رہو وَقَرْنَ میں واؤ عاطفہ ہے جمع مؤنث امر حاضر معروف یہ اصل میں قرار سے اِقْرَرْنَ تھا (سمع) یا اصل میں اِقْرِرْنَ تھا راء کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ قَرَرْتَ یا قَرِرْتَ سے راء کی حرکت کو نقل کرکے قاف کو دیدی اور راء مع ہمزہ حذف ہوگئی، (ضرب) تم ٹھہری رہو، بیضاوی اور زمخشری نیز نیشاپوری نے لکھا ہے یہ قَارَ یقارُ بروزن خَافَ یَخَافُ سے ہے، یعنی تم جمے رہو اور بعض حضرات نے واؤ کو اصل قرار دیکر وَقَرَ یقِرُ سے مشتق قرار دیا ہے یعنی سکون اور قرار سے رہو۔ (لغات القرآن) تبرّجن اصل میں تَتَبَرَّجْنَ تھا، ناز وانداز سے چلنا اور اپنی زینت ومحاسن کو اجنبیوں کے لئے ظاہر کرنا۔

تفسیر وتشریح

ربطِ آیات:

سورۂ احزاب کے مقاصد میں سے اہم مقصد رسول اللہ ﷺ کی ایذاء سے اور ہر ایسی چیز سے بچنے کی تاکید ہے جس سے آپ کو تکلیف پہنچے، نیز اس سورت میں آپ کی اطاعت اور رضاء جوئی کے مؤکد احکام ہیں، غزوۂ احزاب میں کفار

ومنافقین کی طرف سے آپ کو ایذائیں پہنچیں۔

مذکورۃ الصدر آیات میں خاص ازواج مطہرات کو تعلیم ہے کہ وہ خصوصاً اس کا اہتمام کریں کہ آپ ﷺ کو ان کے کسی قول وفعل سے ایذاء نہ پہنچے اور یہ جبھی ہوسکتا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی مکمل اطاعت میں لگ جائیں اس سلسلہ کے چند احکام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو خطاب کرکے بتلائے گئے ہیں۔

شان نزول:

شروع آیات میں جو ازواج مطہرات کو طلاق لینے کا اختیار دینا مذکور ہے اس کے ایک یا چند واقعات ہیں جو ازواج مطہرات کی طرف سے پیش آئے، جو رسول اللہ ﷺ کی منشاء کے خلاف تھے جن میں بلا قصد واختیار رسول اللہ کو تکلیف پہنچی، ان واقعات میں سے ایک واقعہ وہ ہے جو صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے مفصل آیا ہے، اس میں مذکور ہے کہ ازواج مطہرات نے جمع ہو کر رسول اللہ ﷺ سے اس کا مطالبہ کیا کہ ان کا نان ونفقہ بڑھا دیا جائے، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

فتوحات کے نتیجے میں جب مسلمانوں کی حالت پہلے سے کچھ بہتر ہوگئی تو انصار ومہاجرین کی عورتوں کو دیکھ کر ازواج مطہرات نے بھی نان ونفقہ میں اضافے کا مطالبہ کردیا نبی کریم ﷺ چونکہ نہایت سادگی پسند تھے اس لئے ازواج مطہرات کے اس مطالبہ پر نہایت کبیدہ خاطر ہوئے اور یہی واقعہ تخییر طلاق کا سبب بنا جس کی وجہ سے آپ نے ازواج مطہرات سے علیحدگی اختیار کرلی جو ایک ماہ تک جاری رہی، اور آپ نے بالاخانہ پر تنہائی اختیار فرمالی، مدینہ میں غم کا ماحول چھا گیا، ہر شخص حیران تھا، لوگ آپ کے دولت کدہ کے دروازہ پر جمع تھے مگر کسی کو اندر آنے کی اجازت نہیں مل رہی تھی، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور اجازت طلب کی تو آپ کو اجازت مل گئی، آپ اندر تشریف لے گئے پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور اجازت چاہی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اجازت مل گئی آپ بھی اندر تشریف لے گئے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ گم صم بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ کے اطراف آپ کی ازواج بیٹھی ہوئی ہیں، حضرت عمر فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا واللہ میں ایک ایسی بات کہوں گا کہ جس کی وجہ سے آپ ﷺ کو ہنسی آجائے گی، چنانچہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر بنت خارجہ یعنی میری بیوی مجھ سے نفقہ طلب کرتی تو میں اس کی گردن دبا دیتا، یہ بات سن کر آپ ﷺ کو ہنسی آگئی، آپ نے فرمایا یہ جو میرے پاس بیٹھی ہوئی ہیں مجھ سے نفقہ طلب کررہی ہیں، چنانچہ حضرت ابوبکر اٹھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گردن دبا دی، اور حضرت عمر نے حضرت حفصہ کی گردن دبا دی اور دونوں نے یہ کہا کہ کیا تم آپ سے ایسی چیز کا مطالبہ کرتی ہو جو آپ کے پاس نہیں ہے؟ اس کے بعد آپ ایک ماہ تک ازواج سے الگ رہے اس کے بعد مذکورہ آیت نازل ہوئی، بعض روایات میں حضرت زینب کے گھر میں شہد پینے کے واقعہ کو تخییر طلاق کا سبب بتایا گیا ہے اگر یہ دونوں واقعے قریبی زمانہ میں پیش آئے ہوں تو یہ بھی بعید نہیں کہ دونوں ہی تخییر طلاق کا سبب ہوں،

لیکن آیت تخییر کے الفاظ سے زیادہ تائید اس کی ہوتی ہے کہ ازواج مطہرات کی طرف سے کوئی مالی مطالبہ اس کا سبب بنا ہے، اس لئے کہ اس آیت میں فرمایا ہے اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا بالآخر اللہ تعالیٰ نے اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ (الآیة) نازل فرمائی، اس کے بعد آپ نے سب سے پہلے حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کو یہ آیت سنا کر اختیار دیا، مگر ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کریں بلکہ اپنے والدین سے مشورہ کے بعد کوئی قدم اٹھائیں، حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے فرمایا، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں آپ کے بارے میں مشورہ کروں؟ بلکہ میں اللہ اور اس کے رسول کو پسند کرتی ہوں اور یہی بات دیگر ازواج مطہرات نے بھی کہی، اور کسی نے بھی رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر دنیا کے عیش و آرام کو ترجیح نہیں دی (صحیح بخاری، تفسیر سورۂ احزاب) اس وقت آپ ﷺ کے حبالۂ عقد میں نو بیویاں تھیں، پانچ قریش میں سے تھیں، حضرت عائشہ، ام حبیبہ، حفصہ، سودہ، اور ام سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُنَّ اور چار ان کے علاوہ تھیں یعنی حضرت صفیہ، میمونہ، زینب، اور جویریہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُنَّ۔

مَسْئَلَہ: اختیار طلاق کی دو صورتیں ہوتی ہیں، ایک یہ کہ طلاق کا اختیار عورت کے سپرد کر دیا جائے اگر وہ چاہے تو خود اپنے نفس کو طلاق دیکر آزاد ہو جائے، دوسرے یہ کہ طلاق شوہر ہی کے ہاتھ میں رہے کہ اگر عورت چاہے تو وہ طلاق دیدے، آیت مذکورہ میں بعض حضرات نے پہلی صورت کو اختیار کیا ہے اور بعض نے دوسری کو، آیت کے الفاظ میں دونوں کا احتمال ہے، اور بعض حضرات نے نفس تخییر ہی کو طلاق قرار دیا ہے، یہ صحیح نہیں ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب زوجین کی طبیعتوں میں مناسبت نہ ہو تو مستحب یہ ہے کہ بیوی کو اختیار دیدیا جائے، اگر رہنا چاہے تو رہے ورنہ متعۂ طلاق دیکر عزت کے ساتھ رخصت کر دیا جائے۔

یٰا نِسَاءَ النَّبِیِّ مَنْ یَّاْتِ مِنْکُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ قرآن مجید میں الفاحِشَةَ (معرف باللام) کو زنا کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے، لیکن فَاحِشَةٌ (نکرہ) برائی کے لئے استعمال ہوا ہے، جیسے کہ یہاں ہے، یہاں اس کے معنی بداخلاقی اور نامناسب طرز عمل کے ہیں، اس لئے کہ نبی ﷺ کے ساتھ بداخلاقی اور نامناسب رویہ آپ کو ایذا پہنچاتا ہے، جس کا ارتکاب کفر ہے، اس کے علاوہ ازواج مطہرات خود بھی مقام بلند کی حامل تھیں اور بلند مرتبت لوگوں کی معمولی غلطیاں بھی بڑی سمجھی جاتی ہیں اس لئے ازواج مطہرات کو دوگنے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے، اگلی آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ جس طرح گناہ کا وبال دوگنا ہوگا، اسی طرح نیکیوں کا اجر بھی دوہرا ہوگا۔

یٰنِسَاءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ یعنی تمہاری حیثیت اور مرتبہ عام عورتوں کا سا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں رسول اللہ ﷺ کی زوجیت کا جو شرف عطا فرمایا ہے اس کی وجہ سے تمہیں ایک امتیازی مقام حاصل ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی طرح تمہیں بھی امت کے لئے ایک نمونہ بننا ہے چنانچہ انہیں ان کے مقام اور مرتبہ سے آگاہ کر کے انہیں کچھ ہدایات دی جارہی ہیں، مخاطب اگرچہ ازواج مطہرات ہیں لیکن انداز بیان سے صاف واضح ہے کہ مقصد پوری امت مسلمہ کی عورتیں ہیں، اس لئے یہ ہدایات تمام مسلمان عورتوں کے لئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح عورت کے وجود کے اندر مرد کے لئے جنسی کشش رکھی ہے (جس کی حفاظت کے لئے بھی خصوصی ہدایات دی گئی ہیں تاکہ عورت مرد کے لئے فتنے کا باعث نہ ہو) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی آواز میں بھی فطری طور پر دلکشی، نرمی اور نزاکت ودیعت فرمائی ہے، جو مرد کو اپنی طرف کھینچتی ہے، لہٰذا اس آواز کے لئے بھی یہ ہدایت دی گئی کہ اجنبی مردوں سے گفتگو کرتے وقت قصداً ایسا لب ولہجہ اختیار کرو کہ نرمی اور لطافت کی جگہ قدرے سختی اور روکھا پن ہو تاکہ کوئی بد باطن لہجے کی نرمی سے تمہاری طرف مائل نہ ہو اور اس کے دل میں کوئی برا خیال پیدا نہ ہو اور **وقُلْنَ قولاً معروفًا** سے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ یہ روکھا پن، صرف لب ولہجہ کی حد تک ہی ہو، زبان سے کوئی ایسا لفظ نہ نکالنا جو معروف قاعدے اور اخلاق کے منافی ہو، اس آیت سے اتنا تو ثابت ہوا کہ عورت کی آواز ستر میں داخل نہیں مگر اس پر بھی احتیاطی پابندی یہاں بھی لگادی گئی کہ اجنبی مرد سے نزاکت اور نرمی سے گفتگو کرنے کے بجائے قدرے روکھا پن اختیار کریں چنانچہ ام المومنین اس آیت کے نزول کے بعد غیر مرد سے کلام کرتے وقت منہ پر ہاتھ رکھ لیتیں تاکہ آواز بدل جائے، آگے **اِنِ اتَّقَیْتُنَّ** کہہ کر اشارہ کردیا کہ یہ ہدایت اور دیگر ہدایات جو آگے آرہی ہیں متقی عورتوں کے لئے ہیں کیونکہ انہیں میں یہ فکر ہوتی ہے کہ ان کی آخرت برباد نہ ہوجائے جن کے دل خوف الٰہی سے عاری ہیں انہیں ان ہدایات سے کیا سروکار؟ وہ کب ان ہدایات کی پرواہ کرتی ہیں؟

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ یعنی اپنے گھروں میں ٹک کر رہو، اور بغیر ضروری حاجت کے گھر سے باہر نہ نکلو، اس میں وضاحت کردی گئی کہ عورت کا دائرۂ عمل امور سیاست اور جہاں بانی نہیں، نیز معاشی جھمیلے بھی ان کے دائرۂ عمل سے خارج ہیں، بلکہ گھروں میں چہار دیواری کے اندر رہ کر امور خانہ داری انجام دینا عورتوں کا دائرۂ عمل ہے۔

وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الجاھلیَّۃِ الْاُوْلٰی اس آیت میں گھر سے باہر نکلنے کے آداب بتلائے گئے ہیں کہ اگر باہر جانے کی ضرورت پیش آئے تو بناؤ سنگھار کرکے یا ایسے انداز سے جس سے تمہارا بناؤ سنگھار ظاہر ہو، مت نکلو، جیسے بے پردہ ہوکر، جس سے تمہارا سر، چہرہ، بازو اور چھاتی وغیرہ لوگوں کو دعوت نظارہ دے، بلکہ بغیر خوشبو لگائے سادہ لباس میں ملبوس اور باپردہ باہر نکلو، **تبرُّج** بے پردگی اور زیب وزینت کے اظہار کو کہتے ہیں، قرآن نے واضح کردیا کہ یہ تبرج جاہلیت ہے جو اسلام سے پہلے تھی اور آئندہ بھی جب کبھی اسے اختیار کیا جائے گا یہ جاہلیت ہی ہوگی، اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، چاہے اس کا نام کتنا ہی خوش نما، دل فریب رکھ لیا جائے۔

وَاَقِمْنَ الصَّلٰوۃَ (الآیۃ) پچھلی ہدایات برائی سے اجتناب سے متعلق تھیں، یہ ہدایات نیکی اختیار کرنے سے متعلق ہیں۔

اہل بیت سے کون مراد ہیں؟

اہل بیت کی تعیین میں کچھ اختلاف ہے، بعض مفسرین نے اہل بیت کا مصداق ازواج مطہرات کو قرار دیا ہے، جیسا کہ یہاں قرآن کریم کے سیاق وسباق سے واضح ہے، قرآن نے یہاں ازواج مطہرات ہی کو اہل بیت کہا ہے، قرآن میں دوسرے مقامات پر بھی بیوی کو اہل بیت کہا گیا ہے، مثلاً سورۂ ہود آیت ۷۳ میں۔

اس لئے ازواج کا اہل بیت سے ہونا نص قرآنی سے ثابت ہے، بعض حضرات بعض روایات کی رو سے اہل بیت کا مصداق صرف حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حضرت حسن وحسین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم کو مانتے ہیں اور ازواج مطہرات کو اس سے خارج سمجھتے ہیں، جبکہ اول الذکر ان حضرات کو اہل بیت سے خارج سمجھتے ہیں، تاہم اعتدال کی راہ اور نقطہ متوسطہ یہ ہے کہ دونوں ہی اہل بیت میں شامل ہیں، ازواج مطہرات تو اس نص قرآنی کی وجہ سے اور داماد واولاد ان روایات کی رو سے جو صحیح سند سے ثابت ہیں، جن میں نبی ﷺ نے ان کو اپنی چادر میں لے کر فرمایا کہ اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ بھی میرے اہل بیت سے ہیں، یا یہ دعاء ہے کہ یا اللہ ان کو بھی ازواج مطہرات کی طرح میرے اہل بیت میں شامل فرمادے، اس طرح تمام دلائل میں تطبیق ہو جاتی ہے۔

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِي بُيُوْتِكُنَّ یعنی تمہارے گھروں میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے اس پر عمل کرو، یہاں حکمت سے مراد احادیث ہیں، بعض علماء نے اس آیت سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ قرآن کی تلاوت کی طرح، ثواب کی نیت سے حدیث کی بھی تلاوت کی جاسکتی ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ المُطِيعَاتِ **وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ** فى الإيمانِ **وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ** عَلى الطَّاعَاتِ **وَالْخٰشِعِيْنَ** المُتَوَاضِعِيْنَ **وَالْخٰشِعٰتِ** المُتَوَاضِعَاتِ **وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ** عَنِ الحَرَامِ **وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً** لِلْمَعَاصِي **وَّاَجْرًا عَظِيْمًا** عَلى الطَّاعَاتِ **وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ** بالتاءِ والياءِ **لَهُمُ الْخِيَرَةُ** الاخْتِيَارُ **مِنْ اَمْرِهِمْ** خِلَافَ أمْرِ اللّٰهِ ورَسُوْلِهٖ نَزَلَتْ فِي عَبْدِ اللّٰهِ بنِ جَحْشٍ وأُخْتِهٖ زَيْنَبَ خَطَبَهَا النبى صلى الله عليه وسلم وَعَنَى لِزَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ فكرِهَا ذٰلِكَ حِيْنَ عَلِمَاه لِظَنِّهِمَا قبلُ أنَّ النبى صلّى اللّٰهُ عليه وسلم خَطَبَها لنفسِهٖ ثم رَضِيَا لِلْاٰيةِ **وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا** بَيِّنًا فَزَوَّجَها النبى لزيدٍ ثم وقَعَ بَصَرُهٗ عليها بَعْدَ حِيْنٍ فَوَقَعَ فِي نَفْسِهٖ حُبُّها وفى نَفْسِ زَيْدٍ كَرَاهِيَتُها ثم قال للنبى صلى الله عليه وسلم أُرِيْدُ فِرَاقَها فقالَ أمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ كَمَا قَالَ تعالى **وَاِذْ** مَنْصُوْبٌ بِاُذْكُرْ **تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ** بالإسْلَامِ **وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ** بالإعْتَاقِ وهو زَيْدُ بنُ حَارِثةَ كَانَ مِنْ سَبْيِ الجَاهِلِيَّةِ اِشْتَرَاهُ رسُول اللّٰه صلى الله عليه وسلم قَبْلَ البِعْثَةِ وَأعْتَقَهٗ وتَبَنَّاهُ **اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ** فى أمْرِ طَلَاقِها **وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ** مُظْهِرُه مِنْ مَحَبَّتِها وأنْ لو فَارَقَها زيدٌ تزوَّجتَها **وَتَخْشَى النَّاسَ** أن يَقُوْلُوا تَزَوَّجَ مُحَمَّدٌ زَوْجَةَ ابْنِهٖ **وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ** فى كُلِّ شيئٍ ويُزَوِّجُكَهَا ولا عَلَيْكَ من قولِ الناسِ ثم طَلَّقَها زيدٌ وانْقَضَتْ عِدَّتُها

قال اللّٰہ تعالٰی **فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا** حاجة **زَوَّجْنٰكَهَا** فدخل عليها النبي صلى الله عليه وسلم بغير اِذن واَشبعَ المسلمين خبزًا ولحمًا **لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا** **وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ** مقضيُّهُ **مَفْعُوْلًا ۝ مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ** اَحلَّ **اللّٰهُ لَهٗ ۚ سُنَّةَ اللّٰهِ** اى كَسُنَّةِ اللّٰهِ فنصبَ بنزعِ الخافضِ **فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ** من الانبياءِ ان لا حَرَجَ عليهم في ذٰلك تَوْسِعةً لهم في النّكاح **وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ** فِعْلُهُ **قَدَرًا مَّقْدُوْرًا ۝** مقضيًّا **الَّذِيْنَ** نعتٌ للذين قبلَهُ **يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ** فلا يَخْشَوْنَ مقالةَ النَّاس فيما اَحلَّ اللّٰهُ لهم **وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝** حافظًا لاعمال خلقِهِ ومُحاسِبَهم **مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ** فَلَيسَ اَبا زيدٍ اى والِدَهُ فلا يَحرُمُ عليه التَّزوُّجُ بزوجتِهِ زينبَ **وَلٰكِنْ** كان **رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۭ** فلا يكونُ لهُ ابنٌ رجلٌ بَعْدَه يكونُ نبيًّا وفي قِراءةٍ بفتحِ التاء كاٰلةِ الخَتمِ اى بِهِ خُتِمُوْا **وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝** منه بِاَنْ لَّا نبيَّ بَعْدَهُ واذا نَزَلَ السَّيِّدُ عيسٰى عليه السلام يَحْكُمُ بشَرِيْعَتِهٖ.

ترجمہ: یقیناً مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں اور ایمان میں مخلص مرد اور مخلص عورتیں صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور حرام سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور بکثرت ذکر کرنے والے اور ذکر کرنے والیاں ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ نے معاصی سے مغفرت اور طاعت پر اجر عظیم تیار کر رکھا ہے، اور (دیکھو) کسی مومن مرد اور مومن عورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کے بعد اپنے معاملہ میں اللہ اور اس کے رسول کی خلاف ورزی کرنے کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا، یکونُ میں ی اور ت دونوں ہیں یہ آیت عبداللہ بن جحش اور ان کی ہمشیرہ زینب (بنت جحش) کے بارے میں نازل ہوئی ہے، آنحضرت ﷺ نے زینب کو زید بن حارثہ کے لئے نکاح کا پیغام دیا تھا، جب دونوں بھائی بہن کو اس کی (حقیقت حال) معلوم ہوئی تو پیغام کو ناپسند کیا اس لئے کہ ان دونوں نے اولاً یہ سمجھا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے خود اپنے لئے زینب کے نکاح کا پیغام دیا ہے، بعد ازاں آیت مذکورہ کے نازل ہونے کی وجہ سے یہ دونوں راضی ہو گئے (یاد رکھو) اللہ اور اس کے رسول کی جو بھی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑے گا، چنانچہ انہوں نے زینب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کا نکاح حضرت زید سے کر دیا، پھر کچھ مدت کے بعد آپ کی نظر زینب پر پڑی، تو آپ کے دل میں زینب کی محبت جاگزیں ہو گئی اور زید کے دل میں زینب کی نفرت (پیدا ہو گئی) پھر زید نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میں زینب کو طلاق دینا چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا اپنی بیوی کو (نکاح میں) رہنے دے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب آپ اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے اسلام کے ذریعہ انعام فرمایا

اور آزاد کر کے آپ نے بھی اس پر احسان فرمایا وہ زید بن حارثہ ہیں، یہ زمانہ جاہلیت کے قیدیوں میں سے تھے، جن کو رسول اللہ ﷺ نے بعثت سے پہلے خریدا تھا، اور آزاد کر کے متبنّٰی بنالیا تھا، اپنی بیوی (زینب) کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور اس کی طلاق کے معاملہ میں خدا سے ڈر، اور آپ اپنے دل میں (وہ بات) چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا، اور وہ زینب کی محبت تھی اور یہ کہ اگر زید اس کو طلاق دیدیں تو میں اس سے نکاح کرلوں، اور آپ لوگوں کی اس بات سے ڈرتے تھے کہ لوگ کہیں گے کہ محمد نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرلیا، اور ڈرنا تو آپ کے لئے ہر چیز میں خدا ہی سے سزاوار ہے، اور وہ آپ کا اس سے نکاح کرے گا، اور آپ کو لوگوں کی بات کا کچھ اندیشہ نہ کرنا چاہئے، بعد ازاں زید نے زینب کو طلاق دیدی اور اس کی عدت بھی گذرگئی، اور اللہ نے فرمایا پس جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کرلی اور ہم نے آپ کا اس سے نکاح کردیا تو آپ زینب کے پاس بلا اجازت تشریف لے گئے اور مسلمانوں کو (ولیمہ) میں گوشت اور روٹی پیٹ بھر کر کھلائی تاکہ مومنین کے لئے ان متبناؤں سے نکاح کے بارے میں تنگی نہ ہو جب وہ ان سے اپنی حاجت پوری کرلیں اور اللہ کا امر فیصل کردہ حکم تو ہونے ہی والا تھا جو چیز اللہ نے نبی کے لئے فرض یعنی حلال کردی اس (کے کرنے) میں نبی پر کوئی حرج نہیں انبیاء سابقین کے حق میں بھی اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی طریقہ رکھا تھا یہ کہ ان کے لئے اس میں کوئی حرج نہیں ہے ان کے لئے نکاح میں سہولت پیدا کرنے کے لئے سُنَّةً پر نزع خافض کی وجہ سے نصب دیا گیا ہے اللہ کا حکم یعنی اس کا فعل مقرر کیا ہوا ہوتا ہے اَلَّذِیْنَ سابق اَلَّذِیْنَ کی صفت ہے، یہ سب ایسے تھے کہ جو اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچایا کرتے تھے اور اللہ ہی سے ڈرتے تھے یہی وجہ ہے کہ وہ ان کاموں میں کہ جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے حلال کردیئے لوگوں کی باتوں (طعنوں) کی پرواہ نہیں کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے اعمال کی محافظت اور محاسبت کے اعتبار سے کافی ہے (لوگو) محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لہٰذا زید کے باپ یعنی اس کے والد (بھی) نہیں اس لئے ان کے لئے زید کی بیوی زینب سے نکاح حرام نہیں لیکن آپ اللہ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں کے سلسلے کے ختم کرنے والے ہیں لہٰذا آپ کا کوئی بیٹا بالغ مرد نہیں کہ آپ کے بعد نبی ہو اور ایک قراءت میں تا کے فتحہ کے ساتھ ہے یعنی بمعنی مہر، مطلب یہ کہ آپ ﷺ کے ذریعہ انبیاء کا سلسلہ سربمہر کردیا گیا اور اللہ تعالیٰ ہر شئ سے بخوبی واقف ہے اور ان ہی میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں، اور جب سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نزول فرمائیں گے، تو آپ کی شریعت کے مطابق فیصلہ فرمائیں گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

سَوَال: المؤمنین والمؤمنات کا عطف المسلمین والمسلمات پر کیا گیا ہے حالانکہ شرعاً دونوں ایک ہی ہیں اور عطف کے لئے مغایرت ضروری ہے۔

جَوَاب: مفہوم کے اعتبار سے دونوں مختلف ہیں، اس لئے کہ اسلام بما جاء به النبی صلی اللہ علیه وسلم کی تصدیق

قلبی کے ساتھ شہادتین کے تلفظ کا نام ہے، اور ایمان اذعان قلبی کا نام ہے، نطق باللسان کی شرط کے ساتھ، اور عطف کے لئے ادنیٰ مغایرت کافی ہے۔

قولہ: والحافظات کے مفعول ماقبل کی دلالت کی وجہ سے حذف کردیا گیا ہے، تقدیر عبارت یہ ہے والحافظاتِ فُرُوْجَهُنَّ.

قولہ: اِذَا قضَى اللّٰه ورسولُه اللہ کا نام تعظیماً اور اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ذکر کیا گیا ہے کہ رسول کا فیصلہ اللہ ہی کا فیصلہ ہے اس لئے کہ رسول اپنی طرف سے کوئی فیصلہ نہیں کرتے۔

قولہ: لمؤمنٍ، کانَ کی خبر مقدم ہے اور ولا مؤمنةٍ اس پر معطوف ہے اذَا ظرفیہ متضمن بمعنی شرط ہے، جواب شرط محذوف ہے جس پر نفی مقدم دلالت کر رہی ہے اِذا ظرفیہ محضہ کے لئے بھی ہوسکتا ہے اس صورت میں استقر محذوف کا معمول ہوگا جس سے کان کی خبر متعلق ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی ومَا كان مستقرًّا لمؤمنٍ ولا مُؤمنةٍ وقت قضاء اللّٰه كون خيرة لهٗ في امره. (جمل)

قولہ: الاختیار، الخيَرَةُ کی تفسیر الاختیار سے کرکے اشارہ کردیا کہ الخيرةُ مصدر غیر قیاسی ہے۔

قولہ: خلافَ امر اللّٰه یہ الخيرة کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قولہ: مِن امرهم یہ الخيرةَ سے حال ہے۔

قولہ: مِن محبتها یہ ما ابداهُ کا بیان ہے۔

قولہ: سُنَّةَ اللّٰه مصدر ہونے کی وجہ سے بھی منصوب ہوسکتا ہے۔

قولہ: قدرًا مقدورًا، مقدورًا، قدرًا کی تاکید ہے، جیسے ظِلًّا ظليلًا وليلٌ اَلْيَلُ.

قولہ: ولكن رسول اللّٰه جمہور کی قراءت لٰكِنْ تخفیف کے ساتھ ہے اور رَسُوْلَ کا نصب کان محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے ہے۔

تفسیر وتشریح

شان نزول:

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ. (الآیہ)

حضرت ام سلمہ رَضِحَاللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهَا اور دیگر بعض صحابیات نے کہا کہ کیا بات ہے کہ اللہ ہر جگہ مردوں ہی سے خطاب فرماتا ہے، عورتوں سے نہیں اس پر اِن المسلمين والمسلماتِ (الآية) نازل ہوئی (مسند احمد ۳۰۱/۶، ترمذی شریف ۳۲۱۱) اس میں عورتوں کی دل داری کا اہتمام ہے ورنہ تمام احکام میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شامل ہیں، سوائے ان مخصوص احکام کے جو

صرف عورتوں کے لئے ہیں اس آیت اور دیگر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادت اور اطاعت الٰہی اور اخروی درجات وفضائل میں مردوں اور عورتوں کے درمیان کوئی تفریق نہیں ہے، دونوں کے لئے یکساں طور پر میدان کھلا ہوا ہے، جنس کی بنیاد پر اس میں کمی بیشی نہیں کی جائے گی، علاوہ ازیں مسلمان اور مومن کا الگ الگ ذکر کرنے سے واضح ہے کہ ان دونوں میں فرق ہے، ایمان کا درجہ اسلام سے بڑھ کر ہے جیسا کہ قرآن وحدیث کے دیگر دلائل بھی اس پر دلالت کرتے ہیں۔

شانِ نزول:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ (الآية) یہ آیت حضرت زینب رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَنْهَا کے نکاح کے بارے میں نازل ہوئی تھی، حضرت زید بن حارثہ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ اگرچہ اصلاً عرب تھے، لیکن غارت گروں نے انہیں بچپن میں زبردستی پکڑ کر بطور غلام بیچ دیا تھا، حضرت خدیجہ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَنْهَا سے آپ ﷺ کے نکاح سے پہلے حضرت خدیجہ کے بھتیجے حکیم بن حزام نے حضرت خدیجہ کے لئے زید بن حارثہ کو خریدا تھا، اور آپ ﷺ سے نکاح کے بعد حضرت خدیجہ نے آپ کو ہبہ کر دیا تھا، آپ ﷺ نے زید بن حارثہ پر یہ احسان کیا کہ ان کو آزاد کر دیا اور آزاد کرنے کے بعد ان کو یہ شرف بخشا کہ عرب کے عام رواج کے مطابق ان کو اپنا متبنّٰی بنالیا اور ان کی پرورش وتربیت فرمائی، لوگ ان کو زید بن محمد کے نام سے پکارتے تھے، قرآن کریم نے اس کو جاہلیت کی رسم قرار دے کر ممانعت کر دی، اور حکم فرمایا کہ اس کے اصل باپ کی طرف نسبت کر کے پکارا جائے، اُدْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ اس حکم کے نازل ہونے کے بعد صحابہ نے ان کو زید بن محمد کے بجائے زید بن حارثہ کہنا شروع کر دیا، زید بن حارثہ جب جوان ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے نکاح کے لئے اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش کا انتخاب فرما کر پیغام نکاح دیا، حضرت زید کے دامن پر چونکہ غلامی کا دھبہ لگا ہوا تھا اس لئے کہ آزاد کردہ غلام تھے، حضرت زینب اور ان کے بھائی عبداللہ بن جحش نے اس رشتہ سے انکار کر دیا، کہ ہم باعتبار خاندان اور نسب کے ان سے افضل ہیں، اس واقعہ پر مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

اس آیت کو جب حضرت زینب رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَنْهَا اور ان کے بھائی نے سنا تو نکاح پر راضی ہو گئے، چنانچہ نکاح کر دیا گیا، مہر رسول اللہ ﷺ نے اپنے پاس سے ادا کیا جو دس دینار سرخ (تقریباً چار تولہ سونا ہوتا ہے) اور ساٹھ درہم (جس کی تقریباً اٹھارہ تولہ چاندی ہوتی ہے) اور ایک بار برداری کا جانور اور مکمل ایک زنانہ جوڑا، اور پچاس مد آٹا (یعنی تقریباً پچیس سیر) اور دس مد (یعنی پانچ سیر) کھجور تھا۔ (ابن کثیر، معارف القرآن)

طلاق کی نوبت:

نکاح تو ہو گیا مگر چونکہ دونوں کے مزاج میں فرق تھا، بیوی کے مزاج میں خاندانی نسب وشرف رچا ہوا تھا، جبکہ زید رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ کے دامن پر غلامی کا داغ تھا، ان کی آپس میں ان بن رہتی تھی، جس کا تذکرہ حضرت زید نبی ﷺ سے بھی کرتے رہتے تھے، اور طلاق کا عندیہ بھی ظاہر کرتے رہتے تھے، آنحضرت ﷺ کو وحی کے ذریعہ بتلا دیا گیا تھا کہ زید

رضی اللہ تعالیٰ عنہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دیدیں گے اس کے بعد زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کے نکاح میں آئیں گی تاکہ جاہلیت کی اس رسم تبنیت پر ایک کاری ضرب لگا کر واضح کردیا جائے کہ متبنّٰی احکام شرعیہ میں حقیقی بیٹے کی طرح نہیں اور اس کی مطلقہ سے نکاح جائز ہے، لیکن نبی ﷺ ان کو طلاق سے بعض مصالح کی وجہ سے روکتے اور نباہ کی تلقین فرماتے، حضرت زید پر اللہ کا یہ انعام تھا کہ انہیں قبول اسلام کی توفیق دی، اور نبی ﷺ کا احسان یہ تھا کہ آپ نے ان کی دینی تربیت فرمائی اور ان کو آزاد کرکے اپنا بیٹا قرار دیا، اور اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش سے نکاح کرادیا، دل میں چھپانے والی بات یہی تھی جو آپ کو حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کی بابت بذریعہ وحی بتائی گئی تھی، آپ اس بات سے ڈرتے تھے کہ لوگ کہیں گے اپنی بہو سے نکاح کرلیا، حالانکہ جب اللہ کو آپ کے ذریعہ سے اس رسم جاہلیت کا خاتمہ کرانا تھا تو پھر لوگوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں تھی، آپ ﷺ کا یہ خوف اگرچہ فطری و طبعی تھا اس کے باوجود آپ ﷺ کو تنبیہ فرمائی گئی، ظاہر کرنے سے مراد یہ ہے کہ یہ نکاح ہوکر رہے گا جس سے یہ بات سب کے علم میں آجائے گی۔

آخر کار پیشین گوئی کے مطابق حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طلاق دیدی اور عدت سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ کا نکاح حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے معروف طریقہ کے برخلاف صرف اللہ کے حکم سے قرار پا گیا۔

لِکَیْ لَا یَکُوْنَ عَلَی المومنِیْنَ حَرَجٌ فِی اَزْوَاجِ اَدْعِیَاءِ ھم یہ حضرت زینب سے نبی ﷺ کے نکاح کی علت ہے کہ آئندہ کوئی مسلمان اس بارے میں تنگی محسوس نہ کرے اور حسب ضرورت اپنے متبنّٰی کی مطلقہ بیوی سے نکاح کیا جاسکے، اور چونکہ یہ پورا واقعہ اولاً حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح اور پھر طلاق بعد ازاں آپ ﷺ کا حضرت زینب سے نکاح تقدیر خداوندی میں تھا، جو بہرصورت ہوکر رہنا تھا، آئندہ آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے، چونکہ یہ نکاح آپ کے لئے حلال تھا اس میں کوئی گناہ اور تنگی والی بات نہیں ہے، اور انبیاء سابقین بھی ایسے کاموں کے کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے جو اللہ کی طرف سے ان پر فرض قرار دیئے جاتے تھے چاہے قومی اور عوامی رسم ورواج کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں۔

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ (لوگو) تمہارے مردوں میں سے محمد ﷺ کسی کے باپ نہیں، البتہ آپ اللہ کے رسول ہیں (جوامت کا روحانی باپ ہوتا ہے) اور تمام نبیوں کے سلسلہ کو ختم کرنے والے ہیں، اور جب محمد ﷺ مردوں میں سے کسی کے بھی باپ نہیں تو زید بن حارثہ کے بھی باپ نہیں ہیں، جس پر آپ کو مورد طعن بنایا جاسکے کہ انہوں نے اپنی بہو سے نکاح کیوں کرلیا؟ بلکہ ایک زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کیا وہ تو کسی بھی مرد کے باپ نہیں ہیں، کیونکہ زید تو حارثہ کے بیٹے تھے آپ ﷺ نے تو انہیں متبنّٰی بنایا تھا، اور جاہلی دستور کے مطابق انہیں زید بن محمد کہا جاتا تھا، حقیقۃً وہ آپ ﷺ کے صلبی بیٹے نہیں تھے، اسی لئے **ادعوھم لآبائھم** کے نزول کے بعد انہیں زید بن حارثہ ہی کہا جاتا تھا، علاوہ ازیں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ کے تین صاحبزادے قاسم، طاہر، طیب ہوئے اور ایک بچہ ابراہیم ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے پیدا ہوا، لیکن یہ سب کے سب بچپن ہی میں فوت ہوگئے، ان میں سے کوئی بھی رجولیت کی عمر کو نہ پہنچا، بنابریں آپ ﷺ کی صلبی اولاد میں بھی کوئی مرد نہیں بنا کہ جس کے آپ باپ ہوں، **خاتم** مہر کو کہتے ہیں اور مہر آخری عمل ہی کو کہا جاتا ہے، یعنی آپ پر نبوت و رسالت کا خاتمہ

کر دیا گیا، آپ ﷺ کے بعد جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے گا، وہ نبی نہیں کذاب و دجال ہوگا، احادیث میں اس مضمون کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، اور اس پر پوری امت کا اجماع اور اتفاق ہے اور قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نزول ہوگا، جو صحیح اور متواتر روایات سے ثابت ہے تو وہ نبی کی حیثیت سے نہیں آئیں گے، بلکہ نبی ﷺ کے امتی بن کر آئیں گے، اس لئے ان کا نزول عقیدۂ ختم نبوت کے منافی نہیں ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿۴۱﴾ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۴۲﴾ اَوَّلَ النَّهَارِ وَاٰخِرَه **هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ** اي يَرْحَمُكم **وَمَلٰٓئِكَتُهٗ** اي يَسْتَغْفِرُوْنَ لكم **لِيُخْرِجَكُمْ** لِيُدِيْمَ اِخْرَاجَهٗ اياكم **مِّنَ الظُّلُمٰتِ** اي الكُفرِ **اِلَى النُّوْرِ** اي الايمان **وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿۴۳﴾ تَحِيَّتُهُمْ** منه تعالى **يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ** بِلِسَانِ الملٰئكةِ **وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ﴿۴۴﴾** هو الجَنَّةُ **يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا** على من اُرسِلتَ اليهم **وَّمُبَشِّرًا** من صَدَّقَكَ بالجَنَّةِ **وَّنَذِيْرًا ﴿۴۵﴾** مُنذِرًا مَنْ كَذَّبَكَ بالنَّار **وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ** الى طاعَتِه **بِاِذْنِهٖ** بِاَمرِه **وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾** اي مِثْلَه في الاهْتِدَاءِ به **وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿۴۷﴾** هو الجَنَّةُ **وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ** فيما يُخَالِفُ شَرِيْعَتَكَ **وَدَعْ** اُتْرُكْ **اَذٰىهُمْ** لا تُجَازِهِم عليه الى اَنْ تُؤمَرَ فيهم بِاَمْرٍ **وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ** فهو كَافِيْكَ **وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۴۸﴾** مُفَوَّضًا اِلَيْهِ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ** وفي قراءةٍ تُمَاسُّوْهُنَّ اي تُجَامِعُوْهُنَّ **فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ** تُحْصُوْنَهَا بالاَقْرَاءِ وغيرِها **فَمَتِّعُوْهُنَّ** اَعْطُوْهُنَّ ما يَتَمَتَّعْنَ به اي ان لم يُسَمَّ لَهُنَّ اَصْدِقَةٌ والا فلَهُنَّ نِصْفُ المُسَمّٰى فقط قالَهُ ابنُ عباسٍ وعليه الشافعيُّ **وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۴۹﴾** خَلُّوا سَبِيْلَهُنَّ من غيرِ اِضْرَارٍ **يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ** مُهُوْرَهُنَّ **وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ** من الكُفَّارِ بالسَّبْيِ كَصَفِيَّةَ وجُوَيْرِيَةَ **وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ۫** بِخِلَافِ مَنْ لم يُهَاجِرْنَ **وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۗ** يَطْلُبُ نِكَاحَهَا بغيرِ صَدَاقٍ **خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ** النِّكَاحُ بِلَفْظِ الهِبَةِ مِنْ غيرِ صَدَاقٍ **قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ** اي المُؤمنين **فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ** من الاَحْكَامِ بِاَنْ لَّا يَزِيْدُوْا على اَرْبَعِ نِسْوَةٍ ولا يَتَزَوَّجُوْا الا بِوَلِيٍّ وشُهُوْدٍ ومَهْرٍ **وَ** في **مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ** من الاِمَاءِ بِشِرَاءٍ او غيرِه بان تَكُوْنَ الاَمَةُ مِمَّنْ تَحِلُّ لِمَالِكِهَا كالكِتَابِيَّةِ بِخِلَافِ المَجُوْسِيَّةِ والوَثَنِيَّةِ وان تُسْتَبْرَأَ قبلَ الوَطْئِ **لِكَيْلَا** مُتَعَلِّقٌ بما قبلَ ذٰلك **يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ** ضِيْقٌ في النِّكَاحِ **وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا** فيما يَعْسُرُ التَّحَرُّزُ عنه **رَّحِيْمًا ﴿۵۰﴾** بالتَّوْسِعَةِ في ذٰلك **تُرْجِيْ** بالهمزةِ والياءِ بدلَه تُؤَخِّرُ **مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ** اي اَزْوَاجِكَ عن نَوْبَتِهَا **وَتُـْٔوِيْٓ** تَضُمُّ **اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ۭ** منهن فتَاتِيْهَا **وَمَنِ ابْتَغَيْتَ** طَلَبْتَ **مِمَّنْ عَزَلْتَ** من القِسْمَةِ **فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ** في طَلَبِهَا

وضَمِّها اِلَيْكَ خَيْرَ فِي ذٰلِك بَعْدَ اَنْ كَانَ الْقَسْمُ وَاجِبًا عليه ذٰلِكَ التَّخْيِيْرُ اَدْنٰى اَقْرَبُ اِلٰى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَا اٰتَيْتَهُنَّ مَا ذُكِرَ الْمُخَيَّرُ فيه كُلُّهُنَّ تاكيدٌ لِلْفَاعِلِ فِي يَرْضَيْنَ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ مِن اَمْرِ النِّسَاءِ والمَيْلِ اِلَى بَعْضِهن واِنَّمَا خَيَّرْنَاك فِيهِنَّ تَيْسِيْرًا عَلَيْكَ فِي كُلِّ مَا اَرَدْتَّ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا بِخَلْقِهِ حَلِيْمًا ۝ عن عِقابِهم لَا يَحِلُّ بالتَّاءِ والياءِ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ التِّسْعِ اللّاتِي اخْتَرْنَكَ وَلَا اَنْ تَبَدَّلَ بِتَرْكِ اِحْدَى التَّائَيْنِ فِي الاَصْلِ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ بِاَنْ تُطَلِّقَهُنَّ او بَعْضَهُنَّ وتَنْكِحَ بَدَلَ مَنْ طَلَّقْتَ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِنَ الاِمَاءِ فَتَحِلُّ لَكَ وقَدْ مَلَكَ بَعْدَهُنَّ مَارِيَةَ القِبْطِيَّةَ وَوَلَدَتْ لَهُ اِبْرَاهِيْمَ ومَاتَ فِي حَيٰوتِهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ۝ حَفِيْظًا.

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ کا ذکر خوب کثرت سے کیا کرو اور صبح وشام یعنی اول دن اور آخر دن میں (یعنی ہمیشہ) اس کی پاکی بیان کیا کرو وہ ایسا (رحیم) ہے کہ وہ تم پر رحمت نازل کرتا ہے اور اس کے فرشتے (بھی) تمہارے لئے دعاء رحمت کرتے ہیں، تاکہ تم کو ظلمت یعنی کفر سے نور یعنی ایمان کی طرف نکالے، یعنی اس خروج کو دوام بخشے، اور اللہ تعالیٰ مومنوں پر بہت مہربان ہے، جس دن وہ اللہ سے ملیں گے تو ان کے لئے تحفہ اللہ کی جانب سے فرشتوں کی زبانی سلام ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے عمدہ صلہ تیار کر رکھا ہے اور وہ جنت ہے اور اے نبی یقیناً ہم ہی نے آپ کو مُرسَل الیهم (یعنی) امت پر گواہ بنا کر اور آپ ﷺ کی تصدیق کرنے والے کو جنت کی خوشخبری دینے والا بنا کر اور آپ کی تکذیب کرنے والے کو جہنم سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اس کے حکم سے اللہ کی اطاعت کی جانب بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا یعنی چراغ کے مانند ہے، اس کے ذریعہ ہدایت حاصل کرنے میں اور آپ مومنین کو خوشخبری سنا دیجئے کہ ان کے اوپر اللہ کی جانب سے بہت بڑا فضل ہونے والا ہے اور وہ جنت ہے اور ان باتوں میں جو تیری شریعت کے خلاف ہوں، کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانئے اور ان کی طرف سے ایذاء رسانی کو نظر انداز کیجئے، اور اس ایذا رسانی پر انتقام نہ لیجئے جب تک کہ ان سے انتقام لینے کا حکم نہ دیا جائے اور اللہ پر بھروسہ رکھئے اس لئے کہ وہ آپ کے لئے کافی ہے اور اللہ کارسازی کے لئے کافی ہے یعنی (کاموں کو) اس کے سپرد کرنے کے اعتبار سے کافی ہے، اے مومنو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو پھر (حقیقۃً یا حکماً) ہمبستری سے پہلے ہی ان کو طلاق دیدو اور ایک قراءت میں تُمَاسُّوْهُنَّ ہے اور معنی تُجَامِعُوْهُنَّ کے ہیں تو (اس صورت) میں تمہارا ان پر کوئی حق عدت نہیں کہ جس کو تم حیض وغیرہ کے ذریعہ شمار کرنے لگو تو تم ان کو متعہ دیدو یعنی ان کو کچھ (مال) دیدو جس سے وہ فائدہ حاصل کریں، اور یہ اس صورت میں ہے کہ ان کا مہر متعین نہ ہوا ہو، ورنہ تو ان کے لئے نصف مہر کافی ہے، ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے بھی یہی فرمایا ہے، اور یہی امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک ہے، اور خوبی کے ساتھ ان کو رخصت کردو یعنی بغیر کوئی نقصان (تکلیف) پہنچائے ان کو خوبی کے ساتھ رخصت کردو، اے نبی ہم نے آپ کے لئے یہ عورتیں جن کے آپ مہر ادا کرچکے ہیں

حلال کردی ہیں، اور وہ عورتیں بھی جو اللہ نے آپ کو غنیمت میں دلوادی ہیں یعنی کافروں میں سے قید کے ذریعہ جیسا کہ صفیہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھَا اور جویریہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھَا اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہو اور وہ مومن عورت بھی حلال ہے جس نے خود کو نبی کے (بغیر مہر) حوالہ کردیا، بشرطیکہ نبی اس سے نکاح کرنا قبول فرمالے، یعنی (نبی) ان سے بلامہر نکاح کرنا منظور کرلے یہ آپ کی خصوصیت ہے نہ کہ دوسرے مسلمانوں کے لئے یعنی بغیر مہر لفظ ہبہ سے نکاح (آپ کی خصوصیت ہے) ہم کو وہ احکام معلوم ہیں جو ہم نے ان پر یعنی مومنوں پر ان کی بیویوں کے بارے میں مقرر کئے ہیں یہ کہ چار عورتوں سے زیادہ نکاح نہ کریں اور (وہ احکام بھی معلوم ہیں) جو ان کی باندیوں کے بارے میں ہم نے مقرر کئے ہیں، وہ باندیاں (خواہ) خرید کر ملکیت میں آئی ہوں یا کسی دوسرے طریقہ سے، باندی ایسی ہو کہ جو مالک کے لئے حلال ہو، جیسا کہ کتابیہ، بخلاف مجوسیہ اور بت پرست کے اور یہ کہ وطی سے قبل تنقیہ رحم کرلے تا کہ نکاح کے بارے میں آپ پر تنگی نہ ہو (لِکَیْلَا) اس کا تعلق ماقبل یعنی اِنَّا اَحْلَلْنَا لَکَ سے ہے، اور اللہ تعالیٰ اس (امر) میں جس سے بچنا دشوار ہو غفور ہے اور اس میں سہولت مہیا کر کے رحم کرنے والا ہے ان بیویوں میں سے جس کو آپ چاہیں اس کی باری سے الگ رکھیں، اور جس کو چاہیں ساتھ رکھیں یعنی اس کی باری اس کو دیدیں تُرْجِیْ ہمزہ کے ساتھ اور ہمزہ کے بجائے ی کے ساتھ بمعنی تؤخرہُ اور جس کی باری آپ نے موقوف کردی تھی پھر آپ اس کی باری شروع کرنا چاہیں تو اس کی باری شروع کرنے اور اپنے ساتھ لگانے میں آپ پر کوئی حرج نہیں ہے (اولاً) آپ پر باری مقرر کرنا واجب تھا، بعد میں آپ کو باری مقرر کرنے کے بارے میں اختیار دیدیا گیا اس تخییر میں زیادہ توقع ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں، اور وہ کبیدہ خاطر نہ ہوں گی اور جو کچھ بھی آپ مخیّر فیہ میں سے ان کو دیدیں گے اس پر سب کی سب راضی رہیں گی کُلُّھُنَّ، یَرْضَیْنَ کے فاعل کی تاکید ہے، عورتوں کے معاملہ اور ان میں سے بعض کی جانب (زیادہ) رغبت کے بارے میں اللہ کو تمہارے دلوں کا حال معلوم ہے ہم نے آپ کی سہولت کے لئے بیویوں کے بارے میں آپ کی مطلوبہ میں اختیار دیدیا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے بارے میں بخوبی علم رکھتا ہے اور ان کو سزا دینے کے بارے میں حلیم ہے آپ کے لئے ان نو عورتوں کے علاوہ جنہوں نے آپ کو اختیار کرلیا آپ کے لئے حلال نہیں ہیں یَحِلُّ میں تا اور یا دونوں ہیں اور نہ آپ کے لئے یہ درست ہے کہ ان بیویوں کی جگہ دوسری کرلیں بایں طور کہ ان سب کو یا ان میں سے بعض کو طلاق دیدیں، اور مطلقہ کے بدلے میں دوسری کرلیں اگرچہ آپ کو ان (دوسریوں) کا حسن اچھا معلوم ہو، مگر وہ باندیاں جو آپ کی مملوکہ ہوں تو ان میں آپ کے لئے (تبدیلی) حلال ہے، چنانچہ آپ ﷺ بیویوں کے بعد ماریہ قبطیہ کے مالک ہوئے اور آپ کے ان سے صاحبزادے ابراہیم پیدا ہوئے، جن کا انتقال آپ کی حیات ہی میں ہوگیا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا پورا نگہبان ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّی عَلَیْکُمْ جملہ مستانفہ ہے اور امر بالذکر والتسبیح کی علت ہے یعنی جب ذکر وتسبیح کا حکم دیا گیا تو سوال پیدا ہوا کہ کیوں ذکر وتسبیح کی جائے؟ تو جواب دیا اس لئے کہ وہ تمہارے اوپر رحمت نازل کرتا ہے۔

قَوْلُہٗ: اَیْ یَرْحَمُکُمْ کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ صلوٰۃ کی نسبت جب اللہ کی طرف ہوتی ہے تو نزول رحمت مراد ہوتی ہے۔

قَوْلُہٗ: ملائِکَتُهٗ اس کا عطف یُصَلِّیْ کی ضمیر مستتر پر ہے، مگر یہاں یہ اعتراض ہوگا کہ ضمیر مرفوع متصل پر عطف کے لئے ضمیر منفصل کے ذریعہ تاکید ضروری ہوتی ہے جو یہاں موجود نہیں ہے۔

جَوَابٌ: یہ ہے کہ چونکہ عَلَیْکُمْ کا فاصل موجود ہے اس لئے ضمیر کے ذریعہ تاکید کی ضرورت نہیں، اور ملائِکَتُهٗ کے بعد یستغفرون کے اضافہ سے مقصد یہ بتانا ہے کہ صلوٰۃ کی نسبت جب ملائکہ کی طرف ہوتی ہے تو طلب استغفار مراد ہوتی ہے۔

قَوْلُہٗ: لِیُخْرِجَکُمْ کی تفسیر لِیُدِیْمَ سے کرنے کا مقصد ایک سوال کا جواب دینا ہے، سوال یہ ہے کہ اہل ایمان کا ظلمت کفر سے نکلنا نفس ایمان ہی سے ثابت ہے پھر دوبارہ نکالنے کا کیا مطلب ہے؟ یہ تو تحصیل حاصل ہے؟

جَوَابٌ: کا حاصل یہ ہے کہ اس تفسیر کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ خروج سے دوام واستقرار مراد ہے، اس لئے کہ جب خالق سے غفلت زیادہ ہوجاتی ہے تو ایمان سے خروج کا سبب بن جاتی ہے۔ (العیاذ باللہ)۔

سُوَالٌ: اَلظُّلُمَات کو جمع اور النُّوْر کو واحد لانے میں کیا مصلحت ہے؟

جَوَابٌ: کفر کی انواع چونکہ متعدد ہوتی ہیں جس کی وجہ سے اس کی ظلمات بھی متعدد ہوتی ہیں، اور ایمان چونکہ شئ واحد ہے اس میں تعدد نہیں ہے، جو لوگ تعدد کے قائل ہیں وہ اہل سنت والجماعت سے خارج ہیں۔ (صاوی)

قَوْلُہٗ: بِاِذْنِهٖ کی تفسیر بِاَمْرِهٖ سے کرنے کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَالٌ: اِذن واجازت تو اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا ومبشّرًا سے مستفاد ہے، پھر دوبارہ اجازت کی کیا ضرورت؟

جَوَابٌ: کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں اذن سے امر (حکم) مراد ہے، اور اذن اور امر میں فرق ظاہر ہے۔

قَوْلُہٗ: دَعْ اَذَاهُمْ یہ اضافت مصدر الی الفاعل کے قبیل سے ہے، تقدیر عبارت یہ ہے دَعْ اَذِیَّتَهُمْ اِیَّاكَ یعنی آپ ان کی ایذا رسانی کو درگذر فرمائیں ان سے ان کی ایذا رسائی کا انتقام نہ لیں، یا پھر اضافتِ مصدر الی المفعول کے قبیل سے ہے اَیْ اُتْرُكْ اَذِیَّتَكَ لَهُمْ یعنی آپ ان کو اذیت پہنچانے کو ترک کیجئے، ان کو سزا دینے میں عجلت نہ کیجئے تا آنکہ آپ کو اجازت نہ مل جائے، چنانچہ آیات قتال کے ذریعہ اجازت مل گئی، اور عفو ودرگذر کا حکم منسوخ ہوگیا۔

قَوْلُہٗ: وَمَا مَلَکَتْ یَمِیْنُكَ مَا مَلَکَتْ یَمِیْنُكَ کی مثال میں مفسر علام نے صفیہ رَضِحَاللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهَا بنت حیی بن اخطب اور جویریہ رَضِحَاللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهَا بنت الحارث الخزاعیہ کو پیش کیا ہے، اس کا مقتضی ہے کہ مَا مَلَکَتْ کا عطف اٰتَیْتَ اُجُوْرَهُنَّ پر ہو مگر یہ ظاہر کے خلاف ہے، ظاہر یہ ہے کہ اس کا عطف اَزْوَاجَكَ پر ہو مگر اس صورت میں مَا مَلَکَتْ کی مثال میں

صفیہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا اور جویریہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کو پیش کرنا درست نہیں ہے اس لئے کہ یہ مَا مَلَکَتْ میں نہیں بلکہ ازواج مطہرات رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُنَّ میں سے ہیں، صفیہ اور جویریہ کے بجائے ماریہ قبطیہ اور ریحانہ کو پیش کرنا چاہئے چونکہ یہ دونوں آپ کی باندیوں میں سے ہیں۔

قِوْلُہٗ: مِمَّا اَفَاءَ اللّٰہُ علیکَ مِمَّا اَفَاءَ اللّٰہُ ما ملکَتْ کا بیان ہے مَا مَلَکَتْ قید احترازی نہیں ہے بلکہ تغلیبی ہے چونکہ آپ کی اکثر باندیاں مالِ غنیمت میں آپ کو حاصل ہوئی تھیں اس لئے ما ملکت کی قید لگائی ہے ورنہ تو خرید کردہ باندیوں کا بھی وہی حکم ہے جو بطور غنیمت حاصل ہونے والوں کا ہے (یعنی حلت)۔

قِوْلُہٗ: اِمْرَأَۃً مؤمِنَۃً اس کا عطف بھی اَحْلَلْنَا لَکَ کے مفعول اَزْوَاجَکَ پر ہے، مطلب یہ ہے کہ آپ کے لئے مومن عورتیں حلال ہیں کافرہ نہیں۔

قِوْلُہٗ: اِنْ اَرَادَ النبی ﷺ یہ وھبتْ نفسَھَا کی شرط ہے، یعنی عورت کا محض اپنے نفس کو ہبہ کر دینا نکاح کے تام ہونے کے لئے کافی نہیں بلکہ آپ کا قبول کرنا بھی شرط ہے۔

قِوْلُہٗ: خَالِصَۃً لکَ. خَالِصَۃً کے منصوب ہونے کی تین وجوہ ہو سکتی ہیں ① وَھَبَتْ کے فاعل سے حال ہونے کی وجہ سے ای حالَ کونِھا خَالصَۃً لکَ دونَ غیرِکَ ② اِمرأَۃً سے حال واقع ہونے کی وجہ سے، دونوں صورتوں میں معنی ایک ہی ہوں گے ③ مصدر محذوف کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہو، ای ھِبَۃً خالِصَۃً لکَ دونَ غیرِکَ.

قِوْلُہٗ: لِکَیْلَا یہ اپنے ماقبل یعنی خالِصَۃً سے متعلق ہے۔

قِوْلُہٗ: تُرْجِیْ یہ ارجاءٌ سے مضارع واحد مذکر حاضر ہے، تو ڈھیل دے، تو مؤخر کر۔

قِوْلُہٗ: تُؤوِیْ. اِیْواءٌ سے واحد مذکر حاضر ہے، تو جگہ دے، تو ساتھ رکھ، تو ملا لے۔

قِوْلُہٗ: وَمَنْ ابْتَغَیْتَ مَنْ شرطیہ ہے اِبْتَغَیْتَ کا مفعول مقدم ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے، فلا جناح جواب شرط ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مَنْ موصولہ ہو اور مبتداء ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہو اور لا جُنَاحَ علیکَ مبتدا کی خبر۔

تفسیر وتشریح

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے مومن بندوں پر جتنے بھی انعامات واحسانات فرمائے ہیں ان سب میں آپ ﷺ کی بعثت ایک احسان عظیم اور نعمت بے بہا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے، مذکورہ آیت میں ادائے شکر کے لئے کثرت سے ذکر کا حکم دیا گیا ہے، یوں تو خدا کی ہر طاعت وبندگی خدا کا شکر ہے خواہ مالی ہو یا بدنی مگر ان میں ذکر لسانی سب سے آسان اور سہل ہے، حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں کہ اللہ نے اپنے بندوں پر ذکر اللہ کے سوا کوئی فرض اور طاعت ایسی لازم نہیں کی کہ جس کی کوئی حد مقرر نہ ہو، ہر عبادت وبندگی زمان ومکان کی حدود میں محدود ہے، مگر ذکر اللہ ایسی عبادت ہے کہ اس کی کوئی حد اور تعداد متعین نہیں، اور نہ کسی خاص زمان ومکان کی پابند اور نہ

اس کے لئے کسی مخصوص ہیئت کی ضرورت اور نہ اس کے لئے طاہر اور باوضو ہونا شرط، اس کو ہر حال اور ہر وقت کر سکتے ہیں، اسی لئے ذکر اللہ بکثرت کرنے کا حکم ہے، سفر ہو یا حضر، تندرستی ہو یا بیماری، خشکی ہو یا تری، رات ہو یا دن ہر حال میں ذکر اللہ کر سکتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس کے ترک میں انسان کا کوئی عذر مسموع نہیں، اور اس کے فضائل و برکات بھی بے شمار ہیں۔

اللہ کو بکثرت یاد کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تم پر فرشتوں کے واسطے سے اپنی رحمت نازل فرماتا ہے، یہی رحمت و برکت تمہارا ہاتھ پکڑ کر جہالت و ضلالت کی اندھیریوں سے علم و عرفان کے اجالے میں لاتی ہے، ذاکرین کو یہ صلہ تو دنیا میں ملا، آخرت کا اعزاز و اکرام آئندہ آیت میں مذکور ہے، جنت میں مومنوں کو سب سے عظیم تحفہ خدا کا سلام ہوگا، اور فرشتے بھی سلام کرتے ہوئے ملاقات کریں گے، نیز جنتی آپس میں بھی ہدیہ سلام کا نذرانہ پیش کریں گے، اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے دن سے کونسا دن مراد ہے؟ امام راغب وغیرہ نے فرمایا اس سے قیامت کا دن مراد ہے، اور بعض ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ جنت میں داخلہ کا وقت مراد ہے، اور بعض حضرات مفسرین نے ملاقات کا دن موت کے دن کو قرار دیا ہے۔

مَسْئَلَہ: اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مسلمانوں کا آپس میں تحیہ السلام علیکم ہونا چاہئے خواہ بڑے کی طرف سے چھوٹے کو ہو یا چھوٹے کی طرف سے بڑے کو، آج کل جو جدید فیشن آداب، تسلیمات، یا صباحاً بالخیر وغیرہ کا نکلا ہے یہ سراسر اسلامی تہذیب کے خلاف ہے۔

یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا (الآیة) یہ آنحضرت ﷺ کی خاص صفات کمالیہ اور مناقب عالیہ کے بیان کی طرف عود ہے، اس آیت میں آنحضرت ﷺ کی پانچ صفات کا ذکر فرمایا ہے، شاہد، مبشر، نذیر، داعی الی اللہ، سراج منیر، شاہد سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ قیامت کے دن امت کے لئے شہادت دیں گے، جیسا کہ صحیح بخاری، نسائی، ترمذی وغیرہ میں حضرت ابوسعید خدری رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ سے ایک طویل حدیث منقول ہے، جس کے بعض جملے یہ ہیں کہ قیامت کے روز حضرت نوح عَلٰیهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام پیش ہوں گے تو ان سے سوال کیا جائے گا، کیا آپ نے ہمارا پیغام اپنی امت کو پہنچا دیا تھا، وہ عرض کریں گے کہ میں نے پہنچا دیا تھا، پھر ان کی امت پیش ہوگی، وہ اس سے انکار کرے گی، اس وقت نوح عَلٰیهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام سے پوچھا جائے گا کہ آپ جو پیغام حق پہنچانے کا دعویٰ کرتے ہیں اس پر آپ کا کوئی شاہد بھی ہے؟ حضرت نوح عَلٰیهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام عرض کریں گے کہ محمد ﷺ اور ان کی امت گواہ ہے، بعض روایات میں ہے کہ وہ گواہی میں امت محمدیہ ﷺ کو پیش کریں گے، امت محمدیہ ان کے حق میں گواہی دے گی، تو نوح عَلٰیهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام کی امت اس پر جرح کرے گی کہ یہ ہمارے معاملہ میں کیسے گواہی دے سکتے ہیں، یہ تو اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، اس جرح کا جواب امت محمدیہ ﷺ سے پوچھا جائیگا، امت محمدیہ جواب دے گی کہ بیشک ہم اس وقت پیدا نہیں ہوئے تھے، اور نہ اس موقع پر موجود تھے، مگر ہم نے اس کی خبر اپنے رسول ﷺ سے سنی تھی، جس پر ہمارا ایمان واعتقاد ہے، اس وقت رسول اللہ ﷺ سے آپ کی امت کے اس قول کی تصدیق کے لئے شہادت طلب کی جائے گی، اس وقت آپ ﷺ اس کی توثیق و تصدیق فرمائیں گے کہ بیشک میں نے ان کو یہ اطلاع دی تھی۔

اور امت پر شاہد ہونے کا ایک مفہوم عام یہ بھی ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ امت کے سب افراد کے اچھے برے

اعمال کی شہادت دیں گے، اور یہ شہادت اس بناء پر ہوگی کہ امت کے اعمال رسول اللہ ﷺ کے سامنے ہر روز صبح و شام اور بعض روایات میں ہفتہ میں ایک بار پیش ہوتے ہیں، اور آپ امت کے ایک ایک فرد کو اس کے اعمال کے ذریعہ پہچانتے ہیں، اس لئے آپ امت کے شاہد بنائے جائیں گے۔ (رواه ابن المبارك عن سعيد بن مسيب، مظهری ملخصًا)

بعض لوگ شاہد کے معنی حاضر و ناظر کے کرتے ہیں جو قرآن کریم کی تحریف معنوی ہے اور ایسا عقیدہ نصوص قرآنی کے خلاف ہے۔

جس طرح چراغ سے اندھیرے دور ہو جاتے ہیں، اسی طرح آپ کے ذریعہ بھی کفر و شرک کی تاریکیاں دور ہوئیں، علاوہ ازیں اس چراغ سے کسب ضیاء کر کے جو شخص کمال و سعادت حاصل کرنا چاہے کر سکتا ہے اس لئے کہ یہ چراغ قیامت تک روشن رہے گا، سابق میں فرمایا تھا کہ اللہ کی رحمت مومنین کو اندھیرے سے نکال کر اجالے میں لاتی ہے، یہاں بتانا مقصود ہے کہ وہ اجالا اس روشن چراغ سے پھیلا ہے۔

بیہقی وقت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں کہ آپ کی صفت داعی الی اللہ تو ظاہر اور زبان کے اعتبار سے ہے، اور سراج منیر آپ کی صفت آپ کے قلب مبارک کے اعتبار سے ہے کہ جس طرح سارا عالم آفتاب سے روشنی حاصل کرتا ہے اسی طرح تمام مومنین کے قلوب آپ کے نور قلب سے منور ہوتے ہیں، اسی لئے صحابہ کرام جنہوں نے اس عالم میں آپ کی صحبت پائی، وہ پوری امت سے اعلیٰ اور افضل قرار پائے، چونکہ ان کے قلوب نے آپ ﷺ کے قلب مبارک سے بلاواسطہ فیض حاصل کیا، باقی امت کو یہ نور صحابہ کے واسطہ سے اور واسطہ در واسطہ سے پہنچا۔

سُوال: کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قول سراجاً منیراً میں آپ ﷺ کو چراغ سے تشبیہ دی ہے نہ کہ سورج سے حالانکہ سورج روشنی میں اتم اور اکمل ہے؟

جَواب: چراغ سے سورج ہی مراد ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول جَعَلْنَا الشمسَ سراجًا.

دُوسرا جَواب: چراغ میں یہ خوبی ہے کہ اس سے ہزارہا چراغ روشن کئے جا سکتے ہیں، بخلاف سورج کے، اور آپ ﷺ کے نور سے ہدایت و ارشاد کے ذریعہ صحابہ نے کسب فیض کیا اور صحابہ کے واسطہ سے تابعین علیٰ ہذا القیاس قیامت تک آپ ﷺ کا یہ فیضان ہدایت جاری رہے گا۔

وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِيْنَ وَالْمُنَافِقِيْنَ بعض منافقین و مشرکین آپ ﷺ کو مشرکین سے نرمی کا برتاؤ اور امتیازی سلوک کرنے کا مشورہ دیتے تھے کہ جب مکہ کے سردار آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کریں تو آپ ان فقراء صحابہ کو اپنی مجلس سے اٹھا دیا کیجئے، یا کم از کم دونوں کی مجلسیں الگ کر دیجئے اس لئے کہ مکہ کے سرداران فقراء کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتے کیونکہ ان کے جسموں اور کپڑوں سے بدبو آتی ہے، جو ہمارے لئے ناقابل برداشت ہے، مشرکین کی اسی بات کو رد کرنے کے لئے فرمایا گیا کہ آپ ان کا مشورہ نہ مانئے، اور ان کے ساتھ مداہنت اور نرمی سے کام نہ لیجئے اس لئے کہ اس میں مسلمانوں

کی دل شکنی ہوگی، اور آپ ان کی موافقت ومخالفت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اللہ پر بھروسہ کیجئے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَکَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ (الآیة) سابقہ آیت میں آپ ﷺ کی چند صفات کمال اور مخصوص شان کا ذکر تھا، آئندہ بھی آپ ﷺ کی چند خصوصیات کا ذکر ہے جو نکاح وطلاق سے تعلق رکھتی ہیں، عام امت کی بہ نسبت آپ کو ان میں ایک امتیاز حاصل ہے، اس سے پہلے طلاق سے متعلق ایک عام حکم ذکر کیا گیا ہے، جو سب مسلمانوں کے لئے عام ہے۔

آیت مذکورہ میں اس کے متعلق تین احکام بیان کئے گئے ہیں:

پہلا حکم:

اگر کسی عورت سے نکاح کر لینے کے بعد خلوت صحیحہ سے پہلے ہی کسی وجہ سے طلاق کی نوبت آجائے تو مطلقہ پر کوئی عدت واجب نہیں، اگر چاہے تو فوراً ہی نکاح کر سکتی ہے، آیت میں ہاتھ لگانے سے صحبت حقیقی اور حکمی مراد ہے، اور صحبت حکمی سے خلوت صحیحہ اور صحبت حقیقی سے ہمبستری مراد ہے۔

دوسرا حکم:

یہ ہے کہ مطلقہ کو شرافت اور حسن خلق کے ساتھ حسب توفیق کچھ دیکر رخصت کر دینا ہر مطلقہ کے لئے مستحب ومسنون ہے، اور بعض صورتوں میں واجب ہے، نیز مومنات کی طرح کتابیات کا بھی یہی حکم ہے، آیت میں مومنات کی قید شرط کے طور پر نہیں ہے بلکہ ایک ترغیبی ہدایت ہے کہ مومن کے لئے اپنے نکاح کے لئے مسلمان عورت کا ہی انتخاب کرنا بہتر ہے، گو نکاح کتابیات سے بھی درست ہے، آیت قرآنی میں ''لفظ متاع'' اختیار کیا گیا ہے، یہ لفظ اپنے مفہوم کے اعتبار سے عام ہے ہر اس چیز کے لئے جس سے فائدہ اٹھایا جائے، اس میں عورت کے حقوق واجبہ مہر وغیرہ بھی شامل ہیں، اگر اب تک مہر نہ دیا ہو تو طلاق کے وقت خوش دلی سے ادا کر دے، اور غیر واجبہ حقوق مثلاً مطلقہ کو رخصت کرتے وقت کپڑوں کا ایک جوڑا حسب حیثیت یا متوسط درجہ کا دینا مستحب ہے جو ہر مطلقہ کو دینا چاہئے ''متعۂ طلاق'' سے مراد وہ لباس ہے جو عورت گھر سے نکلتے وقت لازمی طور پر پہنتی ہے جس میں ایک بڑی چادر جو پورا جسم چھپالے شامل ہے۔

اسلام حقوق انسانیت اور حسن معاشرت کا پاسدار ہے:

دنیا میں حقوق کی ادائیگی عام طور پر صرف دوستوں عزیزوں اور زیادہ سے زیادہ عام لوگوں تک محدود رہتی ہے، حسن اخلاق، حسن معاشرت کا سارا زور صرف یہیں تک خرچ ہوتا ہے، اپنے دشمنوں کے حقوق پہچاننا اس کے لئے قوانین بنانا صرف شریعت اسلام ہی کا کام ہے، اس زمانہ میں اگرچہ حقوق انسانیت کی حفاظت کے لئے دنیا میں مستقل ادارے قائم

کئے گئے ہیں اور اس کے لئے کچھ ضابطے قاعدے بھی بنائے ہوئے ہیں، اس مقصد کے لئے اقوام عالم سے لاکھوں ڈالر کا سرمایہ بھی جمع کیا جاتا ہے، اول تو ان اداروں پر سیاسی مقاصد چھائے ہوئے ہیں، جو کچھ مصیبت زدگان کی امداد کی جاتی ہے وہ بھی بے غرض اور ہر جگہ نہیں بلکہ جہاں اپنے سیاسی مقاصد پورے ہوتے ہیں، اور بالفرض یہ ادارے بالکل صحیح طور پر بھی خدمت خلق انجام دیں تو ان کی امداد زیادہ سے زیادہ اسوقت پہنچ سکتی ہے جب کسی خطۂ زمین میں کوئی عام حادثہ طوفان وبائی امراض وغیرہ کا پیش آجائے، افراد و آحاد کی تکلیف کی کس کو خبر ہوتی ہے؟ کون مدد کو پہنچ سکتا ہے؟ شریعت اسلام کی حکیمانہ تعلیم دیکھئے کہ طلاق کا معاملہ ظاہر ہے کہ باہمی مخالفت غصے اور ناراضگی سے پیدا ہوتا ہے، اور اس کا نتیجہ عموماً یہ ہوتا ہے کہ جو تعلق انتہائی یگانگت اور محبت والفت کی بنیاد پر قائم ہوا تھا وہ اب اس کی نقیض بن کر نفرت، دشمنی، انتقامی جذبات کا مجموعہ بن جاتا ہے، قرآن کریم کی آیت مذکورہ اور اس قسم کی بہت سی آیات نے عین طلاق کے موقع پر جو مسلمانوں کو ہدایات دی ہیں ایسی ہیں کہ ان میں حسن خلق اور حسن معاشرت کا پورا امتحان ہوتا ہے، نفس کا تقاضہ ہوتا ہے کہ جس عورت نے ہمیں ستایا اذیت دی یہاں تک کہ قطع تعلق پر مجبور ہوئی اس کو خوب ذلیل کر کے نکالا جائے، اور جو انتقام اس سے لیا جاسکتا ہے لے لیا جائے۔

مگر قرآن کریم نے عام مطلقہ عورتوں کے لئے تو ایک بڑی پابندی عدت کی اور ایام عدت بھی شوہر کے مکان میں گذارنے کی لگادی، طلاق دینے والے پر فرض کر دیا کہ اس مدت کے اندر عورت کو اپنے گھر سے نہ نکالے اور عورت کو بھی پابند کر دیا کہ اس کے گھر سے نہ نکلے، دوسرے شوہر پر فرض کر دیا کہ مدت عدت کا نفقہ بدستور جاری رکھے، تیسرے شوہر کے لئے مستحب کر دیا کہ عدت پوری ہونے کے بعد بھی جب اس کو رخصت کرے تو ایک جوڑا لباس دیکر عزت کے ساتھ رخصت کرے۔

تیسرا حکم:

یہ دیا گیا کہ سَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا یعنی ان کو خوبی کے ساتھ رخصت کرو جس سے پابندی لگادی گئی کہ زبان سے بھی کوئی سخت بات نہ کہیں، طعن و تشنیع کا طریقہ اختیار نہ کریں، مخالفت کے وقت حقوق کی رعایت وہی کر سکتا ہے جو اپنے نفس کے جذبات پر قابو رکھے اسلام کی تمام تعلیمات میں اس کی رعایت رکھی گئی ہے۔

اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ آیات مذکورہ میں نکاح وطلاق وغیرہ سے متعلق ان سات احکامات کا ذکر ہے، جو آپ ﷺ کے لئے مخصوص ہیں، اور یہ خصوصیت آپ کی ایک امتیازی شان اور خصوصی اعزاز کی علامت ہے، ان میں سے بعض احکام تو ایسے ہیں کہ ان کی خصوصیت تو آپ ﷺ کے ساتھ بالکل واضح ہے، اور بعض ایسے ہیں جو اگرچہ سب مسلمانوں کے لئے عام ہیں، مگر ان میں کچھ قیدیں، شرطیں رسول اللہ ﷺ کے لئے مخصوص ہیں ان کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

پہلا حکم:

اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ (الآیة) ہم نے موجودہ ازواج کو جن کا آپ مہر ادا کر چکے ہیں آپ کے لئے حلال کر دیا، یہ حکم بظاہر سب ہی مسلمانوں کے لئے عام ہے، مگر اس میں وجہ خصوصیت یہ ہے کہ نزول آیت کے وقت آپ کے نکاح میں چار سے زیادہ عورتیں تھیں اور عام مسلمانوں کیلئے چار سے زائد عورتوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنا حلال نہیں، یہ آپ کی خصوصیت تھی کہ چار سے زائد عورتوں کو نکاح میں رکھنا آپ کے لئے حلال کر دیا گیا۔

اَلّٰتِیْٓ اٰتَیْتَ اُجُوْرَهُنَّ یہ قید احترازی نہیں ہے یعنی یہ مطلب نہیں کہ آپ ﷺ کی زوجیت میں بعض ایسی عورتیں تھیں کہ آپ نے جن کا مہر ادا نہیں کیا تھا، اس قید کے ذریعہ ان عورتوں کو آپ پر حرام کر دیا گیا ہے بلکہ یہ قید تو بیان واقعہ کے لئے ہے یعنی حقیقت یہ تھی کہ آپ نے اپنی تمام ازواج کا مہر پہلے ہی ادا کر دیا تھا، حضرت صفیہ اور حضرت جویریہ کا مہر ان کی آزادی کو قرار دیا تھا، ان کے علاوہ کا بصورت نقد سب کا مہر ادا کیا، صرف ام حبیبہ کا مہر نجاشی نے ادا کیا۔

دوسرا حکم:

وَمَا مَلَكَتْ یَمِیْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَیْكَ یعنی اللہ نے آپ کے لئے وہ باندیاں بھی حلال کر دیں جو اللہ نے آپ کو بطورِ فَیْ عطا کی ہیں، اَفَاءَ، فَیْءٌ سے مشتق ہے، اس کے معنی لوٹنے کے ہیں اور اصطلاح میں اس مال کو کہتے ہیں جو کفار سے بغیر جنگ کے یا بطور مصالحت کے حاصل ہو جائے اور کبھی مطلق مال غنیمت کو بھی لفظ فَیء سے تعبیر کر دیتے ہیں، یہاں بھی فَیء کی قید شرط کے طور پر نہیں کہ آپ کے لئے صرف وہ باندیاں حلال ہوں جو بطور فیء حاصل ہوتی ہوں، بلکہ خرید کردہ باندی بھی اس حکم میں شامل ہے، یہ قید اغلبی اور اکثری ہے۔

مذکورہ حکم کی بظاہر آپ ﷺ سے کوئی خصوصیت معلوم نہیں ہوتی اس لئے کہ یہ حکم کہ جو باندی جس کے حصہ میں آئے یا خرید کر ملکیت میں آئے مالک کے لئے حلال ہوتی ہے، یہ حکم ہر مسلمان کے لئے عام ہے پھر خصوصیت کے طور پر بیان کرنے کا کیا مقصد ہے؟ روح المعانی میں باندیوں کی حلت سے متعلق یہ خصوصیت بیان فرمائی ہے کہ جس طرح آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات سے کسی امتی کا نکاح حلال نہیں اسی طرح آپ کے بعد آپ کی کنیز بھی کسی کے لئے حلال نہیں، حکیم الامت حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے بیان القرآن میں اور دو خصوصیتیں بیان فرمائی ہیں جو مذکورہ خصوصیات سے زیادہ واضح ہیں۔

اوّل: یہ کہ رسول اللہ ﷺ کو حق تعالیٰ کی طرف سے یہ اختیار خصوصی دیا گیا تھا کہ مال غنیمت کو تقسیم کرنے سے پہلے اگر آپ اس میں سے کسی چیز کو اپنے لئے انتخاب فرمالیں تو یہ آپ کی ملک خاص ہو جاتی تھی، اس خاص چیز کو اصطلاح میں صَفِیُّ النبی کہا جاتا تھا، جیسا کہ غزوۂ خیبر کی غنیمت میں سے آنحضرت ﷺ نے حضرت صفیہ کو اپنے لئے مخصوص فرمالیا

تھا، تو ملک یمین کے مسئلہ میں یہ آپ کی خصوصیت ہے۔

دوسری: خصوصیت یہ کہ دارالحرب سے کسی غیر مسلم کی طرف سے اگر کوئی ہدیہ مسلمانوں کے امیر المومنین کے نام آئے تو حکم شرعی یہ ہے کہ اس کا مالک امیر المومنین نہیں ہوتا، بلکہ وہ بیت المال کی ملکیت ہوتا ہے، بخلاف نبی ﷺ کے کہ ایسا ہدیہ آپ کے لئے خصوصیت سے حلال کر دیا گیا جیسا کہ ماریہ قبطیہ کا معاملہ ہے کہ مقوقس نے بطور ہدیہ وتحفہ آپ کی خدمت میں پیش کی تھی تو یہ آپ ہی کی ملکیت قرار پائیں۔ (واللہ اعلم)۔ (بیان القرآن بحوالہ معارف القرآن)

تیسرا حکم:

وَبَنَاتِ عَمِّكَ، وَبَنَاتِ عَمّٰتِكَ اس آیت میں عَمٌّ اور خَالٌ کو مفرد اور عمات وخالات کو جمع لایا گیا ہے، اس کی مفسرین حضرات نے بہت سی توجیہات کی ہیں، تفسیر روح المعانی میں ابوحیان کی اس توجیہ کو اختیار کیا گیا ہے کہ عرب کا محاورہ اسی طرح ہے کہ عــمّ کی جمع استعمال نہیں کرتے، اور اشعار سے استشہاد پیش کیا ہے، علامہ شیخ محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر رازی صاحب المختار الصحاح رحمہ اللہ تعالیٰ نے انموذج میں یہ توجیہ کی ہے کہ عَـمٌّ ضَـمٌّ کے وزن پر مصدر ہے اور اسی طرح خَـالٌ بروزن قَـالٌ لہٰذا اس میں مفرد، تثنیہ، جمع سب برابر ہیں، بخلاف عَـمَّةٌ خالَةٌ کے اور اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا قول خَتَـمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ ہے اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ جواب اللہ تعالیٰ کے قول اَوْ بُيُوْتِ اَعْـمَـامِـكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ سے منقوض ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ عَمٌّ اور خَالٌ حقیقت میں مصدر نہیں ہیں بلکہ مصدر کے وزن پر ہیں، لہٰذا یہاں مشابہ بالمصدر ہونے کا اعتبار کیا گیا اور وہاں ان کی حقیقت یعنی مصدر نہ ہونے کا اعتبار کیا گیا ہے تاکہ ان کی دونوں جہتوں پر عمل ہو جائے بخلاف سَـمْـعٌ کے چونکہ یہ حقیقۃً مصدر ہے لہٰذا قرآن کریم میں ہر جگہ مفرد ہی استعمال ہوا ہے، آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے لئے چچا اور پھوپھی کی لڑکیاں اور ماموں، خالہ کی لڑکیاں حلال کر دی گئیں، مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان لڑکیوں سے نکاح کا حلال ہونا تو آپ کی خصوصیت نہیں ہے سب مسلمانوں کا یہی حکم ہے، لیکن اس میں یہ قید ہے کہ انہوں نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کی ہو، خواہ آپ کے ساتھ یا پہلے یا بعد میں، ہمسفر رہنا شرط نہیں ہے، لہٰذا اب یہ خصوصیت ہوگی کہ عام مسلمانوں کے لئے تو مذکورہ لڑکیوں سے نکاح حلال ہے خواہ ہجرت کی ہو یا نہ کی ہو، مگر آپ کے لئے انہیں لڑکیوں سے نکاح حلال تھا کہ جنہوں نے ہجرت کی ہو، جیسا کہ آپ کے چچا ابوطالب کی بیٹی ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ مجھ سے آپ ﷺ کا نکاح اس لئے حلال نہیں تھا کہ میں نے مکہ سے ہجرت نہیں کی تھی، بلکہ میرا شمار طلقاء میں تھا، طلقاء ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جن کو فتح مکہ کے وقت رسول اللہ نے اَنتم الطلقاء کہہ کر آزاد کر دیا تھا نہ قتل کیا اور نہ غلام بنایا۔

(روح، حصاص)

اور رسول اللہ ﷺ کے نکاح کے لئے مہاجرت کی شرط صرف آپ کے والدین کے خاندان کی لڑکیوں کے لئے تھی عام

امت کی لڑکیوں میں ہجرت کی شرط نہ تھی، بلکہ ان کا صرف مسلمان ہونا کافی تھا۔

چوتھا حکم:

وَامْرَأَةً مُؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ (الآیة) یعنی اگر کوئی مسلمان عورت اپنے نفس کو آپ کے لئے ہبہ کر دے یعنی بغیر مہر کے آپ سے نکاح کرنا چاہے اور آپ اس کو منظور فرمالیں تو آپ کے لئے بلا مہر بھی نکاح جائز ہے، اور یہ حکم آپ کے ساتھ خاص ہے دوسرے مومنوں کے لئے جائز نہیں ہے، اگر بلا ذکر مہر یا مہر کی نفی کے ساتھ نکاح ہوا تو مہر مثل دینا لازم ہوگا، علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ کوئی ایسا واقعہ پیش آیا یا نہیں، بعض نے کہا کہ ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا اور بعض حضرات نے ایسا نکاح ثابت کیا ہے (روح المعانی) اس حکم کے ساتھ خَالِصَةً کا جو جملہ آیا ہے اس کو بعض حضرات نے صرف اسی حکم چہارم کے ساتھ لگایا ہے، اور زمخشری وغیرہ نے اس جملہ کو ان تمام احکام کے ساتھ لگایا ہے جو اوپر مذکور ہوئے ہیں۔

پانچواں حکم:

جو آیتِ مذکورہ میں مؤمنة کی قید سے مستفاد ہے، وہ یہ کہ اگر چہ عام مسلمانوں کے لئے یہود و نصاریٰ کی عورتوں یعنی کتابیات سے نکاح بنص قرآنی حلال ہے، مگر آپ ﷺ کے لئے عورت کا مومنہ ہونا شرط ہے کتابیہ سے آپ کا نکاح نہیں ہوسکتا تھا۔

مذکورہ پانچوں احکام کی خصوصیت نبی کریم ﷺ کے ساتھ بیان فرمانے کے بعد عام مسلمانوں کا حکم اجمالاً ذکر فرمایا قَدْ علمنا ما فرضنا علیهم (الآیة) یعنی احکام مذکورہ آپ کے لئے مخصوص ہیں، باقی مسلمانوں کے نکاح کے لئے جو ہم نے فرض کیا ہے وہ ہم جانتے ہیں، مثلاً عام مسلمانوں کا نکاح بغیر مہر کے نہیں ہوسکتا، اور کتابیات سے ان کا نکاح ہوسکتا ہے، مذکورہ جملہ متعلَق اور متعلِق کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

چھٹا حکم:

تُرْجِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِيْ اِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ، تُرْجِي اِرْجَاءٌ سے مشتق ہے، اس کے معنی مؤخر کرنے کے ہیں اور تُؤْوِي ایواءٌ سے مشتق ہے جس کے معنی قریب کرنے اور ملانے کے ہیں، اس میں آپ ﷺ کی ایک اور خصوصیت بیان کی گئی ہے، وہ یہ کہ ازواج مطہرات کے درمیان باری مقرر کرنے کے بارے میں آپ کو اختیار دیدیا گیا تھا، آپ ﷺ جس کی باری چاہیں موقوف کردیں یعنی اسے نکاح میں رکھتے ہوئے اس سے مباشرت نہ کریں اور جس سے چاہیں یہ تعلق قائم رکھیں، اسی طرح آپ کو یہ اجازت بھی دیدی کہ جن بیویوں کی باری آپ نے موقوف کردی تھی اگر آپ چاہیں تو اس باری کو دوبارہ جاری کرسکتے ہیں، مگر آپ ﷺ نے اس رخصت سے کبھی فائدہ نہیں اٹھایا اور ہمیشہ برابری کا

التزام رکھا، صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کو اگر کسی بی بی کی باری میں ان کے یہاں جانے سے کوئی عذر ہوتا تو آپ ﷺ اس سے اجازت لے لیتے تھے۔

اور یہ حدیث بھی سب کتب حدیث میں معروف ہے کہ مرض وفات میں کہ جب آپ کے لئے چلنا پھرنا دشوار ہو گیا تو آپ نے سب ازواج سے اجازت حاصل کر کے حضرت عائشہ صدیقہ کے گھر میں بیماری کے ایام گذارنا اختیار فرمایا تھا۔

ذٰلِكَ اَدْنٰی اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ اس کا تعلق بھی آپ کے اسی طرز عمل سے ہے کہ آپ پر تقسیم اگر چہ دوسروں کی طرح واجب نہیں تھی، اس کے باوجود آپ ﷺ نے تقسیم کو اختیار فرمایا تا کہ آپ ﷺ کی بیویوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور آپ کے اس حسن سلوک اور عدل وانصاف سے خوش ہو جائیں کہ آپ نے خصوصی اختیارات استعمال کرنے کے بجائے ان کی دلجوئی اور دلداری کا اہتمام فرمایا، بعض حضرات نے مذکورہ آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ سے تقسیم نوبت کی فرضیت کو ختم کر دینے اور آپ کو ہر طرح کا اختیار دیدینے کی علت اور حکمت کا بیان ہے کہ آپ کو عام اختیار دینے کی مصلحت یہ ہے کہ سب ازواج مطہرات کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور جتنا کچھ ان کو حصہ ملے اس پر راضی رہیں۔

یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ حکم تو بظاہر ازواج مطہرات کی مرضی اور منشاء کے خلاف بلکہ ان کے لئے رنج کا سبب ہو سکتا ہے، اس کو ازواج کی خوشی کا سبب کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل ناراضگی کا اصل سبب اپنا استحقاق ہوتا ہے، اور جب کسی پر استحقاق ہی نہ ہو تو رنج وغم کی کوئی بات ہی نہیں، بلکہ پھر جو کچھ بھی مہربانی کر دے وہ خوشی ہی خوشی ہے، یہاں بھی جب بتلا دیا گیا کہ آپ ﷺ پر برابری رکھنا ضروری نہیں ہے بلکہ آپ مختار ہیں تو اب جس بیوی کا جتنا حصہ بھی آپ کی توجہ اور صحبت کا ملے وہ اس کو ایک احسان وتبرع سمجھ کر خوش ہو گی۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوْبِكُمْ (الآیۃ) آیات مذکورہ میں اوپر سے یہاں تک ان احکام کا ذکر چلا آتا ہے جو آپ ﷺ کے نکاح کے سلسلہ میں کسی نہ کسی قسم کی خصوصیت رکھتے ہیں، آئندہ بھی بعض ایسے ہی احکام کا ذکر آ رہا ہے، درمیان میں یہ آیت کہ ''اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کا حال جانتا ہے اور علیم وحلیم ہے''، بظاہر ماقبل اور مابعد سے کوئی ربط اور جوڑ نہیں رکھتا، روح المعانی میں ہے کہ احکام مذکورہ میں رسول اللہ ﷺ کے چار سے زائد ازواج کی اجازت اور بلامہر کے نکاح کی اجازت سے کسی کے دل میں شیطانی وساوس پیدا ہو سکتے تھے، اس لئے درمیان میں اس آیت نے یہ ہدایت دیدی کہ مسلمان اپنے دلوں کی ایسے وساوس سے حفاظت کریں، اور اس بات پر ایمان پختہ رکھیں، کہ یہ سب خصوصیات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، جو بہت سی مصالح اور حکمتوں پر مبنی ہیں نفسانی خواہشات کی تکمیل کا یہاں گذر نہیں۔

آپ ﷺ کی زاہدانہ زندگی اور اس کے ساتھ تعدد ازواج:

اعداء اسلام نے ہمیشہ مسئلہ تعدد ازواج اور خصوصاً رسول اللہ ﷺ کی کثرت ازواج کو اسلام کی مخالفت میں موضوع بحث بنایا ہے، لیکن اگر رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی کو سامنے رکھا جائے تو کسی شیطان کو بھی شان رسالت کے خلاف وسوسہ

پیدا کرنے کی گنجائش نہیں رہتی، صحیح احادیث اور معتبر تاریخی روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے پہلا نکاح عنفوان شباب پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے کیا جو بیوہ، سن رسیدہ، صاحب اولاد تھیں، اور آپ سے پہلے دو شوہروں کے نکاح میں رہ چکی تھیں، اور پچاس سال کی عمر تک صرف اسی بیوہ اور سن رسیدہ بیوی کے ساتھ شباب کا پورا زمانہ گذارا یہ پچاس سالہ دور مکہ کے لوگوں کے سامنے گذرا، چالیس سال کی عمر میں اعلان نبوت کے بعد شہر میں آپ کی مخالفت شروع ہوئی، اور مخالفین نے آپ کو ستانے اور عیب لگانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، شاعر کہا، کاہن کہا، مجنون کہا، مگر کبھی کسی دشمن کو بھی آپ کی طرف کوئی ایسی بات منسوب کرنے کا موقع نہیں مل سکا جو تقویٰ وطہارت کو مشکوک کر سکے، پچاس سال عمر شریف گذرنے اور حضرت خدیجہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی وفات کے بعد آپ ﷺ نے حضرت سودہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے نکاح فرمایا، یہ بھی بیوہ تھیں، ہجرت مدینہ اور عمر شریف چوّن سال ہوجانے کے بعد ۲ ھ میں حضرت صدیقہ عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی رخصتی آنحضرت ﷺ کے گھر میں ہوئی، اس کے ایک سال بعد حضرت حفصہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے اور کچھ دنوں کے بعد حضرت زینب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا بنت خزیمہ سے نکاح ہوا، حضرت زینب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا چند ماہ بعد وفات پاگئیں، ۴ ھ میں حضرت ام سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا جو صاحب اولاد بیوہ تھیں آپ کے نکاح میں آئیں، ۵ ھ میں زینب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا بنت جحش سے بحکم خداوندی نکاح ہوا، جس کا ذکر سورۂ احزاب کے شروع میں آچکا ہے، اس وقت آپ کی عمر شریف اٹھاون سال تھی، آخری پانچ سال میں باقی ازواج مطہرات آپ کے حرم میں داخل ہوئیں۔

پیغمبر کی خانگی زندگی اور گھریلو معاملات سے متعلق احکام، دین کا ایک بہت بڑا حصہ ہوتے ہیں، ان نو ازواج مطہرات سے جس قدر دین کی اشاعت ہوئی اس کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ صرف حضرت صدیقہ عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے دو ہزار دو سو دس احادیث اور حضرت ام سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے تین سو اڑسٹھ احادیث کی روایت معتبر کتب احادیث میں جمع ہیں، حضرت ام سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے جو احکام وفتاویٰ لوگوں کو بتلائے ان کے متعلق حافظ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں لکھا ہے، کہ اگر ان کو جمع کیا جائے تو ایک مستقل کتاب بن جائے، دو سو سے زائد حضرات صحابہ حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے شاگرد ہیں، جنہوں نے حدیث، فقہ وفتاویٰ ان سے سیکھے ہیں۔

ساتواں حکم:

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ (الآية) یعنی اس کے بعد آپ کے لئے دوسری عورتوں سے نکاح حلال نہیں کہ موجودہ ازواج میں سے کسی کو طلاق دے کر اس کی جگہ دوسری بدلیں، اس آیت میں لفظ مِنْ بَعْدُ کی دو تفسیریں ہوسکتی ہیں، ایک یہ کہ من بعد سے مراد یہ ہو کہ ان عورتوں کے بعد جو اس وقت آپ کے نکاح میں ہیں اور کسی سے آپ کا نکاح حلال نہیں، بعض صحابہ سے یہی تفسیر منقول ہے، جیسا کہ حضرت انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا، آیت تخییر کے نزول کے بعد ازواج مطہرات نے دنیا کے اسباب عیش وراحت کے مقابلہ میں عُسرت کے ساتھ نبی ﷺ کے ساتھ رہنا پسند کیا تھا اس کا صلہ اللہ تعالیٰ نے یہ دیا کہ آپ

ﷺ کو ان ازواج کے علاوہ (جن کی تعداد اس وقت نو تھی) دیگر عورتوں سے نکاح کرنے یا ان میں سے کسی کو طلاق دیکر اس کی جگہ کسی اور سے نکاح کرنے سے منع فرما دیا، بعض حضرات کہتے ہیں کہ بعد میں آپ کو اختیار دیدیا گیا تھا، لیکن آپ نے کوئی نکاح نہیں کیا، حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی روایت سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے۔

حضرت عکرمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ، ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے ایک روایت میں لفظ مِنْ بعد کی یہ تفسیر نقل کرتے ہیں کہ مِنْ بعدِ الْاَصنافِ المذکورۃِ یعنی شروع آیت میں آپ کے لئے عورتوں کی جتنی اقسام حلال کی گئی ہیں، اس کے بعد یعنی ان کے سوا کسی اور قسم کی عورت سے آپ کا نکاح حلال نہیں، مثلاً شروع آیت میں اپنے خاندان کی عورتوں میں سے صرف وہ عورتیں حلال کی گئیں جنہوں نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی، اسی طرح مومنہ کی قید لگا کر آپ کے لئے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح ناجائز قرار دیدیا گیا، تو آیت میں مِنْ بعد کا مطلب یہ ہے کہ جتنی قسمیں آپ کے لئے حلال کردی گئی ہیں صرف انہی سے آپ کا نکاح ہوسکتا ہے، اس تفسیر کے مطابق یہ سابقہ حکم ہی کی تاکید ہے کوئی نیا حکم نہیں، وَلَا اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ آیت مذکورہ کی اگر دوسری تفسیر اختیار کی جائے تو اس جملہ کا مطلب واضح ہے کہ اگرچہ آپ کا موجودہ ازواج کے علاوہ دیگر عورتوں سے نکاح حلال ہے، مگر یہ جائز نہیں کہ ایک کو طلاق دے کر اس کی جگہ دوسری کو بدلیں، اور اگر پہلی تفسیر مراد لیں تو معنی یہ ہوں گے کہ آئندہ نہ کسی عورت کا اضافہ کرسکتے ہیں اور نہ کسی کی تبدیلی کرسکتے ہیں کہ ان میں سے کسی کو طلاق دیکر اس کی جگہ دوسری کرلیں۔ (واللہ اعلم)۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ فِي الدُّخُولِ بِالدُّعَاءِ **اِلٰى طَعَامٍ** فَتَدْخُلُوْا **غَيْرَ نٰظِرِيْنَ** مُنْتَظِرِيْنَ **اِنٰىهُ** نُضْجَهُ مَصْدَرُ اَنٰى يَانِيْ **وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا** تَمْكُثُوْا **مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ** مِنْ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ **اِنَّ ذٰلِكُمْ** الْمُكْثَ **كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ** اَنْ يُخْرِجَكُمْ **وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ** اَنْ يُخْرِجَكُمْ اَيْ لَا يَتْرُكُ بَيَانَهُ وَقُرِئَ يَسْتَحِيْ بِيَاءٍ وَاحِدَةٍ **وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ** اَيْ اَزْوَاجَ النَّبِيِّ **مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ** سِتْرٍ **ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ** مِنَ الْخَوَاطِرِ الْمُرِيْبَةِ **وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ** بِشَيْءٍ **وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ** ذَنْبًا **عَظِيْمًا ﴿۵۳﴾ اِنْ تُبْدُوْا شَيْئًا اَوْ تُخْفُوْهُ** مِنْ نِكَاحِهِنَّ بَعْدَهُ **فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۵۴﴾** فَيُجَازِيْكُمْ عَلَيْهِ **لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ** اَيْ الْمُؤْمِنَاتِ **وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ** مِنَ الْاِمَاءِ وَالْعَبِيْدِ اَنْ يَرَوْهُنَّ وَيُكَلِّمُوْهُنَّ مِنْ غَيْرِ حِجَابٍ **وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ** فِيْمَا اُمِرْتُنَّ بِهِ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۵۵﴾** لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ **اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ** مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾** اَيْ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى

مُحَمَّدٍ وسَلِّمْ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَہُمُ الْکُفَّارُ یَصِفُوْنَ اللّٰہَ بما ہو مُنَزَّہٌ عنہ مِنَ الوَلَدِ والشَّرِیْكِ وَیُکَذِّبُوْنَ رُسُلَہٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ اَبْعَدَہُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا ذَا اِہَانَۃٍ وہو النَّارُ وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَیْرِ مَا اكْتَسَبُوْا یَرْمُوْنَہم بِغَیْرِ مَا عَمِلُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا تَحملُوا کَذِبًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا بَیِّنًا.

ترجمہ: اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں (بلا بلائے) مت جایا کرو مگر یہ کہ تم کو کھانے کے لئے دعوت کے طور پر آنے کی اجازت دیدی جائے تو اس طرح داخل ہو سکتے ہو کہ کھانے کی تیاری کے منتظر نہ رہو، اِنٰی، اَنٰی یَانِی کا مصدر ہے، لیکن جب تم کو بلایا جائے تب جایا کرو پھر جب کھانے سے فارغ ہو جاؤ تو اٹھ کر چلے جایا کرو اور آپس میں باتوں میں دلچسپی لیکر بیٹھے نہ رہا کرو بلاشبہ اس بیٹھے رہنے سے نبی کو ناگواری ہوتی ہے سو وہ تم کو چلے جانے کے لئے کہنے کے بارے میں تمہارا لحاظ کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ بیان حق میں کسی کا لحاظ نہیں کرتا یعنی حق بیان کرنے کو ترک نہیں کرتا، اور ایک قراءت میں یَسْتَحِیْ ایک یاء کے ساتھ بھی ہے، جب تم ان سے یعنی نبی کی بیویوں سے کوئی چیز طلب کرو تو پردے کے باہر سے طلب کرو یہ تمہارے اور ان کے دلوں کی مشتبہ خیالات سے پاکیزگی ہے اور تمہارے لئے یہ بات مناسب نہیں کہ کسی طرح بھی اللہ کے رسول کو تکلیف پہنچاؤ اور نہ تمہارے لئے یہ حلال ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کبھی بھی آپ کی ازواج سے نکاح کرو بلاشبہ اللہ کے نزدیک یہ گناہ عظیم ہے خواہ کچھ ظاہر کرو یا پوشیدہ رکھو، آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی ازواج سے نکاح کے بارے میں، اللہ تعالیٰ ہر شئ سے بخوبی واقف ہے وہ اس پر تم کو ضرور بدلہ دے گا، اور ازواج مطہرات پر اپنے باپوں کے بارے میں کوئی گناہ نہیں اور نہ اپنے بیٹوں کے بارے میں اور نہ اپنے بھائیوں کے بارے میں اور نہ اپنے بھتیجوں کے بارے میں، اور نہ بھانجوں کے اور نہ اپنی عورتوں یعنی مومنات کے بارے میں اور نہ اپنے مملوکوں کے بارے میں خواہ وہ باندی ہوں یا غلام کوئی حرج نہیں یہ کہ ان کو دیکھیں اور بغیر حجاب کے ان سے باتیں کریں، اور جس بات کا تم کو حکم دیا گیا ہے اس میں اللہ سے ڈرتی رہو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا نگراں ہے، اس سے کوئی شئ مخفی نہیں بلاشبہ اللہ اور اس کے فرشتے نبی محمد ﷺ پر رحمت بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی آپ ﷺ پر درود بھیجو اور خوب سلام بھیجا کرو یعنی اَللّٰھُمَّ صَلِّ علٰی محمدٍ وَسَلِّمْ کہا کرو بلاشبہ وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں، اور وہ کفار ہیں اللہ کے لئے ایسی صفات ثابت کرتے ہیں جن سے وہ پاک ہے یعنی اولاد سے اور شرک سے اور اس کے رسول کی تکذیب کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے یعنی ان کو رحمت سے دور کر دیا ہے اور ان کے لئے اہانت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے، اور وہ آگ ہے، جو مومنین اور مومنات کو بلاوجہ تکلیف پہنچاتے ہیں یعنی ان کے بغیر کچھ کئے طعنہ زنی کرتے ہیں تو وہ بہتان یعنی جھوٹ اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: اِلَّا اَنْ یُّؤْذَنَ لَکُمْ یہ عموم احوال سے استثناء ہے ای لا تدخلوھا فی حال من الاحوال الّا حال کونکم ماذونا لکم.

قولہ: الٰی طعام کا تعلق، یُؤْذَنُ کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے یُؤْذَنُ سے ہے، شارح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے بالدعاء کا اضافہ یہ بتانے کے لئے کیا ہے کہ یُؤْذن یُدعون کے معنی کو متضمن ہے ورنہ یُؤْذَنُ کا صلہ الٰی نہیں آتا اکثر مفسرین کا کہنا ہے کہ یہ آیت ولیمۂ زینب بنت جحش رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے بارے میں نازل ہوئی، واقعہ کی تفصیل تفسیر کے زیر عنوان ملاحظہ فرمائیں۔

قولہ: اِناہُ. اَنٰی یانِی کا مصدر ہے بروزن رَمٰی یَرمِیْ پکنا، تیار ہونا اَنٰی بالفتح والکسر یہ اَنا یانِی (ض) کا مصدر ہے، معنی پکنے اور وقت آنے کے ہیں، اِنٰی مصدر سماعی ہے مصدر قیاسی اَنْی ہے لیکن یہ سنا نہیں گیا۔

(اعراب القرآن، للدرویش)

قولہ: فانتشِروا اِذَا طَعِمْتُمْ کا جواب ہے۔

قولہ: وَلَا مُسْتَاْنِسِیْنَ کا عطف غیرَ ناظرینَ پر ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ حال مقدر پر عطف ہے ای لاتدخُلوھا ھاجِمِیْنَ وَلَا مُسْتَاْنِسِیْنَ زمخشری نے کہا ہے کہ مستانسین، ناظرین پر معطوف ہونے کی وجہ سے مجرور ہے۔

قولہ: لا یَستحی کی تفسیر لا یترك سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یستحی بمعنی لا یترك ہے جو کہ لازم معنی ہیں اس لئے کہ حیا کی نسبت اللہ کی طرف درست نہیں ہے۔

قولہ: ذٰلِکُمْ اَطْھَرُ، ذٰلِکُمْ کا مرجع بغیر اجازت کے داخل نہ ہونا، اور باتوں میں دلچسپی لیکر جم کر نہ بیٹھ رہنا، اور پردے کے باہر سے سامان طلب کرنا ہے، یعنی مذکورہ باتیں تہمت اور شیطانی وساوس کے دفع کرنے کے لئے بہت مفید و موثر ہیں۔

قولہ: مَا کان لَکُمْ ای ما صَحَّ لکم اَنْ تُؤذُوا، اَنْ تؤذوا کانَ کا اسم ہے اور لَکُمْ اس کی خبر اور وَاَنْ تَنْکِحُوْا کا عطف کان کے اسم پر ہے۔

قولہ: اَنْ یروْھُنَّ وَیُکَلِّمُوْھُنَّ کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ فِی آبائھِنَّ ولا اَبْنَائِھِنَّ (الخ) حذف مضاف کے ساتھ ہیں، یعنی ان لوگوں کو دیکھنے اور ان سے کلام کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

قولہ: وَاتَّقِیْنَ اللّٰہَ اس کا عطف محذوف پر ہے ای اِمْتَثِلْنَ مَا اُمِرْتُنَّ بہ وَاتَّقِیْنَ اللّٰہَ.

قولہ: صلٰوۃ اس کے متعدد معنی ہیں، رحمت، دعاء، تعظیم و ثناء ان کو بیک وقت مراد لینا عموم مشترک کہلاتا ہے بعض حضرات کے یہاں یہ جائز نہیں ہے اس لئے یہ کہا جائے گا کہ لفظ صلٰوۃ کے اس جگہ ایک ہی معنی مراد ہیں یعنی آپ کی

تعظیم اور مدح وثناء پھر جب یہ معنی اللہ کی طرف منسوب ہوں تو رحمت مراد ہوگی اور فرشتوں کی طرف منسوب ہوں تو دعاء واستغفار مراد ہوگی اور اگر عام مومنین کی طرف منسوب ہوں تو دعاء اور مدح وتعظیم کا مجموعہ مراد ہوگا، لفظ سلام مصدر ہے بمعنی سلامت جیسے ملام بمعنی ملامت مستعمل ہوتا ہے اور مراد اس سے یہ ہے کہ نقائص وعیوب اور آفات سے سلامتی آپ کے ساتھ رہے، عربی زبان کے قاعدے سے یہاں حرف علی کا موقع نہیں مگر چونکہ لفظ سلام ثناء کے معنی کو متضمن ہے اس لئے حرف علیٰ کے ساتھ علیكَ یا علیکم کہا جاتا ہے۔

تفسیر وتشریح

شان نزول:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ (الآیۃ) اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ نبی ﷺ کی دعوت پر حضرت زینب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا بنت جحش کے ولیمے میں صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ تشریف لائے جن میں سے بعض کھانے کے بعد بھی بیٹھے ہوئے باتیں کرتے رہے جس سے آپ ﷺ کو تکلیف ہوئی، تاہم حیاواخلاق کی وجہ سے آپ ﷺ نے انہیں جانے کے لئے نہیں فرمایا، حضرت انس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی صحیح بخاری کی روایت میں واقعہ کی تفصیل اس طرح ہے، حضرت انس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ چونکہ میں اس واقعہ کے وقت خود موجود تھا اس لئے آیت حجاب کی حقیقت سے میں زیادہ واقف ہوں، جب حضرت زینب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نکاح کے بعد حرم نبوی میں داخل ہوئیں تو آپ نے ولیمے کی دعوت کی، کھانے کے بعد کچھ لوگ وہیں جم کر باتیں کرنے لگے، ترمذی کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ بھی وہیں تشریف رکھتے تھے، اور حضرت زینب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا بھی اسی جگہ موجود تھیں جو حیاء کی وجہ سے دیوار کی طرف اپنا رخ پھیرے ہوئے بیٹھی تھیں، یہ نزول حجاب سے پہلے کی بات ہے جبکہ زنانہ مکانوں میں مردوں کے داخل ہونے پر پابندی نہیں تھی بلکہ دعوت وغیرہ کا انتظام زنانخانہ میں ہی ہوتا تھا، ان لوگوں کے اس طرح دیر تک بیٹھنے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو تکلیف ہوئی آپ ان لوگوں کو اٹھنے کا اشارہ دینے کے طور پر باہر نکلے اور حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے گھر تک تشریف لے گئے یہ خیال کر کے کہ اب شاید لوگ چلے گئے ہوں گے واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ حضرات بیٹھے ہوئے ہیں آپ کو اس کا بہت احساس ہوا، تھوڑی دیر گھر میں قیام کرنے کے بعد پھر باہر تشریف لے گئے، کچھ دیر کے بعد جب آپ ﷺ واپس تشریف لائے تو وہ حضرات بدستور ڈٹے ہوئے تھے، جب ان حضرات کو احساس ہوا تو اٹھ کر چلے گئے، اس واقعہ کے کچھ ہی دیر بعد مذکورہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے پڑھ کر سنائی، چنانچہ اس آیت میں دعوت کے آداب بتلائے گئے ہیں، ایک تو یہ کہ اس وقت جاؤ جب کھانا تیار ہو چکا ہو، پہلے ہی جا کر دھرنا مار کر نہ بیٹھ جاؤ، دوسرے یہ کہ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد اپنے گھروں کو چلے جایا کرو۔

آیت حجاب:

اِذَا سَأَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا (الآیۃ) حضرت انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آیت حجاب حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی خواہش کے مطابق نازل ہوئی، ایک مرتبہ حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے آپ ﷺ سے عرض کیا، یارسول اللہ آپ کے پاس اچھے برے ہر قسم کے آدمی آتے ہیں، کاش آپ امہات المومنین کو پردے کا حکم فرمادیں تو کیا اچھا ہو، جس پر اللہ تعالیٰ نے آیت مذکورہ نازل فرمائی۔

ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ یہ پردے کی حکمت اور علت ہے اس سے مرد اور عورت دونوں کے دل ریب و شک سے اور ایک دوسرے کے ساتھ فتنے میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہیں گے۔

مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَا اَنْ تَنْكِحُوْا اَزْوَاجَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ اَبَدًا اور تمہارے لئے یہ حلال نہیں کہ آپ کے بعد کسی وقت بھی آپ کی بیویوں سے نکاح کرو (یاد رکھو) اللہ کے نزدیک یہ بڑا (گناہ) ہے یہ حکم ان ازواج کے بارے میں ہے جو آپ کی وفات کے وقت آپ کے حبالۂ عقد میں تھیں، البتہ وہ عورتیں جن کو آپ ﷺ نے ہمبستری کے بعد طلاق دیکر الگ کردیا ہو، وہ اس کے عموم میں داخل ہیں یا نہیں؟ اس میں دو رائے ہیں بعض ان کو بھی شامل سمجھتے ہیں اور بعض نہیں، لیکن آپ کی کوئی ایسی بیوی تھی ہی نہیں، اس لئے یہ محض ایک فرضی شکل ہے، ایک تیسری قسم ان عورتوں کی ہے جن سے آپ ﷺ نے نکاح کیا ہو لیکن ہم بستری سے قبل ہی ان کو آپ نے طلاق دے دی ان سے دوسرے لوگوں کا نکاح درست ہونے میں کوئی نزاع معلوم نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَا اَنْ تَنْكِحُوْا اَزْوَاجَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ اَبَدًا میں ظاہر اور ازواج کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مدخولہ سے بھی نکاح صحیح نہیں ہے جیسا کہ مستعیذہ (پناہ چاہنے والی بنت جون) اور وہ بیوی کہ آپ نے اس کے پہلو میں سفید داغ دیکھا تو ہم بستری سے قبل ہی فرمایا اِلْحَقِیْ بِاَهْلِكِ امام الحرمین اور رافعی نے صغیر میں اس بات کو صحیح قرار دیا ہے کہ حرمت صرف مدخول بہا کی ہے، اس لئے کہ روایت کیا گیا ہے کہ اشعث بن قیس کندی نے مستعیذہ (پناہ چاہنے والی بنت جون) سے حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے زمانہ میں نکاح کیا تھا تو حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ان کو رجم کرنے کا ارادہ کیا تو اشعث بن قیس نے بتایا کہ وہ آپ ﷺ کی مدخول بہا نہیں ہے، تو حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے بلا کسی نکیر کے رجم کا ارادہ ملتوی کردیا۔ (روح المعانی)

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْ اٰبَآئِهِنَّ (الآیۃ) جب عورتوں کیلئے پردے کا حکم نازل ہوا تو پھر گھر میں موجود اقارب یا ہروقت آنے جانیوالے رشتہ داروں کی بابت سوال ہوا کہ ان سے پردہ کیا جائے یا نہیں؟ چنانچہ اس آیت میں ان اقارب کا ذکر کردیا گیا جن سے پردے کی ضرورت نہیں، اس کی تفصیل سورۂ نور کی آیت ۳۱ میں گذر چکی ہے ملاحظہ کرلیا جائے۔

وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا اس مقام پر عورتوں کو تقویٰ کا حکم دے کر واضح کر دیا کہ اگر تمہارے دلوں میں تقویٰ ہوگا تو پردے کا جو اصل مقصد قلب ونظر کی طہارت اور عصمت کی حفاظت ہے یقیناً وہ تم کو حاصل ہوگا، ورنہ حجاب کی ظاہری پابندیاں تمہیں گناہ میں ملوث ہونے سے نہیں بچا سکتیں۔

انسداد فواحش کا اسلامی نظام:

فواحش، بدکاری، زنا اور اس کے مقدمات دنیا کی ان مہلک برائیوں میں سے ہیں جن کے مہلک اثرات صرف اشخاص وافراد ہی کو نہیں بلکہ قبائل اور خاندانوں کو اور بعض اوقات بڑے بڑے ملکوں کو تباہ کر دیتے ہیں۔

دنیا کے اس موجودہ دور میں مغربی اقوام نے اپنی مذہبی حدود اور قدیم قومی روایات سب کو توڑ کر زنا کو اپنی ذات میں کوئی جرم نہیں رکھا، اور تمدن ومعاشرت کو ایسے سانچے میں ڈھال دیا ہے جن میں ہر قدم پر جنسی انارکی اور فواحش کو دعوت عام ہے، مگر ان کے ثمرات اور نتائج کو وہ بھی جرائم سے خارج نہ کر سکے، عصمت فروشی، زنا بالجبر، منظر عام پر فحش حرکات کو تعزیری جرم قرار دینا پڑا، جس کی مثال اس کے سوا کچھ نہیں کہ کوئی شخص آگ لگانے کے لئے سوختہ کا ذخیرہ جمع کرے، پھر اس پر تیل چھڑکے، پھر اس میں آگ لگا دے اور جب آگ کے شعلے بھڑکنے لگیں تو ان شعلوں پر پابندی اور روکنے کی کوشش کرے۔

اس کے برخلاف اسلام نے جن چیزوں کو جرم اور انسانیت کے لئے مضر سمجھ کر قابل سزا جرم قرار دیا ہے ان کے مقدمات اور مبادیات پر بھی پابندیاں عائد کی ہیں اور ان کو ممنوع قرار دیا ہے، مثلاً اصل مقصد زنا اور بدکاری سے بچانا تھا، تو زنا کی پیش بندی کے طور پر نظریں نیچی رکھنے کے قانون سے ابتداء کی، عورتوں اور مردوں کے بے محابا اختلاط کو روکا، اور عورتوں کو چہار دیواری میں رہنے کی تاکید کی، اور اگر ضرورت کے وقت نکلنا پڑے تو پردے اور حجاب کے ساتھ سڑک کے ایک کنارے چلنے کی ہدایت کی خوشبو لگا کر یا بجنے والا زیور پہن کر نکلنے کی ممانعت کر دی، اس کے باوجود اگر کوئی شخص ان تمام حدود وقیود اور پابندیوں کے حصار کو پھاند کر باہر نکل جائے تو اس پر ایسی عبرتناک اور عبرت آموز سزا جاری کی کہ ایک مرتبہ کسی بدکردار پر جاری کر دی جائے تو پوری قوم کو مکمل سبق مل جائے۔

اہل مغرب اور ان کے مقلدین نے اپنی فحاشی اور عیاشی کے جواز میں عورتوں کے پردے کو عورتوں کی صحت اور اقتصادی اور معاشی حیثیت سے معاشرہ کے لئے مضر ثابت کرنے اور بے پردہ رہنے کے فوائد پر بحثیں اور سیمینار کئے ہیں، اس کا جواب بہت سے علماء عصر نے بڑی تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، اس کے متعلق یہاں اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ فائدہ اور نفع سے تو کوئی جرم اور گناہ بھی خالی نہیں، چوری، ڈاکہ، دھوکہ، فریب ایک اعتبار سے بڑا نفع بخش کاروبار ہے، مگر جب اس کے ثمرات ونتائج میں پیدا ہونے والی مضرتیں سامنے آتی ہیں تو کوئی شخص ان کو نفع بخش کاروبار کہنے کی جرأت نہیں کرتا بے پردگی میں اگر کچھ معاشی فوائد ہوں بھی مگر جب پورے ملک اور قوم کو ہزاروں فتنہ وفساد میں مبتلا کر دے تو پھر اس کو نافع کہنا کسی دانشمند کا کام نہیں ہوسکتا۔

روس کے سابق صدر میخائیل گوربہ چوف اپنی کتاب پروسٹائیکا میں رقمطراز ہیں:

''ہماری مغربی سوسائٹی میں عورت کو باہر نکال دیا گیا، اور اس کو باہر نکالنے کے نتیجے میں بے شک ہم نے کچھ معاشی فوائد بھی حاصل کئے اور پیداوار میں کچھ اضافہ بھی ہوا، اس لئے کہ عورتیں بھی کام کررہی ہیں، اور مرد بھی کام کررہے ہیں، لیکن پیداوار میں اضافہ کے باوجود اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارا نظام خانہ داری یعنی فیملی سسٹم تباہ ہوگیا اور فیملی سسٹم تباہ ہونے کے نتیجے میں ہمیں جو نقصان اٹھانا پڑا ہے، وہ نقصان ان فوائد کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہے جو پیداوار کے اضافہ کے نتیجے میں ہمیں حاصل ہوا ہے، لہٰذا میں اپنے ملک میں پروسٹائیکا کے نام سے ایک تحریک شروع کررہا ہوں، اس سے میرا بنیادی مقصد یہ ہے کہ وہ عورت جو گھر سے باہر نکل چکی ہے اس کو گھر میں واپس کیسے لایا جائے، اور اس کے طریقے سوچے جائیں، ورنہ جس طرح ہمارا فیملی سسٹم تباہ ہوا ہے اسی طرح ہماری قوم بھی تباہ ہوجائے گی۔ (ترمیم واختصار کے ساتھ، اصلاحی خطبات، از مولانا تقی صاحب عثمانی)۔

انسداد جرائم کے لئے انسداد ذرائع کا زرّین اصول:

سابقہ شریعتوں میں اسباب وذرائع کو مطلقاً حرام نہیں قرار دیا گیا تھا جب تک کہ ان کے ذریعہ کوئی جرم واقع نہ ہوجائے، شریعت محمدیہ ﷺ چونکہ قیامت تک رہنے والی شریعت ہے اس لئے جرائم ومعاصی کو حرام قرار دینے کے ساتھ ساتھ ان کے اسباب وذرائع کو بھی حرام قرار دیدیا گیا جو عادت غالبہ کے طور پر ان جرائم تک پہنچانے والے ہیں، مثلاً شراب نوشی کو حرام قرار دیا گیا تو شراب کے بنانے، بیچنے، خریدنے، اور کسی کو دینے اور اس کی تیاری میں کسی بھی قسم کی براہ راست مدد کو بھی حرام قرار دیدیا گیا، اسی طرح سود کو حرام قرار دینا تھا تو سود سے ملتے جلتے تمام معاملات کو بھی ناجائز قرار دیدیا گیا، شرک اور بت پرستی کو قرآن نے ظلم عظیم اور ناقابل معافی جرم قرار دیا، تو اس کے اسباب وذرائع پر بھی سخت پابندی لگادی، آفتاب کے طلوع، غروب اور وسط میں ہونے کے اوقات میں چونکہ مشرکین آفتاب کی پرستش کرتے تھے، اگر ان اوقات میں نماز پڑھی جاتی تو آفتاب پرستوں کے ساتھ ایک طرح کی مشابہت ہوجاتی، پھر یہ مشابہت شرک میں مبتلا ہونے کا سبب بن سکتی تھی، اس لئے شریعت نے ان اوقات میں نماز اور سجدہ کو بھی حرام وناجائز کردیا، اسی طرح بتوں کے مجسمے اور تصویریں چونکہ بت پرستی کا قریبی ذریعہ تھیں اس لئے بت تراشی اور تصویر سازی کو حرام قرار دے دیا۔

تنبیہ: شریعت اسلام نے جن کاموں کو گناہ کا سبب قریب درجۂ اول قرار دے کر حرام کردیا، اس کے حکم حرمت کے بعد وہ سب کے لئے مطلقاً حرام ہے خواہ ابتلاء گناہ کا سبب بنے یا نہ بنے، اب وہ خود ایک شرعی حکم ہے جس کی مخالفت حرام ہے۔

(معارف)

اِنَّ اللّٰهَ وملٰئِكتَهٗ يُصَلُّوْنَ علَى النَّبِيِّ (الآية) اس آیت میں نبی ﷺ کے اس مرتبہ اور منزلت کا بیان ہے جو ملاء اعلیٰ (آسمانوں) میں آپ ﷺ کو حاصل ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں میں آپ ﷺ کی ثناء وتعریف کرتا ہے، اور آپ پر رحمتیں بھیجتا ہے، اور فرشتے بھی آپ کی بلندیٔ درجات کی دعاء کرتے ہیں، اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے عالم سفلی (اہل زمین) کو حکم دیا کہ وہ بھی آپ پر صلوٰۃ وسلام بھیجیں تاکہ آپ ﷺ کی تعریف میں علوی اور سفلی دونوں عالم متحد ہو جائیں، حدیث شریف میں آتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ سلام کا طریقہ تو ہم جانتے ہیں، ہم درود کس طرح پڑھیں؟ اس پر آپ نے وہ درود ابراہیمی بیان فرمایا جو نماز میں پڑھا جاتا ہے۔ (صحیح بخاری تفسیر سورۂ احزاب)

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اللہ کو ایذاء دینے کا مطلب ان افعال کا ارتکاب کرنا ہے جنہیں وہ ناپسند فرماتا ہے، ورنہ اللہ کو ایذاء پہنچانے پر کون قادر ہے؟ جیسے مشرکین، یہود اور نصاریٰ وغیرہ اللہ کے لئے اولاد ثابت کرتے ہیں، یا جس طرح حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ابن آدم مجھے ایذا دیتا ہے، زمانہ کو گالی دیتا ہے، حالانکہ میں ہی زمانہ ہوں اس کے رات اور دن کی گردش میرے ہی حکم سے ہوتی ہے۔ (صحیح بخاری تفسیر سورۂ جاثیہ)

اللہ کے رسول کو ایذاء پہنچانے کا مطلب آپ کی تکذیب کرنا اور آپ ﷺ کو شاعر، ساحر، مجنون وغیرہ کہنا ہے، اس کے علاوہ بعض احادیث میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ایذا پہنچانا آپ ﷺ کو ایذا پہنچانے اور ان کی تنقیص واہانت کو بھی آپ ﷺ نے ایذاء قرار دیا ہے، اور لعنت کا مطلب اللہ کی رحمت سے دوری اور محرومی ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ المؤمنينَ والمؤمنات (الآية) یعنی ان کو بدنام کرنے کے لئے ان پر بہتان باندھنا ان کی تنقیص وتوہین کرنا، جیسے روافض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر سب وشتم کرتے ہیں اور ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں جن کا ارتکاب انہوں نے نہیں کیا، امام ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں رافضی منکوس القلب ہیں، ممدوح اشخاص کی مذمت کرتے ہیں اور مذموم لوگوں کی مدح کرتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ جَمْعُ جِلْبَابٍ وهِىَ المِلْحَفَةُ التى تَشْتَمِلُ بها المَرْأةُ اى يُرْخِيْنَ بَعْضَها على الْوُجُوْهِ اذا خَرَجْنَ لحَاجَتِهِنَّ اِلَّا عَيْنًا وَاحِدَةً **ذٰلِكَ اَدْنٰٓى** اَقْرَبُ الى **اَنْ يُّعْرَفْنَ** بِاَنَّهُنَّ حَرَائِرُ **فَلَا يُؤْذَيْنَ** بالتَّعَرُّضِ لهن بِخِلَافِ الاِمَاءِ فلا يُغَطِّيْنَ وُجُوْهَهُنَّ وكان المُنَافِقُوْنَ يَتَعَرَّضُوْنَ لَهُنَّ **وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا** لِمَا سَلَفَ منهن مِنْ تَرْكِ السَّتْرِ **رَّحِيْمًا** ﴿۵۹﴾ بهن اذا سَتَرَهُنَّ **لَئِنْ** لام قسم **لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ** عن نِفَاقِهِمْ **وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ** بالزِّنا **وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ** المُؤْمِنِيْنَ بقولهم قد اَتَاكُمُ العَدُوُّ وسَرَايَاكم قُتِلُوْا اَوْ هُزِمُوْا **لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ** لَنُسَلِّطَنَّكَ عليهم **ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ** يُسَاكِنُوْنَكَ **فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا** ﴿۶۰﴾ ثم يُخْرَجُوْنَ **مَّلْعُوْنِيْنَ** مُبْعَدِيْنَ عَنِ الرَّحْمَةِ **اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا** وُجِدُوْا

اُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ﴿۶۱﴾ ای الحُكمُ فيهم هذا على جهةِ الامرِ بهٖ سُنَّةَ اللّٰهِ ای سَنَّ اللهُ ذلك فِی الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ من الاُمَمِ الماضيةِ فِی مُنافقِيهم المُرجفِينَ المُؤمِنِينَ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۶۲﴾ منه يَسْئَلُكَ النَّاسُ ای اَهلُ مكةَ عَنِ السَّاعَةِ متى تكونُ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُدْرِيْكَ يُعلِمُكَ بها ای انتَ لا تعلَمُها لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ توجدُ قَرِيْبًا ﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ اَبعدَهم وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ﴿۶۴﴾ نارًا شديدةً يدخُلونها خٰلِدِيْنَ مُقدَّرًا خلودُهم فِيْهَآ اَبَدًا لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا يحفظُهم عنها وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۶۵﴾ يدفعُها عنهم يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِی النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يَا للتنبيهِ لَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿۶۶﴾ وَقَالُوْا ای الاتباعُ منهم رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وفی قراءةٍ ساداتِنا جمعُ الجمعِ وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿۶۷﴾ طريقَ الهدى رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ ای مِثلَی عذابِنا وَالْعَنْهُمْ عذِّبهم لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿۶۸﴾ عددَهُ وفی قراءةٍ بالموحدةِ ای عظيمًا۔

ترجمہ: اے نبی اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور (دیگر) مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ (سرسے) نیچے کرلیا کریں اپنے اوپر تھوڑی سی چادریں (یعنی گھونگھٹ کرلیا کریں) جَلَابِیْب، جِلْبَابٌ کی جمع ہے، مِلْحَفَةٌ اس چادر کو کہتے ہیں جس کو عورت اوڑھتی ہے، یعنی جب اپنی حاجت کے لئے نکلا کریں تو چادر کے کچھ حصے کو اپنے چہروں پر لٹکا لیا کریں، سوائے ایک آنکھ کے، یہ اس طریقہ سے جلدی پہچان لی جایا کریں گی کہ یہ آزاد عورتیں ہیں، تو ان کو چھیڑ چھاڑ کرکے تکلیف نہ پہنچائی جائے گی، برخلاف باندیوں کے کہ وہ اپنے چہروں کو نہ ڈھانپیں اور منافقین، عورتوں سے چھیڑ چھاڑ کیا کرتے تھے، بے پردگی کے بارے میں ان سے جو کچھ اب تک (کوتاہی) ہو چکی ہے اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمانے والے ہیں جبکہ وہ ستر کو اختیار کرلیں، قسم ہے لئن میں لام قسمیہ ہے، اگر یہ منافقین اپنے نفاق سے اور وہ لوگ جن کے دلوں میں زنا کا مرض ہے اور وہ لوگ جو مدینہ یعنی مومنین میں یہ کہہ کر افواہیں پھیلاتے ہیں کہ تم پر دشمن چڑھ آیا اور تمہارا لشکر قتل کر دیا گیا یا شکست کھا گیا، باز نہ آئے، تو ہم آپ کو ان پر ضرور مسلط کر دیں گے اس کے بعد وہ آپ کے پڑوس مدینہ میں سکونت اختیار نہ کرسکیں گے مگر بہت مختصر مدت پھر وہ نکال دیئے جائیں گے حال یہ ہے کہ وہ تیری طرف سے دھتکارے ہوئے ہوں گے، (یعنی) رحمت سے دور کئے ہوئے ہوں گے، جہاں کہیں ملیں گے پکڑے جائیں گے اور مار دھاڑ کیجائے گی یعنی یہ حکم ان کے بارے میں امر خداوندی کی رو سے ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں میں بھی جو سابق میں گذر چکے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے امم ماضیہ میں بھی مومنین میں افواہیں پھیلانے والے منافقوں کے لئے یہی طریقہ رکھا تھا، اور آپ اللہ کے دستور میں کسی قسم کی تبدیلی نہ پائیں گے لوگ یعنی اہل مکہ آپ سے قیامت کے بارے میں معلوم کرتے ہیں کہ کب آئے گی؟ تو آپ کہہ دیجئے کہ اس کا (صحیح) علم تو اللہ ہی کو ہے اور آپ کو کیا معلوم؟ یعنی آپ اس کے بارے میں نہیں جانتے، عجب نہیں کہ قیامت قریب ہی واقع ہو جائے بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو رحمت سے دور کر رکھا ہے اور ان کے لئے شدید بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے جس میں وہ داخل ہوں گے

اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے یعنی ان کے لئے خلود مقدر ہو چکا ہے نہ کوئی یار پائیں گے کہ ان کی آگ سے حفاظت کر سکے اور نہ مددگار کہ ان سے اس آگ کو دفع کر سکے جس دن ان کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ کئے جائیں گے (تو حسرت سے) کہیں گے کاش ہم اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے یا تنبیہ کے لئے ہے اور ان میں سے تبعین کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے سرداروں کی اور ایک قراءت میں ساداتنا جمع کے ساتھ ہے اور اپنے بڑوں کی اطاعت کی سو انہوں نے ہم کو راہ ہدایت سے ہٹا دیا اے ہمارے پروردگار ان کو دوہرا عذاب دے یعنی ہمارے عذاب کا دوگنا، اور ان پر تعداد میں کثرت سے لعنت فرما اور ایک قراءت میں بائے موحدہ کے ساتھ ہے یعنی (کبیرا ہے) بڑی لعنت۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہٗ: يُدْنِينَ اِدْناء سے مضارع جمع مؤنث غائب، وہ نیچا کر لیا کریں، مادہ دنُوٌّ ہے يُدْنِيْنَ میں یہ بھی احتمال ہے کہ قول کا مقولہ ہو اور خبر بمعنی امر ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ جواب امر ہو، جیسا کہ قُل لعبادی الذین آمنوا یقیموا الصلوٰة.

قِوْلَہٗ: لَا يُؤْذَيْنَ اِيذاءٌ سے مضارع جمع مؤنث غائب منفی مجہول، ان عورتوں کو ایذاء نہ دی جائے۔

قِوْلَہٗ: اَلْمُرْجِفُوْنَ یہ اِرْجَافٌ سے اسم فاعل ہے رَجْفَةٌ سے مشتق ہے اس کے معنی حرکت دینے کے ہیں اخبار کاذبہ اور افواہوں کو بھی رجفةٌ کہنے لگے ہیں، اس لئے کہ افواہوں سے بھی افراتفری اور ہیجان برپا ہو جاتا ہے۔

قِوْلَہٗ: مَلْعُوْنِيْنَ فعل مقدر کے فاعل سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ای يُخْرَجُوْنَ ملعونین، شارح رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے یُخرجون محذوف مان کر اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قِوْلَہٗ: وَمَا يُدْرِيْكَ ما مبتداء اور يُدْرِيْكَ جملہ ہو کر خبر، استفہام انکاری ہے، شارح نے انت لا تعلمها سے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قِوْلَہٗ: يَوْمَ تُقَلَّبُ یہ يَقُوْلُوْنَ کا ظرف مقدم ہے خَالِدِيْنَ اور نَصِيْرًا کا بھی ظرف ہو سکتا ہے۔ (جمل)

قِوْلَہٗ: يقولون يا لَيْتَنَا جملہ مستانفہ سوال مقدر کا جواب ہے جو کہ کلام سابق سے پیدا ہوتا ہے، سابق میں جب جہنمیوں کی حالت زار کا ذکر کیا گیا تو سوال پیدا ہوا کہ وہ کیا کریں گے؟ تو بتایا گیا مافات پر حسرت کے طور پر کہیں گے يَا لَيْتَنَا اور وُجُوْهُهُمْ کی ضمیر یا نفس وجوہ سے حال بھی ہو سکتا ہے۔

تفسیر و تشریح

اس آیت میں نبی ﷺ کی بیویوں بیٹیوں اور عام مومن عورتوں کو گھر سے باہر نکلتے وقت پردے کا حکم دیا گیا ہے، جس سے واضح ہے کہ پردے کا حکم علماء کا ایجاد کردہ نہیں ہے، جیسا کہ آج کل کے بعض جدید تعلیم یافتہ، باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں، یا

اس کو قرار واقعی اہمیت نہیں دیتے، بلکہ یہ اللہ کا حکم ہے کہ جو قرآن کریم کی نص سے ثابت ہے، اس سے اعراض، انکار، اور بے پردگی پر اصرار کفر تک پہنچا سکتا ہے، نیز اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ آپ ﷺ کی صرف ایک صاحبزادی نہیں تھی، جیسا کہ رافضیوں کا عقیدہ ہے بلکہ آپ کی ایک سے زائد بیٹیاں تھیں جیسا کہ قرآنی نص سے واضح ہے اور یہ چار تھیں جیسا کہ تاریخ وسیر اور احادیث کی کتابوں سے ثابت ہے۔

سابقہ آیات میں مسلمانوں کو ان چیزوں پر تنبیہ کی گئی تھی جن سے رسول اللہ ﷺ کو اذیت اور تکلیف پہنچی تھی، مگر کچھ مسلمان ناواقفیت یا بے توجہی کی وجہ سے بلاقصد ایذاء میں مبتلا ہو جاتے تھے، مثلاً آپ کے گھر پر بغیر دعوت کے پہنچ جانا، یا دعوت کے وقت سے بہت پہلے آکر بیٹھ جانا، یا کھانے کے بعد آپ کے گھر میں باہمی گفتگو میں مشغول ہو کر دیر تک بیٹھے رہنا، جن پر آیت یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ (الآیة) نازل ہوئی، یہ ایذاء اور تکلیف تو وہ تھی جو بلاقصد وارادہ آپ کو پہنچ جاتی تھی، اس پر تو صرف تنبیہ کر دینا ہی کافی سمجھا گیا، مذکورۃ الصدر دو آیتوں میں اس تکلیف وایذا کا ذکر ہے جو مخالفین اسلام اور منافقین کی طرف سے قصداً آپ کو پہنچائی جاتی تھی، اس بالقصد وبالارادہ ایذاء پر اللہ تعالیٰ نے لعنت اور عذاب شدید کی وعید سنائی ہے۔

اللہ کو ایذاء پہنچانے سے مراد ایسے اعمال واقوال کا ارتکاب ہے جو شرعاً ممنوع وحرام ہیں، اگرچہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اور ہر تاثر وانفعال سے منزہ ہے، کسی کی مجال نہیں کہ اس کو کوئی تکلیف پہنچا سکے، مگر ایسے افعال واقوال کا ارتکاب کہ جن سے عادۃ ایذاء ہوتی ہے، ان کو ایذاء اللہ سے تعبیر کر دیا گیا ہے یا حوادث ومصائب کے وقت زمانہ کو برا کہنا کہ درحقیقت فاعل حقیقی تو حق تعالیٰ ہی ہیں، یہ لوگ تو زمانہ کو فاعل سمجھ کر گالیاں دیتے تھے مگر درحقیقت وہ فاعل حقیقی تک پہنچتی تھیں۔

اور دیگر بعض ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ دراصل مقصد رسول اللہ ﷺ کی ایذاء سے روکنا اور اس پر وعید کرنا ہے مگر آیت میں ایذاء رسول کو ایذاء حق کے عنوان سے تعبیر کر دیا گیا، کیونکہ آپ کو ایذاء پہنچانا درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کو ایذاء پہنچانا ہے، اور قرآن کے سیاق وسباق سے بھی اسی دوسرے قول کی ترجیح معلوم ہوتی ہے، کیونکہ پہلے بھی ایذاء رسول کا بیان تھا اور آگے بھی اسی کا بیان آرہا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی ایذاء کا اللہ تعالیٰ کے لئے ایذاء ہونا حضرت عبدالرحمٰن بن مغفل مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے ثابت ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم اللّٰهَ اللّٰهَ فِي اَصْحَابِي لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِنْ بعدِيْ فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ اَبْغَضَهُمْ وَمَنْ آذاهم فَقَدْ آذَانِي وَمَنْ آذَانِي فقد آذى اللّٰه وَمَنْ آذى اللّٰهَ يُوْشِكُ اَنْ يَّاْخُذَ. (ترمذی شریف)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو ان کو میرے بعد اپنے اعتراضات وتنقیدات کا نشانہ نہ بناؤ کیونکہ ان سے جس نے محبت کی میری محبت کی وجہ سے کی، اور جس نے بغض رکھا

میرے بغض کی وجہ سے رکھا، اور جس نے ان کو ایذاء پہنچائی اس نے مجھے ایذاء پہنچائی اور جس نے مجھے ایذاء دی اس نے اللہ کو ایذاء دی اور جس نے اللہ کو ایذاء دی تو قریب ہے کہ اللہ اس سے گرفت کرے گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی ایذاء سے اللہ کو ایذاء ہوتی ہے، اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام میں سے کسی کو ایذاء پہنچانا یا ان کی شان میں گستاخی کرنا رسول اللہ ﷺ کی ایذاء ہے۔

شان نزول:

اس آیت کے شان نزول کے متعلق متعدد روایات ہیں، بعض میں ہے کہ یہ آیت حضرت صدیقہ کو تہمت لگانے کے بارے میں نازل ہوئی، اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صفیہ سے آپ ﷺ کے نکاح کے وقت بعض منافقین نے طعن کیا تھا اس کے متعلق نازل ہوئی مگر صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت ہر ایسے معاملہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جس سے رسول اللہ ﷺ کو اذیت پہنچے۔

مَسْئَلَۃٌ: جو شخص رسول اللہ ﷺ کو کسی طرح کی ایذاء پہنچائے، آپ کی ذات باصفات میں کوئی عیب نکالے خواہ صراحتاً ہو یا کنایۃً وہ کافر ہو گیا، اور اس آیت کی رو سے اس پر لعنت دنیا میں بھی ہوگی اور آخرت میں بھی۔

(کذا قال القاضی ثناء اللّٰہ فی التفسیر المظھری)

دوسری آیت میں عام مومنین کو ایذاء پہنچانے کے حرام اور بہتان عظیم ہونے کو بیان کیا ہے جبکہ وہ اس کے شرعاً مستحق نہ ہوں، کسی مسلمان کو بغیر وجہ شرعی تکلیف پہنچانا حرام ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا مَعَ نَبِيِّكُمْ **كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى** بِقَوْلِهِمْ مَثَلًا مَا يَمْنَعُهُ أَنْ يَّغْتَسِلَ مَعَنَا الا انه اٰدَرُ **فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا** بِاَنْ وَضَعَ ثَوْبَهُ عَلَى حَجَرٍ لِيَغْتَسِلَ فَفَرَّ الحَجَرُ به حَتّٰى وَقَفَ بَيْنَ مَلَأٍ مِنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ فَاَدْرَكَهُ مُوْسٰى فَاَخَذَ ثَوْبَهُ وَاسْتَتَرَ به فَرَأَوْهُ لَا اُدْرَةَ به وهي نَفْخَةٌ فِي الخُصْيَةِ **وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا** ذَا جَاهٍ وِمِمَّا اُوْذِيَ به نَبِيُّنَا صلى اللّٰهُ عليه وسلمَ اَنَّهُ قَسَّمَ قِسْمًا فَقَالَ رَجُلٌ هٰذِهِ قِسْمَةٌ مَا اُرِيْدَ بِهَا وَجْهُ اللّٰهِ فَغَضِبَ النَّبِيُّ صلى اللّٰهُ عليه وسلم مِنْ ذٰلِكَ وَقَالَ يَرْحَمُ اللّٰهُ مُوْسٰى لَقَدْ اُوْذِيَ بِاَكْثَرَ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ رَوَاه البُخَارِيُّ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا** صَوَابًا **يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ** يَتَقَبَّلُهَا **وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا** نَالَ غَايَةَ مَطْلُوْبِهِ **اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ** الصَّلَوٰتِ وَغَيْرَهَا مِمَّا فِي فِعْلِهَا مِنَ الثَّوَابِ وَتَرْكِهَا مِنَ العِقَابِ **عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ** بِاَنْ خَلَقَ فِيْهَا فَهْمًا وَنُطْقًا **فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ** خِفْنَ **مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ** اٰدَمُ بَعْدَ عَرْضِهَا عَلَيْهِ **اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا** لِنَفْسِهِ بِمَا

حَملَهٗ جَهُوْلًا﴿۷۲﴾ به لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ اللامُ مُتعلِّقَةٌ بعَرَضنا المُتَرَتَّبِ عليه حَملُ آدمَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ المُضيِّعِينَ الامانَةَ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ المُؤَدِّينَ الامانَةَ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا لِلمُؤمِنِينَ رَّحِيْمًا﴿۷۳﴾ بهم. ع

تَرْجَمَہ: اے ایمان والو! تم اپنے نبی کے ساتھ ان لوگوں جیسے نہ بن جاؤ جنہوں نے موسیٰ کو مثلاً یہ کہہ کر ایذاء دی کہ موسیٰ کو ہمارے ساتھ (برہنہ) غسل کرنے سے سوائے اس کے کچھ مانع نہیں کہ وہ عظیم الخصیتین ہے پس جو بات انہوں نے کہی تھی اللہ نے اس سے اُن کو بری فرمادیا، اس طریقہ سے کہ (ایک روز) غسل کے ارادہ سے (موسیٰ نے) اپنے کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیئے، تو پتھر ان کے کپڑے لیکر فرار ہو گیا، اور بنی اسرائیل کے سرداروں کے درمیان جا کر رکا، تو موسیٰ علیہ السلام نے پتھر کو وہاں جا پکڑا اور اس سے اپنے کپڑے لئے چنانچہ ان لوگوں نے موسیٰ کو دیکھ لیا کہ ان کو عظیم الخصیتین ہونے کا مرض نہیں ہے اور اُدْرَۃ خصیتین میں ہوا بھر جانے کو کہتے ہیں اور موسیٰ اللہ کے نزدیک بڑے باعزت تھے یعنی صاحب مرتبہ تھے، اور ان باتوں میں سے جن کے ذریعہ ہمارے نبی ﷺ کو اذیت پہنچائی گئی یہ ہے کہ آپ ﷺ نے (ایک مرتبہ مال غنیمت) کی تقسیم فرمائی تو ایک شخص نے کہا یہ ایسی تقسیم ہے کہ اس سے اللہ کی خوشنودی مقصد نہیں ہے، تو نبی ﷺ کو اس سے تکلیف پہنچی اور فرمایا اللہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر رحم کرے کہ اس سے بھی زیادہ تکلیف پہنچائے گئے پھر بھی صبر کیا، اس کو بخاری نے روایت کیا ہے اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی صحیح بات کہا کرو اللہ تعالیٰ (اس کے صلہ میں) تمہارے اعمال کی اصلاح فرمائے گا اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو وہ بڑی کامیابی کو پہنچے گا، یعنی غایت مقصود کو حاصل کرے گا، ہم نے یہ امانت یعنی نماز وغیرہ کہ جس کے کرنے میں ثواب اور ترک میں عذاب ہے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی اس طریقہ پر کہ ہم نے اس میں سمجھ اور گویائی پیدا فرمائی تو انہوں نے اس کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور اس سے ڈر گئے اور انسان یعنی آدم نے اس امانت کو اس پر پیش کئے جانے کے بعد قبول کر لیا بلاشبہ انسان بار امانت کو اٹھانے کی وجہ سے اپنے اوپر بہت ظلم کرنے والا اور بار امانت اٹھانے کے انجام سے بے خبر ہے اور یہ (عرض امانت) اس لئے ہوا کہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو جو کہ امانت کو ضائع کرنے والے ہیں سزا دے لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ کا لام عَرَضْنَا سے متعلق ہے، جس پر آدم علیہ الصلاۃ والسلام کا (بار امانت) اٹھانا مرتب ہے اور اللہ تعالیٰ (حق) امانت ادا کرنے والے مومن و مومنات کی توبہ قبول فرمائے گا، اور اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: لا اُدْرَۃَ بِهٖ. اُدْرَۃ ایک مرض ہے جس میں مادہ غلیظ یا ریح غلیظ خصیتین میں اتر آتا ہے جس کی وجہ سے خصیتین کا حجم بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے، ایسے شخص کو آدِرْ کہتے ہیں، بروزن آدم۔

قولہ: مِمَّا قَالُوْا ما مصدر یہ اگر ہے تو تقدیر عبارت ہوگی فَبَرَّأَهُ اللّٰهُ من قولهم اور اگر موصولہ ہو تو تقدیر عبارت ہوگی فَبَرَّأَهُ اللّٰهُ ای مِنَ الَّذِیْ قَالُوْا.

قولہ: بِهٖ ای بالثوبِ.

قولہ: مِمَّا اس میں مِن، مع کے معنی میں ہے ای مَعَ مَا فِی فِعْلِهَا.

قولہ: مِنَ الثواب یہ ما کا بیان ہے۔

قولہ: اَبَیْنَ یہ اِبَاءٌ ماضی جمع مؤنث غائب کا صیغہ ہے۔

سوال: اَبَیْنَ، یَحْمِلْنَ اور أشفقْنَ یہ تینوں جمع مؤنث کے صیغے ہیں اور ان کا مرجع سمٰوات، ارض، اور جبال ہے ان میں سمٰوات اور ارض مؤنث ہیں اور جبال مذکر ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے مؤنث کو غلبہ دیکر مؤنث کی ضمیریں لائی گئیں ہیں جبکہ غلبہ مذکر کو دیا جاتا ہے۔

جواب: چونکہ سمٰوات اور جبال جمع تکسیر غیر عاقل ہیں لہٰذا ان کے لئے مونث کی ضمیر لانا جائز ہے۔

قولہ: وَحَمَلَهَا الإنسان اس کا معطوف علیہ محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے کہ فَعَرَضْنَاهَا فَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ شارح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اپنے قول بَعدَ عرضِهَا علیه سے اسی تقدیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قولہ: ظَلُوْمًا لنفسهٖ ای اِتْعَابُهٗ اِیَّاهَا یعنی اپنے نفس کو مشقت میں ڈالنا، شارح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اپنے قول بما حَمَلَهٗ سے اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ ظلم ممدوح ہے، اور جن حضرات نے اس کے بیان کرنے میں توقف کیا ہے وہ ظلم سے حقیقی ظلم سمجھے ہیں اور یہ حد شرع سے تجاوز ہے۔

قولہ: بِهٖ ای بعاقبتهٖ (انجام)۔

قولہ: لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ المنافقِيْنَ لام عاقبت کا ہے ای حَمَلَهَا الإنسانُ لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ بعضَ أفرادِ الذین لَمْ يُرَاعُوْهَا.

تفسیر و تشریح

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى اس آیت کی تفسیر حدیث میں اس طرح آئی ہے کہ حضرت موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نہایت ہی باحیا اور شرمیلے تھے، چنانچہ انہوں نے کبھی اپنا جسم لوگوں کے سامنے ننگا نہیں کیا، بنی اسرائیل کہنے لگے شاید موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے جسم میں برص کے داغ یا کوئی آفت مثلاً نفخ الخصیتین کا مرض ہے جس کی وجہ سے ہر وقت لباس میں بدن کو ڈھکا چھپا رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کی اس طرح عیوب سے براءت کا اظہار فرمادیں، ایک مرتبہ موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نے خلوت میں غسل کرنے کے لئے کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیئے جب غسل سے فارغ ہو کر اپنے کپڑے لینا چاہے تو یہ پتھر (بحکم خداوندی حرکت میں آگیا) اور کپڑے لے کر بھاگنے لگا، موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اپنا عصا اٹھا کر پتھر کے پیچھے یہ کہتے

ہوئے دوڑے، ثَوْبِیْ یا حجرُ ثَوْبِیْ یا حَجَرُ مگر پتھر چلتا ہی رہا، یہاں تک کہ یہ پتھر ایسی جگہ جا کر ٹھہرا جہاں بنی اسرائیل کا ایک مجمع تھا، بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سرتاپا ننگا دیکھا تو بہترین صحیح سالم بدن دیکھا کہیں کوئی نقص یا عیب نہیں تھا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے سب کے روبرو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ان عیوب سے براءت ظاہر فرمادی، جن کا گمان بنی اسرائیل کرتے تھے، پتھر وہاں پہنچ کر ٹھہر گیا تو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے کپڑے اٹھا کر پہن لئے، پھر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پتھر کو عصا سے مارنا شروع کیا، اس پتھر میں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ضرب سے کئی نشان پڑ گئے۔ (صحیح بخاری کتاب الانبیاء، ملخصًا)

یہ واقعہ بیان فرما کر آپ نے فرمایا، قرآن کی اس آیت کا یہی مطلب ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جس ایذاء کا ذکر ہے اس کی تفسیر اس قصہ میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے، موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مذکورہ اذیت کے قصہ کے علاوہ اور بھی اذیت کے بعض قصے مذکور ہیں، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قارون نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وعظ ونصیحت سے تنگ آکر ایک فاحشہ عورت کو کچھ رشوت دے کر اس بات پر آمادہ کرلیا تھا کہ موسیٰ جب مجمع عام میں وعظ فرمائیں تو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اپنے ساتھ ملوث ہونے کا الزام لگادے، تاکہ ان کی خوب رسوائی اور بدنامی ہوجائے اور آئندہ کبھی وعظ ونصیحت کی جرأت نہ کرسکیں، چنانچہ فاحشہ عورت نے منصوبے کے مطابق مجمع عام میں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر یہ الزام لگادیا جس سے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بہت تکلیف پہنچی، آیت میں یہی اذیت مراد ہے۔

ایک تیسری روایت میں اذیت سے وہ اذیت مراد ہے جو بنی اسرائیل نے یہ کہہ کر لگائی کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قتل کردیا، اس کی صورت یہ ہوئی، ایک روز حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام ایک پہاڑ پر تشریف لے گئے، وہاں بتقدیر الٰہی حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کو موت آگئی، تو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ پر یہ الزام لگادیا کہ ہارون کو تم نے قتل کردیا اس لئے کہ وہ ہم سے آپ سے زیادہ محبت کرنے والے اور مہربان تھے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس سے بہت اذیت پہنچی۔ (روح المعانی ملخصًا)

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حوالے سے اہل ایمان کو سمجھایا جارہا ہے کہ تم ہمارے پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی اسرائیل کی طرح ایذاء مت پہنچاؤ، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت ایسی بات مت کرو جسے سن کر آپ قلق اور اضطراب محسوس کریں، جیسا کہ مال غنیمت کی تقسیم کے موقع پر ایک شخص نے کہا کہ اس میں عدل وانصاف سے کام نہیں لیا گیا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ الفاظ پہنچے تو غضبناک ہوئے حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور سرخ ہوگیا اور آپ نے فرمایا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اللہ کی رحمت ہو، انہیں اس سے کہیں زیادہ ایذاء پہنچائی گئی لیکن انہوں نے صبر کیا۔ (بخاری شریف کتاب الانبیاء)

سَدِیْدٌ، تسدید السھم سے ماخوذ ہے یعنی جس طرح تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے تاکہ ٹھیک نشانہ پر لگے، اسی طرح تمہاری زبان سے نکلی ہوئی بات اور تمہارا کردار راستی پر مبنی ہو، حق وصداقت سے بال برابر انحراف نہ ہو، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارے اعمال کی اصلاح ہوگی اور مزید مرضیات کی توفیق سے نوازے جاؤ گے، اور اگر کچھ کمی کوتاہی رہ جائے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمادیں گے۔

جب اللہ تعالیٰ اہل طاعت کا اجروثواب اور اہل معصیت کا عذاب وعقاب بیان فرما چکے تو اب احکام شرعیہ اور ان کی صعوبت کا تذکرہ فرمارہے ہیں، امانت سے وہ احکام شرعیہ اور فرائض وواجبات مراد ہیں، جن کی ادائیگی پر ثواب اور ان سے اعراض وانکار پر عذاب ہوگا، جب یہ تکالیف شرعیہ آسمان وزمین اور پہاڑوں پر پیش کی گئیں، تو وہ ان کے اٹھانے سے ڈر گئے لیکن انسان پر یہ چیزیں پیش کی گئیں تو اطاعت الٰہی (امانت) کے اجروثواب اور اس کی فضیلت کو دیکھ کر اس بارگراں کے اٹھانے پر آمادہ ہوگیا، احکام شرعیہ کو امانت سے تعبیر کرکے اشارہ کردیا کہ ان کی ادائیگی انسانوں پر اسی طرح واجب ہے جس طرح امانت کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے۔

یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ آسمان وزمین، پہاڑ وغیرہ جو غیر ذی روح اور بظاہر بے علم وبے شعور ہیں ان کے سامنے پیش کرنے اور ان کے جواب دینے کی کیا صورت ہوسکتی ہے، بعض حضرات نے تو اس کو مجاز اور تمثیل قرار دیا ہے، جیسے قرآن کریم نے ایک موقع پر بطور تمثیل فرمایا لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ یعنی ہم اگر یہ قرآن پہاڑوں پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ وہ بھی اس کے بوجھ سے جھک جاتا اور اللہ کے خوف سے ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتا، اس میں بطور فرض کے یہ مثال دی گئی ہے، یہ نہیں کہ حقیقۃً پہاڑ پر اتارا ہو، ان حضرات نے آیت اِنَّا عَرَضْنَا کو بھی اسی طرح تمثیل ومجاز قرار دیدیا۔

مگر جمہور علماء کے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ جس آیت سے تمثیل پر استدلال کیا گیا ہے وہاں تو قرآن کریم نے حرف لَوْ سے بیان کرکے اس کا قضیہ فرضیہ ہونا خود واضح کردیا ہے، اور آیت اِنَّا عَرَضْنَا میں ایک واقعہ کا اثبات ہے، جس کو مجاز وتمثیل پر حمل کرنا بغیر کسی دلیل کے جائز نہیں، اور اگر دلیل میں یہ کہا جائے کہ یہ چیزیں بے حس اور بے شعور ہیں، ان سے سوال وجواب نہیں ہوسکتا تو یہ قرآن کی دوسری تصریحات سے مردود ہے، کیونکہ قرآن کریم کا واضح ارشاد ہے وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ یعنی کوئی شئ ایسی نہیں کہ جو خدا کی حمد وتسبیح نہ کرتی ہو، اس آیت سے ثابت ہوا کہ ادراک وشعور تمام مخلوقات میں ہے یہاں تک کہ جمادات میں بھی موجود ہے، اور اس ادراک وشعور کی وجہ سے ان کو مخاطب بھی بنایا جاسکتا ہے، اور وہ جواب بھی دے سکتے ہیں۔

عرض امانت اختیاری تھا جبری نہیں:

رہا یہ سوال کہ جب حق تعالیٰ نے آسمان زمین وغیرہ پر اس امانت کو خود پیش فرمایا تو ان کو انکار کی مجال کیسے ہوئی؟

جَوَابُ: جواب یہ ہے کہ عرض امانت کے بعد ان کو اختیار دیدیا گیا تھا کہ قبول کریں یا نہ کریں، ابن کثیر نے متعدد سندوں کے ساتھ عرض امانت کی یہ تفصیل نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اول آسمان پر پھر زمین پر پھر پہاڑوں پر امانت کو اختیاری صورت میں پیش کیا کہ ہماری امانت (یعنی طاعت احکام) کا بوجھ اٹھالو اس معاوضہ کے ساتھ جو اس کے لئے مقرر ہے، ہر ایک نے سوال کیا کہ معاوضہ کیا ہے؟ تو بتلایا گیا حق امانت (یعنی اطاعت احکام) تم نے پوری طرح ادا کیا

تو تمہیں جزاء وثواب اور اللہ کے نزدیک اعزاز خاص ملے گا، اور اگر تم نے تعمیل احکام نہ کی یا اس میں کوتاہی کی تو عذاب وسزا ملے گی، ان سب بڑے بڑے اجسام نے سن کر جواب دیا کہ اے ہمارے پروردگار ہم اب بھی آپ کے تابع فرمان چل رہے ہیں، لیکن جب ہمیں اختیار دیدیا گیا تو ہم اس بار کو اٹھانے سے اپنے کو عاجز پاتے ہیں، ہم نہ ثواب چاہتے ہیں اور نہ عذاب کے متحمل ہیں۔

اور تفسیر قرطبی میں حکیم ترمذی کے حوالہ سے حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْهُمَا کی یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آسمان وزمین وغیرہ پر عرض امانت اور ان کے جواب کے بعد حق تعالیٰ نے حضرت آدم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کو خطاب فرمایا اور فرمایا کہ ہم نے اپنی امانت آسمان اور زمین کے سامنے پیش کی تو وہ اس کا بار اٹھانے سے عاجز ہو گئے، تو کیا تم اس بار امانت کو مع اس چیز کے جو اس کے ساتھ ہے اٹھاؤ گے، آدم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نے عرض کیا، اے پروردگار وہ چیز جو اس کے ساتھ ہے کیا ہے؟ جواب ملا اگر حمل امانت میں پورے اترے (یعنی اطاعت مکمل کی) تو آپ کو جزا ملے گی جو اللہ کے قرب اور رضا اور جنت کی دائمی نعمتوں کی صورت میں ہو گی، اور اگر اس امانت کو ضائع کیا تو سزا ملے گی، آدم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نے اللہ تعالیٰ کے قرب ورضا میں ترقی ہونے کی شوق میں اس کو اٹھالیا، یہاں تک کہ بار امانت اٹھانے پر اتنا وقت بھی نہ گذرا تھا، جتنا ظہر سے عصر تک ہوتا ہے کہ اس میں شیطان نے ان کو مشہور لغزش میں مبتلا کر دیا، اور جنت سے نکالے گئے۔

عرض امانت کا واقعہ کب پیش آیا؟

ظاہر یہ ہے کہ یہ عرض امانت کا واقعہ میثاق ازل یعنی عہد الست سے پہلے کا ہے، کیونکہ عہد الستُ بربکم اسی بار امانت کی پہلی کڑی اور اپنے منصب کا حلف اٹھانے کے قائم مقام ہے۔

اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ظلوم سے مراد اپنے نفس پر ظلم کرنے والا (یعنی خود کو مشقت میں ڈالنے والا) اور جہول سے مراد ہے انجام سے ناواقف اور بے خبر، اس جملہ سے بظاہر یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ مطلقاً انسان کی مذمت میں آیا ہے، کہ اس نادان نے اپنی جان پر ظلم کیا کہ اتنا بڑا بار اٹھالیا جو اس کی طاقت سے باہر تھا، مگر قرآنی تصریحات کے مطابق واقعہ ایسا نہیں ہے، کیونکہ انسان سے مراد حضرت آدم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ ہوں گے یا پوری نوع انسانی؟ ان میں آدم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ تو نبی معصوم ہیں، انہوں نے جو بار اٹھایا تھا اس کا حق بھی یقینی طور پر ادا کر دیا، اسی کے نتیجے میں ان کو خلیفۃ اللہ بنا کر زمین پر بھیجا گیا، ان کو فرشتوں کا مسجود بنایا گیا، اور آخرت میں ان کا مقام فرشتوں سے بھی بلند وبالا، ارفع واعلیٰ ہے۔ اور اگر نوع انسانی ہی مراد ہو تو اس پوری نوع میں لاکھوں تو انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَامُ ہیں اور کروڑوں وہ صالحین اور اولیاء اللہ ہیں جن پر فرشتے بھی رشک کرتے ہیں، جنہوں نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ وہ اس امانت الٰہیہ کے اہل اور مستحق تھے، انہیں حق امانت کو ادا کرنے والوں کی بناء پر قرآن حکیم نے نوع انسانی کو اشرف المخلوقات ٹھہرایا وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ اس سے ثابت ہوا کہ نہ آدم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ قابل مذمت ہیں نہ پوری نوع انسانی،

اسی لئے حضرات مفسرین نے فرمایا کہ یہ جملہ مذمت کے لئے نہیں بلکہ اکثر افراد نوع انسانی کے اعتبار سے بیان واقعہ کے طور پر ارشاد ہوا ہے، مطلب یہ ہے کہ نوع انسانی کی اکثریت ظلوم وجہول ثابت ہوئی جس نے اس امانت کا حق ادا نہ کیا، اور خسارہ میں پڑے چونکہ اکثریت کا یہ حال تھا اس لئے اس کو نوع انسانی کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ (قرطبی)

خلاصہ یہ کہ آیت میں ظلوم وجہول خاص ان افراد انسانی کو کہا گیا ہے جو احکام شرعیہ کی اطاعت میں پورے نہ اترے، اور امانت کا حق ادا نہ کیا یعنی امت کے کفار ومشرکین وفساق ومنافقین، یہ تفسیر حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا اور ابن جبیر وغیرہ سے منقول ہے۔ (قرطبی)

اور بعض حضرات نے کہا کہ ظلوم وجہول بھولے بھالے کے معنی میں بطور محبانہ خطاب کے ہے، کہ اس نے اللہ جل شانہ کی محبت اور اس کے مقام قرب کی جستجو میں انجام کو نہیں سوچا اس طرح یہ لفظ پوری نوع انسانی کے لئے بھی ہو سکتا ہے، تفسیر مظہری میں حضرت مجدد الف ثانی اور دوسرے صوفیاء کرام سے اسی طرح کا مضمون منقول ہے۔ (معارف)

سُوْرَةُ سَبَإٍ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ السَّبَأ مَكِّيَّةٌ اِلَّا وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ، الْاٰيَة وَهِيَ اَرْبَعٌ اَوْ خَمْسٌ وَخَمْسُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ سبا مکی ہے سوائے وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ، الْاٰيَة کے، اور اس کی چوّن (۵۴) یا پچپن (۵۵) آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمِدَ اللّٰهُ تَعَالٰى نَفْسَهٗ بِذٰلك وَالْمُرَادُ به الثَّنَاءُ بِمَضْمُوْنِهٖ مِنْ ثُبُوْتِ الْحَمْدِ وَهُوَ الْوَصْفُ بِالْجَمِيْلِ لِلّٰهِ تَعَالٰى **الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ** مِلْكًا وَخَلْقًا وَعَبِيْدًا **وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ** كَالدُّنْيَا يَحْمَدُهٗ اَوْلِيَاؤُهٗ اِذَا دَخَلُوا الْجَنَّةَ **وَهُوَ الْحَكِيْمُ** فِي فِعْلِهٖ **الْخَبِيْرُ**① بِخَلْقِهٖ **يَعْلَمُ مَا يَلِجُ** يَدْخُلُ **فِي الْاَرْضِ** كَمَاءٍ وَغَيْرِهٖ **وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا** كَنَبَاتٍ وَغَيْرِهٖ **وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ** مِن رِزْقٍ وغيرِهٖ **وَمَا يَعْرُجُ** يَصْعَدُ **فِيْهَا** مِن عَمَلٍ وَغَيْرِهٖ **وَهُوَ الرَّحِيْمُ** بِاَوْلِيَائِهٖ **الْغَفُوْرُ**② لهم **وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ** القِيَامَةُ **قُلْ** لهم **بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ عٰلِمِ الْغَيْبِ** بِالجَرِّ صِفَةٌ وَالرَّفْعِ خَبَرُ مُبْتَدَاٍ وفي قِرَاءَةٍ عَلَّامِ بِالجَرِّ **لَا يَعْزُبُ** يَغِيْبُ **عَنْهُ مِثْقَالُ** وَزْنُ **ذَرَّةٍ** اَصْغَرُ نَمْلَةٍ **فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَا اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ**③ بَيِّنٍ هُوَ اللَّوْحُ المَحْفُوْظُ **لِّيَجْزِيَ** فيها **الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ**④ حَسَنٌ في الجَنَّةِ **وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ** اِبْطَالِ **اٰيٰتِنَا** القُرْاٰنِ **مُعٰجِزِيْنَ** وفي قِرَاءَةٍ هُنَا وفيما يَاْتِيْ مُعَاجِزِيْنَ اي مُقَدِّرِيْنَ عِجْزَنَا او مُسَابِقِيْنَ لنا فَيَفُوْتُوْنَنَا لِظَنِّهِمْ اَنْ لَّا بَعْثَ وَلَا عِقَابَ **اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ** سَيِّءِ العَذَابِ **اَلِيْمٌ**⑤ مُؤْلِمٌ بِالجَرِّ وَالرَّفْعِ صِفَةٌ لِرِجْزٍ او عَذَابٍ **وَيَرَى** يَعْلَمُ **الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ** مُؤْمِنُوْا اَهْلِ الكِتٰبِ كَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ وَاَصْحَابِهٖ **الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ** اي القُرْاٰنُ **هُوَ** فَصْلٌ **الْحَقَّ وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ** طَرِيْقِ **الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ**⑥ اَيِ اللّٰهِ ذي العِزَّةِ المَحْمُوْدَةِ **وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا**

ای قَالَ بَعْضُهُمْ عَلٰی جِهَةِ التَّعَجُّبِ لِبَعْضٍ **هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰی رَجُلٍ** ہو مُحَمَّدٌ **يُنَبِّئُكُمْ** يُخبِرُكُمْ اَنَّكُمْ **اِذَا مُزِّقْتُمْ** قُطِّعْتُمْ **كُلَّ مُمَزَّقٍ** بمعنى تَمْزِيْقٍ **اِنَّكُمْ لَفِىْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝ اَفْتَرٰى** بِفَتْحِ الهَمْزَةِ لِلْاِسْتِفْهَامِ واسْتُغْنِيَ بِهَا عن هَمْزَةِ الوَصْلِ **عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا** فى ذلك **اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ** جُنُوْنٌ تُخَيَّلُ بِهٖ ذلك قَالَ تعالٰى **بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ** المُشْتَمِلَةِ عَلَى البَعْثِ والحِسَابِ **فِى الْعَذَابِ** فيها **وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ۝** مِنَ الحَقِّ فى الدُّنيا **اَفَلَمْ يَرَوْا** يَنظُروا **اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ** ما فَوْقَهُمْ وما تَحْتَهُمْ **مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا** بِسُكُوْنِ السِّيْنِ وفَتْحِهَا قِطْعَةً **مِّنَ السَّمَآءِ** وفى قراءَةٍ فى الاَفْعَالِ الثلثةِ بالياءِ **اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ** المَرْئِيِّ **لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝** رَاجِعٍ الى رَبِّهٖ تَدُلُّ عَلٰى قُدْرَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَى البَعْثِ وَمَا يشاءُ.

ع ۹

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے، تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے سزاوار ہیں جس کی ملکیت میں وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے (اس کلام) کے ذریعہ اپنی تعریف فرمائی ہے، اور مراد اس کلام سے، اس کلام کے مضمون کے ذریعہ، کہ وہ ثبوت حمد ہے تعریف کرنا ہے، اور حمد اللہ تعالیٰ کے لئے صفات کمالیہ کا بیان کرنا ہے، ملک کے اعتبار سے اور تخلیق کے اعتبار سے اور غلام ہونے کے اعتبار سے اور دنیا کے مانند آخرت میں بھی اسی کی حمد ہے، اس کے اولیاء جب جنت میں داخل ہوں گے تو اس کی حمد بیان کریں گے وہ اپنے فعل میں بڑی حکمتوں والا ہے اور اپنی مخلوق سے باخبر ہے اور وہ ہر اس شئ سے واقف ہے جو زمین میں داخل ہوتی ہے جیسا کہ پانی وغیرہ اور اس شئ سے (بھی) جو زمین سے نکلتی ہے مثلاً گھاس وغیرہ اور اس سے (بھی) جو آسمان سے نازل ہوتی ہے جیسا کہ رزق وغیرہ اور اس سے بھی جو آسمان کی طرف چڑھتی ہے (مثلاً) اعمال وغیرہ وہ اپنے اولیاء پر رحم کرنے والا ہے (اور) ان کو معاف کرنے والا ہے اور کافر کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہیں آئے گی آپ ان سے کہہ دیجئے قسم ہے میرے رب کی جو عالم الغیب ہے کہ وہ تم پر یقیناً آئے گی (عالمِ) کے جر کی صورت میں (رَبِّی) کی صفت ہے اور رفع کی صورت میں مبتداء کی خبر ہے اور ایک قراءت میں **علّام** جر کے ساتھ ہے اس سے ایک ذرہ برابر کوئی چیز پوشیدہ نہیں نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں، ذرہ، صغیر ترین چیونٹی کو کہتے ہیں بلکہ اس سے بھی چھوٹی اور بڑی چیز کھلی کتاب میں موجود ہے اور وہ لوح محفوظ ہے تاکہ روز قیامت وہ ایمان والوں کو اور نیکوکاروں کو اچھا صلہ عطا کرے، یہی لوگ ہیں جن کے لئے مغفرت اور جنت میں عزت کی روزی ہے اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں قرآن کو باطل کرکے (رسول) کو نیچا دکھانے کی کوشش کی اور ایک قراءت میں یہاں اور بعد میں مُعَاجِزِیْنَ ہے یعنی ہم کو عاجز فرض کرتے ہوئے یا ہم کو مغلوب گمان کرتے ہوئے، کہ ہم سے بچ کر نکل جائیں گے، ان کے یہ گمان کرنے کی وجہ سے کہ نہ بعث ہے اور نہ عقاب، ایسے لوگوں کے لئے بدترین عذاب ہے اَلِیْمٌ بمعنی مؤلم جر اور رفع کے ساتھ رجزٍ کی یا عذابٌ کی

صفت ہے اور جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے (یعنی) اہل کتاب میں سے (آپ ﷺ پر) ایمان لانے والے جیسا کہ عبداللہ بن سلام اور ان کے اصحاب اس قرآن کو جو آپ پر آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے سمجھتے ہیں کہ وہ حق ہے (ھو) یَرَیٰ کے دو مفعولوں کے درمیان فصل ہے اور وہ عزت والے مستحق ستائش خدا کے راستہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے، اور یہ کافر کہتے ہیں یعنی آپس میں تعجب کے طور پر کہتے ہیں کیا ہم تم کو ایک ایسا شخص بتائیں؟ وہ محمد ہے جو تم کو اس بات کی خبر دیتا ہے کہ جب تم پوری طرح ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے (ممزق) بمعنی تمزیق ہے تب تم کو از سر نو پیدا کیا جائیگا نہ معلوم اس شخص نے اللہ پر بہتان لگایا ہے؟ (اَفْتَرَیٰ) ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ، استفہام کے لئے ہے اس ہمزۂ استفہام کی وجہ سے ہمزۂ وصل سے مستغنی ہو گیا یا اس کو جنون ہے؟ جس کی وجہ سے یہ ایسی خیالی باتیں کرتا ہے، اللہ نے فرمایا بلکہ (حقیقت یہ ہے) جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے جو کہ بعث و حساب پر مشتمل ہے وہ آخرت میں عذاب میں اور دنیا میں حق سے دوری کی گمراہی میں ہیں کیا یہ لوگ اپنے آگے پیچھے اپنے اوپر اور نیچے آسمان اور زمین کو نہیں دیکھتے؟ اگر ہم چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیں یا ان پر آسمان کے ٹکڑے گرا دیں (کِسَفًا) میں سین کے سکون اور فتحہ کے ساتھ اور ایک قراءت میں تینوں افعال میں ی کے ساتھ ہے یقیناً اس نظر آنے والی چیز میں رجوع کرنے والے بندے کے لئے دلیل ہے یعنی اپنے رب کی جانب رجوع کرنے والے بندے کے لئے (ایسی) دلیل کہ جو اللہ تعالیٰ کے بعث اور ہر مشیت پر قادر ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا. يَعْرُجُ کا صلہ اِلٰی آتا ہے نہ کہ فِی مگر چونکہ يَعْرُجُ اِسْتِقْرَار کے معنی کو متضمن ہے، اس لئے اس کا تعدیہ فِی کے ذریعہ درست ہے۔

قولہ: قُلْ لَهُمْ بَلٰی، بَلٰی نفی کو رد کرنے اور منفی کو ثابت کرنے کے لئے آتا ہے، مشرکین نے کہا تھا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ان کے اس قول کو رد کرتے ہوئے فرمایا بَلٰی کیوں نہیں؟ ضرور آنے والی ہے ای لیس الامر الا اتیانها.

قولہ: وَرَبِّیْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ میں واؤ قسمیہ جارہ ہے، یہ اثبات نفی کی تاکید کے لئے ہے لام جواب قسم کے لئے ہے، تَاْتِيَنَّكُمْ فعل مضارع مبنی بر فتحہ بانون تاکید ثقیلہ ہے، یہ تیسری تاکید ہے، اور کُمْ مفعول بہ ہے۔

قولہ: عَالِمِ الْغَيْبِ جر کی صورت میں رب کی صفت یا بدل ہے عَالِمُ مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع بھی ہو سکتا ہے، ای هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ، عَالِمُ الْغَيْبِ مبتداء لَا يَعْزُبُ اس کی خبر يَعْزُبُ جمہور کی قراءت میں زا کے ضمہ کے ساتھ ہے، اور کسائی کے نزدیک زا کے کسرہ کے ساتھ ہے (ن، ض) عُزُوْبًا مخفی ہونا، دور ہونا۔

قولہ: لَا اَصْغَرُ مبتداء مِنْ ذٰلِكَ اس کی خبر، یہ جملہ لَا يَعْزُبُ کی تاکید کے لئے ہے۔

قولہ: لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا. لَتَاْتِيَنَّكُمْ کی علت ہے یعنی قیامت ضرور آئے گی تاکہ اللہ تم کو بدلہ دے۔

قَوْلُہٗ: اُولٰئِكَ مبتداء لَھُمْ خبر مقدم ومَغْفِرَةٌ مبتداء مؤخر جملہ اسمیہ ہوکر اُولٰئِكَ مبتداء کی خبر، اور رزقٌ کریمٌ کا موصوف صفت سے مل کر مَغْفِرَةٌ پر عطف ہے۔

قَوْلُہٗ: وَالَّذِیْنَ سَعَوْ موصول صلہ سے مل کر مبتداء اُولٰئِكَ اور اس کا مابعد خبر دوسری ترکیب یہ بھی ہوسکتی ہے کہ وَالَّذِیْنَ سَعَوْ کا عطف ماقبل الَّذِیْنَ آمَنُوْا پر ہو ای وَیَجْزِی الَّذِیْنَ سَعَوْ اس صورت میں بعد والا اولٰئِكَ جملہ مستانفہ ہوگا، اور ماقبل والا اولئك اور اس کا ماتحت معطوفین کے درمیان جملہ معترضہ ہوگا۔

قَوْلُہٗ: فیما یاتی ای فی آخر السورةِ.

قَوْلُہٗ: مقدّرین عجزنا اَوْ مُسَابِقِیْنَ لَنَا اس میں لف ونشر مرتب ہے، مقدرین پہلی قراءت کی تشریح ہے اور مُسَابِقِیْنَ لَنَا دوسری قراءت کی تشریح ہے اور مُقَدِّرِیْنَ کا مطلب ہے مُعْتَقِدِیْنَ.

قَوْلُہٗ: مُعَاجِزِیْنَ سے مراد مُسَابقینَ ہے مسَابقة پر معَاجزة کا اطلاق اس لئے کردیا ہے کہ مسابقت کرنے والے آپس میں ایک دوسرے کو عاجز کرنے کی کوشش کرتے ہیں، مگر یہاں باب مفاعلہ اپنے معنی میں نہیں ہے، اس لئے کہ اللہ کو عاجز کرنا متصور نہیں ہے، لہٰذا یہ عاجز کرنا ان کے اپنے گمان فاسد کے اعتبار سے ہے نہ کہ حقیقت میں۔

قَوْلُہٗ: وَیَرَی الَّذِیْنَ یہ یا تو یَجْزِیَ پر عطف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یا جملہ مستانفہ ہونے کی وجہ سے مرفوع، یَرٰی یَعْلَمَ کے معنی میں ہے اور الَّذِیْنَ اُوْتُوا العِلْمَ یَرٰی کا فاعل ہے اور الَّذِیْ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مفعول اول ہے الحق مفعول ثانی اور ھُوَ دو مفعولوں کے درمیان فصل ہے اور یَھْدِیْ کا عطف الحَقَّ پر ہے ای یَرَوْنَهٗ حَقًّا وھَادِیًا.

سَوَال: اس صورت میں فعل کا اسم پر عطف لازم آتا ہے جو درست نہیں ہے۔

جَوَاب: فعل جب اسم کی تاویل میں ہو تو عطف درست ہوتا ہے یہاں یَھْدِیْ، ھَادِیًا کے معنی میں ہے تقدیر عبارت یہ ہے وَیَرَی الَّذِیْنَ اُوْتُوا العِلْمَ الَّذِی اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ الحَقَّ وھَادِیًا، یَرٰی کا یَجْزِیَ پر عطف ہونے کی صورت میں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یَرَی الَّذِیْنَ اُوْتُوا العِلْمَ سے مراد ان کے لئے دنیا میں علم ثابت کرنا ہے اور یَجْزِیَ پر عطف کا تقاضہ یہ ہے کہ علم آخرت میں ثابت ہو جو کہ مراد نہیں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ استیناف والی ترکیب صحیح ہے۔

قَوْلُہٗ: بمعنی تَمْزِیْقٍ اس سے اشارہ کردیا کہ اسم فاعل مصدر کے معنی میں ہے۔

قَوْلُہٗ: فی الافعال الثلٰث بالیاء ای نشأ، نخسِفُ، نُسْقِطُ.

البلاغة

قَوْلُہٗ: اَلْحمدللّٰہِ جملہ سے تعبیر استمرار اور ثبوت کا فائدہ دیتا ہے الحمد لغةً الوصف بالجمیل الإختیاری علی قصد التعظیم والوصف لایکونُ الّا باللسان فیکونُ مورده خاصًا، وھذا

الوصف يجوزُ ان يكونَ بِازاءِ نعمةٍ وغيرِهَا فيكونُ متعلقهُ عامًا، والشكر اللغوى علَى العكس لكونهِ فِعْلاً يُنْبِئ عن تعظيم المنعم مِن حيثُ أنَّهُ علَى الشكر فيكون مورده اللسان والجنان والاركان ومتعلقه النعمة الواصلة الى الشاكر فكل مِنْهُمَا اعمُّ واخصُّ من الآخر بوجه ففى الفضائل حمدٌ فقط وفى افعال القلب والجوارح شكر فقط وفعل اللسان بازاء الانعام حمدٌ وشكرٌ.

تفسیر وتشریح

ابن عباس اور قتادہ رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُما سے مروی ہے کہ پوری سورۂ سبا مکی ہے، اور ابن عطیہ نے کہا ہے ویری الذین اوتوا العلم کے علاوہ مکی ہے، اس سورت میں چوّن آیتیں ہیں، بعض حضرات نے پچپن کہا ہے مگر صاحب روح المعانی نے اس کو کاتب کا سہو قرار دیا ہے۔

الحمد لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ (الآیة) سب خوبیاں اور تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جو اکیلا بلاشرکت غیرے تمام آسمانی اور زمینی چیزوں کا مالک وخالق ہے اور نہایت حکمت اور خبرداری سے ان کی تدبیر کرتا ہے، اسی کا ارادہ اور فیصلہ ان میں نافذ ہوتا ہے، انسان کو جو نعمت بھی ملتی ہے وہ اسی کی پیدا کردہ ہے، اور اسی کا احسان ہے، آخرت میں بھی صرف اسی کی تعریف ہوگی بلکہ دنیا میں تو بظاہر کسی اور کی تعریف بھی ہو جاتی ہے، اس لئے کہ مخلوق کا فعل خالق کے فعل کا پردہ اور انسانی کمال، خالق کے کمال حقیقی کا پرتو ہے، لیکن آخرت میں سب پردے اور وسائط اٹھ جائیں گے وہاں جو کچھ ہوگا سب دیکھیں گے کہ اسی کی طرف سے ہو رہا ہے اس لئے صورۃً وحقیقۃً تنہا اسی محمود مطلق کی تعریف ہوگی، زمین وآسمان کی کوئی چھوٹی بڑی چیز اس کے علم سے خارج نہیں، جو چیزیں زمین کے اندر چلی جاتی ہیں مثلاً بارش، خزینہ، دفینہ، مردے نیز کیڑے مکوڑے اور نباتات کا بیج وغیرہ اور جو چیزیں اندر سے نکلتی ہیں مثلاً کھیتی سبزہ، معدنیات وغیرہ اور جو آسمان کی طرف سے اترتی ہیں مثلاً بارش، وحی، تقدیر، فرشتے وغیرہ ان سب جزئیات پر اللہ کا علم محیط ہے۔

قُلْ بَلٰی وَرَبِّیْ (الآیة) وہ معصوم ومقدس انسان جس کے صدق وامانت کا اقرار سب کو پہلے سے تھا اور اب براہین ساطعہ سے اس کی صداقت پوری طرح روشن ہو چکی ہے، تاکیدی قسم کھا کر خبر دیتا ہے کہ قیامت ضرور آئے گی، جب زمین وآسمان کا کوئی ذرہ اس سے مخفی اور پوشیدہ نہیں تو پھر تمہارے اجزائے منتشرہ کو جو مٹی سے مل گئے ہوں گے جمع کر کے دوبارہ تمہیں زندہ کرنا کیوں ناممکن ہوگا؟

لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ آمَنُوْا یہ وقوع قیامت کی علت ہے یعنی قیامت اس لئے آئے گی اور تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ اس لئے زندہ فرمائے گا کہ وہ نیکوں کو ان کی نیکیوں کا صلہ عطا فرمائے، کیونکہ صلہ ہی کے لئے اس نے یہ دن رکھا ہے، اگر یہ یوم جزاء نہ ہو تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نیک وبد دونوں یکساں ہیں اور یہ بات عدل وانصاف کے قطعاً منافی ہے اور بندوں

بالخصوص نیکوں پر ظلم ہوگا، وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ.

وَالَّذِيْنَ سَعَوْ (الآیة) یعنی ہماری ان آیتوں کے بطلان اور تکذیب کی جو ہم نے اپنے پیغمبروں پر نازل کیں کوشش کی اور ان کی یہ کوشش اس لئے تھی کہ وہ ہمیں عاجز کر کے ہماری گرفت سے بچ کر نکل جائیں گے، اس طرح وہ روز قیامت کی حاضری سے چھوٹ جائیں گے، ایسے لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے

ويرى الَّذِيْنَ اوتوا العلم یہاں رویت سے رویت قلبی مراد ہے اور اہل علم سے مراد صحابہ کرام یا مومنین اہل کتاب یا تمام مومنین ہیں یعنی اہل ایمان اس بات کو جانتے اور یقین رکھتے ہیں، اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ قرآن کریم اس راستہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو اس اللہ کا راستہ ہے جو کائنات میں سب پر غالب اور اپنی مخلوق میں محمود ہے اور وہ راستہ توحید کا راستہ ہے جس کی طرف تمام انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قوموں کو دعوت دیتے رہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كفرُوا (الآیة) یہ منکرین قیامت کافروں کا قول نقل کیا گیا ہے، جو بطور تحقیر واستہزاء کے یوں کہا کرتے تھے، آؤ ہم تمہیں ایک ایسا عجیب شخص بتائیں جو یوں کہتا ہے کہ جب تم پوری طرح ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے اس کے بعد پھر تمہیں از سر نو پیدا کیا جائے گا اور تم کو سابقہ شکل وصورت میں تیار کر کے زندہ کر دیا جائے گا، ظاہر ہے کہ اس شخص سے مراد نبی کریم ﷺ ہی ہیں اس لئے کہ آپ ﷺ ہی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کی خبر دیتے تھے اور لوگوں کو اس پر ایمان لانے کی تاکید فرماتے تھے، اور یہ سب لوگ آپ کو اچھی طرح جانتے بھی تھے يعرفونه كما يعرفون ابناء هم مگر تمسخر اور استہزاء کے طور پر ذکر کیا کہ گویا یہ آپ کے متعلق اور کچھ نہیں جانتے بجز اس کے کہ آپ قیامت میں مردوں کے زندہ ہونے کی خبر دیتے ہیں۔

اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كذبًا یعنی دو باتوں میں سے ایک بات تو ضرور ہے کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے اور اللہ کی طرف سے وحی اور رسالت کا دعویٰ یہ اس کا اللہ پر افتراء ہے یا اس کا دماغ چل گیا ہے اور دیوانگی میں ایسی باتیں کر رہا ہے، جو نامعقول ہیں بل الَّذِيْنَ لا يُؤمنُوْنَ بالآخرة اللہ تعالیٰ نے فرمایا، بات اس طرح نہیں ہے جس طرح یہ گمان کر رہے ہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ عقل وفہم اور ادراک حقائق سے یہی لوگ قاصر ہیں، جس کی وجہ سے یہ آخرت پر ایمان لانے کے بجائے اس کا انکار کر رہے ہیں، جس کا نتیجہ آخرت کا دائمی عذاب ہے، اور یہ آج ایسی گمراہی میں مبتلا ہیں جو حق سے غایت درجہ دور ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ کافروں اور منکرین بعث کو زجر وتوبیخ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آخرت کا یہ انکار آسمان وزمین کی پیدائش میں غور وفکر نہ کرنے کا نتیجہ ہے، ورنہ جو آسمان جیسی بلند چیز جس کی بلندی اور وسعت ناقابل بیان ہے اور زمین جیسی چیز جس کا طول وعرض بھی ناقابل فہم ہے، پیدا کر سکتا ہے، اس کے لئے اپنی ہی پیدا کردہ چیزوں کا دوبارہ پیدا کرنا اور اسے دوبارہ اسی حالت پر لے آنا جس پر وہ پہلے تھی کیوں کر ناممکن ہے؟

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا نُبُوَّةً وَكِتَابًا وقُلْنَا **يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ** رَجِّعِي **مَعَهٗ** بِالتَّسْبِيحِ **وَالطَّيْرَ** بِالنَّصْبِ عَطْفًا عَلٰى مَحَلِّ الجِبَالِ اى وَدَعَوْنَاهَا لِلتَّسْبِيحِ مَعَهٗ **وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ** فَكَانَ فِي يَدِهٖ كَالعَجِيْنِ وقُلْنَا **اَنِ اعْمَلْ**

منه **سٰبِغٰتٍ** دُرُوْعًا كَوَامِلَ يَجُرُّهَا لَابِسُهَا علی الارضِ **وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ** ای بِنَسْجِ الدُّرُوْعِ قِيْلَ لِصَانِعِهَا سَرَّادًا ای اِجْعَلْهُ بِحَيْثُ يَتَنَاسَبُ حِلَقُهٗ **وَاعْمَلُوْا** ای آلُ دَاوٗدَ مَعَهٗ **صَالِحًا ۭ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ** ⑪ فأُجَازِيكم به **وَ** سَخَّرْنَا **لِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ** وفِي قِرَاءَةٍ بالرَّفْعِ بتقديرِ تُسَخَّرُ **غُدُوُّهَا** سَيْرُهَا مِنَ الغَدْوَةِ بِمَعْنَى الصَّبَاحِ الى الزَّوَالِ **شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا** سَيْرُهَا مِنَ الزَّوَالِ الى الغُرُوْبِ **شَهْرٌ ۚ** ای مَسِيْرَتُهٗ **وَاَسَلْنَا** اَذَبْنَا **لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ۭ** ای النُّحَاسِ فأُجْرِيَتْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ بِلَيَالِيْهِنَّ كَجَرْيِ المَاءِ وَعَمَلُ النَّاسِ الى اليَوْمِ مِمَّا اُعْطِيَ سُلَيْمَانُ **وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ** بِاَمْرِ **رَبِّهٖ ۭ وَمَنْ يَّزِغْ** يَعْدِلُ **مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا** لَهٗ بِطَاعَتِهٖ **نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ** ⑫ النَّارِ في الآخِرَةِ وقِيلَ في الدُّنْيَا بِاَنْ يَّضْرِبَهٗ مَلَكٌ بِسَوْطٍ مِنْهَا ضَرْبَةً تُحْرِقُهٗ **يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَاۗءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ** اَبْنِيَةٍ مُرْتَفِعَةٍ يُصْعَدُ اِلَيْهَا بِدَرَجٍ **وَتَمَاثِيْلَ** جَمْعُ تِمْثَالٍ وهو كُلُّ شَيْءٍ مَثَّلْتَهٗ بِشَيْءٍ ای صُوَرٍ مِنْ نُحَاسٍ وزُجَاجٍ ورُخَامٍ ولم تَكُنْ اِتِّخَاذُ الصُّوَرِ حَرَامًا في شَرِيْعَتِهٖ **وَجِفَانٍ** جَمْعُ جَفْنَةٍ **كَالْجَوَابِ** جَمْعُ جَابِيَةٍ وهي حَوْضٌ كَبِيْرٌ يَجْتَمِعُ عَلَى الجَفْنَةِ اَلْفُ رَجُلٍ يَاْكُلُوْنَ مِنْهَا **وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ۭ** ثَابِتَاتٍ لَهَا قَوَائِمُ لَا تَتَحَرَّكُ عَنْ اَمَاكِنِهَا تُتَّخَذُ مِنَ الجِبَالِ بِاليَمَنِ يُصْعَدُ اِلَيْهَا بِالسَّلَالِمِ وقُلْنَا **اِعْمَلُوْٓا** يَا **اٰلَ دَاوٗدَ** بِطَاعَةِ اللّٰهِ **شُكْرًا ۭ** لَهٗ عَلَى مَا آتَاكُمْ **وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ** ⑬ العَامِلُ بِطَاعَتِيْ شُكْرًا لِنِعْمَتِيْ **فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ** عَلَى سُلَيْمَانَ **الْمَوْتَ** ای مَاتَ وَمَكَثَ قَائِمًا عَلَى عَصَاهُ حَوْلًا مَيِّتًا والجِنُّ تَعْمَلُ تِلْكَ الاَعْمَالَ الشَّاقَّةَ عَلَى عَادَتِهَا لَا تَشْعُرُ بِمَوْتِهٖ حَتّٰى اَكَلَتِ الاَرَضَةُ عَصَاهُ فَخَرَّ مَيِّتًا **مَا دَلَّهُمْ عَلٰي مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَاۗبَّةُ الْاَرْضِ** مَصْدَرُ اُرِضَتِ الخَشَبَةُ بِالبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ اَكَلَتْهَا الاَرَضَةُ **تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ** بِالهَمْزَةِ وَتَرْكِهٖ بِالِفٍ عَصَاهُ لِاَنَّهَا يُنْسَاُ يُطْرَدُ وَيُزْجَرُ بِهَا **فَلَمَّا خَرَّ** مَيِّتًا **تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ** اِنْكَشَفَ لَهُمْ **اَنْ** مُخَفَّفَةٌ ای اَنَّهُمْ **لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ** ومِنْهُ مَا غَابَ عَنْهُمْ مِنْ مَوْتِ سُلَيْمَانَ **مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ** ⑭ العَمَلِ الشَّاقِّ لَهُمْ لِظَنِّهِمْ حَيَاتَهٗ خِلَافَ ظَنِّهِمْ عِلْمَ الغَيْبِ وعُلِمَ كَوْنُهٗ سَنَةً بِحِسَابِ مَا اَكَلَتْهُ الاَرَضَةُ مِنَ العَصَا بَعْدَ مَوْتِهٖ يَوْمًا وَلَيْلَةً مَثَلًا۔

ترجمہ: اور ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے بڑی نعمت عطاء کی یعنی نبوت اور کتاب، اور ہم نے کہا اے پہاڑ و اور اے پرندو تم داؤد کے ساتھ تسبیح دہراؤ، طیرَ منصوب ہے جبال کے محل پر عطف ہونے کی وجہ سے، اور ہم نے ان کو داؤد کے ساتھ تسبیح پڑھنے کا حکم دیا، اور ہم نے ان کے لئے لوہا نرم کردیا چنانچہ (حضرت) داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کے ہاتھ میں لوہا گوندھے ہوئے آٹے کے مانند ہوگیا اور ہم نے حکم دیا کہ لوہے کی لمبی (مکمل) زرہ بناؤ کہ ان کو پہننے والا زمین میں گھسیٹے اور بنانے میں یکسانیت کا خیال رکھو زرہ ساز کو ''سرّاد'' کہتے ہیں یعنی ایسی زرہ بناؤ کہ اس کے حلقے مساوی ہوں، اے آل داؤد تم داؤد کی معیت میں نیک کام کیا کرو میں تم سب کے اعمال کو دیکھتا ہوں لہٰذا میں تم کو اس کا صلہ دوں گا اور ہم نے ہوا

کوسلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے مسخر کردیا اور ایک قراءت میں ریحٌ رفع کے ساتھ ہے تسخّر کی تقدیر کے ساتھ کہ اس کا صبح سے زوال تک کا سفر ایک ماہ کی مسافت تھی غدوٌّ الغداۃُ سے ماخوذ ہے، بمعنی صبح اور (اسی طرح) اس کا شام (یعنی) زوال سے غروب تک کا سفر ایک ماہ کی مسافت تھی اور ہم نے سلیمان کے لئے تانبے کا چشمہ پگھلا کر جاری کردیا چنانچہ تین رات دن تک پانی کے مانند جاری رکھا، حضرت سلیمان کو جو (بطور معجزہ) عطا کیا گیا تھا آج تک لوگ اس کو استعمال کررہے ہیں، جناتوں میں سے کچھ ایسے تھے کہ جو حکم خداوندی سے (حضرت) سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ماتحت ہوکر کام کرتے تھے اور جوان میں سے (سلیمان) کی اطاعت کے ہمارے حکم سے سرتابی کرے گا ہم اس کو آخرت میں آگ کا عذاب چکھائیں گے، اور کہا گیا ہے کہ دنیا ہی میں (چکھائیں گے) بایں طور کہ فرشتہ اس کو آگ کے کوڑے سے ایک مار مارے گا کہ وہ آگ اس کو جلادے گی سلیمان جو چاہتے تھے (جنات) ان کے لئے وہ بنادیتے تھے مثلاً محاریب یعنی بڑی بڑی اونچی عمارتیں کہ جن پر سیڑھیوں کے ذریعہ چڑھا جائے اور مجسمے، تماثیل، تمثال کی جمع ہے، تمثال ہر اس شئ کو کہتے ہیں جس کو تو کسی کے مثل بنائے یعنی تانبے کی یا سیسہ کی یا سنگ مرمر کی مورتیں بناتے تھے اور مورتوں کا بنانا ان کی شریعت میں حرام نہیں تھا اور حوض جیسی لگن (بناتے تھے) جِفَانٌ جَفْنَۃٌ کی جمع ہے (بمعنی لگن، بڑے پیالے) اور جَوَابٌ جابِیَۃٌ کی جمع ہے، بڑے حوض کو کہتے ہیں، جَفْنَۃٌ سے بیک وقت ایک ہزار آدمی کھا سکتے ہیں اور ایک جگہ جمی رہنے والی دیگیں (بناتے تھے) جن کے پائے ہوتے تھے جو اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتی تھیں، یہ یمن میں پہاڑوں سے بنائی جاتی تھیں، کہ جن پر سیڑھیوں کے ذریعہ چڑھا جاتا تھا، ہم نے کہا اے آل داؤد اللہ کی اطاعت میں جو کچھ اس نے تم کو دیا ہے اس کے شکریہ میں (نیک) عمل کرو میرے بندوں میں شکر گذار بندے کم ہی ہوتے ہیں، یعنی میری نعمت کا عملی طور پر شکر کرنے والے (کم ہوتے ہیں) پھر جب ہم نے سلیمان پر موت کا حکم بھیج دیا یعنی انتقال ہوگیا اور اپنے عصا کے سہارے ایک سال تک بحالت مردہ کھڑے رہے اور جنات اپنی عادت کے مطابق اعمال شاقہ میں لگے رہے (ان کو) (حضرت) سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موت کا احساس تک نہ ہوا، یہاں تک کہ جب دیمک نے ان کا عصا کھالیا تو مردہ ہونے کی وجہ سے گر پڑے، تو ان کی موت کی خبر کسی نے ان کو نہ دی سوائے دیمک کے اَلارْضُ، اُرِضَتِ الخَشَبَۃُ سے مصدر مجہول ہے (یعنی) اس کو دیمک نے کھالیا جو ان کے عصا کو کھا رہی تھی مِنْسأۃٌ ہمزہ کے ساتھ ہے، اور بغیر ہمزہ الف کے ساتھ بھی ہے (مِنْسَاۃ) ای عصاہُ اس لئے کہ اس سے دور کیا جاتا ہے، دفع کیا جاتا ہے اور دھمکایا جاتا ہے چنانچہ جب سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام مردہ ہوکر گر پڑے تب کہیں جنات کو ان کی (موت) کا علم ہوا اگر جنات غیب داں ہوتے تو اس ذلت کی مشقت میں مبتلا نہ رہتے اور ان کے دعوائے علم غیب کی نفی اس سے بھی ہوتی ہے کہ ان سے حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موت مخفی رہی یعنی حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زندہ سمجھ کر اپنے دعوائے غیب کے باوجود مشقت کے کام میں نہ لگے رہتے، اور عمل شاق کی ایک سال کی مدت کا علم عصا کی اس مقدار کے حساب سے ہوا جس مقدار کو دیمک نے سلیمان کی موت کے بعد مثلاً ایک رات دن میں کھایا تھا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَهُ: اَوِّبِیْ یہ تاوِیبٌ سے امر کا واحد مؤنث حاضر ہے بمعنی تَرْجِیْعٌ بار بار دہرانا، تکرار کرنا، اَوِّبِیْ اصل میں اَوِّبِیْنَ تھا امر کی وجہ سے نون حذف ہوگیا وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا واؤ استینا فیہ ہے اور لام قسم محذوف کے جواب پر داخل ہے، تقدیر یہ ہے وعزتنا وجلالنا لقد اٰتینا منا، مِنَّا، اٰتَیْنَا سے متعلق ہے یا محذوف سے متعلق ہوکر حال ہے تقدیر عبارت ہے کائنًا مِنَّا فَضْلًا، کائنًا مِنَّا اصل میں فَضْلًا کی صفت ہے مقدم ہونے کی وجہ سے حال ہوگیا فَضْلًا مفعول ثانی ہے اور داؤد مفعول اول ہے۔

قِوْلَهُ: وقُلْنَا یَا جِبَالُ. یا جِبَالُ، قُلْنَا فعل محذوف کا مقولہ ہے اور اس کا عطف اٰتَیْنَا پر ہے والطَّیْرَ کا عطف محل جبال پر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اس لئے کہ منادی مفرد محلاً منصوب ہوتا ہے یا مفعول معہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے والطَّیْرُ لفظ جبال پر عطف کی وجہ سے مرفوع بھی پڑھا گیا ہے۔

قِوْلَهُ: دُرُوْعًا، دُرُوْعًا مقدر مان کر شارح نے اشارہ کردیا کہ سابِغاتٍ صفت ہے اور دُرُوْعًا اس کا موصوف محذوف ہے۔

قِوْلَهُ: سَرْدٌ زرہ کو کہتے ہیں سَرَّادٌ زرہ ساز کو کہتے ہیں۔

قِوْلَهُ: لِسُلَیْمَانَ مفسر علام نے سَخَّرْنَا محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ جار مجرور کا متعلق سخَّرنا ہے اور ریحَ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور رفع کی صورت میں ریح مبتداء مؤخر حذف مضاف کے ساتھ اور لسُلیمانَ خبر مقدم، تقدیر عبارت یہ ہے وَتُسَخَّر الرِّیْحُ کائِنٌ لسُلَیمانَ مضاف کو حذف کرکے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کردیا۔

قِوْلَهُ: ومِنَ الجنِّ مَنْ یعمَلُ، مِنَ الجنّ فعل مقدر کے متعلق ہے، تقدیر عبارت یہ ہے وسَخّرنا لَهُ مِنَ الجنِّ اور مَنْ یعمل فعل مقدر کا مفعول بہ ہوگا، اور یہ بھی جائز ہے کہ من الجن خبر مقدم ہو اور مَنْ یعمَلُ مبتداء مؤخر۔

قِوْلَهُ: قُدُورٍ. قِدْرٌ کی جمع ہے بمعنی ہانڈی راسِیاتٌ ای ثابتاتٌ.

قِوْلَهُ: اعْمَلُوْا جملہ مستانفہ ہے اٰلَ داوٗدَ منادیٰ ہے حرف ندا محذوف ہے اور شُکْرًا مفعول لہ ہے۔

قِوْلَهُ: قلیلٌ خبر مقدم ہے اور من عبادی اس کی صفت ہے اور الشکور مبتدا مؤخر ہے۔

قِوْلَهُ: الارْضَةُ دیمک، کرمک، چوب خور، (جمع) ارضٌ.

قِوْلَهُ: مِنْسَأَةٌ بروزن مِفْعَلَةٌ ایک قراءت میں الف کے ساتھ ہے، عصا، دفع کرنے کا آلہ۔

قِوْلَهُ: دَابَّةُ الأرضِ دیمک۔

تفسیر و تشریح

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا فضل کے معنی زیادتی کے ہیں مگر یہاں داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کی امتیازی خصوصیات مراد ہیں یعنی نبوت کے ساتھ بادشاہت اور کئی امتیازی خوبیوں سے نوازا، ان امتیازی خصوصیات میں سے حسن صوت کی نعمت تھی کہ جب آپ ذکر الٰہی یا زبور کی تلاوت کرتے تھے تو پتھر کے ٹھوس پہاڑ بھی تسبیح خوانی میں مصروف ہوجاتے فضاء میں اڑتے پرندے ٹھہر جاتے اور زمزمہ خواں ہوجاتے، والطیرَ کا عطف یا جبالُ کے محل پر ہے، اس لئے کہ یا جبالُ محلاً منصوب ہے، تقدیر عبارت یہ ہے نادَیْنَا الجِبَالَ و الطَّیْرَ پہاڑ یہ تسبیح جو داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ کرتے تھے اس عام تسبیح کے علاوہ ہے جس میں کل مخلوقات شریک ہیں اور جو ہر وقت اور ہر زمانہ میں جاری ہے، جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا ہے وَاِنْ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ ولٰكِنْ لا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ یہاں جس تسبیح کا ذکر ہے وہ حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کے معجزے کی حیثیت رکھتی ہے اس لئے یہ ظاہر ہے کہ اس تسبیح کو عام لوگ بھی سنتے سمجھتے ہوں گے، ورنہ پھر معجزہ ہی نہ ہوگا۔

وَاَلَنَّا لَهُ الحدیْدَ (الآیة) یہ حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کا دوسرا معجزہ ہے، حسن بصری، قتادہ اور اعمش رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بطور معجزہ لوہے کو ان کے لئے موم کی طرح نرم کر دیا تھا، جس کی وجہ سے نہ گرم کرنے کی ضرورت ہوتی تھی اور نہ ہتھوڑے سے کوٹنے کی، ایک دوسری آیت میں یہ بھی مذکور ہے وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ یعنی ہم نے ان کو زرہ سازی کی صنعت سکھائی، اور اس آیت میں بھی آگے قَدِّرْ فِی السَّرْدِ آیا ہے، یہ بھی اس صنعت سکھانے کی تکمیل ہے لفظ قَدِّرْ تقدیر سے مشتق ہے جس کے معنی ایک اندازے سے بنانے کے ہیں اور سَرْدٌ کے معنی بننے کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ زرہ بنانے میں یکسانیت ملحوظ رہے حلقے چھوٹے بڑے نہ ہوں، اس سے معلوم ہوا کہ مصنوع میں باطنی خوبی کے ساتھ ظاہری خوبی بھی مطلوب ہے قَدِّرْ فِی السَّرْدِ کی یہ تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے۔ (ابن کثیر)

بعض حضرات نے قَدِّرْ فِی السَّرْدِ سے یہ مراد لیا ہے کہ اس صنعت کے لئے وقت کی ایک مقدار معین کر لینا چاہئے تاکہ تمام اوقات اس میں صرف نہ ہوجائیں، ایسا نہ ہو کہ عبادت اور امور سلطنت کی انجام دہی میں اس کی وجہ سے خلل پڑے۔

صنعت و حرفت کی فضیلت:

مذکورہ آیت سے ثابت ہوا کہ اشیاء ضروریہ کی ایجاد و صنعت ایسی اہم چیز ہے کہ حق تعالیٰ نے خود اس کی تعلیم کا اہتمام فرمایا، اور عظیم الشان پیغمبروں کو سکھلایا، حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کو زرہ سازی کی صنعت سکھائی اور حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کو کشتی بنانے کی صنعت سکھائی گئی، اسی طرح دوسرے انبیاء علیہم السلام کو بھی مختلف صنعتیں سکھانا بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے۔

صنعت کار کو حقیر سمجھنا گناہ ہے:

عرب میں مختلف آدمی مختلف صنعتیں اختیار کرتے تھے کسی صنعت کو حقیر نہیں سمجھا جاتا تھا، اور نہ پیشوں کی بنیاد پر کوئی برادری بنتی تھی، پیشے کے بنیاد پر کسی کو حقیر سمجھنا اور برادری بنانا یہ ہندوستان میں ہندوؤں کی پیداوار ہے، ہندوؤں کے ساتھ رہنے سہنے کی وجہ سے مسلمانوں میں بھی یہ اثرات قائم ہو گئے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کو زرہ سازی سکھانے کی حکمت:

تفسیر ابن کثیر میں امام حدیث حافظ ابن عساکر کی روایت سے نقل کیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام اپنی خلافت و سلطنت کے زمانہ میں بھیس بدل کر بازار وغیرہ میں جاتے اور رعایا کے حالات معلوم کرتے اور پوچھتے کہ داؤد کیسا آدمی ہے؟ چونکہ داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کی سلطنت میں عدل وانصاف عام تھا سب لوگ خوشحال تھے ہر انسان عیش وآرام کے ساتھ زندگی گذارتا تھا، اس لئے جس سے سوال کرتے وہ داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کی تعریف کرتا۔

حق تعالیٰ نے ان کی تعلیم کے لئے ایک فرشتے کو بشکل انسانی بھیج دیا جب داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کی اس سے ملاقات ہوئی تو عادت کے مطابق اس سے بھی وہی سوال کیا، فرشتے نے جواب دیا، داؤد بہت اچھا آدمی ہے اپنے نفس کے لئے بھی اور رعیت کے لئے بھی، مگر اس میں ایک کمی ہے اگر وہ نہ ہوتی تو وہ بالکل کامل تھا، داؤد علیہ الصلاۃ والسلام نے پوچھا وہ کیا کمی ہے؟ فرشتے نے کہا وہ اپنا اور اپنے اہل وعیال کا نفقہ مسلمانوں کے بیت المال سے لیتے ہیں۔

یہ سن کر حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام نے بارگاہ خداوندی میں التجاء کی کہ مجھے کوئی ایسا کام سکھا دیں کہ جو میں اپنے ہاتھ کی مزدوری سے اپنا اور اپنے اہل وعیال کا گذارا کر سکوں اور مسلمانوں کی خدمت اور سلطنت کا کام بلا معاوضہ کروں، حق تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کی دعا کو شرف قبولیت بخشا، اور ان کو زرہ سازی کی صنعت سکھا دی اور پیغمبرانہ یہ اعزاز دیا کہ لوہے کو ان کے لئے نرم کر دیا۔

مَسْئَلَہ: خلیفۂ وقت یا سلطان جو اپنا پورا وقت امور سلطنت کی انجام دہی میں صرف کرتا ہے شرعاً اس کے لئے یہ جائز ہے کہ اپنا اور اپنے اہل وعیال کا متوسط نفقہ بیت المال سے لے لے، لیکن اگر کوئی دوسری صورت گذارے کی ہو سکے تو وہ زیادہ بہتر ہے۔

جو علماء کرام تعلیم و تبلیغ کی خدمت مفت انجام دیتے ہوں، اور قاضی و مفتی جو لوگوں کے کام میں اپنا وقت صرف کرتے ہوں ان کا بھی یہی حکم ہے۔

وَلِسُلَیْمَانَ الرِّیْحَ حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کے خصوصی فضائل کے ذکر کے بعد حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کے خصوصی فضائل کا ذکر فرمایا، اور فرمایا کہ جس طرح داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کے لئے پہاڑوں کو مسخر کر دیا تھا اسی طرح حضرت سلیمان

علیہ الصلاۃ والسلام کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا، حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام مع اپنے اعیان سلطنت اور لشکر تخت پر بیٹھ جاتے اور جدھر آپ کا حکم ہوتا ہوا ئیں اسے اتنی رفتار سے لے جاتیں کہ ایک ماہ کی مسافت صبح سے دو پہر تک طے ہو جاتی اور پھر اسی طرح دو پہر سے شام تک ایک ماہ کی مسافت طے ہو جاتی، اس طرح ایک دن میں دو ماہ کی مسافت طے ہو جاتی، حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے فرمایا کہ تسخیر ہوا کا معجزہ حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کو ان کے اس عمل کے صلہ میں عطا ہوا تھا کہ ایک روز وہ اپنے گھوڑوں کے معائنہ میں مشغول تھے، اس میں ایسی مشغولیت ہوئی کہ عصر کی نماز قضاء ہوگئی چونکہ گھوڑے اس غفلت کا سبب ہوئے تھے، اس سبب غفلت کو ختم کرنے کے لئے حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام نے ان گھوڑوں کو ذبح کر دیا (کیونکہ سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کی شریعت میں گھوڑوں کی قربانی جائز تھی) اور یہ گھوڑے خود سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کی ملک تھے، اس لئے بیت المال کے نقصان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کے لئے لوہا نرم کر دیا تھا، تو حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کے لئے تانبے کا چشمہ جاری کر دیا۔

حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانے میں جنات کے بارے میں یہ مشہور ہو گیا تھا کہ جنات غیب کی باتیں جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کی موت کے ذریعہ سے اس عقیدے کے فساد کو واضح فرما دیا۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ بالصرف وعدمِهِ قَبِيلَةٌ سُمِّيَتْ بِاسْمِ جَدٍّ لهم مِنَ العَرَبِ **فِي مَسْكَنِهِمْ** باليَمَنِ **آيَةٌ** دالَّةٌ على قُدرَةِ اللهِ **جَنَّتَانِ** بَدَلٌ **عَن يَمِينٍ وَشِمَالٍ** عَن يَمِينِ وادِيهِم وشِمَالِه وقِيلَ لهم **كُلُوا مِن رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ** على ما رَزَقَكُمْ من النِّعمَةِ في أرضِ سَبَإٍ **بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ** لَيسَ بها سِبَاخٌ ولا بَعُوضَةٌ ولا ذُبَابَةٌ ولا بُرغُوثٌ ولا عَقرَبٌ ولا حَيَّةٌ ويَمُرُّ الغَرِيبُ بها وفي ثِيَابِهِ قُمَّلٌ فيَمُوتُ لطِيبِ هَوَائِهَا **وَ** اللهُ **رَبٌّ غَفُورٌ ﴿١٥﴾ فَأَعْرَضُوا** عَن شُكرِهِ و كَفَرُوا **فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ** جَمعُ عَرِمَةٍ وهو ما يُمسِكُ الماءَ من بِنَاءٍ وغَيرِهِ الى وَقتِ حَاجَتِهِ اى سَيلَ وَادِيهِم المَمسُوكَ بِما ذُكِرَ فاغرَقَ جَنَّتَيهِم وَأموَالَهُم **وَبَدَّلْنَاهُم بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ** تَثنِيَةُ ذَوَاتٍ مُفرَدٍ على الأصلِ **أُكُلٍ خَمْطٍ** مُرٍّ بَشِعٍ بِإضَافَةِ أُكُلٍ بمعنى مأكُولٍ وتَركِها ويُعطَفُ عليه **وَأَثْلٍ وَشَيْءٍ مِّن سِدْرٍ قَلِيلٍ ﴿١٦﴾ ذَٰلِكَ** التَّبدِيلُ **جَزَيْنَاهُم بِمَا كَفَرُوا** بكُفرِهِم **وَهَلْ نُجَازِي إِلَّا الْكَفُورَ ﴿١٧﴾** بالياءِ والنُّونِ مَعَ كَسرِ الزَّايِ وَنَصبِ الكَفُورِ اى ما يُنَاقِشُ الا هو **وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ** بَينَ سَبَإٍ وهم باليَمَنِ **وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا** بالماءِ والشَّجَرِ وهي قُرَى الشَّامِ التي يَسِيرُونَ اليها للتِّجَارَةِ **قُرًى ظَاهِرَةً** مُتَوَاصِلَةً مِنَ اليَمَنِ الى الشَّامِ **وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ** بِحَيثُ يَقِيلُونَ في وَاحِدَةٍ ويَبِيتُونَ في أُخرَى الى انتِهَاءِ سَفَرِهِم ولا يَحتَاجُونَ فيه الى حَملِ زَادٍ وماءٍ وقُلنَا **سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا آمِنِينَ ﴿١٨﴾** لا تَخَافُونَ في لَيلٍ ولا نَهَارٍ **فَقَالُوا رَبَّنَا بَاعِدْ** وفي قراءةٍ بَاعِدْ **بَيْنَ أَسْفَارِنَا** الى الشَّامِ اِجعَلْها مَفَاوِزَ لِيَتَطَاوَلُوا على الفُقَرَاءِ بِرُكُوبِ الرَّوَاحِلِ وحَملِ الزَّادِ والماءِ

فبطروا النعمة **وَظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ** بالكفر **فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ** لمن بعدهم في ذلك **وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ** فرقناهم بالبلاد كل التفريق **إِنَّ فِي ذَٰلِكَ** المذكور **لَآيَاتٍ** عبرًا **لِكُلِّ صَبَّارٍ** عن المعاصي **شَكُورٍ** ⑲ على النعم **وَلَقَدْ صَدَّقَ** بالتخفيف والتشديد **عَلَيْهِمْ** اي الكفار منهم سبأ **إِبْلِيسُ ظَنَّهُ** انهم باغوائه يتبعونه **فَاتَّبَعُوهُ** فصدق بالتخفيف في ظنه او صدّق بالتشديد ظنه اي وجده صادقًا **إِلَّا** بمعنى لكن **فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ** ⑳ للبيان اي هم المؤمنون لم يتبعوه **وَمَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِم مِّن سُلْطَانٍ** تسليط منا **إِلَّا لِنَعْلَمَ** علم ظهور **مَن يُؤْمِنُ بِالْآخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِي شَكٍّ** فنجازي كلًا منهما **وَرَبُّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ** ㉑ رقيب.

ع ۱۲/۸

ترجمہ: قوم سبا کے لئے (سبا) منصرف اور غیر منصرف (دونوں ہیں) سبا ایک قبیلہ کا نام ہے ان کے عربی جد اعلیٰ کے نام پر رکھا گیا ہے یمن میں ان کی بستیوں میں خدا کی قدرت کی نشانی تھی ان کے دائیں بائیں دورویہ باغ تھے یعنی ان کی وادی کے دائیں بائیں جانب جنتان، آیة سے بدل ہے، ان سے کہا گیا اپنے رب کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور ملک سبا میں تم کو دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا کرو یہ عمدہ شہر ہے یعنی اس میں نہ زمین شور ہے اور نہ مچھر نہ مکھی، اور نہ پسو اور نہ بچھو اور نہ سانپ اور (اگر) اس شہر سے ایسا مسافر گذرتا کہ اس کے کپڑوں میں جوئیں ہوتیں تو وہ اس شہر کی پاکیزہ ہوا کی وجہ سے مرجاتیں اور بخشنے والا رب ہے لیکن انہوں نے اس کے شکر سے اعراض اور ناشکری کی تو ہم نے ان پر بند کا پانی بھیج دیا عَرِمٌ عرِمَة کی جمع ہے عَرِمَةٌ اس عمارت وغیرہ کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ پانی کا وقت ضرورت کے لئے ذخیرہ کرلیا جاتا ہے، یعنی ان کی وادی کا روکا ہوا پانی ان پر چھوڑ دیا، چنانچہ اس پانی نے ان کے دورویہ باغوں کو اور ان کے اموال کو غرق کردیا اور ہم نے ان کے دورویہ باغوں کے عوض ایسے دو باغ دیئے جن کے پھل بدمزہ کڑوے کسیلے تھے ذواتی ذوات مفرد کا تثنیہ ہے اصل سے اُکُلٍ کی اضافت کے ساتھ، (اکل) بمعنی ماکولٍ ہے، اور بغیر اضافت کے اور اُکُلٍ پر اثْلٍ کا عطف ہے اور بکثرت جھاؤ کے درخت اور کچھ جنگلی بیریاں ہم نے ان کو یہ سزا ان کی ناشکری یعنی ان کے کفر کی وجہ سے دی اور ہم ایسی سزا ناشکروں ہی کو دیا کرتے ہیں (یُجازِی) میں یا اور نون دونوں ہیں اور زاء کے کسرہ اور کَفُور کے نصب کے ساتھ، یعنی کافر ہی کا مناقشہ (سختی کے ساتھ محاسبہ) کیا جاتا ہے اور ہم نے ان کے یعنی ملک سبا کے درمیان حال یہ کہ وہ بھی یمن میں رہتے تھے اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے پانی اور درختوں کے ذریعہ برکت دی ہے اور وہ ملک شام کی بستیاں ہیں جن کی طرف وہ تجارت کے لئے جایا کرتے تھے بہت سی بستیاں آباد کر رکھی تھیں جو یمن سے شام تک قریب قریب (فاصلہ) پر تھیں اور ہم نے ان بستیوں کے درمیان سفر کی ایک خاص مسافت رکھی تھی اس طریقہ پر کہ وہ ایک بستی میں قیلولہ کرتے اور دوسری میں رات گذارتے تھے، ان کے سفر کے پورا ہونے تک یہی صورت رہتی تھی، اور سفر میں زاد راہ اور پانی ساتھ اٹھانے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی اور ہم نے کہا بستیوں میں راتوں اور دنوں کو امن وامان کے ساتھ سفر کرو چنانچہ ان کو نہ رات کو خوف تھا اور نہ دن کو مگر انہوں نے کہا اے

ہمارے پروردگار ملک شام تک ہمارے سفروں کے درمیان دوری کر دے اور ایک قراءت میں باعِد ہے یعنی ان بستیوں کو چٹیل میدان کر دے تاکہ وہ فقراء کے مقابلہ میں سواریوں پر سوار ہو کر اور زادِ راہ اور پانی ہمراہ رکھنے کے ذریعہ فخر کریں چنانچہ وہ نعمت خداوندی پر اترانے لگے اور کفر کے ذریعہ انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا چنانچہ ہم نے ان کو بعد والوں کے لئے ظلم کے سبب سے افسانہ بنا دیا اور ہم نے ان کو پوری طرح تتر بتر (منتشر) کر دیا، یعنی ہم نے ان کو مختلف شہروں میں پوری طرح منتشر کر دیا، بے شک اس مذکورہ قصے میں معصیت سے ہر باز رہنے والے کے لئے اور نعمتوں پر ہر شکر کرنے والے کے لئے عبرتیں ہیں اور واقعی ان لوگوں یعنی کفار کے بارے میں اور ان میں اہل سبا بھی ہیں ابلیس نے اپنا گمان صحیح پایا کہ وہ اس کے بہکانے سے اس کی اتباع کرنے لگے صَدَّقَ میں تخفیف اور تشدید دونوں ہیں کہ یہ لوگ اس کے تابع ہو گئے صَدَقَ تخفیف کے ساتھ اس کا گمان سچ نکلا، اور صدّق تشدید کے ساتھ اس نے اپنا گمان سچ کر دکھایا سوائے مومنین کی جماعت کے الا بمعنی لکن ہے اور مومنین فریقاً کا بیان ہے یعنی وہ فریق جس نے (شیطان) کی اتباع نہیں کی وہ مومنین ہیں شیطان کا ان پر کوئی قابو نہ تھا بلکہ ہماری طرف سے ان پر مسلط کرنا صرف اس لئے ہوا کہ ہم ان لوگوں کو جو آخرت پر ایمان لائے ان لوگوں سے ممتاز کر دیں جو آخرت کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں تو ان (دونوں) میں سے ہم ہر ایک کو بدلہ دیں گے اور آپ کا رب ہر شیٔ پر نگہبان ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: اُکُلٍ پھل خَمْطٌ پیلو کا پھل، ہر کھٹی یا کڑوی چیز۔

قَوْلُهُ: بَشِعٌ بدمزہ اور کڑوا کسیلا۔

قَوْلُهُ: اَثْلٌ جھاؤ کا درخت (جمع) اَثلاثٌ، آثال، اُثُوْلٌ.

قَوْلُهُ: ذَوَاتَیْ تثنیة ذواتٍ مفردٍ علی الاصل ذوات ذُو کا مؤنث ہے یہ اصل میں ذُوَیَّۃٌ تھا اس میں ۃ علامت تانیث ہے، یاء متحرک ماقبل مفتوح ہونے کی وجہ سے الف ہو گئی ذواتٌ ہو گیا، بعدۂ واؤ کو تخفیفاً حذف کر دیا، ذاتٌ ہو گیا، اب واحد مؤنث کی دو شکلیں ہو گئیں ایک حذف واؤ سے پہلے کی، وہ ذواتٌ، اور دوسری حذف واؤ کے بعد کی اور وہ ذاتٌ مفسر علام نے جو یہ کہا ہے کہ ذَوَاتَیْ اصل سے ذوات کا تثنیہ ہے اس کا مطلب ہے کہ حذف واؤ سے پہلے کی حالت کا تثنیہ ہے اگر حذف واؤ کے بعد کی حالت کا تثنیہ ہوتا تو ذَاتَیْ ہوتا۔

قَوْلُهُ: بَشِعٌ بروزن کَشِفٌ بدمزہ، کسیلا، اُکُل خمطٍ اضافت موصوف الی الصفت کے قبیل سے ہے، اور ترک اضافت کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے ای اُکُلٍ خمطٍ اس صورت میں اُکُلٍ موصوف اور خمطٍ صفت ہو گی۔

قَوْلُهُ: یُعْطَفُ علیه ای علٰی اُکُلٍ اُکُل کے قاف پر جزم اور ضمہ دونوں قراءت سبعہ ہیں۔

قَوْلُہٗ: ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ ذٰلِكَ، جَزَيْنَا کا مفعول ثانی ہے جو کہ مقدم ہے اول مفعول هُمْ ہے ای جَزَيْنٰهُمْ ذٰلِكَ التبديل.

قَوْلُہٗ: بکفرهم ای بسبب کفرهم.

قَوْلُہٗ: وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ یہ عطف قصہ علی القصہ کے قبیل سے ہے یعنی اول اعطاء جنتین کا ذکر کیا گیا اور پھر تبدیل مذکور کا ذکر کیا گیا۔

قَوْلُہٗ: سِيْرُوْا فیها ای فی هذه المسافة یہ امر بمعنی خبر ہے یعنی وہ امن کے ساتھ سفر کرتے تھے لَيَالِيَ اور اَيَّامًا حال ہیں۔

قَوْلُہٗ: اِلَّا بمعنی لکن اس میں اشارہ ہے کہ یہ مستثنیٰ منقطع ہے اس لئے کہ مومنین کفار کی جنس سے نہیں ہیں۔

تَفْسِیر وتَشْریح

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ ابن کثیر نے فرمایا کہ سبا یمن کے بادشاہوں اور اس ملک کے باشندوں کا لقب ہے، تبابعہ جو اس ملک کے پیشوا اور مقتداء تھے، وہ بھی اسی قوم سبا سے تعلق رکھتے تھے، اور ملکہ بلقیس بھی جس کا واقعہ سورۂ نمل میں گذر چکا ہے اسی قوم سے تعلق رکھتی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر اپنے رزق کے دروازے کھول دیئے تھے، ہر سو خوشحالی کا دور دورہ تھا، عیش و آرام کے تمام اسباب مہیا تھے، انبیاء کے ذریعہ ان کو اللہ کی توحید اور نعمتوں کی شکر گذاری کا حکم دیا گیا تھا، ایک مدت تک یہ لوگ اسی حال پر قائم رہے، پھر ان میں عیش و عشرت میں انہماک اور خدا سے غفلت بلکہ انکار تک نوبت پہنچ گئی، تو ان کی تنبیہ کے لئے تیرہ انبیاء بھیجے، جنہوں نے ان کی فہمائش اور راہ راست پر لانے کی پوری کوشش کی مگر یہ لوگ اپنی غفلت اور بیہوشی سے باز نہ آئے، تو ان پر ایک سیلاب کا عذاب بھیجا گیا، جس سے ان کے شہر اور باغات تمام ویران اور برباد ہو گئے۔ (ابن کثیر)

سیل عَرِم اور سد مآرب:

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سيل العرم. عَرِم کے لغت میں کئی معنی ہیں، مگر ان میں سیاق قرآن کے مناسب وہ معنی ہیں جو قاموس، صحاح، جوہری وغیرہ کتب لغت میں ہیں، کہ عَرِم کے معنی سد ''بند'' کے ہیں، جو آج کل کی اصطلاح میں ڈیم کے نام سے معروف ہے، حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا نے بھی عَرِم کے معنی سد بیان فرمائے ہیں۔ (قرطبی)

بند اور سیل عَرِم کا واقعہ:

ابن کثیر کے بیان کے مطابق واقعہ یہ ہے کہ ملک یمن کے دار السلطنت صنعاء سے تین منزل کے فاصلہ پر ایک شہر مآرب تھا، جس میں قوم سبا آباد تھی، یہ شہر دو پہاڑوں کے درمیان ایک وادی میں آباد تھا، اس ملک کے بادشاہوں نے مذکورہ دونوں پہاڑوں

کے درمیان ایک بند (ڈیم) نہایت ہی مستحکم تعمیر کیا تھا، اس ڈیم نے پہاڑوں کے درمیان سے آنے والے پانی کو روک کر پانی کا ایک عظیم الشان ذخیرہ بنا دیا تھا، اس ڈیم سے ضرورت کے مطابق پانی نکالنے کے لئے اوپر نیچے تین دروازے رکھے تھے، بند کے نیچے ایک بہت بڑا تالاب تعمیر کیا گیا تھا جس میں پانی کے بارہ راستے بنا کر نہریں شہر کے مختلف اطراف میں پہنچائی گئی تھیں، شہر کے دائیں بائیں جو دو پہاڑ تھے ان کے کناروں پر دورویہ باغات لگائے گئے تھے، جن میں نہریں جاری تھیں، یہ باغات اگرچہ تعداد میں بہت تھے، مگر قرآن کریم نے جنّتان یعنی دو باغوں سے تعبیر کیا ہے، ایک رخ کے تمام باغوں کو اتصال کی وجہ سے ایک باغ اور دوسرے رخ کے تمام باغوں کو دوسرا باغ قرار دیا ہے۔

ان باغوں میں ہر قسم کے پھل بکثرت ہوتے تھے اگر کوئی شخص خالی ٹوکرا سر پر رکھ کر باغ میں چلتا تو ٹپکنے والے پھلوں سے ٹوکری بھر جاتی تھی، انبیاء کے ذریعہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ تم اللہ کے عطا کردہ اس رزق وسیع کو استعمال کرو اور اس کی نعمتوں کی شکر گذاری کرتے رہو، نیز اللہ تعالیٰ نے اس شہر کو بلدۂ طیبہ بنایا تھا اس کی آب وہوا نہایت پاکیزہ اور معتدل تھی، حشرات الارض، مکھی، مچھر، سانپ، بچھو وغیرہ کا نام ونشان تک نہیں تھا، بلکہ باہر سے آنے والے مسافروں کے کپڑوں میں اگر جوئیں ہوتیں تو وہ بھی ہوا کی پاکیزگی اور لطافت کی وجہ سے مرجاتیں رَبٌّ غَفُوْرٌ کے اضافہ کا مقصد یہ ہے کہ اگر اتفاقی طور پر شکر گذاری میں غفلت کی وجہ سے کمی ہوجائے تو اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا۔

فاعرضوا فَاَرْسَلْنَا علیهم سیل العرم یعنی اللہ تعالیٰ کی ایسی وسیع نعمتوں اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تنبیہات کے باوجود جب قوم سبا کے لوگوں نے اللہ کے احکام سے سرکشی اور روگردانی کی تو ہم نے ان پر سیل عرِم چھوڑ دیا، اس کا واقعہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما وہب بن منبہ، قتادہ، ضحاک وغیرہ ائمہ تفسیر نے یہ بیان کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو سزا دینے کا ارادہ فرمایا تو اس پانی کے عظیم الشان بند پر اندھے چوہے مسلط کردیئے جنہوں نے اس کی بنیاد کو کھوکھلا اور کمزور کردیا، جب بارش اور سیلاب کا وقت آیا تو پانی کے دباؤ سے بند ٹوٹ گیا جس کی وجہ سے پورا شہر تباہ وبرباد ہوگیا، اور پھل دار درختوں کی جگہ ایسے خود روجھاڑ جھنکار اگ آئے کہ اول تو ان میں پھل لگتا ہی نہیں تھا اور اگر کسی میں لگتا بھی تو نہایت کڑوا کسیلا اور بدمزہ جنہیں کوئی کھا ہی نہ سکتا، البتہ کچھ بیری کے درخت تھے جن میں بھی کانٹے زیادہ اور بیر کم تھے۔

وَهَلْ نُجَازِیْ اِلَّا الْكَفُوْرَ، كَفُوْرٌ مبالغہ کا صیغہ ہے، بہت کفر کرنے والا، آیت کے معنی یہ ہوئے کہ ہم بہت کفر کرنے والے کے سوا کسی کو سزا نہیں دیتے، یہ معنی بظاہر ان تمام قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ کے خلاف ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان گناہگاروں کو جہنم کی سزا ان کے عمل کے مطابق دی جائے گی اگرچہ سزا بھگتنے کے بعد وہ ایمان کی وجہ سے جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کردیئے جائیں گے، اس اشکال کے جواب میں بعض حضرات نے فرمایا کہ یہاں مطلق عذاب مراد نہیں ہے، بلکہ ایسا عذاب عام مراد ہے جیسا کہ قوم سبا پر بھیجا گیا تھا یہ کافروں کے ساتھ مخصوص ہے، مسلمان گنہ گاروں پر ایسا عذاب نہیں آتا۔ (روح)

روح المعانی میں بحوالہ کشف اس آیت کے مفہوم کی یہ توجیہ کی ہے کہ کلام اپنی حقیقت پر ہے کہ سزا بطور سزا تو صرف کافروں کو دیجاتی ہے، اور مومن گنہ گاروں کو جو آگ وغیرہ کی تکلیف دی جاتی ہے وہ محض صورت سزا کی ہوتی ہے ورنہ درحقیقت اس کو گناہوں سے پاک کرنا مقصود ہوتا ہے جیسے کہ سونے کو بھٹی میں ڈال کر تپانے سے اس کا میل کچیل صاف کرنا مقصود ہوتا ہے۔

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرىٰ (الآية) برکت والی بستیوں سے مراد ملک شام کی بستیاں ہیں اور ظاهرةً سے مراد لب سڑک ہے یعنی ہم نے ملک سبا (یمن) اور شام کے درمیان لب سڑک بستیاں آباد کی ہوئی تھیں، بعض نے ظاهرة سے متواصلةً (مسلسل) مراد لیا ہے جیسا کہ علامہ محلی نے بھی یہی معنی مراد لئے ہیں، مفسرین نے ان بستیوں کی تعداد چار ہزار سات سو بتلائی ہے، یہ اہل یمن کی شاہ راہ تھی جو ہمیشہ آباد رہتی تھی، جس کی وجہ سے زادراہ ساتھ لیجانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی، دوسرے ویرانے کی وجہ سے جو لوٹ مار کا اندیشہ ہوتا ہے وہ نہیں تھا، آرام وراحت اور دوران سفر قیام کی سہولتیں بھی بآسانی مہیا تھیں، صبح کو روانہ ہو کر دوپہر کو ایک بستی میں قیلولہ کرتے اور شام تک دوسری بستی میں پہنچ جاتے جہاں رات کو قیام کرتے۔

فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا یعنی جس طرح لوگ سفر کی صعوبتوں اور خطرات نیز مشقتوں کا تذکرہ کرتے ہیں ہمارے سفر کی مسافت بھی اسی طرح دور دور کر دے، مسلسل آبادیوں کے بجائے درمیان میں سنسان و ویران جنگلات اور صحراؤں سے ہمیں گذرنا پڑے، گرمیوں میں دھوپ کی شدت اور سردیوں میں یخ بستہ ہوائیں ہمیں پریشان کریں اور راستہ میں بھوک و پیاس اور موسم کی سختیوں سے بچنے کے لئے ہمیں زادراہ کا بھی انتظام کرنا پڑے، ان کی یہ دعا اسی طرح ہے جیسے بنی اسرائیل نے من وسلویٰ اور دیگر سہولتوں سے اکتا کر دالوں اور سبزیوں وغیرہ کا مطالبہ کیا تھا، یا پھر زبان حال سے ان کی یہ دعاء تھی۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں اس طرح ناپید اور برباد کر دیا کہ ان کی ہلاکت و بربادی کا قصہ زبان زد خلائق ہو گیا، اور مجلسوں اور محفلوں کا موضوع گفتگو بن گیا، اور ان کو اس طرح منتشر کر دیا کہ مختلف ملکوں اور مقام میں جا کر آباد ہو گئے، غسان شام میں اور اوس وخزرج یثرب (مدینہ) میں اور خزاعہ تہامہ میں اور ازد عمان میں جا بسے۔

قُلْ یا مُحَمَّدُ لِکُفَّارِ مَکَّةَ اُدْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ ای زَعَمْتُمُوْهم اٰلِهَةً مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ای غَیْرِہٖ لِیَنْفَعُوْکُمْ بِزَعْمِکُمْ قال تَعَالٰی فیهم لَا یَمْلِکُوْنَ مِثْقَالَ وَزْنَ ذَرَّةٍ مِنْ خَیْرٍ او شَرٍّ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِیْهِمَا مِنْ شِرْکٍ شِرْکَةٍ وَّمَا لَهٗ تَعَالٰی مِنْهُمْ مِن الاٰلِهَةِ مِّنْ ظَهِیْرٍ۝ مُعِیْنٍ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ تَعَالٰی رَدًّا لِقَوْلِهِم ان اٰلِهَتُهُم تَشْفَعُ عِنْدَه اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ بِفَتْحِ الهَمْزَةِ وضَمِّها لَهٗ ؕ فیها حَتّٰٓی اِذَا فُزِّعَ بِالبِنَاءِ لِلفَاعِلِ وَلِلمَفْعُوْلِ عَنْ قُلُوْبِهِمْ کُشِفَ عنها الفَزَعُ بالاِذْنِ فیها قَالُوْا قَالَ بَعْضُهم لِبَعْضٍ اِسْتِبْشَارًا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّکُمْ ؕ فیها قَالُوا القَوْلَ الْحَقَّ ۚ ای قَدْ اَذِنَ فیها وَهُوَ الْعَلِیُّ فَوْقَ خَلْقِهٖ بِالقَهْرِ الْکَبِیْرُ۝ العَظِیْمُ

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ المطر وَالْاَرْضِ النباتِ قُلِ اللّٰهُ ان لم يقولوه لا جواب غيره وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ اى احد الفريقين لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾ بَيِّنٍ فى الابهام تلطف بهم داع الى الايمان اذا وفقوا له قُلْ لَّا تُسْئَلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا اذنبنا وَلَا نُسْئَلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ لانا بريئون منكم قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا يوم القيامة ثُمَّ يَفْتَحُ يحكم بَيْنَنَا بِالْحَقِّ فيدخل المحقين الجنة والمبطلين النار وَهُوَ الْفَتَّاحُ الحاكم الْعَلِيْمُ ﴿۲۶﴾ بما يحكم به قُلْ اَرُوْنِيَ اعلموني الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ فى العبادة كَلَّا ردع لهم عن اعتقاد شريك له بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الغالب على امره الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾ فى تدبيره لخلقه فلا يكون له شريك فى ملكه وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً حال من الناس قدم للاهتمام به لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا مبشرا للمؤمنين بالجنة وَّنَذِيْرًا منذرا للكافرين بالعذاب وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ اى كفار مكة لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ ذلك وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ بالعذاب اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾ فيه قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۰﴾ عليه وهو يوم القيمة.

ترجمہ: اے محمد! کفار مکہ سے کہہ دیجئے کہ جن چیزوں کے بارے میں تمہیں خدا کے سوا (خدائی) کا گمان ہے یعنی جن کو تم اللہ کے علاوہ معبود سمجھتے ہو ان کو پکارو تا کہ وہ تمہارے گمان کے مطابق تم کو نفع پہنچائیں اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا وہ ذرہ برابر خیر و شر کا اختیار نہیں رکھتے، نہ آسمان میں اور نہ زمین میں اور نہ ان کی ان دونوں (کے پیدا کرنے) میں شرکت ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کا ان معبودوں میں سے کوئی مددگار ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی کی سفارش کام نہیں آتی یہ ان کے اس قول کو رد کرنے کے لئے فرمایا کہ ان کے معبود اس کے سامنے سفارش کریں گے بجز ان کے کہ جن کے لئے اجازت ہو جائے ہمزہ کے فتحہ اور اس کے ضمہ کے ساتھ یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور کر دی جاتی ہے، معروف اور مجہول کے صیغہ کے ساتھ، یعنی جب اجازت دیکر ان کے دلوں کا خوف دور کر دیا جائے گا تو آپس میں طلب بشارت کے طور پر پوچھیں گے کہ تمہارے پروردگار نے شفاعت کے بارے میں کیا فرمایا؟ جواب دیں گے حق بات فرمائی یعنی شفاعت کی اجازت دیدی وہ عالی شان یعنی اپنی مخلوق پر قہر کے ذریعہ غالب ہے سب سے بڑا ہے آپ پوچھئے کہ تم کو آسمان سے پانی برسا کر اور زمین سے نباتات اگا کر روزی کون پہنچاتا ہے؟ اگر وہ جواب نہ دیں تو آپ (خود ہی) جواب دیجئے کہ اللہ تعالیٰ (روزی دیتا ہے) (اس لئے کہ) اس کے علاوہ کوئی جواب ہی نہیں ہے (سنو) ہم یا تم یعنی دونوں فریقوں میں سے ایک یا تو یقیناً ہدایت پر ہے یا کھلی گمراہی میں ہے مبہم رکھنے میں ان کے ساتھ نرمی ہے جو ایمان کی طرف داعی ہے، جبکہ ان کو ایمان کی توفیق دیجائے آپ کہہ دیجئے ہمارے کئے ہوئے گناہوں کی بابت تم سے کوئی سوال نہ کیا جائے گا اس لئے کہ ہم تم سے بری ہیں، آپ ان کو بتا دیجئے کہ ہم سب کو ہمارا رب قیامت کے دن جمع کرے گا پھر ہمارے درمیان برحق فیصلے کرے گا کہ حق پرستوں کو جنت میں اور باطل پرستوں کو جہنم میں داخل کرے گا وہ بڑا فیصلے کرنے والا ہے اور جو فیصلہ کرتا ہے اس کو بخوبی جاننے والا

ہے (آپ) کہہ دیجئے کہ اچھا مجھے بھی تو انہیں دکھاؤ بتاؤ جنہیں تم اللہ کا عبادت میں شریک ٹھہرا کر اس کے ساتھ ملا رہے ہو ایسا ہرگز نہیں، یہ کفار کو اس کے ساتھ اعتقاد شریک پر توبیخ ہے بلکہ وہی ہے اللہ اپنے امر پر غالب اور اپنی مخلوق کی تدبیر میں حکمت والا لہٰذا اس ملک میں اس کا کوئی شریک نہیں ہوسکتا ہم نے آپ کو تمام لوگوں کو یعنی مومنین کو جنت کی خوشخبری سنانے والا اور کافروں کو عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے کافة، للناس سے حال ہے اس کے اہتمام کے پیش نظر مقدم کر دیا گیا ہے مگر اکثر لوگ یعنی کفار مکہ اس کا علم نہیں رکھتے اور پوچھتے ہیں کہ یہ وعدۂ عذاب کب ہے؟ اگر تم اس (وعدے) میں سچے ہو تو (بتادو) آپ جواب دیجئے کہ تمہارے واسطے وعدہ کا دن معین ہے اس سے نہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکتے ہو اور نہ آگے بڑھ سکتے ہو اور وہی قیامت کا دن ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہٗ: اَلَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ای زَعَمْتُمُوْھم اٰلِھَةً اس عبارت کے اضافہ سے شارح کا مقصد یہ بتانا ہے کہ زَعَمْتُمْ کے دونوں مفعول موصول باصلہ کے طویل ہو جانے کی وجہ سے محذوف ہیں اول مفعول کو حذف کر دیا اور دوسرے مفعول یعنی اٰلِھَةً کو صفت یعنی مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ کے قائم مقام ہو جانے کی وجہ سے حذف کر دیا مفعول اول ھُمْ اور مفعول ثانی اٰلِھَةً ہے۔

قِوْلَہٗ: لِیَنْفَعُوْکُمْ. اُدْعُوْا کے متعلق ہے ای اُدْعُوا لِیَکْشِفُوْا عَنْکُم الضُّرَّ.

قِوْلَہٗ: وَمَا لَھُمْ فِیْھَا مِنْ شِرْكٍ ما نافیہ لَھُمْ خبر مقدم ہے من زائدہ ہے شرك مبتداء مؤخر لفظاً مجرور اور محلاً مرفوع ہے۔

قِوْلَہٗ: فُزِّعَ مبنی للمفعول یعنی ان کے دل کا خوف دور کر دیا گیا، تضعیف سلب کے لئے ہے کہا جاتا ہے قَرَّدْتُ البَعِیْرَ ای اَزَلْتُ قُرَادَہٗ میں نے اونٹ کی چچڑی دور کر دی۔

قِوْلَہٗ: مَاذا قال رَبُّکم فیھا ای فی الشفاعَةِ.

قِوْلَہٗ: القول الحق اس میں اشارہ اس بات کی جانب ہے کہ الحقَّ مصدر محذوف کی صفت ہے۔

قِوْلَہٗ: قل اللّٰہ. اللّٰہُ مبتداء یَرْزُقُنَا اس کی خبر محذوف۔

قِوْلَہٗ: اَرُوْنِیْ. اَعْلِمُوْنِی اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رویت سے مراد رویت قلبیہ ہے اور متعدی بدو مفعول ہے جب اس کے شروع میں ہمزہ لایا گیا تو متعدی بہ سہ مفعول ہو گیا اول مفعول ارونی میں ی ہے ثانی اسم موصول اور ثالث شُرَکاء صلہ کی ضمیر عائد محذوف ہے ای اَلْحَقْتُمُوْھُمْ.

قِوْلَہٗ: کافَّةً ای جَمِیْعًا اَرْسَلْنٰكَ کے کاف سے حال ہے ای اَرْسَلْنٰكَ جامِعًا للناسِ فی الانذار والإبلاغ ۃ مبالغہ کے لئے جیسا کہ علامة میں ۃ مبالغہ کے لئے ہے اور کافة للنَّاس سے حال مقدم ہوسکتا ہے ای للناس

کافَّۃً یہ ان لوگوں کے نزدیک ہے جو کہ حال کی جار مجرور پر تقدیم کو جائز سمجھتے ہیں، نیز مصدر محذوف کی صفت بھی ہو سکتی ہے ای اِرْسَالَةً کافّةً للناسِ.

قَوْلُہٗ: بَشِيْرًا وَنَذِيْرًا یہ دونوں اَرسلنٰكَ کے کاف سے حال ہیں۔

قَوْلُہٗ: قل لَّكُمْ مِيْعَادُ يومٍ میں لَكُمْ خبر مقدم ہے اور مِيْعَادُ يَوْمٍ مبتدا مؤخر۔

تفسیر وتشریح

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ (الآية) اس آیت میں نبی ﷺ کو حکم ہے اور کفار سے یا تو کفار قریش مراد ہیں یا مطلقاً کفار مراد ہیں، دلالت سیاق کی وجہ سے زعمتم کے دونوں مفعول محذوف ہیں، روز قیامت کسی کی سفارش کسی کے لئے کام نہیں آئے گی، الا یہ کہ سفارش کی اجازت مل جائے، اجازت کا مطلب یہ ہے کہ سفارش کا استحقاق اجازت پر موقوف ہوگا یعنی انبیاء اور ملائکہ وصلحاء اسی وقت سفارش کی ہمت کریں گے جب ان کو بارگاہ ایزدی سے اجازت مل جائے گی، اسی طرح سفارش کی اجازت بھی ان لوگوں کے حق میں ہوگی جن کے لئے اجازت ہوگی اور یہ اجازت مومن گنہ گاروں کے لئے ہوگی، کافروں مشرکوں اور اللہ کے باغیوں کے لئے نہیں، قرآن کریم نے ان دونوں کی دوسری جگہ وضاحت فرمادی ہے مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ، وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى.

آیات مذکورہ میں حکم ربانی نزول کے وقت فرشتوں کا مدہوش ہو جانا پھر آپس میں ایک دوسرے سے پوچھ تاچھ کرنے کا ذکر ہے، اس کا بیان صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ کی روایت میں اس طرح آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کوئی حکم نافذ فرماتے ہیں تو سب فرشتے خشوع وخضوع سے اپنے پر مارنے لگتے ہیں، اور مدہوش جیسے ہو جاتے ہیں، جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ اور ہیبت وجلال کا اثر دور ہو جاتا ہے تو کہتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ دوسرے فرشتے کہتے ہیں کہ فلاں حکم حق فرمایا ہے۔ (الحدیث)

بحث ومناظرہ میں مخاطب کی نفسیات کی رعایت اور اشتعال انگیزی سے پرہیز:

وَاِنَّا اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ یہ کفار ومشرکین سے خطاب ہے، دلائل واضحہ، براہین قاطعہ سے اللہ تعالیٰ کا خالق ومالک اور قادر مطلق ہونا واضح کر دیا گیا، بتوں اور غیر اللہ کی بے بسی اور کمزوری کا مشاہدہ کرا دیا گیا، ان سب باتوں کے بعد موقع اس کا تھا کہ مشرکین کو خطاب کر کے کہا جاتا کہ تم جاہل اور گمراہ ہو، خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں اور شیاطین کی پرستش کرتے ہو، مگر قرآن حکیم نے اس جگہ حکیمانہ عنوان اختیار کیا جو دعوت وتبلیغ اور مخالفین اسلام اور اہل باطل سے بحث ومناظرہ کرنے والوں کے لئے ایک اہم ہدایت نامہ ہے کہ اس آیت میں ان کو کافر اور گمراہ کہنے کے بجائے عنوان یہ رکھا کہ ان دلائل واضحہ کی روشنی میں یہ تو کوئی سمجھ دار آدمی نہیں کہہ سکتا کہ توحید وشرک دونوں باتیں حق ہیں اور اہل توحید اور مشرک دونوں حق پر

ہیں، بلکہ یقینی بات ہے کہ ان دونوں میں سے ایک فریق حق پر اور دوسرا گمراہی پر ہے، اب تم خود سوچ لو اور فیصلہ کرلو کہ ہم حق پر ہیں یا تم، مخاطب کا فر اور گمراہ کہنے سے اشتعال میں آجاتا، اس لئے اس سے احتراز کیا گیا ہے اور ایسا مشفقانہ انداز اختیار کیا گیا کہ سنگدل مخاطب بھی غور کرنے پر مجبور ہوجائے۔ (قرطبی وبیان القرآن بحواله معارف)

کافَّةً للنَّاس عربی محاورہ میں کافة کا لفظ عموم وشمول کو بیان کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے جس سے کوئی مستثنیٰ نہ ہو، اصل عبارت کا ترکیبی تقاضہ یہ تھا کہ للناسِ کافَّةً کہا جاتا، کیونکہ للناس، کافّةً سے حال ہے، مگر عموم بعثت کے اہتمام کو بیان کرنے کے لئے لفظ کافة مقدم کردیا گیا۔

رسول اللہ ﷺ سے پہلے جتنے بھی انبیاء تشریف لائے ان کی رسالت ونبوت کسی خاص قوم یا خاص خطہ کے لئے تھی، یہ آپ ﷺ کی خصوصیت اور فضیلت کا بیان ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت تمام دنیا کے لئے عام ہے خواہ جن ہوں یا انس اور قیامت تک کے لئے ہے، آپ کی نبوت کا تا قیامت باقی رہنا اس کا متقاضی ہے کہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہوں۔

صحیح بخاری ومسلم میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں کہ جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئی (١) ، ایک مہینہ کی مسافت پر دشمن کے دل میں میری دھاک بٹھانے سے میری مدد فرمائی گئی ہے (٢) تمام روئے زمین میرے لئے مسجد اور طہور کردی گئی ہے، جہاں نماز کا وقت ہوجائے نماز پڑھ لے مسجد میں جانا ضروری نہیں ہے (اور اگر پانی نہ ملے تو تیمّم کرلے) (٣) مال غنیمت میرے لئے حلال کردیا گیا ہے جو مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں تھا (٤) مجھے شفاعت کا حق دیا گیا ہے (٥) پہلے نبی صرف اپنی قوم کے لئے بھیجا جاتا تھا مجھے کائنات کے تمام انسانوں کے لئے مبعوث کیا گیا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب التیمم، صحیح مسلم کتاب المساجد)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا من اَہلِ مَكَّةَ **لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ** اى تقدمه كالتَّورةِ والاِنْجِيْلِ الدَّالَّيْنِ عَلَى البَعْثِ لِاِنْكَارِهِم له قال تعالى فيهم **وَلَوْ تَرٰٓى** يا مُحَمَّدُ **اِذِ الظّٰلِمُوْنَ** الكافِرُوْنَ **مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ اِۨلْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا** الاتباعُ **لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا** الرُّؤَسَاءِ **لَوْلَآ اَنْتُمْ** صَدَدْتُمُوْنَا عن الاِيْمان **لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ** ﴿٣١﴾ بالنَّبِيِّ **قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ** لا **بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ** ﴿٣٢﴾ في اَنفُسِكُم **وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ** اى مَكْرٌ فيهما مِنكم بنا **اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ** شُرَكَاءَ **وَاَسَرُّوا** اى الفَرِيْقان **النَّدَامَةَ** علي تَرْكِ الاِيْمان **لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۭ** اى اَخفاها كُلٌّ عن رَفِيْقِه مَخافَةَ التَّعْيِيْرِ **وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْٓ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ** في النَّار **هَلْ** ما **يُجْزَوْنَ اِلَّا** جزاءَ **مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ** ﴿٣٣﴾ في الدُّنيا **وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ** رُؤَسَاءُ ہا المُتَنَعِّمُوْنَ **اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ** ﴿٣٤﴾ **وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ** مِمَّنْ اٰمَنَ **وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ** ﴿٣٥﴾

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ یُوَسِّعُہٗ لِمَنْ یَّشَآءُ اِمْتِحَانًا وَیَقْدِرُ یُضَیِّقُہٗ لِمَنْ یَّشَاءُ اِبْتِلَاءً وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ ای کُفَّارَ مَکَّۃَ لَا یَعْلَمُوْنَ ذلك.

ترجمہ: اور مکہ کے کافر کہتے ہیں کہ ہم ہرگز اس قرآن کو نہ مانیں گے اور نہ ان کتابوں کو جو اس سے پہلے کی ہیں جیسا کہ تورات اور انجیل جو مرنے کے بعد زندہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں، ان کے بعث بعد الموت کا منکر ہونے کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا اور اے محمد اگر آپ ان ظالموں کافروں کو اس وقت دیکھیں جب وہ اپنے رب کے سامنے کھڑے ہوئے (آپس میں) ایک دوسرے کو الزام دے رہے ہوں گے کمزور درجہ کے لوگ یعنی متبعین بڑے لوگوں سے یعنی سرداروں سے کہیں گے اگر تم ہم کو ایمان سے روکنے والے نہ ہوتے تو ہم نبی کو ماننے والے ہوتے یہ بڑے لوگ کمزوروں کو جواب دیں گے کہ کیا تمہارے پاس ہدایت آجانے کے بعد ہم نے تم کو اس سے روکا تھا؟ نہیں بلکہ تم خود ہی قصوروار تھے (اس کے جواب میں) کمزور لوگ متکبروں سے کہیں گے، بلکہ ہمارے ساتھ تمہاری رات ودن کی تدبیروں نے روکا تھا جب تم کہتے تھے کہ اللہ کے ساتھ کفر کرو اور اس کا شریک ٹھہراؤ اور دونوں فریق جب عذاب کو دیکھیں گے تو ترک ایمان پر ندامت کو چھپائیں گے یعنی ہر فریق اپنے مخالف سے شرم دلانے کے خوف سے ندامت کو چھپائے گا اور جہنم میں ہم کافروں کے گلے میں طوق ڈالدیں گے ان کو صرف دنیا میں ان کے کئے ہوئے کرتوتوں کا بدلہ دیا جائے گا اور ہم نے تو جس بستی میں جو بھی آگاہ کرنے والا (رسول) بھیجا وہاں کے خوشحال لوگوں یعنی خوشحال سرداروں نے یہی کہا کہ جو چیز دے کر تم کو بھیجا گیا ہے ہم اس کے منکر ہیں، اور کہا ہم مال واولاد میں ایمان والوں سے بڑھے ہوئے ہیں یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم کو عذاب دیا جائے، آپ کہہ دیجئے میرا رب جس کی چاہے بطور آزمائش روزی کشادہ کردیتا ہے اور امتحاناً جس کی چاہے روزی تنگ کردیتا ہے، لیکن اکثر لوگ یعنی کفار مکہ اس بات کو نہیں جانتے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: وَلَوْ تَرٰی، لَوْ کا جواب اور تَرٰی کا مفعول محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے وَلَوْ تَرٰی حَالَ الظالمین وَقْتَ وقوفِھم عند رَبّھم لرأیتَ اَمْرًا فظیعًا حالَ مفعول ہے اور لرأیتَ الخ جواب لو ہے۔

قولہ: اِذ الظالمون تری کا ظرف ہے۔

قولہ: یَرْجِعُ بَعْضُھُمْ یہ موقوفون کی ضمیر سے حال ہے۔

قولہ: یقول الذین استضعفوا، یرْجِعُ کی تفسیر ہے۔

قولہ: لَوْ لَا مبتداء ہے، اس کی خبر محذوف ہے، شارح نے اپنے قول صَدَدْتُمُوْنَا سے خبر محذوف کی طرف اشارہ

کردیا، اور لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ، لَوْلَا کا جواب ہے۔

قَوْلَهُ: اَنَحْنُ صَدَدْنَاكُمْ کے بعد شارح نے لَا مقدر مان کر اشارہ کردیا کہ اَنَحْنُ میں ہمزہ استفہام انکاری کے لئے ہے۔

قَوْلَهُ: بَلْ مكرُ الليل، مكرٌ فعل محذوف کا فاعل ہے تقدیر عبارت یہ ہے بَلْ صَدَدْنَا مكرُكُمْ بِنَا فِي الليلِ والنَّهَارِ، مكرُكُمْ میں كُمْ مضاف الیہ کو حذف کردیا اور اتساعاً ظرف کو مضاف الیہ کے قائم مقام کردیا۔

قَوْلَهُ: اِذْ تَامُرُوْنَنَا یہ مكرٌ کا ظرف ہے ای مكرُكُمْ وقتَ امرِكُمْ لنَا.

قَوْلَهُ: اَسَرُّوا جملہ حالیہ یا مستانفہ ہے۔

قَوْلَهُ: اِلَّا قالَ مُتْرَفُوهَا یہ قريةٍ سے حال ہے قرية اگرچہ نکرہ ہے مگر چونکہ سیاق نفی میں واقع ہے جس کی وجہ سے ذوالحال بننے کی گنجائش ہوگئی۔

قَوْلَهُ: مُتْرَفوها اصل میں مُتْرَفونَ بِها نون اضافت کی وجہ سے گر گیا یہ اِتْرَافٌ مفعول جمع مذکر ہے آسودہ، اور خوشحال لوگ۔

قَوْلَهُ: بِمَا اُرْسِلْتُمْ بِهٖ، کافِرُوْنَ سے متعلق ہے اہتمام اور رعایت فواصل کی وجہ سے مقدم کردیا، تقدیر عبارت یہ ہے ای کافِرُوْنَ بِمَا اُرْسِلْتُمْ بِهٖ.

تفسیر وتشریح

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مشرکین مکہ نے یہود سے آپ ﷺ کی نبوت کی علامات معلوم کیں، یہود نے جو علامات بتائیں تو وہ آپ ﷺ پر پوری طرح صادق آئیں، تو اس وقت مشرکین نے کہا کہ ہم نہ قرآن کو مانیں گے اور نہ اگلی کتابوں انجیل، تورات، زبور وغیرہ کو اس لئے کہ یہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں جہاں دیکھو وہی حساب وکتاب اور قیامت کا مضمون، سو ہم ان چیزوں کو ہرگز تسلیم کرنے والے نہیں ہیں۔

وَلَوْ تَرٰی میں خطاب آپ ﷺ کو بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ علامہ محلی نے اختیار کیا ہے اور ہر اس شخص کو بھی ہوسکتا ہے جس میں مخاطب بننے کی صلاحیت ہو، مطلب یہ ہے کہ اے مخاطب اگر تو ان مشرکین وکافرین کی اس حالت کو دیکھے کہ جب یہ لوگ اپنے رب کے روبرو سرافگندہ وشرمندہ کھڑے ہوں گے، اور ناکامی کا الزام ایک دوسرے پر ڈال رہے ہوں گے جیسا کہ دنیا میں بھی عام عادت یہی ہے، تو اے مخاطب تو ان کی عجیب حالت زار دیکھے گا، آگے اللہ تعالیٰ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا سے مشرکین کے آپس میں ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہرانے کو بیان فرما رہے ہیں، فرماتے ہیں دنیا میں جو لوگ نچلے طبقہ میں اور کمزور شمار ہوتے تھے اور دوسروں کے پیچھے چلتے تھے وہ اپنے سرداروں کو الزام دیں گے، کہ تم نے ہمیں اس مصیبت میں پھنسوایا، تمہاری طرف سے رکاوٹ نہ ہوتی تو ہم ضرور پیغمبروں کی بات مان لیتے اور یہ دن دیکھنا نہ پڑتا، قوم کے اونچے طبقہ کے لوگ کمزور

طبقہ کے لوگوں کو جواب دیں گے، کہ ہمارے پاس کونسی طاقت تھی کہ ہم تم کو ہدایت کے راستہ سے روکتے، حقیقت یہ ہے کہ جب تمہارے پاس حق بات پہنچ گئی تھی اور سمجھ میں آ گئی تھی تو کیوں قبول نہ کی؟ اور کیوں تم نے اس میں غور وفکر نہ کیا؟ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ تم اپنی خواہشات کی وجہ سے اسے قبول کرنے سے گریزاں رہے، اور آج اپنا جرم ہمارے سر ڈال کر ہمیں مجرم بنا رہے ہو، اس کے جواب میں کمزور طبقہ کے لوگ کہیں گے، بے شک تم نے زبردستی مجبور تو نہ کیا تھا، مگر رات دن مکر وفریب اور مغویانہ تدبیر سے ہم کو بہکاتے پھسلاتے رہے تھے، جب ملے یہی تلقین کی کہ پیغمبروں کے حکم وارشاد کے مطابق خدا کو ایک نہ مانیں بلکہ بعض مخلوقات کو بھی اس کا مماثل اور برابر کا شریک سمجھیں، آخر تمہاری شب وروز کی ترغیب وترہیب کا کہاں تک اثر نہ ہوتا؟ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ یعنی دونوں فریق ایک دوسرے پر الزام تراشی تو کریں گے، لیکن دل میں دونوں ہی فریق اپنے اپنے کفر پر شرمندہ ہوں گے، مگر شماتت اعداء کی وجہ سے ظاہر کرنے سے گریز کریں گے، گردنوں میں طوق اور ہاتھ پیروں میں زنجیریں پڑی ہوں گی، یعنی دنیا میں جیسا کچھ کیا ہوگا آج وہ سزا کی صورت میں ظاہر ہو رہا ہوگا، سچ ہے جیسا کرنا ویسا بھرنا وَمَا اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ یہ آپ ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے، کہ آپ مکہ کے رؤساء اور چودھریوں کے انحراف اور سرکشی سے مغموم نہ ہوں ہر زمانہ میں پیغمبروں کا مقابلہ ایسے ہی بدبخت رئیسوں اور شریروں نے کیا ہے، آپ کے ساتھ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، دولت وثروت کا نشہ اور اقتدار طلبی کا جذبہ آدمی کو اندھا کر دیتا ہے، وہ کسی کے سامنے گردن جھکانے اور چھوٹے آدمیوں کے برابر بیٹھنا گوارا نہیں کرتا، اسی لئے انبیاء کے پیرو کار عموماً ضعیف ومسکین لوگ ہوتے ہیں، حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کی قوم نے کہا تھا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ (الشعراء) وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ نے ہمیں دنیا میں مال واولاد کی کثرت سے نوازا ہے، تو اگر بقول شما قیامت برپا ہوئی بھی تو ہم وہاں بھی تم سے بہتر رہیں گے، اس لئے کہ ہم یہاں مال واولاد میں تم سے بہتر ہیں اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا ہم سے راضی اور خوش ہے اس لئے کہ کوئی بھی اپنے دشمن کو مال ودولت سے نہیں نوازا کرتا، جب خدا ہم سے خوش ہے تو ہمیں کسی عذاب کا بھی اندیشہ نہیں، تم فضول ہم کو عذاب کی دھمکیاں دیتے ہو قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَاءُ وَیَقْدِرُ اس آیت میں کفار کے مذکورہ مغالطہ اور شبہ کا ازالہ کیا ہے کہ رزق کی کشادگی اور تنگی اللہ کی رضا یا عدم رضا کی مظہر نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق اللہ کی حکمت ومشیت سے ہے، اس لئے کہ وہ مال اس کو بھی دیتا ہے جس کو پسند کرتا ہے اور اس کو بھی جس کو ناپسند کرتا ہے، مال واولاد کی فراوانی اور تنگی اس کی رضا وعدم رضا کا معیار نہیں ہے۔

وَمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰۤی قُرْبٰی ای تَقْرِیْبًا **اِلَّا** لٰكِنْ **مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا** ای جَزَاءُ العَمَلِ الحسنةِ مَثَلًا بعشرٍ فاكثرَ **وَهُمْ فِی الْغُرُفٰتِ** مِنَ الجنَّةِ **اٰمِنُوْنَ** بِنَ المَوْتِ وغيرِہ وفی قراءَۃٍ الغُرْفَةُ وہی بمَعْنَی الجَمْعِ **وَالَّذِیْنَ یَسْعَوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا** القراٰن بالاِبْطَالِ **مُعٰجِزِیْنَ** لَنَا مُقَدِّرِیْنَ عَجْزَنَا واَنَّهم يَفُوْتُوْنَنَا **اُولٰٓئِكَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ** یُوَسِّعُهٗ

لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ اِمْتِحَانًا وَيَقْدِرُ يُضَيِّقُهُ لَهٗ ط بَعْدَ الْبَسْطِ او لِمَنْ يَّشَاءُ اِبْتِلَاءً وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فِي الْخَيْرِ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ج وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۳۹﴾ يُقَالُ كُلُّ اِنْسَانٍ يَرْزُقُ عَائِلَتَهُ اي مِنْ رِزْقِ اللّٰهِ وَ اذْكُرْ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَاِبْدَالِ الْاُوْلٰى يَاءً وَاِسْقَاطِهَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۴۰﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ تَنْزِيْهًا لك عَنِ الشَّرِيْكِ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ اي لَا مُوَالَاةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ مِن جِهَتِنَا بَلْ لِلْاِنْتِقَالِ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ج الشَّيَاطِيْنَ اي يُطِيْعُوْنَهُم فِي عِبَادَتِهِم اِيَّانَا اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ مُصَدِّقُوْنَ فِيْمَا يَقُوْلُوْنَ لَهُم قال تعالٰى فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ اي بَعْضُ الْمَعْبُوْدِيْنَ لِبَعْضِ الْعَابِدِيْنَ نَّفْعًا شَفَاعَةً وَّلَا ضَرًّا تَعْذِيْبًا وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا كَفَرُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا مِنَ الْقُرْاٰنِ بَيِّنٰتٍ وَاضِحَاتٍ بِلِسَانِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ مِنَ الْاَصْنَامِ وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اي الْقُرْاٰنُ اِلَّآ اِفْكٌ كَذِبٌ مُّفْتَرًى ط عَلَى اللّٰهِ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ الْقُرْاٰنِ لَمَّا جَآءَهُمْ اِنْ مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴۳﴾ بَيِّنٌ قال تعالٰى وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ﴿۴۴﴾ فَمِنْ اَيْنَ كَذَّبُوْكَ وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا بَلَغُوْا اي هٰؤُلَاءِ مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِنَ الْقُوَّةِ وَطُوْلِ الْعُمْرِ وَكَثْرَةِ الْمَالِ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ اِلَيْهِم فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۵﴾ ع اِنْكَارِيْ عَلَيْهِم بِالْعُقُوْبَةِ وَالْاِهْلَاكِ اي هُوَ وَاقِعٌ مَوْقِعَهٗ.

ترجمہ: اور تمہارے مال واولاد ایسی چیز نہیں جو تم کو ہمارا مقرب بنادیں، ہاں! جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان کے لئے ان کے اعمال کا دوہرا اجر ہے مثلاً نیک اعمال کی جزاء دس گنا یا اس سے بھی زیادہ اور وہ جنت کے بالاخانوں میں موت وغیرہ سے بےخوف ہوں گے اور ایک قراءت میں اَلْغُرْفَةُ ہے اور یہ معنی میں جمع کے ہے، اور وہ لوگ جو ہماری آیتوں قرآن کے باطل کرنے کی تگ ودو میں ہم کو عاجز سمجھ کر لگے رہتے ہیں، یہ سمجھ کر کہ ہم سے بچ کر نکل جائیں گے، یہی ہیں وہ جو عذاب میں پکڑ کر حاضر کئے جائیں گے، آپ کہہ دیجئے میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کی چاہے روزی امتحاناً کشادہ کردیتا ہے اور اسی کی یا جس کی چاہے کشادگی کے بعد ابتلاءً روزی تنگ کردیتا ہے اور تم جو کچھ بھی کار خیر میں خرچ کروگے اللہ اس کا بدلہ دے گا اور وہ بہترین روزی رساں ہے، کہا جاتا ہے کہ ہر انسان اپنے اہل وعیال کو روزی دیتا ہے یعنی اللہ کے رزق سے اور وہ دن قابل ذکر ہے جس دن اللہ تعالیٰ ان سب مشرکوں کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے ارشاد فرمائے گا کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کیا کرتے تھے؟ دونوں ہمزوں کی تحقیق کے ساتھ اور پہلے ہمزہ کو یاء سے بدل کر اور اس کو ساقط کرکے وہ عرض کریں گے تو شرک سے پاک ہے ہمارا ولی تو تو ہے نہ کہ وہ یعنی ہمارے اور ان کے درمیان ہماری طرف سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ لوگ تو شیاطین کو پوجتے تھے یعنی ہماری بندگی کرنے میں ان کی اطاعت کرتے تھے ان میں کے اکثر کا انہی پر ایمان تھا یعنی وہ جو کچھ ان سے کہتے

تھے اسی کی تصدیق کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کوئی کسی کو یعنی کوئی معبود کسی عابد کو نہ شفاعت کا نفع پہنچانے کا اختیار رکھتا ہے اور نہ عذاب دینے کا، اور ہم ظالموں کافروں سے کہہ دیں گے کہ اس آگ کا عذاب چکھو جسے تم جھٹلا رہے تھے اور جب ان لوگوں کے سامنے قرآن کی آیتیں جو صاف صاف ہیں ہمارے نبی محمد ﷺ کی زبانی پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ ایسا شخص ہے جو تم کو تمہارے باپ دادوں کے معبودوں سے یعنی بتوں سے روک دینا چاہتا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ قرآن محض اللہ پر لگایا ہوا بہتان ہے، اور کافر اس حق یعنی قرآن کی نسبت جبکہ وہ ان کے پاس آچکا کہتے ہیں کہ یہ محض ایک صریح جادو ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہ تو ہم نے ان کو کتابیں دے رکھی ہیں جنہیں یہ پڑھتے ہوں اور نہ ہم نے ان کے پاس آپ سے پہلے کوئی آگاہ کرنے والا بھیجا پھر یہ آپ کو کس طرح جھٹلاتے ہیں، اور ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی تکذیب کی تھی اور انہیں جو کچھ ہم نے دے رکھا تھا یہ تو اس کے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے یعنی قوت اور درازی عمر اور کثرت مال میں بس ان لوگوں نے ان کی طرف بھیجے ہوئے میرے رسولوں کو جھٹلایا (پھر دیکھ) ان پر سزا اور ہلاکت کے اعتبار سے میرا عذاب کیسا رہا؟ یعنی وہ بر موقع واقع ہوا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: وَمَا اَمْوَالُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰى، وَمَا اَمْوَالكم جملہ مستانفہ ہے، ماسبق کی تحقیق وتقریر کے لئے لایا گیا ہے، ما مشابہ بلیس ہے، اموالکم اپنے معطوف کے ساتھ اس کا اسم ہے، بالتی موصول صلہ سے مل کر امــوال و اولاد کی صفت ہے اگر چہ موصوف صفت میں بظاہر مطابقت نہیں ہے مگر چونکہ جمع تکسیر خواہ ذوی العقول کی ہو یا غیر ذوی العقول کی واحد مؤنث کے حکم میں ہوتی ہے، اس اعتبار سے موصوف وصفت میں مطابقت ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بالّتیْ موصوف محذوف کی صفت ہو، تقدیر عبارت یہ ہو بالاَحْوَالِ الَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ مفسر علام نے زُلْفٰى کی تفسیر قُربٰى سے کر کے اشارہ کردیا کہ زُلْفٰى، تُقَرِّبُكُمْ کا مفعول مطلق بغیر لفظہ ہے ای تُقَرّبکم تقرِیْبًا.

قولہ: اُولٰئِكَ اسم اشارہ مبتدا ہے اور مشارالیہ مَنْ آمَنَ میں مَنْ ہے اور اُولٰئِكَ جمع مَنْ کے معنی کے اعتبار سے ہے، دونوں فعلوں کو مَنْ کے لفظ کی رعایت سے مفرد لائے ہیں۔

قولہ: لَهُمْ خبر مقدم اور جــزاء الـضعف مبتداء مؤخر، جملہ اسمیہ ہو کر اُولٰئِكَ مبتداء کی خبر ہے اور جَـزَاءُ الـضِّعْفِ اضافت الموصوف الی الصفت کے قبیل سے ہے ای لهم الجزاء المضاعف ایک قراءت میں اَلْغُرْفَةُ ہے الف لام جنس کا ہونے کی وجہ سے معنی میں جمع کے ہے۔

قولہ: مقدرین عجزنا ای معتقدین اَنَّنا عَاجِزُوْنَ فلا نَقْدِرُ علیهم.

قولہ: قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ الخ اس آیت کے بارے میں بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ آیت مکرر ہے اور ماقبل کی تاکید کے لئے ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ آیت اول کی غیر ہے، اول اشخاص متعددہ کے لئے ہے یعنی کسی

کی روزی کشادہ اور کسی کی تنگ کرتا ہے اور یہ آیت شخص واحد کے لئے ہے یعنی ایک ہی شخص کی روزی ایک وقت میں کشادہ کرتا ہے اور اسی شخص کی دوسرے وقت میں تنگ کر دیتا ہے۔

قولہ: فَهُوَ يُخلِفُهٗ یعنی اللہ تعالیٰ راہ خدا میں خرچ کئے ہوئے کا بدل اور عوض عطا فرما دیتا ہے۔

قولہ: يقالُ كُلُّ اِنسانٍ يَرْزُقُ عائِلَتَهٗ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: سوال یہ ہے کہ رازقین کو جمع لایا گیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے رازق کثیر ہیں حالانکہ رازق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

جواب: حقیقی رازق تو اللہ تعالیٰ ہی ہیں چونکہ بندہ بظاہر خدا کے عطا کردہ رزق میں سے اپنے اہل وعیال، نوکر چاکروں کو رزق دیتا ہے اس لئے مجازاً بندہ کو بھی رازق کہہ دیا جاتا ہے، اسی وجہ سے بندہ کو رازق کہہ سکتے ہیں مگر رزّاق نہیں کہہ سکتے، اس لئے کہ یہ اسماء حسنیٰ مختصہ میں سے ہے۔

قولہ: اکثَرُهم بِهِمْ مُؤمنون، اکثرهم مبتداء مؤمنون اس کی خبر بِهِمْ، مؤمنونَ سے متعلق ہے اور اکثر سے مراد کل ہیں۔

قولہ: نَقُوْلُ کا عطف لا يَمْلِكُ پر ہے۔

قولہ: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا یہاں ضمیر لانا بھی کافی ہوسکتا تھا، اس لئے کہ کفار ومشرکین کا ذکر سابق میں ہو چکا ہے، یعنی قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا کے بجائے وَقَالُوْا کہتے مگر چونکہ اس میں ان کی صفت کفر کو ظاہر کرنے کی وجہ سے قباحت وشناعت زیادہ ہے، اس لئے اسم ضمیر کے بجائے اسم ظاہر استعمال کیا ہے۔

قولہ: المِعْشَار دسواں حصہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ دسویں کا دسواں یعنی سوواں حصہ، مقصد تحدید نہیں ہے بلکہ بیان قلت ہے اگر فکذبوا رُسُلی کا عطف كَذَّبَ الذينَ من قبلِهِمْ پر ہو تو ما بَلَغُوْا مِعْشار ما آتيناهم معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان جملہ معترضہ ہوگا۔

تفسیر وتشریح

دنیا کی دولت وعزت کو مقبولیت عند اللہ کی دلیل سمجھنا قدیم شیطانی فریب ہے:

ابتداء دنیا سے دنیا کی دولت اور عیش وعشرت کے نشہ میں مخمور رہنے والوں نے ہمیشہ حق کی آواز کی مخالفت اور انبیاء وصلحاء سے عداوت کا طریقہ اختیار کیا ہے، الا ماشاء اللہ اور اس پر طرہ یہ کہ وہ اہل حق کے مقابلہ میں اپنی موجودہ حالت پر خوش اور مطمئن ہونے کی یہ دلیل بھی دیتے ہیں کہ اگر ہمارے اعمال وعادات اللہ کو پسند نہ ہوتے تو ہمیں دنیا کی دولت، عزت، حکومت کیوں دیتے، قرآن کریم نے اس کا جواب متعدد آیات میں متعدد عنوانات سے دیا ہے، آیات مذکورہ کا نزول بھی اسی طرح کے ایک واقعہ سے متعلق ہے اور اس لغو دلیل کا جواب ہے۔

شانِ نزول:

حدیث میں ہے کہ زمانہ جاہلیت میں دو شخص ایک کاروبار میں شریک تھے، ان میں سے ایک دوسری جگہ کسی ساحلی علاقہ میں چلا گیا، جب آپ ﷺ مبعوث ہوئے، آپ کی نبوت و رسالت کا چرچا ہوا تو ساحلی ساتھی نے مکی ساتھی کو خط لکھ کر دریافت کیا کہ ان کے دعوائے نبوت کا تم لوگوں نے کیا اثر لیا، اس پر مکی ساتھی نے جواب لکھا کہ قریش میں سے تو کوئی بھی ان کا تابع نہیں ہوا، صرف غریب مسکین بے حیثیت لوگ ان کے پیچھے لگے ہیں، ساحلی ساتھی وہاں کی اپنی تجارت چھوڑ کر مکہ آیا، اور اپنے ساتھی سے کہا مجھے اس کا پتہ بتادو، یہ ساحلی ساتھی کتب قدیمہ توریت انجیل وغیرہ کا مطالعہ کیا کرتا تھا، آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں، آپ نے دعوت اسلام کے اہم اجزاء کا ذکر فرمایا، اس شخص نے آپ کی زبان مبارک سے دعوت کے اجزاء سنتے ہی کہا اَشْھَدُ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ تجھے کیسے معلوم ہوا کہ میں اللہ کا رسول ہوں، اس نے عرض کیا آپ کی دعوت کا حق ہونا عقل سے سمجھا، اور اس کی علامت یہ دیکھی کہ جتنے انبیاء علیہم السلام پہلے آئے ہیں سب کے ماننے والے ابتداء میں قوم کے غریب وفقیر اور دنیا کے اعتبار سے کم حیثیت ہوئے ہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی مَا اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَۃٍ. (الآیۃ)

خلاصہ یہ کہ یہ مال ودولت اس کی دلیل نہیں ہے کہ ہمیں تم سے محبت ہے اور ہماری بارگاہ میں تمہیں خاص مقام حاصل ہے، ہماری محبت اور قرب حاصل کرنے کا ذریعہ تو صرف ایمان وعمل صالح ہے، جس طرح حدیث میں فرمایا گیا ہے، اللہ تعالیٰ تمہاری شکلیں اور مال نہیں دیکھتا، وہ تو تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب البر)

جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ مال کی کثرت اور فراوانی مقبولیت عند اللہ کی دلیل نہیں تو اللہ تعالیٰ کبھی کافر کو بھی خوب مال دیتا ہے، لیکن یہ استدراج (ڈھیل) کے طور پر ہوتا ہے، اور کبھی مومن کو تنگ دست رکھتا ہے، مگر اس کے اجر وثواب میں اضافہ کرنے کے لئے، اس لئے محض مال کی فراوانی اس کی رضا اور خوشنودی کی اور مال کی کمی تنگی کی دلیل نہیں ہے۔

''اِخلاف'' کے معنی ہیں عوض اور بدلہ دینا، یہ بدلہ دنیا میں بھی ممکن ہے اور آخرت میں تو یقینی ہے، حدیث قدسی میں ہے اَنْفِقْ اُنْفِقْ عَلَیْکَ (صحیح بخاری سورۂ ہود) تو خرچ کر میں تجھ پر خرچ کروں گا، یعنی بدلہ دوں گا، دو فرشتے ہر روز اعلان کرتے ہیں، ایک کہتا ہے اَللّٰھُمَّ اَعْطِ مُمْسِکًا تَلَفًا یا اللہ بخیل کے مال کو ضائع کردے، دوسرا کہتا ہے اَللّٰھُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا اے اللہ خرچ کرنے والے کو بدلہ عطا کر۔ (بخاری، کتاب الزکوٰۃ)

جو خرچ شریعت کے مطابق نہ ہو اس کے بدل کا وعدہ نہیں:

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، نیک کام صدقہ ہے اور کوئی آدمی جو اپنے نفس پر یا اپنے عیال پر خرچ کرتا ہے وہ بھی صدقہ کے حکم میں ہے، اور جو شخص کچھ خرچ کر کے اپنی آبرو بچائے وہ بھی صدقہ ہے، اور جو شخص

اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ذمہ لے لیا ہے کہ اس کا بدل اس کو دے گا، مگر وہ خرچ جو فضول (ضرورت سے زائد) ہو یا کسی گناہ کے کام میں ہو اس کے بدل کا وعدہ نہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد ابن المنکد رنے یہ حدیث سن کر ان سے پوچھا کہ آبرو بچانے کے لئے خرچ کا کیا مطلب ہے؟ جواب دیا کہ جس شخص کے بارے میں یہ خیال ہو کہ اگر نہیں دیں گے تو عیب جوئی کرے گا برا کہتا پھرے گا یا بدگوئی کرے گا۔ (دارقطنی، قرطبی بحواله معارف)

وَكَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ یہ کفار کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ تم نے انکار و تکذیب کا جو راستہ اختیار کیا ہے وہ نہایت خطرناک ہے تم سے پچھلی امتیں بھی اس راستہ پر چل کر تباہ و برباد ہو چکی ہیں، حالانکہ یہ امتیں مال و دولت، قوت و طاقت اور عمر کے لحاظ سے تم سے بڑھ کر تھیں، تم تو ان کے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے، لیکن اس کے باوجود وہ اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکیں، اسی مضمون کو سورۂ احقاف کی آیت ٢٦ میں بھی بیان فرمایا ہے۔

قُلْ إِنَّمَا أَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۖ ہی أَنْ تَقُومُوا لِلَّهِ ای لِاَجلِہٖ مَثْنَىٰ ای اِثْنَینِ اِثْنَینِ وَفُرَادَىٰ ای وَاحِدًا وَاحِدًا ثُمَّ تَتَفَكَّرُوا ۚ فتعلموا مَا بِصَاحِبِكُمْ محمد مِنْ جِنَّةٍ ۚ جُنُونٍ إِنْ ما هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ ای قبلَ عَذَابٍ شَدِيدٍ ﴿٤٦﴾ فی الاٰخرۃِ اِن عَصَیتُمُوہ قُلْ لہم مَا سَأَلْتُكُمْ علی الاِنذارِ والتَّبلیغِ مِنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۖ ای لا اسالُکم علیہ اَجرًا إِنْ أَجْرِيَ ما ثَوابِیَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿٤٧﴾ مُطَّلِعٌ یَعلَمُ صِدقِی قُلْ إِنَّ رَبِّي يَقْذِفُ بِالْحَقِّ يُلقِیہِ الی اَنبیائِہٖ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴿٤٨﴾ ماغابَ عَن خَلقِہٖ فی السَّمٰوٰتِ والاَرضِ قُلْ جَاءَ الْحَقُّ الاِسلامُ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ الکُفرُ وَمَا يُعِيدُ ﴿٤٩﴾ ای لم یَبقَ لہ اَثَرٌ قُلْ إِنْ ضَلَلْتُ عَنِ الحَقِّ فَإِنَّمَا أَضِلُّ عَلَىٰ نَفْسِي ۖ ای اِثمُ ضَلالِی علیہا وَإِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوحِي إِلَيَّ رَبِّي ۚ مِنَ القراٰنِ والحِکمَۃِ إِنَّهُ سَمِيعٌ لِلدُّعاءِ قَرِيبٌ ﴿٥٠﴾ وَلَوْ تَرَىٰ یا محمدُ إِذْ فَزِعُوا عِندَ البَعثِ لَرَأیتَ اَمرًا عَظِیمًا فَلَا فَوْتَ لہم مِنَّا ای لا یَفُوتُونَنا وَأُخِذُوا مِنْ مَكَانٍ قَرِيبٍ ﴿٥١﴾ ای القُبُورِ وَقَالُوا آمَنَّا بِهِ ای بِمُحَمَّدٍ اَو القراٰنِ وَأَنَّىٰ لَهُمُ التَّنَاوُشُ بالوَاوِ وبالہمزَۃِ بَدلَہا ای تَناوُلُ الایمانِ مِنْ مَكَانٍ بَعِيدٍ ﴿٥٢﴾ عَن مَحَلِّہٖ اِذہم فِی الاٰخرۃِ ومَحَلُّہٗ الدُّنیا وَقَدْ كَفَرُوا بِهِ مِنْ قَبْلُ فی الدُّنیا وَيَقْذِفُونَ یَرمُونَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَكَانٍ بَعِيدٍ ﴿٥٣﴾ ای بما غابَ عِلمُہٗ عنہم غَیبَۃً بَعِیدَۃً حیثُ قالُوا فی النَّبیِّ ساحِرٌ شاعِرٌ کاہِنٌ وفی القراٰنِ سِحرٌ شِعرٌ کہانَۃٌ وَحِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ مِنَ الاِیمانِ ای قَبُولِہٖ كَمَا فُعِلَ بِأَشْيَاعِهِمْ اَشباہِہم فِی الکُفرِ مِنْ قَبْلُ ۚ ای قَبلِہم إِنَّهُمْ كَانُوا فِي شَكٍّ مُرِيبٍ ﴿٥٤﴾ مُوقِعِ الرِّیبَۃِ لہم فیما اٰمنُوا بہ الاٰنَ ولم یَعتَدُّوا بِدَلائِلِہٖ فی الدُّنیا۔

ع ٦ / ٩ / ١٢

ترجمہ: آپ کہئے کہ میں تمہیں صرف ایک (مختصر سی) بات کی نصیحت کرتا ہوں وہ یہ کہ تم خدا کے واسطے (ضد چھوڑ کر) دو دو یا تنہا تنہا کھڑے (مستعد) ہو جاؤ، پھر سوچو تو تم سمجھ جاؤ گے کہ تمہارے ساتھی محمد کو کوئی جنون نہیں وہ تو تم کو آخرت کے ایک سخت عذاب سے اس کے آنے سے پہلے ڈرانے والا ہے اگر تم اس کی بات نہ مانو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میں تم کو آگاہ کرنے اور تبلیغ پر تم سے جو معاوضہ طلب کروں وہ تم ہی کو مبارک ہو یعنی میں اس انذار و تبلیغ پر تم سے کوئی صلہ طلب نہیں کرتا، میرا صلہ تو اللہ ہی کے ذمہ ہے وہ ہر چیز سے باخبر ہے میری صداقت سے واقف ہے آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب حق بات اپنے نبیوں پر نازل کرتا ہے آسمانوں اور زمینوں میں جو شئ اس کی مخلوق میں سے مخفی ہے اس مخفی شئ کو جاننے والا ہے، آپ کہہ دیجئے حق اسلام آ گیا اور باطل کفر نہ تو پہلے کچھ (اثر) کر سکا اور نہ بعد میں اس کا کچھ اثر رہے گا، آپ کہہ دیجئے اگر میں (خدانخواستہ) حق سے بہک جاؤں تو میرے بہکنے کا وبال میرے ہی اوپر ہوگا اور اگر میں ہدایت پر رہوں تو یہ اس قرآن و حکمت کی وجہ سے ہے جو میرا رب میرے پاس بذریعہ وحی بھیج رہا ہے، وہ دعاء کو سننے والا اور (مجھ سے) قریب ہے اے محمد آپ وہ وقت ملاحظہ کریں جبکہ بعث کے وقت وہ (کافر) گھبرائے پھریں گے تو آپ ایک بڑا ہولناک منظر دیکھیں گے، تو پھر ان کے لئے چھٹکارا نہیں یعنی ہماری گرفت سے بھاگ نکلنے کی کوئی صورت نہ ہوگی اور قریب ہی یعنی قبروں ہی سے گرفتار کر لئے جائیں گے (اس وقت) کہیں گے ہم اس پر یعنی محمد یا قرآن پر ایمان لائے اتنی دور سے ان کے لئے (ایمان) ہاتھ آنا کہاں ممکن ہے؟ اَلتَّنَاوُشُ واؤ کے ساتھ اور واؤ کے عوض ہمزہ کے ساتھ ہے یعنی ایمان حاصل ہونا (کہاں ممکن ہے؟) اس لئے کہ وہ (اب) عالم آخرت میں ہیں، اور ایمان کا محل دنیا ہے، حالانکہ اس سے پہلے دنیا میں اس کا انکار کر چکے ہیں اور دور ہی دور سے بے تحقیق (اندازے اور اٹکل سے) باتیں ہانکتے رہے یعنی ایسی باتیں کرتے رہے کہ جن کے علم سے وہ کوسوں دور تھے، اس طریقہ پر کہ انہوں نے نبی ﷺ کے بارے میں (کبھی) ساحر کہا (کبھی) شاعر کہا، اور (کبھی) کاہن کہا، اور قرآن کے بارے میں (کبھی) سحر کہا (کبھی) شعر کہا (اور کبھی) کہانت کہا، ان کے اور ان کی ایمان کی آرزؤں کے درمیان پردہ حائل کر دیا گیا یعنی قبولیت ایمان کے درمیان جیسا کہ اس سے پہلے بھی کفر میں ان کے ہم مشربوں کے ساتھ کیا گیا وہ بھی ان ہی کی طرح تردد میں ڈالنے والے شک میں پڑے ہوئے تھے جس بات پر اب ایمان لائے ہیں، اس کے بارے میں شک میں ڈالنے والے تردد میں پڑے رہے، حالانکہ دنیا میں اس ایمان کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: بِوَاحِدَۃٍ یہ موصوف محذوف کی صفت ہے ای بِـخَـصْـلَـۃٍ وَاحِدَۃٍ اور حذف پر قرینہ اَنْ تَـقُـوْمُـوْا لِلّٰہِ ہے اَنْ تَقُوْمُوْا بتاویل مصدر ہو کر ھِیَ مبتداء محذوف کی خبر ہے جیسا کہ شارح نے ھِیَ محذوف مان کر اشارہ کر دیا ہے اور اَنْ تَقُوْمُوْا

بتاویل مصدر ہوکر بو احِدَةٍ کا عطف بیان یا بدل ہے ان دونوں صورتوں میں اَنْ تَقُوْمُوْا محلاً مجرور ہوگا۔

قولہ: ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا. ثم حرف عطف برائے تاخیر وترتیب ہے اور تَتَفَكَّرُوْا کا عطف اَنْ تَقُوْمُوْا پر ہے اور مثنٰی وفُرَادٰی حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں، بِصَاحِبِكُمْ خبر مقدم مِنْ جِنَّةٍ مبتداء مؤخر محلاً مرفوع اور لفظاً مجرور ہے مِنْ زائدہ ہے۔

قولہ: مَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ اجرٍ فَهُوَ لَكُمْ ما شرطیہ سألتُكُمْ کا مفعول ثانی مقدم ہے اور مِنْ اجرٍ، ما کا بیان ہے اور فَهُوَ لَكُمْ جواب شرط ہے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ ما موصول مبتداء ہو اور فَهُوَ لكم اس کی خبر ہو اور موصول چونکہ متضمن بمعنی شرط ہے اس لئے فَهُوَ پر فا رابطہ کے لئے ہے، اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ اس بات پر دال ہے کہ آپ نے انذار وتبلیغ کے عوض کسی چیز کا مطالبہ نہیں کیا۔

قولہ: يَقْذِفُ بالحَقِّ. يَقْذِفُ کا مفعول محذوف ہے ای يَقْذِفُ البَاطِلَ بالحَقِّ، دوسری ترکیب، جس کی طرف شارح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اشارہ کیا ہے یہ ہو سکتی ہے کہ با ملابست کے لئے ہو اور مفعول محذوف ہو، تقدیر عبارت یہ ہوگی يَقْذِفُ الوحی الی اَنبیائِهٖ مُتَلَبِّسًا بالحقِّ.

قولہ: عَلَّامُ الغيوب. اِنَّ کی خبر ثانی ہے یا هُوَ مبتداء محذوف کی خبر ہے، اور يَقْذِفُ کی ضمیر سے بدل بھی ہو سکتا ہے۔

قولہ: مَاغَابَ عَنْ خَلْقِهٖ اللہ تعالیٰ مغیبات کا بخوبی جاننے والا ہے، ماغابَ پر مغیبات کا اطلاق مخلوق کے اعتبار سے ہے ورنہ اس کے نزدیک ماضی حال سب مشاہد ہے، اسی سوال مقدر کے جواب کے لئے شارح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے مَاغَابَ عن خَلْقِهٖ کا اضافہ کیا ہے۔

قولہ: فَبِمَا يُوْحِیْ اِلَیَّ رَبِّیْ ما مصدریہ بھی ہو سکتا ہے اور با سببیہ ہے ای بسبَبِ اِيْحَاءِ رَبِّیْ اِلَیَّ اور موصولہ بھی ہو سکتا ہے ای بسبب الَّذِیْ يُوْحِيْهِ اِلَیَّ.

قولہ: وَلَوْ تَرٰی اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ ترٰی کا مفعول محذوف ہو، تقدیر عبارت یہ ہوگی، لَوْ تَرٰی حالَهُمْ وقتَ فَزْعِهِمْ.

قولہ: لَرَأيتَ امْرًا عظيمًا مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ لَوْ کا جواب شرط محذوف ہے۔

قولہ: تَنَاوُشُ اس میں دو قراءتیں ہیں واؤ پر ضمہ کے ساتھ اور واؤ کو ہمزہ سے بدل کر تناؤش بروزن تفاعل ناشَ يَنُوْشُ (ن) نوشًا لینا، پکڑنا۔

قولہ: وَقَدْ كَفَرُوْا یہ جملہ حالیہ ہے حال یہ ہے کہ وہ دنیا میں کفر کر چکے ہیں۔

قولہ: وَيَقْذِفُوْنَ بالغَيْبِ اس کا عطف حکایت حال ماضیہ کے طور پر قد كَفَرُوْا پر ہے۔

قولہ: بِاَشْيَاعِهِمْ ای اَشْبَاهِهِمْ فی الكُفْرِ. اشيَاع شِيَعٌ کی اور شِيَعٌ شِيْعَةٌ کی جمع ہے اس طرح اَشيَاعٌ شِيْعَةٌ کی جمع الجمع ہے۔

قَوْلُہٗ: وَحِیْلَ فعل ماضی مجہول، استقبال کے معنی میں ہے ماضی سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے استقبال بھی ماحصل کے معنی میں ہے، ظرف نائب فاعل ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ نائب فاعل وہ ضمیر ہے جو فعل سے مفہوم مصدر کی طرف راجع ہے، کَاَنَّہٗ قیل وحیلَ ھُوَ، ای الحولُ اور ظرف حیلَ کے متعلق ہے۔

قَوْلُہٗ: وِمِنْ قَبْلُ یہ اَشْیاع کی صفت ہے۔

قَوْلُہٗ: وَلَمْ یَعْتَدُوْا. آمَنُوْا کی ضمیر سے حال ہے۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْح

کفار مکہ کو دعوت:

اس میں اہل مکہ پر حجت تمام کرنے کے لئے تحقیق حق کا مختصر راستہ بتلایا گیا ہے، کہ صرف ایک کام کرلو کہ ضد اور عناد چھوڑ کر خالی الذہن ہو کر اخلاص کے ساتھ دو دو یا ایک ایک کھڑے ہو جاؤ یعنی پورے اہتمام کے ساتھ مستعد اور تیار ہو جاؤ، اور دو دو اور ایک ایک سے مقصد تحدید نہیں ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ کسی چیز میں غور و فکر کرنے کے دو طریقے ہوتے ہیں ایک تو خلوت و تنہائی میں خود غور کرنا دوسرے اپنے احباب و اکابر سے مشورہ اور باہم بحث و تمحیص کے بعد کسی نتیجے پر پہنچنا، ان دونوں طریقوں کو یا ان میں سے جو پسند ہو اسے اختیار کرو ثُمَّ تَتَفَکَّرُوْا اس کا عطف اَنْ تَقُوْمُوْا پر ہے جس میں قیام کے مقصد کو واضح کیا گیا ہے، یعنی علائق و موانع کو ترک کر کے خالی الذہن ہو کر اللہ کے لئے اس کام کے لئے تیار ہو جاؤ اور غور کرو اور میری بابت سوچو کہ میری زندگی تمہارے اندر گذری ہے کیا اس میں کوئی اخلاقی، معاشرتی، یا معاملاتی کسی قسم کی کمزوری ہے اور اب بھی جو دعوت میں تمہیں دے رہا ہوں، کیا اس میں کوئی ایسی بات ہے کہ جس سے اس بات کی نشاندہی ہو کہ میرے اندر دیوانگی ہے؟ تم اگر عصبیت اور خواہش نفس سے بالا ہو کر سوچو گے تو یقیناً تم سمجھ جاؤ گے کہ تمہارے رفیق کے اندر کوئی دیوانگی نہیں ہے قُلْ مَا سَاَلْتُکُمْ مِنْ اَجْرٍ فَھُوَ لَکُمْ یعنی میں تم سے اپنی محنت کا کچھ صلہ نہیں چاہتا، اگر تمہارے خیال میں کچھ معاوضہ طلب کیا ہو وہ سب تم اپنے پاس رکھو، مجھے ضرورت نہیں میرا صلہ تو خدا کے یہاں ہے، تم سے جو چیز طلب کرتا ہوں یعنی ایمان و اسلام وہ صرف تمہارے نفع کے لئے ہے اس سے زائد میری کوئی غرض نہیں، اس میں اپنے فائدہ کے لئے کسی بھی چیز کی طلب کی نفی ہے بلکہ مقصود تمہارا ہی دنیوی و اخروی فائدہ ہے، یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی مشفق باپ اپنے بیٹوں کو جمع کر کے کہے کہ دیکھو میرے بیٹو مجھے تم سے کچھ نہیں چاہئے، سوائے اس کے کہ تم متحد و متفق ہو کر رہو، خوب پھلو پھولو، اب ظاہر ہے کہ اس اتحاد و اتفاق میں بیٹوں ہی کا فائدہ ہے۔

قُلْ جَاءَ الحق (الآیۃ) حق سے مراد قرآن اور باطل سے مراد کفر و شرک ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اللہ کا دین اور اس کا قرآن آ گیا جس سے باطل مضمحل اور ختم ہو گیا، اب وہ سر اٹھانے کے قابل نہیں رہا، سورۂ انبیاء میں فرمایا بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَی الْبَاطِلِ فَیَدْمَغُہٗ فَاِذَا ھُوَ زَاھِقٌ حدیث میں آتا ہے کہ جس دن مکہ فتح ہوا نبی ﷺ خانہ کعبہ میں داخل

ہوئے، چاروں طرف بت نصب تھے، آپ ﷺ کمان کی نوک سے ان بتوں کو مارتے جاتے اور سورۂ بنی اسرائیل کی یہ آیت
وقُلْ جاءَ الْحقُّ وزَهَقَ الْبَاطِلُ پڑھتے جاتے تھے۔ (صحیح بخاری کتاب الجهاد)

قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ (الآیة) یعنی سب بھلائی اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو وحی اور حق مبین نازل فرمایا ہے اس میں رشد و ہدایت ہے، پس جو گمراہ ہوتا ہے تو اس میں انسان کی خود اپنی ہی کوتاہی اور ہوائے نفس کا دخل ہوتا ہے، اس لئے اس کا وبال بھی اسی پر ہوگا، حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ جب کسی سائل کے جواب میں اپنی طرف سے کچھ بیان فرماتے تو ساتھ کہتے اَقُوْلُ فیها بِرَائِي فَاِنْ يَكُنْ صَوَابًا فَمِنَ اللّٰهِ وَاِن یکن خَطَأً فَمِنِّيْ وَمِنَ الشَّيطانِ واللّٰهُ ورسولهٗ بريئان منْهُ (ابن کثیر) یعنی اگر میں نے یہ ڈھونگ خود کھڑا کیا ہے تو کتنے دن چلے گا، اس میں آخر میرا ہی نقصان ہے، دنیا کی عداوت مول لینا، ذلت اٹھانا، اور آخرت کی رسوائی قبول کرنا (العیاذ باللہ) لیکن اگر میں سیدھے راستہ پر ہوں جیسا کہ واقعی ہوں تو سمجھ لو کہ یہ سب اللہ کی تائید و امداد اور وحی الٰہی کی برکت و ہدایت سے ہے جو کسی وقت میرا ساتھ نہیں چھوڑ سکتی، میرا خدا سب کچھ سنتا ہے اور بالکل نزدیک ہے۔

وَلَوْ تَرٰى اِذْ فَزِعُوْا یعنی یہ کفار یہاں ڈینگیں مارتے ہیں مگر وہ وقت عجیب قابل دید ہوگا جب یہ لوگ محشر کا ہولناک منظر دیکھ کر گھبرائیں گے، اور کہیں بھاگ نہ سکیں گے، اس وقت گرفتاری کے لئے کہیں دور سے ان کو تلاش کرنا نہیں پڑے گا، بلکہ نہایت آسانی سے فوراً جہاں کے تہاں گرفتار کر لئے جائیں گے۔

جب محشر میں گرفتار کر لئے جائیں گے، تو کہیں گے ہمیں پیغمبر کی باتوں پر یقین آ گیا، اب ہم ایمان لاتے ہیں حالانکہ اب ایمان کیسا؟ وہ موقع دور گیا جب ایمان لا کر خود کو بچا سکتے تھے، اب ان کا ہاتھ اتنی دور کہاں پہنچ سکتا ہے کہ جو دنیا سے ایمان اٹھا لائیں، مطلب یہ ہے کہ یہ اب دنیا سے بہت دور جا چکے ہیں، ایمان تو وہی معتبر ہے جو دنیا میں غائبانہ حاصل ہو، آخرت میں تو آنکھوں سے دیکھ کر بڑے سے بڑے کافر کو بھی یقین آ جائے گا اس میں کیا کمال ہے۔

یعنی دنیا میں جب ایمان لانے کا وقت تھا انکار پر تلے رہے، اور یوں ہی اٹکل کے تیر چلاتے رہے دنیا میں رہ کر ہمیشہ بے تحقیق باتیں کیں، سچی اور تحقیقی باتوں سے انکار کرتے رہے: ؎

اب پچھتائے کیا ہوت ہے، جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ (الآیة) یعنی آخرت میں ان کی چاہتوں اور ان کے درمیان پردہ (آڑ) حائل کر دی جائے گی مثلاً آخرت میں وہ چاہیں گے کہ ان کا ایمان قبول کر لیا جائے یا عذاب سے ان کو نجات حاصل ہو جائے ان کی کوئی خواہش پوری نہیں کی جائے گی، اور اس قماش کے پہلے جو لوگ گذرے ہیں، جیسا معاملہ ان کے ساتھ کیا گیا تھا، ان سے بھی ہوا کیونکہ وہ لوگ بھی ایسے ہی مہمل شبہات اور بیجا شک و تردد میں گھرے ہوئے تھے، جو کسی طرح ان کو چین نہیں لینے دیتا تھا۔ (فوائد عثمانی)

سُوْرَةُ فَاطِرٍ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّ اَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّخَمْسُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ فَاطِرٍ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ اَوْ سِتٌّ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ فاطر مکی ہے، اور وہ پینتالیس (۴۵) یا چھیالیس (۴۶) آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمِدَ تعالٰى نَفْسَهٗ بذٰلك كما بُيِّنَ في اَوَّلِ سَبَا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ خَالِقِهِمَا عَلٰى غَيْرِ مِثَالٍ سَبَقَ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا الى الانبياء اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ في الـمَلٰئِكَةِ وغيرها مَا يَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ① مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ كَرِزْقٍ وَمَطَرٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ مِنْ ذٰلك فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ اي بَعْدَ اِمْسَاكِهٖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الغَالِبُ عَلٰى اَمْرِهٖ الْحَكِيْمُ ② في فِعْلِهٖ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اي اهلَ مَكَّةَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ بِاِسْكَانِكُم الحَرَمَ وَمَنْعِ الغَارَاتِ عنكم هَلْ مِنْ خَالِقٍ مِنْ زائدةٌ وخَالِقٍ مُبْتَدَأٌ غَيْرُ اللّٰهِ بالرَّفْعِ والجَرِّ نَعْتٌ لِخَالِقٍ لَفْظًا ومَحَلًّا وخَبَرُ المُبْتَدَأ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ المَطَرَ وَ من الْاَرْضِ النَّبَاتَ والاِسْتِفْهَامُ لِلتَّقْرِيرِ اي لا خَالِقَ رَازِقَ غَيْرُهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ③ مِنْ اَيْنَ تُصْرَفُوْنَ عَنْ تَوْحِيْدِهٖ مَعَ اِقْرَارِكُمْ بِاَنَّهُ الخَالِقُ الرَّازِقُ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ يا مُحَمَّدُ في مَجِيْئِكَ بالتَّوْحِيْدِ والبَعْثِ والحِسَابِ والعِقَابِ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ في ذٰلك فَاصْبِرْ كما صَبَرُوْا وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ④ في الاٰخِرَةِ فَيُجَازِي الـمُكَذِّبِيْنَ ويَنْصُرُ المُرْسَلِيْنَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ بالبَعْثِ وغَيْرِهٖ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا عَنِ الاِيمَانِ بذٰلك وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ في حِلْمِهٖ وامْهَالِهٖ الْغَرُوْرُ ⑤ الشيطَانُ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا بطَاعَةِ اللّٰهِ ولا تُطِيْعُوْهُ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ اَتْبَاعَهٗ في الكُفْرِ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ⑥ النَّارِ الشَّدِيْدَةِ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑦ فهٰذا بَيَانُ مَا لِمُوَافِقِي الشَّيْطَانِ ومَا لِمُخَالِفِيْهِ.

ع ۱۳

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے، تمام تعریفوں کا سزاوار وہ اللہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا کسی سابقہ نمونہ کے بغیر پیدا کرنے والا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس مضمون سے اپنی حمد بیان فرمائی ہے،

جیسا کہ سورۂ سبا کے شروع میں بیان کیا گیا تھا اور جو فرشتوں کو انبیاء کی جانب پیغام رساں بنانے والا ہے جن کے دو دو تین تین چار چار پر ہیں اور وہ ملائکہ کی تخلیق میں جو چاہے اضافہ کرنے والا ہے اللہ تعالیٰ یقیناً ہر شئ پر قادر ہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے جو رحمت مثلاً رزق اور بارش کھول دے تو اسے کوئی بند کرنے والا نہیں اور ان میں سے جس کو بند کر دے اس کے بند کرنے کے بعد اس کا کوئی کھولنے والا نہیں وہ اپنے حکم پر غالب اور اپنے فعل میں حکمت والا ہے اے لوگو! یعنی مکہ والو! تم اپنے اوپر اللہ کی ان نعمتوں کو یاد کرو جو تم کو حرم میں سکونت دیکر اور تم کو غارت گری سے محفوظ رکھ کر تمہارے اوپر کی ہیں کیا اللہ کے سوا کوئی اور بھی خالق ہے؟ یہ مِن زائدہ ہے، اور خالق مبتداء اور غیرُ اللّٰہ رفع وجر کے ساتھ، خالق کی لفظاً اور محلاً صفت ہے اور مبتداء کی خبر یَرْزُقُکُمْ من السماءِ ہے، جو تم کو آسمان یعنی بارش کے ذریعہ اور زمین یعنی نباتات کے ذریعہ روزی پہنچائے؟ استفہام تقریری ہے یعنی اس کے سوا کوئی خالق ورازق نہیں، اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو تم کہاں الٹے جا رہے ہو؟ یعنی اس کی توحید کو چھوڑ کر، تمہارے اس اقرار کے باوجود کہ وہی خالق ورازق ہے (شرک کر کے) کہاں الٹے چلے جا رہے ہو اور اے محمد اگر یہ لوگ آپ کو بیان توحید اور بعث اور حساب اور عقاب کے بارے میں جھٹلا رہے ہیں تو اسی معاملہ میں آپ سے پہلے رسولوں کی تکذیب کی جا چکی ہے، لہٰذا آپ صبر کریں جیسا کہ انہوں نے صبر کیا اور آخرت میں تمام امور اللہ ہی کے روبرو پیش کئے جائیں گے، چنانچہ تکذیب کرنے والوں کو سزا دے گا اور رسولوں کی مدد کرے گا، اے لوگو اللہ کا بعث وغیرہ کا وعدہ سچا ہے سو ایسا نہ ہو کہ اس وعدہ پر ایمان لانے سے دنیوی زندگی تم کو دھوکے میں ڈالے رکھے اور ایسا نہ ہو کہ دھوکے باز (شیطان) تم کو اللہ تعالیٰ کے حلم اور مہلت دینے کے بارے میں دھوکے میں ڈالے رکھے، (یاد رکھو) شیطان تمہارا دشمن ہے، لہٰذا اللہ کی اطاعت کر کے اس کو اپنا دشمن سمجھو اور اس کی اطاعت نہ کرو، وہ تو اپنی جماعت کو (یعنی) کفر میں اس کی اتباع کرنے والی جماعت کو اسی لئے بلاتا ہے کہ وہ دوزخیوں میں سے ہو جائیں جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لئے سخت سزا ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے ان کے لئے مغفرت ہے اور بڑا اجر ہے، اور یہ اس (سزا وجزاء) کا بیان ہے جو شیطان کے موافقین ومخالفین کے لئے ہے۔

تَحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

سورۂ فاطر کا دوسرا نام سورۂ ملائکہ بھی ہے:

قِوْلُہٗ: فاطرُ السمٰوات ای خالقھا علی غیر مثال، فطر کے اصلی معنی مطلقاً شق کے ہیں (ن) وعن مجاھد عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ما کنتُ ادری ما فاطر السمٰوات والارض حتی اختصم الیّ اعرابیان فی بئرٍ فقال احدھما، انا فطرتھا ای ابتدأتُھا وابتدعتُھا.

سُؤال: فاطِرِ السمٰوات والاَرْضِ میں اضافت لفظی ہے، لہٰذا یہ تعریف کا فائدہ نہیں دیتی، حالانکہ یہ جملہ، لفظ اللہ کی صفت واقع ہو رہا ہے، جو کہ معرفہ ہے۔

جَواب: چونکہ فاطر فعل ماضی کے معنی میں ہے جس کی وجہ سے یہ اضافت معنوی ہے لہٰذا اللہ کی صفت واقع ہونا درست ہے۔

قِولَہٗ: جاعِلِ الملائکۃ یہ لفظ اللہ کی دوسری صفت ہے۔

سُؤال: جاعلٌ ماضی کے معنی میں ہے یا حال واستقبال کے؟ اگر ماضی کے معنی میں ہے تو اس کا عامل ہونا درست نہیں حالانکہ یہ رُسُلاً میں عامل ہے اور اگر حال یا استقبال کے معنی میں ہے تو یہ اضافت لفظیہ ہے جو تعریف کا فائدہ نہیں دیتی، اس صورت میں لفظ اللہ کی صفت بنانا درست نہیں ہے۔

جَواب: یہاں جاعلٌ استمرار کے معنی میں ہے لہٰذا ماضی کے معنی میں ہونے کی وجہ سے اضافت معنوی ہوگی اور تعریف کا فائدہ دے گی، جس کی وجہ سے لفظ اللہ کی صفت بنا درست ہوگا، اور چونکہ حال اور استقبال کے معنی میں بھی ہے، لہٰذا اس کا عامل ہونا بھی درست ہوگا، اب کوئی اعتراض باقی نہیں رہا۔

قِولَہٗ: اُولِیْ یہ حالت نصبی اور جری میں ہے حالت رفعی میں اولُو استعمال ہوتا ہے بمعنی والے یہ جمع ہی کے معنی میں مستعمل ہے اس کا واحد نہیں آتا اور بعض حضرات نے اس کا واحد ذُو بیان کیا ہے۔

قِولَہٗ: اُولِیْ اَجْنِحَۃٍ یہ جناحٌ کی جمع ہے اس کے معنی پردار بازو، یہ رُسُلاً کی صفت ہے دونوں چونکہ لفظ کے اعتبار سے نکرہ ہیں اس لئے مطابقت بھی موجود ہے، مگر اس سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ بازوؤں کا ہونا ان فرشتوں کے لئے خاص ہے جو انبیاء ورسل کے پاس بھیجے جاتے ہیں حالانکہ ہر فرشتہ کے بازو ہوتے ہیں، لہٰذا اس کو ملائکہ کی صفت یا حال قرار دینا زیادہ مناسب ہوگا۔

قِولَہٗ: مثنٰی وثُلٰثَ ورُباعَ، اَجْنِحَۃٍ سے بدل ہونے کی وجہ سے محلاً مجرور ہیں، ان کا فتحہ کسرہ کی نیابت کی وجہ سے ہے اس لئے کہ یہ تینوں کلمے وصفیت اور عدل ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہیں، یہ کلمے تکرار سے عدول کر کے آئے ہیں مثلاً ثُنٰی اثنین اثنین سے معدول ہے، اسی طرح باقی بھی۔

قِولَہٗ: یَزِیْدُ فی الخَلْقِ مَا یَشَاءُ یہ کلام مستانف ہے جو کہ ماقبل کی تاکید کے لئے ہے۔

قِولَہٗ: فَلاَ مُمْسِكَ لَهَا میں وَیَزِیْدُ فی الخَلْقِ مَا یَشَاءُ میں لَهَا اور فَلاَ مُرْسِلَ لَهٗ میں لَهٗ دونوں کا مرجع ما ہے، لَهَا معنی کی رعایت کے اعتبار سے اور لَهٗ لفظ کی رعایت کے اعتبار سے۔

قِولَہٗ: هَل مِنْ خالقٍ. هل استفہام انکاری کے لئے ہے اور توبیخ کے لئے بھی ہوسکتا ہے، اور مِن زائدہ ہے اور خالقٍ مبتداء لفظاً مجرور محلاً مرفوع ہے اور غیرُ اللّٰہ رفع کے ساتھ خالق کی صفت ہے محل کے اعتبار سے اور غیر اللّٰہ صفت ہے لفظ کے اعتبار سے خالقٌ مبتداء کی خبر، یَرْزُقُکُمْ ہے، بعض نے کہا ہے کہ لکم اس کی خبر محذوف ہے۔

قِولَہٗ: تُؤْفَکُوْنَ یہ اَفْكٌ بالفتح سے ماخوذ ہے اس کے معنی بھٹکنے اور پھرنے کے ہیں اور اِفْكٌ بالکسر اس کے معنی ہیں کذبٌ وافتراءٌ تُؤْفَکُوْنَ مضارع مبنی للمجہول ہے واؤ نائب فاعل ہے تم کہاں پلٹائے جارہے ہو۔

قَوْلُہٗ: فَاصْبِر کَمَا صَبَرُوْا یہ درحقیقت اِنْ یکذبوا کی جزاء ہے، اور فا جزائیہ ہے مگر جزاء کے سبب کو جو کہ فَقَدْ کُذِّبَتْ ہے جزاء کے قائم مقام کر دیا ہے۔

تفسیر و تشریح

الحمد للّٰہِ فاطِرِ السَّمٰوٰتِ والارْضِ (الآیة) فاطر کے معنی ہیں، مُختَرِع، ابتداءً ایجاد کرنے والا، دراصل لفظ فاطر سے قدرت خداوندی کی طرف اشارہ ہے کہ جس خدا نے آسمان و زمین بغیر نمونے کے بنائے تو اس کے لئے دوبارہ انسان کو پیدا کرنا کون سا مشکل کام ہے؟ الحمد للّٰہِ فاطِرِ السَّمٰوٰتِ والارْضِ کے معنی ہیں (الحمد للّٰہِ) مبدع (السمٰوٰتِ والارْضِ) ومُختَرِعِھما جمہور نے فاطر کو اسم فاعل کے صیغہ کے ساتھ پڑھا ہے، اور زہری اور ضحاک نے (فَطَرَ) ماضی کے صیغہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

جاعِلِ الملائکة میں ملائکہ سے مخصوص فرشتے مراد ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ مختلف مہمات کے لئے قاصد بنا کر بھیجتا ہے، ان میں مشہور چار فرشتے تو شامل ہیں ہی ان کے علاوہ بھی مراد ہو سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو پردار بازو عطا فرمائے ہیں، جن کے ذریعہ سرعت کے ساتھ ان کی آمد و رفت ہوتی ہے، لفظ مثنیٰ وثلٰث ورباعَ، ظاہر یہ ہے کہ اَجْنِحة کی صفت ہے کہ فرشتوں کے پر مختلف تعداد میں ہیں کسی کے دو دو کسی کے تین تین، کسی کے چار چار، اور مذکورہ عدد میں بھی تحدید نہیں ہے، جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت سے حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چھ سو پر ہونا ثابت ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مثنیٰ وثلٰث ورباعَ، رُسُلًا کی صفت ہو یعنی جو فرشتے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغامات دنیا میں پہنچاتے ہیں، وہ کبھی دو دو، کبھی تین تین، اور کبھی چار چار آتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ حصر اس میں بھی مقصود نہیں ہے، اور زیادتی فی الخلق سے ہر قسم کی زیادتی مراد ہے خواہ اس کا تعلق ظاہر سے ہو جیسا کہ پر وغیرہ میں زیادتی، یا باطنی زیادتی ہو جیسے حسن سیرت، حسن صورت، کمال عقل وغیرہ۔

ما یَفْتح اللّٰہ للنَّاس (الآیة) ان نعمتوں میں سے ارسالِ رسل اور انزالِ کتب بھی ہے یعنی ہر چیز کا دینے والا بھی وہی ہے اور واپس لینے والا بھی اس کے سوا نہ کوئی معطی ہے اور نہ منعم اور نہ مانع اور قابض جس طرح رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے اللّٰھم لَا مانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ ولَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ.

فَاَنّٰی تُؤفَکُوْنَ اس بیان و وضاحت کے بعد اور تمہارے اس اقرار کے بعد کہ اللہ تعالیٰ ہی نے تم کو پیدا کیا ہے اور وہی تم کو روزی دیتا ہے تم غیر اللہ کی عبادت کرتے ہو؟ تو تم کہاں پلٹے جا رہے ہو؟

وَاِنْ یُکَذِّبُوْکَ فَقَدْ کُذِّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِکَ اس میں نبی ﷺ کو تسلی ہے کہ اے محمد یہ لوگ آپ کو جھٹلا کر کہاں جائیں گے؟ بالآخر تمام معاملات کا فیصلہ تو ہمیں ہی کرنا ہے، جس طرح پہلی امتوں نے اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا تو انہیں سوائے بربادی کے کیا ملا؟ اس لئے اگر یہ بھی باز نہ آئے تو ان کو بھی ہلاک کرنا ہمارے لئے مشکل نہیں، اور دنیا کی زیب و زینت اور عیش و عشرت میں پڑ کر آخرت کی ان نعمتوں سے غافل نہ ہو، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں اور رسولوں کے پیرو کاروں کے لئے

تیار کررکھی ہیں، مطلب یہ کہ اس دنیا کی عارضی لذتوں میں پڑ کر آخرت کی دائمی راحتوں کو نہ کھو بیٹھو، اور یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ شیطان تمہارا اصل دشمن ہے اس کے داؤ پیچ اور دجل وفریب سے بچ کر رہو اس لئے کہ وہ بہت دھوکے باز ہے، اس کا مقصد ہی تمہیں دھوکے میں مبتلا کر کے آخرت کی تمام نعمتوں اور راحتوں سے محروم کرنا ہے، اس سے سخت عداوت رکھو، اس کے مکروفریب اور ہتھکنڈوں سے بچو، شیطان کی حکمت عملی یہ ہے کہ وہ برے کاموں کو اچھا ثابت کر کے تمہیں اس میں مبتلا کردے جس کی وجہ سے تمہارا حال یہ ہو جائے کہ گناہ کرتے رہو اور ساتھ ہی یہ بھی سمجھتے رہو کہ نیک کام کر رہے ہیں اور اللہ کے نزدیک مقبول بندے ہیں، ہمیں عذاب نہیں ہوگا۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے دیگر مقامات کی طرح ایمان کے ساتھ عمل صالح کو بیان کر کے ان کی اہمیت کو واضح کر دیا ہے، تاکہ اہل ایمان عمل صالح سے کسی وقت بھی غفلت نہ برتیں، کہ مغفرت اور اجر کبیر کا وعدہ اس ایمان پر ہی ہے جس کے ساتھ عمل صالح ہو۔

ونَزَلَ فِي اَبِي جَهْلٍ وغيرِه **اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ** بالتَّموِيهِ **فَرَاٰهُ حَسَنًا** مَنْ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهُ كَمَنْ هَدَاهُ اللّٰهُ لا، دَلَّ عَلَيهِ **فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ** على المُزَيَّنِ لهم **حَسَرٰتٍ** بِاغْتِمَامِكَ اَنْ لا يُؤْمِنُوا **اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ** ⑧ فيُجازِيهم عليه **وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ** وفي قِراءةٍ الرِّيحَ **فَتُثِيْرُ سَحَابًا** المُضارِعُ لِحِكايةِ الحالِ المَاضِيَةِ اي تُزعِجُهُ **فَسُقْنٰهُ** فيه اِلتِفاتٌ عَنِ الغَيْبَةِ **اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ** بالتَّشدِيدِ والتَّخفِيفِ لا نَباتَ بها **فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ** مِنَ البَلَدِ **بَعْدَ مَوْتِهَا** يُبْسِها اي اَنْبَتْنا به الزَّرْعَ والكَلأَ **كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ** ⑨ اي البَعثُ والاِحياءُ **مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا** اي في الدُّنيا والأخرةِ فلا تُنالُ منهُ الا بِطاعَتِه فَلْيُطِعْهُ **اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ** يَعْلَمُهُ وهو لا الهَ الا اللّٰهُ ونحوُها **وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ** يَقبَلُهُ **وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ** المَكَراتِ **السَّيِّاٰتِ** بالنَّبِيِّ في دارِ النَّدوةِ مِن تَقييدِه او قَتلِه او اِخراجِه كما ذُكِرَ في الانفالِ **لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ** ⑩ يَهلِكُ **وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ** بِخَلقِ اَبِيكُم اٰدمَ منه **ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ** اي مَنِيٍّ بِخَلقِ ذُرِّيَّتِه منها **ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا** ذُكُورًا واِناثًا **وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ** حالٌ اي مَعلُومَةً له **وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ** اي ما يُزادُ في عُمرِ طويلِ العُمرِ **وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ** اي مِن ذلك المُعَمَّرِ او مُعَمَّرٍ اٰخَرَ **اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ** هو اللَّوحُ المَحفُوظُ **اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ** ⑪ هَيِّنٌ **وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ** شَدِيدُ العُذُوبَةِ **سَآئِغٌ شَرَابُهٗ** شُربُهُ **وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ** شَدِيدُ المُلُوحَةِ **وَمِنْ كُلٍّ** منهما **تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا** هو السَّمَكُ **وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ** مِنَ المِلحِ وقيلَ منهما **حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا** هي اللُّؤلُؤُ والمَرجانُ **وَتَرَى** تُبصِرُ **الْفُلْكَ** السُّفُنَ **فِيْهِ** في كلٍّ منهما **مَوَاخِرَ** تَمخُرُ الماءَ اي تَشُقُّهُ بِجَريِها فيه مُقبِلَةً ومُدبِرَةً بِرِيحٍ واحِدَةٍ **لِتَبْتَغُوْا** تَطلُبُوا

مِنْ فَضْلِهٖ تعالیٰ بالتجارۃِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴿۱۲﴾ اللہَ علی ذلک يُوْلِجُ یُدخِلُ اللہُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ فیزیدُ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ یُدخِلُہٗ فِي الَّيْلِ فیزیدُ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ منہما يَّجْرِيْ فی فلکِہٖ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى یوم القیمۃِ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ تعبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ای غیرِہٖ وہم الاصنامُ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ﴿۱۳﴾ لِفافۃِ النَّواۃِ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا فرضًا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ما اَجابُوکُم وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ باشرَاکِکُمْ اِیّاہم مَعَ اللہِ ای یَتبرَّؤُنَ منکم من عِبادَتِکُم اِیّاہُم وَلَا يُنَبِّئُكَ باَحوالِ الدَّارَینِ مِثْلُ خَبِيْرٍ﴿۱۴﴾ عَالِمٍ وہو اللہُ تعالیٰ.

ترجمہ: (آئندہ) آیت ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی ہے کیا وہ شخص کہ جس کے سامنے اس کے برے عمل کو تلبیس کے ذریعہ مزین کر کے پیش کیا گیا پھر وہ اس کو نیک عمل سمجھنے لگا (اس شخص کے برابر ہوسکتا ہے جس کو اللہ نے ہدایت دی ہو؟ نہیں ہوسکتا) مَنْ مبتداء ہے اور اس کی خبر کَمَنْ ھَدَاہُ ہے (اس حذف خبر پر) فَاِنَّ اللّٰہَ یُضِلُّ مَنْ یَشَاءُ (الآیۃ) دال ہے، یقین مانو اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے تو آپ ان پر یعنی ان لوگوں پر کہ جن کے (اعمال بد) ان کے لئے مزین کر دیئے گئے ہیں، اتنا غم نہ کیجئے، کہ ان کی اس بات پر غم کی وجہ سے کہ یہ ایمان نہیں لاتے اپنی جان ہی دیدیں جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ کو سب معلوم ہے سو وہ ان کے اعمال کی سزا دے گا اور اللہ وہی ہے جو ہواؤں کو چلاتا ہے اور ایک قراءت میں اَلرِّیْحَ ہے جو ہوائیں بادلوں کو اٹھاتی ہیں مضارع کا استعمال حالت ماضی کی حکایت کرنے کے لئے لایا گیا ہے یعنی ہوائیں بادلوں کو حرکت دیتی ہیں پھر ہم ان بادلوں کو خشک زمین کی طرف ہانک کر لیجاتے ہیں سُقْنَا میں غیبت سے تکلم کی جانب التفات ہے مَیِّت تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے پھر ہم اس بستی کی زمین کو اس کے مردہ یعنی خشک ہونے کے بعد زندہ کر دیتے ہیں یعنی اس میں کھیتی اور گھاس اگا دیتے ہیں اسی طرح دوبارہ زندہ ہونا بھی ہے یعنی جی اٹھنا اور زندہ ہونا جو شخص عزت حاصل کرنا چاہتا ہے تو تمام تر عزت اللہ کے لئے ہے یعنی دنیا اور آخرت میں، لہٰذا عزت اسی کی اطاعت سے حاصل ہوسکتی ہے اس کو چاہئے کہ اسی کی اطاعت کرے اچھا کلام اس تک پہنچتا ہے، یعنی وہ اس سے باخبر ہے اور وہ (اچھا کلام) لا الہ الا اللہ اور اس کے مثل ہے اور عمل صالح کو وہ بلند کرتا ہے یعنی قبول کرتا ہے اور جو لوگ نبی کے بارے میں دار الندوہ میں بری سازشیں کر رہے ہیں مثلاً آپ کو قید کرنے یا قتل کرنے یا (وطن سے) نکالنے کی، جیسا کہ سورۂ انفال میں ذکر کیا گیا، ایسے لوگوں کے لئے سخت ترین عذاب ہے اور ان کا یہ مکر پادر ہوا، یعنی برباد ہوجائے گا (لوگو) اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا تمہارے دادا آدم کو مٹی سے پیدا کر کے، پھر نطفۂ منی سے (پیدا کیا) آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذریت کو نطفے سے پیدا کر کے پھر تمہارے نر و مادہ کے جوڑے بنائے کوئی عورت حاملہ نہیں ہوتی اور نہ وہ جنتی ہے مگر یہ اللہ کے علم میں ہوتا ہے یہ جملہ حالیہ ہے یعنی (اللہ تعالیٰ کے) علم میں ہوتا ہے اور جس معمر شخص کی عمر دراز کی جاتی ہے یعنی طویل العمر

شخص کی عمر میں اضافہ نہیں کیا جاتا اور نہ اسی معمر شخص کی عمر سے یا دوسرے معمر شخص کی عمر سے کم کیا جاتا ہے مگر یہ کہ وہ کتاب میں موجود ہوتا ہے اور وہ لوح محفوظ ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے یہ بات بالکل آسان ہے، اور برابر نہیں دو دریا (بلکہ) ایک نہایت شیریں تسکین بخش اور پینے میں خوش گوار ہے اور دوسرا نہایت شور اور تلخ اور تم ان دونوں سے تازہ گوشت کھاتے ہو اور وہ مچھلی ہے اور دریائے شور سے، اور کہا گیا ہے دونوں سے، زیورات نکالتے ہو جنہیں تم پہنتے ہو وہ موتی اور مونگے ہیں اور اے مخاطب تو کشتیوں کو اس میں یعنی شور و شیریں دریا میں دیکھتا ہے کہ پانی کو چیرتی ہوئی چلتی ہیں، یعنی پانی میں چلنے کی وجہ سے اس کو ایک ہی ہوا کے ذریعہ آتے جاتے چیرتی ہیں تاکہ تم تجارت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا فضل (روزی) طلب کرو تاکہ تم اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے تو دن بڑھ جاتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے تو رات بڑھ جاتی ہے اور آفتاب و ماہتاب کو اسی نے کام میں لگا رکھا ہے ہر ایک اپنے محور پر مدت دراز قیامت تک چلتا رہے گا یہی ہے اللہ تمہارا رب اسی کی سلطنت ہے اور جنہیں تم اس کے سوا پکارتے ہو بندگی کرتے ہو اور وہ بت ہیں وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں، اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار سنتے ہی نہیں ہیں اور اگر (بالفرض) سن بھی لیں تو فریاد رسی نہیں کر سکتے، یعنی تمہاری پکار کا جواب نہ دیں بلکہ قیامت کے دن تمہارے اس شرک سے صاف انکار کر جائیں گے، یعنی تمہارے ان کو خدا کا شریک ٹھہرانے کا یعنی تم سے تمہاری ان کی بندگی کرنے سے اظہار براءت کر دیں گے آپ کو کوئی حق تعالیٰ جیسا خبردار دارین کے احوال کی خبر نہ دے گا اور وہ اللہ ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلُہٗ: اَفَمَنْ زُیِّنَ یہ جملہ مستانفہ ہے ماسبق میں جو دو فریقوں کے انجام کے درمیان فرق بیان کیا گیا ہے، اس کی تائید ہے مَنْ مبتداء ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے اس کی خبر محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے اَفَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سوءُ عَمَلِهٖ کَمَنْ لَمْ یُزَیَّنْ لَهٗ، کسائی رَحِمَنُاللّٰہُ تَعَالٰی نے کہا ہے کہ ذَهَبَتْ نَفْسُكَ عَلَیْهِمْ حَسَرَاتٍ خبر ہے جو محذوف ہے، اور اللہ تعالیٰ کا قول فلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ علیهم حَسَرَات اس پر دال ہے، اور زجاج نے کَمَنْ هداهُ اللّٰهُ خبر محذوف مانی ہے اول صورت لفظ و معنی میں مطابقت کی وجہ سے افضل ہے۔

قِوْلُہٗ: سوء عمله ای عَمَلُهُ السَّیِّئُ یہ اضافت صفت الی الموصوف کے قبیل سے ہے۔

قِوْلُہٗ: لَا ، لَا کا اضافہ استفہام انکاری کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے۔

قِوْلُہٗ: حَسَرَاتٍ. فلَا تَذْهَبْ کا مفعول لہ ہے، اور جمع کا استعمال کثرت غم پر دلالت کرنے کے لئے ہے۔

قِوْلُہٗ: عَلَیْهِمْ. تَذْهَبْ کا صلہ ہے، جیسا کہ بولا جاتا ہے ماتَ علیهِ حُزْنًا. علیهم کا تعلق حسرات سے درست نہیں ہے، اس لئے کہ مصدر کا معمول مصدر پر مقدم نہیں ہوتا۔

قَوْلُہٗ: اَنْ لَا یُؤْمِنُوْا ای علیٰ اَنْ لَا یُؤْمِنُوْا.

قَوْلُہٗ: لِحکایَۃ الحَالِ المَاضِیَۃِ یہ دراصل ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَال: سوال یہ ہے کہ اس سے پہلے اَرْسَلَ ماضی کا صیغہ استعمال فرمایا اور اسی مضمون میں فوراً بعد فَتُثِیْرُ مضارع کا صیغہ استعمال فرمایا، اس میں کیا مصلحت ہے؟

جَوَاب: خلاصہ یہ ہے کہ مضارع کا صیغہ جو کہ حال پر بھی دلالت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے اس صورت عجیبہ وغریبہ کا استحضار کرانا چاہتے ہیں جو اس کی کمال قدرت وحکمت پر دلالت کرتی ہے اور کسی صورت حال یا واقعہ کی ایسی منظر کشی کہ جس سے گذشتہ کا واقعہ نظروں کے سامنے اس طرح واضح ہو کر آجائے گویا کہ یہ واقعہ اسی وقت نظروں کے سامنے ہو رہا ہے اسی کو حکایت حال ماضیہ کہتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: تثیرُ. اثارۃٌ سے مضارع واحد مؤنث غائب ہے، وہ ابھارتی ہے، وہ اٹھاتی ہے، حرکت دیتی ہے، **التفات عن الغیبۃ الی التکلم** کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اَرْسَلَ غائب کا صیغہ استعمال فرمایا اور سُقْنَا میں متکلم کا صیغہ استعمال فرمایا اور جمع کا استعمال عظمت کے طور پر کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: بَلَدٌ. بَلَد کا اطلاق مذکر ومؤنث دونوں پر ہوتا ہے، اور بَلَد اور بَلْدۃ کا اطلاق آباد اور غیر آباد دونوں قسم کی زمین پر بھی ہوتا ہے، یہاں بَلَدٌ مَیِّتٌ سے وہ زمین مراد ہے جس میں گھاس چارا کچھ نہ ہو، مردہ زمین سے خشک بے آب وگیاہ زمین مراد ہے، اور زمین کو زندہ کرنے سے مراد اس کو سرسبز وشاداب کرنا ہے۔

قَوْلُہٗ: من البلد میں مِن بیانیہ ہے کذٰلِکَ النشور اس میں مردوں کو خشک زمین سے تشبیہ دی ہے اور مردوں کو زندہ کرنے کو زمین کو سرسبز کرنے سے تشبیہ دی ہے۔

قَوْلُہٗ: فَلْیُطِعْہُ سے شارح نے اشارہ کر دیا کہ مَنْ کَانَ میں مَنْ شرطیہ ہے اور فَلْیُطِعْہُ اس کا جواب مقدر ہے، اور اللہ تعالیٰ کا قول فَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ جَمِیْعًا جواب شرط کی علت ہے۔

قَوْلُہٗ: یَعْلَمُہٗ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کلام میں مجاز ہے اور صعود بمعنی علم ہے اور علم کو صعود سے تعبیر کرنے کا مقصد قبولیت کی طرف اشارہ کرنا ہے، اس لئے کہ موضع ثواب اوپر ہے اور موضع عذاب نیچے ہے۔

قَوْلُہٗ: اَلَّذِیْنَ یَمْکُرُوْنَ کلمات طیبہ کے بیان کرنے کے بعد یہ کلمات خبیثہ کا بیان ہے۔

قَوْلُہٗ: وَالسَّیِّئَاتُ یہ مفعول مطلق محذوف کی صفت ہے تقدیر عبارت جیسا کہ شارح رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے المکرات محذوف مان کر اشارہ کر دیا ہے ای یمکرون المکرات السیّئاتِ، السَّیِّئات کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہونا درست نہیں ہے اس لئے کہ یمکرون فعل لازم ہے جو کہ مفعول بہ کو نصب نہیں دے سکتا بعض حضرات نے کہا ہے کہ یمکرون یکسبونَ کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے متعدی ہے لہٰذا اس کا السَّیِّئات کو مفعول بہ ہونے کے اعتبار سے نصب دینا درست ہے۔

قَوْلُہٗ: ومکرُ اولئك ترکیب اضافی مبتداء اور یبُور اس کی خبر ہے، اور ھُوَ ضمیر فصل ہے خبر سے پہلے ضمیر فصل کے وقوع کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف ہے راجح وقوع ہے (اعراب القرآن) یَبُوْرُ مضارع واحد مذکر غائب (ن) بَورًا بَوَارًا ہلاک ہونا۔

قَوْلُہٗ: فُرَاتٌ شدِیْدُ العَذُوْبَۃِ نہایت شیریں پانی۔

قَوْلُہٗ: اُجاجٌ شدید الملوحۃ شدید نمکین۔

قَوْلُہٗ: وَمَا یُعَمَّرُ مِنْ مُعَمَّرٍ مانافیہ ہے یُعَمَّرُ فعل مضارع مجہول مِنْ زائدہ اور مُعَمَّرُ نائب فاعل قطمیر اس باریک جھلی کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی پر لپٹی ہوئی ہوتی ہے، اور بعض حضرات نے اس ریشے کو کہا ہے جو گٹھلی کی دراز میں ہوتا ہے اور بعض نے اس ریشہ کو کہا ہے جو اس سوراخ میں ہوتا ہے جو گٹھلی کی پشت میں ہوتا ہے، مطلب یہ ہے کہ جن کو تم پکارتے ہو اور جن سے امداد کی توقع رکھتے ہو یہ تو ایک حقیر اور معمولی چیز کا بھی اختیار نہیں رکھتے۔

تفسیر وتشریح

شان نزول:

امام بغوی نے حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا فرمائی تھی کہ ''اے اللہ تو اسلام کو قوت عطا فرما، عمر بن الخطاب کے ذریعہ یا عمرو بن ہشام (ابوجہل) کے ذریعہ'' اللہ تعالیٰ نے ان میں سے عمر بن الخطاب کو ہدایت دیکر اسلام کی قوت اور عزت کا سبب بنا دیا۔ (معارف، روح المعانی)

وَاللّٰہُ الَّذِیْ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ یعنی جس طرح بادلوں سے بارش برسا کر خشک (مردہ) زمین کو ہم شاداب (زندہ) کر دیتے ہیں، اسی طریقہ سے قیامت کے دن تمام مردوں کو بھی ہم زندہ کریں گے، حدیث میں آتا ہے کہ انسان کا پورا جسم بوسیدہ ہو جاتا ہے، صرف ریڑھ کی ہڈی کا چھوٹا سا حصہ محفوظ رہتا ہے، اسی سے اس کی دوبارہ تخلیق وترکیب ہوگی کُلُّ جَسَدِ ابنِ آدَمَ یَبْلٰی اِلَّا عَجَبُ الذَّنبِ منہ خُلِقَ ومنہ یُرکَّبُ. (بخاری سورۂ عم، مسلم کتاب النفس مابین النفختین)

مَنْ کَانَ یُرِیْدُ العزۃَ (الآیۃ) یعنی جو چاہے کہ اسے دنیا و آخرت میں عزت ملے تو وہ اللہ کی اطاعت کرے، اس سے اس کا یہ مقصد حاصل ہو جائے گا، اس لئے کہ دنیا و آخرت کا مالک وہی ہے اور تمام عزتیں اسی کے پاس ہیں، جس کو وہ عزت دے وہی عزیز ہوگا، اور جس کو وہ ذلیل کرے کوئی طاقت اس کو عزت نہیں دے سکتی۔

اِلَیْہِ یَصْعَدُ الکَلِمُ الطَّیِّبُ، الکَلِمُ، کَلِمَۃٌ کی جمع ہے پاکیزہ اور ستھرے کلمات سے مراد اللہ کی تسبیح وتحمید، تلاوت، امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے اور چڑھنے کا مطلب قبول کرنا ہے، یا فرشتوں کا ان کو لیکر آسمانوں پر چڑھنا ہے تاکہ اللہ ان کی جزاء

دے، یَرْفَعُهٗ کی ضمیر کا مرجع کیا ہے، بعض کہتے ہیں الکلم الطیبُ ہے یعنی عمل صالح کلمات طیبات کو اللہ کی طرف بلند کرتا ہے، یعنی محض زبان سے اللہ کا ذکر (تسبیح وتحمید) کچھ نہیں، جب تک اس کے ساتھ عمل صالح یعنی احکام وفرائض کی ادائیگی نہ ہو، بعض کہتے ہیں کہ یرفعهٗ میں فاعل کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عمل صالح کو کلمات طیبات پر بلند کرتا ہے، اس لئے کہ عمل صالح سے ہی اس بات کا تحقق ہوتا ہے کہ اس کا مرتکب فی الواقع اللہ کی تسبیح وتحمید میں مخلص ہے۔

(فتح القدیر)

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی قول کو بغیر عمل کے اور کسی قول وعمل کو بغیر نیت کے اور کسی قول، عمل اور نیت کو بغیر مطابقت سنت کے قبول نہیں کرتا (قرطبی) اس سے معلوم ہوا کہ مکمل قبولیت کی شرط سنت کے مطابق ہونا ہے، اگر قول، عمل، نیت سب درست بھی ہوں گے مگر طریقۂ عمل سنت کے مطابق نہ ہو تو قبولیت تامہ حاصل نہیں ہوگی۔

وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِي كِتَابٍ اس آیت کا مفہوم جمہور مفسرین کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کو عمر طویل عطا فرماتے ہیں وہ پہلے ہی لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے، اسی طرح جس کی عمر کم رکھی جاتی ہے وہ بھی لوح محفوظ میں پہلے ہی سے درج ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ یہاں عمر کا طول وقصر فرد واحد کے تعلق مراد نہیں ہے، بلکہ کلام نوع انسانی کے متعلق ہے کہ اس کے کس فرد کو عمر طویل دی جاتی ہے اور کس کو اس سے کم، یہ تفسیر حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے ابن کثیر نے نقل کی ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اگر عمر کی کمی زیادتی کو ایک ہی شخص سے متعلق کہا جائے تو عمر میں کمی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کی عمر جو اللہ نے لکھ دی ہے وہ یقینی ہے، اور جو دن گذرتا ہے اس مقررہ مدت میں ایک دن کی کمی کر دیتا ہے اسی طرح جتنے دن بلکہ سانس گذرتے رہتے ہیں اس کی عمر کو گھٹاتے رہتے ہیں، یہ تفسیر شعبی، ابن جبیر، ابو مالک، ابن عطیہ وغیرہ سے منقول ہے (روح) اس مضمون کو اس شعر میں ادا کیا گیا ہے:

حَيَاتك انفاسٌ تُعَدّ فكلَّمَا　　　مضى نفسٌ منها نقصتْ به جزءٌ

''تیری زندگی چند گنے ہوئے سانسوں کا نام ہے، تو جب بھی ایک سانس گذرتا ہے تیری عمر کا ایک جز کم ہو جاتا ہے''

ابن ابی حاتم نے حضرت ابو الدرداء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس (مضمون) کا ذکر رسول اللہ ﷺ کے سامنے کیا، تو آپ نے فرمایا کہ عمر تو اللہ کے یہاں ایک ہی مقرر ہے، جب مقررہ مدت پوری ہو جاتی ہے تو کسی شخص کو ذرا بھی مہلت نہیں دی جاتی، بلکہ زیادت عمر سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اولاد صالح عطا فرما دیتا ہے وہ اس کے لئے دعا کرتی رہتی ہے، یہ شخص دنیا میں موجود نہیں ہوتا مگر اس کی اولاد صالح کی دعائیں اس شخص کو اس کی قبر میں ملتی رہتی ہیں یعنی اس کو قبر میں فائدہ پہنچتا رہتا ہے اس طرح گویا کہ اس کی عمر بڑھ گئی، خلاصہ یہ ہے کہ جن احادیث میں عمر بڑھنے کا ذکر آیا ہے، اس سے مراد عمر کی برکت کا بڑھ جانا ہے۔

وَمِنْ كُلٍّ تاكلونَ لحمًا طريًّا (الآية) یعنی دریائے شور وشیریں دونوں سے تمہیں تازہ گوشت کھانے کو ملتا ہے مراد اس

سے مچھلی ہے، اس آیت میں مچھلی کو گوشت سے تعبیر کیا ہے، اس میں اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ مچھلی بغیر ذبح کئے ہوئے حلال گوشت ہے اس کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں بخلاف دیگر بری جانوروں کے، اور حِلیة کے معنی زیور کے ہیں، مراد اس سے موتی ہیں، اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ موتی جس طرح دریائے شور میں ہوتا ہے دریائے شیریں میں بھی ہوتا ہے، یہ جو مشہور ہے کہ موتی دریائے شیریں میں نہیں ہوتا یہ درست نہیں ہے البتہ شیریں دریا میں بہت کم ہوتا ہے۔

تَلبَسُونَهَا میں مذکر کا صیغہ استعمال کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ موتیوں کا استعمال مردوں کے لئے بھی جائز ہے بخلاف سونے اور چاندی کے، ان کا بطور زیور استعمال کرنا مردوں کے لئے جائز نہیں ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ بِكُلِّ حَالٍ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ عن خَلْقِهِ الْحَمِيْدُ ﴿۱۵﴾ المَحْمُودُ فِي صُنْعِهِ بِهِم اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ بَدَلَكُم وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۱۷﴾ شَدِيْدٍ وَلَا تَزِرُ نَفْسٌ وَّازِرَةٌ اٰثِمَةٌ اي لا تَحمِلُ وِّزْرَ نَفسٍ اُخْرٰى ۭ وَاِنْ تَدْعُ نَفْسٌ مُثْقَلَةٌ بِالوِزْرِ اِلٰى حِمْلِهَا مِنه اَحَدًا لِيَحمِلَ بَعضَهُ لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ المَدعُوُّ ذَا قُرْبٰى ۭ قَرَابَةٍ كَالاَبِ وَالاِبنِ وَعَدَمُ الحَملِ فِي الشِّقَّينِ حُكمٌ مِنَ اللّٰهِ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ اي يَخافُونَهُ وما رَاَوهُ لِاَنَّهُم المُنتَفِعُونَ بِالاِنذارِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ اَدَامُوهَا وَمَنْ تَزَكّٰى تَطَهَّرَ مِنَ الشِّركِ وغيره فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ۭ فَصَلَاحُهُ مُختَصٌّ بِه وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾ المَرجِعُ فَيُجزَى بِالعَمَلِ في الآخِرَةِ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ﴿۱۹﴾ الكَافِرُ وَالمُؤمِنُ وَلَا الظُّلُمٰتُ الكُفرُ وَلَا النُّوْرُ ﴿۲۰﴾ الاِيمانُ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ﴿۲۱﴾ الجَنَّةُ وَالنَّارُ وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ۭ المُؤمِنُونَ وَالكُفَّارُ وزِيَادَةُ لَا فِي الثَّلٰثَةِ تَاكِيدٌ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ هِدَايَتَهُ فَيُجِيبُهُ بِالاِيمانِ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾ اي الكُفَّارَ شَبَّهَهُم بِالمَوتٰى فلا يُجِيبُونَ اِنْ ما اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ﴿۲۳﴾ مُنذِرٌ لَهُم اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بِالهُدٰى بَشِيْرًا مَن اَجَابَ اِلَيهِ وَّنَذِيْرًا ۭ مَن لَم يُجِب اِلَيهِ وَاِنْ ما مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا سَلَفَ فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴿۲۴﴾ نَبِيٌّ يُنذِرُهَا وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ اي اَهلُ مَكَّةَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ المُعجِزَاتِ وَبِالزُّبُرِ كَصُحُفِ اِبرَاهِيمَ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۲۵﴾ هُوَ التَّورٰةُ وَالاِنجِيلُ فَاصبِر كَمَا صَبَرُوا ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِتَكذِيبِهِم فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۲۶﴾ اِنكَارِي عَلَيهِم بِالعُقُوبَةِ وَالاِهلَاكِ اي هُوَ وَاقِعٌ مَوقِعَهُ.

ع ۱۲ ۳ ۱۵

ترجمہ: اے لوگو! تم ہر حال میں اللہ کے محتاج ہو اور اللہ تو اپنی مخلوق سے بے نیاز ہے اور وہ اپنی مخلوق پر احسان کی وجہ سے سزاوار حمد ہے اگر وہ چاہے تو تم کو فنا کردے اور تمہاری جگہ ایک نئی مخلوق پیدا کردے اور یہ بات اللہ کے لئے کچھ مشکل

نہیں، کوئی بھی گنہ گار شخص دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، اور اگر کوئی گناہوں سے گراں بار شخص دوسرے کو اپنا کچھ بوجھ اٹھانے کے لئے بلائے گا تو اس میں سے کچھ بھی نہ اٹھائے گا، گو جس شخص کو بلایا گیا ہے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ باپ اور بیٹا اور دونوں صورتوں میں عدم حمل اللہ کا حکم ہے، آپ تو صرف ان ہی لوگوں کو ڈرا سکتے ہیں جو اپنے رب سے غائبانہ ڈرتے ہوں یعنی اس سے ڈرتے ہوں حالانکہ اس کو دیکھا نہیں ہے، اس لئے کہ یہی لوگ تنبیہ سے فائدہ اٹھانے والے ہیں، اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو شخص شرک وغیرہ سے پاک ہوتا ہے وہ اپنے لئے پاک ہوتا ہے لہٰذا اس کا فائدہ اسی کے ساتھ مخصوص رہے گا اور اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے اور آخرت میں عمل کا بدلا دیا جائے گا اور بینا اور نابینا یعنی مومن اور کافر برابر نہیں ہو سکتے اور نہ تاریکی یعنی کفر اور روشنی یعنی ایمان اور نہ چھاؤں اور دھوپ یعنی جنت اور دوزخ اور نہ زندے اور مردے یعنی مومن و کافر برابر ہو سکتے تینوں جگہوں میں لا کی زیادتی تاکید کے لئے ہے اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی ہدایت سنا دیتا ہے تو وہ ایمان پر لبیک کہہ دیتا ہے، اور آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں یعنی کافروں کو، کافروں کو مردوں سے تشبیہ دی ہے، اس لئے کہ وہ جواب نہیں دیتے (ہدایت قبول نہیں کرتے) اور آپ تو صرف ان کے لئے ڈرانے والے ہیں ہم نے ہی آپ کو حق دیکر خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، اور کوئی امت ایسی نہیں گذری جس میں کوئی ڈرانے والا یعنی نبی نہ گذرا ہو اور اگر اہل مکہ آپ کی تکذیب کریں تو ان سے پہلے لوگوں نے بھی تکذیب کی ہے اور ان کے پاس بھی ان کے رسول معجزے اور صحیفے جیسا کہ صحیفہٗ ابراہیم اور روشن کتابیں وہ تورات اور انجیل ہیں، لیکر آئے تھے سو آپ بھی ان کی طرح صبر کیجئے پھر میں نے ان کافروں کو ان کی تکذیب کی وجہ سے پکڑ لیا (سو دیکھو) میرا ان کو عذاب دینا، سزا اور ہلاک کرنے کے ذریعہ کیسا رہا (یعنی) وہ برمحل اور برموقع واقع ہوا۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلَہٗ: یٰاَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ اِلَی اللّٰہِ آیت میں خطاب لوگوں کو ہے حالانکہ ہرشئ خدا کی محتاج ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے علاوہ دیگر کوئی مخلوق ایسی نہیں ہے جو غنا اور استغناء کا دعویٰ کرتی ہو اسی لئے خاص طور پر آیت میں انسان کو مخاطب بنایا گیا ہے، آیت کے معنی یہ ہیں یٰاَیُّھَا النَّاسُ انتم اَشَدُّ افتِقَارًا واحتِیاجًا الی اللّٰہ فی انفسکُمْ وعیالکُمْ واموالِکُمْ وفیما یعرض لکُمْ من سائر الامور فلا غنی لکُمْ عنہ طرفَۃَ عینٍ ولا اقلَّ مِن ذٰلک.

انسان اپنی ذات میں اور صفات میں اپنے عیال میں اور اموال میں غرضیکہ اپنے تمام امور میں ہر آن وہر لحہ محتاج ہے، جس کی جتنی زیادہ ضرورتیں ہوتی ہیں وہ اتنا ہی زیادہ محتاج ہوتا ہے، انسان کی چونکہ ضرورتیں تمام مخلوقات سے زیادہ ہیں اس لئے اس کی احتیاج بھی سب سے زیادہ ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کے لئے فرمایا ہے خُلِقَ الانسانُ ضَعِیْفًا اور یہیں سے ابوبکر صدیق رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا قول مَنْ عرفَ نفسہ فقد عرف ربَّہٗ یعنی جس نے اپنے فقر وحاجت اور ذل وعجز کو پہچانا اس

نے خدا کے عز وغنا اور قدر وکمال کو پہچانا۔

قِوْلَہٗ: اَلَى اللّٰه یہ فقراء کے متعلق ہے، فقراء فقیر کی جمع ہے، فقیر صیغہ صفت ہے، لہٰذا اس سے متعلق ہونا درست ہے۔

سُوْال: فقیر کے مقابل غنی لانے کے بعد، الحمید، کا اضافہ کس مقصد سے کیا گیا ہے؟

جَوْاب: بندوں کا فقیر ہونا اور اللہ کا غنی ہونا تو ثابت ہو گیا، مگر غنی نافع نہیں ہوتا جب تک کہ وہ سخی اور جواد نہ ہو، اور جب غنی، سخی اور جواد ہوتا ہے تو منعَم علیہم اس کی حمد وثناء کرتے ہیں اور منعم ومحسن، منعَم علیہم کی حمد وثناء کا مستحق ہوتا ہے، لہٰذا اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ اللہ تعالیٰ غنی نافع ہے، الحمِیْد کا اضافہ فرمایا۔ (جمل)

قِوْلَہٗ: ان یَّشَأ یُذْھِبکُمْ ویاتِ بخلقٍ جدیدٍ یہ اللہ تعالیٰ کے غناء مطلق کا بیان ہے یعنی تمہاری فناء اس کی مشیت پر اور بقاء اس کے فضل پر موقوف ہے، اس میں کسی کا دخل نہیں ہے، اور اپنے قول ویَاتِ بخلقٍ جدیدٍ سے زیادتی استغناء کا بیان ہے یعنی کوئی یہ نہ سمجھے کہ اگر اللہ تعالیٰ انسانوں کو فنا کر دے گا تو اس کے کمال ملک میں نقصان ہوگا اس لئے کہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ وہ جدید مخلوق پیدا کر دے جو اس سے بھی احسن واجمل ہو وَمَا ذٰلِكَ علی اللّٰہ بعزیز یعنی اذہاب واتیان اس کے لئے کوئی مشکل نہیں ہے۔

قِوْلَہٗ: وازِرَۃٌ یہ تَزِرُ کا فاعل ہے اس کا موصوف محذوف ہے مفسر علام نے اپنے قول نفسٌ سے محذوف کی طرف اشارہ کر دیا ہے، یعنی کوئی گناہگار شخص کسی گناہگار شخص کا (قیامت کے دن) بوجھ نہ اٹھائے گا۔

سُوْال: اس آیت یعنی لا تَزِرُ وَازِرَۃ وِزْرَ اُخریٰ اور دوسری آیت وَلَیَحْمِلُنَّ اَثْقَالَھُمْ میں تعارض معلوم ہوتا ہے، تطبیق کی کیا صورت ہوگی؟

جَوْاب: یہ آیت ضالین اور مضلین کے بارے میں ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ ضلال واِضلال یعنی گمراہ ہونے اور گمراہ کرنے کا بوجھ اٹھائیں گے، اس طریقہ پر یہ خود اپنے ہی گناہوں کا بوجھ اٹھانے والے ہوں گے۔

قِوْلَہٗ: وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَۃٌ اِلیٰ حِمْلِھَا. مُثْقَلَۃٌ ای نفسٌ مثقلۃٌ بالذنوب.

قِوْلَہٗ: حِمل موصوف ہے۔

قِوْلَہٗ: مِنہُ حِمل ۃٌ یہ حِملٌ بمعنی محمول کی صفت ہے اور ضمیر وِزْرٌ کی طرف راجع ہے ای الی محمولھا الکائن من الوِزْرِ، حِمل بالکسر اس وزن کو کہتے ہیں جو سر یا پشت پر اٹھایا ہو، جمع احمال وحُمُولٌ آتی ہے اور حَمْل بالفتح پھلوں کو کہتے ہیں، جب تک کہ وہ درختوں پر ہوں اور بچہ کو کہتے ہیں جب کہ وہ رحم مادر میں ہو، ازہری نے کہا ہے کہ یہی صواب ہے اور یہی اصمعی کا قول ہے۔ (جمل)

قِوْلَہٗ: عدم الحمل فی الشقین شقین سے حمل اجباری جو کہ ولا تَزِرُ وازرۃٌ وِزرَ اخریٰ میں مذکور ہے اور حمل اختیاری ہو کہ وَاِنْ تدْعُ. ذَا قُربیٰ میں مذکور ہے، مراد ہیں یعنی حمل اجباری اور حمل اختیاری کی اجازت کا نہ ہونا، یہ اللہ ہی کے حکم سے ہوگا۔

قَوْلُہٗ: یخشون رَبَّھُمْ بالغیبِ، بالغیب ، یَخْشَوْنَ کی ضمیر فاعل سے حال ہے، ای یخشَوْنَہٗ حالَ کونِھم غائبین عنہُ غائبین یہ بندوں کی صفت ہے نہ کہ رب کی، اس لئے کہ رب کی صفت قرب ہے نہ کہ غیبت، کما قال اللّٰہ تعالٰی ونحن اقربُ الَیْہِ مِن حبلِ الوَرِیْدِ اور یہ بھی درست ہے کہ یَخشَونَ کے مفعول سے حال ہو، ای یَخْشَوْنَہٗ والحال انَّہ غائبٌ عنھم ای مُحْتَجبٌ بجلالہٖ فلا یرونَہٗ مفسر علام نے اپنے قول وَمَا رَاَوْہُ سے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے، اللہ تعالیٰ کی عدم رویت اس کے صفت جلال میں محجوب ہونے کی وجہ سے ہے اور جب جنت میں صفت جمال میں جلوہ گر ہوں گے تو جنتیوں کو خدا کا دیدار حاصل ہوگا، مگر دنیا میں ان آنکھوں سے خدا کا دیدار ممکن نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: لِأنَّھُمْ المنتفعون بالإنذار اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ اِنَّمَا کلمہ حصر کے ذریعہ انذار کو اہل خشیت کے ساتھ خاص کرنے کی کیا وجہ ہے؟ حالانکہ ہر مکلّف کے لئے انذار ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ چونکہ نصیحت وانذار سے اہل خشیت ہی منتفع ہوتے ہیں، اس لئے اہل خشیت کا خاص طور پر ذکر کیا ہے، گویا کہ یہ کہا گیا ہے اِنّما یَنْفَعُ اِنذارُكَ اهل الخشية.

قَوْلُہٗ: وَمَا یَسْتَوِی الاعمٰی والبصیر یہ مومن اور کافر کی مثال ہے، اولاً ما یستوی الاعمٰی والبصیر سے مومن وکافر کی ذات میں فرق بیان کیا ہے، ثانیاً یعنی ولا الظلمات ولا النور سے دونوں کی صفات میں فرق بیان کیا اور ثالثاً یعنی ولا الظل ولا الحرور سے آخرت میں دونوں کے ٹھکانوں کے درمیان فرق کو بیان فرمایا، تینوں جملوں میں لا کی زیادتی تاکید نفی کے لئے ہے، اس لئے کہ نفس نفی تو ما نافیہ سے مفہوم ہے۔

قَوْلُہٗ: اِنّ اللّٰہَ یُسمِعُ سے فکَیْفَ کانَ نکِیْر تک یہ آپ ﷺ کو تسلی ہے۔

قَوْلُہٗ: وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فی القُبُوْرِ میں کفار کو اثر قبول نہ کرنے میں مردوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

قَوْلُہٗ: فلا یجیبون کی ضمیر جمع معنی کے اعتبار سے مَنْ کی طرف لوٹ رہی ہے، اس لئے کہ مفسر علام نے مَنْ کی تفسیر کفار سے کی ہے، بعض نسخوں میں فیُجیْبُوْنَ ہے۔

قَوْلُہٗ: اِنْ اَنتَ اِلَّا نذیر مطلب یہ ہے کہ آپ کا فریضہ صرف تبلیغ ہے، ہدایت، اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت عطا فرماتا ہے۔

قَوْلُہٗ: بالحق یہ اَرْسَلْنٰكَ کے کاف سے حال ہے، اور حق بمعنی ہدایت ہے اور ہدایت ھادیًا کے معنی میں ہے ای اَرْسَلْنٰكَ حال کونكَ ھادیًا.

قَوْلُہٗ: اَجَابَ اِلَیْہِ ، اِلَیْہِ کی ضمیر ہدایت کی طرف راجع ہے اور اَجَابَ الیه کے معنی جواب دینا، قبول کرنا، اَجَابَ الیہِ ای قَبِلَہٗ لم یُجِبْ الیه ای لَمْ یَقْبَلْہٗ.

قَوْلُہٗ: ھُوَ واقِعٌ مَوْقِعَہٗ اس میں اشارہ ہے کہ کیف کان نکیری میں استفہام تقریری ہے۔ (حاشية الجلالين)

قَوْلُہٗ: وَمَا یَسْتَوِی الْاَحْیَاءُ وَلَا الْاَمْواتُ یہ کافروں کی دوسری تشبیہ ہے جو کہ پہلی سے ابلغ ہے پہلی تشبیہ کافروں کو عدم

نفع میں اندھوں کے ساتھ دی گئی ہے اور اس میں مردوں سے تشبیہ دی گئی ہے، اندھوں میں کچھ نہ کچھ نفع ہوتا ہے بخلاف مردوں کے کہ ان میں کوئی نفع نہیں ہوتا۔

تفسیر وتشریح

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ (الآیة) ناسٌ کا لفظ عام ہے جس میں عوام وخواص حتی کہ اولیاء وصلحاء وانبیاء بھی داخل ہیں، اللہ کے در کے سب محتاج ہیں، لیکن اللہ کسی کا محتاج نہیں، وہ اتنا بے نیاز ہے کہ اگر سب لوگ اس کے نافرمان ہو جائیں تو اس سے اس کی سلطنت میں کوئی کمی اور اگر سب لوگ اس کے اطاعت گذار بن جائیں تو اس سے اس کی قوت اور حاکمیت میں کوئی زیادتی نہیں ہوگی، بلکہ نافرمانی سے خود انسانوں ہی کا نقصان اور طاعت وعبادت سے انسانوں کا اپنا ہی فائدہ ہے۔

اور وہ اپنی نعمتوں کی وجہ سے محمود ہے یعنی اس نے جو نعمتیں اپنے بندوں پر کی ہیں ان پر وہ بندوں کے حمد وشکر کا مستحق ہے، اور اس کی شان بے نیازی کا یہ حال ہے کہ وہ چاہے تو تمہیں فنا کے گھاٹ اتار کر تمہاری جگہ ایک نئی مخلوق پیدا کر دے، جو اس کی اطاعت گذار ہو، اور یہ بات اس کے لئے کچھ مشکل نہیں۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی یعنی قیامت کے روز کوئی شخص دوسرے شخص کے گناہوں کا بوجھ نہ اٹھائے گا، نہ اختیاری طور پر اور نہ اجباری طور پر، ہر شخص کو خود ہی اپنا بوجھ اٹھانا ہوگا، اور سورۂ عنکبوت میں جو آیا ہے کہ وَلَیَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ یعنی گمراہ کرنے والے اپنے گناہوں کے بوجھ کے ساتھ ساتھ اتنا ہی ان دوسروں کا بوجھ بھی اٹھائیں گے جن کو انہوں نے گمراہ کیا ہوگا، اس کا مطلب یہ نہیں کہ جن کو گمراہ کیا تھا ان کا بوجھ یہ لوگ کچھ ہلکا کر دیں گے، بلکہ ان کا بوجھ اپنی جگہ باقی رہے گا، اور گمراہ کرنے والوں کا جرم دوہرا ہونے کی وجہ سے ان کا بوجھ بھی دوہرا ہو جائے گا ایک گمراہ ہونے کا اور دوسرا گمراہ کرنے کا، حدیث شریف میں وارد ہوا ہے مَنْ سَنَّ سُنَّةً سَیِّئَةً کَانَ عَلَیْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهٖ (صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ، باب الحث علی الصدقۃ) درحقیقت یہ دوسروں کا بوجھ بھی ان کا اپنا ہی بوجھ ہے کہ ان ہی نے دوسروں کو گمراہ کیا تھا، جس طرح کہ قابیل نے ہابیل کو قتل کر کے ایک رسم بد ایجاد کی، اب آئندہ جتنے بھی قتل ہوں گے قاتل کے اعمال نامہ میں لکھے جانے کے علاوہ قاتل اول قابیل کے نامہ عمل میں بھی لکھے جائیں گے، یہی صورت کار خیر کے بارے میں بھی ہوگی۔

حضرت عکرمہ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں فرمایا کہ اس روز ایک باپ اپنے بیٹے سے کہے گا کہ تم جانتے ہو کہ میں تمہارا کیسا مشفق اور مہربان باپ تھا، وہ اقرار کرے گا اور کہے گا بے شک آپ کے احسانات بے شمار ہیں، آپ نے میرے لئے دنیا میں بہت تکلیفیں برداشت کی تھیں، اس کے بعد باپ کہے گا بیٹا آج میں تمہارا محتاج ہوں، اپنی نیکیوں میں سے تھوڑی مجھے دیدو، کہ میری نجات ہو جائے، بیٹا کہے گا ابا جان آپ نے بہت تھوڑی چیز طلب کی، مگر میں کیا کروں اگر میں وہ آپ کو دیدوں تو میرا بھی یہی حال ہو جائے گا، اس لئے میں مجبور ہوں، پھر وہ اپنی بیوی سے اسی طرح کہے گا، مگر بیوی بھی وہی جواب دے گی جو بیٹے نے دیا، اسی مضمون کو ایک دوسری آیت میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے، یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ وَاُمِّهٖ

وَاَبِیْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیْهِ. (سورۂ عبس)

وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰی یعنی جب اہل قرابت جن سے بُرے وقت میں تعاون وہمدردی کی توقع ہوتی ہے جب وہ ہی رخ پھیر کر دوٹوک جواب دیدیں گے تو غیر اقارب کی مدد وتعاون کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ یہ جملہ مستانفہ ہے، ان لوگوں کا حال بیان کرنے کے لئے لایا گیا جو آپ کی انذار وتبلیغ سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اور یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ کا ایک مطلب یہ ہے کہ وہ اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں، حالانکہ وہ اس کے عذاب سے غائب ہیں، دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں، حال یہ ہے کہ وہ عذاب ان سے غائب ہے، تیسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ لوگوں کی نظروں سے غائب خلوت اور تنہائیوں میں ڈرتے ہیں۔ (فتح القدیر)

نکتہ: وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ظلمات سے مراد باطل اور نور سے مراد حق ہے ظلمات جمع اور نور کو واحد لانے میں یہ نکتہ ہے کہ حق ایک ہی ہوتا ہے اور باطل کثیر اور متعدد ہوتا ہے، اَحیاء سے مراد مومن اور اموات سے مراد کافر ہیں، عالم اور جاہل نیز دانشمند اور غیر دانشمند بھی مراد ہو سکتے ہیں، مطلب آیت کا یہ ہے کہ جس طرح مردوں کو قبروں میں کوئی بات نہیں سنائی جاسکتی، اسی طرح جن لوگوں کے قلوب کو کفر نے موت سے ہمکنار کردیا ہے یعنی ان کی بداعمالیوں نے ان کے اندر سے قبولیت حق کی صلاحیت ہی ختم کردی ہے تو آپ ایسے لوگوں کو پیغام حق کہ ان کیلئے مفید اور نافع ہو نہیں سنا سکتے، ورنہ تو کہیں کفار مکہ بہرے نہیں تھے وہ آپ ﷺ کی باتیں خوب سنتے تھے مگر قبولیت کے ارادہ سے نہیں سنتے تھے، مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کا کام صرف دعوت وتبلیغ ہے ہدایت اور ضلالت یہ اللہ کے اختیار میں ہے، اس مسئلہ کا تعلق سماع موتی سے نہیں ہے، وہ الگ مستقل مسئلہ ہے، مطلب یہ ہے کہ مردے کی روح سنتی ہے، قبر میں پڑا ہوا دھڑ نہیں سنتا۔ (فوائد عثمانی)

اَلَمْ تَرَ تعلم **اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا** فیه التفاتٌ عَنِ الغَیبَةِ **بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا** کَاَخضَرَ واَحمَرَ واَصفَرَ وغَیرِها **وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ** جَمعُ جُدَّةٍ طَرِیقٌ فی الجَبَلِ وغَیرِه **بِیْضٌ وَّحُمْرٌ** وصُفرٌ **مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا** بِالشِّدَّةِ والضُّعفِ **وَغَرَابِیْبُ سُوْدٌ**﴿۲۷﴾ عَطفٌ عَلٰی جُدَدٍ ای صُخُورٌ شَدِیدَةُ السَّوَادِ یُقَالُ کَثِیرًا اَسوَدُ غِربِیبٌ وقَلِیلًا غِربِیبٌ اَسوَدُ **وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ** کَاختِلَافِ الثِّمارِ والجِبالِ **اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا** بِخِلافِ الجُهَّالِ کَکُفَّارِ مَکَّةَ **اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ** فی مُلکِه **غَفُوْرٌ**﴿۲۸﴾ لِذُنُوبِ عِبادِه المُؤمِنِینَ **اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ** یَقرَؤُنَ **كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ** اَدامُوها **وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً** زَکوةً وغَیرَها **یَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ**﴿۲۹﴾ تَهلِكُ **لِیُوَفِّیَهُمْ اُجُوْرَهُمْ** ثَوابَ اَعمالِهِم المَذکُورَةِ **وَیَزِیْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ** لِذُنُوبِهِم **شَكُوْرٌ**﴿۳۰﴾ لِطاعَتِهِم **وَالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ** القُراٰنِ **هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ** تَقَدَّمَهٗ مِنَ الکُتُبِ **اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ**﴿۳۱﴾ عَالِمٌ بِالبَواطِنِ والظَّواهِرِ

ثُمَّ اَوْرَثْنَا اَعْطَيْنَا الْكِتٰبَ القُراٰنَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا وهم اُمَّتُك فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ بِالتَّقْصِيْرِ فى العَمَلِ به وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ يَعْمَلُ به فى اَغْلَبِ الاَوْقاتِ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ يَضُمُّ الى العَمَلِ به التَّعْلِيْمَ والاِرْشَادَ الى العَمَلِ بِاِذْنِ اللّٰهِ بِاِرَادَتِهٖ ذٰلِكَ اى اِيْرَاثُهُم الكِتَابَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ جَنّٰتُ عَدْنٍ اِقامَةٍ يَّدْخُلُوْنَهَا اى الثَّلاثَةُ بِالبِنَاءِ لِلفَاعِلِ وَلِلمَفْعُوْلِ خَبرُ جَنَّاتِ المُبْتَدَأ يُحَلَّوْنَ خَبَرٌ ثان فِيْهَا مِنْ بعض اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا مُرَصَّعٍ بِالذَّهَبِ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ جَمِيْعَهُ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ لِلذُّنُوبِ شَكُوْرُ لِلطَّاعَاتِ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ اَي الاِقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ تَعَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ اِعْيَاءٌ مِنَ التَّعَبِ لِعَدَمِ التَّكْلِيْفِ فيها وذِكْرُ الثَّانى التَّابعُ لِلاَوَّلِ لِلتَّصْرِيْحِ بنَفيِهٖ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ بالمَوْتِ فَيَمُوْتُوْا يَسْتَرِيْحُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا طَرْفَةَ عَيْنٍ كَذٰلِكَ كَمَا جَزَيْنَاهم نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ كَافِرٍ بالياءِ والنُّون المفتُوحةِ مَعَ كَسْرِ الزاى ونَصْبِ كُلّ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا يَسْتَغِيْثُوْنَ بشِدَّةٍ وعَوِيْلٍ يقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا منها نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ فيُقَالُ لهم اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا وقتا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ الرَّسُوْلُ فما اَجَبْتُم فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ الكافِرِيْن مِنْ نَّصِيْرٍ يَدفَعُ العَذَابَ عنهم.

ع ۱۶

ترجمہ: اے مخاطب! کیا تو نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ اللہ نے آسمان سے پانی نازل کیا پھر ہم نے اس پانی کے ذریعہ مختلف رنگوں کے پھل پیدا کئے اس میں غیبت سے تکلم کی جانب التفات ہے جیسا کہ سبز اور سرخ اور زرد وغیرہ اور پہاڑوں میں بھی مختلف رنگوں کی دھاریاں ہیں جُدَدٌ جُدَّۃٌ کی جمع ہے، پہاڑی راستے وغیرہ کو کہتے ہیں، (مثلاً) سفید و سرخ اور زرد اور وہ رنگ تیز اور ہلکا ہونے کے اعتبار سے بھی مختلف ہیں اور بہت گہرے سیاہ بھی اس کا عطف جُدَدٌ پر ہے یعنی نہایت تیز رنگ کی چٹانیں ہیں، کثیر الاستعمال اَسْوَدُ غِربیبٌ ہے اور قلیل الاستعمال غِرْبِیْبٌ اَسْوَدُ ہے اور اسی طرح انسانوں اور جانوروں اور چوپایوں میں بھی بعض ایسے ہیں پھلوں اور پہاڑوں کے رنگوں کے اختلاف کے مانند کہ ان کی رنگتیں بھی مختلف ہیں، اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو (اس کی عظمت) کا علم رکھتے ہیں بخلاف جاہلوں کے جیسا کہ مکہ کے کافر واقعی اللہ تعالیٰ اپنے ملک میں زبردست اور اپنے مومن بندوں کے گناہوں کو معاف کرنے والا ہے بلاشبہ جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ہم نے جو کچھ ان کو عطا کیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ زکوٰۃ وغیرہ کے طور پر خرچ کرتے ہیں وہ ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں کہ جو کبھی خسارے میں نہ ہوگی تا کہ ان کو ان کا بھرپور صلہ دے یعنی ان کے اعمال مذکورہ کا ثواب اور ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ دے بے شک وہ گنہ گاروں کا بڑا بخشنے والا اور ان کی طاعت کا قدردان ہے اور یہ کتاب قرآن جو ہم نے آپ کو وحی کے ذریعہ بھیجی ہے وہ بالکل ٹھیک ہے جو اپنے سے سابقہ کتابوں کی بھی تصدیق کرتی ہے بیشک اللہ تعالیٰ اپنے

بندوں کی (حالت کی) پوری خبر رکھنے والا اور خوب دیکھنے والا ہے یعنی ظاہر و باطن کا جاننے والا ہے پھر ہم نے اس کتاب قرآن کا ان لوگوں کو وارث بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں پسند کیا اور وہ آپ کی امت ہے سو ان میں سے بعض تو اپنے اوپر اس کتاب پر عمل کرنے میں کوتاہی کرنے کی وجہ سے ظلم کرنے والے ہیں اور کچھ ان میں سے درمیانہ درجے کے ہیں کہ اکثر اوقات اس پر عمل کرتے ہیں اور بعض ان میں سے ایسے ہیں جو اللہ کی مشیئت (وتوفیق) سے نیکیوں میں ترقی کئے جاتے ہیں یعنی قرآن پر عمل کے ساتھ تعلیم اور عمل کی طرف رہنمائی کو بھی ملا لیتے ہیں یہ یعنی ان کو کتاب کا وارث بنانا خدا کا بڑا فضل ہے، وہ ہمیشہ رہنے کے باغات ہیں جن میں یہ تینوں (فریق) داخل ہوں گے (یُدخلون) معروف اور مجہول دونوں ہیں یَدْخُلُوْنَهَا، جنّاتٌ مبتدا کی خبر ہے، جنت میں ان کو سونے کے کنگن اور سونے سے جڑے ہوئے موتی پہنائے جائیں گے اور ان کا لباس جنت میں ریشم کا ہوگا اور وہ کہیں گے کہ اللہ کا (لاکھ لاکھ) شکر ہے کہ اس نے ہمارے تمام غم دور کر دیئے بے شک ہمارا پروردگار گناہوں کا بڑا بخشنے والا ہے اور طاعات کا قدردان ہے جس نے ہم کو اپنے فضل سے دائمی قیام گاہ میں داخل کیا جہاں ہم کو نہ کوئی مشقت پہنچے گی اور نہ ہم کو کوئی تکان لاحق ہوگی، (یعنی) تعب کی وجہ سے خستگی، جنت میں تکلیف نہ ہونے کی وجہ سے، اور ثانی یعنی (لغوب) کا ذکر جو کہ اول (یعنی نصب) کے تابع ہے صراحتاً تکان کی نفی کے لئے ہے اور کافروں کے لئے جہنم کی آگ ہے نہ ان کو موت ہی آئے گی کہ مر کر ہی راحت پا جائیں اور نہ ان سے لمحہ بھر کے لئے دوزخ کا عذاب ہلکا کیا جائے گا، جس طرح ان کو ہم نے سزا دی، ہم ہر کافر کو ایسی ہی سزا دیں گے ی اور نون مفتوحہ اور ز کے کسرہ اور کُلَّ کے نصب کے ساتھ اور وہ لوگ جہنم میں فریاد کریں گے (یعنی) شدت سے ہائے پکار کرتے ہوئے کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہم کو تو اس سے نکال دے ہم ان کاموں کے برخلاف کریں گے جن کو کیا کرتے تھے نیک کام کریں گے تو ان کو جواب دیا جائے گا کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی کہ جس کو سمجھنا ہوتا وہ سمجھ سکتا تھا اور تمہارے پاس ڈرانے والا رسول بھی پہنچا تھا، تو تم نے اس کی دعوت کو قبول نہیں کیا تو مزا چکھو، ایسے ظالموں کا (کافروں) کا کوئی مددگار نہیں کہ ان سے عذاب کو دفع کرے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: اَلَمْ تَرَ یہ کلام مستانف ہے، یہ غالب قدرت اور کمال حکمت اور عجیب صنعت کو بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے، اور رویت سے مراد رویت قلبی ہے جیسا کہ مفسر علام نے تریٰ کی تفسیر تعلَمْ سے کر کے اشارہ کر دیا ہے اَنَّ اپنے اسم و خبر سے مل کر تریٰ بمعنی تَعلَمْ کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے، اور مخاطب آپ ﷺ ہیں اور ہر وہ شخص بھی مخاطب ہو سکتا ہے جس میں مخاطب بننے کی صلاحیت ہو۔

قولہ: فَاَخْرَجْنَا بہ ای بالماء فَاَخْرَجْنَا اس میں غیبت سے تکلم کی طرف التفات ہے، اور نکتہ اس التفات میں صنعت بدیع کی طرف عنایت کا اظہار ہے اس لئے کہ انزال کے مقابلہ میں اخراج میں زیادہ احسان اور صنعت بدیع ہے۔

قِوْلَہٗ: مختلفًا الوانُها کا نصب ثمرات کی صفت ہونے کی وجہ سے ہے، اور الوان سے مراد مختلف انواع واقسام ہیں ای بعضها ابیض وبعضها احمر وبعضها اصفر، وبعضها اخضر وبعضها اسود.

قِوْلَہٗ: جُدَدٌ جمع جُدَّةٍ بمعنی راستہ، اور بعض حضرات نے کہا ہے جُدَّةٌ بمعنی قِطعةٌ ہے، یقال جَدَدتُ الشئَ ای قطعتهٗ اور جوہری نے کہا ہے جُدَّةٌ ان دھاریوں کو کہتے ہیں جو حمار وحشی (زیبرا) کی پشت پر ہوتی ہیں۔

قِوْلَہٗ: مختلفٌ الوانها، ألوانها، مختلف کا فاعل ہے پھر جملہ ہوکر جُدَدٌ کی صفت ہے، اور غرابیب کا عطف جُدَدٌ پر ہے اور سودٌ غرابیب سے بدل ہے یعنی نہایت سیاہ چٹانیں، غربیبٌ اسودُ کی تاکید یا صفت ہے، جیسا کہ الاحمر القانی میں قانی احمر کی صفت ہے یا تاکید ہے، مبالغہ کیلئے صفت کو یعنی تاکید کو مقدم کردیا ہے، ورنہ عام طور پر صفت موصوف سے اور تاکید مؤکد سے مؤخر ہوا کرتی ہے، اور یہ اصل کے مطابق ہے، اسی لئے اَسْوَدُ غربیبٌ کثیر الاستعمال ہے اور غربیبٌ اسودُ خلاف قیاس ہونے کی وجہ سے قلیل الاستعمال ہے۔

قِوْلَہٗ: ومِنَ الناس خبر مقدم ہے مُختلفٌ الوانهٗ موصوف محذوف کی صفت ہے ای صِنْفٌ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ مِنَ الناسِ.

قِوْلَہٗ: كذٰلك مصدر محذوف کی صفت ہے ای اختلافًا كذٰلك.

قِوْلَہٗ: اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَآءُ چونکہ خشیت کا تعلق شیٔ کی معرفت پر موقوف ہوتا ہے جس کو جس قدر زیادہ معرفت حاصل ہوگی وہ اسی قدر زیادہ ڈرنے والا ہوگا، چنانچہ حدیث میں وارد ہوا ہے اَنَا اَخشاكم للّٰهِ واتقاكم لهٗ اور شاذ قراءت میں اللّٰه کے رفع اور علماء کے نصب کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، مگر اس صورت میں یخشٰی بمعنی یُعَظِّمُ ہوگا، یعنی اللہ تعالیٰ اپنے سے ڈرنے والوں کی قدر کرتا ہے۔

قِوْلَہٗ: اِنَّ اللّٰهَ عزیز غفورٌ یہ وجوب خشیت کی علت ہے، مطلب یہ ہے کہ ہر انسان کو اس سے اس لئے ڈرنا چاہئے کہ وہ ہر شئ پر غالب وقاہر ہے اور گنہگاروں کو معاف کرنے والا ہے۔

قِوْلَہٗ: یَرْجونَ تجارةً. اِنَّ کی خبر ہے۔

قِوْلَہٗ: سِرًّا وعلانيةً نزع خافض کی وجہ سے منصوب ہے ای فی السرِّ والعلانية اور حال ہونے کی وجہ سے بھی منصوب ہوسکتا ہے ای مسرین ومعلِنِيْنَ، لَن تبور فعل مضارع منصوب بلن ہے اور جملہ ہوکر تجارة کی صفت ہے، اور مضاف محذوف ہے ای یَرْجُوْنَ ثوابَ تجارةٍ لَنْ تبورَ، تبُوْرُ (ن) سے بَوَارٌ ، ہلاک ہونا، تُمْنا تبُور واحد مؤنث حاضر، وہ ہلاک ہوگئی، وہ خراب ہوگئی۔

قِوْلَہٗ: لِيُوَفِّيَهُمْ اجورَهم میں لام عاقبة ہے۔

قِوْلَہٗ: وَالَّذِیْ. اَلَّذِیْ موصول، اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ جملہ ہوکر صلہ، موصول صلہ سے مل کر مبتداء، مِنَ الكتابِ میں مِن بیانیہ ہے هُوَ مبتداء الحق خبر، مبتداء باخبر جملہ ہوکر اَلَّذِیْ مبتداء کی خبر، اور بعض حضرات نے هُوَ کو ضمیر فصل کہا ہے اور الحقُ کو

الَّذِی مبتدا کی خبر کہا ہے۔ (جمل)

قَوْلُہٗ: مُصَدِّقًا، اَلکتاب سے حال ہے۔

قَوْلُہٗ: ثُمَّ اَوْرَثْنَا اَعْطَیْنَا، ثُمَّ بعد رتبی کو بیان کرنے کے لئے ہے اور اَوْرَثْنَا کی تفسیر اَعْطَیْنَا سے کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح میراث بغیر تعب و مشقت کے حاصل ہوتی ہے اسی طرح کتاب (القرآن) بھی امت کو بغیر تعب و مشقت کے حاصل ہوئی ہے۔

قَوْلُہٗ: مِنْ عِبَادِنَا میں مِنْ بیانیہ اور تبعیضیہ دونوں ہو سکتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: اَوْرَثْنَا فعل بافاعل ہے الکتاب مفعول بہ ثانی مقدم ہے، اور الَّذِیْنَ مفعول اول مؤخر ہے اور اِصْطَفَیْنَا جملہ ہو کر الَّذِیْنَ کا صلہ ہے اور مِنْ عِبَادِنا حال ہے۔

قَوْلُہٗ: مُقْتَصِدٌ، اقتصادٌ سے اسم فاعل واحد مذکر سید ھے راستہ پر قائم، میانہ رو۔

قَوْلُہٗ: مُرَصَّعٍ بِالذَّھَبِ یہ تفسیر لُؤْلُؤٍ جر کے ساتھ قراءت کی صورت میں ہے اور اگر لُؤْلُؤًا نصب کی قراءت ہو تو مِنْ اَسَاوِرَ کے محل پر عطف ہوگا یَدْخُلُوْنَ اور یُحَلَّوْنَ یہ تغلیبًا ہیں ورنہ تو یہی حکم عورتوں کا بھی ہے۔

قَوْلُہٗ: اَلْحَزَنَ یہ باب سمع کا مصدر ہے، بمعنی غم اور غمگین ہونا، شارح علام نے جمیعہٗ کا اضافہ کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ ہر قسم کے غم کا ازالہ مراد ہے، خواہ غم معاش ہو یا غم معاد، غرضیکہ جنت میں کسی قسم کا غم نہ ہوگا۔

قَوْلُہٗ: قالوا ماضی کا صیغہ وقوع یقینی کی وجہ سے لایا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: اَحَلَّنَا یہ حَلَّ یَحُلُّ حلولًا سے ماخوذ ہے اس کے معنی ہیں داخل ہونا۔

قَوْلُہٗ: اَلْمُقَامَۃُ یہ باب (افعال) سے مصدر میمی ہے، بمعنی دائمی اقامت۔

قَوْلُہٗ: نَصَبٌ تکان، مشقت۔

قَوْلُہٗ: لُغُوْبٌ، لُغُوبٌ مصدر اور اسم مصدر ہے خستگی، درماندگی، سستی۔ (لغات القرآن)

قَوْلُہٗ: وذِکْرُ الثانی التابع للاول مفسر علام کا مقصد اس عبارت سے ایک شبہ کا جواب دینا ہے۔

شبہ: یہ ہے نَصَبٌ تکان سبب اور لُغُوْبٌ (سستی) مسبب ہے اور انتفاء سبب انتفاء مسبب کو مستلزم ہے اور لا یَمَسُّنَا فیھا نَصَبٌ میں سبب کی نفی ہے لہٰذا لغوب کی بھی نفی ہوگئی، دوبارہ لغوب کی نفی کی کیا ضرورت؟

جَوَابٌ: کا ماحصل یہ ہے کہ اگرچہ سبب کی نفی مسبب کی نفی کو مستلزم ہوتی ہے مگر یہ نفی ضمنًا اور تبعًا ہوتی ہے، لغوب کی نفی کر کے مستقلًا نفی کی طرف اشارہ کر دیا۔

قَوْلُہٗ: یَصْطَرِخُوْنَ، اِصْطِرَاخٌ سے جمع مذکر غائب وہ چیخیں گے، اِصْطِرَاخ (افتعال) تا کو طا سے بدل دیا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: العَوِیْل، رَفْعُ الصوتِ بالبُکاء زور زور سے رونا۔

قَوْلُہٗ: اَوَلَمْ نُعَمِّرْکُمْ، ما یہ جملہ قول محذوف کا مقولہ ہے ای فیقال لکم ہمزۂ استفہام انکاری توبیخ کیلئے ہے، واؤ

عاطفہ کے ذریعہ محذوف پر عطف ہے ای اَلَمْ نُمْهِلْكُمْ ونُؤخِّرْكُمْ عمرًا يَتَذَكَّرُ فيهِ مَنْ تَذَكَّرَ، ما نکرہ موصوفہ بمعنی وقت ہے، اور يَتَذَكَّرُ جملہ ہو کر صفت ہے۔

قَوْلُہٗ: مَا اَجَبْتُمْ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک شبہ کا جواب ہے، شبہ یہ ہے کہ ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اِذَاقتِ عذاب کا ترتب مجیئت رسول پر مرتب ہے، حالانکہ یہ خلاف واقعہ ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اِذاقتِ عذاب محذوف پر مرتب ہے نہ کہ مجیئت رسول پر اور وہ محذوف فما اَجَبْتُمْ ہے۔

تفسیر وتشریح

ربط آیات:

سابقہ آیات میں لوگوں کے احوال کا مختلف ہونا اور اس کی تمثیلات بیان فرمائی ہیں مثلاً وَمَا يَسْتَوِی الْاَعْمٰی والبَصِيْرُ ولا الظُلُماتُ ولا النورُ ولا الظّل ولا الحرور ان آیات میں اسی کی مزید توضیح ہے کہ مخلوقات میں باہمی تفاوت ایک خِلقی امر ہے اور یہ تفاوت نباتات و جمادات تک میں موجود ہے، اور یہ اختلاف صرف شکل وصورت یا رنگ و بو ہی تک محدود نہیں بلکہ طبیعت اور خاصیت میں بھی پایا جاتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ (الآیة) یعنی جس طرح مومن وکافر، صالح اور فاسق دونوں قسم کے لوگ ہیں اسی طرح دیگر مخلوقات میں بھی تفاوت واختلاف ہے، مثلاً پھلوں کے رنگ بھی مختلف ہیں اور ذائقے اور بو بھی، حتی کہ ایک ہی پھل کی نہ صرف یہ کہ شکل وصورت مختلف ہوتی ہے بلکہ رنگ وذائقہ بھی مختلف ہوتا ہے، بلکہ خدا کی قدرت دیکھئے کہ ایک ہی پھل کے مختلف اجزاء کا رنگ و بو اور مزا ایک دوسرے سے بہت مختلف بلکہ ضد ہوتا ہے اگر مغز شیریں ہے تو بیج نہایت تلخ ہے اور بیج شیریں ہے تو چھلکا نہایت بدمزہ ہے جبکہ سب کو خوراک ایک ہی زمین اور ایک ہی پانی وہوا ایک ہی سورج کی گرمی اور چاند کی روشنی سے حاصل ہوتی ہے اور خوراک سب کو ایک ہی تنے اور شاخوں کے ذریعہ پہنچتی ہے اس کے باوجود اس قدر فرق!!! ایک ہی قادر مطلق کی قدرت نہیں تو اور کیا ہے؟ اسی طرح پہاڑ اور اس کے حصے یا راستے اور خطوط مختلف رنگوں کے ہیں، سفید، سرخ اور بہت گہرے سیاہ جُدَدٌ جُدَّةٌ کی جمع ہے راستہ یا لکیر کو کہتے ہیں، غَرَابیبُ غِرْبیبٌ کی جمع ہے اور سود، اَسْوَد کی جمع ہے، سیاہ کو کہتے ہیں جب گہرے سیاہ پن کو ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے تو اسود کے ساتھ غربیبٌ کا لفظ استعمال کرتے ہیں اسودُ غربیبٌ بولتے ہیں بہت زیادہ سیاہ، جیسا کہ الاحمر القانی نہایت سرخ، پتھر کی چٹانیں بھی مختلف رنگ کی ہوتی ہیں بلکہ ایک ہی چٹان میں مختلف رنگوں کی لکیریں ہوتی ہیں جو آپس میں نہایت ممتاز ومختلف ہوتی ہیں، اسی طرح انسان اور جانور بھی سفید سیاہ سرخ اور زرد رنگ کے ہوتے ہیں، یہ سب قدرت خداوندی کی نشانیاں ہیں، اور خدا کی ان قدرتوں اور اس کی کمال صنعت کو وہی لوگ جان اور سمجھ سکتے ہیں جو کتاب وسنت اور اسرار الٰہیہ کا علم رکھتے ہیں، اور جتنی جس کو خدا کی معرفت حاصل ہوتی ہے وہ اسی قدر خدا سے ڈرتے ہیں گویا جن کو

خشیت حاصل نہیں سمجھ لو کہ وہ علم صحیح سے محروم ہیں، اور قرآنی اصطلاح میں عالم اسی کو کہا جاتا ہے جس کے اندر خشیت الٰہی موجود ہو، کذلك پر جمہور کے نزدیک وقف ہے یعنی اس کا تعلق ماقبل کے مضمون سے ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کذلك کا تعلق مابعد کے ساتھ ہے، مطلب یہ ہے کہ جس طرح ثمرات، پہاڑ، حیوانات اور اشیاء ان مختلف رنگوں پر منقسم ہیں، اسی طرح خشیت الٰہی میں بھی لوگوں کے درجات مختلف ہیں، کسی کو خشیت کا اعلیٰ درجہ حاصل ہے اور کسی کو ادنیٰ اور کسی کو متوسط اور مدار اس کا علم پر ہے، جس درجہ کا علم ہوگا اسی درجہ کی خشیت ہوگی۔ (روح)

سفیان ثوری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں، علماء کی تین قسمیں ہیں: ① ایک عارف باللہ وعالم بامر اللہ، یہ وہ ہے جو اللہ سے ڈرتا ہو اور اس کے حدود وفرائض کو جانتا ہو، ② دوسرا صرف عارف باللہ، جو اللہ سے تو ڈرتا ہے لیکن اس کے حدود وفرائض سے بے خبر ہے، ③ تیسرا وہ جو صرف عالم بامر اللہ ہو جو حدود وفرائض سے باخبر ہے لیکن خشیت الٰہی سے عاری ہے۔ (ابن کثیر)

سابق آیات میں ارشاد فرمایا تھا اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ بالغیب اس میں آپ ﷺ کی تسلی اور دلداری کے لئے فرمایا کہ آپ کے انذار وتبلیغ کا فائدہ صرف وہ لوگ اٹھاتے ہیں جو غائبانہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، اس کی مناسبت سے اِنَّما یخشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ العُلماءُ میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن کو اللہ تعالیٰ کی خشیت حاصل ہے، لفظ انّما عربی زبان میں حصر کے لئے آتا ہے، اس لئے اس جملہ کے معنی بظاہر یہ ہیں کہ صرف علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں، مگر ابن عطیہ وغیرہ ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ کلمہ اِنّما جس طرح حصر کے لئے آتا ہے، اسی طرح کسی کی خصوصیت بیان کرنے کے لئے بھی آتا ہے اور یہاں یہی معنی مراد ہیں کہ خشیت الٰہی علماء کا وصف خاص ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ غیر عالم میں خشیت نہ ہو۔ (بحر محیط، ابو حیان)

اور آیت میں علماء سے وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا کماحقہ علم رکھتے ہیں، صرف عربی زبان یا اس کے صرف ونحو اور معانی وبلاغت یا محض الفاظ قرآنی کے معانی کے جاننے والوں کو قرآن کی اصطلاح میں عالم نہیں کہا جاتا، حسن بصری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ عالم وہ شخص ہے کہ جو خلوت وجلوت میں اللہ سے ڈرے اور جن چیزوں کی اللہ نے ترغیب دی ہے وہ مرغوب ہوں اور جو چیزیں اللہ کے نزدیک مبغوض ہیں اس کو ان سے نفرت ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے فرمایا:

لیس العلم بکثرت الحدیث ولکن العلم عن کثرت الخشیة.

یعنی بہت سی احادیث یاد کر لینا کوئی علم نہیں بلکہ علم وہ ہے جس کے ساتھ اللہ کا خوف ہو۔

قال مجاہد رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ، اِنَّما العالم مَنْ خَشِیَ اللّٰہَ عزّوجلَّ عالم کہلانے کا مستحق وہی ہے جس میں خشیت الٰہی غالب ہو، اور مسروق رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے کہا کفٰی بخشیة اللّٰہ علمًا و کفٰی بالاغترارِ جھلًا.

اِنَّما یخشَی اللّٰہَ من عبادِہِ العلماءُ میں مفعول کومقدم کرنے کی وجہ سے فاعلیت میں حصر ہے، مفعول کو مؤخر کرنے کی صورت میں حصر میں قلب ہوجاتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ عزیز غفورٌ یہ وجوب خشیت کی علت ہے، یعنی اس سے کیوں ڈرنا چاہئے؟ اس لئے کہ وہ معصیت پر سزا دینے والا ہے اور توبہ کرنے والوں کو معاف کرنے والا ہے۔

یَرْجُوْنَ تجارۃً لن تبور، اِنَّ کی خبر ہونے کی وجہ سے جملہ ہوکر محلًا مرفوع ہے یعنی جو لوگ قرآن کریم کی پابندی سے تلاوت کرتے ہیں اور نمازوں کو ان کے اوقات پر اس کے آداب کی رعایت کے ساتھ پڑھتے ہیں اور جو مال ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے موقع کے لحاظ سے پوشیدہ اور ظاہر طریقہ سے خرچ کرتے ہیں بعض کے نزدیک ''سر'' سے مراد نفلی صدقہ ہے، اور ''علانیہ'' سے واجب اور فرض صدقہ ہے، تو ایسے لوگ آخرت میں ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں جس میں خسارہ کا امکان نہیں ہے، اعمال صالحہ کے ثواب کی امید کی خبر دینا حصول مرجو کے وعدہ کے قائم مقام ہے، لِیُوَفِّیَھُمْ اُجُوْرَھُمْ کا لام لن یبور سے متعلق ہے، مطلب یہ ہے کہ صالحین کا خسران و نقصان اس لئے نہیں ہوگا کہ ان کے اعمال صالحہ کا صلہ پورا پورا عطا کیا جائے گا، اور ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ دے گا۔

اِنَّہٗ غفورٌ شکورٌ یہ توفیۃ اور زیادۃٌ کی علت ہے کہ وہ اپنے مومن بندوں کے گناہ معاف کرنے والا ہے بشرطیکہ اخلاص سے توبہ کریں ان کے جذبہ اطاعت اور عمل صالح کا قدردان ہے، اسی لئے وہ صرف اجر ہی نہیں دے گا بلکہ اپنے فضل وکرم سے مزید بھی دے گا۔

ثم اَوْرَثْنَا الکتابَ الَّذِیْنَ اصطَفَیْنَا مِنْ عبادِنَا، ثُمَّ حرف عطف ہے، اور اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ثُمَّ سے پہلے اور بعد کی دونوں چیزیں اصل وصف میں مشترک ہونے کے باوجود تقدم و تاخر رکھتی ہیں، پہلی چیز مقدم اور بعد کی چیز مؤخر ہوتی ہے، اور یہ تقدم و تاخر کبھی زمانہ کے اعتبار سے ہوتا ہے اور کبھی رتبہ اور درجہ کے اعتبار سے، یہاں ثُمَّ حرف عطف ہے، اور معطوف علیہ پہلی آیت کا لفظ اَوْحَیْنَا ہے، مطلب یہ ہے کہ ہم نے یہ کتاب یعنی قرآن جو خالص حق ہی حق ہے اور تمام پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے، پہلے بطور وحی آپ کے پاس بھیجا، اس کے بعد ہم نے اس کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب اور پسند کرلیا ہے، یہ تقدم و تاخر رتبہ اور درجہ کے اعتبار سے تو ظاہر ہے ہی کہ قرآن کا بذریعہ وحی آپ کے پاس آنا رتبہ اور درجہ میں مقدم ہے اور امت کو عطا فرمانا اس سے مؤخر ہے، اور اگر امت کو وارث قرآن بنانے کا یہ مطلب لیا جائے کہ آپ نے اپنے بعد امت کے لئے زر و زمین کی وراثت چھوڑنے کے بجائے اللہ کی کتاب بطور وراثت چھوڑی، جیسا کہ ایک حدیث میں اس کی شہادت موجود ہے، آپ نے فرمایا انبیاء درہم و دینار کی وراثت نہیں چھوڑا کرتے، وہ وراثت میں علم چھوڑا کرتے ہیں، اور ایک دوسری حدیث میں العلماء ورثۃ الانبیاء فرمایا، اس لحاظ سے تقدیم و تاخیر زمانی بھی ہوسکتی ہے، کہ ہم نے یہ کتاب آپ کو عطا فرمائی اور آپ نے اس کو امت کے لئے بطور وراثت چھوڑا، وارث بنانے سے مراد عطا کرنا ہے، اور عطا کو میراث سے تعبیر کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح وراثت بغیر محنت و مشقت حاصل

ہو جاتی ہے یہ کتاب بھی امت کو بغیر محنت و مشقت کے حاصل ہوئی ہے، کتاب سے مراد قرآن اور منتخب بندوں سے علماء مراد ہیں جن کے واسطہ سے پوری امت محمدیہ ﷺ کو قرآن پہنچا ہے۔

فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ ومنهم سابق بالخيرات (الآیة) مفسرین کے نزدیک وہ منتخب بندے جن کو کتاب اللہ (قرآن) کا وارث بنایا ہے، جمہور کے نزدیک امت محمدیہ ہے، علماء بلا واسطہ اور دوسرے لوگ بالواسطہ، اللہ تبارک وتعالیٰ نے امت محمدیہ کو تمام سابقہ کتابوں کا وارث بنایا، اس لئے کہ قرآن جو امت محمدیہ ﷺ کے لئے نازل کیا گیا ہے وہ سابقہ کتابوں کی تصدیق کرتا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مذکورہ آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ اِصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا سے مراد امت محمدیہ ﷺ ہے، اس کو تمام آسمانی کتابوں کا وارث بنایا گیا فظالمهم مغفورٌ له ومقتصدهم يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا وسابِقُهُمْ يدخُلُ الجَنَّةَ بغيرِ حسابٍ یعنی اس امت کا ظالم بخشا جائے گا، اور میانہ رو سے آسان حساب لیا جائے گا، اور سابق بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوگا۔ (ابن کثیر)

اس آیت میں امت محمدیہ ﷺ کے تین طبقے بتائے گئے ہیں، ظالم، مقتصد، سابق، ان تینوں قسموں کی تفسیر امام ابن کثیر نے اس طرح بیان فرمائی ہے، ظالم سے مراد وہ آدمی ہے جو بعض واجبات میں کوتاہی کرتا ہے، اور بعض محرمات کا ارتکاب بھی کر لیتا ہے، اور مقتصد یعنی میانہ رو وہ شخص ہے جو تمام واجبات شریعت کو ادا کرتا ہے اور تمام محرمات سے اجتناب کرتا ہے مگر بعض اوقات مستحبات کو چھوڑ دیتا ہے اور بعض مکروہات میں مبتلا ہو جاتا ہے، اور سابق بالخیرات وہ شخص ہے جو تمام واجبات و مستحبات کو ادا کرتا ہے اور تمام محرمات و مکروہات سے اجتناب کرتا ہے اور بعض مباحات کو عبادت میں مشغول ہونے یا شبۂ حرمت کی وجہ سے چھوڑ دیتا ہے۔ (یہ ابن کثیر کا بیان ہے) دیگر مفسرین نے ان تینوں قسموں کی تفسیر میں اور بہت سے اقوال نقل کئے ہیں جن کی تعداد پینتالیس تک پہنچ جاتی ہے، مگر ان کا حاصل وہی ہے جس کو ابن کثیر نے نقل کیا ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب:

مذکورہ تفسیر سے معلوم ہوا کہ اَلَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا سے امت محمدیہ مراد ہے اور اس کی تین قسمیں ہیں، پہلی قسم یعنی ظالم بھی اَلَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا یعنی اللہ کے منتخب بندوں میں شامل ہے، اس کو بظاہر مستبعد سمجھ کر بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ظالم، امت محمدیہ اور منتخب بندوں سے خارج ہے، مگر بہت سی احادیث صحیحہ معتبرہ سے ثابت ہے کہ مذکورہ تینوں قسمیں امت محمدیہ ﷺ کی ہیں، اور یہ امت محمدیہ ﷺ کے مومن بندوں کی انتہائی خصوصیت اور فضیلت ہے کہ ان میں جو عملی طور پر ناقص بھی ہے وہ بھی اس شرف میں داخل ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت مذکورہ اَلَّذِينَ اصْطَفَيْنَا کی تینوں قسموں کے متعلق فرمایا کہ یہ سب ایک ہی مرتبہ میں ہیں، اور سب جنتی ہیں (رواہ احمد، ابن کثیر) مطلب یہ ہے کہ درجات کے تفاوت

کے ساتھ سب جنتی ہیں، ابوداؤد طیالسی نے عقبہ ابن صہبان بنانی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رَضِحَاللہُ تَعَالیٰعَنْهَا سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی تو انہوں نے فرمایا بیٹا یہ تینوں قسمیں جنتی ہیں، ان میں سے سابق بالخیرات تو وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں گذر گئے جن کے جنتی ہونے کی شہادت خود رسول اللہ ﷺ نے دیدی، اور مقتصد وہ لوگ ہیں جو ان کے نشان قدم پر چلے اور سابقین کی اقتداء پر قائم رہے یہاں تک کہ ان کے ساتھ مل گئے باقی رہے ظالم لنفسہٖ تو وہ ہم تم جیسے لوگ ہیں یہ حضرت عائشہ رَضِحَاللہُ تَعَالیٰعَنْهَا کی کسر نفسی تھی کہ خود کو تیسرے درجہ میں شمار کیا حالانکہ احادیث صحیحہ کی تصریحات کے مطابق وہ سابقین اولین میں سے ہیں۔

علماء امت محمدیہ کی عظیم الشان فضیلت:

جیسا کہ سابق میں معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو کتاب اللہ کا وارث بنایا وہ اس کے منتخب بندے ہیں، اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ کتاب اللہ کے وارث بلا واسطہ حضرات علماء ہیں، جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہے **العلماء ورثة الانبياء** حضرت ثعلبہ رَضِحَاللہُ تَعَالیٰعَنْهُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز علماء امت سے خطاب فرمائیں گے کہ میں نے تمہارے سینوں میں اپنا علم وحکمت صرف اسی لئے رکھا تھا کہ میرا ارادہ یہ تھا کہ تمہاری مغفرت کر دوں عمل تمہارے کیسے بھی ہوں، اور یہ بات اوپر معلوم ہو چکی ہے کہ جس شخص میں خشیت اور خوف خدا نہیں، وہ علماء کی فہرست ہی سے خارج ہے اس لئے یہ خطاب ان لوگوں کو ہوگا جو خشیت کے رنگ میں رنگے ہوئے ہوں۔ (ابن کثیر)

اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ یعنی جب جہنمی جہنم میں فریاد کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار آپ ہمیں اس عذاب سے نکال دیجئے، اب ہم آئندہ نیک عمل کریں گے، یعنی غیروں کے بجائے تیری عبادت اور معصیت کے بجائے اطاعت کریں گے، تو اس وقت جواب دیا جائے گا کہ کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر کی مہلت نہیں دی تھی جس میں غور کرنے والا غور کر کے صحیح راستہ پر آجائے، حضرت علی بن حسین، زین العابدین نے فرمایا کہ اس سے مراد سترہ سال کی عمر ہے اور حضرت قتادہ نے اٹھارہ سال کی عمر بتلائی ہے، اور مراد اس سے عمر بلوغ ہے۔

فَائِدَة: اس آیت میں سب سے پہلے ''ظالم'' کو پھر ''مقتصد'' کو آخر میں ''سابق بالخیرات'' کو ذکر فرمایا ہے حالانکہ ترتیب اگر اس کے برعکس ہوتی تو بہتر ہوتا، اس ترتیب کا سبب شاید یہ ہو کہ تعداد کے اعتبار سے ظالم لنفسہٖ سب سے زیادہ ہیں ان سے کم مقتصد اور ان سے کم سابق بالخیرات ہیں جن کی تعداد زیادہ تھی ان کو مقدم کیا گیا، ظالم کی تقدیم سے یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ تقدیم، افضل واشرف ہونے کا تقاضہ کرتی ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے قول **لا يَسْتَوِي اصحابُ النار واَصحابُ الجنةِ** میں اہل نار کو مقدم بیان کیا ہے حالانکہ ان کے لئے کوئی فضیلت نہیں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۳۸﴾ بما فی القُلوبِ فعِلمُه بغيرِه اَولٰی بالنَظرِ الی حالِ

النَّاس هُوَ الَّذِیْ جَعَلَکُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ جمعُ خلیفۃٍ ای یَخْلُفُ بعضکم بعضًا فَمَنْ کَفَرَ منکم فَعَلَیْهِ کُفْرُهٗ ای وبالُ کفرہ وَلَا یَزِیْدُ الْکٰفِرِیْنَ کُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا غضبًا وَلَا یَزِیْدُ الْکٰفِرِیْنَ کُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا للاٰخرۃ قُلْ اَرَءَیْتُمْ شُرَکَآءَکُمُ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ تعبدون مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ای غیرہ وہم الاصنامُ الذین زعمتُم انہم شرکاءُ اللّٰہِ تعالٰی اَرُوْنِیْ اخبرونی مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْکٌ شرکۃٌ مع اللّٰہ فِی خلق السَّمٰوٰتِ اَمْ اٰتَیْنٰهُمْ کِتٰبًا فَهُمْ عَلٰی بَیِّنَتٍ حجۃٍ مِّنْهُ بانّ لہم معی شرکۃً لا شیءَ مِن ذٰلک بَلْ اِنْ ما یَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ الکافرون بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا باطلاً بقولہم الاصنامُ تشفعُ لہم اِنَّ اللّٰهَ یُمْسِکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ای یمنعہما من الزوالِ وَلَئِنْ لامُ قسمٍ زَالَتَآ اِنْ ما اَمْسَکَهُمَا یمسکہما مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهٖ ای سواہ اِنَّهٗ کَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا فی تاخیرِ عقابِ الکفّار وَاَقْسَمُوْا ای کفارُ مکۃ بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ ای غایۃَ اجتہادِہم فیہا لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِیْرٌ رسولٌ لَّیَکُوْنُنَّ اَهْدٰی مِنْ اِحْدَی الْاُمَمِ الیہودِ والنصارٰی وغیرہما ای اَیِّ واحدۃٍ منہما لمّا رأوا من تکذیبِ بعضِہا بعضًا اذ قالتِ الیہودُ لیستِ النصارٰی علٰی شیءٍ وقالتِ النصارٰی لیستِ الیہودُ علٰی شیءٍ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِیْرٌ محمدٌ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم مَّا زَادَهُمْ مجیئُہٗ اِلَّا نُفُوْرًا تباعدًا عن الہدٰی اِسْتِکْبَارًا فِی الْاَرْضِ عن الایمانِ مفعولٌ لہٗ وَمَکْرَ الْعملِ السَّیِّئِ من الشرکِ وغیرہٖ وَلَا یَحِیْقُ یحیطُ الْمَکْرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ وہو الماکرُ ووصفُ المکرِ بالسیءِ اصلٌ واضافتُہٗ الیہ قبلُ استعمالٌ اٰخرُ قُدّر فیہ مضافٌ الیہ حذرًا من الاضافۃِ الی الصفۃِ فَهَلْ یَنْظُرُوْنَ ینتظرون اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِیْنَ سنۃَ اللّٰہِ فیہم من تعذیبِہم بتکذیبِہم رسلَہم فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِیْلًا ای لا یُبدَّلُ بالعذابِ غیرُہ ولا یُحوَّلُ الٰی غیرِ مستحقِّہٖ اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَکَانُوْا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً فاہلکہم اللّٰہ بتکذیبِہم رسلَہم وَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیُعْجِزَهٗ مِنْ شَیْءٍ یسبقُہٗ ویفوتُہٗ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ اِنَّهٗ کَانَ عَلِیْمًا بالاشیاءِ کلِّہا قَدِیْرًا علیہا وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا کَسَبُوْا من المعاصی مَا تَرَکَ عَلٰی ظَهْرِهَا ای الارض مِنْ دَآبَّةٍ نسمۃٍ تدبُّ علیہا وَّلٰکِنْ یُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی ای یومِ القیٰمۃِ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ کَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِیْرًا فیجازیہم علٰی اعمالِہم باثابۃِ المؤمنین وعقابِ الکافرین.

ع ۸ ۱۷

ترجمہ: بلاشبہ اللہ ہی آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کا جاننے والا ہے بے شک وہی دل کے رازوں سے واقف ہے لہٰذا دل کے رازوں کے علاوہ کا بطریق اولیٰ جاننے والا ہے، اور اولویت لوگوں کے احوال کے اعتبار سے ہے وہی ذات ہے جس نے تم کو زمین میں آباد کیا خلائف، خلیفۃ کی جمع ہے یعنی بعض بعض کے جانشین ہوتے ہیں پس جس نے تم

میں سے کفر کیا اسی پر اس کا کفر ہے یعنی کفر کا وبال اور کافروں کے لئے ان کا کفران کے پروردگار کے نزدیک ناراضی کا باعث ہوتا ہے، اور کافروں کا کفر آخرت میں ان کے لئے خسارہ میں اضافہ کا باعث ہوتا ہے آپ کہئے کیا تم نے اپنے فرض کردہ شریکوں کا حال دیکھا؟ جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر بندگی کرتے ہو یعنی غیر اللہ کی، اور وہ بت ہیں جن کے بارے میں تم یقین رکھتے ہو کہ وہ اللہ کے شریک ہیں مجھے بتاؤ انہوں نے زمین کا کونسا حصہ پیدا کیا؟ یا ان کی اللہ کے ساتھ آسمانوں کے پیدا کرنے میں شرکت ہے؟ یا ہم نے ان کو کوئی کتاب دی ہے؟ کہ وہ اس کی وجہ سے دلیل پر قائم ہیں، ان میں سے کوئی بات بھی نہیں بلکہ یہ ظالم کافر ایک دوسرے سے یہ کہہ کر کہ یہ بت ان کی سفارش کریں گے خالص دھوکے کا وعدہ کرتے آئے ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو گرنے سے تھامے ہوئے ہے (واللہ) اگر وہ گرنے لگیں تو اس کے سوا ان کو تھامنے والا کوئی نہیں، بلاشبہ وہ کافروں کے عذاب میں تاخیر کرنے میں غفور رحیم ہے اور مکہ کے کافروں نے اللہ کی بڑی زور دار قسم کھائی کہ اگر ان کے پاس رسول آئے تو وہ ہر امت سے یعنی یہود و نصاریٰ وغیرہ سے زیادہ ہدایت قبول کرنے والے ہوں گے یعنی ان دونوں میں سے ہر ایک سے (یہ اس وقت کی بات ہے) کہ جب انہوں نے دیکھا کہ (یہود و نصاریٰ نے) ایک دوسرے کی تکذیب کرتے ہوئے کہا کہ نصاریٰ حق پر نہیں اور نصاریٰ نے کہا یہود حق پر نہیں، جب ان کے پاس نذیر یعنی محمد ﷺ آیا تو اس کی آمد نے نفرت یعنی ہدایت سے دوری ہی میں اضافہ کیا، دنیا میں ایمان سے تکبر کرنے کی وجہ سے، اور ان کی شرک وغیرہ کی بری تدبیروں میں اضافہ ہوا استکبارًا (نفورا) کا مفعول لہ ہے، اور بری تدبیروں کا وبال خود تدبیر والوں پر پڑتا ہے اور وہ بری تدبیر کرنے والا ہے، اور مَکْرٌ کی صفت سَیِّئٌ اصل (استعمال) ہے، سابق میں مکر کی اضافت سَیِّئٌ کی جانب دوسرا استعمال ہے، اس (دوسرے استعمال) میں اضافت موصوف الی الصفت سے بچنے کے لئے مضاف محذوف مانا گیا ہے (معلوم ہوتا ہے) کہ یہ لوگ صرف خدائی اسی دستور کے منتظر ہیں جو پہلے لوگوں کے ساتھ ہوتا رہا ہے اور وہ (دستور) ان کو اپنے رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے مبتلاء عذاب کرنا ہے، تو آپ بھی خدائی دستور میں تبدیلی نہیں پائیں گے، اور خدائی دستور میں تحویل بھی نہ پائیں گے۔ یعنی عذاب کو غیر عذاب سے نہیں بدلا جائے گا، اور (اسی طرح) مستحق سے غیر مستحق کی طرف منتقل نہیں کیا جائے گا، سو کیا یہ لوگ زمین میں چلتے پھرتے نہیں کہ دیکھیں کہ ان سے پہلے والوں کا انجام کیا ہوا؟ حالانکہ وہ قوت میں ان سے بڑھے ہوئے تھے سو اللہ نے ان کو ان کے رسول کی تکذیب کی وجہ سے ہلاک کر دیا، اور اللہ ایسا نہیں کہ آسمانوں اور زمین میں اس کو کوئی ہرا سکے کہ اس سے سبقت کر جائے، اور اس سے بچ کر نکل جائے، اور وہ تمام اشیاء کا جاننے والا ہے اور ان پر قادر ہے اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کا ان کی معاصی کی وجہ سے مواخذہ کرنے لگے تو روئے زمین پر کسی شخص کو نہ چھوڑے کہ وہ زمین پر چلے پھرے، (یعنی زندہ رہے) لیکن اللہ تعالیٰ اس کو ایک وقت مقرر یعنی قیامت کے دن تک مہلت دے رہا ہے سو جب ان کا وہ وقت آجائے گا تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آپ دیکھ لے گا تو وہ ان کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا، مومنین کو ثواب عطا کر کے، اور کافروں کو سزا دیکر۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: اِنَّہٗ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ یہ عَالِمُ غَیْبِ السمٰوٰتِ والْاَرْضِ کی علت ہے یعنی جو ذات سینوں کے رازوں سے واقف ہے وہ اس کے علاوہ سے بطریق اولیٰ واقف ہوگی اِنَّ اللّٰہَ عَالِمُ غَیْبِ السّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یہ دعویٰ ہے اور اِنَّہٗ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ دعوے کی دلیل ہے اور فعِلْمُہٗ بِغَیْرِہٖ اَوْلٰی یہ نتیجہ ہے۔

قولہ: بالنظرِ الی حال الناس یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں اَوْلَوِیَّتْ و اَوَّلِیَّتْ کے اعتبار سے کوئی تفاوت نہیں ہوتا بلکہ اس کے سامنے تمام چیزیں مساوی طور پر منکشف ہیں خدا کے علم حضوری میں اس بات سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ بعض چیزیں انسانوں کے لئے مخفی ہوں اور بعض ظاہر۔

جواب: خدا کی جانب اَوْلَوِیَّتْ کی نسبت انسانوں کی عادت کے اعتبار سے ہے کہ انسان جب مخفی چیز سے واقف ہوتا ہے تو ظاہر سے بطریق اولیٰ واقف ہوتا ہے۔

قولہ: وَلَا یَزِیْدُ الکافرینَ الخ یہ وبال کفر اور اس کے انجام کا بیان ہے۔

قولہ: قُلْ اَرَأَیْتُمْ (الآیة) اس میں اعراب کے اعتبار سے دو صورتیں ہیں ① ہمزہ استفہامیہ ہے اور۔ اَرُوْنِیْ امر تعجیز کے لئے جملہ معترضہ ہے، اس صورت میں یہ بابِ تنازع فعلان سے نہ ہوگا، اور اَرُوْنِی ماذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ یہ اَرَأَیْتُمْ سے بدل الاشتمال ہے، ای اخبرونی عن شُرَکَائِکم واَرُوْنِیْ اَیَّ شیئٍ خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ حتی یستحقوا الإلٰھیة والشرکة بعض حضرات نے کہا ہے کہ اَرُوْنِیْ، اَرَأَیْتُمْ سے بدل الکل ہے، مگر ابوحیان نے بدل کو ناجائز کہا ہے، ان کا کہنا ہے کہ جب مبدل منہ پر ہمزۂ استفہام داخل ہو تو ضروری ہے کہ بدل پر بھی داخل ہو اور یہاں ایسا نہیں ہے نیز ابدال جملہ عن الجملہ ان کی زبان میں معہود نہیں ہے، نیز بدل تکرار عامل کی نیت سے ہوتا ہے، اور یہاں مبدل منہ یعنی اَرَأَیْتُمْ میں کوئی عامل ہی نہیں ہے (روح المعانی) ② دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ جملہ باب تنازع فعلان سے ہو، اس صورت میں اَرَأَیْتُمْ باب افعال سے ہوگا اور اخبرونی کے معنی میں ہو کر متعدی بدو مفعول ہوگا، مفعول اول نِیْ ہے دوسرے مفعول کی اس کو ضرورت ہے، دوسرا فعل اَرُوْنِیْ ہے یہ بھی متعدی بدو مفعول ہے ایک مفعول اس سے متصل نِی ہے، دوسرے کی ضرورت ہے اور دوسرا مفعول جس میں تنازع ہے وہ مَاذَا خَلَقُوْا من الْاَرْضِ ہے جس میں اَرَأَیْتُمْ اور اَرُوْنِی تنازع کر رہے ہیں، بصریین کے مختار مذہب کے مطابق دوسرے فعل اَرُوْنِی کو عمل دیا۔

قولہ: شرکائھم یہ اضافت ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے ہے اس لئے کہ مشرکین نے ان کو خدا کا شریک قرار دیا تھا، یا اضافت اس وجہ سے ہے کہ مشرکوں نے بتوں کو حقیقت میں اپنے اموال میں شریک کر لیا تھا، اور باقاعدہ اپنے اموال میں بتوں کا حصہ رکھتے تھے ان کے نام کی قربانی کرتے تھے۔

قولہ: اَمْ آتَیْنَاھُمْ، ھُمْ سے مراد مشرکین ہیں، بعض نے کہا ہے کہ شرکاء مراد ہیں، یعنی کیا ہم نے مشرکین کو یا شرکاء کو کوئی

ایسی کتاب دی ہے کہ جس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ میری قدرت میں میرے ساتھ کوئی شریک ہے؟ لَا شیئَ مِنْ ذٰلِكَ سے اشارہ کردیا کہ یہ استفہام انکاری ہے، اور یہ جملہ مذکورہ تینوں استفہاموں کا جواب بھی ہے۔

قِوْلُهُ: شِرْکَةٌ. شرکٌ کی تفسیر شرکةٌ سے کرکے اشارہ کردیا کہ شرکٌ مصدر بمعنی شِرْکَةٌ اسم ہے۔ (لغات القرآن)

قِوْلُهُ: بَعْضُهُمْ. ظَالِمُوْنَ سے بدل ہے۔

قِوْلُهُ: یَمْنَعُ مِنَ الزوَالِ اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انْ تَزُوْلَا، حرف جر منْ کے اسقاط کے ساتھ بتاویل مصدر ہوکر یُمْسِكُ کا مفعول ثانی ہے اور یُمسكُ یمنع کے معنی میں ہے اور زجاج نے کہا ہے کہ مفعول لہ ہے ای مَخَافَةَ ان تزُولا.

قِوْلُهُ: ولئِن زالتا اس میں قسم اور شرط دونوں جمع ہیں اِنْ اَمسكَهُمَا جواب قسم ہے اور قاعدۂ معروفہ کی رو سے جواب شرط محذوف ہے جس پر جواب قسم دلالت کر رہا ہے۔

واحذف لدَیٰ اجتماعِ شرطٍ وقسمٍ جوابَ مَا اَخَّرتَ فهُوَ مُلتَزَمْ

قِوْلُهُ: مِنْ اَحَدٍ من فاعل پر زائدہ ہے، احد لفظاً مجرور اور محلاً مرفوع ہے۔

قِوْلُهُ: سِواهُ یہ مِنْ بعدِهٖ کی تفسیر ہے یعنی بَعْدُ بمعنی غیرَ ہے، اور مِنْ بَعدِهٖ میں مِنْ ابتدائیہ ہے۔

قِوْلُهُ: اِنَّهُ کانَ غفورًا رحیمًا یہ یُمسكُهُما السّمٰوٰتِ والْاَرضِ کی علت ہے یعنی غفور ورحیم ہونے کی وجہ سے زمین وآسمان کو گرنے سے روکے ہوئے ہے یعنی کفر و شرک درحقیقت ایسے جرم ہیں کہ ان کی سزا تو فوری مل جانی چاہئے مگر وہ اپنی صفت رحمت و مغفرت کی وجہ سے عذاب میں تاخیر کر رہا ہے۔

قِوْلُهُ: جَهْدَ اَیْمٰنِهِمْ مفسر علام نے جَهْدَ کی تفسیر غَایَةَ اَیمَانِهِم سے کرکے اشارہ کردیا کہ جَهْدَ مصدریۃ کی وجہ سے منصوب ہے اور یہ بھی درست ہے کہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہو، ای اَقسمُوْا باللّٰہِ جاهِدین، جَهْدٌ فتحہ جیم کے ساتھ، پوری کوشش اور طاقت صرف کرنا جُهْدٌ بالضم بمعنی طاقت، مشرکین مکہ کی یہ عادت تھی کہ عام طور پر اپنے آباء یا اصنام کی قسم کھایا کرتے تھے، مگر جب ان کو کسی بات کو باور کرانا اور یقین دلانا مقصود ہوتا تو قسم کو مضبوط اور مؤکد کرنے کے لئے اللہ کی قسم کھایا کرتے تھے۔

قِوْلُهُ: لَیَکُوْنُنَّ یہ بالمعنی حکایت حال ہے ورنہ تو مقام کا مقتضی یہ تھا کہ لَتَکُوْنُنَّ ہو۔

قِوْلُهُ: فَلَمَّا جَاءَ هُمْ نَذِیْرٌ، لَمَّا حرف شرط ہے اور مَا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا جواب شرط ہے، یہاں لمّا کو ظرفیہ ماننا درست نہیں ہے، اس لئے کہ مَا نافیہ کا مابعد ماقبل میں عمل نہیں کرتا، اور زیادتی نفرت کی اسناد نذیر کی جانب یا مجیئت کی جانب اسناد مجازی ہے، اس لئے کہ نذیر سبب نفرت ہے ورنہ تو نذیر کا کام نفرت پیدا کرنا یا نفرت میں اضافہ کرنا نہیں ہوتا۔

قِوْلُهُ: اِسْتِکْبَارًا یہ نفورًا کا مفعول لہ ہے یعنی مشرکین کے ایمان کے مقابلہ میں تکبر و تعلّی کرنے کی وجہ سے ان کی نفرت میں اضافہ ہوا، نیز نفورًا سے بدل واقع ہونا بھی صحیح ہے، اور زَادَهم کی ضمیر سے حال بھی ہوسکتا ہے، ای مَازَادَهُمْ اِلَّا نفورًا

حال کونھم مُسْتکبرینَ.

قِوْلَہٗ: وَمَکْرَ العمل السَّیِّئِ اس کا عطف اِسْتِکْبَارًا یا نُفُوْرًا پر ہے، یعنی مشرکین کی نفرت میں اضافہ کی وجہ ایمان سے اعراض اور برے عمل کی تدبیریں ہیں یا نفرت میں اضافہ تکبر اور تدبیر بد کی وجہ سے ہے مکرَ السَّیِّئِ میں اصل استعمال الْمکرُ السَّیِّـــئُ بترکیب توصیفی ہے، اور ماقبل کے جملہ میں بترکیب اضافی جو استعمال ہوا ہے وہ خلاف اصل ہے اس لئے کہ اس میں موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہو رہی ہے جو کہ اضافت الشئ الی نفسہٖ کے قبیل سے ہے جو ممنوع ہے، اس سے بچنے کے لئے مفسر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے العمل مضاف الیہ محذوف مانا جو کہ السَّیِّـــئُ کا موصوف ہے، اس طریقہ سے اضافت الموصوف الی الصفت کا اعتراض ختم ہوگیا، اس لئے کہ اس صورت میں مکر کی اضافت العمل کی طرف ہے نہ السَّیِّـــئُ کی طرف (جمل) اور بعض کے نزدیک مکرَ السَّیِّئِ کی اصل أنْ مَکَرُوْا المکرَ السَّیِّئَ ہے موصوف یعنی المکرُ کو صفت یعنی السَّیِّئُ کی وجہ سے مستغنی ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا پھر فعل کو مع أن مصدریہ کے یعنی مکرٌ سے بدل دیا بعد ازاں اتساعاً مصدر کی اضافت صفت یعنی السَّیِّئُ کی جانب کر دی گئی، مکرَ السَّیِّئِ ہوگیا۔ (روح البیان)

قِوْلَہٗ: وَصْفُ المکرِ بالسَّیِّئِ اصلٌ واِضافَتُہٗ اِلَیْہِ قبلُ، اِسْتِعْمَالٌ آخرُ قُدِّرَ فِیْہِ مضافٌ الیہ حذرًا مِنَ الإضافَۃِ الی الصفۃِ شارح کی اس عبارت کا مقصد یہ بتانا ہے کہ مکرُ السَّیِّئِ کا اصل اور قاعدہ کے مطابق استعمال تو بترکیب توصیفی ہے جیسا کہ وَلَا یَحِیْقُ المکرُ السَّیِّئُ اِلَّا بأھْلِہٖ میں ہے اور اضافت کے ساتھ استعمال خلاف اصل ہے جیسا کہ مکرَ السَّیِّئِ میں ہے اس لئے کہ اس صورت میں اضافت الشیئ الی نفسہٖ کی قباحت لازم آتی ہے چونکہ شیٔ اور وصف شیٔ ایک ہی ہوتی ہے، اس لئے مفسر علام نے العمل مضاف الیہ محذوف مانا ہے تاکہ اضافت موصوف الی الصفت کا اعتراض ختم ہو جائے، العمل محذوف ماننے کے بعد مکر کی اضافت صفت یعنی السَّیِّئِ کی طرف نہیں بلکہ السَّیِّئِ کے موصوف یعنی العمل کی طرف ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

قِوْلَہٗ: اِلَّا سُنَّتَ الاَوَّلِیْنَ کی تفسیر سنَّۃَ اللّٰہِ فیھِمْ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ مصدر مفعول کی طرف مضاف ہے۔

قِوْلَہٗ: اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فی الارْضِ میں واو عاطفہ ہے اور ہمزہ محذوف پر داخل ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اَتَرَکُوْا السَّفَرَ وَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ یہ جملہ اس بات پر استشہاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دستور میں تبدیلی نہیں ہے، جو معاملہ منکرین و مشرکین سابقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا وہی ان کے ساتھ بھی ہوگا، ہمزہ استفہام انکاری ہے جس کی وجہ سے نفی النفی نے اثبات کا فائدہ دیا، مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ سفر کرتے ہیں اور قوم صالح اور قوم لوط اور قوم شعیب وغیرہ کے دیار کے خرابات و نشانات کو دیکھتے ہیں مگر اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔

قِوْلَہٗ: بِمَا کَسَبُوْا میں باء سببیہ ہے اور ما مصدریہ یا موصولہ ہے ای بسبب کَسْبِھِمْ اور بِسَبَبِ الَّذِیْ کَسَبُوْہُ.

قِوْلُہٗ: نَسَمَةٌ ذی روح متنفس کو کہتے ہیں (ج) نَسَمٌ.

قِوْلُہٗ: فَيُجَازِيهِمْ مفسر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اس عبارت سے اشارہ کردیا ہے کہ اِذَا جَاءَ اَجَلُهُمْ شرط ہے اوراس کی جزاء محذوف ہے اور وہ فَيُجَازِيهِمْ ہے۔

تفسیر وتشریح

اِنَّ اللّٰهَ عَالِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جمہور نے عالمُ الغیبِ اضافت کے ساتھ پڑھا ہے اور جناح بن حبیش نے عالمٌ کو تنوین اور غیبَ کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سِرّ اور علانیہ سب کا جاننے والا ہے، اوران ہی مخفی اور پوشیدہ باتوں میں سے، تمہارا یہ قول بھی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم کو دنیا میں دوبارہ لوٹادے تو ہم نیک اعمال کریں گے اور شرک وکفر کو ترک کرکے توحید واطاعت اختیار کریں گے، مگر اللہ کے علم میں یہ بات ہے کہ اگر تم کو دنیا میں لوٹا دیا جائے تو تم پھر وہی شرک وکفر اختیار کروگے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ اور یہ بات اس کو اس لئے معلوم ہے کہ وہ علیم بذات الصدور ہے۔

هُوَ الَّذِىْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِى الْاَرْضِ، خلائف خلیفة کی جمع ہے جس کے معنی نائب اور قائم مقام کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ ہم نے انسانوں کو یکے بعد دیگرے زمین ومکان وغیرہ کا خلیفہ بنایا ہے کہ ایک جاتا ہے تو دوسرا آتا ہے اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ یہ خطاب امت محمدیہ ﷺ کو ہو کہ پچھلی امتوں کے بعد ہم نے تم کو ان کے خلیفہ کی حیثیت سے مالک ومتصرف بنایا ہے لہٰذا تمہارا فرض ہے کہ سابقہ امتوں کے حالات سے عبرت حاصل کرو، عمر کے قیمتی لمحات کو غفلت میں نہ گذارو۔

اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ آسمانوں کو روکنے اور تھامنے کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی حرکت موقوف کردی ہے حرکت کو موقوف کرنے یا نہ کرنے کا اس آیت میں کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہم نے اپنی قدرت سے ان کو گرنے سے روک رکھا ہے، جیسا کہ أن تزولا سے اسی مطلب کی طرف اشارہ مفہوم ہوتا ہے۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ بعثت محمدی ﷺ سے قبل مشرکین مکہ کو یہ بات معلوم ہوئی کہ اہل کتاب اپنے رسولوں کی تکذیب کرتے ہیں، تو انہوں نے کہا لَعَنَ اللّٰهُ اليهودَ والنَّصارىٰ اَتَتْهُمُ الرُّسُلَ فكذَّبُوهُمْ (اللہ یہود ونصاریٰ پر لعنت کرے کہ انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی)، اوراللہ کی مؤکد قسم کھا کر کہا، لَئِنْ جَاءَ هُمْ نَذِيْرٌ یعنی واللہ اگر قریش میں کوئی نبی آیا تو ہم سابقہ امتوں سے کہیں زیادہ فرمانبردار اور اطاعت گذار ہوں گے اور عرب تمنا اور دعاء کیا کرتے تھے کہ بنی اسرائیل کے مانند ہمارے اندر بھی کوئی رسول آئے فَلَمَّا جَاءَ هُمْ چنانچہ جس کی وہ تمنا کیا کرتے تھے وہ آگیا اور وہ رسول محمد ﷺ ہیں جو کہ ان ہی میں کے ایک فرد ہیں، مگر آپ ﷺ کی مجیئت نے ان کی نفرت میں اضافہ

ہی کیا اور یہ سب کچھ ایمان کے مقابلہ میں سرکشی اور بری تدبیروں کی وجہ سے ہوا، لوگ مکر وحیلہ کرتے ہیں مگر یہ نہیں جانتے کہ بری تدبیر کا انجام برا ہی ہوتا ہے، اور اس کا وبال بالآخر مکر وحیلہ کرنے والے ہی پر پڑتا ہے۔

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ یعنی یہ مشرکین اپنے شرک وکفر اور رسول کی مخالفت اور اہل ایمان کو ایذائیں پہنچانے پر مُصر رہ کر اس بات کے منتظر ہیں کہ انہیں بھی اسی طرح ہلاک کر دیا جائے جس طرح پچھلی قومیں ہلاک کر دی گئیں، حقیقت یہ ہے کہ ہلاکت ہر مکذب کا مقدر بن چکی ہے اس کو نہ کوئی بدل سکتا ہے اور نہ کوئی ٹال سکتا ہے، مشرکین عرب کو چاہئے کہ کفر وشرک کو چھوڑ کر اب بھی ایمان لے آئیں ورنہ وہ اس سنت الٰہی سے بچ نہیں سکتے، دیر سویر اس کی زد میں آکر رہیں گے کوئی بھی اس قانون قدرت کو بدلنے پر قادر نہیں اور نہ عذاب الٰہی کو پھیرنے پر، انسانوں کو تو ان کے گناہوں کی پاداش میں ہلاک کر دیا جائے گا اور جانوروں کو انسانی معصیت کی نحوست کی وجہ سے۔

سُوْرَةُ يٰسٓ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّخَمْسُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ يٰسٓ مَكِّيَّةٌ اِلَّا قَوْلُهٗ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا الْاٰيَةَ، اَوْ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَلٰثٌ وَثَمَانُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ یٰس مکی ہے سوائے وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا کے یا مدنی ہے، اور اس میں تراسی (۸۳) آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ يٰسٓ ۚ اللّٰهُ اعلمُ بمُرادِه وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۙ﴿۲﴾ المُحْكَمِ بِعَجِيْبِ النَظْمِ وبَدِيْعِ المَعَانِي اِنَّكَ يَا مُحَمَّدُ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ عَلٰى مُتَعلِّقٌ بما قَبْلَهٗ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۭ﴿۴﴾ اى طَرِيْقِ الاَنْبِيَاءِ قَبْلَكَ التَّوْحِيدِ والهُدٰى والتاكِيْدُ بِالقَسَمِ وغيرِه رَدٌّ لِقَوْلِ الكُفَّارِ لَه لَسْتَ مُرْسَلاً تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ فِي مُلْكِه الرَّحِيْمِ ۙ﴿۵﴾ بِخَلْقِه خبرُ مُبْتَدإٍ مُقدَّرٍ اَى القُرْاٰنُ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مُتَعَلِّقٌ بتَنْزِيْل مَّآ اُنْذِرَ اٰبَاۗؤُهُمْ اى لَمْ يُنْذَرُوا فى زَمَنِ الفَتْرَةِ فَهُمْ اى القَوْمُ غٰفِلُوْنَ ﴿۶﴾ عَنِ الاِيْمَانِ والرُّشْدِ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ وَجَبَ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۷﴾ اَى الاكثرُ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا بان تُضَمَّ اليها الاَيْدِى لان الغَلَّ يُجْمِعُ اليَدَ الَى العُنُقِ فَهِيَ اَىِ الاَيْدِىْ مَجْمُوْعَةٌ اِلَى الْاَذْقَانِ جَمعُ ذَقَنٍ وهو مُجْتَمَعُ اللَّحْيَيْنِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ﴿۸﴾ رَافِعُوْنَ رُؤُسَهُمْ لا يَسْتَطِيْعُوْنَ خَفْضَهَا وهٰذَا تَمْثِيْلٌ والمُرَادُ اَنَّهم لَا يَذْعَنُوْنَ لِلاِيْمَانِ ولا يَخْفِضُوْنَ رُؤُسَهُمْ له وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا بِفَتْحِ السِّيْنِ وضَمِّها فى المَوْضِعَيْنِ فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۹﴾ تَمْثِيْلٌ ايضًا لِسَدِّ طُرُقِ الاِيْمَانِ عَلَيهم وَسَوَاۗءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ بِتَحْقِيْقِ الهَمْزَتَيْنِ وابدَالِ الثَّانِيَةِ اَلِفًا وتَسْهِيْلِها وإِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَ المُسَهَّلَةِ والاُخْرٰى وَتَرْكِه اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰﴾ اِنَّمَا تُنْذِرُ يَنْفَعُ اِنْذَارُكَ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ القُرْاٰنَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ خَافَهٗ ولم يَرَه فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۱﴾ هو الجَنَّة اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى لِلبَعْثِ وَنَكْتُبُ فى اللَّوْحِ المَحْفُوْظِ

مَا قَدَّمُوْا فِي حَيٰوتِهِم مِنْ خَيْرٍ وشرٍّ لِيُجَازُوا عليه **وَاٰثَارَهُمْ** ما اسْتُنَّ به بَعْدَهم **وَكُلَّ شَيْءٍ** نَصْبُهُ بِفِعْلٍ يُفَسِّره **اَحْصَيْنٰهُ** ضَبَطْنَاه **فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ** كِتَابٍ بَيِّنٍ هو اللَّوْحُ المَحْفُوْظُ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے یٰسٓ اس سے اللہ کی کیا مراد ہے وہی بہتر جانتا ہے قسم ہے محکم قرآن کی جو عجیب نظم اور انوکھے معانی سے محکم ہے بلاشبہ اے محمد آپ مرسلین میں سے ہیں (اور) سیدھے راستہ پر ہیں علیٰ اپنے ماقبل (مرسلین) سے متعلق ہے (اور طریق مستقیم سے مراد) انبیاء سابقین کا طریقہ ہے، جو کہ توحید اور ہدایت کا راستہ ہے، اور قسم وغیرہ کے ذریعہ تاکید کافروں کے قول لَسْتَ مُرْسَلًا کو رد کرنے کے لئے ہے یہ قرآن اس (خدا) کا نازل کردہ ہے جو اپنے ملک میں غالب اور اپنی مخلوق پر مہربان ہے (تنزیل العزیز) مبتداء محذوف یعنی القرآن کی خبر ہے تاکہ آپ ایسی قوم کو آگاہ کریں کہ جس کے آباء (واجداد) کو آگاہ نہیں کیا گیا یعنی جن کو (فترت) یعنی وقفہ کے زمانہ میں آگاہ نہیں کیا گیا، لِتُنْذِرَ، تنزیل کے متعلق ہے، اسی وجہ سے یہ قوم ایمان وہدایت سے بے خبر ہے ان میں سے اکثر لوگوں پر (تقدیری طور پر) بات ثابت ہو چکی ہے تو یہ اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال رکھے ہیں اس طریقہ سے کہ طوق نے ہاتھوں کو گردن کے ساتھ جکڑ دیا ہے چنانچہ وہ بندھے ہوئے ہاتھ ٹھوڑی تک پھنسے ہوئے ہیں اَذْقَان ذَقَنٌ کی جمع ہے اور ذَقَنٌ دونوں جبڑوں کے ملنے کی جگہ ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے سروں کو اٹھائے ہوئے ہیں ان کو جھکا نہیں سکتے اور یہ ایک تمثیل ہے، اور مراد یہ ہے کہ یہ لوگ ایمان کا اقرار نہیں کرتے اور نہ اپنے سروں کو ایمان کے لئے جھکاتے ہیں اور ہم نے ایک آڑ ان کے سامنے اور ایک آڑ ان کے پیچھے کر دی، دونوں جگہ سین کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ ہے جس کی وجہ سے ہم نے ان کے اوپر پردہ ڈال دیا تو وہ دیکھ نہیں سکتے یہ بھی ایک تمثیل ہے ان پر ایمان کے راستوں کو مسدود کرنے کے لئے اور ان کو آپ کا ڈرانا اور نہ ڈرانا دونوں برابر ہیں، دونوں ہمزوں کی تحقیق اور ثانی کو الف سے بدل کر، اور ثانی کی تسہیل (نرمی) کے ساتھ، اور مسہلہ اور غیر مسہلہ کے درمیان الف داخل کر کے، اور ترک ادخال کر کے وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں آپ تو صرف اس شخص کو نصیحت کر سکتے ہیں جو نصیحت یعنی قرآن کی پیروی کرے اور غائبانہ طور پر یعنی رحمٰن کو بغیر دیکھے رحمٰن سے ڈرے یعنی آپ کا ڈرانا اس کو فائدہ دے سکتا ہے سو آپ اس کو مغفرت کی اور عمدہ عوض کی کہ وہ جنت ہے خوشخبری سنا دیجئے، اور بے شک ہم مردوں کو اٹھانے کے لئے زندہ کریں گے اور انہوں نے اپنی زندگی میں جو اچھے برے اعمال کر کے آگے بھیجے ہیں اور جو اعمال پیچھے چھوڑے ہیں جن کے نقش قدم پر بعد میں چلا گیا ہم ان کو زندہ کریں گے ہم ان کو لوح محفوظ میں قلمبند کر لیتے ہیں تاکہ ان کو ان اعمال کی جزاء دی جائے اور ہم نے ہر چیز کو روشن کتاب یعنی لوح محفوظ میں لکھ رکھا ہے، روشن کتاب لوح محفوظ ہے کُلَّ شَیْءٍ اس فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے جس کی بعد والا فعل (اَحْصَیْنَاہُ) تفسیر کر رہا ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: یٰسٓ قراء سبعہ نے نون کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے، اس کے علاوہ نون کا ضمہ، فتحہ، کسرہ تین قراءتیں اور بھی ہیں مگر شاذ ہیں۔

قَوْلُہٗ: اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِمُرَادِہٖ حروف مقطعات کے بارے میں یہ قول سب سے اسلم اور احوط ہے، ابن عباس رَضِحَاللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا سے مروی ہے کہ یٰسٓ لغت بنی طے میں ''یا انسان'' کے معنی میں ہے، اور ابن الحنفیہ سے مروی ہے یٰسٓ ''یا محمد'' کے معنی میں ہے۔

قَوْلُہٗ: والقرآن الحکیم واؤ قسمیہ ہے اور القرآن مقسم بہ ہے اِنَّکَ لِمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ جواب قسم ہے۔

قَوْلُہٗ: مُقْمَحُوْنَ یہ اقماحٌ سے مُقْمَحٌ اسم مفعول کی جمع مذکر ہے قَمْحٌ مادہ ہے گردن پھنسنے کی وجہ سے سر اوپر کو اٹھے ہوئے، بَعِیْرٌ قامِحٌ وہ اونٹ جو پانی پینے کے بعد آنکھیں بند کر کے سر اٹھا کر کھڑا ہو، چونکہ دوزخیوں کی گردنوں میں طوق پھنسے ہوئے ہوں گے جس کی وجہ سے ٹھوڑیاں اوپر کو اٹھ جائیں گی، جس کی وجہ سے لامحالہ سر بھی اوپر کو اٹھ جائیں گے۔ (لغات القرآن)

قَوْلُہٗ: تنزیل العزیز یہ ھٰذا مبتداء محذوف کی خبر ہے یا اَمْدَحُ فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے ای اَمْدَحُ تَنْزِیْلَ العزِیْزِ یا نَزَّلَ محذوف کا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ای نَزَّلَ تنزِیْلًا۔

قَوْلُہٗ: فِی لوحٍ محفوظٍ یہ نکتُبُ کا ظرف ہے، بہتر ہوتا کہ مفسر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فی لوح محفوظ کے بجائے فی صحف الملائکۃ کہتے اس لئے کہ دنیا میں اعمال کی کتابت صحف ملائکہ میں ہوتی ہے نہ کہ لوح محفوظ میں۔

قَوْلُہٗ: کُلَّ شیئٍ اپنے مابعد فعل کی وجہ سے منصوب ہے، اور یہ باب اشتغال سے ہے ای اَحْصَیْنَا کُلَّ شَیْئٍ اَحْصَیْنَاہ

قَوْلُہٗ: آثار، اَثَرٌ کی جمع ہے نشان کو کہتے ہیں، یہاں عملی نمونے مراد ہیں خواہ اچھے ہوں یا برے۔

تفسیر وتشریح

سورۂ یٰسٓ کے فضائل:

احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ وغیرہ نے معقل بن یسار سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یٰسٓ قلبُ القرآن لا یقرؤھا عَبْدٌ یُرِیْدُ اللّٰہَ وَالدَّارَ الْآخِرَۃَ اِلَّا غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذنبِہٖ وَمَا تَاَخَّرَ فاقرء وھا علٰی مَوتَاکُمْ معقل بن یسار نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یٰسین قرآن کا دل ہے، جو بندہ اس کو خالص لوجہ اللہ اور طلب آخرت کے لئے پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے گناہوں کو معاف فرما دیں گے، لہٰذا تم اس کو اپنے مردوں کے پاس پڑھا کرو۔ (فتح القدیر اختصارًا)

امام غزالی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے فرمایا سورۂ یٰسین کو قلب قرآن فرمانے کی یہ وجہ ہوسکتی ہے کہ اس سورت میں قیامت اور حشر ونشر کے مضامین خاص تفصیل اور بلاغت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں، اور اصول ایمان میں سے عقیدۂ آخرت وہ چیز ہے جس پر انسان کے اعمال کی صحت موقوف ہے، خوف آخرت ہی انسان کو عمل آخرت پر آمادہ اور مستعد کرسکتا ہے اور وہی اس کو ناجائز خواہشات اور حرام سے روکتا ہے، تو جس طرح بدن کی صحت قلب کی صحت پر موقوف ہے اسی طرح ایمان کی صحت فکر آخرت پر موقوف ہے۔ (روح)

سورۂ یٰسین کے دوسرے نام:

سورۂ یٰسین کو حدیث شریف میں **عظیمہ** بھی کہا گیا ہے، اسی طرح ایک حدیث میں آیا ہے کہ تورات میں اس سورت کا نام **مُعِمہ** آیا ہے، یعنی اپنے پڑھنے والے کے لئے دنیا وآخرت میں خیرات وبرکات کو عام کرنے والی، اور بعض روایات میں اس کا نام **مدافعہ** بھی آیا ہے، یعنی اپنے پڑھنے والوں سے بلاؤں کو دفع کرنے والی، اسی طرح بعض روایات میں اس کا نام **قاضیہ** آیا ہے یعنی حاجات کو پورا کرنے والی۔ (روح المعانی)

یٰسٓ یہ حروف مقطعات میں سے ہے اور جمہور مفسرین کا مشہور قول تو وہی ہے کہ اس کی صحیح اور حقیقی مراد تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، احکام القرآن میں امام مالک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے فرمایا ہے کہ یٰسین اللہ کے اسماء میں سے ایک ہے اور ایک روایت میں ہے کہ یہ حبشی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں ''اے انسان'' اور انسان سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں۔

کسی کا یٰسین نام رکھنا کیسا ہے؟

امام مالک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے اس کو اس لئے پسند نہیں فرمایا کہ ان کے نزدیک یہ اسماء الٰہیہ میں سے ہے اور اس کے صحیح معنی معلوم نہیں اس لئے ممکن ہے کہ اس کے کوئی ایسے معنی ہوں کہ اللہ کے ساتھ مخصوص ہوں البتہ اگر اس لفظ کو یٰسین، یاسین کے رسم الخط سے لکھا جائے تو یہ کسی انسان کا نام رکھنا جائز ہے، کیونکہ قرآن کریم میں آیا ہے سَلَامٌ علیٰ آل یاسین یا الیاسین.

(ابن عربی، معارف)

یٰسٓ والقرآن الحکیم یعنی قسم ہے حکمتوں سے پُر قرآن کی، قرآن کریم اپنی اعجازی شان اور پُر حکمت تعلیمات اور پختہ مضامین کے لحاظ سے اس بات کا بڑا زبردست شاہد ہے کہ جو نبی امی اس کو لے کر آیا ہے یقیناً وہ اللہ کا بھیجا ہوا اور بلاشک وشبہ راہ مستقیم پر ہے، اس کی پیروی کرنے والوں کو کوئی اندیشہ منزل مقصود سے بھٹکنے کا نہیں۔

تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ یعنی یہ قرآن حکیم اس خدا کا نازل کیا ہوا ہے جو زبردست بھی ہے کہ منکرین کو سزا دیئے بغیر نہ چھوڑے، اور رحم کرنے والا بھی ہے کہ ماننے والوں کو نوازشوں اور بخششوں سے مالا مال کردے اسی لئے آیات قرآنیہ میں بعض آیات شان لطف ومہر کا اور بعض شان غضب وقہر کا پہلو لئے ہوئے ہیں۔

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَا أُنْذِرَ آبَاءُ هُمْ فَهُمْ غَافِلُوْنَ یعنی بہت ہی مشکل اور کٹھن کام آپ کے سپرد ہوا ہے کہ قوم (عرب) کو اس قرآن کے ذریعہ ہوشیار اور بیدار کریں جس کے پاس صدیوں سے کوئی بیدار کرنے والا نہیں آیا، وہ جاہل اور غافل قوم جسے نہ خدا کی خبر اور نہ آخرت کی، نہ ماضی سے عبرت نہ مستقبل کی فکر، نہ مبدأ پر نظر اور نہ منتہا پر، نہ نیک و بد کی تمیز اور نہ بھلے برے کا شعور، اس کو اتنی ممتد جہالت وغفلت کی تاریکیوں سے نکال کر رشد وہدایت کی صاف شاہ راہ پر کھڑا کرنا کوئی معمولی اور آسان کام نہیں ہے، بلاشبہ آپ پوری قوت وتندہی کے ساتھ ان کو اس غفلت وجہالت کے خوفناک نتائج اور بھیانک وہولناک مستقبل سے ڈرا کر فلاح وبہبود کے اعلیٰ مدارج پر پہنچانے کی کوشش کریں گے، لیکن آپ کو بہت سے ایسے افراد بھی ملیں گے جو کسی قسم کی نصیحت پر کان دھرنے والے نہیں، شیطان ان پر پوری طرح مسلط ہو چکا ہے کہ ان کی حماقتوں اور شرارتوں کو ان کی نظر میں خوشنما اور آراستہ کر کے دکھلا رہا ہے، اس وقت ایک طرف شیطان کی بات لَأُغْوِيَنَّهُمْ اجمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ (مخلصین کے سوا میں سب کو بہکا کر رہوں گا) سچی ثابت ہوتی ہے اور دوسری طرف حق تعالیٰ کا قول لَأَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اجمعين (تجھ سے اور تیرے پیروکاروں سے دوزخ کو بھردوں گا) ثابت اور چسپاں ہو جاتا ہے۔

لَقَدْ حَقَّ القول على اكثرهم (الآية) حق تعالیٰ نے کفر وایمان اور دوزخ وجنت کے دونوں راستے انسان کے سامنے کر دیئے ہیں، اور ایمان کی دعوت کے لئے انبیاء اور کتابیں بھی بھیج دیں، انسان کو اتنا اختیار بھی دیدیا کہ وہ بھلے برے میں تمیز کر سکے، جو بدنصیب نہ غور وفکر سے کام لے اور نہ دلائل قدرت میں غور کرے نہ انبیاء کی دعوت پر کان دھرے اور نہ واقعات وحادثات کو دیکھ کر چشم عبرت وا کرے، تو اس نے اپنے اختیار سے جو راہ اختیار کر لی تو حق تعالیٰ نے اس کے لئے اسی کے اسباب جمع فرما دیئے ہیں، اسی کو اس طرح تعبیر کیا ہے لَقَد حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰی اكثرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ یعنی ان میں سے بیشتر لوگوں پر تو ان کے سوء اختیار کی بناء پر یہ قول حق جاری ہو چکا ہے کہ یہ ایمان نہ لائیں گے۔

اِنَّا جَعَلْنَا فِي اَعْنَاقِهِمْ (الآية) اس آیت میں مذکورہ لوگوں کے حال کی ایک تمثیل بیان فرمائی ہے کہ ان کی مثال اس شخص کی سی ہے کہ جس کے گردن میں ایسے طوق ڈالدیئے گئے ہوں کہ ان کا چہرہ اور آنکھیں اوپر اٹھ جائیں، جو نہ اپنے وجود کو دیکھ سکے اور نہ اس کو راستہ ہی نظر آئے، تو ظاہر ہے کہ ایسا شخص خود کو کسی کھڈ میں گرنے سے نہیں بچا سکتا۔

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا (الآية) مذکورہ لوگوں کی یہ دوسری تمثیل ہے، ان لوگوں کی مثال اس شخص جیسی ہے کہ اس کے چاروں طرف دیوار کھڑی کر دی گئی ہو، اور وہ اس چہار دیواری میں محصور ہو کر رہ گیا ہو جس کی وجہ سے وہ باہر کی چیزوں سے بالکل بے خبر ہے، ان کافروں کے گرد بھی ان کی جہالت اور مزید برآں عناد وہٹ دھرمی نے محاصرہ کر لیا ہے، کہ باہر کی حق باتیں ان تک پہنچتی ہی نہیں۔

امام رازی نے فرمایا کہ نظر سے مانع دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک مانع تو ایسا ہوتا ہے کہ جس کی وجہ سے خود اپنے وجود کو بھی نہ دیکھ سکے، دوسرا وہ کہ اپنے گرد وپیش کو نہ دیکھ سکے، ان کفار کے لئے حق بینی سے دونوں قسم کے مانع موجود تھے، اس

لئے پہلی تمثیل پہلے مانع کی ہے کہ جس کی گردن نیچے کو جھک نہ سکے، وہ اپنے وجود کو بھی نہیں دیکھ سکتا، اور دوسری تمثیل دوسرے مانع کی ہے کہ گردوپیش کو نہیں دیکھ سکتا۔ (روح، معارف)

جمہور مفسرین نے مذکورہ تمثیل کو ان کے کفر وعناد کی تمثیل ہی قرار دیا ہے، اور بعض حضرات مفسرین نے بعض روایات کی بناء پر ایک واقعہ کا بیان قرار دیا ہے، کہ ابوجہل اور بعض دوسرے لوگ آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے یا ایذاء پہنچانے کا پختہ عزم کر کے آپ کی طرف بڑھے، مگر اللہ نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا، جس کی وجہ سے آپ ان کو نظر نہ آئے عاجز ہو کر نامراد واپس آگئے، اسی قسم کے متعدد واقعات تفسیر ابن کثیر، روح المعانی، قرطبی وغیرہ میں منقول ہیں، مگر ان میں بیشتر روایات ضعیف ہیں جس کی وجہ سے ان پر آیت کی تفسیر کا مدار نہیں رکھا جاسکتا۔

وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَآثَارَهُمْ، ما قدّموا سے وہ آثار مراد ہیں جو انسان خود اپنی زندگی میں کرتا ہے اور **آثارهم** سے وہ اعمال مراد ہیں جس کے عملی نمونے (اچھے یا برے) وہ دنیا میں چھوڑ جاتا ہے، اور اس کے مرنے کے بعد اس کی اقتداء میں لوگ وہ اعمال اختیار کرتے ہیں، جس طرح حدیث میں ہے، جس نے اسلام میں کوئی نیا طریقہ جاری کیا اس کے لئے اس کا اجر بھی ہے اور اس کا بھی جو اس کے بعد اس پر عمل کرے گا، بغیر اس کے کہ ان میں سے کسی کے اجر میں کمی ہو، اور جس نے کوئی برا طریقہ جاری کیا تو اس پر اس کے اپنے گناہوں کا بھی بوجھ ہوگا اور اس کا بھی جو اس کے بعد اس پر عمل کرے گا بغیر اس کے کہ ان میں سے کسی کے بوجھ میں کمی ہو۔ (صحیح بخاری، مسلم، کتاب الزکوٰۃ) اسی طرح ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے، سوائے تین چیزوں کے ① ایک علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں ② دوسرے نیک اولاد جو مرنے والے کے لئے دعائے خیر کرے ③ تیسرے صدقہ جاریہ جس سے لوگ اس کے مرنے کے بعد بھی فیضیاب ہوں۔ (صحیح مسلم کتاب الوصية)

ونكتبُ ما قدموا وَآثارهم کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ کار خیر میں اگر کوئی آدمی چلت پھرت اور کوشش کرتا ہے تو اس کے ہر قدم یعنی اس کی کوشش اور سعی کا اجر اس کو دیا جاتا ہے، عہد نبوی میں مسجد نبوی کے قریب کچھ جگہ خالی پڑی تھی، بنی سلمہ کے مکانات مسجد نبوی سے ذرا فاصلہ پر تھے، بنو سلمہ نے مسجد نبوی کے قریب منتقل ہونے کا ارادہ کیا، جب نبی کریم ﷺ کے علم میں یہ بات آئی تو آپ ﷺ نے ان کو مسجد کے قریب منتقل ہونے سے روک دیا، اور فرمایا **دِيَارَكُمْ تكتبُ آثاركم** (اور یہ جملہ آپ نے دو مرتبہ فرمایا) یعنی تمہارے گھر اگرچہ (مسجد نبوی سے) دور ہیں، لیکن وہیں رہو جتنے قدم تم چل کر آتے ہو وہ لکھے جاتے ہیں۔ (صحیح مسلم کتاب المساجد)

وَاضْرِبْ اِجْعَلْ **لَهُمْ مَّثَلًا** مَفْعُوْلٌ اَوَّلٌ **اَصْحٰبَ** مَفْعُوْلٌ ثَانٍ **الْقَرْيَةِ** اَنطَاكِيَةَ **اِذْ جَآءَهَا** اِلٰى اٰخِرِہٖ بَدَلُ اِشْتِمَالٍ مِن اَصْحَابِ القَرْيَةِ **الْمُرْسَلُوْنَ** ۝۱۳ اى رُسُلُ عِيسٰى **اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا** اِلٰى اٰخِرِہٖ بَدَلٌ مِنْ اِذِ الْاُوْلٰى الخ **فَعَزَّزْنَا** بِالتَّخْفِيْفِ والتَّشْدِيْدِ قَوَّيْنَا الاِثْنَيْنِ **بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ** ۝۱۴

قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿١٥﴾ قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ جَارٍ مَجْرَى الْقَسَمِ وزِيْدَ التَّاكِيْدُ بِهِ وبِاللَّامِ عَلٰى مَا قَبْلَهُ لِزِيَادَةِ الإِنْكَارِ فِي اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ﴿١٦﴾ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿١٧﴾ التَّبْلِيْغُ البَيِّنُ الظَّاهِرُ بِالاَدِلَّةِ الوَاضِحَةِ وهِيَ اِبْرَاءُ الاَكْمَهِ وَالاَبْرَصِ والمَرِيْضِ واِحْيَاءُ المَيِّتِ قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا تَشَاءَمْنَا بِكُمْ ۚ لِانْقِطَاعِ المَطَرِ عَنَّا بِسَبَبِكُمْ لَئِنْ لَامُ قَسَمٍ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ بِالحِجَارَةِ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٨﴾ مُؤْلِمٌ قَالُوْا طٰٓئِرُكُمْ شُؤْمُكُمْ مَّعَكُمْ ۭ اَئِنْ هَمْزَةُ اِسْتِفْهَامٍ دُخِلَتْ عَلٰى اِنِ الشَّرْطِيَّةِ وفِي هَمْزَتِهَا التَّحْقِيْقُ والتَّسْهِيْلُ وادْخَالُ اَلِفٍ بَيْنَهَا بِوَجْهَيْهَا وبَيْنَ الاُخْرٰى ذُكِّرْتُمْ ۭ وُعِظْتُمْ وخُوِّفْتُمْ وجَوَابُ الشَّرْطِ مَحْذُوْفٌ اي تَطَيَّرْتُمْ وكَفَرْتُمْ وهُوَ مَحَلُّ الاِسْتِفْهَامِ والمُرَادُ بِهِ التَّوْبِيْخُ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿١٩﴾ مُتَجَاوِزُوْنَ الحَدَّ بِشِرْكِكُمْ وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ هُوَ حَبِيْبُ النَّجَّارُ كَانَ قَدْ اٰمَنَ بِالرُّسُلِ ومَنْزِلُهُ بِاَقْصَى البَلَدِ يَّسْعٰى يَشْتَدُّ عَدْوًا لَمَّا سَمِعَ بِتَكْذِيْبِ القَوْمِ الرُّسُلَ قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٢٠﴾ اتَّبِعُوْا تَاكِيْدٌ لِلاَوَّلِ مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا عَلٰى رِسَالَتِهِ وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٢١﴾ فَقِيْلَ لَهُ اَنْتَ عَلٰى دِيْنِهِمْ فَقَالَ وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ خَلَقَنِيْ اي لَا مَانِعَ لِيْ مِنْ عِبَادَتِهِ المَوْجُوْدُ مُقْتَضِيْهَا واَنْتُمْ كَذٰلِكَ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٢٢﴾ بَعْدَ المَوْتِ فَيُجَازِيْكُمْ كغيركم ءَاَتَّخِذُ فِي الهَمْزَتَيْنِ مِنْهُ مَا تَقَدَّمَ فِي ءَاَنْذَرْتَهُمْ وهُوَ اِسْتِفْهَامٌ بِمَعْنَى النَّفْيِ مِنْ دُوْنِهٖٓ اي غَيْرِهِ اٰلِهَةً اَصْنَامًا اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ الَّتِيْ زَعَمْتُمُوْهَا شَيْـًٔا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ ﴿٢٣﴾ صِفَةُ اٰلِهَةٍ اِنِّيْٓ اِذًا اِنْ عَبَدْتُ غَيْرَ اللّٰهِ لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢٤﴾ بَيِّنٍ اِنِّيْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ﴿٢٥﴾ اي اِسْمَعُوْا قَوْلِيْ فَرَجَمُوْهُ فَمَاتَ قِيْلَ لَهُ عِنْدَ مَوْتِهِ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۭ وقِيْلَ دَخَلَهَا حَيًّا قَالَ يٰ حَرْفُ تَنْبِيْهٍ لَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٦﴾ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ بِغُفْرَانِهِ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿٢٧﴾ وَمَآ نَافِيَةٌ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ اي حَبِيْبٍ مِنْۢ بَعْدِهٖ بَعْدَ مَوْتِهِ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ اي مَلَائِكَةٍ لِاِهْلَاكِهِمْ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ﴿٢٨﴾ مَلَائِكَةً لِاِهْلَاكِ اَحَدٍ اِنْ مَا كَانَتْ عُقُوْبَتُهُمْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً صَاحَ بِهِمْ جِبْرَئِيْلُ فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ﴿٢٩﴾ سَاكِتُوْنَ مَيِّتُوْنَ يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ هٰؤُلَاءِ ونَحْوِهِمْ مِمَّنْ كَذَّبُوا الرُّسُلَ فَاُهْلِكُوْا وهِيَ شِدَّةُ التَّاَلُّمِ ونِدَاؤُهَا مَجَازٌ اي هٰذَا اَوَانُكِ فَاحْضُرِيْ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٣٠﴾ مَسُوْقٌ لِبَيَانِ سَبَبِهَا لِاشْتِمَالِهِ عَلٰى اِسْتِهْزَائِهِمْ المُؤَدِّيْ اِلَى اِهْلَاكِهِمُ المُسَبَّبِ عَنْهُ الحَسْرَةُ اَلَمْ يَرَوْا اي اَهْلُ مَكَّةَ القَائِلُوْنَ لِلنَّبِيِّ لَسْتَ مُرْسَلًا والاِسْتِفْهَامُ لِلتَّقْرِيْرِ اي عَلِمُوْا كَمْ خَبَرِيَّةٌ بِمَعْنَى كَثِيْرٌ مَعْمُوْلَةٌ لِمَا بَعْدَهَا مُعَلِّقَةٌ لِمَا قَبْلَهَا عَنِ العَمَلِ والمَعْنَى اِنَّا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ كَثِيْرًا مِّنَ الْقُرُوْنِ الاُمَمِ اَنَّهُمْ اي المُهْلَكِيْنَ اِلَيْهِمْ اي المَكِّيِّيْنَ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٣١﴾ اَفَلَا يَعْتَبِرُوْنَ بِهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَى اٰخِرِهِ بَدَلٌ مِمَّا قَبْلَهُ بِرِعَايَةِ المَعْنَى المَذْكُوْرِ وَاِنْ نَافِيَةٌ اوْمُخَفَّفَةٌ كُلٌّ اي كُلُّ

الجزء ٢٣

وقف غفران

الخَلَائِقِ مُبْتَدَأٌ لَّمَّا بالتَّشْدِیْدِ بمعنی اِلَّا وبالتخفیفِ فاللامُ فارِقَةٌ وما مزیدة جَمِیْعٌ خَبَرُ المُبْتَدأ ای مَجْمُوْعونَ لَّدَیْنَا عِندنا فی المَوْقِفِ بَعْدَ بَعْثِہم مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۲﴾ للحِسَابِ خَبَرٌ ثانٍ.

ترجمہ: آپ ان سے ایک مثال (یعنی) ایک بستی انطاکیہ والوں کی مثال اس وقت کی بیان کیجئے جب اس بستی میں کئی رسول آئے مثلاً مفعول اول ہے اور اَصحٰبَ القریۃِ مفعول ثانی ہے، جب وہ ان کے پاس اذ جاءَ ھا الخ اصحاب القریۃ سے بدل الاشتمال ہے، اور مرسلون سے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قاصد مراد ہیں یعنی جب ہم نے ان کے پاس (اول) دو کو بھیجا تو ان لوگوں نے دونوں کی تکذیب کی اِذْ اَرْسَلْنَا اول اِذْ سے بدل ہے، پھر ہم نے تیسرے سے تقویت دی فَعَزَّزْنَا میں تخفیف اور تشدید دونوں قراءتیں ہیں یعنی دو کی تیسرے کے ذریعہ تائید کی، سو ان تینوں نے کہا ہم تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں تو ان لوگوں نے جواب دیا تم تو ہمارے ہی جیسے انسان ہو اور خدا نے کوئی چیز نازل نہیں کی، تم محض جھوٹ بولتے ہو، فرستادوں نے کہا ہمارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں، رَبُّنَا قائم مقام قسم ہے اور اس قسم کے ذریعہ اور لام کے ذریعہ ماقبل کی بہ نسبت زیادتی انکار کی وجہ سے اِنَّا اِلَیْکُمْ لَمُرْسَلُوْنَ میں تاکید زیادہ لائی گئی ہے اور ہمارے ذمہ تو واضح طور پر (پیغام) پہنچا دینا ہے اور بس جو معجزات واضحہ سے مؤیَّد ہے، اور وہ (معجزہ) اندھوں کو بینا کرنا اور کوڑھی و مریض کو تندرست کرنا اور مردوں کو زندہ کرنا ہے وہ کہنے لگے تمہاری وجہ سے بارش موقوف ہونے کے سبب سے ہم کو نحوست لاحق ہو گئی اگر تم باز نہ آؤ گے تو ہم تم کو سنگسار کر دیں گے اور تم کو ہماری طرف سے سخت تکلیف پہنچے گی، ان فرستادوں نے کہا تمہاری نحوست تو تمہارے کفر کی وجہ سے تمہارے ساتھ ہے، کیا تم اس کو نحوست سمجھتے ہو کہ تم کو نصیحت کی گئی بلکہ (خود) تم ایسے لوگ ہو کہ اپنے شرک کی وجہ سے حد سے تجاوز کر گئے ہو، ہمزۂ استفہام ان شرطیہ پر داخل ہے اور اس کے ہمزہ میں تحقیق و تسہیل، اور دونوں صورتوں میں اس کے اور دوسرے یعنی (ہمزۂ استفہام) کے درمیان الف داخل کرنا ہے (اور ترک کرنا ہے) اور ذُکِّرْتُمْ بمعنی وُعِظْتُمْ اور خُوِّفْتُمْ ہے اور جواب شرط محذوف ہے یعنی تَطَیَّرْتُمْ وَکَفَرْتُمْ اور یہی محل استفہام ہے اور مراد اس سے توبیخ ہے اور شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص کہ جس کا نام حبیب نجار تھا اور وہ رسولوں پر ایمان لا چکا تھا، اور اس کا مکان شہر کے پرلے کنارے پر تھا، جب اس نے قوم کا رسولوں کو جھٹلانا سنا تو دوڑتا ہوا آیا اس نے کہا اے میری قوم ایسے رسولوں کی اتباع کرو ثانی اِتَّبِعُوْا اول اِتَّبِعُوْا کی تاکید (لفظی) ہے، جو تم سے تبلیغ رسالت پر کوئی صلہ نہیں چاہتے اور وہ سیدھے راستہ پر ہیں، تو اس سے کہا گیا کہ کیا تو (بھی) ان کے دین پر ہے؟ اس نے جواب دیا مجھے کیا (عذر) ہے کہ میں اس کی بندگی نہ کروں کہ جس نے مجھے پیدا کیا؟ یعنی اس کی بندگی کرنے سے مجھے کوئی مانع نہیں ہے اور اس کی عبادت کا مقتضی (باعث) موجود ہے، اور تمہارا حال بھی ایسا ہی ہے (جیسا میرا ہے) اور مرنے کے بعد تم کو اس کے پاس لوٹ کر جانا ہے، أَأَتَّخِذُ کے دونوں ہمزوں میں وہی قراءتیں ہیں جو أَأَنْذَرْتَھُمْ میں گذر چکی ہیں، اور یہ استفہام بمعنی نفی ہے کیا میں اس کو چھوڑ کر اس کے غیر کو یعنی بتوں کو معبود بناؤں؟ اگر

خدا میرے حق میں نقصان کا ارادہ کرے تو ان کی شفاعت مجھے کوئی فائدہ نہ دے جس کی تم (ان سے) توقع رکھتے ہو، اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں (لایـنقذون) اٰلِهَةً کی صفت ہے، اگر میں ایسا کروں یعنی اگر میں غیر اللہ کی بندگی کروں تو بلاشبہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا، میں تو تمہارے پروردگار پر ایمان لا چکا سو میری طرف دھیان دو یعنی میری بات سنو، تو ان لوگوں نے اس کو سنگسار کر دیا تو وہ مر گیا، بوقت انتقال اس کو حکم دیا گیا جنت میں داخل ہو جا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ جیتے جی جنت میں داخل ہو گیا کاش میری قوم کو میرے پروردگار کی طرف سے میری مغفرت کا اور مجھے معزز لوگوں میں داخل کرنے کا علم ہو جاتا اور ہم نے اس (حبیب) کی قوم پر آسمان سے اس کے مرنے کے بعد ان کو ہلاک کرنے کے لئے فرشتوں کا لشکر نہیں بھیجا اور نہ ہم کو کسی کے ہلاک کرنے کے لئے ملائکہ کو اتارنے کی ضرورت تھی ما نافیہ ہے ان کی سزا تو صرف ایک چیخ تھی جو ان پر جبرئیل عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نے ماری، سو وہ اچانک بجھ کر رہ گئے یعنی خاموش مردہ ہو کر رہ گئے ان (کافر) بندوں پر اور ان جیسے ان لوگوں پر جنہوں نے رسولوں کی تکذیب کی افسوس کہ وہ ہلاک کر دیئے گئے اور یہ حسرت کو ندا شدت الم کی وجہ سے ہے اور اس کو ندا مجازاً ہے یعنی اے حسرت یہ تیری حاضری کا وقت ہے لہٰذا تو حاضر ہو جا، ان کے پاس کبھی کوئی رسول نہیں آیا کہ اس کا مذاق نہ اڑایا ہو کلام حسرت کے سبب کو بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے اس کلام کے استہزاء پر دلالت کرنے کی وجہ سے جو مفضی ہے ان کی ہلاکت تک جو حسرت کا مسبب عنہ (یعنی سبب) ہے۔

فائدہ: حسرت کا سبب ہلاکت اور ہلاکت کا سبب استہزاء گویا کہ استہزاء بواسطۂ ہلاکت حسرت کا سبب ہوا۔

کیا ان اہل مکہ کو جو نبی کے بارے میں لَسْتَ مُرْسَلًا کہتے ہیں اس بات کا علم نہیں ہے کہ ہم ان سے پہلے بہت سی امتوں کو ہلاک کر چکے ہیں اور وہ ہلاک شدگان ان کے یعنی اہل مکہ کے پاس (دنیا میں) لوٹ کر آنے والے نہیں اور استفہام تقریری ہے یعنی غور کیا کَمْ خبریہ ہے، اور کثیراً کے معنی میں ہے، اور اپنے مابعد کا معمول ہے اور اپنے ماقبل کو اس میں عمل سے روکنے والا ہے، کیا یہ لوگ ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے اور اَنَّهُمْ الخ معنی مذکور کی رعایت کے ساتھ ماقبل سے بدل ہے اور معنی میں اِنَّا اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ كَثِيْرًا کے ہے، اور سب کے سب محشر میں زندہ کرنے کے بعد ہمارے روبرو حساب کے لئے حاضر کئے جائیں گے اِن نافیہ ہے یا مخففہ ہے كُلٌّ یعنی تمام مخلوق، كُلٌّ مبتداء ہے، لَمَّا تشدید کے ساتھ اِلَّا کے معنی میں ہے یا تخفیف کے ساتھ ہے، اور لام فارقہ ہے اور ما زائدہ ہے، جمیعٌ مبتدا کی خبر (اول) ہے، اور معنی میں مَجْمُوْعُوْنَ کے ہے، محضرون للحساب خبر ثانی ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلُہٗ: وَاضْرِبْ لَهُمْ مثلاً یہ کلام مستانف ہے، اور مخاطب آپ ﷺ ہیں، مفسر علام نے مثلاً کو اِضْرِبْ بمعنی اِجْعَلْ کا مفعول اول اور اصحابَ القريةِ کو مفعول ثانی قرار دیا ہے، مگر واضح اور احسن یہ ہے کہ اصحابَ القريةِ

مفعول اول اور مثلاً مفعول ثانی ہو، بعد میں چونکہ اصحاب القریة کی تشریح آرہی ہے، اس لئے مفعول اول کو مقدم کردیا تاکہ اجمال وتفصیل متصل ہوجائیں۔

قولہ: واضرب لھم الخ اس کا عطف ماقبل پر بھی ہوسکتا ہے مگر یہ عطف قصہ علی القصہ کے طور پر ہوگا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مقدر پر عطف ہو ای فانذرھم واضرب لھم اور ''ضرب مثل'' بعض اوقات ایک عجیب قصہ کی دوسرے عجیب قصہ کے ساتھ مطابقت ومماثلت بیان کرنے کے لئے بولا جاتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول ضرب اللّٰہُ مثلاً للذین کفروا امرأتَ نوحٍ اور بعض اوقات تطبیق ومماثلت کے قصد کے بغیر حالت غریبہ کو بیان کرنے کے لئے بھی اِضربْ مثلاً، بولا جاتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول و ضربنا لکم الامثال پہلی صورت میں آیت کے معنی ہوں گے اِجعل اصحابَ القریة مثلاً لِھٰؤلاءِ فی الغلو فی الکفر والاصرار فی التکذیب ای طَبِّقْ حالھم بحالھم، اصحاب القریة سے پہلے مثلَ مضاف محذوف ہے، اِضرب لھم مثلاً مثل اصحاب القریة اور یہ مضاف مثلاً سے بدل الکل عن الکل ہے، اور بعض حضرات نے عطف بیان بھی مانا ہے، مگر یہ ان کے نزدیک ہے جو تعریف وتنکیر کے اختلاف کے باوجود بدل صحیح مانتے ہیں۔

قولہ: القریة قاف کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ الضیعة والمصر الجامع، بستی، آبادی، جمع قُریٰ وقِریٰ (اعراب القرآن) یہاں قریہ سے روم کا مشہور شہر انطاکیہ مراد ہے۔

قولہ: المرسلون حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اہل انطاکیہ کے پاس اولاً اپنے حواریوں میں سے دو قاصد جن کا نام یحییٰ اور بَولس تھا بھیجے تھے، اور وہب نے کہا ہے کہ ان کا نام یُوحنَّا اور بَولَسْ تھا، اور صادق، مصدوق بھی کہا گیا ہے، اس کے بعد تیسرا قاصد بھیجا، اس کا نام شمعون تھا۔ (اعراب القرآن)

قولہ: الیٰ آخرہٖ ای آخر القصه.

قولہ: اِذ اَرسلنا، اِذ جاءَ ھا المرسلون سے بدل المفصل من المجمل ہے۔

قولہ: المرسلون تیسرے قاصد کے اعتبار سے جمع کا صیغہ لایا گیا ہے۔

قولہ: رُسُل عیسٰی عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قاصد، مشہور یہی ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ بلاواسطہ اللہ کے رسول تھے اور عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رسولوں کو بھی اللہ کے رسول کہا جاسکتا ہے اس لئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے ان کو بھیجا تھا۔

قولہ: تَطَیَّرنَا کے اصل معنی پرندوں سے نیک یا بد فال لینا، یہاں مطلقاً بد فال لینے کے معنی میں استعمال ہوا ہے، عرب کی عادت تھی کہ وہ پرندوں سے فال (شگون) لیا کرتے تھے، اگر بائیں جانب سے دائیں جانب کو پرندہ اڑ کر سامنے سے گذر جاتا تو عرب اس کو نیک فال مانتے تھے اور اس کو الطائر السانح کہتے تھے، اور اس کی ضد یعنی دائیں جانب سے بائیں جانب کو اڑ کر جانے والے پرندے سے بدفالی لیتے تھے اور اس کو الطائر البارح کہتے تھے، اس کے بعد

ہر بدفال کے لئے استعمال ہونے لگا۔ (مصباح)

قَوْلُہٗ: رَبُّنَا یَعْلَمُ اِنَّا اِلَیْکُمْ لَمُرْسَلُوْنَ، اِنَّا اِلَیْکُمْ مرسلُوْنَ میں دو تاکیدوں کا استعمال ہوا ہے ایک جملہ اسمیہ اور دوسرے اِنَّ اس لئے کہ وہاں تکذیب اور نفی میں بھی زیادہ تاکید نہیں تھی، یہاں چونکہ کئی تاکیدوں کے ساتھ انکار و تکذیب مؤکد ہے، اس لئے اثبات میں بھی کئی تاکیدات لائی گئی ہیں، اول قسم جو کہ قائم مقام تاکید کے ہے دوم اِنَّ تیسرے جملہ اسمیہ چوتھے لام تاکید۔

قَوْلُہٗ: بکفرکم باسببیہ ہے ای بسببِ کفرکم.

قَوْلُہٗ: أئِنْ ذُکِّرْتُمْ ہمزۂ استفہام انکاری توبیخی ان شرطیہ پر داخل ہے، دونوں کو جواب کی ضرورت ہے اگر ہمزۂ استفہام اور شرط جمع ہو جائیں تو سیبویہ ہمزۂ استفہام کا جواب قرار دیتے ہیں اور جواب شرط محذوف مانتے ہیں، اور یونس شرط کا جواب مانتے ہیں اور جواب استفہام محذوف مانتے ہیں، مفسر علام محلی نے جواب الشرط محذوف کہہ کر اشارہ کر دیا کہ ان کے نزدیک سیبویہ کا مذہب راجح ہے، سیبویہ کے نزدیک تقدیر عبارت یہ ہوگی اَئِنْ ذُکِّرْتُمْ تتطَیَّرونَ اور یونس کے نزدیک اِئِنْ ذکِّرْتُمْ تطیَّروا جزم کے ساتھ، مفسر علام نے بمَا غَفَرَ لِی رَبِّی کی تفسیر بغفرانہٖ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ ما مصدریہ ہے اور یہ بھی درست ہے کہ ما موصولہ ہو اس صورت میں عائد محذوف ہوگا، اور تقدیر عبارت یہ ہوگی بالَّذِیْ غفرہٗ لی ربِّی من الذنوب اور استفہامیہ بھی صحیح ہے ای بایِّ شیئٍ غفرلی ای بامرٍ عظیمٍ وھو توحیدی وصدقی بالحق (صاوی) حسرت کو ندادینا مجازاً ہے اس لئے کہ حسرت میں منادیٰ بننے کی صلاحیت نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: یَاحَسْرَۃً علَی العِبَادِ اس میں تین احتمال ہیں ① یہ اللہ کا کلام ہو ② ملائکہ کا کلام ہو ③ مومنین کا کلام ہو اور اَلْعبَاد سے مراد تمام کفار ہوں، اس صورت میں الف لام جنس کا ہوگا، اور کہا گیا ہے کہ العِباد سے مراد رُسُل ہوں اور علیٰ بمعنی مِن ہو اور قائل کفار ہوں، تقدیر عبارت یہ ہوگی یَا حَسْرَۃً علَیْنَا مِن مخالفۃ العِبَادِ مگر پہلی صورت اولیٰ ہے جو مفسر علام نے بیان کی ہے۔

قَوْلُہٗ: اِلَّا کانوا بہٖ یَستھزِءُ وْنَ یہ جملہ یاتیھِمْ کے مفعول سے حال ہے۔

قَوْلُہٗ: مَسوقٌ لِبَیَان سببِھَا یہ جملہ مستانفہ ہے اور سبب حسرت کو بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے، گویا کہ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال کیا گیا، مَا وَجْہُ التَّحَسُّر علیھِمْ؟ جواب دیا گیا مَا یاتِیْھِمْ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا کَانُوْا بِہٖ یَسْتَھزِءُ وْنَ یعنی یہ جملہ بالواسطہ سبب حسرت کو بیان کرنے کے لئے ہے کہ استہزاء سبب ہلاکت ہے اور ہلاکت سبب حسرت ہے تو گویا استہزاء سبب حسرت ہے۔

قَوْلُہٗ: لاشتِمالِہٖ ای لِدَلَالَۃِ ھٰذا الکلام علَی الإستھزاءِ.

قَوْلُہٗ: اَلَمْ یَرَوْا الخ یہاں رویۃ سے رویت علمیہ مراد ہے یعنی کیا اہل مکہ کو علم نہیں کَمْ خبریہ ہے اور اَھْلَکْنَا کا مفعول مقدم ہے اور قَبْلَھُمْ اَھْلَکْنَا کا ظرف ہے اور مِنَ القُرُوْنِ کَمْ کا بیان ہے اَلَمْ یَرَوْا میں استفہام تقریری یعنی

مابعد نفی کا اقرار کرانے کے لئے ہے یعنی علم ہے کَمْ خبریہ مابعد یعنی اَھْلَکْنَا کا معمول ہے ماقبل یعنی لَمْ یَرَوْا کا معمول نہیں ہے اس لئے کہ کَمْ خبریہ صدارت کلام کو چاہتا ہے لہٰذا اس کا ماقبل اس میں عامل نہیں ہوسکتا ورنہ تو اس کی صدارت باطل ہوجائے گی۔ (صاوی)

قِوْلَہُ: مُعَلِّقَةٌ مَا قَبْلَهَا عَنِ العَمَلِ یعنی کم خبریہ نے اپنے ماقبل یعنی لم یروا کو لفظاً عمل سے روک دیا ہے اگرچہ معنی میں عمل جاری ہے۔

سَوَال: عمل سے مانع کم استفہامیہ ہوتا ہے نہ کہ خبریہ، اور یہ کم خبریہ ہے؟

جَوَاب: چونکہ کم میں استفہامیہ ہونا اصل ہے، لہٰذا تعلیق (مانع) ہونے میں کم خبریہ کو کم استفہامیہ کے قائم مقام کردیا ہے۔ (جمل)

تفسیر وتشریح

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ القَرْيَةِ ضرب مثل کا استعمال دو طریقوں پر ہوتا ہے ① کسی عجیب وغریب معاملہ کو ثابت کرنے کے لئے اسی جیسے عجیب وغریب معاملہ کی مثال بیان کرنے کو کہتے ہیں ② مطلقاً کسی عجیب وغریب معاملہ کو بغیر کسی واقعہ کی تطبیق ومماثلت کے بیان کرنے کو کہتے ہیں۔

اوپر جن منکرین نبوت ورسالت کفار کا ذکر سابقہ آیات میں آیا ہے ان کو متنبہ کرنے کے لئے قرآن کریم نے بطور مثال پہلے زمانہ کا ایک قصہ بیان کیا ہے جو ایک بستی میں پیش آیا تھا۔

یہ بستی کونسی تھی اور وہ قصہ کیا تھا؟

قرآن کریم نے اس بستی کا نام نہیں بتایا، تاریخی روایات میں محمد بن اسحٰق نے حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا اور کعب احبار، اور وہب بن منبہ سے نقل کیا ہے کہ یہ بستی انطاکیہ تھی، جمہور مفسرین نے اسی کو اختیار کیا ہے، معجم البلدان کی تصریح کے مطابق انطاکیہ ملک شام کا مشہور اور عظیم الشان شہر ہے جو اپنی شادابی اور استحکام میں معروف ہے، اس شہر میں نصاریٰ کے عبادت خانے بکثرت تھے، زمانہ اسلام میں اس کو فاتح شام امین الامۃ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فتح کیا تھا، روح البیان میں سہیلی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ شہر انطاکیہ کو آباد کرنے والا ایک شخص تھا جس کا نام انطیقس تھا، اسی شخص کی طرف نسبت کرتے ہوئے اس شہر کا نام انطاکیہ ہوگیا، بائبل کتاب اعمال کے آٹھویں اور گیارہویں باب میں ایک قصہ اسی قصہ کے مشابہ قدرے تفاوت کے ساتھ شہر انطاکیہ کا بیان ہوا ہے۔ (فوائد عثمانی ملخصًا)

اس قصہ کا ذکر مومنین کے لئے بشارت اور مکذبین کے لئے عبرت ہے، معجم البلدان میں یاقوت حموی نے یہ بھی لکھا ہے کہ حبیب نجار (جس کا واقعہ اس آیت میں آگے آرہا ہے) اس کی قبر بھی انطاکیہ میں معروف ہے، دور دور سے لوگ اس کی

زیارت کے لئے آتے ہیں، اس تصریح سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں جس قریہ کا ذکر ہے وہ یہی انطاکیہ ہے، لیکن ابن کثیر نے تاریخی حیثیت سے اور قرآن کے سیاق کے لحاظ سے اس پر کچھ اعتراضات کئے ہیں اور وہ اگر صحیح ہیں تو کوئی اور بستی ماننی پڑے گی، صاحب فتح المنان نے ابن کثیر کے اشکالات کے جوابات بھی دیئے ہیں، مگر سہل اور بے غبار بات وہی ہے جو حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے بیان القرآن میں اختیار فرمائی ہے، کہ آیات قرآنی کا مضمون سمجھنے کے لئے اس قریہ کی تعیین ضروری نہیں ہے، اور قرآن کریم نے بھی اس کو مبہم رکھا ہے تو اس کی تعیین کے لئے اتنا زور صرف کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ سلف صالحین کا یہ ارشاد کہ اَبْهِمُوْا مَا اَبْهَمَهُ اللّٰهُ یعنی اللہ نے جس چیز کو مبہم رکھا ہے تم بھی اس کو مبہم رکھو، اس کا مقتضی بھی یہی ہے۔

اِذْ جَاءَ هَا الْمُرْسَلُوْنَ یہ فرستادے حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے حواریین میں سے تھے، آیا ان کو حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نے اہل انطاکیہ کی جانب تعلیم و تبلیغ کی غرض سے بحکم خداوندی بھیجا تھا، یا حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے رفع الی السماء کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو تبلیغ دین کے لئے اہل انطاکیہ کی جانب بھیجا تھا دونوں احتمال ہیں (فتح القدیر) اہل انطاکیہ نے ان کی تکذیب کی، کہا گیا ہے کہ ان میں سے دو کے نام یوحنا اور شمعون تھے، اور بعض نے سمعان، ویحییٰ و بولس کہا ہے، انکے ناموں کی کسی صحیح روایت سے تصدیق نہیں ہوسکتی، اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ بلا واسطہ اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبر تھے یا حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے بھیجے ہوئے قاصد، اگر یہ حضرات بلا واسطہ پیغمبر تھے تو ان کی بعثت حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ سے پہلے ہوئی تھی۔ (فوائد عثمانی ملخصًا)

اولاً دو رسول بھیجے گئے تھے جب بستی والوں نے ان کی تکذیب کی تو اللہ نے ان کی تائید و تقویت کے لئے ایک تیسرا رسول بھیجدیا، پھر ان تینوں رسولوں نے بستی والوں کو خطاب کرکے کہا اِنَّا اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ.

قَالُوْا مَا اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا بستی والوں نے کہا تم میں کونسا سرخاب کا پر ہے جو اللہ نے تمہیں رسول بنا کر بھیجا ہے، تم ہم سے کس بات میں بڑھ کر تھے جس کی وجہ سے اللہ نے تم کو نبوت و رسالت کے لئے منتخب فرمایا تم خواہ مخواہ اللہ کا نام لیتے ہو، معلوم ہوتا ہے تم تینوں نے سازش کرکے ایک بات گھڑ لی ہے۔

قَالُوْا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ تطیر کے معنی بدفالی کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ اس بستی والوں نے ان قاصدوں کی بات نہ مانی، بلکہ کہنے لگے کہ تم لوگ منحوس ہو، بعض روایات میں ہے کہ ان کی نافرمانی اور فرستادوں کی بات نہ ماننے کی وجہ سے اس بستی میں قحط پڑ گیا تھا، اس لئے بستی والوں نے ان کو منحوس کہا، تو ان حضرات نے کہا۔

طَائِرُكُمْ مَعَكُمْ یعنی تمہاری نحوست تمہارے ہی ساتھ ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ خشک سالی وغیرہ سب تمہارے اعمال کا نتیجہ ہیں، وَجَاءَ مِنْ اَقْصَى الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى پہلی آیت میں اس بستی کو قریہ سے تعبیر کیا ہے اور اس آیت میں مدینہ سے، قریہ عربی زبان میں مطلقاً بستی کو کہتے ہیں خواہ بڑی ہو یا چھوٹی اور مدینہ بڑے شہر کو کہتے ہیں، یعنی شہر کے دور و دراز علاقہ سے یہ شخص تیزی کے ساتھ دوڑ کر یا اہتمام کے ساتھ آیا۔ دوڑ کر آنے والا شخص کون تھا؟ یہ کیا کام کرتا تھا، قرآن اس بارے میں خاموش ہے

تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کا نام حبیب تھا، اور مشہور یہ ہے کہ یہ نجار تھا، لکڑی کا کام کرتا تھا۔ (ابن کثیر) تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص بھی شروع میں بت پرست تھا۔

واقعہ کی تفصیل:

مذکورہ قصہ کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے حواریوں میں سے دو کو اہل انطاکیہ کی دعوت و تبلیغ کے لئے بھیجا، ایک کا نام صادق اور دوسرے کا نام مصدوق تھا، (ناموں میں اختلاف ہے) جب یہ دونوں حضرات شہر انطاکیہ کے قریب پہنچے تو ان کی ملاقات حبیب نامی ایک بوڑھے سے ہوگئی، جو جنگل میں بکریاں چرا رہا تھا، دعا سلام کے بعد شیخ نے ان سے پوچھا تم کون لوگ ہو اور کہاں سے آرہے ہو، تو ان دونوں حضرات نے جواب دیا ہم حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قاصد ہیں، ہم تم کو بتوں کی عبادت سے رحمٰن کی عبادت کی دعوت دیتے ہیں، شیخ نے معلوم کیا کیا تمہارے پاس نشانی ہے، کہا ہاں! ہم مریضوں کو اچھا کردیتے ہیں، اور اندھوں کو بینا اور کوڑھیوں کو اللہ کے حکم سے صحت مند کردیتے ہیں، اور یہ ان حضرات کی کرامت اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معجزہ تھا، شیخ نے کہا میرا ایک لڑکا ہے جو سالہا سال سے بیمار ہے، چنانچہ یہ دونوں حضرات شیخ کے ہمراہ اس کے لڑکے کو دیکھنے کے لئے اس کے گھر چلے گئے، ان دونوں حضرات نے مریض پر ہاتھ پھیر دیا، لڑکا بحکم خداوندی اسی وقت تندرست ہوگیا، چنانچہ یہ خبر آناً فاناً پورے شہر میں پھیل گئی، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ پر سینکڑوں لوگوں کو شفاء عطا فرمائی، ان کا ایک بت پرست بادشاہ تھا جس کا نام انطیخا تھا، روح البیان میں اس بادشاہ کا نام بحنا طیس رومی اور انطیخس لکھا ہے، شدہ شدہ ان حضرات کی خبر بادشاہ کو بھی پہنچ گئی، بادشاہ نے ان کو اپنے دربار میں بلایا اور معلوم کیا تم کون ہو؟ جواب دیا ہم حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قاصد ہیں، بادشاہ نے معلوم کیا تمہارے آنے کا کیا مقصد ہے؟ ان حضرات نے جواب دیا ہم اس بات کی دعوت دینے آئے ہیں، کہ ان بہرے گونگے بتوں کی بندگی ترک کر کے قادر مطلق، دانا و بینا ایک خدا کی بندگی کرو، بادشاہ نے کہا کیا ہمارے معبودوں کے علاوہ بھی کوئی معبود ہے؟ ان دونوں حضرات نے جواب دیا، ہاں! جس نے تجھ کو اور تیرے معبودوں کو پیدا کیا، بادشاہ نے کہا اس وقت یہاں سے چلے جاؤ، ہم تمہارے معاملہ میں غور کرلیں، ان دونوں حضرات کے دربار سے نکلنے کے بعد لوگوں نے ان کا پیچھا کیا اور پکڑ لیا، ہر ایک کو سو سو کوڑے مارے اور جیل میں بند کردیا، اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے حواریین میں سے سب سے بڑے حواری شمعون کو ان کی تائید و حمایت کے لئے بھیجا، شمعون ہیئت اور لباس بدل کر اس قریہ میں داخل ہوا، اور بادشاہ کے مصاحبین میں شامل ہوگیا، لوگ اس سے مانوس ہوگئے حتی کہ بادشاہ بھی اس سے مانوس ہوگیا، شمعون عبادت میں بظاہر بادشاہ کے طور طریقے اختیار کرتا رہا ایک روز موقع پاکر شمعون نے بادشاہ سے کہا سنا ہے کہ آپ نے دو آدمیوں کو اس بناء پر قید میں ڈال رکھا ہے کہ وہ تیرے معبودوں کے علاوہ کسی دوسرے معبود کا عقیدہ رکھتے ہیں، کیا آپ نے ان سے گفتگو کی ہے اور ان کی پوری بات سنی ہے؟ بادشاہ نے جواب دیا میں غصہ کی وجہ سے نہ ان کی پوری بات سن سکا اور نہ ان کی تحقیق حال ہی کرسکا، شمعون نے کہا میں چاہتا ہوں کہ آپ ان کو بلائیں اور ان کی پوری بات سنیں اور دیکھیں کہ وہ کیا کہتے ہیں،

چنانچہ بادشاہ نے ان دونوں کو بلایا، جب دونوں دربار میں حاضر ہو گئے تو شمعون نے سوال کیا تم کو یہاں کس نے بھیجا ہے؟ جواب دیا کہ اس اللہ نے جس نے ہرشئ کو پیدا کیا اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے، شمعون نے کہا اختصار کے ساتھ کچھ اور تفصیل بیان کرو، انہوں نے کہا اِنَّہٗ یَفْعَلُ مَا یَشَاءُ وَیَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ پھر شمعون نے کہا تمہارے پاس اس کی کیا دلیل ہے؟ ان حضرات نے کہا جو آپ چاہیں، چنانچہ بادشاہ کے حکم سے ایک ایسا لڑکا لایا گیا جو نابینا تھا، حتی کہ اس کی آنکھوں کے نشانات بھی نہیں تھے، یہ حضرات اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہے تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھوں کے نشانات ظاہر فرما دیئے، ان حضرات نے مٹی کی دو گولیاں لیکر آنکھوں کے نشانات میں رکھ دیں، اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ آنکھ کی پتلیاں بن گئیں، اور ان سے نظر آنے لگا، بادشاہ کو نہایت تعجب ہوا، شمعون نے بادشاہ سے کہا اگر آپ اپنے معبودوں سے دعا کرتے تو کیا یہ ممکن تھا؟ بادشاہ نے شمعون سے کہا تجھ سے کوئی راز پوشیدہ نہیں، ہمارے معبود جن کی ہم بندگی کرتے ہیں نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں اور نہ وہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں، اور نہ نقصان، بادشاہ نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قاصدوں سے کہا اگر تمہارا معبود مردے کو زندہ کر دے تو میں اس پر ایمان لے آؤں گا، ان حضرات نے جواب دیا ہمارا معبود ہرشئ پر قادر ہے، بادشاہ نے کہا، یہاں ایک میت ہے جس کا ایک ہفتہ قبل انتقال ہوا ہے اور وہ ایک دیہاتی کا لڑکا ہے اس کا باپ سفر میں ہے، میں نے اس کے والد کے آنے تک میت کو دفن کرنے سے منع کر دیا ہے، حتی کہ اب اس میں تعفن بھی ہو گیا ہے، ان دونوں حضرات نے علانیہ اور شمعون نے خفیہ دعاء کرنی شروع کی، چنانچہ وہ لڑکا بحکم خداوندی اٹھ کھڑا ہوا، اور کہنے لگا میرا انتقال ایک ہفتہ پہلے ہوا تھا، اور میں مشرک تھا، چنانچہ مجھ کو جہنم کی سات وادیوں میں داخل کر دیا گیا، میں تم کو اس دین و مذہب کے بارے میں خدا سے ڈراتا ہوں جس پر تم ہو، چنانچہ یہ لوگ اللہ پر ایمان لے آئے، زندہ ہونے والے لڑکے نے کہا میرے سامنے آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں اور مجھے ایک حسین و جمیل نوجوان نظر آ رہا ہے جو ان تینوں یعنی شمعون اور اس کے دونوں ساتھیوں کی سفارش کر رہا ہے، اور میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور عیسیٰ اس کی روح اور اس کے کلمہ ہیں، ایک روایت میں ہے کہ یہ واقعہ دیکھ کر بادشاہ اور اس کی قوم کے کچھ افراد ایمان لے آئے، ایک دوسری روایت میں ہے کہ بادشاہ نے دعوت حق قبول کرنے سے انکار کر دیا اور ان کے قتل کے درپے ہو گیا، جب حبیب نجار کو یہ صورت حال معلوم ہوئی تو وہ شہر کے دور دراز کنارے سے دوڑتا ہوا آیا، اور ان کو سمجھانے کی کوشش کی اور پھر اپنے مومن ہونے کا اعلان ان کلمات سے کر دیا اِنِّیْ آمَنْتُ بِرَبِّکُمْ فَاسْمَعُوْنِ یہ خطاب رسولوں کو تھا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پوری قوم کو خطاب ہو اور اللہ کو ان کا رب کہنا اظہار حقیقت کے طور پر تھا، اگرچہ وہ اس کو تسلیم نہ کرتے تھے (واقعہ کی تفصیل روح البیان اور صاوی سے ماخوذ ہے)۔

قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّۃَ (الآیۃ) قرآن کے اس لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حبیب نجار کو شہید کر دیا گیا اس لئے کہ دخول جنت یا آثار جنت کا مشاہدہ بعد از مرگ ہی ہو سکتا ہے، تاریخی روایات میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما مقاتل، مجاہد، ائمہ تفسیر سے منقول ہے کہ اس شخص کا نام حبیب بن اسماعیل نجار تھا، اور یہ ان خوش نصیب لوگوں میں ہے جو ہمارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کی بعثت سے چھ سو سال پہلے ایمان لایا، جیسا کہ تبع اکبر کے متعلق منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کتب سابقہ میں

پڑھ کر آپ پر ایمان لایا تھا، تیسرے بزرگ جو آپ پر آپ کی بعثت و دعوت سے پہلے ایمان لائے ورقہ بن نوفل ہیں، جن کا ذکر بخاری شریف میں ابتداء وحی کے واقعات میں ہے، یہ بھی آپ ﷺ کی خصوصیت ہے کہ آپ کی بعثت بلکہ ولادت سے بھی پہلے آپ پر بعض حضرات ایمان لائے، ایسا معاملہ کسی اور رسول کے ساتھ نہیں ہوا۔

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَاءِ (الآیة) یہ اس قوم پر آسمانی عذاب کا ذکر ہے جس نے رسولوں کی تکذیب کی، اور حبیب نجار کو مار مار کر شہید کر دیا تھا، اور عذاب کی تمہید کے طور پر فرمایا کہ اس قوم کو عذاب میں پکڑنے کے لئے ہمیں آسمان سے کوئی لشکر بھیجنا نہیں پڑا، اور نہ ایسا لشکر بھیجنا ہمارا دستور ہے، کیونکہ اللہ کا ایک ہی فرشتہ بڑی بڑی بہادر قوموں کو تباہ کر دینے کے لئے کافی ہے، اس کو فرشتوں کا لشکر بھیجنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس تمہید کے بعد ان پر آنے والے عذاب کو بیان فرمایا کہ بس اتنا ہوا کہ حضرت جبرئیل امین نے شہر پناہ کے دروازے کی چوکھٹ کے دونوں بازو پکڑ کر ایک ایسی زوردار چیخ ماری کہ سب کے پتّے پھٹ گئے اور روح پرواز کر گئی اور بجھ کر ٹھنڈے ہو کر رہ گئے۔ (معارف ملخصًا)

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ علی البعثِ خبرٌ مقدمٌ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ بالتخفيفِ والتشديدِ اَحْيَيْنٰهَا بالماءِ مُبتدأٌ وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا كالحِنطةِ فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ بَساتينَ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ﴿٣٤﴾ ای بعضَها لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ بفتحتَينِ وبضمَّتَين ای ثَمرِ المذكورِ مِنَ النخيلِ وغيرِه وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ای لم تعملِ الثمر اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٣٥﴾ اَنعُمَه تعالٰى عليهم سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ الاصنافَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنَ الحُبوبِ وغيرِها وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ من الذكورِ والاناثِ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٦﴾ مِنَ المخلوقاتِ الغريبةِ والعجيبةِ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ على القدرةِ العظيمةِ الَّيْلُ ۚ نَسْلَخُ نفصلُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿٣٧﴾ داخلونَ في الظلامِ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ الخ مِن جُملةِ الأيةِ لهم اَوْاٰيَةٌ اُخرٰى والقمرُ كذلك لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ای اِليه لاَيتجاوزُهُ ذٰلِكَ جريُها تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ في مُلكِه الْعَلِيْمِ ﴿٣٨﴾ بِخَلْقِه وَالْقَمَرَ بالرفعِ والنصبِ وهو منصوبٌ بفعلٍ يُفسِّرُهُ مابعده قَدَّرْنٰهُ من حيثُ سيرِه مَنَازِلَ ثمانيةً وعِشرينَ منزلًا في ثمانٍ وعِشرينَ ليلةً من كلِّ شهرٍ ويَستتِرُ ليلتَينِ ان كانَ الشهرُ ثلثين يومًا وليلةً ان كان تسعةً وعِشرينَ يومًا حَتّٰى عَادَ في اٰخرِ منازلِه في رأيِ العينِ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴿٣٩﴾ اى كعُودِ الشماريخِ إذا عتقَ فانه يدقّ ويتقوّسُ ويَصفرُّ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ يَسهلُ ويَصِحُّ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ فتجتمعُ معه في الليلِ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ فلا ياتي قبلَ انقضائِه وَكُلٌّ تنوينُه عِوضٌ عَنِ المضافِ اليه مِنَ الشمسِ والقمرِ والنجومِ فِيْ فَلَكٍ مُستديرٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿٤٠﴾ يَسيرُونَ نُزِّلُوا منزلةَ العُقلاءِ وَاٰيَةٌ لَّهُمْ على قُدرتِنا اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ وفي قِراءةٍ ذُرِّيَاتِهم اى اٰبائَهم الاُصولَ فِي الْفُلْكِ اى سفينةِ نوحٍ الْمَشْحُوْنِ ﴿٤١﴾ المملوءِ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ اى مِثلِ فُلكِ نوحٍ وهو ما عملوه على شكلِه من السُفُنِ الصِّغارِ والكِبارِ

بِتَعْلِيمِ اللهِ تَعالَى ﴿مَا يَرْكَبُونَ﴾ فيه ﴿وَإِن نَّشَأْ نُغْرِقْهُمْ﴾ مَعَ اِيْجَادِ السُّفُنِ ﴿فَلَا صَرِيخَ﴾ مُغِيثَ ﴿لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنقَذُونَ﴾ يُنْجَوْنَ ﴿إِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ﴾ اى لَا يُنْجِيهِم الا رَحْمَةً بِنَّا لهم وتَمْتِيعُنَا اِيَّاهُم بِلَذَّاتِهِم الى اِنْقِضاءِ اٰجالِهِم ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ﴾ من عذابِ الدُّنيا كغيرِكم ﴿وَمَا خَلْفَكُمْ﴾ من عذابِ الأخرَةِ ﴿لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ اَعْرَضُوا ﴿وَمَا تَأْتِيهِم مِّنْ آيَةٍ مِّنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ۝ وَإِذَا قِيلَ﴾ اى قالَ فُقراءُ الصَّحابَةِ ﴿لَهُمْ أَنفِقُوا﴾ عَلَيْنا ﴿مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ﴾ مِنَ الأموالِ ﴿قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا﴾ اِسْتِهْزَاءً بِهِم ﴿أَنُطْعِمُ مَن لَّوْ يَشَاءُ اللَّهُ أَطْعَمَهُ﴾ فى مُعْتَقَدِكم هٰذا ﴿إِنْ﴾ ما ﴿أَنتُمْ﴾ فى قَوْلِكم لنا ذلك مَعَ مُعْتَقَدِكم هٰذا ﴿إِلَّا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ بَيِّنٍ وَالتَّصريحُ بكُفرِهِم مَوْقِعٌ عظِيمٌ ﴿وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ﴾ بالبَعْثِ ﴿إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾ فيه قال تعالى ﴿مَا يَنظُرُونَ﴾ يَنْتَظِرُوْنَ ﴿إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً﴾ وهِىَ نَفْخَةُ اسرافِيلَ الأولىٰ ﴿تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُونَ﴾ بالتَّشْدِيدِ اَصْلُهُ يَخْتَصِمُوْنَ نقلت حركةُ التاءِ الى الخَاءِ وأُدْغِمَتْ فى الصَّادِ اى وهم فى غَفْلَةٍ عنها بتَخَاصُمٍ وتبايُعٍ واَكْلٍ وشُرْبٍ وغيرِ ذلك وفى قِرَاءَةٍ يَخْصِمُوْنَ كيَضْرِبُوْنَ اى يَخْصِمُ بَعْضُهُم بعضًا ﴿فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً﴾ اى بان يُوْصُوا ﴿وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ﴾ مِن اَسْوَاقِهِم واَشْغَالِهِم بل يموتُوْنَ فيها۔

ع ۳ / ۱۸ / ۲

ترجمہ: اور ایک نشانی ان کے لئے مرنے کے بعد زندہ ہونے پر مردہ زمین ہے اٰیَةٌ لَّهُمُ خبر مقدم ہے اَلْمَیْتَةُ تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے کہ ہم نے اس کو پانی کے ذریعہ زندہ کیا والارض الخ مبتداء مؤخر ہے، اور ہم نے اس زمین سے غلہ مثلاً گندم پیدا کیا سو اس میں سے یہ لوگ کھاتے ہیں اور (نیز) ہم نے زمین میں کھجوروں اور اناروں کے باغات پیدا کئے اور اس میں کچھ چشمے جاری کئے تاکہ لوگ اس کے پھل کھائیں، ثمرہ میں یعنی (ث، م) دونوں میں فتحہ اور ضمہ ہے، یعنی تاکہ مذکورہ کھجور وغیرہ کے پھلوں میں سے کھائیں اور ان پھلوں کو ان کے ہاتھوں نے نہیں بنایا تو پھر یہ لوگ اپنے اوپر خدا تعالیٰ کے انعامات کا شکر ادا کیوں نہیں کرتے؟ وہ پاک ذات ہے جس نے تمام زمینی نباتات (مثلاً) غلہ وغیرہ کے اور خود ان کے اندر نر و مادہ کے جوڑے اور ان عجیب و غریب مخلوقات کے جن کو وہ جانتے بھی نہیں جوڑے پیدا کئے اور خدا تعالیٰ کی قدرت عظیمہ پر ایک نشانی رات ہے کہ جس کے اوپر سے ہم دن کو اتار لیتے ہیں تو وہ یکا یک اندھیرے میں داخل ہو جاتے ہیں اور منجملہ قدرت کی نشانیوں میں سے یا دوسری نشانی سورج ہے جو اپنے مستقر میں رواں دواں ہے کہ اس سے (سرِ مو) تجاوز نہیں کرتا اور سورج کی یہ گردش اس کے ملک میں غالب باخبر خدا کی مقرر کردہ ہے اور چاند کی بھی اس کی رفتار کے اعتبار سے ہم نے ہر ماہ میں اٹھائیس منزلیں اٹھائیس راتوں میں مقرر کر دیں، اگر مہینہ تیس دن کا ہوتا ہے تو چاند (آخری) دو راتوں میں پوشیدہ رہتا ہے، اور اگر مہینہ ۲۹ دن کا ہوتا ہے تو چاند ایک رات پوشیدہ رہتا ہے حتی کہ چاند اپنی آخری منزل میں دیکھنے والے کو کھجور کی پرانی شاخ کے مانند نظر آتا ہے اور قمر پر نصب اور رفع دونوں جائز ہیں، یہ فعل (محذوف) کی وجہ سے منصوب ہے، جس کی بعد والا فعل

(قَدَّرْنا) تفسیر کررہا ہے، یعنی چاند (آخری راتوں میں) کھجور کی شاخ کے مانند ہوجاتا ہے جب کہ وہ پرانی ہوکر پتلی اور ٹیڑھی اور زرد ہوجائے اور نہ آفتاب کی مجال کہ چاند کو جا پکڑے چنانچہ رات، دن ختم ہونے سے پہلے نہیں آتی اور ہر ایک اپنے اپنے دائرے میں گردش کررہا ہے، کُلٌّ کی تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے جو کہ وہ سورج چاند اور تارے ہیں، شمس وقمر وغیرہ کو ذوی العقول وغیرہ کے درجہ میں اتارلیا گیا ہے، اور ان کے لئے ہماری قدرت کی ایک نشانی یہ ہے کہ ہم نے ان کی ذریت یعنی ان کے آباء واجداد کو بھری ہوئی کشتی یعنی نوح کی کشتی میں سوار کیا اور ایک قراءت میں ذرِّیَة کے بجائے ذرِّیٰتٌ ہے اور ہم نے ان کے لئے اس جیسی یعنی نوح کی کشتی جیسی چیزیں پیدا کیں، اور وہ چھوٹی بڑی کشتیاں ہیں، جن کو لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سکھانے سے نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کشتی جیسا بنالیا جن پر یہ لوگ سوار ہوتے ہیں، اور اگر ہم چاہیں تو ان کو کشتیوں کی ایجاد کے باوجود غرق کردیں پھر نہ تو ان کا کوئی فریادرس ہو اور نہ ان کو خلاصی دی جائے مگر یہ ہماری مہربانی ہے اور ان کو ایک وقت تک فائدہ دینا منظور ہے یعنی ان پر ہماری مہربانی اور ان کی موت تک ہمارا ان کو لذت اندوزی کا موقع دینا ہی خلاصی (نجات) دے سکتا ہے اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ تم اس عذاب سے ڈرو جو دوسروں کے مانند، دنیا کا عذاب تمہارے سامنے ہے اور جو تمہارے پیچھے ہے یعنی آخرت کا عذاب تاکہ تم پر رحم کیا جائے تو انہوں نے اعراض کیا اور ان کے پاس ان کے رب کی جانب سے کوئی نشانی نہیں آتی مگر یہ کہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں، اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے تم کو جو کچھ دیا ہے اس میں سے خرچ کرو یعنی فقراء صحابہ نے ان سے کہا تھا کہ خدا کے عطا کردہ اموال میں سے ہمارے اوپر خرچ کرو تو ان کافروں نے مومنوں سے بطور استہزاء کہا کیا ہم ایسے لوگوں کو کھانا کھلائیں اگر اللہ چاہتا تو خود ان کو کھلاتا جیسا کہ اے مومنو! تمہارا اعتقاد ہے (اے مومنو!) اس (اعتقاد) کے باوجود تمہارا ہم سے کھانا طلب کرنا صریح غلطی ہے اور ان (کافروں) کے کفر کی صراحت کا یہ عظیم موقع ہے اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر تم وعدۂ بعث میں سچے ہو تو بتاؤ یہ وعدۂ بعث کب پورا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، یہ تو ایک چیخ کے منتظر ہیں اور وہ اسرافیل کا نفخۂ اولیٰ ہے اور وہ ان کو اس حالت میں آپکڑے گی کہ وہ باہم لڑجھگڑ رہے ہوں گے یَخِصِّمُوْنَ تشدید کے ساتھ، اس کی اصل یَخْتَصِمُوْنَ ہے تا کی حرکت خا کی طرف منتقل کردی گئی اور ت کو صاد میں مدغم کردیا گیا، اور وہ اس چیخ سے غافل ہوں گے باہم جھگڑے کی وجہ سے اور خرید وفروخت اور کھانے پینے وغیرہ میں مشغول ہونے کی وجہ سے، اور ایک قراءت میں یَخْصِمُوْنَ بروزن یَضْرِبُوْنَ ہے سوان کو نہ تو وصیت کرنے کا موقع ملے گا اور نہ وہ اپنے اہل کی جانب اپنے بازاروں اور مشغلوں سے لوٹ سکیں گے بلکہ بازاروں اور مشغلوں ہی میں مرجائیں گے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَةُ اَحْیَیْنَاهَا، اٰیَةٌ خبر مقدم ہے اور یہ تقدیم اہتمام کے لئے ہے، تنوین تعظیم کے لئے ہے ای علامةٌ عظیمةٌ ودلالةٌ واضحةٌ علی إحیاء بعد الموت.

قولہ: لھمر ای اھلِ مکة . لھمر اٰیةٌ کے متعلق بھی ہوسکتا ہے، اس لئے کہ آیت بمعنی علامةٌ ہے یا کائنةٌ کے متعلق ہوکر اٰیَة کی صفت ہے اَلْاَرْضُ المَیْتَةُ بترکیب توصیفی مبتداء مؤخر ہے۔

قولہ: اَحْیَیْنَاھَا بعض حضرات نے کہا ہے کہ اَحْیَیْنَاھَا علامت قدرت کی کیفیت کو بیان کرنے کے لئے جملہ مستانفہ ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اَحْیَیْنَا جملہ ہوکر الاَرْضُ المیتةُ کی صفت ہو، مفسر علام کی عبارت سے اسی کی تائید ہوتی ہے، اس لئے کہ مبتداء کو اَحْیَیْـنَاھَا کے بعد ذکر کیا ہے، اگر مفسر علام کے نزدیک اَحْیَیْـنَاھَا جملہ مستانفہ ہوتا تو مبتداء کو اَحْیَیْـنَاھا سے مقدم ذکر کرتے۔

قولہ: وجَعَلْنَا اس کا عطف اَحْیَیْنَاھَا پر ہے۔

قولہ: مِنْ نخیلٍ ، نـخْلٌ اور نَـخِیْلٌ دونوں کے ایک ہی معنی ہیں لیکن الـنخل اسم جمع ہے اس کا واحد نَـخْلَةٌ ہے لفظ نخلة اہل حجاز کے نزدیک مؤنث ہے اور تمیم ونجد کے نزدیک مذکر ہے اور نخیل بالاتفاق مؤنث ہے (صاوی) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مفسر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کا بعد میں آنے والا قول مِنَ النخیل وغیرہ مناسب نہیں ہے، بلکہ بہتر وغیرھا ہے اس لئے کہ ہٖ ضمیر کا مرجع ماسبق میں مذکور نخیلٌ ہے جو کہ بالاتفاق مؤنث ہے۔

قولہ: ثـمر المذکور منَ النخیل وغیرہٖ مفسر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کا مقصد اس عبارت کے اضافہ سے ایک اعتراض کا دفعیہ ہے، اعتراض یہ ہے کہ ثـمرہٖ کی ضمیر نخیل اور اعـناب کی طرف راجع ہے اول تو اعـناب اور نخیل جمع ہیں جو کہ واحد مؤنث کے حکم میں ہیں، اس لحاظ سے مـن ثمرِھا ہونا چاہئے اور اگر اعناب اور نخیل کو دونوع تسلیم کرلیا جائے تو پھر (ھما) ضمیر تثنیہ کی ہونی چاہئے، حالانکہ مفسر علام نہ تو واحد مؤنث کی ضمیر لائے اور نہ تثنیہ کی، بلکہ واحد مذکر کی ضمیر لائے ہیں، جو بظاہر درست نہیں معلوم ہوتی، مذکورہ عبارت سے اسی اعتراض کا جواب دیا ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ نخیل و اعناب کو مذکور کے معنی میں لیکر واحد مذکر کی ضمیر لانا درست ہے، یا ثـمرِہٖ کی ضمیر ماءٌ کی طرف راجع ہے جو کہ مِـنَ العُیُون سے مفہوم ہے، اس لئے کہ ثمر کا وجود پانی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ (فتح القدیر شوکانی)

سَوال: اَلْاَرْضُ الْمَیْتَةُ دونوں معرف باللام ہونے کی وجہ سے معرفہ ہیں، اور اَحْیَیْـنَاھَا جملہ ہونے کی وجہ سے نکرہ کے حکم میں ہے، اس صورت میں اگر اَحْیَیْـنَاھَا کو اَلْاَرْضُ المَیْتَةُ کی صفت قرار دیا جائے تو معرفہ کی صفت کا نکرہ ہونا لازم آتا ہے، جو قاعدۂ مطابقت کے منافی ہے۔

جواب: الارض الـمیتةُ پر الف لام جنس کے لئے ہے، اس لئے کہ کوئی معین ارض مراد نہیں ہے، لہٰذا مذکورہ الف لام معرفہ کا فائدہ نہیں دے گا، جس کی وجہ سے نکرہ کا صفت بننا درست ہے، اس کی نظیر شاعر کا یہ قول ہے۔ ؎

وَلَـقَـدْ اَمُـرُّ عَـلَـی الـلَّـئِیْمِ یَسُبُّنِـیْ فَـمَـضَـیْـتُ ثـمة قُـلْـتُ لا یَعْـنِیْنِـیْ

(روح المعانی)

قولہ: اَخْـرَجنا مِنْھَا حبًّا فمنه یاکلون ، حَبٌّ ، حَبَّةٌ کی جمع ہے اس غلہ کو کہتے ہیں جس کو پیسا جائے جیسے گندم جو وغیرہ

اور بَذرٌ اس غلہ کو کہتے ہیں جس سے تیل نکالا جائے، جیسے رائی، سرسوں وغیرہ۔

قِوُلْہُ: فمنہُ ای من الحب.

سَوَال: تقدیم صلہ سے حصر سمجھ میں آتا ہے، اصل میں اَخْرَجْنَا حَبًّا یا کلون منه ہے، منه کی تقدیم سے حصر مستفاد ہو رہا ہے کہ اکل مذکورہ دونوں قسم کے غلوں میں منحصر ہے، حالانکہ یہ بدیہی البطلان ہے، اس لئے کہ مذکورہ دونوں قسم کے غلوں کے علاوہ بھی بہت سے غلے کھائے جاتے ہیں۔

جَوَاب: تقدیم صلہ جنس ماکول کو حبوب میں منحصر کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ اکثر ماکول کو حبوب میں حصر کرنے کے لئے ہے، اس لئے کہ حبوب ہی اکثریت سے کھائی جانے والی غذا ہے۔

قِوُلْہُ: مِنَ العیون کی تفسیر بعضَها سے کرکے اشارہ کردیا کہ مِن تبعیضیہ ہے، بیانیہ بھی قرار دینا صحیح ہے۔

قِوُلْہُ: وَمَا عَمِلَتْهُ اَیْدِیهِم اس کا عطف مِن ثمره پر ہے ای لیاکلوا مِنْ ثمره ویَاکُلُوْا مِمَّا عَمِلَتْ ایدِیهم کالعصیر والدبس ونحوهما یعنی کھجور اور انگور کے پھل کھائیں اور وہ چیزیں کھائیں جو ان سے بناتے ہیں مثلاً عرق (جوس) شیرہ وغیرہ یہ ترجمہ اس صورت میں ہوگا جب کہ ما سے ما موصولہ مراد ہو، اور بعض حضرات نے ما کو نافیہ کہا ہے، یعنی تاکہ تم مذکورہ چیزوں کو کھاؤ جن کو تم نے پیدا نہیں کیا ہے، بلکہ اس کا پیدا کرنے والا خدا ہے، یعنی مذکورہ اشیاء کے پیدا کرنے میں تمہارے ہنر یا حکمت کا کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ تم تو اپنے پاس موجود کو بھی مٹی میں ملا کر بظاہر ضائع کردیتے ہو، یہ محض خدا کا فضل وکرم اور اس کی صنعت وقدرت ہی ہے کہ جس دانہ کو تم نے گلنے سڑنے کے لئے مٹی میں دفن کردیا خدا نے اپنی قدرت ورحمت سے اس کی نہ صرف حفاظت فرمائی بلکہ اس کو اضعافاً مضاعفاً دوگنا چوگنا کرکے تمہارے حوالہ کردیا مَا مصدریہ بھی ہوسکتا ہے، ای لیاکلوا من عمل ایدیهم.

قِوُلْہُ: اَفَلَا یَشْکُرُوْنَ ہمزہ محذوف پر داخل ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اَیَنْتَفِعُوْنَ بهٰذه النعم فَلَا یشکرونَها.

قِوُلْہُ: سُبحَانَ الَّذِیْ، سبحان مصدر بمعنی تسبیح ہے اس پر نصب نیز مفرد کی جانب اضافت لازم ہے مفرد خواہ اسم ظاہر ہو جیسے سُبحَانَ اللّٰه اور سبحانَ الَّذی یا اسم ضمیر ہو جیسے سبحانَهٗ أن یکونَ لهٗ ولدٌ، سُبحانَ الَّذِی خلقَ الازْوَاجَ کُلَّهَا جملہ مستانفہ ہے ترک شکر پر تنزیہ کو بیان کرنے کیلئے لایا گیا ہے (روح المعانی) بعض حضرات نے کہا ہے کہ دونوں آیتیں یعنی ایةٌ لهم الارض المیتةُ الآیة اور آیةٌ لهمُ الَّیْلُ نسلخ کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

قِوُلْہُ: ایَةٌ لَّهُمُ الَّیْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ، ایةٌ خبر مقدم ہے، اور اللیلُ مبتداء مؤخر ہے، کما سَبَقَ اور نَسْلَخُ، لیلٌ کے آیات قدرت میں سے ہونے کی کیفیت کا بیان ہے۔

قِوُلْہُ: نَسْلَخُ مضارع جمع متکلم (ن، ف) سَلْخًا کھال اتارنا، مطلقاً کسی چیز کو اتارنا، زائل کرنا، یعنی ہم دن کو رات کے اوپر سے اتار لیتے ہیں، فَاِذَا هُمْ مُظْلِمُوْنَ تو وہ تاریکی میں رہ جاتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ کائنات میں ظلمت اصل ہے اور نہار (روشنی) طاری ہے، جس طرح جانور کے اوپر کھال اتارنے کے بعد گوشت ظاہر ہوجاتا ہے، اسی طرح دن کو رات کے

اوپر سے اتارنے کے بعد رات باقی رہ جاتی ہے، مفسر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے نَسْلَخُ کی تفسیر نَفْصِلُ سے کرکے اشارہ کر دیا کہ نَسْلَخُ نکشِفُ کے معنی میں نہیں ہے ورنہ تو فَإذا هُمْ مظلِمونَ کے بجائے فَإذَاهُمْ مبصرون ہونا چاہئے، اس لئے کہ آیۃ کے معنی یہ ہوں گے و آیتہ اللیلُ نکشفُ ونظهرُ منهُ النهارَ نفصل (منهُ) میں من بمعنی عن ہے، اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ لیل، نہار سے مقدم ہے، اس لئے کہ مسلوخ منہ مسلوخ سے مقدم ہوا کرتا ہے۔ (جمل)

قَوْلُہٗ: مُظلِمُونَ. اَظْلَمَ القَوْمُ سے ماخوذ ہے ای دَخَلُوْا فی الظلام.

قَوْلُہٗ: من جملة الآیة اس کا عطف الْاَرْضُ مبتداء پر ہے یعنی عطف مفرد علی المفرد ہے۔

قَوْلُہٗ: اَوْ ایةٌ اُخریٰ یہ دوسری ترکیب کی طرف اشارہ ہے یعنی الشمس مبتداء ہے اور تجری اس کی خبر ہے، اس صورت میں عطف جملہ علی الجملہ ہوگا۔

قَوْلُہٗ: والقمرُ کذٰلِکَ یعنی قمر من جملہ آیات کے ایک آیۃ ہے یا دوسری مستقل آیۃ ہے، یہ ترکیب صرف اس صورت میں ہوگی جب کہ القمر مرفوع پڑھا جائے، اور اگر القمر کو منصوب پڑھیں تو فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہوگا اور اس صورت میں ما اُضمر عامله کے قبیل سے ہوگا، تقدیر عبارت یہ ہوگی قَدَّرْنَا الْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ اور اگر مرفوع پڑھیں تو سابق مبتداء یعنی الارض المیتة یا اللیل پر عطف ہوگا اور تقدیر عبارت ایةٌ لهُمُ القمرُ ہوگی، یا القمرُ خود مبتداء ہو اور خبر قدَّرناهُ ہو۔

قَوْلُہٗ: المَنَازِلَ اس میں تین ترکیبیں ہو سکتی ہیں ① قَدَّرْنَا کا مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے منصوب ہو سکتا ہے، اس صورت میں قَدَّرْنَا بمعنی صَیَّرنا ہوگا ② قَدَّرْنَاہ کی ضمیر سے حال ہو، اس صورت میں منازل کے پہلے مضاف محذوف ماننا لازم ہوگا، اس لئے کہ خود قمر منازل نہیں ہے بلکہ ذو منازل ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی قَدَّرناهُ ذومنازلَ ③ یہ کہ مَنَازِلَ ظرف ہو، ای قَدَّرنا سَیْرَهٗ فی مَنَازِلَ علامہ جلال الدین محلی نے اپنے قول مِنْ حیثُ سیرہٖ سے اسی ترکیب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (جمل)

قَوْلُہٗ: العُرْجُوْنَ بروزن فُعْلُوْنَ شاخ خرما، جو خرما کاٹنے کے بعد کھجور پر خشک ہو کر زرد، پتلی اور مثل ہلال ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔

قَوْلُہٗ: شَمَارِیخَ یہ شَمْروخٌ کی جمع ہے، یہ عُرجون ہی کی تشریح ہے اس میں تشبیہ مرکب ہے، اس لئے کہ ہلال کو عرجون کے ساتھ تین اوصاف میں تشبیہ دی گئی ہے دِقَّتْ، تَقَوُّس اور اصفرار۔

قَوْلُہٗ: نُزِّلُوا مَنْزِلَةَ العُقلاءِ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوْال: کُلٌّ یا عموم پر دلالت کرنے کی وجہ سے یا تنوین کے مضاف الیہ کے عوض میں ہونے کی وجہ سے مبتداء ہے ای کُلُّ اَحَدٍ من الشمس والقمر والنجوم فی فلکٍ یَّسْبَحُوْنَ، یَسْبَحُوْنَ مبتداء کی خبر ہے، مبتداء غیر ذوی العقول ہے اور اس کی خبر یسْبَحُوْنَ واؤ نون کے ساتھ لائی گئی ہے، جو کہ ذوی العقول کے ساتھ خاص ہے، لہٰذا یَسْبَحُوْنَ واؤ نون کے ساتھ درست معلوم نہیں ہوتا۔

جَوَابْ: یَسْبَحُوْنَ سَبْحٌ سے مشتق ہے جس کے معنی تیرنے کے ہیں اور یہ ذوی العقول کی صفت ہے، چونکہ غیر ذوی العقول کی طرف ذوی العقول کے فعل کی نسبت کی گئی ہے، اس لئے غیر ذوی العقول کو ذوی العقول کے درجہ میں اتار لیا گیا جس کی وجہ سے یَسْبَحُوْنَ کو خبر لانا درست ہو گیا۔

قَوْلُہٗ: اٰیَةٌ لَّھُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّیَّتَھُمْ، اٰیَةٌ لَّھُمْ خبر مقدم ہے اور اَنَّا حَمَلْنَا مصدر کی تاویل میں ہو کر مبتداء مؤخر ہے، ای حَمْلُنَا ذُرِّیَّتَھُمْ فِی الْفُلْكِ اٰیَةٌ دَالَّةٌ عَلٰی بَاھِرِ قُدْرَتِنَا.

قَوْلُہٗ: ای اٰبائھم الاصول اس عبارت سے اشارہ کر دیا کہ ذُرِّیَّةٌ کا اطلاق جس طرح فروع پر ہوتا ہے اصول پر بھی ہوتا ہے اس لئے کہ یہ ذَرَّۃ سے ماخوذ ہے، جس کے معنی خلق کے ہیں اور فروع اصول سے مخلوق ہیں لہٰذا اب وہ اعتراض ختم ہو گیا کہ نوح علیہ الصلاۃ والسلام کی کشتی میں سوار ہونے والے اصول اہل مکہ تھے نہ کہ فروع، اور بعض حضرات نے مذکورہ اعتراض کا یہ جواب بھی دیا ہے، کہ فی الفلك میں الف لام جنس کا ہے جس سے جنس کشتی مراد ہے نہ کہ خاص کشتی نوح، اس لئے کہ اس آیت کا مقصد اہل مکہ پر احسان جتانا ہے اور ظاہر ہے مطلق کشتی مراد لینے میں امتنان بالواسطہ اور بلا واسطہ دونوں شامل ہیں۔

(لغات القرآن للدرویش)

قَوْلُہٗ: کغیرکم ای کالمؤمنین.

قَوْلُہٗ: اَعْرَضُوْا اس اضافہ سے اشارہ کر دیا کہ اِذَا قِیْلَ لَھُمْ کا جواب شرط اَعْرَضُوْا محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: وَخَلَقْنَا لَھُمْ مِنْ مِّثْلِہٖ یہ دوسرا امتنان ہے جو پہلے امتنان پر مرتب ہے، اٰیة کے معنی یہ ہیں جَعَلْنَا سفینۃ نوحٍ اٰیةً عظیمةً علٰی قُدْرَتِنَا ونِعْمَةً للخلق وعَلَّمْنَاھم صَنْعَةَ السَّفِیْنَةِ فعمِلُوا سُفُنًا کبارًا و صغارًا لِیَنْتَفِعُوْا بِھَا.

قَوْلُہٗ: وَخَلَقْنَا لَھُم مِنْ مِّثْلِہٖ ما یرکبونَ. من، مثلہٖ ما مفعول مؤخر سے حال ہے اور مثلہٖ کی ضمیر فُلْكٌ کی طرف راجع ہے۔

قَوْلُہٗ: فی معتقدکم ھٰذا اے مومنو تمہارے اس اعتقاد کے باوجود کہ اللہ ہی رازق ہے وہی سب کو کھلاتا پلاتا ہے، پھر ہم سے کیوں کھانا وغیرہ طلب کرتے ہو؟ اس صورت میں الذین کفروا میں کافر سے مراد خدا کے وجود کا منکر (دہریہ) ہو گا اور اگر مطلب یہ ہو کہ جس کی روزی خدا نے بند کر دی ہو اور خدا ہی ان کو کھلانا نہ چاہتا ہو تو ہم اس کی مرضی اور مشیت کے خلاف کھانا کھلانے والے کون ہوتے ہیں؟ اس صورت میں الذین کفروا میں کافر سے مراد مشرک ہے؛ کہ خدا کے وجود کا قائل ہے مگر اس کے ساتھ شریک کرتا ہے، اس دوسرے مطلب کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلم مساکین کو بکثرت کھانا کھلایا کرتے تھے، ایک روز ابو جہل کی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہو گئی، تو کہنے لگا اے ابو بکر کیا تمہارا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کھلانے پر قادر ہے؟ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہاں! تو پھر کیا وجہ ہے کہ وہ ان کو نہیں کھلاتا؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

جواب دیا، اللہ تعالیٰ بعض کو فقر کے ذریعہ اور بعض کو غنا کے ذریعہ آزماتا ہے، اور فقراء کو روزہ کا اور اغنیاء کو سخاوت کا حکم دیا ہے، تو ابوجہل کہنے لگا (واللہ یا ابابکر اِن انت الا فی ضلال) اے ابوبکر تم تو غلط فہمی کا شکار ہو، کیا تم یہ سمجھتے ہو وہ ان کو کھلانے پر قادر ہونے کے باوجود نہیں کھلانا چاہتا مگر تم کھلانا چاہتے ہو!! (صاوی)

قَوْلُہٗ: موقع عظیمٌ قائلین کے کفر کی صراحت کرنے میں کفار کی تبکیت و تقبیح کے علاوہ اہم بات یہ ہے کہ کفار کی دو قسموں کی طرف اشارہ ہو گیا ایک وہ جو سرے سے خدا کے وجود ہی کا منکر ہو یہاں کافر سے یہی قسم مراد ہے اور دوسرے وہ جو خدا کے وجود کا تو منکر نہ ہو مگر اس کا شریک ٹھہراتا ہو، ماسبق میں اللہ تعالیٰ کے قول اَلَمْ یَرَوْا کَمْ اَھْلَکْنَا قَبْلَھُمْ مِنَ الْقُرُوْنِ (الآیۃ) میں دوسری قسم کے کفار مراد ہیں۔ (صاوی وجمل)

قَوْلُہٗ: وَیَقُوْلُوْنَ متٰی ھٰذا الوعد یہ قول کفار کی قسم ثانی یعنی مشرکین کی طرف راجع ہے۔

قَوْلُہٗ: واُدغمت فی الصاد یعنی تا کو صاد سے بدلنے کے بعد صاد میں ادغام کر دیا گیا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

تفسیر وتشریح

سورۂ یٰسین میں زیادہ تر مضامین آیات قدرت اور اللہ تعالیٰ کے انعامات واحسانات بیان کر کے آخرت پر استدلال اور حشر ونشر کے عقیدے کو پختہ کرنے سے متعلق ہیں، مذکورۃ الصدر آیات میں قدرت الٰہیہ کی ایسی ہی نشانیاں بیان فرمائی ہیں جو ایک طرف اس کی قدرت کاملہ کے دلائل واضحہ ہیں، تو دوسری طرف انسانوں اور عام مخلوقات پر حق تعالیٰ کے خاص انعامات واحسانات اور ان میں عجیب وغریب حکمتوں کا اثبات ہے۔

مشرکین اور بعث بعد الموت کا عقیدہ:

بعث بعد الموت کا عقیدہ نہ صرف یہ کہ ان کے مشاہدے اور تجربے کے منافی تھا، بلکہ وہ اس عقیدے کو عقل کے بھی خلاف سمجھتے تھے، یہ بات کسی طرح ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھی، ان کا کہنا تھا کہ انسان کے مرنے اور جسم کے گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو جانے کے بعد عقل اس کو باور نہیں کرتی کہ ان ذرات کو دوبارہ جمع کر کے ایک مکمل انسان بنا کر کھڑا کر دیا جائے گا، اور بظاہر ان کا مشاہدہ بھی اس بات کی تائید کرتا تھا اس لئے کہ ہزارہا سال گذرنے کے بعد بھی مردوں میں سے کوئی شخص زندہ ہو کر دنیا میں نہیں آیا تھا۔

مذکورۃ الصدر آیات میں عقلی دلائل اور مشاہداتی مثالوں سے نہ صرف یہ کہ ان کے شک وتردد کو رفع کرنے کی کوشش کی گئی ہے، بلکہ یہ ثابت کیا گیا کہ بعث بعد الموت نہ صرف یہ کہ عقلی طور پر ممکن بلکہ کائناتی مثالوں سے ثابت اور واقع ہوتی ہے، ان ہی مشاہداتی مثالوں میں سے ایک مثال مردہ زمین کو زندہ کرنا ہے، جس کو وآیۃ لھُمُ الْاَرْضُ الْمیتۃُ (الآیۃ) سے بیان فرمایا ہے، بعث بعد الموت کے اثبات کے لئے یہ ایسی واضح اور کھلی ہوئی دلیل ہے کہ ہر انسان ہر وقت اپنی نظروں سے دیکھتا ہے، اس مثال کو سمجھنے کے لئے نہ بہت زیادہ علم ودانش کی ضرورت اور نہ عقل وفلسفہ کی، ایک معمولی سمجھ رکھنے والا شخص بھی معمولی

توجہ سے سمجھ سکتا ہے، موسم گرما میں خشک زمین پر جبکہ چہار سو خاک اڑتی نظر آتی ہے کہیں ہریالی کا نام ونشان نہیں ہوتا ہے، آسمان سے بارش برستی ہے تو مردہ زمین میں ایک قسم کی زندگی پیدا ہوجاتی ہے، جس کے آثار اس میں پیدا ہونے والی نباتات اور اشجار اور ان کے ثمرات سے ظاہر ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مردہ زمین کو زندہ کرکے ہم اس سے ان کی بقائے حیات کے لئے صرف غلہ ہی نہیں اگاتے، بلکہ ان کے کام ودہن کی لذت کے لئے انواع واقسام کے پھل بھی کثرت سے پیدا کرتے ہیں، یہاں صرف دو پھلوں کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ کثیر المنافع ہونے کے ساتھ ساتھ عربوں کے لئے مرغوب تھے، نیز ان کی پیداوار بھی عرب میں زیادہ ہوتی ہے۔

وَمَا عَمِلَتْهُ اَیْدِیْهِمْ جمہور مفسرین نے اس آیت میں مَا کو نفی کے لئے قرار دے کر یہ ترجمہ کیا ہے، کہ ان پھلوں کو ان کے ہاتھوں نے نہیں بنایا، اس جملہ کا مقصد غافل انسان کو اس پر متنبہ کرنا ہے کہ ذرا تو اپنے کام اور محنت میں غور کر، تیرا کام اس باغ وبہار میں اس کے سوا کیا ہے؟ کہ تو نے زمین کو نرم کرکے بیج کو اس میں ڈال دیا، مگر اس بیج سے درخت اگانا، اور درخت پر برگ وبار لانا، ان سب کاموں میں تیرا کیا دخل ہے؟ یہ تو خالص قادر مطلق حکیم ودانا ہی کا فعل ہے، اس لئے تیرا فرض ہے کہ ان چیزوں سے فائدہ اٹھاتے وقت اس کے خالق ومالک کو فراموش نہ کرے، اسی مذکورہ صورت حال کی سورۂ واقعہ کی آیت اَفَرَاَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ءَ اَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ یعنی دیکھو تو جو چیز تم بوتے ہو اس کو نشو ونما دیکر تم نے بنایا ہے یا ہم نے؟ مطلب یہ ہے کہ ان غلوں اور پھلوں کی پیداوار میں بندوں کی سعی ومحنت، کدوکاوش اور تصرف کا کوئی دخل نہیں ہے، یہ پیداوار محض اللہ کا فضل وکرم ہے پھر انسان ان نعمتوں پر اس کا شکر کیوں ادا نہیں کرتے؟ ابن جریر وغیرہ بعض مفسرین نے وَمَا عَمِلَتْهُ میں لفظ ما کو اسم موصول الذی کے معنی میں قرار دیکر یہ ترجمہ کیا ہے کہ سب چیزیں اس لئے پیدا کی گئی ہیں کہ لوگ ان کے پھل کھائیں اور ان چیزوں کو بھی کھائیں جن کو انسان ان نباتات اور پھلوں سے خود اپنے ہاتھوں کے کسب وعمل سے تیار کرتا ہے، مثلاً پھلوں سے مختلف حلوے، اچار چٹنی تیار کرتا ہے اور بعض پھلوں اور دانوں سے تیل نکالتا ہے جو انسان کے کسب وعمل کا نتیجہ ہے بغیر انسانی عمل دخل کے خدا کا اپنی قدرت سے پھلوں کو پیدا کرنا، اور انسان کو اس بات کا سلیقہ سکھانا کہ ایک پھل کو دوسری چیزوں سے مرکب کرکے طرح طرح کی خوش ذائقہ اشیاء خوردنی تیار کرے، یہ دوسری نعمت ہے، اس تفسیر کی تائید حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کی قراءت سے بھی ہوتی ہے، کیونکہ ان کی قراءت میں لفظ ما کے بجائے مِمَّا آیا ہے، یعنی مِمَّا عَمِلَتْهُ اَیْدِیْهِمْ.

تفصیل اس کی یہ ہے کہ دنیا کے تمام حیوانات نباتات اور پھل کھاتے ہیں اور بعض حیوانات گوشت بھی کھاتے ہیں، کچھ مٹی کھاتے ہیں، لیکن ان سب جانوروں کی خوراک مفردات ہی سے ہے، گھاس کھانے والا گھاس، گوشت کھانے والا گوشت کھاتا ہے، ان چیزوں کو دیگر اشیاء کے ساتھ مرکب کرکے قسم قسم کے کھانے تیار نہیں کرتا، یہ سلیقہ اور طریقہ صرف انسان ہی کو آتا ہے، آپ نے کبھی نہ دیکھا ہوگا، کہ کسی حیوان نے پھلوں کو نچوڑ کر رس نکالا ہو یا مختلف پھل فروٹوں کو ملا کر چاٹ بنائی ہو، یہ سمجھ اور عقل اللہ تعالیٰ نے صرف انسان ہی کو عطا فرمائی ہے، پھر نہ معلوم انسان اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کیوں نہیں کرتا؟

سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا (الآیۃ) یعنی انسانوں اور حیوانوں کی طرح ہم نے ہر مخلوق میں جوڑے یعنی نر و مادہ کا نظام رکھا ہے، علاوہ ازیں زمین کی گہرائیوں میں بھی جو چیزیں تمہاری نظروں سے غائب ہیں، جن کا علم تم نہیں رکھتے، ان میں بھی زوجیت (نر و مادہ) کا یہ نظام ہم نے رکھا ہے، غرضیکہ ہم نے ہر چیز کو جوڑے سے پیدا کیا ہے، حتی کہ دنیا و آخرت بھی زوج ہے، اور یہ حیات آخرت کی عقلی دلیل بھی ہے، صرف ایک اللہ کی ذات ہے جو مخلوق کی اس صفت زوجیت سے اور دیگر تمام نقائص سے پاک ہے وہ وتر (فرد) ہے، زوج نہیں ہے اس لئے کہ وہ مخلوق نہیں ہے۔

وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الَّیْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ (الآیۃ) زمینی مخلوقات میں قدرت خداوندی کی نشانیاں بیان کرنے کے بعد آسمانی اور آفاقی مخلوقات میں قدرت خداوندی کا بیان ہے، سلخ کے لفظی معنی کھال اتارنے کے ہیں، کسی چیز کے چھلکے اتارنے کو بھی مجازاً سلخ کہہ سکتے ہیں جب جانور کی کھال اتار دی جاتی ہے تو اندر کا گوشت نظر آنے لگتا ہے، اسی طرح غلاف اور چھلکا اتار دیا جائے تو اندر کی چیز ظاہر ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس مثال سے اشارہ دیدیا کہ اس جہان میں اصل ظلمت ہے اور روشنی عارضی اور طاری ہے جو تاروں اور سیاروں کے ذریعہ زمین تک پہنچتی ہے، اگر روشنی کو ظلمت کے اوپر سے اتار لیا جائے تو اصل یعنی ظلمت باقی رہ جاتی ہے، اسی کو عرف میں رات کہتے ہیں۔ (معارف)

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ آفتاب اپنے مستقر کی طرف چلتا رہتا ہے، مستقرٌ یہ ظرف کا صیغہ ہے، جائے قرار کو بھی کہتے ہیں، اور وقت قرار کو بھی، اور لفظ مستقر منتہائے سیر و سفر کے معنی میں بھی آتا ہے، بعض حضرات مفسرین نے اس جگہ مستقر سے مستقر زمانی مراد لیا ہے، یعنی وہ وقت جب کہ آفتاب اپنی حرکت مقررہ پوری کر کے ختم کر دے گا، اور وہ وقت قیامت کا دن ہے، اس تفسیر کے مطابق آیت کے معنی یہ ہیں کہ آفتاب اپنے مدار پر ایسے محکم اور مضبوط نظام کے ساتھ حرکت کر رہا ہے جس میں کبھی ایک سکنڈ کا فرق نہیں آتا، ہزار ہا سال اس روش پر گذر چکے ہیں، مگر یہ حرکت دائمی نہیں، اس کا ایک خاص مستقر ہے جہاں پہنچ کر نظام شمسی کی یہ حرکت ختم ہو جائے گی، اور وہ قیامت کا دن ہے، یہ تفسیر حضرت قتادہ سے منقول ہے۔ (ابن کثیر، معارف)

سورۂ زمر کی ایک آیت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ مستقر سے مراد مستقر زمانی یعنی قیامت کا دن ہے، آیت یہ ہے خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ یُكَوِّرُ الَّیْلَ عَلَى النَّهَارِ وَیُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّیْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى اس آیت میں بھی تقریباً وہی بیان ہے جو سورۂ یٰسین کی مذکورہ آیت میں ہے، اس آیت میں فرمایا کہ شمس و قمر دونوں اللہ کے حکم کے مسخر اور تابع ہیں، ان میں سے ہر ایک، ایک خاص میعاد تک کے لئے چل رہا ہے، یہاں اَجَلٌ مُّسَمًّى کے الفاظ ہیں، جس کے معنی میعاد معین کے ہیں، اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ شمس و قمر دونوں کی حرکت دائمی نہیں، ایک میعاد معین یعنی روز قیامت پر پہنچ کر ختم اور منقطع ہو جائے گی، سورۂ یٰسین کی آیت مذکورہ میں بھی ظاہر یہی ہے کہ لفظ مستقر سے یہی میعاد معین یعنی مستقر زمانی مراد ہے، اس تفسیر کی رو سے نہ آیت کے مفہوم و مراد میں کوئی اشکال ہے، نہ قواعد ہیئت و ریاضی کا اس پر کوئی اعتراض۔ (معارف)

اور بعض حضرات مفسرین نے اس سے مراد مستقر مکانی لیا ہے، جس کی بناء ایک حدیث صحیح ہے، حدیث میں ہے کہ حضرت ابوذر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا، جانتے ہو سورج کہاں جاتا ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، آپ نے فرمایا سورج جا کر عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے، اس کے بعد دوبارہ طلوع ہونے کی اجازت طلب کرتا ہے جب اجازت مل جاتی ہے تو طلوع ہوتا ہے، ایک وقت آئے گا کہ اس سے کہا جائے گا، واپس لوٹ جا، یعنی جہاں سے آیا ہے وہیں چلا جا۔

(صحیح بخاری، بدأ الخلق، باب صفت الشمس و القمر بحسبان، مسلم کتاب الایمان باب بیان الزمن الذی لا یُقبل فیه الایمان)

آفتاب کے زیر عرش سجدہ کرنے کی تحقیق:

مذکورہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مستقر سے مراد، مکانی مستقر ہے یعنی وہ جگہ کہ جہاں آفتاب کی حرکت کا ایک دور پورا ہو جائے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ جگہ عرش کے نیچے ہے، اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ آفتاب ہر روز ایک مستقر مکانی کی جانب چلتا ہے، پھر وہاں اللہ کے سامنے سجدہ کر کے اگلے دورے کی اجازت طلب کرتا ہے، اجازت ملنے پر دوسرا دورہ شروع کرتا ہے۔

لیکن واقعات و مشاہدات اور ہیئت و فلکیات کے بیان کردہ اصولوں کے بناء پر اس میں متعدد قوی اشکالات ہیں۔

پہلا اشکال:

یہ کہ عرش رحمٰن کی جو کیفیت قرآن و سنت سے سمجھ میں آتی ہے، وہ یہ ہے کہ تمام زمینوں کے اوپر محیط ہے، زمین اور آسمان مع سیارات و نجوم سب کے سب عرش کے نیچے محصور ہیں، اور عرش رحمٰن ان تمام کائنات سماویہ و ارضیہ کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے، اس لحاظ سے آفتاب تو ہمیشہ اور ہر حال میں زیر عرش رہتا ہی ہے، پھر غروب کے بعد زیر عرش جانے کا کیا مطلب ہوگا؟

دوسرا اشکال:

یہ عام مشاہدہ ہے کہ آفتاب جب کسی جگہ غروب ہوتا ہے تو اسی آن دوسری جگہ طلوع ہوتا ہے اس، طرح کہ آفتاب کا طلوع و غروب ہمہ وقت ہوتا رہتا ہے، اس لحاظ سے تو ہر وقت آفتاب سجدہ ریز رہتا ہے، پھر غروب کے بعد زیر عرش سجدہ ریز ہونے کا کیا مطلب؟

تیسرا اشکال:

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آفتاب اپنے مستقر پر پہنچ کر وقفہ کرتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کر کے اگلے دورے کی اجازت لیتا ہے، حالانکہ آفتاب کی حرکت میں کسی وقت بھی انقطاع نہ ہونا کھلا ہوا مشاہدہ ہے، اور پھر چونکہ طلوع وغروب مختلف مقامات کے اعتبار سے ہر وقت ہی ہوتا رہتا ہے، تو یہ وقفہ اور سکون بھی ہر وقت ہونا چاہئے جس کا نتیجہ یہ ہو کہ آفتاب کسی وقت بھی حرکت میں نہ ہو، نیز اگر حالت وقفہ میں بھی حرکت میں ہو تو یہ اجتماع ضدین ہے اس لئے کہ سکون اور حرکت آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور اجتماع ضدین محال ہے۔

یہ اشکالات صرف فنون ریاضی اور فلکیات ہی کے نہیں ہیں، بلکہ مشاہداتی اور واقعاتی بھی ہیں، جن سے صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا۔

طلوع وغروب سے متعلق فیثاغورثی نظریہ:

حالیہ خلائی سفر اور چاند تک انسان کی رسائی کے واقعات نے اتنی بات تو یقینی کر ہی دی ہے کہ تمام سیارات آسمان سے نیچے کی فضا میں ہیں، آسمان کے اندر مرکوز نہیں ہیں، قرآن کریم کی آیت کُلٌّ فِی فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ سے بھی اسی نظریہ کی تصدیق ہوتی ہے، اس نظریۂ فیثاغورثی میں یہ بھی ہے کہ روزانہ کا طلوع وغروب آفتاب کی گردش سے نہیں بلکہ زمین کی گردش سے ہے، اس نظریہ کے اعتبار سے حدیث مذکور پر ایک اعتراض کا اور اضافہ ہو جاتا ہے۔

اس کا جواب سمجھنے سے پہلے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ جہاں تک مذکورہ آیت پر اشکالات کا سوال ہے تو اس پر مذکورہ اشکالات میں سے کوئی بھی اشکال نہیں ہوتا، آیت کا مفہوم تو صرف اتنا ہے کہ آفتاب کو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی منظم اور مستحکم حرکت کا پابند بنا دیا ہے کہ وہ اپنے مستقر کی طرف برابر ایک حالت پر چلتا رہتا ہے، اگر اس مستقر سے تفسیر قتادہ کے مطابق مستقر زمانی لیا جائے یعنی روز قیامت تو معنی اسکے یہ ہیں کہ آفتاب کی یہ گردش دائمی ہے اور ایک ہی حالت پر ہوتی رہے گی، آخر کار قیامت کے دن ختم ہو جائیگی، اور اگر مستقر سے مستقر مکانی لیا جائے تو بھی اس کا مستقر مدار شمسی کے اس نقطہ کو کہا جا سکتا ہے جہاں سے اول تخلیق کے وقت آفتاب نے گردش شروع کی اسی نقطہ پر پہنچ کر اسکا شبانہ روز کا ایک دورہ مکمل ہوتا ہے، کیونکہ یہی نقطہ اس کا منتہائے سفر ہے اس پر پہنچ کر نئے دورے کی ابتداء ہوتی ہے۔

ماقبل میں جتنے اشکالات ذکر کئے گئے ہیں ان میں سے آیت مذکور کے بیان پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا البتہ حدیث مذکور پر جس میں یہ آیا ہے کہ آفتاب غروب کے وقت زیر عرش پہنچ کر سجدہ کرتا ہے اور اگلے دورے کی اجازت طلب کرتا ہے، یہ اشکالات وارد ہوتے ہیں اور اس آیت کے ذیل میں یہ بحث اسی لئے چھڑی کہ حدیث کے بعض الفاظ میں اس آیت کا حوالہ بھی دیا گیا ہے، ان اشکالات کے جوابات محدثین ومفسرین نے مختلف دیئے ہیں، مگر ان سب میں سب سے

زیادہ صاف اور بے غبار بات وہ ہے جو علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے اپنے مقالے ''سجود الشمس'' میں اختیار فرمائی ہے، اور متعدد ائمہ تفسیر کے کلام سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

اصل بات:

اصل بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے چند مظاہر ذکر کر کے انسان کو توحید اور اپنی قدرت کاملہ پر ایمان لانے کی دعوت دی ہے، اس میں سب سے پہلے زمین کا ذکر کیا جو ہر وقت ہمارے سامنے ہے وَآيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ پھر اس پر پانی برسا کر درخت اور نباتات اگانے کا ذکر ہے، جس کو ہر انسان دیکھتا اور جانتا ہے اَحْيَيْنَاهَا (الآیۃ) اس کے بعد آسمان اور فضائے آسمانی سے متعلق چیزوں کا ذکر شروع کر کے پہلے لیل و نہار کے روزانہ انقلاب کا ذکر فرمایا وَآيَةٌ لَّهُمُ اللَّيْلُ (الآیۃ) اس کے بعد شمس و قمر جو سیارات اور نجوم میں سب سے بڑے ہیں، ان کا ذکر فرمایا، ان میں پہلے آفتاب کے متعلق فرمایا وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ اس میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مقصد یہ بتلانا ہے کہ آفتاب اپنے ارادے اور اپنی قدرت سے گردش نہیں کر رہا، بلکہ یہ ایک عزیز و علیم کے مقرر کردہ نظم کے تابع گردش کر رہا ہے، آنحضرت ﷺ نے غروب آفتاب کے قریب حضرت ابو ذر غفاری رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کو ایک سوال و جواب کے ذریعہ اسی حقیقت پر متنبہ ہونے کی ہدایت فرمائی جس میں بتلایا کہ آفتاب غروب ہونے کے بعد عرش کے نیچے اللہ کو سجدہ کرتا ہے، اور پھر اگلا دورہ شروع کرنے کی اجازت طلب کرتا ہے، جب اجازت مل جاتی ہے تو حسب دستور آگے چلتا ہے اور صبح کے وقت مشرق کی جانب سے طلوع ہوتا ہے، اس کا حاصل اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ آفتاب کے طلوع و غروب کے وقت عالم دنیا میں ایک نیا انقلاب آتا ہے، جس کا مدار آفتاب پر ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس انقلابی وقت کو انسانی تنبیہ کے لئے موزوں سمجھ کر یہ تنبیہ فرمائی کہ آفتاب کو خود مختار، اپنی قدرت سے حرکت و گردش کرنے والا نہ سمجھو، یہ صرف اللہ تعالیٰ کے اذن و مشیت کے تابع چل رہا ہے، اس کا ہر طلوع و غروب اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہوتا ہے یہ اس کی اجازت کا تابع ہے اس کی اجازت اور تابع فرمان حرکت کرنے ہی کو اس کا سجدہ قرار دیا گیا، کیونکہ ہر چیز کا سجدہ اس کے مناسب حال ہوتا ہے، جیسا کہ قرآن نے خود تصریح فرمائی ہے كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلٰوتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ یعنی ساری مخلوق اللہ کی تسبیح اور عبادت میں مشغول ہے، مگر ہر ایک کی عبادت اور تسبیح کا طریقہ الگ الگ ہے، اور ہر مخلوق کو اس کی عبادت اور تسبیح کا طریقہ سکھلا دیا جاتا ہے، مثلاً انسان کو اس کی تسبیح کا طریقہ سکھلا دیا گیا ہے، اس لئے آفتاب کے سجدے کے یہ معنی سمجھنا کہ انسان کے سجدہ کی طرح زمین پر ماتھا ٹیکنے ہی سے ہوگا صحیح نہیں۔

قرآن و سنت کی تصریحات کے مطابق عرش خداوندی تمام آسمانوں، سیاروں، زمینوں پر محیط ہے، تو یہ بات ظاہر ہے کہ آفتاب ہر وقت اور ہر جگہ زیر عرش ہی ہے اور جبکہ تجربہ شاہد ہے کہ آفتاب جس وقت ایک جگہ غروب ہو رہا ہوتا ہے، اسی وقت دوسری جگہ طلوع ہو رہا ہوتا ہے، اس لئے اس کا کوئی لمحہ طلوع و غروب سے خالی نہیں، تو آفتاب کا زیر عرش رہنا بھی دائمی اور ہر حال میں ہے اور غروب و طلوع ہونا بھی ہر حال میں ہے، اسی دائمی زیر عرش اور تابع فرمان ہونے کو سجدہ کرنے سے تعبیر کر دیا گیا ہے،

گویا کہ ایک معنوی مفہوم کو محسوس مثال کے ذریعہ سمجھایا گیا ہے، اور یہ سلسلہ روز قیامت تک چلتا رہے گا، جب قیامت قریب آئے گی تو علامات قرب قیامت کے طور پر آفتاب کو واپس لوٹا دیا جائے گا، جس کی وجہ سے آفتاب مغرب کی جانب سے طلوع ہوگا، اس وقت توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا، اس کے بعد کسی کا ایمان اور توبہ قبول نہیں ہوگی، اس لئے کہ یہ ایمان بالغیب نہیں رہا آفتاب کے روزانہ زیر عرش جا کر سجدہ کرنے اور آئندہ طلوع ہونے کی اجازت طلب کرنے کا حدیث میں جو ذکر ہے یہ حکم خداوندی کے انقیاد و امتثال کی ایک تمثیل ہے جس کو مجازاً سجدے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ، عرجون کھجور کی خشک شاخ کو کہا جاتا ہے، جو مڑ کر کمان جیسی ہو جاتی ہے، قَدَّرَ تقدیر سے بنا ہے، تقدیر کے معنی کسی چیز کو زمان یا مکان یا صفات کے اعتبار سے ایک مخصوص مقدار اور پیمانہ پر رکھنے کے ہیں، لفظ مَنَازِلَ منزل کی جمع ہے جس کے معنی جائے نزول کے ہیں اللہ تعالیٰ نے شمس و قمر دونوں کی رفتار کے لئے خاص حدود مقرر فرمائی ہیں، جن میں سے ہر ایک کو منزل کہا جاتا ہے چاند چونکہ اپنا دورہ ہر مہینہ میں پورا کر لیتا ہے اس لئے اس کی منزلیں تیس ہوتی ہیں، مگر چونکہ چاند ہر مہینہ میں کم از کم ایک رات اور زیادہ سے زیادہ دو راتیں غائب رہتا ہے، اس لئے عموماً چاند کی منزلیں اٹھائیس کہی جاتی ہیں، اس غیبوبت کے زمانہ کو محاق کہتے ہیں، جس ماہ منزلیں ۲۹ ہوں گی تو محاق ایک رات ہوگا اور جس ماہ منزلیں ۲۸ ہوتی ہیں تو محاق کی مدت دو رات ہوتی ہے، اور آفتاب کا دورہ سال بھر میں پورا ہوتا ہے، اس کی منزلیں تین سو ساٹھ یا پینسٹھ ہوتی ہیں، مذکورہ مقدار تخمینی ہے۔

قمری ماہ کی تحقیقی مدت:

چاند کے مدار کا طول و مسافت تقریباً 13 لاکھ 74 میل ہے، یہ تین سو ساٹھ درجوں پر منقسم ہے اس لئے کہ ہر گول چیز میں 360 درجہ فرض کر لئے گئے ہیں، چاند اس مسافت کو ¼27 دنوں میں طے کرتا ہے یعنی چاند زمین کے گرد اپنی گردش ¼27 دنوں میں پوری کرتا ہے۔

اگر زمین گردش نہ کرتی تو ایک نئے چاند سے دوسرے نئے چاند تک کی مدت یہی ہوتی، لیکن زمین مع چاند کے سورج کے گرد گردش کرتی ہے، اس لئے ایک نئے چاند سے لے کر دوسرے نئے چاند کی نمود تک تقریباً ½29 دن لگتے ہیں، اگر بالکل ٹھیک ٹھیک حساب کریں تو یہ مدت 29 دن 12 گھنٹے 14 منٹ اور 2,8 سیکنڈ ہے، اس مدت کو ایک قمری مہینہ کہتے ہیں۔

حرکت قمر کی مقدار:

چاند اپنے مدار کے 360 درجوں میں سے فی یوم 13 درجے 10 دقیقہ 35 ثانیہ، 2 ثالثہ طے کرتا ہے۔

فائدہ: ہر دائرہ میں 360 درجے اور ایک درجہ میں 60 دقیقہ اور ہر دقیقہ میں 60 ثانیہ اور ہر ثانیہ میں 60 ثالثہ ہوتے ہیں۔

(فلکیات جدیدہ، ص ۳۰۳/۳۰۴، مولانا محمد موسیٰ صاحب)

جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُوْرًا وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ (الآية) قَدَّرَهُ مَنَازِلَ بضمیر مفرد استعمال کیا ہے، حالانکہ منزلیں شمس وقمر دونوں کی ہیں، بعض مفسرین نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اگر چہ ضمیر مفرد ہے مگر مراد کُلُّ واحد ہے، جس کے نظائر عربی زبان اور خود قرآن میں بھی بکثرت موجود ہیں، بعض مفسرین حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ منزلیں اگر چہ شمس وقمر دونوں کے لئے ہیں مگر اس جگہ بیان صرف چاند کی منزل کا مقصود ہے، اس لئے قَدَّرَهُ کی ضمیر قمر کی طرف راجع ہے، وجہ تخصیص کی یہ ہے کہ آفتاب کی منزلیں تو آلات رصد یہ اور ریاضی کے حساب کے بغیر معلوم نہیں ہوسکتیں، اس کا طلوع وغروب سال کے تمام ایام میں ایک ہی ہیئت سے ہوتا رہتا ہے، مشاہدہ سے کسی کو یہ معلوم نہیں ہوسکتا، کہ آج آفتاب کونسی منزل میں ہے، بخلاف چاند کے کہ اس کے حالات ہر روز مختلف ہوتے ہیں، چاند کے تغیرات کے مشاہدہ سے بے علم لوگ بھی تاریخوں کا پتہ چلا سکتے ہیں، مثلاً چاند کو دیکھ کر یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آج قمری کونسی تاریخ ہے؟ مگر سورج کو دیکھ کر یہ اندازہ نہیں کیا جا سکتا کہ آج شمسی تاریخ کونسی ہے؟

آیت مذکورہ میں چونکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ان عظیم الشان نشانیوں سے انسان کا یہ فائدہ بھی وابستہ ہے کہ ان کے ذریعہ وہ سال وماہ کا حساب کرتا ہے یہ حساب اگر چہ شمس وقمر دونوں سے معلوم ہوسکتا ہے اور دنیا میں دونوں ہی قسم کی تاریخیں قدیم زمانہ سے رائج ہیں، لیکن قمر کے ذریعہ ماہ وسال کا حساب مشاہدے سے معلوم ہوتا ہے، بخلاف شمس کے کہ اس کے حسابات سوائے ریاضی دانوں کے کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکتا، اس لئے اس آیت میں شمس وقمر کا ذکر کرنے کے بعد جب ان کی منازل مقرر کرنے کا ذکر فرمایا تو بضمیر مفرد قَدَّرَهُ فرمایا۔

احکام اسلام کا مدار قمری تاریخوں پر ہے:

شریعت میں احکام کا مدار قمری تاریخوں پر اس لئے رکھا گیا ہے کہ قمری تاریخ معلوم کرنا ہر شخص کے لئے آسان ہے، خواہ وہ لکھا پڑھا آدمی ہو یا ان پڑھ، شہری ہو یا دیہاتی، دین اسلام چونکہ دین یُسر، سہولتوں کا دین ہے اسی مصلحت کے پیش نظر اکثر شرعی احکام کا دارومدار قمری تاریخوں پر رکھا ہے، ایک ایسے شخص کے لئے کہ جو آبادی سے دور کہیں ریگستان یا پہاڑوں میں رہتا ہے نہ تو وہ پڑھا لکھا ہے اور نہ اس کے پاس کوئی ایسی چیز کہ جس سے وہ شمسی تاریخ معلوم کر سکے تو آپ ذرا غور فرمائیں کہ کیا وہ شخص سورج کو دیکھ کر تاریخ معلوم کر سکتا ہے؟ بخلاف قمری تاریخ کے کہ وہ قمر کو دیکھ کر تاریخ کی تعیین کر سکتا ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ شمسی تاریخوں کے ذریعہ حساب رکھنا یا استعمال کرنا ناجائز ہے، بلکہ اس کو اختیار ہے کہ اپنے روزمرہ کے حساب میں خواہ شمسی تاریخوں کا استعمال کرے یا قمری کا یعنی ان شرعی احکاموں کے علاوہ کہ جن کا مدار شریعت نے قمری تاریخوں پر رکھا ہے مثلاً روزہ، حج، عدت، اپنے روزمرہ کے حسابات شمسی تاریخوں سے رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے مگر شرط یہ ہے کہ مجموعی طور پر مسلمانوں میں قمری حساب جاری رہے تاکہ رمضان حج وغیرہ کے اوقات معلوم ہوسکیں، فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے قمری حساب باقی رکھنے کو مسلمانوں کے ذمہ فرض کفایہ قرار دیا ہے۔ (معارف)

لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ سورج کے لئے یہ ممکن نہیں کہ چاند کو رفتار میں پکڑ لے یعنی سورج کی سلطنت دن میں ہوتی ہے اور چاند کی رات میں، یہ نہیں ہوسکتا کہ چاند کی ضوافشانی کے وقت سورج چاند کو آ دبائے، یعنی دن آگے بڑھ کر رات کا کچھ حصہ اڑا لے، یا رات آگے بڑھ کر دن ختم ہونے سے پہلے آجائے، جس زمانہ اور جس وقت جس خطہ میں جو اندازہ رات دن کا قادر مطلق نے رکھ دیا ہے شمس وقمر یا لیل ونہار یا کسی بھی کرہ کی یہ مجال نہیں کہ ایک لمحہ بھی آگے یا پیچھے ہوسکیں، کیا یہ اس بات کا واضح نشان نہیں کہ یہ سب عظیم الشان کُرّات ایک زبردست دانا ہستی کے قبضۂ اقتدار میں ہیں، سب اپنا اپنا کار مفوضہ انجام دے رہے ہیں، کسی کی مجال نہیں کہ سرِ مو ہی مدبر کون ومکان کے حکم سے انحراف کرسکے، پھر جو ہستی رات دن اور چاند سورج کو ادل بدل کرتی ہے وہ تمہارے فنا کرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنے سے عاجز کیوں ہوگی؟

نکتہ: لاالشمس ينبغي لها اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ کی تعبیر اختیار فرمائی، لَا القمرُ ينبغي لَهُ اَنْ يُّدْرِكَ نہیں فرمایا، اس لئے کہ چاند سورج کو پکڑ لیتا ہے سورج چاند کو نہیں پکڑ سکتا، اس لئے کہ چاند کی رفتار سورج کی رفتار سے بہت زیادہ تیز ہے سورج جس مسافت کو ایک سال میں طے کرتا ہے چاند اس کو ایک ماہ میں طے کر لیتا ہے، البتہ بعض اوقات چاند سورج کو پکڑ سکتا ہے اس لئے کہ چاند اپنی تیز رفتاری کی وجہ سے بعض اوقات آفتاب کے پاس سے گذرے تو کہا جاسکتا ہے کہ چاند نے سورج کو پکڑ لیا۔

وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَار اور رات دن پر سابق نہیں ہوسکتی اس کا آسان اور سیدھا ایک مطلب تو یہ ہے کہ رات دن ختم ہونے سے پہلے نہیں آسکتی، ایک مطلب اس کا یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ رات درمیان میں دن کو چھوڑ کر سبقت نہیں کرسکتی، بایں طور کہ دو راتیں بغیر درمیان میں دن کے آئے ہوئے ایک ساتھ جمع ہو جائیں، اس سے بعض حضرات نے استدلال کیا ہے کہ دن تخلیق میں رات پر سابق ہے، قال في الروح وَاسْتَدَلَّ بالآية أنَّ النَّهَارَ سابِقٌ علَى اللَّيْلِ فِي الْخَلْقِ حالانکہ مخلوقات میں اصل ظلمت ہے، نور طاری ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لیل تخلیق میں نہار پر سابق ہے، مذکورہ دونوں باتوں میں تعارض ہے، نیز اگر اللہ تعالیٰ کے قول وَلَا الليلُ سابِقُ النَّهَارِ سے نہار کا سابق ہونا معلوم ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے قول يُغْشِي الليلَ النهارَ يَطْلُبُهُ حَثِيْثًا (سورۂ اعراف) سے رات کا سابق ہونا معلوم ہوتا ہے، حالانکہ ان دونوں باتوں میں تضاد ہے، مذکورہ تضاد کا بعض مفسرین نے یہ جواب دیا ہے کہ لیل سے مراد آیت لیل یعنی قمر ہے، اور نہار سے مراد آیت نہار یعنی شمس ہے اور قمر، شمس کو حرکت یومیہ میں نہیں پکڑ سکتا، اور ولا الليل سابق النهار میں لیل سے مراد نفس لیل ہے، اور چونکہ لیل ونہار ایک دوسرے کے تعاقب میں ہیں اس وجہ سے ہر ایک دوسرے کا طالب بھی ہے۔ (روح المعانی ملخصًا)

وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ یعنی آفتاب و ماہتاب دونوں اپنے اپنے مدار میں تیرتے رہتے ہیں، فلک کے معنی اس دائرہ کے ہیں جس میں کوئی سیارہ گردش کرتا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چاند آسمان میں مرکوز نہیں جیسا کہ بطلیموسی نظریہ میں ہے، جس کو فیثاغورث اور جدید سائنس نیز انسان کے چاند پر پہنچنے، نے غلط ثابت کردیا ہے، بلکہ آسمان کے نیچے ایک خاص مدار میں

گردش کرتا ہے، چاند کے علاوہ تمام سیارے زیر آسمان فضا ہی میں گردش کناں ہیں، لہٰذا اس سے معجزۂ معراج پر کوئی اثر نہیں پڑتا اس لئے کہ معراج آسمانوں سے بھی اوپر تک رسائی کا نام ہے۔

شانِ نزول:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَنفِقُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ یہ آیت مکہ کے بعض جبارین مثلاً عاص بن وائل سہمی وغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، نیز اس آیت میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جس طرح مشرکین مکہ نے حقوق اللہ کو ترک کیا تھا حقوق العباد کے ترک کے بھی مرتکب ہوئے تھے، اگر کوئی حاجت مند مسکین ان سے کچھ طلب کرتا تو کہہ دیتے کہ جب اللہ ہی نے تم کو محروم کر دیا تو میں تم کو دینے والا کون ہوتا ہوں؟ اور میری کیا مجال کہ میں خدا کی مشیت میں دخل دوں، اگر اس کو کھلانا ہوتا تو وہ خود ہی تم کو کھلا دیتا، معلوم ہوا تم کو اس کے کھلانے کا ارادہ ہی نہیں ہے، اِذا قیل لھم شرط ہے، اس کا جواب محذوف ہے اور وہ اعرضوا ہے، اس کے محذوف ہونے پر آئندہ آیت کے الفاظ دال ہیں، یعنی ان کے پاس ان کے رب کی جو بھی آیت آتی ہے وہ اس سے اعراض ہی کرتے ہیں۔

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ هو قَرنُ النَّفخة الثَّانية لِلْبعثِ وبين النَّفختَين اربعُونَ سنَةً **فَإِذَا هُم** المقبُورُون **مِّنَ الْأَجْدَاثِ** القُبورِ **إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنسِلُونَ**﴿٥١﴾ يَخرجُونَ بسُرعَةٍ **قَالُوا** اي الكُفّار منهم **يَا** للتَّنبيهِ **وَيْلَنَا** هلاكَنا وهو مَصدرٌ لا فِعلَ له من لَفظِهِ **مَن بَعَثَنَا مِن مَّرْقَدِنَا** لانَّهم كانُوا بَينَ النَّفختَين نائمِينَ لم يُعذَّبوا **هَٰذَا** اي البَعثُ **مَا** اي الَّذي **وَعَدَ** به **الرَّحْمَٰنُ وَصَدَقَ** فيه **الْمُرْسَلُونَ**﴿٥٢﴾ اَقرُّوا حِينَ لا يَنفَعُهم الاِقرارُ وقِيلَ يُقال لهم ذٰلك **إِن** ما **كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ**﴿٥٣﴾ **فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا** جزاءَ **مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ**﴿٥٤﴾ **إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغُلٍ** بسُكُونِ الغَينِ وضَمِّها عَمَّا فيه اَهلُ النَّارِ بِمَّا يَلتَذُّونَ به كافتِضَاضِ الاَبكارِ لاشُغلَ يَتعَبُونَ فيه لان الجَنَّةَ لا نَصَبَ فيها **فَاكِهُونَ**﴿٥٥﴾ ناعِمُونَ خبرٌ ثانٍ لِانَّ والاوّلُ فِي شُغلٍ **هُمْ** مُبتدأٌ **وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلَالٍ** جمعُ ظُلَّةٍ او ظِلٍّ خبرٌ اي لا تُصِيبُهم الشَّمسُ **عَلَى الْأَرَائِكِ** جَمعُ اريكَةٍ وهي السَّريرُ في الحُجلَةِ اوالفرشِ فيها **مُتَّكِئُونَ**﴿٥٦﴾ خبرٌ ثانٍ متعلّقٌ على **لَهُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَلَهُم** فيها **مَّا يَدَّعُونَ**﴿٥٧﴾ يَتمنَّونَ **سَلَامٌ** مُبتدأٌ **قَوْلًا** اي بالقولِ خبرهُ **مِّن رَّبٍّ رَّحِيمٍ**﴿٥٨﴾ بهم اي يقولُ لهم سلامٌ عليكم **وَ** يقول **امْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ**﴿٥٩﴾ اي انفَردوا عَنِ المُؤمنِينَ عِندَ اختلاطِهم بهم **أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ** اٰمُرْكم **يَا بَنِي آدَمَ** علىٰ لسانِ رُسُلِي **أَن لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ** لاتُطِيعُوهُ **إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ**﴿٦٠﴾ بيِّنُ العَداوةِ **وَأَنِ اعْبُدُونِي** وحِّدُونِي واَطِيعُونِي **هَٰذَا صِرَاطٌ** طريقٌ **مُّسْتَقِيمٌ**﴿٦١﴾ **وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنكُمْ جِبِلًّا** خلقًا جمعُ جَبِيلٍ كقدِيمٍ وفي قراءةٍ بضمِّ الباء **كَثِيرًا أَفَلَمْ تَكُونُوا تَعْقِلُونَ**﴿٦٢﴾

عداوتَهٗ واضلالَهٗ او ماحلَّ بهم مِن العَذَابِ فتؤمِنُونَ ويُقال لهم في الآخِرةِ **هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ** بها **اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ** اى الكُفَّارِ لِقَولِهم واللهِ ربّنا ما كُنَّا مُشرِكِينَ **وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ** وغيرُها **بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ** فكُلُّ عُضوٍ يَنطِقُ بمَا صَدَرَ منه **وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ** لاَعْمَيْنَاهَا طَمْسًا **فَاسْتَبَقُوا** اِبتَدَرُوا **الصِّرَاطَ** الطَّرِيقَ ذاهِبِينَ كعَادَتِهم **فَاَنّٰى** فكيف **يُبْصِرُوْنَ** حينئذٍ اى لا يُبصِرُونَ **وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ** قِردَةً وخَنَازِيرًا وحِجَارةً **عَلٰى مَكَانَتِهِمْ** وفي قراءةٍ مَكَانَاتِهم جمعُ مكانةٍ بمعنى مكانٍ اى في مَنَازِلِهم **فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ** اى لم يقدِرُوا على ذِهَابٍ ولا مَجِيءٍ.

ترجمہ: اور صور پھونکا جائے گا وہ (ایک) سینگ ہے، اور دوسرا صور زندہ کرنے کے لئے ہوگا اور دونوں نفخوں کے درمیان چالیس سال کا وقفہ ہوگا پھر جب وہ یعنی مردے قبروں سے نکل کر تیزی سے اپنے پروردگار کی طرف چلنے لگیں گے ان میں سے کافر کہیں گے، ہائے ہماری کمبختی یـا تنبیہ کے لئے ہے ہائے ہماری ہلاکت، وَیْـلٌ ایسا مصدر ہے کہ اس کا لفظی فعل نہیں آتا، کس نے ہم کو ہماری قبروں سے اٹھایا؟ اس لئے کہ وہ دونوں نفخوں کے درمیان سوئے ہوئے ہوں گے، ان کو عذاب نہ دیا جارہا ہوگا، یہ وہی (بعث) ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا، اور رسول نے اس کے بارے میں سچ کہا تھا ایسے وقت اقرار کریں گے کہ ان کا اقرار کچھ فائدہ نہ دے گا، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ بات کافروں سے کہی جائے گی بس وہ ایک زوردار آواز ہوگی جس سے یکایک سب جمع کرکے ہمارے پاس حاضر کردیئے جائیں گے، پھر اس دن کسی شخص پر ذرا (بھی) ظلم نہ ہوگا اور تم کو بس ان ہی کاموں کا بدلہ ملے گا جو تم کیا کرتے تھے، جنتی اس دن دوزخیوں کے عذاب سے بے خبر عیش ونشاط کے مشغلوں میں ہوں گے، ان چیزوں کی وجہ سے جن سے وہ لذت اندوز ہورہے ہوں گے، جیسا کہ دوشیزاؤں سے صحبت، نہ کہ ایسا کوئی کام کہ جس میں تعب ومشقت ہو، اس لئے کہ جنت تعب ومشقت کی جگہ نہیں ہے، شُـغُـل غین کے سکون اور ضمہ کے ساتھ ہے، فَـاكِهُوْنَ بمعنی نـاعمونَ بمعنی خوش وخرم، یہ اِنّ کی دوسری خبر ہے اور پہلی خبر شُـغُـلٌ ہے، وہ اور ان کی بیویاں سایوں میں مسہریوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے هُمْ مبتداء ہے ظـلال ظُلّة یاظِلٌّ کی جمع ہے (فـی ظلال) اول خبر ہے یعنی ان پر دھوپ نہیں آئے گی اَرَائِكِ اَرِيْـكَةٌ کی جمع ہے، اس مسہری کو کہتے ہیں جو خیمے میں ہوتی ہے یا اس فرش کو کہتے ہیں جو خیمے میں ہوتا ہے مُتَّكِئُوْنَ دوسری خبر ہے اور (متـكـئـون) علی کا متعلق ہے، وہاں ان کے لئے میوے اور جو وہ فرمائش کریں گے موجود ہوگا، ان کو پروردگار مہربان کی طرف سے سلام فرمایا جائے گا، سـلام مبتداء ہے، اور قـولاً خبر ہے، یعنی ان کو سلام علیکم فرمائے گا، اور اللہ تعالیٰ ان کے اختلاط کے وقت فرمائے گا اے مجرمو آج (مومنوں) سے الگ ہوجاؤ اور اے اولاد آدم کیا میں نے تم کو رسولوں کی زبانی تاکیدی حکم نہیں دیا تھا یہ کہ شیطان کی بندگی یعنی اس کی اطاعت نہ کرنا وہ تمہارا صریح دشمن ہے، یعنی اس کی عداوت کھلی ہوئی ہے اور صرف میری بندگی کرنا یعنی میری توحید کا اقرار کرنا اور میری اطاعت کرنا یہی سیدھا راستہ ہے وہ

(شیطان) تم میں سے ایک کثیر مخلوق کو گمراہ کر چکا ہے جبلاً جَبِیْلٌ کی جمع ہے جیسے قدمًا قدیمٌ کی جمع ہے، اور ایک قراءت میں ب کے ضمہ کے ساتھ ہے جُبُلًا سو کیا تم اس کی عداوت یا اس کے گمراہ کرنے کو یا اس عذاب کو جو ان پر نازل ہوا، نہیں سمجھتے تھے کہ ایمان لے آتے اور ان سے آخرت میں کہا جائے گا یہی ہے وہ جہنم جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا آج اس میں اپنے کفر کی وجہ سے داخل ہو جاؤ آج ہم ان کافروں کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے، ان کے یہ کہنے کی وجہ سے کہ اے ہمارے پروردگار ہم مشرکین میں سے نہیں تھے، جو کچھ یہ (دنیا میں) کررہے تھے ان کے ہاتھ ہم سے بیان کریں گے اور ان کے پیر وغیرہ گواہی دیں گے، اور اگر ہم چاہیں تو ان کی آنکھوں کو ملیامیٹ کر دیں یعنی مٹا کر اندھا کر دیں، پھر یہ راستہ کی طرف اپنی عادت کے مطابق دوڑیں تو اس وقت کیسے دیکھ سکیں گے؟ یعنی نہیں دیکھ سکیں گے اور اگر ہم چاہیں تو ان کو جہاں ہیں وہیں بندروں خنزیروں یا پتھروں میں تبدیل کر دیں اور ایک قراءت میں مکاناتِھِمْ ہے جو کہ مکانۃٌ کی جمع ہے معنی میں مکان کے، یعنی ان کے گھروں میں پھر یہ لوگ نہ آگے چل سکتے اور نہ پیچھے لوٹ سکتے یعنی یہ لوگ نہ جانے پر قادر ہوتے اور نہ آنے پر۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہٗ: الصور ای القرن جس کو آج کل بوق (بگل) کہا جاتا ہے، (ج) اَبْوَاق و بِیْقان و بِیْقاتٌ.

قِوْلَہٗ: اَلاَجْدَاثُ جمع جَدْثٍ بمعنی قبر۔

قِوْلَہٗ: یَنْسِلُوْنَ (ن،ض) نَسْلاً دوڑنا، مجبوراً تیز چلنا۔

قِوْلَہٗ: یا لـلتنبیه لفظ تنبیہ کے اضافہ سے اس سوال کا جواب ہے کہ نداء عقلاء کے ساتھ مختص ہے اور وَیلٌ ذوی العقول میں سے نہیں ہے، لہٰذا اس کو ندا دینا درست نہیں ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یـا نداء کے لئے نہیں ہے، بلکہ تنبیہ کے لئے ہے لہٰذا کوئی اعتراض نہیں ہے یا مجازاً ویل، کو نداء ہے ای یـا وَیـلَـنَا احضر فهٰذا اوانُ حضورِكَ جمہور کے نزدیک یـا وَیْلَنَا ہے، اور ابن ابی لیلیٰ نے یاوَیْلَتَنَا پڑھا ہے۔

قِوْلَہٗ: مَـنْ بَـعَثَـنَا جمہور کے نزدیک مَنْ استفہامیہ مبتداء ہے اور بَـعَثَـنَا اس کی خبر ہے اور مِن کسرۂ میم کے ساتھ بطور شاذ پڑھا گیا ہے، اس صورت میں جار مجرور سے مل کر وَیْلنا سے متعلق ہوگا، اور بَعْثٌ مصدر ہوگا۔

قِوْلَہٗ: وَیْلَنَا ویلٌ ایسا مصدر ہے کہ اس کا لفظاً فعل مستعمل نہیں ہے، البتہ معناً اس کا فعل هَلَكَ استعمال ہوتا ہے۔

قِوْلَہٗ: مِنْ مَرْقَدِنَا یہ بَعَثَنَا سے متعلق ہے مَرْقَدِنَا مصدر میمی ہے، نیند، سونا، اور اسم مکان بھی ہوسکتا ہے، یعنی خوابگاہ (قبر) مفرد کو مصدر ہونے کی وجہ سے جمع کے قائم مقام کر دیا ہے۔

قِوْلَہٗ: هٰذا مَا وَعَدَ الرحمٰنُ وصَدَقَ المرسلُوْنَ، وَعَدَ اور صَدَقَ کا مفعول محذوف ہے ای وَعَدَنا بهٖ وصدقونا فيه مفسر علام نے اَقَرُّوْا حینَ لَا یَنْفَعُهُمُ الاقرارُ کے اضافہ سے اشارہ کر دیا کہ هٰذا مَا وَعَدَ الرحمٰن الخ کفار کا قول

ہے ھٰذا مبتداء ہے اور مَا وَعَدَ الرحمٰن جملہ ہو کر خبر۔

قَوْلُہٗ: وَعَدَ الرحمٰن، قالُوْا محذوف کا مقولہ ہونے کی وجہ سے محل میں نصب کے ہے۔

قَوْلُہٗ: قِيْلَ يقال لهم ذٰلك مفسر علام نے اس عبارت سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ بعض حضرات نے مَا وَعَدَ الرحمٰن کو اللہ، یا مومنین یا ملائکہ کا قول قرار دیا ہے۔

قَوْلُہٗ: فَاكِهُوْنَ ای الناعِمُونَ اسم فاعل جمع مذکر (س) فُكَاهَةً آرام پانا، مزے اڑانا، استہزاء کرنے والے، صاحب معجم القرآن نے لکھا ہے فَكِهِيْنَ اور فَاكِهِيْنَ کے معنی ہیں مسلمانوں کا مذاق بنا کر مزے لینے والے۔ (لغات القرآن)

قَوْلُہٗ: عَلَى الْاَرَائِكِ یہ مُتَّكِئُوْنَ کا متعلق مقدم ہے، اور متکئون اپنے متعلق سے مل کر هُمْ مبتداء کی خبر ثانی ہے۔

قَوْلُہٗ: مَا يَدَّعُوْنَ، يَدَّعُوْنَ اصل میں يَدْتَعِيُوْنَ تھا، بروزن يَفْتَعِلُوْنَ یاء پر ضمہ دشوار سمجھ کر ماقبل یعنی ع کو دیدیا، التقاء ساکنین کی وجہ سے ی گر گئی، پھر ت کو دال سے بدل دیا اور دال کو دال میں ادغام کر دیا۔

قَوْلُہٗ: سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ اس جملہ کی ترکیب میں مختلف اقوال ہیں، جمہور نے سَلَامٌ رفع کے ساتھ پڑھا ہے، اور اُبَیٌّ وابن مسعود و عیسٰی نے سَلَامًا نصب کے ساتھ پڑھا ہے، نصب یا تو مصدریت کی وجہ سے ہے یا حال ہونے کی وجہ سے ہے ای خَالِصًا، علامہ محلی نے منصوب بنزع الخافض قرار دیا ہے اور ای بالقول کہہ کر اس کی طرف اشارہ کر دیا، اور رفع کی چند وجوہ ہیں ① مَا يَدَّعُوْنَ کی خبر ہے ② ما سے بدل ہے یہ زمخشری کا قول ہے، شیخ نے کہا ہے اگر سلامٌ بدل ہو تو مَا يَدّعون سے مخصوص تمنا مراد ہو گی، تاکہ بدل واقع ہونا صحیح ہو جائے، اور ظاہر یہ ہے کہ ما يَدَّعُوْنَ، كُلَّ مَا يَتَمَنَّاهُ کو عام ہے، اس صورت میں بدل واقع ہونا صحیح نہیں ہے ③ مَا کی صفت ہے مگر یہ اس صورت میں صحیح ہو گا کہ جب مَا کو نکرہ موصوفہ مانا جائے، اور اگر الَّذِیْ کے معنی میں لیا جائے یا مصدر یہ لیا جائے تو صفت واقع ہونا دشوار ہو گا، نکرہ و معرفہ میں مخالفت ہونے کی وجہ سے ④ مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہو، ای هُوَ سَلَامٌ ⑤ سَلَامٌ مبتداء اور اس کی خبر قَوْلًا کا ناصب ای سَلَامٌ يُقَالُ لَهُمْ قولًا بعض حضرات نے سَلَامٌ عَلَيْكُمْ تقدیر مانی ہے ⑥ سَلَامٌ مبتداء اور مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ اس کی خبر، اور قولًا مضمون جملہ کی تاکید کے لئے ہے، اور مع اپنے عامل کے مبتداء خبر کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔ (لغات القرآن للدرویش)

قَوْلُہٗ: اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ یہ استفہام توبیخی ہے۔

قَوْلُہٗ: لَا تُطِيْعُوْه یہ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ کی تفسیر ہے، مقصد اس شبہ کا ازالہ ہے کہ شیطان کی بندگی تو کوئی بھی نہیں کرتا، پھر شیطان کی بندگی سے منع کرنے کے کیا معنی؟ جواب کا حاصل یہ ہے کہ عبادت بمعنی اطاعت ہے یعنی شیطان کی اطاعت ہی کی وجہ سے لوگ غیر اللہ کی بندگی کرنے لگے، شیطان کے کہنے سے بندگی کرنا گویا کہ شیطان کی بندگی کرنا ہے، اَنْ لَّا تَعْبُدُوْا میں اَنْ تفسیر یہ ہے، اس لئے کہ ماقبل میں لفظ آمُرُكُمْ جو کہ بمعنی قول ہے موجود ہے لہٰذا اَنْ کا تفسیر یہ ہونا صحیح ہے۔

قَوْلُہٗ: اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ یہ وجوب ممانعت کی علت ہے۔

قَوْلُہٗ: وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْکُمْ یہ تعلیل کی تاکید ہے۔

قَوْلُہٗ: جِبِلًّا با اور جیم کے کسرہ اور لام کی تخفیف کے ساتھ، اس کے علاوہ دو قراءتیں اور ہیں ① جیم اور با دونوں کے ضمہ ② جیم کے ضمہ مع با کے سکون اور لام کی تخفیف کے ساتھ، مذکورہ تینوں قراءتیں سبعیہ ہیں۔

قَوْلُہٗ: تُوْعَدُوْنَ بِھا، بِھا کا اضافہ کرکے اشارہ کردیا تُوْعَدُوْنَ جملہ ہو کر صلہ ہے اور اس کا عائد بِھا محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: بِمَا کُنْتُمْ ای بسببِ ما کنتم تکفرونَ، بِمَا میں ما مصدریہ ہے ای بسببِ کفرِ کُمْ۔

قَوْلُہٗ: وَلَوْ نَشَاءُ لَطَمَسْنَا عَلٰی اَعْیُنِھِمْ، لَوْ شرطیہ ہے نَشَاءُ فعل بافاعل ہے، نَشَاءُ کا مفعول بہ محذوف ہے، ای لَوْ نَشَاءُ طَمْسَھَا لَطَمَسْنَاھَا، لَطَمَسْنَا جواب شرط ہے۔

قَوْلُہٗ: فَاَنّٰی یُبْصِرُوْنَ استفہام انکاری ہے یعنی نہیں دیکھ سکیں گے۔

قَوْلُہٗ: وَلَوْ نَشَاءُ لَمَسَخْنَاھُمْ ای لَوْ نَشَاءُ مَسْخَھُمْ لَمَسَخْنَاھُمْ۔

قَوْلُہٗ: عَلٰی مَکَانَتِھِمْ عَلٰی بمعنی فِی ہے، جیسا کہ شارح رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے فی مَنَازِلِھِمْ کہہ کر اشارہ کردیا ہے۔

تفسیر وتشریح

وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ لوگ بازاروں میں خرید و فروخت میں اور دیگر کاموں میں حسب عادت بحث و تکرار میں مشغول ہوں گے، کہ اچانک صور پھونک دیا جائے گا، اور قیامت برپا ہو جائے گی، یہ نفخۂ اولیٰ ہوگا، جسے نفخۂ فزع بھی کہتے ہیں، اس کے بعد دوسرا نفخہ ہوگا اس کو نفخۃ الصعق کہتے ہیں، جس سے اللہ کی ذات کے سوا ہر شئ پر موت طاری ہو جائے گی، یہ نفخۂ ثالثہ ہے، جس کو نفخۃ البعث والنشور کہتے ہیں، اس نفخہ کے بعد لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے، اور فرشتے ان کو بعجلت سختی کے ساتھ دھکیل کر میدان حشر میں لیجائیں گے، قبروں سے نکلنے کے وقت کافر کہیں گے، ہائے ہماری کمبختی ہماری خوابگاہوں سے ہم کو کس نے اٹھا دیا، مَرْقَدٌ خوابگاہ کو کہتے ہیں، اور مطلقاً خواب کو بھی کہتے ہیں، ظاہر ہے کہ کافروں اور مشرکوں کو قبر میں خواب کہاں نصیب ہوگی؟ وہ تو عذاب قبر میں مبتلا رہیں گے، تو پھر کافروں کے یہ کہنے کا کیا مطلب ہے کہ ہم کو کس نے خواب سے بیدار کردیا؟ اس کا ایک جواب تو یہ ہے، شاید نفخۂ اولیٰ اور نفخۂ ثانیہ کے درمیان ان پر نیند کی حالت طاری کردی جائے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قیامت کے ہولناک منظر کو دیکھ کر عذاب قبر ہی کو غنیمت سمجھیں گے، اور نیند سے تشبیہ دیں گے، یا پھر مرقد بمعنی مضجع ہو اور نیند کے معنی سے تجرید کرلی جائے۔ (فوائد عثمانی)

ھٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ (الآیۃ) مشرکوں اور کافروں کو یہ جواب اللہ کی طرف سے اس وقت ملے گا، یا مستقبل کو حاضر قرار دیکر اب جواب دے رہے ہیں، یعنی کیا پوچھتے ہو کس نے اٹھایا؟ ذرا آنکھیں کھولو یہ وہی بعث بعد الموت ہے جس کا وعدہ خدائے

رحمٰن کی طرف سے کیا گیا تھا، اور پیغمبر جس کی خبر برابر دیتے رہے تھے۔

جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ یعنی نفخۂ بعث کے بعد نہ کوئی بھاگ سکے گا اور نہ روپوش ہو سکے گا، ماقبل کی آیت میں جہنمیوں کی پریشانیوں کا ذکر تھا، قرآن اپنے اسلوب اور عادت کے مطابق اہل جنت کا حال بیان کر رہا ہے، کہ اہل جنت اپنی تفریحات میں مشغول ہوں گے، یہ بھی ممکن ہے کہ اس جگہ یہ لفظ "فِيْ شُغُلٍ" اس خیال کے دفع کرنے کے لئے بڑھایا ہو، کہ جنت میں جب نہ کوئی عبادت ہوگی اور نہ فرض وواجب اور نہ کسب معاش کا کوئی کام تو کیا اس بیکاری میں آدمی کا جی نہ گھبرائے گا، اس کے جواب میں فرمایا کہ ان کو اپنی تفریحات ہی کا بڑا شغل ہوگا، جی گھبرانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بہشت میں ہر قسم کے عیش ونشاط کا سامان ہوگا، دنیا کی مکروہات سے آزاد ہو کر آج سیر وتفریح اور عیش وعشرت ہی ان کا مشغلہ ہوگا، اہل جنت اپنی بیویوں اور حور وغلمان کے ہمراہ تفریحی مشغلوں میں مست ومگن ہوں گے، اور اعلیٰ درجہ کے خوشگوار سایوں میں مسہریوں پر آرام کر رہے ہوں گے، ہر قسم کے میوے اور پھل ان کے لئے حاضر ہوں گے، خلاصہ یہ کہ جس چیز کی جنتیوں کے دل میں تمنا اور آرزو ہوگی وہ شئ فوراً حاضر کی جائے گی، یہ تو جسمانی لذتوں اور راحتوں کا حال تھا آگے روحانی لذتوں کا ذکر ہے، جن کی طرف سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ سے اشارہ کر دیا، یعنی اس مہربان پروردگار کی طرف سے جنتیوں کو ہدیۂ سلام پیش کیا جائے گا، خواہ فرشتوں کے ذریعہ یا بلا واسطہ رب العالمین جنتیوں کو سلام ارشاد فرمائیں گے جیسا کہ ابن ماجہ کی روایت میں مذکور ہے، اس وقت کی عزت وعظمت، لذت وفرحت کا کیا کہنا (اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا هٰذِهِ النِّعْمَةَ العظمٰی بحرمةِ نبيكَ محمد صلَّى اللّٰهُ عليه وسلَّمَ).

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ میدان حشر میں جب مردے اپنی اپنی قبروں سے نکلیں گے تو نیک وبد کافر ومومن سب مخلوط ہوں گے، جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ یعنی وہ منتشر ٹڈیوں کی طرح ہوں گے، بعد میں گروہوں کی شکل میں سب کو الگ الگ کر دیا جائے گا، اور مجرموں سے کہا جائے گا، وامتازوا اليومَ ايها المجرمون کہ جنتیوں کے عیش وآرام میں تمہارا کوئی حصہ نہیں۔

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ (الآية) یعنی تمام بنی آدم بلکہ جنات کو بھی مخاطب کر کے قیامت میں کہا جائے گا کہ کیا میں نے دنیا میں تم کو ہدایت نہ کی تھی کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا، یہاں سوال ہوتا ہے کہ کوئی بھی شیطان کی عبادت نہیں کرتا اور نہ کفار کرتے تھے، بتوں یا دیگر چیزوں کو پوجتے تھے، اس لئے ان پر شیطان کی عبادت کا الزام کیسے عائد ہوا؟ جواب کا حاصل یہ ہے کہ کسی کی اطاعت مطلقہ کرنا کہ ہر کام میں ہر حال میں بے چوں وچرا اس کا کہنا مانے، اسی کا نام عبادت ہے، اسی معنی میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے والد آزر سے کہا تھا يٰاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ. (سورۂ مریم)

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰى اَفْوَاهِهِمْ محشر میں حساب کتاب کے لئے پیشی میں اول تو ہر شخص کو آزادی ہوگی جو چاہے عذر پیش کرے مگر مشرکین وہاں قسمیں کھا کر اپنے شرک وکفر سے مکر جائیں گے، کہیں گے وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ (سورۂ انعام) اور بعض یہ بھی کہیں گے کہ فرشتوں نے جو کچھ ہمارے اعمال ناموں میں لکھ دیا ہے ہم اس سے بری ہیں،

اس وقت اللہ تعالیٰ ان کے مونہوں پر مہر لگادیں گے، تاکہ بول نہ سکیں، البتہ اللہ تعالیٰ اعضائے انسانی کو قوت گویائی عطا فرمائے گا، ہاتھ کہیں گے کہ ہم نے فلاں فلاں کام کئے تھے، اور پیر اس پر گواہی دیں گے اس طریقہ سے اقرار اور شہادت کے ذریعہ جرم ثابت ہوجائے گا، اس آیت میں انسان کے ہاتھوں اور پیروں کا بولنا ذکر کیا گیا ہے، دوسری آیت میں انسان کے کان، آنکھ اور کھال کا بولنا مذکور ہے شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ اور ایک جگہ فرمایا گیا وَتَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ یعنی خود ان کی زبانیں گواہی دیں گی۔

سُوال: زبانوں کا گواہی دینا، مونہوں پر مہر لگانے کے منافی ہے۔

جَوَاب: منہ پر مہر لگانے اور زبانوں کے گواہی دینے میں کوئی تنافی وتعارض نہیں ہے، اس لئے کہ منہ پر مہر لگانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے اختیار سے کچھ نہ بول سکیں گے بلکہ ان کی زبان ان کی مرضی کے خلاف شہادت دے گی۔

حکمت: تُكَلِّمُنَا اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ اس آیت میں ہاتھوں کی طرف تکلم کی اور پیروں کی طرف شہادت کی نسبت کی گئی ہے اس میں کیا حکمت؟

جَوَاب: کسب اعمال میں اگرچہ تمام اعضاء کا دخل ہوتا ہے، مگر ہاتھوں کا دخل زیادہ ہوتا ہے، اس وجہ سے ہاتھ گویا کہ فاعل مباشر ہوتے ہیں، اسی لئے قرآن کریم میں بہت سی جگہ فعل وکسب کی نسبت ہاتھوں کی طرف کی گئی ہے مثلاً يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْأُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ، وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ، بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ، فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ بخلاف پیروں کے کہ ان کی طرف فعل کی نسبت نہیں کی گئی، تو گویا کہ پیر، ہاتھوں کے اعتبار سے اکتساب اعمال میں اجنبی ہیں، ہاتھوں کا تکلم بمنزلہ اقرار کے ہے، اور اقرار فاعل کا معتبر ہوتا ہے، اور پیر بمنزلہ اجنبی کے ہیں اور شاہد کے لئے اجنبی ہونا مناسب ہے، اس لئے ہاتھوں کی طرف تکلم کی اور پیروں کی طرف شہادت کی نسبت مناسب ہے، گویا کہ ہاتھ مباشر ہیں، اور پیر حاضر، اقرار مباشر سے ہوتا ہے اور شہادت حاضر سے۔

حکمت: روز محشر ہاتھوں کا تکلم بمنزلہ دعوے کے ہے اور ہاتھ بمنزلہ مدعی اور نفس بمنزلہ مدعا علیہ ہے اس لئے کہ حقیقی فاعل نفس ہی ہے، اور مدعی خود گواہ نہیں بن سکتا، گواہ مدعی کے علاوہ ہوتا ہے اور وہ پیر ہیں، اس وجہ سے تکلم کی نسبت ہاتھوں کی طرف اور شہادت کی نسبت پیروں کی طرف کی ہے۔

وَلَوْ نَشَاءُ لَطَمَسْنَا عَلٰى اَعْيُنِهِمْ (الآية) یعنی بینائی سے محرومی کے بعد انہیں راستہ کس طرح دکھائی دیتا؟ لیکن یہ تو ہمارا حلم وکرم ہے کہ ایسا نہیں کیا، مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے ہماری آیتوں سے جس طرح دل کی آنکھیں بند کرلی ہیں، اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ ہم ان کی ظاہری آنکھوں کو بند کرکے دنیا میں اندھا کردیں کہ ان کو راستہ ہی نہ سوجھے مگر ہم نے اپنی رحمت اور حلم وکرم کی وجہ سے ایسا نہیں کیا، اور جس طرح یہ لوگ شیطانی راستوں سے ہٹ کر رحمانی راستوں پر چلنا نہیں چاہتے، ہم کو قدرت ہے کہ ان کی صورتیں مسخ کردیں یا اپاہج کردیں، کہ ایک جگہ پتھر کے مانند پڑے رہیں، ہل بھی نہ سکیں۔

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ بِاِطَالَةِ اَجَلِهٖ **نُنَكِّسْهُ** وفی قِراءَةٍ بالتَّشديدِ من التَّنْكِيسِ **فِي الْخَلْقِ** اى خَلْقِهٖ فَيَكُوْنُ بَعْدَ قُوَّتِهٖ

وشَبَابِه ضَعِيفًا وَہَرَما **اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ**﴿٦٨﴾ اَنَّ القَادِرَ عَلٰى ذٰلك المَعلُوْمِ عِندَہُم قَادِرٌ على البَعْثِ فيؤمِنُوْنَ وفى قِراءَ ةٍ بالتَّاءِ **وَمَا عَلَّمْنٰهُ** اى النَّبِىَّ **الشِّعْرَ** رَدٌّ لِقَولِهِم ان ما اَتٰى به مِنَ القُراٰنِ شِعرٌ **وَمَا يَنْۢبَغِىْ** يَتَسَهَّلُ **لَهٗ** الشِّعرُ **اِنْ هُوَ** لَيسَ الَّذِى اَتٰى به **اِلَّا ذِكْرٌ** عِظَةٌ **وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ**﴿٦٩﴾ مُظهِرٌ للاَحكامِ وغيرِہا **لِّيُنْذِرَ** بالياءِ والتاءِ به **مَنْ كَانَ حَيًّا** يَعقِلُ مَا يُخاطَبُ به وہم المُؤمِنُونَ **وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ** بالعذابِ **عَلَى الْكٰفِرِيْنَ**﴿٧٠﴾ وہم كالمَيِّتِين لا يَعقِلُونَ ما يُخَاطَبُونَ به **اَوَلَمْ يَرَوْا** يَعلَمُوا والاِستِفهَامُ للتَّقرِيرِ والواوُ الدَّاخِلُ عليها للعطفِ **اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ** فى جُملَةِ النَّاسِ **مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ** اى عَمِلْنَاه بلا شَرِيكٍ ولا مُعِينٍ **اَنْعَامًا** ہِىَ الاِبِلُ والبَقَرُ والغَنَمُ **فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ**﴿٧١﴾ ضَابِطُوْنَ **وَذَلَّلْنٰهَا** سَخَّرْنَاہا **لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ** مَركُوبُہُم **وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ**﴿٧٢﴾ **وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ** كَاَصوافِہا وَاَوْبارِہا وَاَشعارِہا **وَمَشَارِبُ** من لَبَنِہا جمعُ مشربٍ بمعنٰى شُربٍ او مَوْضِعِه **اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ**﴿٧٣﴾ المُنعِمَ عليہم بِہا فيؤمِنُونَ اى مَافَعَلُوا ذٰلك **وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اى غَيرِه **اٰلِهَةً** اَصنَامًا يَعبُدونها **لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ**﴿٧٤﴾ يُمنَعُونَ مِن عَذَابِ اللّٰهِ بِشَفَاعَةِ اٰلِہَتِہِم بزَعمِہِم **لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ** اى اٰلِہَتُہُم نُزِّلُوا مَنزِلَةَ العُقَلاءِ **نَصْرَهُمْ وَهُمْ** اى اٰلِہَتُہُم مِنَ الاَصنَامِ **لَهُمْ جُنْدٌ** بزَعمِہِمْ نَصرَہُمْ **مُّحْضَرُوْنَ**﴿٧٥﴾ فى النَّارِ معہُم **فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ** لك لَستَ مُرسَلاً وغير ذٰلك **اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ**﴿٧٦﴾ مِن ذٰلك وغيرِه فنُجازِيہِم عليه **اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ** يَعلَمُ وہو العَاصُ بْنُ وائِلٍ **اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ** مَنِيٍّ الى ان صَيَّرْناه شَدِيْدًا قويًّا **فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ** شَدِيْدُ الخُصُوْمَةِ لنا **مُّبِيْنٌ**﴿٧٧﴾ بيِّنُہا فى نفْيِ البَعْثِ **وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا** فى ذٰلك **وَّنَسِىَ خَلْقَهٗ** مِنَ المنِيِّ وہو اَغرَبُ من مَثَلِه **قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِىَ رَمِيْمٌ**﴿٧٨﴾ اى بالِيَةٌ ولم يَقُلْ بالتَّاءِ لِاَنَّه اِسمٌ لاصِفَةٌ روى انَّهٗ اَخَذَ عظمًا رَمِيمًا ففَتَّتَهٗ وقال للنبى صلَّى اللّٰهُ عليه وسلَّمَ اَتَرٰى يُحْيِ اللّٰهُ ہٰذا بَعدَ مَا بَلِىَ ورَمَّ فقال صلَّى اللّٰهُ عليه وسلم نَعَمْ ويُدخِلُك النَّارَ **قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِىْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ** اى مَخلُوقٍ **عَلِيْمٌ**﴿٧٩﴾ مُجمَلاً ومُفَصَّلاً قبلَ خَلْقِه وبَعدَ خَلقِه **اِلَّذِىْ جَعَلَ لَكُمْ** فى جُملَةِ النَّاسِ **مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ** المَرخِ والعَفَارِ او كُلِّ شَجَرٍ الا العُنابَ **نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ**﴿٨٠﴾ تَقدَحُوْنَ وہٰذا دَالٌّ على القُدرَةِ على البَعْثِ فاِنَّهٗ جَمَعَ فيه بَيْنَ المَاءِ والنارِ والخَشَبِ فَلَا الماءُ يُطفِئُ النَّارَ ولا النَّارُ يُحرِقُ الخَشَبَ **اَوَلَيْسَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ** مَعَ عظمِہِما **بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ** اى الاناسِىَّ فى الصِّغرِ **بَلٰى** اى ہو قادِرٌ على ذٰلك اَجابَ نفسَهٗ **وَهُوَ الْخَلّٰقُ** الكثيرُ الخَلْقِ **الْعَلِيْمُ**﴿٨١﴾ بِكُلِّ شَيْءٍ **اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ** شانُه **اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا** اى خَلقَ شيْءٍ **اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ**﴿٨٢﴾ اى فَہُوَ يَكُوْنُ وفى قِراءَ ةٍ بالنَّصبِ عطفًا عَلى يَقُوْلَ **فَسُبْحٰنَ الَّذِىْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ** مَلَكُ زِيدَتِ الوَاوُ والتَّاءُ لِلمُبَالَغَةِ اى القُدرَةُ عَلى **كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ**﴿٨٣﴾ تُرَدُّوْنَ فى الاٰخِرةِ.

ترجمہ: اور جس کی ہم عمر دراز کر کے معمر (سن رسیدہ) کر دیتے ہیں تو اس کی تخلیق کو پلٹ دیتے ہیں اور ایک قراءت میں تنکیس سے تشدید کے ساتھ ہے، تو وہ اپنی قوت وشباب کے بعد کمزور اور بوڑھا ہو جاتا ہے، تو کیا یہ سمجھتے نہیں کہ جو ذات اس بات پر کہ جوان کو معلوم ہے قادر ہے، وہ بعث بعد الموت پر بھی قادر ہے کہ وہ ایمان لے آئیں، اور ایک قراءت میں تاء کے ساتھ ہے، اور ہم نے اس نبی کو شعر گوئی نہیں سکھائی، یہ کافروں کی اس بات کا جواب ہے کہ محمد ﷺ جو کچھ قرآن کے نام سے پیش کرتے ہیں، وہ شعر ہے اور نہ شعر گوئی آپ کی شایان شان ہے جس کو وہ پیش کرتے ہیں وہ تو محض نصیحت ہے، اور احکام وغیرہ کو ظاہر کرنے والا قرآن ہے، تاکہ اس شخص کو قرآن کے ذریعہ جو زندہ ہو متنبہ کرے یعنی جو اس سے کہا جائے اسے سمجھتا ہو اور وہ اہل ایمان ہیں، اور کافروں پر عذاب کا وعدہ ثابت ہو جائے، اور کافر مردوں کے مانند ہیں (اس لئے کہ) جو بات ان سے کہی جاتی ہے اس کو نہیں سمجھتے کیا یہ لوگ اس بات کو نہیں جانتے کہ ہم نے اپنے دست قدرت سے بلا شریک ومعین کے پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے منجملہ دیگر لوگوں کے ان کے لئے جانور وہ اونٹ گائے اور بکریاں ہیں پیدا کئے جن کے وہ مالک بنے ہوئے ہیں قابو میں کئے ہوئے ہیں (اَوَلَمْ یَرَوْا) میں استفہام تقریری ہے، اور جو واؤ اس پر داخل ہے عاطفہ ہے اور ہم نے ان جانوروں کو ان کے قابو میں کر دیا ان میں سے بعض ان کی سواریاں ہیں اور بعض کو ان میں سے کھاتے ہیں اور ان کے لئے ان میں اور منافع بھی ہیں، جیسا کہ ان کی صوف، رواں اور ان کے بال اور پینے کی چیزیں ہیں، (مثلاً) ان کا دودھ یا دودھ کا محل (تھن) مشارب مشربٌ کی جمع ہے بمعنی شُربٌ کیا لوگ اپنے اوپر جانوروں کے ذریعہ احسان کرنے والے کا شکر ادا نہیں کرتے کہ ایمان لے آئیں، یعنی انہوں نے ایسا نہیں کیا اور انہوں نے غیر اللہ (یعنی) بتوں کو معبود بنا لیا ہے کہ ان کی بندگی کرتے ہیں کہ شاید ان کی طرف سے ان کو مدد پہنچے، کہ اللہ کے عذاب سے ان کے اعتقاد کے مطابق ان (بتوں) کی سفارش سے (عذاب سے) محفوظ رہ سکیں (مگر) ان کے معبود ان کی ہرگز مدد نہیں کر سکتے ان معبودوں کو ذوی العقول کے درجہ میں اتار لیا گیا ہے وہ یعنی ان کے صنمی معبود جن سے مدد کی توقع رکھنے کی وجہ سے ان کے لشکر میں ان (عابدین) کے ساتھ جہنم میں حاضر کئے جائیں گے، تو آپ کے بارے میں ان کا قول لَسْتَ مُرْسَلاً وغیرہ آپ کو رنجیدہ نہ کرے بے شک ہم اس بات کو اور اس کے علاوہ کو خوب جانتے ہیں جن باتوں کو یہ چھپاتے ہیں اور جن کو ظاہر کرتے ہیں، ہم ان کو اس کا بدلہ دیں گے کیا انسان کو یہ معلوم نہیں اور وہ عاص بن وائل ہے کہ ہم نے اس کو نطفۂ منی سے پیدا کیا حتی کہ ہم نے اس کو قوی اور مضبوط کر دیا پھر اس نے بعث کا انکار کر کے خصومت کو ظاہر کر دیا اعلانیہ اعتراض کرنے لگا یعنی ہم سے سخت مخاصمت کرنے لگا، اور اس نے اس بارے میں ہماری شان میں ایک عجیب بات کہی اور اپنی اصل (حقیقت) کو بھول گیا کہ وہ نطفہ منی سے پیدا شدہ ہے اور وہ اس کی بیان کردہ عجیب بات سے زیادہ عجیب ہے کہتا ہے ہڈیوں کو جبکہ وہ بوسیدہ ہو گئی ہوں کون زندہ کر سکتا ہے؟ رمیم بمعنی بالیۃٌ (بوسیدہ) رَمِیمۃ ۃ کے ساتھ نہیں کہا (جیسا کہ قیاس کا تقاضا تھا) اس لئے کہ رمیم اسم ہے نہ کہ صفت، روایت کیا گیا کہ عاص بن وائل نے

ایک بوسیدہ ہڈی لی، اور اس کو ریزہ ریزہ کر دیا، اور آپ ﷺ سے کہا کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس ہڈی کو بعد اس کے کہ وہ کہنہ اور بوسیدہ ہوگئی زندہ کر سکتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے جواباً ارشاد فرمایا: ہاں کیوں نہیں، اور تجھ کو دوزخ میں داخل کرے گا آپ جواب دیجئے کہ ان کو وہ ذات زندہ کرے گی جس نے ان کو اول بار پیدا کیا اور وہ اپنی تمام مخلوق کے بارے میں پیدا کرنے سے پہلے اور پیدا کرنے کے بعد مجملاً و مفصلاً جانتا ہے، اور وہ ایسی ذات ہے کہ جس نے تمہارے لئے منجملہ دیگر لوگوں کے مرخ اور عفار یا ہر سبز درخت سے سوائے عناب کے آگ پیدا کی پھر تم اس سے آگ سلگا لیتے ہو، اور یہ بعث (بعد الموت) پر قادر ہونے کی دلیل ہے، اس لئے کہ اس نے اس میں پانی اور آگ اور لکڑی (متضاد چیزیں) جمع کر دیں، پانی آگ کو نہیں بجھاتا اور نہ آگ لکڑی کو جلاتی ہے، جس نے آسمان اور زمین جیسی چیزیں پیدا فرمائیں کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ ان جیسے صغیر انسانوں کو پیدا کر سکے؟ ضرور پیدا کر سکتا ہے یعنی وہ اس بات پر قادر ہے خود ہی جواب دیدیا وہ بڑا پیدا کرنے والا ہے اور ہر شئ کا جاننے والا ہے اس کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کی تخلیق کا ارادہ کر لیتا ہے تو اس سے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے اور ایک قراءت یکونَ نصب کے ساتھ ہے، یقولَ پر عطف کی وجہ سے وہ پاک ذات ہے اس کے دست قدرت میں ہر چیز کا اختیار ہے (ملکوت) میں واؤ اور تا زیادہ کئے گئے ہیں اور تم سب کو آخرت میں اسی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: نُعَمِّرْهُ ای نُطِیْلُ اَجَلَهٗ ہم اس کی عمر دراز کر دیتے ہیں۔ جمع متکلم مضارع مجزوم۔

قولہ: نُنَکِّسْهُ ای نُقَلِّبُهٗ ای نَجْعَلُهٗ علٰی عَکْسِ مَا خَلَقْنَاهُ ہم اس کی تخلیق پلٹ دیتے ہیں (اعراب القرآن) یعنی ہم بتدریج اس کی حالت کو بدل دیتے ہیں حتی کہ ضعف میں اس کی بچوں جیسی حالت ہو جاتی ہے۔

قولہ: وَمَنْ نُعَمِّرْهُ (الآیة) یہ جملہ مستانفہ ہے، قوت سے ضعف کی طرف انسان کی حالت کے بدلنے کی کیفیت کو بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے مَنْ اسم شرط اور نُعَمِّرْ فعل شرط ہے نُنَکِّسْهُ جواب شرط ہے۔

قولہ: اَفَلَا یَعْقِلُوْنَ فا عاطفہ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اَتَرَکُوا التَّفَکُّرَ فَلَا یَعْقِلُوْنَ.

قولہ: وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ یہ آپ ﷺ پر کفار کی جانب سے شاعر ہونے کے الزام کا جواب ہے، اس کا عطف سورت کی ابتداء میں اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ جملہ قسمیہ پر ہے۔

قولہ: الشِّعْرَ معروف ہے (ج) اشعار، شعر لغت میں علم دقیق اور احساس لطیف کو اور موزون و مقفٰی کلام کو کہتے ہیں، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ شعر یا تو منطقی ہوتا ہے اور یا وہ جو مقدمات کاذبہ پر مشتمل ہو، اسی لئے ان ادلہ کو جو مقدمات کاذبہ سے مرتب ہوں، ادلہ شعریہ کہتے ہیں، اور اصطلاح میں کلام مقفٰی و موزون علی القصد کو کہتے ہیں، آخری قید سے وہ شعر خارج ہے جو کہ بلا قصد اتفاقی طور پر جاری ہو گیا ہو، جیسا کہ آیات شریفہ اور بعض کلمات نبویہ اس لئے کہ ان میں بلا قصد اتفاقی

طور پر علم عروض کے مطابق وزن ہوگیا ہے۔ (حاشیہ جلالین ملخصًا)

قَوْلُہٗ: اَوَلَمْ یَرَ الإنسانُ (الآیة) ہمزۂ استفہام انکاری تعجبی ہے، محذوف پر داخل ہے، واؤ عاطفہ ہے تقدیر عبارت یہ ہے اَلَمْ یَتَفکَّرُوْا رویت سے مراد رویت علمیہ ہے اَنَا خلقْنَاہُ مِن نطفةٍ قائم مقام دو مفعولوں کے ہے۔

قَوْلُہٗ: خَصِیْمٌ، المخاصمُ المُجادل.

قَوْلُہٗ: خَلَقْنَا لھُمْ لام حکمت کے لئے ہے، ای حِکْمَةُ خَلْقِنَا ذٰلِكَ اِنتِفَاعُھُمْ.

قَوْلُہٗ: فی جملة الناسِ اس سے اشارہ کردیا کہ یہ نعمتیں ان ہی کے لئے مخصوص نہیں ہیں بلکہ سب کے لئے ہیں۔

قَوْلُہٗ: مَا فعَلُوْا ذٰلك اس سے اشارہ کردیا کہ اَفَلَا یَشْکُرُوْنَ میں ہمزۂ استفہام انکاری ہے۔

قَوْلُہٗ: نُـزِّلُوا مَنْزِلَةَ العُقَلَاءِ یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ لا یَسْتَطِیْعُوْنَ سے مشرکین کے ضمنی معبود مراد ہیں جو کہ غیر ذوی العقول ہیں اس کی جمع واؤ، نون کے ساتھ لانا درست نہیں ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ عابدین اور معبودین میں مشاکلت کے طور پر ذوی العقول کے درجہ میں اتار کر واؤ نون کے ساتھ جمع لائی گئی ہے۔

قَوْلُہٗ: وَھُمْ لَھُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ، ھم، مبتداء جندٌ خبر اول، مُحْضَرُوْنَ خبر ثانی اور لَھُمْ جند کے متعلق ہے، مُحْضَرُوْنَ جندٌ کی صفت بھی ہوسکتی ہے۔

قَوْلُہٗ: اَیْ اٰلِھَتُھُمْ مِن الاصْنَامِ اس عبارت کے اضافہ سے شارح کا مقصد ھُمْ ضمیر کا مرجع متعین کرنا ہے، یعنی وہ بت ان کے لئے لشکر کے مانند ہیں مُحْضَرُوْنَ ای مُعَدُّوْنَ لحِفظِھم یعنی اپنی حفاظت کے لئے تیار کردہ لشکر ہے جو دنیا میں (ان کے خیال میں) ان کی حفاظت کرے گا (روح المعانی) دوسرا قول یہ بھی ہے کہ ھُمْ کا مرجع کفار ہیں یعنی کفار عابدین ان کے لئے حاضر باش لشکر کے مانند ہیں کہ ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ (جمل)

قَوْلُہٗ: مِنْ ذٰلكَ ای قولُھُمْ لَسْتَ مُرْسَلًا.

قَوْلُہٗ: اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمْ یہ اَلَّذِیْ أنشأھَا سے بدل ہے۔

قَوْلُہٗ: اِلَّا العُنَّابُ عناب کے بارے میں مشہور ہے کہ اس کے رگڑنے سے آگ نہیں نکلتی، اور یہی وجہ ہے کہ قصارین (دھوبی) عناب کی لکڑی کا مطارق (موسلہ) بناتے ہیں تاکہ رگڑ سے کپڑے میں آگ نہ لگ جائے۔ (صاوی)

تفسیر وتشریح

وَمَنْ نُعَمِّرْہُ (الآیة) نُعَمِّرْ تعمیر سے بتدریج عمر دراز کرنا، اور نُنَکِّسْهُ تَنْکِیْسٌ سے پلٹنا، اوندھا کرنا، بتدریج سابقہ حالت کی طرف لوٹانا، سفیان سے منقول ہے کہ تنکیس اسّی سال کی عمر میں ہوتی ہے، وَالحق اَنَّ زمانُ ابتداء الضعف والانتقاص مختلف لاختلاف الأمزجةِ والعوارض (روح المعانی) یعنی تحقیقی بات یہ ہے کہ تنکیس کی کوئی مدت متعین

نہیں ہے یہ امزجہ اور عوارض کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے۔

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ مشرکین مکہ نبی کریم ﷺ کی تکذیب کے لئے مختلف قسم کی باتیں کہتے رہتے تھے، ان میں ایک بات یہ بھی تھی کہ آپ شاعر ہیں، اور یہ قرآن آپ کی شاعرانہ تک بندی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی نفی فرمائی ہے، یعنی نہ آپ شاعر ہیں اور نہ قرآن شعری کلام کا مجموعہ ہے بلکہ یہ تو صرف نصیحت وموعظت ہے، شاعری میں بالعموم مبالغہ، افراط وتفریط اور محض تخیلات کی ندرت کاری ہوتی ہے، یوں گویا کہ اس کی بنیاد جھوٹ پر ہوتی ہے، کہا گیا ہے اَعْذَبُهٗ اَكْذَبُهٗ یعنی شعر میں جتنا زیادہ مبالغہ اور جھوٹ ہوگا اتنا ہی وہ مزیدار ہوگا، علاوہ ازیں شاعر محض گفتار کے غازی ہوتے ہیں کردار کے نہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے نہ صرف یہ کہ اپنے پیغمبر کو شعر نہیں سکھلائے، بلکہ اس کے مزاج وطبیعت کو ایسا بنایا کہ شعر سے اس کو کوئی مناسبت ہی نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کبھی کسی کا شعر پڑھتے تو اکثر صحیح نہ پڑھ پاتے، اور اس کا وزن ٹوٹ جاتا جس کی مثالیں احادیث میں موجود ہیں، یہ احتیاط اس لئے کی گئی کہ منکرین پر اتمام حجت اور ان کے شبہات کا خاتمہ کردیا جائے اور یہ نہ کہہ سکیں کہ یہ قرآن اس کی شاعرانہ تک بندی کا نتیجہ ہے، جس طرح آپ کی امیت بھی قطع شبہات کے لئے تھی، تاکہ لوگ قرآن کی بابت یہ نہ کہہ سکیں کہ یہ تو فلاں سے سیکھ کر یا کتب سابقہ کا مطالعہ کرکے مرتب کرلیا ہے، البتہ بعض مواقع پر آپ کی زبان مبارک سے ایسے الفاظ کا نکل جانا جو دو مصرعوں کی طرح ہوتے اور شعری اوزان وبحور کے بھی مطابق ہوتے، آپ کے شاعر ہونے کی دلیل نہیں بن سکتے، کیونکہ ایسا آپ کے قصد وارادہ کے بغیر ہوا، اور ان کا شعری قالب میں ڈھل جانا ایک اتفاق تھا، جس طرح غزوۂ حنین کے موقع پر آپ سفید خچر پر سوار تھے اور ابوسفیان بن الحارث لگام پکڑے ہوئے تھے، اس موقع پر چند افراد کے علاوہ کوئی آپ کے ساتھ نہیں رہا تھا تو آپ کی زبان پر بے اختیار یہ رجز جاری ہوگیا:

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ اَنَا ابن عبد المطلب

اسی طرح ایک موقع پر آپ کی انگشت مبارک پتھر سے زخمی ہوگئی تو آپ نے فرمایا:

هَلْ انتِ اِلَّا اِصْبَعٌ دمیتِ وفی سبیلِ اللّٰہِ ما لقیتِ

(صحیح بخاری، مسلم کتاب الجهاد، روح المعانی)

اس کے علاوہ ایک دو شعر کہنے یا پڑھنے سے شاعر نہیں ہوجاتا اور نہ اس کو شاعر کہا جاتا ہے، عرف میں شاعر اسی کو کہا جاتا ہے جو شعر گوئی پر قدرت اور مشغلہ رکھتا ہو، جس طرح کبھی کبھار کپڑا سینے والا خیاط نہیں کہا جاتا بلکہ درزی وہی ہوتا ہے جو خیاطی کا پیشہ کرتا ہو ورنہ تو ہر شخص خیاط کہلائے گا۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے یہ شعر پڑھا:

سَتبدی لک الْاَیَّامُ ما کنت جاهِلًا ویاتیک مَنْ لم تزوَّد بالاخبار

حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے عرض کیا، لیس ھٰکذا یا رسول اللّٰہ فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اِنّی واللّٰہ مَا انا بشاعرٍ ولا ینبغی لی.

اَوَ لَمْ یَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَھُمْ (الآیۃ) اس آیت میں چوپایوں، جانوروں کی تخلیق میں انسانی منافع اوران میں قدرت کی عجیب وغریب صنعتکاری کا ذکر فرمانے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ایک اور احسان عظیم کو بتلایا گیا ہے، یہ چوپائے کہ جن کی تخلیق میں کسی انسان وغیرہ کا کوئی دخل نہیں ہے، خالص دست قدرت کے بنائے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے صرف یہی نہیں کیا کہ ان سے انسانوں کو نفع اٹھانے کا موقع دیا بلکہ ان کا ان کو مالک بھی بنادیا، کہ وہ ان میں جس طرح چاہیں مالکانہ تصرف کرسکتے ہیں، اگر ہم ان میں وحشی پن رکھ دیتے (جیسا کہ بعض جانوروں میں ہے) تو یہ چوپائے ان سے دور بھاگتے اور وہ ان کی ملکیت اور قبضے ہی میں نہ آسکتے، یہ خدا کے کرم واحسان ہی کا نتیجہ ہے کہ ان جانوروں سے جس طرح کا بھی فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں وہ انکار نہیں کرتے ہیں، مثلاً ان کی اون اور بالوں سے مختلف قسم کی عمدہ اور آرام دہ چیزیں بنتی ہیں، اور باربرداری اور کھیتی باڑی کے بھی کام آتے ہیں، حتی کہ بوقت ضرورت ان کو ذبح کرکے کھاتے بھی ہیں۔

ملکیت کے بارے میں سرمایہ داری اوراشتراکیت کا نظریہ:

گذشتہ صدی کے اوائل سے معاشی نظریات میں یہ بحث چھڑی ہوئی ہے کہ تخلیق اشیاء اوران کی ملکیت میں سرمایہ اور دولت اصل ہے یامحنت، سرمایادارانہ نظام معیشت کے قائل دولت اور سرمایہ کو اصل قرار دیتے ہیں، اور سوشلزم اور کمیونزم (اشتراکیت) والے محنت کو اصل علت تخلیق وملکیت قرار دیتے ہیں۔

قرآن کریم کا نظریۂ معیشت:

قرآن کریم کی مذکورہ صراحت نے بتلادیا ہے کہ تخلیق اشیاء اوران کی ملکیت میں دونوں (یعنی سرمایہ اور محنت) کا کوئی دخل نہیں، کسی چیز کی تخلیق انسان کے قبضے میں نہیں، تخلیق براہ راست اللہ تعالیٰ کا فعل ہے، اور عقل کا تقاضہ ہے کہ جو جس کو پیدا کرے وہی اس کا مالک ہو، اس سے ثابت ہوا کہ اشیاء عالم میں حقیقی ملکیت حق تعالیٰ کی ہے، انسان کی ملکیت صرف اللہ تعالیٰ کے عطا کرنے سے ہوسکتی ہے۔ (معارف)

واتخذوا من دون اللّٰہِ اٰلِھَۃً (الآیۃ) یہ ان کے کفران نعمت کا اظہار ہے کہ مذکورہ نعمتیں جن سے یہ فائدہ اٹھاتے ہیں، سب اللہ کی پیدا کردہ اور عطا کردہ ہیں، لیکن یہ بجائے اس کے کہ اللہ کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کریں یعنی اس کی عبادت واطاعت کریں، غیروں سے امید وابستہ کرتے ہیں اور انہیں معبود بناتے ہیں۔

لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نصرھُمْ وھم لھُم جندٌ (الآیۃ) جندٌ سے مراد بتوں کے حمایتی اوران کی طرف سے مدافعت کرنے والے اور مُحْضَرُوْنَ سے مراد حاضر باش دنیا میں ان کے پاس رہنے والے ہیں، مطلب یہ ہے کہ یہ جن بتوں کو معبود سمجھتے

ہیں، وہ ان کی مدد کیا کریں گے؟ یہ مشرکین خود اپنے معبودوں کی مدد اور حفاظت کرتے ہیں، ان کے معبودوں کو اگر کوئی برا کہے، ان کی مذمت کرے، تو خود یہی لوگ ان کی حمایت و مدافعت میں سرگرم ہو جاتے ہیں، نہ کہ وہ معبود۔

بعض حضرات نے جُــنْــدٌ سے مراد فریق مخالف لیا ہے، آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جن چیزوں کو انہوں نے دنیا میں معبود بنا رکھا ہے یہی قیامت کے روز ان کے مخالف ہو کر ان کے خلاف گواہی دیں گے۔

اور حضرت حسن وقتادہ سے اس کی یہ تفسیر منقول ہے کہ ان لوگوں نے بتوں کو معبود تو اس لئے بنایا تھا کہ یہ ان کی مدد کریں گے، اور ہو یہ رہا ہے کہ وہ تو ان کی مدد کرنے کے قابل نہیں خود یہی لوگ جو ان کی عبادت کرتے ہیں ان کے خدام اور سپاہی بنے ہوئے ہیں۔

اَوَ لَــمْ يَــرَ الْاِنْسَــانُ (الآية) کیا یہ انسان اتنا نہیں سمجھتا کہ جس اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک حقیر نطفہ سے پیدا کیا ہو وہ دوبارہ اس کو زندہ کرنے پر کیوں قادر نہیں؟ اس کی قدرت احیاء موتےٰ کا ایک واقعہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے مرتے وقت وصیت کی کہ مرنے کے بعد اسے جلا کر اس کی آدھی راکھ سمندر میں اور آدھی راکھ تیز ہوا میں اڑا دی جائے، چنانچہ اس کے ورثاء نے اس کی وصیت کے مطابق عمل کیا، اللہ تعالیٰ نے اس کی تمام راکھ جمع کر کے اسے زندہ فرمایا اور اس سے پوچھا تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے کہا تیرے خوف سے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرما دیا۔ (صحیح بخاری، الانبیاء)

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمْ مِنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا (الآیة) کہتے ہیں کہ عرب میں دو درخت ہیں مَرخ اور عَفار، اگر ان کی دو لکڑیاں آپس میں رگڑی جائیں تو آگ پیدا ہوتی ہے، سبز درخت سے آگ پیدا کرنے سے اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ اس کے لئے کوئی چیز ناممکن نہیں ہے وہ ہر شئ پر قادر ہے، مردوں کو زندہ کرنا اس کے لئے اتنا ہی آسان ہے جتنا کہ ابتداءً پیدا کرنا۔

سُوْرَةُ الصّٰٓفّٰتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّاثْنَتَانِ وَثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّخَمْسُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ وَالصَّافَّاتِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَاثْنَتَانِ وَثَمَانُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ وَالصَّافَّاتِ مکی ہے، اس میں ۱۸۲ آیتیں ہیں۔

ترجمہ: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ① الملائكةِ تَصُفُّ نُفُوسَها في العبادةِ أو أَجْنِحَتَها في الهواءِ تَنْتَظِرُ ما تُؤمَرُ بِهِ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ② الملائكةِ تَزْجُرُ السحابَ اى تَسُوقُه فَالتّٰلِيٰتِ جماعةِ قُرّاءِ القُرآنِ تَتلوه ذِكْرًا ③ مصدرٌ من معنى التالياتِ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ④ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ⑤ اى والمغارِبِ لِلشَّمسِ لَها كُلَّ يومٍ مشرقٌ ومغربٌ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ۨالْكَوَاكِبِ ⑥ اى بِضَوْئِها أو بها والاضافةُ للبيانِ كقراءةٍ تنوينِ زينةٍ المُبَيِّنَةِ بالكواكِبِ وَحِفْظًا منصوب بفعلٍ مُقدَّرٍ اى حَفِظْنَاها بالشُّهُبِ مِّنْ كُلِّ متعلقٌ بالمقدَّرِ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ⑦ عاتٍ خارجٍ عن الطّاعةِ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اى الشياطينُ مُسْتَأنَفٌ وسَمَاعُهم هو في المعنى المحفوظِ عنه اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى الملائكة في السماء وعدى السماعُ بالٰى لِتَضَمُّنِه معنى الإِصْغَاءِ وفي قراءةٍ بتشديدِ الميمِ والسينِ اصلُه يَتَسَمَّعُوْن أُدْغِمَتِ التاءُ في السينِ وَيُقْذَفُوْنَ اى الشياطينُ بالشُّهُبِ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ⑧ من آفاقِ السماءِ دُحُوْرًا مصدر دحره اى طَرَدَهُ وأَبْعَدَه وهو مفعولٌ له وَّلَهُمْ في الآخرة عَذَابٌ وَّاصِبٌ ⑨ دائمٌ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ مصدرٌ اى المرَّةَ والاستثناءُ من ضميرِ يَسَّمَّعُوْنَ اى لا يسمعُ الا الشيطانُ الذى سَمِعَ الكلِمَةَ من الملائكةِ فأَخَذَها بِسُرعةٍ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ كوكبٌ مُضِيءٌ ثَاقِبٌ ⑩ يَثْقُبُه او يُحْرِقُه او يَخْبُلُهُ فَاسْتَفْتِهِمْ اِستخبِرْ كُفّارَ مكّةَ تقريرًا او توبيخًا اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا من الملائكةِ والسمٰوٰتِ والارضينَ وما فيهما وفي الإِتيانِ بمَنْ تغليبُ العُقَلاءِ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ اى أَصلَهُم آدمَ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ⑪ لازمٍ يَلْصَقُ باليدِ المعنى أنَّ خَلْقَهم ضعيفٌ فلا يَتَكَبَّرُوا بإنكارِ النبيِّ والقرآنِ المؤدِّي الى هلاكِهم اليسيرِ بَلْ للانتقالِ من غرضٍ الى آخرَ وهو الإخبارُ بحالِه وحالِهم عَجِبْتَ بفتحِ التاءِ خطابًا للنبيِّ اى مِن تكذيبِهم إيّاكَ وَ هم يَسْخَرُوْنَ ⑫ من تَعَجُّبِك وَاِذَا ذُكِّرُوْا وُعِظُوا بالقرآنِ لَا يَذْكُرُوْنَ ⑬ لا يَتَّعِظُوْنَ

وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً كانشقاق القمر يَّسْتَسْخِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ يَسْتَهْزِءُوْنَ بها وَقَالُوْٓا فيها اِنْ ما هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ بَيِّنٌ وقالوا مُنكرين لِلْبَعثِ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۱۶﴾ في الهمزتين في الموضعين التحقيقُ وتسهيلُ الثانية وإدخالُ الفٍ بينهما على الوَجهَين اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۱۷﴾ بسُكون الواو عطفًا بأو وبفتحها والهمزةُ للاستفهام والعطفُ بالواو والمعطوفُ عليه محل ان واسمها او الضمير في لَمَبْعُوْثُوْنَ والفاصلُ همزةُ الاستفهام قُلْ نَعَمْ تُبعَثُوْنَ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ صاغِرُونَ فَاِنَّمَا هِيَ ضميرٌ مُبهَمٌ يُفسِّره ما بعدَه زَجْرَةٌ اى صَيْحَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ اى الخلائقُ احياءٌ يَنْظُرُوْنَ ﴿۱۹﴾ مايُفعَل بهم وَقَالُوْا اى الكُفّارُ يَا للتَّنبِيهِ وَيْلَنَا هَلاكَنا وهو مصدر لا فِعلَ له مِن لفظِه وتقول لهم الملائكةُ هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۲۰﴾ اى الحسابِ والجزاءِ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ بَيْنَ الخلائقِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۱﴾

ع ۵

ترجمہ: شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے، قسم ہے صف بستہ ہو کر کھڑے ہونے والے فرشتوں کی جو خود کو عبادت میں صف بستہ کرتے ہیں پھر (قسم) ان فرشتوں کی جو بادلوں کو ڈانٹتے ہیں یعنی ان کو ہانکتے ہیں، پھر ان فرشتوں کی اس جماعت کی جو قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے ہیں اور ذکرًا معنی کے اعتبار سے تالیاتٍ کا مصدر ہے، (اے اہل مکہ) بلاشبہ تمہارا معبود ایک ہی ہے، جو آسمانوں اور زمین اور جو ان کے درمیان ہے (سب کا) رب ہے اور مشارق کا رب ہے یعنی (مشارق) ومغارب کا رب ہے، سورج کے لئے روزانہ (دنیا میں) مقام طلوع وغروب ہوتا ہے، بے شک ہم ہی نے سماء دنیا کو ستاروں کی زینت سے آراستہ کیا ہے یعنی ان کی روشنی سے یا خود ستاروں سے (اور بزینةِ ن الکواکب میں) اضافت بیانیہ ہے، جیسا کہ (زینةٍ) کی تنوین کی قراءت کی صورت میں الكواكِبُ، زِيْنَةٍ کا بیان ہوگا اور ہم نے (آسمان) کی ہر سرکش شیطان سے حفاظت کی ہے، حِفْظًا فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے اى حَفِظْنَاهَا حِفْظًا بالشُّهُبِ، من كلِّ محذوف کے متعلق ہے مارِدٌ بمعنی عاتٍ ہے، حد طاعت سے خروج کرنے والا، وہ شیاطین عالم بالا کی طرف کان بھی نہیں لگا سکتے یعنی آسمان میں (فرشتوں) کی مجلس اعلیٰ کی طرف کان بھی نہیں لگا سکتے (وسماعُهُم هُوَ في المعنى المحفوظ عنه) یعنی آسمانوں کو ان کے کان لگانے سے محفوظ کر دیا گیا ہے (مطلب یہ ہے کہ آسمان محفوظ ہیں اور سماع محفوظ عنہ نہ کہ برعکس) لا يَسمَعُوْنَ جملہ مستانفہ ہے، اور سماعٌ کے، اِصغاءٌ کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے الی کے ذریعہ متعدی کیا گیا ہے اور ایک قراءت میں س اور م کی تشدید کے ساتھ ہے يَسَّمَّعُوْنَ اصل میں يَتَسَمَّعُوْنَ تھا، ت کو س میں ادغام کر دیا گیا، اور ان شیاطین کو آسمان سے نکال دینے کے لئے ہر جانب سے انگارے مارے جاتے ہیں دُحُوْرًا دَحَرَ کا مصدر ہے، دَحَرَهُ طَرَدَهُ کے معنی میں ہے اور ان کو آخرت میں دائمی عذاب ہوگا مگر جو شیطان کچھ خبر لے ہی بھاگے تو ایک دہکتا ہوا انگارا اس کا تعاقب کرتا ہے جو اس کو چھید دیتا ہے، یا جلا دیتا ہے یا مخبوط الحواس (باؤلا) کر دیتا ہے تو آپ ان

یعنی کفار مکہ سے اقرار کرانے یا بطور توبیخ کے دریافت فرمائیں آیا ان کا پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے یا ہماری پیدا کی ہوئی یہ چیزیں (یعنی) فرشتے اور آسمان اور زمین اور وہ چیزیں جو ان کے درمیان میں ہیں، اور مَـنْ کا استعمال ذوی العقول کو غلبہ دینے کی وجہ سے ہے ہم نے ان کو یعنی ان کی اصل آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چپکتی (چکنی) مٹی سے پیدا کیا جو ہاتھ سے چپک جائے (آیت) کے معنی یہ ہیں ان کی تخلیق ضعیف (مادہ) سے ہے، لہٰذا ان کو نبی اور قرآن کا انکار کر کے تکبر نہیں کرنا چاہئے، جو کہ بآسانی ان کی ہلاکت کی طرف مفضی ہے بلکہ آپ تو (ان کی ناسمجھی) پر تعجب کرتے ہیں اور یہ لوگ آپ کے تعجب کرنے کا مذاق اڑاتے ہیں، بَـلْ ایک غرض سے دوسری غرض کی طرف انتقال کے لئے ہے اور وہ (غرض) آپ کی حالت اور ان کی حالت کی خبر دینا ہے (عَـجِبْـتَ) کی ت کے فتحہ کے ساتھ نبی کریم ﷺ کو خطاب ہے یعنی ان کے آپ کو جھٹلانے پر آپ تعجب کرتے ہیں اور جب ان کو قرآن کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے تو یہ لوگ نصیحت قبول نہیں کرتے اور جب شق قمر کے مانند کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور اس معجزہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ تو صریح جادو ہے بھلا (یہ کیسے ہوسکتا ہے) کہ جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں ہوگئے تو کیا ہم (دوبارہ) زندہ کئے جائیں؟ دونوں جگہوں میں ہمزۂ (اول) محقق اور ثانی کی تسہیل (نرمی) ہے اور دونوں کے درمیان الف داخل کرنا ہے دونوں صورتوں میں اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی (اَوْ) واؤ کے سکون کے ساتھ، اَوْ کے ذریعہ عطف ہے اور (اَوَ) واؤ کے فتحہ کے ساتھ (اور) ہمزہ استفہام کے لئے ہے اور عطف واؤ کے ذریعہ ہے، اور معطوف علیہ اِنَّ اور اس کے اسم کا محل ہے یا لَـمَبعُـوثُـونَ میں ضمیر ہے اور فاصل ہمزۂ استفہام ہے آپ کہہ دیجئے کہ تم ضرور زندہ کئے جاؤ گے، اور تم ذلیل بھی ہوؤ گے پس وہ (قیامت) تو ایک للکار ہوگی هِـیَ ضمیر مبہم ہے، مابعد اس کی تفسیر کر رہا ہے، تو اچانک وہ یعنی مخلوق زندہ ہو کر دیکھنے لگے گی، کہ ان کے ساتھ کیا کیا جا رہا ہے؟ اور کفار کہیں گے ہائے ہماری کمبختی یـا تنبیہ کے لئے ہے وَیْلَنَا بمعنی هلاکُنَا ہے وَیْلٌ ایسا مصدر ہے کہ اس کا لفظی فعل نہیں ہے اور فرشتے ان سے کہیں گے یہ جزاء کا دن ہے یعنی حساب اور جزاء کا یہ مخلوق کے درمیان فیصلے کا دن ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلَهُ: والصَّافَّاتِ صَفًّا واؤ، حرف قسم اور جر ہے، اور والصَّافَّاتِ مجرور مقسم بہ اور مابعد کا معطوف علیہ ہے۔

قِوْلَهُ: اِنَّ اِلٰهَكُمْ جواب قسم ہے، تقدیر عبارت یہ ہے وَحَقِّ الصَّـافَّاتِ وَحَقِّ الزَّاجِرَاتِ وَحَقِّ التَّالِيَاتِ جار مجرور اقسمُ فعل محذوف کے متعلق ہے۔

سَوَال: مذکورہ تینوں صفات میں جو کہ ملائکہ کی ہیں تاء تانیث ہے جو ملائکہ کی انوثت پر دلالت کرتی ہے حالانکہ ملائکہ صفت ذکورت وانوثت سے پاک ہیں۔

جَوَاب: ملائکہ چونکہ لفظ کے اعتبار سے مؤنث ہے لہٰذا اسی اعتبار سے ان کی مذکورہ تینوں صفات کو تانیث کے ساتھ لایا گیا ہے،

جہاں تک انوثت سے ملائکہ کی تنزیہہ کا سوال ہے تو وہ تانیث معنوی ہے نہ کہ لفظی۔ (صاوی)

قَوْلُہٗ: تَصُفُّ نُفُوْسَهَا اس میں اشارہ ہے کہ صافّاتِ کا مفعول بہ محذوف ہے اور وہ نفوسَهَا ہے یا اَجْنِحَتَها ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ صَافّاتٍ صافةٌ کی جمع ہے، معنی میں طائفةٌ یا جماعةٌ کے ہے۔ (روح المعانی)

قَوْلُہٗ: مَصْدرٌ مِنْ معنی التَّالِیاتِ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ذِکْرًا تالیاتِ کا مفعول مطلق بغیر لفظہ ہے اس لئے کہ ذکرًا تلاوةً کے معنی میں ہے، ای تالیات تلاوةً اور بعض حضرات نے ذکرًا کو قرآن کے معنی میں لیا اس صورت میں ذکرًا، التالیات کا مفعول ہوگا۔

قَوْلُہٗ: رب السَّمٰوات والارض یہ لَوَاحِدٌ سے بدل ہے یا اِنّ کی خبر ثانی ہے یا مبتداء محذوف کی خبر ہے، ای هُوَ رَبُّ السَّمٰواتِ والارضِ.

قَوْلُہٗ: وَرَبُّ المشارق.

سُوَال: یہاں تنہا مشارق پر اکتفاء کیوں کیا ہے؟ یعنی رَبُّ المشارِقِ والمَغَارِبِ نہیں کہا۔

جَوَاب: یہ سرابیل تَقِیْکم الحَرَّ کے قبیل سے ہے یعنی جس طرح یہاں صرف حَرَّ پر اکتفاء کیا ہے حالانکہ سرابیل حر اور برد دونوں سے حفاظت کرتا ہے، اب رہا یہ سوال کہ مشارق پر اکتفاء کیا مغارب پر کیوں نہیں کیا؟ اس کی کیا وجہ ہے؟

جَوَاب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ مشارق، مغارب کی بہ نسبت کثیر النفع ہے اس لئے مشارق پر اکتفاء کیا ہے۔

سُوَال: یہاں مشارق کو بصیغہ جمع لائے ہیں، اور اس کا مقابل (یعنی مغارب) حذف کر دیا ہے اور سورۂ سأل میں دونوں کو بصیغہ جمع لائے ہیں، اور سورۂ رحمٰن میں دونوں کو بصیغہ تثنیہ لائے ہیں، اور سورۂ مزمل میں دونوں کو بصیغہ مفرد لائے ہیں، ان تمام مقامات میں تطبیق کی کیا صورت ہوگی؟

جَوَاب: دونوں کو جمع لانے کی یہ وجہ ہے کہ روزانہ نیا مشرق اور نیا مغرب ہوتا ہے، لہٰذا سال میں ۳۶۵ مشرق اور ۳۶۵ مغرب ہوتے ہیں، مفسر علام نے لها کلُّ یومٍ مشرق ومغرب سے اسی جواب کی طرف اشارہ کیا ہے، اب رہا سورۂ رحمٰن میں تثنیہ لانا تو یہ مشرق شتائی اور صیفی (گرمی، سردی) کے اعتبار سے ہے، موسم شتا اور موسم صیف کے اعتبار سے پورے سال میں دو ہی مشرق و مغرب ہوتے ہیں، اور مفرد لانے کی وجہ یہ ہے کہ پورے سال کا ایک مشرق اور ایک مغرب ہوتا ہے۔ (صاوی)

قَوْلُہٗ: بِضَوْئِهَا اس میں مضاف محذوف کی طرف اشارہ ہے، مطلب یہ ہے کہ سماء دنیا کی زینت یا تو کواکب کی روشنی کی وجہ سے ہے یا خود کواکب کی وجہ سے ہے اور اضافت بیانیہ ہے جیسا کہ بلا اضافت یعنی زِیْـنَةٍ کی تنوین کی صورت میں بھی زِیْـنَةٍ مُبَیَّنٌ اور الکواکب اس کا بیان ہے۔

قَوْلُہٗ: مِنْ کُلِّ حفظنَا مقدر کے متعلق ہے۔

قَوْلُہٗ: لَا یَسَّمَّعُوْنَ اصل میں لَا یَتَسَمَّعُوْنَ تھا، ت، کو سین میں مدغم کر دیا گیا اور سین کو مشدد کر دیا گیا، یعنی وہ کان نہیں لگاتے بالفارسیہ (گوش ندازند) ایک قراءت میں لَا یَسْـمَـعُـوْنَ بھی ہے یعنی وہ نہیں سنتے، وبالفارسیة (نشوند)

یَسَّمَّعُوْنَ چونکہ اصغاء کے معنی کو شامل ہے اس لئے اس کا صلہ الٰی لانا درست ہے۔

قِوْلَہٗ: .هو فی المعنی المحفوظ عنه یعنی آسمان محفوظ اور سماع محفوظ عنہ ہے نہ کہ برعکس یہ جملہ مستانفہ ہے کیفیت حفظ کو بیان کرنے کے لئے نمونے کے طور پر لایا گیا ہے۔

قِوْلَہٗ: بالشُّهُب جمع شِهاب کی جیسا کہ کُتُبٌ جمع ہے کتاب کی آگ کا شعلہ۔

قِوْلَہٗ: ماردٍ جمع مَرَدَةٌ سرکش جو ہر خیر سے خالی ہو غُصْنٌ اَمْرَدُ وہ شاخ جو برگ وبار سے خالی ہوں رجل امْرَدُ وہ شخص جس کے ڈاڑھی مونچھ کچھ نہ ہو (ن،ک) مُرُدًا، مَرَادَةً سرکش ہونا۔ (لغات القرآن)

قِوْلَہٗ: دُحُورًا مصدر دُحورًا کے بعد مصدر کے لفظ کا اضافہ کرکے اشارہ کردیا کہ دُحُورًا یُقذَفُوْنَ کا مفعول مطلق بغیر لفظہ ہے، اس لئے کہ قَذْفٌ بمعنی دَحْرٌ ہے ای دَحَرَهٗ دَحْرًا اور مفسر علام نے اپنے قول هو مفعول له سے اشارہ کردیا کہ دُحُورًا یقذفون کا مفعول لہ بھی ہوسکتا ہے یعنی دُحُورًا قذفٌ کی علت ہے، یعنی شہاب سے مارنے کی علت ان کو دفع کرنا ہے، اور دُحورًا، یقذفون کی ضمیر سے حال بھی ہوسکتا ہے، ای یُقذفونَ مَدْحُورِیْنَ، دحورًا چونکہ مصدر ہے اس لئے واحد جمع سب پر اطلاق درست ہے۔

قِوْلَہٗ: اِلا مَنْ خَطِفَ الخَطْفَةَ، الخطفة یہ مفعول مَرَّةٌ کے لئے ہے جیسے ضَرَبْتُ ضربةً میں ہے میں نے اس کو مارا ایک بار یعنی ایک بار اچک لینا، وبالفارسیۃ مگر ربایدیک ربودن والخطف، الاختلاسُ بسرعةٍ (اچک لینا، جھپٹ لینا)۔

قِوْلَہٗ: والإستثناء من ضمیرِ یَسْمَعُوْنَ یعنی مَنْ استثناء کی وجہ سے محل میں نصب کے ہے اور بدل ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع بھی ہوسکتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مَن شرطیہ ہو اور اس کا جواب فَاَتْبَعَهٗ ہو، یا مَنْ موصولہ مبتداء ہو اور اس کی خبر فَاَتْبَعَهٗ ہو اس صورت میں مستثنیٰ منقطع ہوگا کقوله تعالٰی لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَ كَفَرَ. (جمل)

قِوْلَہٗ: ثاقب (ن) ثقبًا سوراخ کرنا، چھید کرنا۔

قِوْلَہٗ: اَوْ يُحْرِقُهٗ اَوْ يَخْبُلُهٗ، اَوْ تنویع کے لئے ہے نہ کہ تردید کے لئے خَبْلٌ (ن) خبلاً عقل کو تباہ کرنا، خراب کرنا۔

قِوْلَہٗ: هو الإخبارُ بحالِهٖ او حَالِهِمْ یہ ایک غرض سے دوسری غرض کی طرف انتقال کی وضاحت ہے، مطلب یہ ہے کہ سابقہ آیت میں مشرکین کی حالت کا بیان تھا، اور بَلْ عَجِبْتَ سے آپ ﷺ کی حالت کا بیان ہے۔

قِوْلَہٗ: أإذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا (الآية) ہمزۂ استفہام انکاری ہے جو فعل محذوف پر داخل ہے، ای أنُبْعَثُ اِذَا مِتْنَا، اِذَا ظرفیہ کا عامل محذوف ہے، یعنی نبعثُ جس پر لَمَبْعُوْثُوْنَ دلالت کررہا ہے، خود لَمَبْعُوْثُوْنَ اِذا میں عامل نہیں ہے اس لئے کہ عامل ومعمول کے درمیان ہمزۂ استفہام جو کہ صدارت کو چاہتا ہے مانع موجود ہے۔

قِوْلَہٗ: اَوَ آبَاؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ اَوَ میں دو قراءتیں ہیں، جمہور کے نزدیک واؤ کے فتحہ کے ساتھ ہے یعنی اَوَ اور ابن عامر اور

قالون نے سکون واؤ کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی اَوْ اس صورت میں اَوْ حرف عطف ہوگا اس پر ہمزہ استفہام کا نہیں ہوگا اَوْ آباؤنَا الْاَوَّلُوْنَ میں ایک ترکیب یہ ہے کہ اَوَ آباءُ نَا الاولونَ مبتداء ہو، مَبْعوثُونَ اس کی خبر محذوف اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اسم اِنَّ کے محل پر عطف ہے، اور بعض نے کہا ہے لمبعوثون کی ضمیر مستتر پر عطف ہے مگر اس صورت میں یہ اعتراض ہوگا کہ ضمیر مرفوع پر جب عطف ہوتا ہے تو اس کی تاکید ضمیر منفصل سے لانی ضروری ہوتی ہے، وہ یہاں نہیں ہے۔

جَوَابِعٌ: فصل بھی قائم مقام ضمیر کے ہوتا ہے اور یہاں ہمزۂ استفہام کا فصل موجود ہے، مگر اس صورت میں یہ اعتراض ہوگا کہ ہمزۂ استفہام کی صدارت باطل ہوجائے گی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ دوسرا ہمزہ پہلے ہمزہ ہی کی تاکید ہے تو گویا کہ دوسرا ہمزہ بعینہٖ پہلا ہمزہ ہے، لہٰذا دوسرا ہمزہ معنوی طور پر مقدم ہوگا جس کی وجہ سے اس کی صدارت باطل نہ ہوگی۔

(اعراب القرآن وفتح القدیر شوکانی)

تفسیر وتشریح

یہ سورت مکی ہے، دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورت کے مرکزی مضامین بھی عقائد وایمانیات ہیں، ان میں توحید، رسالت اور آخرت سرفہرست ہیں، مذکورہ مضامین کو مختلف طریقوں سے مدلل کیا گیا ہے، اس کے بعد مشرکین کے شبہات واعتراضات کو دفع کرنے کے بعد یہ بیان کیا گیا ہے کہ ماضی میں جن لوگوں نے ان عقائد کو تسلیم کیا، اللہ تعالیٰ کا ان کے ساتھ کیا معاملہ رہا؟ اور جنہوں نے کفر وسرکشی اختیار کی ان کا کیا انجام ہوا؟ اسی مضمون کے ضمن میں حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام اور ان کے صاحبزادگان حضرت موسیٰ وہارون، حضرت الیاس، حضرت لوط اور حضرت یونس علیہم السلام کے واقعات اجمال وتفصیل کے ساتھ ذکر کئے گئے ہیں، مشرکین مکہ کا ایک خاص قسم کا شرک یہ تھا کہ وہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے، آخر میں اس عقیدے کی تفصیل کے ساتھ تردید کی گئی ہے، سورت کے مجموعی مضامین سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت میں شرک کے اس خاص قسم کی تردید بطور خاص پیش نظر ہے۔

پہلا مضمون توحید:

سورت کو عقیدۂ توحید کے بیان سے شروع کیا گیا ہے، پہلی چار آیتوں کا اصل مقصد یہ بیان کرنا ہے اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ (بلاشبہ تمہارا معبود ایک ہی ہے) اس بات کو مؤکد کرنے کے لئے تین قسمیں کھائی گئی ہیں، اور قسموں میں صفات کا ذکر کیا گیا ہے مگر موصوف محذوف ہے، قسموں کا ترجمہ یہ ہے ’’قسم ہے صف بستہ کھڑے ہونے والوں کی، قسم ہے ڈانٹ ڈپٹ کرنے والوں کی، قسم ہے ذکر کی تلاوت کرنے والوں کی‘‘، یہ صف بستہ کھڑے ہونے والے، ڈانٹ ڈپٹ کرنے والے، ذکر کی تلاوت کرنے والے کون ہیں؟ قرآن کریم کے الفاظ میں اس کی صراحت نہیں ہے، اس لئے ان کی تفسیروں میں مختلف باتیں کہی گئی ہیں، بعض حضرات نے کہا ہے کہ ان سے مراد اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے مجاہدین ہیں، جو میدان میں صف باندھ کر کھڑے ہوتے

ہیں، اور دشمن کو ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہیں، اور صف آراء ہوتے وقت ذکر و تلاوت میں مشغول رہتے ہیں۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ ان سے مراد وہ نمازی ہیں جو کہ مسجد میں صف بستہ ہو کر شیطانی افکار و اعمال پر بندش عائد کرتے ہیں اور اپنا پورا دھیان ذکر و تلاوت پر مرکوز کرتے ہیں (تفسیر کبیر، معارف) مذکورہ صفات کے موصوف کے بارے میں راجح قول یہ ہے کہ وہ فرشتے ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

فرشتوں کی قسم کھانے کی کیا وجہ ہے؟

اس سورت میں خاص طور سے فرشتوں کی قسم کھانے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس سورت کا مرکزی مضمون شرک کی اس خاص قسم کی تردید ہے جس کے تحت مشرکین مکہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے، چنانچہ سورت کے شروع میں فرشتوں کے وہ اوصاف بیان کئے گئے ہیں جن سے ان کی مکمل بندگی کا اظہار ہوتا ہے، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ فرشتوں کے ان اوصاف بندگی پر غور کرو گے تو یہ بات بالکل واضح ہو جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا رشتہ باپ بیٹی کا نہیں بلکہ بندہ اور آقا کا ہے۔

غیر اللہ کی قسم کھانے کا حکم:

قرآن مجید میں حق تعالیٰ نے ایمان و عقائد کے بہت سے اصولی مسائل کی تاکید کے لئے مختلف طرح کی قسم کھائی ہے، کبھی اپنی ذات کی، کبھی اپنی مخلوقات میں سے خاص خاص اشیاء کی، اللہ تعالیٰ کے قسم کھانے میں فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ غنی الاغنیاء ہیں اس کو کیا ضرورت کہ کسی کو یقین دلانے کے لئے قسم کھائیں، دوسری بات یہ کہ جو مومن ہیں ان کو یقین دلانے کے لئے قسم کھانے کی ضرورت ہی نہیں، اس لئے وہ تو بغیر قسم ہی یقین کرتے ہیں، اور جو کافر ہیں وہ قسم سے بھی یقین نہیں کرتے تو پھر قسم کھانے سے کیا فائدہ؟

اتقان میں ابوالقاسم قشیری سے اس سوال کا جواب یہ مذکور ہے کہ حق تعالیٰ کو قسم کھانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، مگر اس کو جو شفقت و رحمت اپنی مخلوق پر ہے وہ اس کی داعی ہوئی کہ کسی طرح یہ لوگ حق کو قبول کر لیں اور عذاب سے بچ جائیں، علاوہ ازیں عرف میں قسم کا مقصد تاکید اور شک دور کرنا ہوتا ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہاں قسم اس شک کو دور کرنے کے لئے کھائی ہے جو مشرکین اس کی وحدانیت و الوہیت کے بارے میں پھیلاتے تھے، اس کے علاوہ ہر چیز اللہ کی مخلوق و مملوک ہے اس لئے وہ جس چیز کو بھی گواہ بنا کر اس کی قسم کھائے اس کے لئے جائز ہے لیکن انسان کے لئے غیر اللہ کی قسم کھانا بالکل جائز نہیں ہے، حضرت حسن بصری فرماتے ہیں، اِنَّ اللّٰہَ یقسمُ بِمَا شَاءَ من خلقہٖ لَیْسَ لاحدٍ ان یقسمَ اِلَّا باللّٰہِ رواہ ابن ابی حاتم (مظہری) اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ وہ اپنی مخلوق میں سے جس کی چاہے قسم کھائے مگر کسی دوسرے کے لئے اللہ کے سوا کسی کی قسم کھانا جائز نہیں۔

مخلوقات میں جن چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے، کہیں تو اس چیز کی عظمت و فضیلت کا بیان مقصود ہوتا ہے، جیسا کہ قرآن

کریم میں آپ ﷺ کی عمر کی قسم کھائی گئی ہے، لَعَمرکَ اِنَّھُمْ لَفِی سَکْرَتِھِمْ یَعْمَھُوْنَ ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی مخلوق اور کوئی چیز دنیا میں رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی سے زیادہ معزز و مکرم نہیں پیدا کی، یہی وجہ ہے کہ پورے قرآن میں سوائے آپ ﷺ کے کسی نبی اور رسول کی ذات کی قسم نہیں کھائی گئی۔

فاسْتَفْتِھِمْ اس استفہام کا مقصد توبیخ و تقریر ہے، اور بعث بعد الموت کے منکرین پر رد کرنا ہے اس لئے کہ وہ بعث بعد الموت کو محال سمجھتے تھے، حاصل رد یہ ہے کہ اگر استحالہ اس وجہ سے ہے کہ انسان کے مرنے گلنے اور سڑنے کے بعد مادہ معدوم ہو جاتا ہے تو یہ مردود اور غیر مسلم ہے اس لئے کہ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ انسانی اجزاء مٹی ہو جائیں، اللہ تعالیٰ ان اجزاء پر اپنی قدرت سے بارش برسائیں تو وہ مٹی طین ہو جائے اور آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو طین سے پیدا کیا تھا اِنَّا خَلَقْنَا ھم (ای اصلھم) من طِیْنٍ لَّازِبٍ یا استحالہ کی یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ حق تعالیٰ کو اس پر قدرت حاصل نہ ہو یہ بھی مردود اور غیر مسلم ہے، اس لئے کہ جو ذات آسمان و زمین، شمس و قمر جیسی عظیم مخلوق کے پیدا کرنے پر قادر ہے وہ انسان جیسی صغیر و حقیر چیز کے پیدا کرنے پر کیوں قادر نہیں ہے؟

بَلْ عَجِبْتَ وَیَسْخَرُوْنَ (الآیۃ) یعنی آپ کو تو منکرین آخرت کے انکار پر تعجب ہو رہا ہے کہ اس کے امکان بلکہ وجوب کے اتنے سارے واضح عقلی دلائل کے باوجود وہ اسے مان کر نہیں دے رہے ہیں، اور مزید براں آپ کے دعوائے قیامت کا مذاق اڑا رہے ہیں، کہ یہ کیونکر ممکن ہے؟ رہے نقلی دلائل تو ان کے بارے میں ان کا شیوہ یہ ہے وَاِذَا رَأَوا آیَۃً یستسخرون یعنی جب کوئی معجزہ دیکھتے ہیں جو آپ کی نبوت اور عقیدۂ آخرت پر دلالت کرتا ہے تو یہ اسے بھی تمسخر میں اڑا کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے، اور اس استہزاء اور تمسخر کی ان کے پاس ایک ہی دلیل ہے اور وہ أَإِذَا مِتْنَا وَکُنَّا تُرَابًا وعِظَامًا (الآیۃ) ہے یعنی یہ بات ہمارے تصور میں نہیں آتی کہ ہم یا ہمارے آباء واجداد خاک ہو جانے اور ہڈیاں رہ جانے کے بعد دوبارہ کیسے زندہ کر دیئے جائیں گے؟ اس لئے ہم نہ کوئی عقلی دلیل مانتے ہیں اور نہ کسی معجزے وغیرہ کو تسلیم کرتے ہیں، حق تعالیٰ نے اس کے جواب میں آخر میں صرف ایک جملہ فرمایا قُلْ نعم وَاَنتم داخِرُوْنَ یعنی آپ کہہ دیجئے کہ ہاں تم ضرور دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے اور ذلیل و خوار ہو کر زندہ ہو گے۔

فَاِنَّمَا ھِیَ زَجْرَۃٌ وَّاحِدَۃٌ اس سے نفخۂ ثانیہ مراد ہے، جس کے پھونکنے کے بعد تمام مخلوق زندہ ہو جائے گی (قرطبی) اگرچہ باری تعالیٰ کو اس پر قدرت ہے کہ صور پھونکے بغیر ہی مردوں کو زندہ کر دے، لیکن یہ صور حشر و نشر کے منظر کو پُر ہیبت بنانے کے لئے پھونکا جائے گا۔ (تفسیر کبیر، معارف)

ویقال للملٰئکۃِ اُحْشُرُوا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا انفسَھم بالشِّرکِ وَاَزْوَاجَھُمْ قُرَنَاءَ ھم مِنَ الشیٰطینِ وَمَا کَانُوْا یَعْبُدُوْنَ ﴿۲۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ای غیرہ مِنَ الاوثانِ فَاھْدُوْھُمْ دلُّوھم وسُوقُوھم اِلٰی صِرَاطِ الْجَحِیْمِ ﴿۲۳﴾ طریقِ

النار **وَقِفُوْهُمْ** اِحْبَسُوْہم عندَ الصراطِ **اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ**﴿۲۴﴾ عَنْ جَمیعِ اَقوالِہم وافعالِہم ویُقال لہم توبیخا **مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ**﴿۲۵﴾ لا ینصر بعضُکم بعضا کحالِکم فی الدُّنیا ویُقال لہم **بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ**﴿۲۶﴾ مُنقادُوْنَ اذِلاءُ **وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ**﴿۲۷﴾ یتلاوَمُوْنَ ویَتخاصمُون **قَالُوْٓا** ای الاتباعُ منہم لِلْمتبُوعِین **اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ**﴿۲۸﴾ عَنِ الجِہَۃِ التی کُنّا نَاْمَنُکُمْ منہا بحَلْفِکُمْ انّکم علی الحقّ فصدَّقْنَاکم واتَّبَعْنَاکم، المعنی انکم اَضلَلْتُمُونا **قَالُوْا** ای المَتبُوعُونَ لہم **بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ**﴿۲۹﴾ وانّما یصدُق الاِضلالُ مِنَّا اَن لو کنتم مؤمنین فرجَعْتم عن الایمانِ اِلَیْنا **وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ** قوۃٍ وقُدرۃٍ تَقْہَرُکم علٰی مُتابَعَتِنا **بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ**﴿۳۰﴾ ضالّیْنَ مِثْلَنا **فَحَقَّ** وَجَبَ **عَلَيْنَا** جمیعًا **قَوْلُ رَبِّنَآ** بالعذابِ ای قولُہ لَاَمْلَاَنَّ جَہَنَّمَ مِنَ الْجِنَّۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ **اِنَّا** جمیعًا **لَذَآئِقُوْنَ**﴿۳۱﴾ العذابَ بذٰلک القول ونشأعنہ قولُہم **فَاَغْوَيْنٰكُمْ** المعلَّلُ بقولِہم **اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ**﴿۳۲﴾ قال تعالٰی **فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ** یومَ القیٰمۃ **فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ**﴿۳۳﴾ لاشتراکِہم فی الغَوایۃِ **اِنَّا كَذٰلِكَ** کما نفعلُ بہٰؤلآءِ **نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ**﴿۳۴﴾ غیرِ ہٰؤلاءِ ای التابعَ منہم والمتبوعِ **اِنَّهُمْ** ای ہٰؤلاءِ بقرینۃِ مابعدہ **كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ**﴿۳۵﴾ **وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا** فی ہمزتَیہ ما تقدَّمَ **لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ**﴿۳۶﴾ ای لِاَجلِ قولِ محمدٍ قال تعالٰی **بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ**﴿۳۷﴾ الجائِینَ بہ وہو اَن لا الٰہ الا اللّٰہ **اِنَّكُمْ** فیہِ التفاتٌ **لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ**﴿۳۸﴾ **وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا** جزاء **مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ**﴿۳۹﴾ **اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ**﴿۴۰﴾ ای المؤمنین استثناءٌ منقطعٌ ای ذُکِرَ جزاؤہم فی قولِہ **اُولٰٓئِكَ لَهُمْ** فی الجنۃ **رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ**﴿۴۱﴾ بُکرۃً وعَشِیًّا **فَوَاكِهُ** بدلٌ او بیانٌ للرِّزقِ وہی مایُؤکَل تَلَذُّذًا لا لِحِفظِ صِحَّۃٍ لِاَنَّ اہلَ الجنۃ مُسْتغنُون عن حفظِہا بخلقِ اجسامِہم لِلاَبَدِ **وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ**﴿۴۲﴾ بثوابِ اللّٰہِ **فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ**﴿۴۳﴾ **عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ**﴿۴۴﴾ لا یری بعضُہم قفا بعضٍ **يُطَافُ عَلَيْهِمْ** علٰی کُلٍّ منہم **بِكَاْسٍ** ہو الاناءُ بشرابہ **مِّنْ مَّعِيْنٍ**﴿۴۵﴾ من خمرٍ یَجری علٰی وجہِ الارضِ کاَنہارِ الماءِ **بَيْضَآءَ** اَشَدَّ بَیاضًا من اللَّبنِ **لَذَّةٍ** لَذیذۃٍ **لِّلشّٰرِبِيْنَ**﴿۴۶﴾ بخلافِ خمرِ الدنیا فانہا کَرِیہَۃٌ عند الشُّربِ **لَا فِيْهَا غَوْلٌ** ما یَغْتالُ عقولَہم **وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ**﴿۴۷﴾ بفتحِ الزای وکسرِہا مِنْ نَزَفَ الشاربُ واَنْزَفَ ای یسکرون بخلافِ خمرِ الدنیا **وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ** حابساتُ الاَعْیُنِ علٰی اَزْوَاجِہِنَّ لاینظُرْنَ الٰی غیرِہم لِحُسْنِہم عندہن **عِيْنٌ**﴿۴۸﴾ ضِخامُ الاَعْیُنِ حِسانُہا **كَاَنَّهُنَّ** فی اللَّوْنِ **بَيْضٌ** للنَّعامِ **مَّكْنُوْنٌ**﴿۴۹﴾ مستُورٌ بریشِہٖ لا یَصِلُ الیہ غُبارٌ ولونُہ وہو البیاضُ فی صفرۃٍ اَحْسَنُ اَلْوَانِ النساءِ **فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ** بعضُ اہلِ الجنۃِ **عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ**﴿۵۰﴾ عما مرَّ بہم فی الدنیا.

ترجمہ: اور فرشتوں سے کہا جائے گا ان لوگوں کو جنہوں نے شرک کر کے اپنے اوپر ظلم کیا اور ان کے شیطانی رفیقوں

کواوران کے معبودوں کوجن کی وہ خدا کے علاوہ بندگی کیا کرتے تھے کہ وہ بت ہیں جمع کرلواوران کو جہنم کا راستہ دکھلا دواور گھسیٹ کر لے جاؤ اوران کو صراط کے پاس ٹھہراؤ ان سے ان کے تمام اقوال وافعال کے بارے میں سوال کرنا ہے اوران سے توبیخاً کہا جائے گا تم کو کیا ہوا کہ ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے؟ جیسا کہ دنیا میں تمہارا طریقہ تھا، اوران (کی حالت کے بارے میں) کہا جائے گا بلکہ وہ آج سرنگوں ذلیل ہوں گے اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوکر ایک دوسرے کو ملامت اور الزام تراشی کریں گے ان میں سے تابعین متبوعین سے کہیں گے تم ہمارے پاس حلفیہ طریقہ سے آتے تھے ہم تمہاری اس قسم کی وجہ سے کہ تم حق پر ہو تمہارا یقین کرلیتے تھے، اور تمہاری اتباع کرلیتے تھے، مطلب یہ ہے کہ تم ہی نے ہم کو گمراہ کیا تھا، متبوعین ان سے کہیں گے نہیں بلکہ (حقیقت) یہ ہے کہ تم خود ہی مومن نہیں تھے، ہماری طرف سے گمراہ کرنا اس وقت صادق آتا کہ تم مومن ہوتے پھر ایمان سے پھر جاتے اور ہمارا تم پر کوئی زور اور قدرت تو تھی نہیں کہ ہم تم کو اپنی اتباع پر مجبور کرتے بلکہ تم خود ہی ہمارے مانند گمراہ لوگ تھے، تو ہم سب پر ہمارے رب کے عذاب کی وعید (یعنی) لَاَمْلَئَنَّ جَھَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ثابت ہوگئی، (اب) ہم سب کو اس وعید کے مطابق عذاب کا مزا چکھنا ہے اور قول رب (یعنی وعید مذکور) سے ان کا قول فَاَغْوَیْنٰکُمْ ثابت ہوگیا، یعنی ہمارا تم کو (قضاء وقدر) کی وجہ سے گمراہ کرنا ثابت ہوگیا (لہٰذا ہمارے تم کو گمراہ کرنے کی وجہ سے ہم پر تم کو غصہ نہ ہونا چاہئے) فَاَغْوَیْنٰکُمْ یہ معلول ہے ان کے قول اِنَّا کُنَّا غٰوِیْنَ کا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ وہ سب تابعین اور متبوعین قیامت کے دن عذاب میں شریک ہوں گے، ان کے گمراہی میں مشترک ہونے کی وجہ سے ہم جیسا کہ ان کے ساتھ کر رہے ہیں ان کے علاوہ ہر مجرم کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں، یعنی تابع اور متبوع کو عذاب دیتے ہیں وہ یعنی مابعد کے قرینہ سے یہی لوگ (مراد ہیں) جب ان سے کہا جاتا ہے کہ لا الٰه الا اللّٰه کہو تو یہ لوگ تکبر کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ بھلا ہم ایک شاعر مجنون کے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں؟ یعنی محمد ﷺ کے کہنے سے، بات ایسی نہیں، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ وہ حق لے کر آیا ہے اور حق لانے والا رسولوں کی تصدیق کرتا ہے اور حق لا الٰه الا اللّٰه ہے یقیناً تم دردناک عذاب کا مزا چکھنے والے ہو، اس میں (غیبت سے خطاب کی طرف) التفات ہے تمہیں اسی کا بدلہ ملے گا جو تم کیا کرتے تھے، مگر اللہ کے مخلص بندے یعنی مومنین یہ مستثنیٰ منقطع ہے، ان کی جزاء اللہ تعالیٰ کے قول اُولٰئِكَ لھم رزقٌ معلومٌ (الآیة) میں ذکر کی گئی ہے یہی ہیں وہ لوگ جن کا رزق جو کہ میوے ہیں جنت میں وقت مقررہ پر (پابندی سے) صبح وشام ملے گا فَوَاکِهُ، رِزْقٌ سے بدل ہے، یا عطف بیان ہے فَـوَاکِـهُ ان پھلوں اور میووں کو کہا جاتا ہے جو تلذذ کے طور پر کھائے جاتے ہیں نہ کہ بقاء صحت کے لئے، اس لئے کہ جنتی بقائے صحت سے مستغنی ہوں گے، اس لئے کہ ان کے اجسام کی تخلیق ابد الآباد کے لئے ہوگی، اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے نعمتوں والی جنت میں ان کا اکرام کیا جائے گا حال یہ ہے کہ تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے کوئی کسی کی گدّی (پشت) کو نہ دیکھے گا اوران میں سے ہر ایک پر بہتی ہوئی صاف شراب کے جام کا دور چلایا جائے گا، کأس اس جام کو کہتے ہیں جس میں شراب ہو (ورنہ تو قدح کہلاتا ہے) مَعِیْنٍ وہ شراب جو سطح زمین پر پانی کے مانند جاری ہو وہ دودھ سے بھی زیادہ سفید ہوگی پینے

والوں کے لئے نہایت لذیذ ہوگی بخلاف دنیا کی شراب کے کہ وہ پینے میں بدمزہ ہوتی ہے نہ اس میں دردسر ہوگا کہ ان کی عقلوں میں فتور ڈالدے اور نہ اس کی وجہ سے بدحواس ہوں گے (یَنْزِفُوْنَ) میں ز کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ یہ نَزَفَ الشارب انزف سے ماخوذ ہے، یعنی بدمست نہ ہوں گے بخلاف دنیوی شراب کے کہ (اس سے بدمستی ہوتی ہے) اور ان کے پاس نیچی نگاہوں والی (شرمیلی) یعنی وہ اپنی نظروں کو اپنے شوہروں تک محدود رکھنے والی ہوں گی، دوسروں کی طرف نظر نہ اٹھائیں گی اس لئے کہ ان کے شوہر ان کی نظر میں (سب سے زیادہ) حسین ہوں گے، بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں والی ہوں گی گویا کہ وہ رنگ میں شتر مرغ کے انڈے ہیں، جو اس کے پروں میں مستور ہیں، ان تک غبار کی رسائی نہیں ہوتی اور ان کا رنگ سفید زردی آمیز ہوگا، جو کہ عورتوں کا حسین ترین رنگ سمجھا جاتا ہے جنتی ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر دنیا کی سرگذشت کے بارے میں باتیں کریں گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَهُ: اُحْشُرُوْا تم جمع کرو حشرٌ سے جمع مذکر حاضر ہے (ن،ض)۔

قِوْلَهُ: اَنْفُسَهُمْ بِالشِّرْكِ، اَنْفُسَهُمْ محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ ظَلَمُوْا کا مفعول محذوف ہے اور بالشِّرْكِ میں باسببیہ ہے یعنی انہوں نے شرک کے سبب سے اپنے اوپر ظلم کیا۔

قِوْلَهُ: قِفُوْهُمْ امر جمع مذکر حاضر معروف (ن،ض) وَقْفًا وُقُوفًا لازم ومتعدی دونوں طرح مستعمل ہے کھڑا کرنا، کھڑا ہونا، یہاں متعدی ہے ان کو روکو۔

قِوْلَهُ: تَأتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ، عن اليمين تاتُوْنَنَا کی ضمیر سے حال ہے ای تأتوننا اقویاء یمین کے ایک معنی ہیں دایاں ہاتھ، مقصد اظہار قوت ہے، اس لئے کہ دائیں ہاتھ میں قوت زیادہ ہوتی ہے، دوسرے معنی ہیں قسم چونکہ متعاقدین بیع کو تام اور پختہ کرنے کے لئے اپنے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرتے تھے، جس طرح قسم سے بات پختہ ہوجاتی ہے، اسی طرح عرب کے عرف میں ہاتھ پر ہاتھ مارنے سے بیع تام اور پختہ ہوجاتی تھی، فقہی اصطلاح میں اس کو "صفقه" کہتے ہیں، اس کے معنی تالی بجانا، اس معنی کے اعتبار سے تقدیر عبارت یہ ہوگی تاتُوْنَنَا حالِفِيْنَ.

قِوْلَهُ: يَتَسَاءلُوْنَ کی تفسیر يَتَلاوَمُوْنَ ويَتَخاصَمُوْنَ سے کر کے اشارہ کردیا کہ یہاں تساؤل سے مراد، خیر خیریت معلوم کرنا نہیں ہے بلکہ لعنت ملامت اور الزام تراشی مراد ہے مشرکین کے بارے میں دوسری جگہ کہا گیا ہے كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَعَنَتْ اُخْتَهَا بخلاف جنت میں مومنین کے تساؤل کے کہ وہ شکر اور تحدیث نعمت کے طور پر ہوگا۔

قِوْلَهُ: قالوا بل لم تكونوا مؤمنين الآیة رؤساء مشرکین نے کمزور طبقہ کے مشرکین کے الزاموں کے پانچ جواب دیئے ہیں، ان میں سے یہ پہلا ہے اور آخری فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ہے، مطلب یہ ہے کہ تم کبھی بھی مومن نہیں تھے، لہٰذا

ہمارے گمراہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ہم پر گمراہ کرنے کا الزام تو اس وقت صادق آسکتا تھا کہ پہلے تم ایمان لائے ہوتے اور ہمارے گمراہ کرنے کی وجہ سے ایمان ترک کر کے کفر کو اختیار کیا ہوتا۔

قِوْلَہٗ: اِنَّکُمْ، فیه التفاتٌ یعنی غیبت سے خطاب کی طرف التفات ہے، کانوا اِذَا قیل لھُم میں غائب کا صیغہ استعمال ہوا ہے، اور زیادتی تقبیح کے لئے غیبت سے خطاب کی جانب التفات کیا ہے۔

قِوْلَہٗ: وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ واوٴ عاطفہ ہے، ما نافیہ ہے تُجْزَوْنَ مبنی للمفعول ہے، اس کے اندر ضمیر نائب فاعل ہے اِلَّا حرف استثناء ہے اور ما مفعول بہ ثانی ہے اور اس سے پہلے مضاف محذوف ہے، ای مَا تُجْزَوْنَ اِلَّا جَزَاءَ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ.

قِوْلَہٗ: اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ اِلَّا حرف استثناء بمعنی لکن ہے اس لئے کہ یہ استثناء منقطع ہے، عبَادَ اللّٰه تُجزَوْنَ کی ضمیر سے مستثنیٰ ہے۔

قِوْلَہٗ: اُولٰئِكَ لَھُمْ رِزْقٌ معلومٌ کلام مستانف ہے۔

قِوْلَہٗ: بکأسٍ، کأسٌ پیالہ جبکہ اس میں شراب ہو اور خالی ہو تو اس کو قدحٌ کہتے ہیں، اس کی جمع اکواسٌ و کؤوسٌ آتی ہے۔

قِوْلَہٗ: بیضاء یہ کاسٌ کی صفت بھی ہوسکتی ہے اور خمر کی بھی اس لئے کہ یہ دونوں ہی مؤنث سماعی ہیں۔

قِوْلَہٗ: لَذَّةٌ یا تو صفت مشبہ کا صیغہ ہے جیسا کہ صَعْبٌ سَھْلٌ تو اس صورت میں مشتق ہوگا اور اس کا صفت بنانا ظاہر ہے اور اگر مصدر ہے تو صفت مبالغۃً ہوگی، یا پھر مضاف محذوف ہوگا، اَیْ ذَاتَ لَذَّةٍ.

قِوْلَہٗ: غــولٌ اسم فعل ہے اور مصدر بھی مستعمل ہے، نشہ، دردسر، مستی، بگاڑ، فساد، اچانک ہلاک کر دینا (ن) یعنی جنت کی شراب میں نہ بدمستی ہوگی اور نہ فساد عقل، اور نہ دردسر بخلاف دنیا کی شراب کے۔

قِوْلَہٗ: یُنْزَفُوْنَ نزْفٌ سے مضارع مجہول جمع مذکر غائب (ض) ان کی عقل میں فتور نہ آئے گا۔

قِوْلَہٗ: عِیْنٌ یہ عَیْنَاء کی جمع ہے، بڑی آنکھوں والیاں۔

قِوْلَہٗ: بَیْضٌ مَّکْنُوْنٌ، بَیْضٌ بَیْضَةٌ کی جمع ہے لہٰذا جمع کے اعتبار سے مَکْنُوْنَةٌ ہونا چاہئے۔

جَوَابٌ: جس جمع کے واحد اور جمع میں ''ۃ'' سے فرق ہوتا ہے اس میں تذکیر و تانیث مساوی ہوتی ہے۔

تفسیر و تشریح

اُحْشُرُوا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا انفُسَھُمْ یہ اللہ تعالیٰ کا ملائکہ کو خطاب ہے، یا بعض ملائکہ کا بعض کو خطاب ہے ابن ابی حاتم نے ابن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا سے روایت کیا ہے تَقُوْلُ الملائکةُ للزَّبَانِیَةِ اُحْشُرُوْا الخ یعنی ان ظالموں کو اور ان کے ہم مشربوں کو جنہوں نے شرک کے ظلم عظیم کا ارتکاب کیا ہے جمع کر لو، یہاں ہم مشربوں کے لئے اَزْوَاج کا لفظ استعمال

ہوا ہے، اس کے لفظی معنی جوڑے کے ہیں، اور یہ لفظ بیوی اور شوہر کے معنی میں بھی بکثرت استعمال ہوتا ہے، اس لئے مفسرین نے اس کے معنی مشرکہ بیوی کے کئے ہیں، لیکن اکثر مفسرین کے نزدیک یہاں ازواج سے شرک وکفر اور تکذیب رسل میں ہم خیال وہم مشرب لوگ مراد ہیں، اس کی تائید حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے ایک ارشاد سے بھی ہوتی ہے، اس آیت کی تفسیر میں حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا کہ یہاں ازواج سے ان کے جیسے (ہم خیال) لوگ مراد ہیں، **اَخرَجَ عبدُ الرزاق وابنُ ابی شیبة وغیرهُما من طریق نعمان بن بشیر عن عمر بن الخطاب** رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ **انه قال اَزْوَاجُهُمْ اَمثَالُهُم الَّذِیْن هم مثلهم** چنانچہ سودخور سودخوروں کے ساتھ اور زانی زانیوں کے ساتھ اور شرابی شرابیوں کے ساتھ جمع کئے جائیں گے۔ (روح المعانی)

وَمَا کَانُوْا یَعْبُدُوْنَ یعنی مشرکوں کے ساتھ ان صنمی معبودوں کو بھی جمع کیا جائے گا، تاکہ ان کو حسرت اور شرمندگی زیادہ ہو، اور مشرکوں کو اپنے معبودوں کی بے بسی کا اچھی طرح نظارہ کرایا جائے، کہا گیا ہے کہ ''ما'' چونکہ عام ہے ہر معبود کو شامل ہے حتی کہ ملائکہ ومسیح وعزیر علیہم السلام کو بھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض کو اپنے قول **اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰی** کے ذریعہ خاص کرلیا ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ ''ما'' سے اصنام واوثان کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ لفظ **ما** غیر ذوی العقول کے لئے استعمال ہوتا ہے، اور یہاں سلسلۂ کلام بھی ان مشرکین کے بارے میں ہے جو بت پرستی کرتے تھے۔ (روح المعانی) اس کے بعد فرشتوں کو حکم ہوگا کہ **فَاهْدُوْهُمْ اِلٰی صِرَاطِ الْجَحِیْمِ** یعنی ان کو جہنم کی راہ دکھاؤ۔ یہ حکم یا تو اماکن مختلفہ سے میدان حشر میں جمع کرنے کے لئے ہوگا اور بعض نے فرمایا کہ یہ حکم میدان حشر سے جہنم کی طرف لیجانے کے لئے ہوگا۔ (روح المعانی) جب فرشتے ان کو لے چلیں گے اور پل صراط کے قریب پہنچیں گے تو حکم ہوگا **وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ** ان کو روکو ان سے سوال ہوگا، چنانچہ اس مقام پر ان کے عقائد واعمال کے بارے میں سوالات کئے جائیں گے جن کا ذکر قرآن وحدیث میں بہت سے مقامات پر آیا ہے۔ (معارف)

وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ یَّتَسَآءَلُوْنَ میدان حشر میں جمع ہونے کے بعد جب کافروں کے بڑے بڑے سردار جنہوں نے چھوٹے لوگوں کو دنیا میں بہکایا تھا ملاقات کریں گے تو آپس میں ایک دوسرے پر لعنت ملامت اور الزام تراشی کریں گے آئندہ آیتوں میں ان کے آپسی بحث وتکرار کا کچھ نقشہ کھینچ کر فریقین کا انجام بد بیان کیا گیا ہے۔

اِنَّکُمْ کُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْیَمِیْنِ ''یمین'' کے متعدد معانی آتے ہیں ایک معنی قوت وطاقت کے بھی ہیں اس معنی کے اعتبار سے تفسیر یہ ہوگی کہ ہم پر تمہاری آمد بڑے زور کی ہوا کرتی تھی، یعنی تم ہم پر خوب دباؤ ڈال کر ہمیں گمراہ کیا کرتے تھے، اس کے علاوہ **یَمِیْنٌ** کے ایک معنی قسم کے بھی ہیں، اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ تم قسمیں کھا کھا کر ہمیں یقین دلایا کرتے تھے، اور یہ باور کرانے کی کوشش کیا کرتے تھے کہ ہم حق پر ہیں، ہمیں تمہاری قسموں کی وجہ سے تمہاری باتوں پر یقین آجایا کرتا تھا جس کی وجہ سے ہم گمراہ ہوگئے، آج جس کی سزا بھگت رہے ہیں، الفاظ قرآنی کے اعتبار سے یہ دونوں ہی تفسیریں بے تکلف ہیں، ان دونوں میں بھی پہلی بے غبار اور صاف ہے۔ (روح المعانی) علامہ محلی نے دوسری تفسیر کو اختیار کیا ہے۔

قَالُوْا ای المتبوعون لَهُمْ یہ کلام مستانف ہے، گویا کہ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ جب قوم کے کمزور اور کم حیثیت طبقہ کے لوگوں نے رؤساء قوم کو مورد الزام اور قصوروار ٹھہرایا تو رؤساء قوم نے اس کا کیا جواب دیا؟ مذکورہ کلام سے رؤساء وسرداروں کا جواب نقل فرمایا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تمہارا ہم کو قصوروار ٹھہرانا غلط ہے، اس لئے کہ ہمارا تم پر کوئی زور نہیں تھا، ہماری کیا مجال تھی کہ ہم تم کو کفر وشرک پر مجبور کرتے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم خود گمراہ اور سرکش تھے، قرآن کریم نے ضعفاء اور رؤساء کی بحث وتکرار اور اس کے نمونے مختلف مقامات پر ذکر فرمائے ہیں، ان کی ایک دوسرے پر الزام تراشی اور لعنت ملامت میدان حشر میں بھی ہوگی، اور جہنم میں داخل ہونے کے بعد بھی، ملاحظہ ہو سورۃ المومن ۴۷، ۴۸، سورۂ سبا ۳۱، ۳۲، سورۂ احزاب ۶۷، ۶۸، سورۂ اعراف ۳۸، ۳۹۔

فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا اب تو ہم (سب) پر ہمارے رب کی یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ہم (عذاب) کا مزا چکھنے والے ہیں فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ یعنی رؤساء قوم نے پہلے جس بات کا انکار کیا تھا بلکہ ضعفاء کے الزام کو رد کرتے ہوئے خود ان کو ہی مورد الزام قرار دیا تھا، اب اسی بات کا اعتراف واقرار کرتے ہوئے کہتے ہیں، واقعی ہم ہی نے تم کو گمراہ کیا تھا، حقیقت یہ ہے کہ ہم خود بھی گمراہ تھے ہم نے چاہا کہ تم بھی ہم جیسے ہو جاؤ، اور تم نے بآسانی ہماری راہ اپنالی، روز محشر شیطان بھی یہی کہے گا وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ.
(ابراھیم)

فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ قیامت کے روز یہ دونوں فریق عذاب میں شریک ہوں گے، اس لئے کہ ان کا جرم بھی مشترک ہے شرک، معصیت، اور شر وفساد ان کا وطیرہ تھا، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو ناجائز کام کی دعوت دے اور گناہ پر آمادہ کرنے کے لئے اپنا اثر ورسوخ استعمال کرے تو اسے دعوت گناہ کا عذاب تو بے شک ہوگا لیکن جس شخص نے اس دعوت کو اپنے اختیار سے قبول کرلیا، وہ بھی اپنے عمل کے گناہ سے بری نہیں ہوسکتا، اور آخرت میں یہ کہہ کر چھٹکارا نہیں پاسکتا کہ مجھے تو فلاں شخص نے گمراہ کیا تھا، ہاں اگر اس نے گناہ کا ارتکاب اپنے اختیار سے نہ کیا ہو بلکہ جبر واکراہ کی حالت میں اپنی جان بچانے کے لئے کرلیا ہو تو انشاء اللہ اس کی معافی کی امید ہے۔ (معارف)

اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ یعنی دنیا میں جب ان سے کہا جاتا تھا کہ جس طرح مسلمانوں نے یہ کلمہ پڑھ کر شرک ومعصیت سے توبہ کرلی ہے تم بھی یہ کلمہ پڑھ لو تاکہ دنیا میں بھی مسلمانوں کے قہر وغضب سے محفوظ رہو اور آخرت میں عذاب الٰہی سے تمہیں دوچار نہ ہونا پڑے، تو وہ تکبر وانکار کرتے ہوئے کہتے اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ کیا ہم ایک دیوانے اور شاعر کے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں، حالانکہ آپ دیوانے نہیں فرزانے تھے، اور قرآن کوئی شاعری نہیں بلکہ حقیقت ہے، اور اس دعوت کو اپنانے میں ہلاکت نہیں نجات اور ہمیشہ ہمیش کی کامیابی ہے۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے، ''انہی لوگوں کے لئے ایسا رزق ہے جس کا حال معلوم ہے'' مفسرین نے اس کے مختلف مطلب بیان کئے ہیں، بعض حضرات نے فرمایا کہ رزق معلوم سے اس کے متعین اوقات مراد

ہیں یعنی وہ صبح وشام پابندی کے ساتھ عطا کئے جائیں گے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ رزق معلوم سے مراد یقینی اور دائمی ہے یعنی وہ رزق دنیا کی طرح نہ ہوگا کہ کوئی شخص یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ کل مجھے کتنا اور کیا رزق ملے گا، بخلاف جنت کے رزق کے کہ وہ یقینی بھی ہوگا اور دائمی بھی (قرطبی، معارف) قتادہ نے کہا ہے کہ وہ رزق جنت ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ رزق معلوم وہ ہے جو بعد میں مذکور ہے یعنی فواکہ وھم مکرمون میں فواکہ رزق سے بدل یا عطف بیان ہے یا مبتداء محذوف کی خبر ہے اَیْ ھُوَ فَوَاکِہُ، وَھُمْ مُکْرَمُوْنَ حال کی وجہ سے محل میں نصب کے ہے فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ، مکرمون کے متعلق ہے یا ھُمْ مبتداء کی خبر ثانی ہے، عَلٰی سُرُرٍ خبر ثالث بھی ہوسکتی ہے اور حال کا بھی احتمال ہے متقابلین مکرمون کی ضمیر سے حال ہے یعنی جنتیوں کو ہر قسم کے میوے عزت واکرام کے ساتھ ملیں گے، کَاَنَّھُنَّ بَیْضٌ مَّکْنُوْنٌ جنتی حوروں کا رنگ شتر مرغ کے انڈوں کے مانند ہوگا جن کو شتر مرغ اپنے پروں میں چھپائے ہوئے ہو، جس کی وجہ سے گرد وغبار سے محفوظ ہوں گے جنتی جنت میں بیٹھے ہوئے آپس میں ذکر وتذکرے کے طور پر دنیا کے واقعات اور اپنی اپنی سرگذشت یاد کریں گے اور ایک دوسرے کو سنائیں گے۔

قَالَ قَآئِلٌ مِّنْھُمْ اِنِّیْ کَانَ لِیْ قَرِیْنٌ صاحبٌ یُنکرُ البعثَ **یَّقُوْلُ** لی تبکیتًا **اَئِنَّکَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِیْنَ** بالبعثِ **ءَاِذَا مِتْنَا وَکُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا** فی الهمزتین فی ثلثة مواضع ماتقدم **لَمَدِیْنُوْنَ** مجزیُوْن ومُحاسَبون أنکر ذٰلک ایضا **قَالَ** ذٰلک القائلُ لِاخوَانِہٖ **ھَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ** معی الی النار لِنَنْظُرَ حاله فیقولون لا **فَاطَّلَعَ** ذٰلک القائلُ من بَعْضِ کُوی الجنة **فَرَاٰہُ** ای راٰی قرینَه **فِیْ سَوَآءِ الْجَحِیْمِ** ای وَسَطِ النار **قَالَ** له تَشْمِیْتًا **تَاللّٰہِ اِنْ** مخففةٌ من الثقیلةِ **کِدْتَّ** قاربتَ **لَتُرْدِیْنِ** لتُهلِکنی باِغوَائِکَ **وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّیْ** ای انعامُه عَلَیَّ بالایمانِ **لَکُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ** مَعَکَ فی النارِ ویقول اہلُ الجنة **اَفَمَا نَحْنُ بِمَیِّتِیْنَ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰی** ای التی فی الدنیا **وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ** ہو استفهامُ تَلذُّذٍ وتحدُّثٍ بنعمةِ اللّٰہِ تعالٰی من تابیدِ الحیاةِ وعدمِ التعذیبِ **اِنَّ ھٰذَا** الذی ذُکِر لِاَہلِ الجنة **لَھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ لِمِثْلِ ھٰذَا فَلْیَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ** قیل یقالُ لهم ذٰلک وقیل ہم یقولونه **اَذٰلِکَ** المذکورُ لهم **خَیْرٌ نُّزُلًا** وہو مایُعَدُّ للنازلِ من ضیفٍ وغیرہٖ **اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ** المُعدَّةُ لاہلِ النارِ وہی من اَخبثِ الشجرِ المُرِّ بتِہامَةَ یُنبتُها اللّٰہُ فی الجحیم کما سیاتی **اِنَّا جَعَلْنٰھَا** بذٰلک **فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِیْنَ** ای الکافرینَ من اہلِ مکةَ اذ قالوا النارُ تُحرِقُ الشجرَ فکیف تُنبتُه **اِنَّھَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِیْٓ اَصْلِ الْجَحِیْمِ** قَعْرِ جهنمَ واغصانُها ترَفعُ الی دَرَکَاتِها **طَلْعُھَا** المشبّهُ بطَلعِ النخلِ **کَاَنَّہٗ رُءُوْسُ الشَّیٰطِیْنِ** ای الحیاتِ القبیحةِ المَنظرِ **فَاِنَّھُمْ** ای الکُفّارُ **لَاٰکِلُوْنَ مِنْھَا** مع قُبحِها لِشدَّة جُوعِهم **فَمَالِئُوْنَ مِنْھَا الْبُطُوْنَ ثُمَّ اِنَّ لَھُمْ عَلَیْھَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِیْمٍ** ای ماءٍ حارٍّ یَشربُونه فیَختلِطُ بالماکول

منها فیصیر شوبًا له ﴿ثُمَّ إِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَإِلَى الْجَحِيمِ﴾ یُفید اَنّهم یخرُجونَ منها لِشُربِ الحمیم وانه لَخارجها ﴿إِنَّهُمْ أَلْفَوْا﴾ وَجَدُوا ﴿آبَاءَهُمْ ضَالِّينَ فَهُمْ عَلَىٰ آثَارِهِمْ يُهْرَعُونَ﴾ یُزعَجُونَ الی اتباعِهِم فیُسرِعُونَ الیه ﴿وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ أَكْثَرُ الْأَوَّلِينَ﴾ من الأُمَمِ الماضیةِ ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا فِيهِمْ مُنْذِرِينَ﴾ من الرُّسُلِ مُخوِّفِینَ ﴿فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِينَ﴾ الکافرین ای عاقبتُهم العذابُ ﴿إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ﴾ ای المؤمنین فانّهم نجَوا من العذابِ لِاِخلاصِهم فی العبادةِ اوْ لِاَن اللّٰهَ اَخلَصَهم لها علی قراءةِ فتحِ اللامِ.

ع ۲

ترجمہ: ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا میرا ایک رفیق تھا جو بعث بعد الموت کا منکر تھا، وہ مجھ سے مجھے لاجواب کرنے کے لئے کہتا تھا کہ کیا تم بھی بعث بعد الموت کا اعتقاد رکھنے والوں میں سے ہو؟ بھلا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈی ہوجائیں گے تو کیا ہم کو جزاء دی جائے گی، اور ہمارا حساب کیا جائیگا، اور وہ اس (جزاء وسزا) کا بھی منکر تھا یہ قائل اپنے بھائیوں (احباب) سے کہے گا کیا تم اس کو میرے ہمراہ دوزخ میں جھانک کر دیکھنا چاہتے ہو!! تاکہ ہم اس کی حالت دیکھیں، تو وہ جواب دیں گے کہ نہیں، تو یہ قائل جنت کے بعض روشندانوں سے جھانک کر دیکھے گا تو اپنے رفیق کو دوزخ کے بیچوں بیچ (پڑا ہوا) دیکھے گا (یہ مومن) اپنے ملاقاتی سے اظہار مسرت کے طور پر کہے گا خدا کی قسم تو تو مجھے تباہ کرنے کو تھا کہ تو مجھے اپنے گمراہ کرنے کے ذریعہ ہلاک کردے اِنْ مشددہ سے مخففہ ہے، اگر مجھ پر میرے رب کا فضل نہ ہوتا یعنی مجھ پر ایمان کے ذریعہ اس کا فضل نہ ہوتا تو میں تیرے ساتھ آگ میں ماخوذین میں سے ہوتا جنتی (آپس میں) کہیں گے کیا اب ہم پہلی یعنی دنیوی موت کے علاوہ مرنے والے نہیں ہیں؟ اور نہ ہم کو عذاب ہوگا یہ استفہام تلذذ کے لئے ہے دائمی حیات اور عذاب نہ دیئے جانے پر، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکریہ کے طور پر، بلاشبہ اہل جنت کے لئے جو (انعامات) ذکر کئے گئے ہیں یہی بڑی کامیابی ہے، ایسی ہی (کامیابی) کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے کہا گیا ہے کہ یہ بات جنتیوں سے کہی جائے گی، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جنتی آپس میں یہ بات کہیں گے بھلا یہ نعمتیں جو مذکور ہوئیں، جنتیوں کے لئے مہمانی کے اعتبار سے بہتر ہیں؟ نُزُل اس چیز کو کہتے ہیں جو آنے والے مہمان وغیرہ کے لئے تیار کی جائے یا تھوہڑ کا درخت؟ جو جہنمیوں کے لئے تیار کیا گیا ہے وہ خبیث ترین تلخ درخت ہے جس کو اللہ تعالیٰ دوزخ میں پیدا فرمائیں گے، جیسا کہ عنقریب آئے گا ہم نے اس درخت کو اہل مکہ میں سے کافروں کے لئے (موجب) آزمائش بنادیا جبکہ (کافروں) نے کہا آگ تو درختوں کو جلا دیتی ہے، تو پھر وہ اس (درخت) کو کیسے اگائے گی، وہ ایک درخت ہے جو قعر دوزخ میں سے نکلتا ہے اور اس کی شاخیں دوزخ کے (ہر) طبقہ میں پہنچی ہوئی ہوں گی، اس کے خوشے جو کہ کھجور کے خوشہ کے مشابہ ہوں گے، گویا کہ وہ شیاطین یعنی قبیح المنظر سانپوں کے سر ہیں، سو وہ یعنی کافر اس کی قباحت کے باوجود شدت بھوک کی وجہ سے اسی میں سے کھائیں گے اور اسی سے پیٹ

بھریں گے پھر ان کو اس کے کھانے کے بعد کھولتا ہوا پانی ملا کر دیا جائے گا یعنی گرم پانی جس کو وہ پئیں گے، تو اس پانی کا کھائے ہوئے شجر زقوم کے ساتھ مخلوطہ (آمیزہ) بن جائے گا پھر ان کا اخیر ٹھکانہ یقیناً جہنم ہوگا، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو گرم پانی پینے کے لئے (وسط) جہنم سے نکالا جائے گا، اور وہ گرم پانی جہنم سے باہر ہوگا انہوں نے اپنے بڑوں کو گمراہی میں پایا تھا پھر یہ بھی ان کے نقش قدم پر تیزی سے چلتے تھے ان کی اتباع کے لئے سبقت کرتے تھے اور ان سے پہلے بھی اگلے لوگوں یعنی امتوں میں اکثر گمراہ ہو چکے ہیں، اور ہم نے ان میں بھی ڈرانے والے رسول بھیجے تھے سو دیکھ لیجئے ان لوگوں کا جن کو ڈرایا گیا تھا کیسا (برا) انجام ہوا، یعنی ان کا انجام عذاب ہی ہے، مگر وہ جو اللہ کے مخلص (برگزیدہ) ہوئے یعنی مومنین سو وہ عبادت میں اپنے اخلاص کی وجہ سے یا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عبادت کے لئے منتخب کر لیا تھا، عذاب سے نجات پا گئے (یہ ترجمہ) لام کے فتحہ والی قراءت کی صورت میں ہوگا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: قَـالَ قَـائِلٌ یہ کہنے والا کوئی جنتی ہوگا، جنتی جہاں دیگر بہت سی باتیں کریں گے منجملہ ایک شخص اپنے ایک منکر بعث دوست کی سرگذشت سنائے گا، اس گفتگو کو قرآن کریم نے قَالَ قَائِلٌ مِّنْھُمْ اِنِّی کَانَ لِیْ قَرِیْنٌ سے پیش گوئی کے طور پر بیان کیا ہے، اور تبکیت کے معنی ہیں عار دلانا، ڈانٹنا، مصباح میں ہے، بکت زید عمرًا، زید نے عمر کو عار دلائی۔

قَوْلُہٗ: کوی جمعُ کوۃٍ، کـوۃٍ کاف کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ، دیوار کا سوراخ، روشندان، جمع میں بھی کاف کا ضمہ وفتحہ دونوں درست ہیں، البتہ فتحہ کی صورت میں مد وقصر، دونوں درست ہیں، اور ضمہ کی صورت میں قصر متعین ہے۔ (جمل)

قَوْلُہٗ: تـاللّٰہ، ت قسمیہ جارہ ہے، اُقسِمُ فعل محذوف کے متعلق ہے، اِنْ مخففہ عن المشددہ ہے، اگر اس کو عامل قرار دیا جائے تو اس کا اسم محذوف ہوگا، اور جملہ کِـدْتَ اس کی خبر، تقدیر عبارت یہ ہوگی اِنَّکَ کِـدْتَّ اور اگر غیر عامل قرار دیا جائے تو جملہ کِدْتَ لَتُرْدِیْنِ جواب قسم ہوگا، اِنْ مخففہ عام طور پر کادَ یا کانَ پر داخل ہوتا ہے، لَتُرْدِیْنِ میں لام فارقہ ہوگا، مخففہ اور نافیہ کے درمیان۔

قَوْلُہٗ: لَتُرْدِیْنِ لام فارقہ ہے، تُرْدِیْنِ اِرداءٌ سے مضارع واحد مذکر حاضر نون وقایہ ی مفعول بہ ضمیر واحد متکلم محذوف، تو مجھے ہلاک کرے گا، یاء کو سنت مصحف کی اتباع میں حذف کر دیا گیا۔ (اعراب القرآن للدرویش)

قَوْلُہٗ: اَفَمَا نَحْنُ بِمَیِّتِیْنَ ہمزۂ استفہامیہ محذوف پر داخل ہے، اور فا عاطفہ ہے، عطف محذوف پر ہے، تقدیر عبارت یہ ہے أنَحْنُ مُخَلَّدُوْنَ منعمونَ فما نحن بمیِّتِیْنَ.

قَوْلُہٗ: أذٰلِکَ خَیْرٌ نُّزُلًا (الآیۃ) یہ جملہ قول محذوف کا مقولہ ہے تقدیر عبارت یہ ہے قل لھم یا محمد أذٰلِکَ خَیْرٌ اَمْ شَجَرَۃُ الزَّقُّوْمِ، ذٰلِکَ کا مشارٌ الیہ سابق میں مذکورہ رزق معلوم ہے نُزُل دونوں کے ضمہ کے ساتھ اور نون

کے ضمہ اور زا کے سکون کے ساتھ، وہ شئ جو مہمان کے لئے تیار کیجائے، جمع اَنْزَالٌ، نُزُلًا، خیرٌ سے تمیز واقع ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قِوْلُہٗ: تِهَامَةُ عرب کا وہ حصہ جس میں مکہ مکرمہ واقع ہے۔

قِوْلُہٗ: اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ، اَمْ حرف عطف ہے، اور شجرة الزقوم کا عطف ذٰلك اسم اشارہ پر ہے، اَمْ شَجَرَة الزقوم مبتداء ہے اس کی خبر ماقبل کی دلالت کی وجہ سے محذوف ہے تقدیر عبارت ہے اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ خیرٌ نُزُلًا.

قِوْلُہٗ: لَشَوْبًا شین کے فتحہ کے ساتھ جمہور کی قراءت ہے اور ضمہ کے ساتھ شاذ ہے، یہ (ن) سے شَوْبًا مصدر ہے، ملانا، آمیزہ کرنا لَشَوْبًا، اِنَّ کا اسم مؤخر ہے اور لَهُمْ خبر مقدم ہے عَلَيْهَا محذوف سے متعلق ہو کر حال ہے۔

قِوْلُہٗ: لَا اِلَى الْجَحِيْم لام تاکید کے لئے ہے مگر مصحف امام کے رسم الخط کی اتباع میں لا لکھنا ضروری ہے مگر یہ الف پڑھا نہیں جاتا۔

قِوْلُہٗ: اِنَّهُمْ اَلْفَوْا آبَاءَ هُمْ ضَالِّيْنَ یہ جملہ ماسبق میں مذکورانواع واقسام کے عذابوں میں مبتلا ہونے کی علت ہے یعنی بت پرستی کے حق اور توحید کے ناحق ہونے کی دلیل ان کے پاس بغیر سوچے سمجھے تقلید آباء کے علاوہ کوئی نہیں اور یہی ان کی گمراہی کا باعث ہوئی جس کی وجہ سے ماسبق میں مذکور انواع واقسام کے عذاب میں ماخوذ ہوں گے۔

قِوْلُہٗ: يُهْرَعُوْنَ اهراعٌ سے مضارع جمع مذکر غائب مجہول تیز دوڑتے ہوئے۔

تفسیر وتشریح

قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّیْ كَانَ لِیْ قَرِیْنٌ قرآن نے جنتیوں کی باہمی گفتگو کا ایک نمونہ پیش کیا ہے۔

ایک جنتی اور اس کا کافر ملاقاتی:

ابتدائی دس آیتوں میں اہل جنت کے عمومی حالات بیان فرمانے کے بعد ایک جنتی کا خاص طور پر تذکرہ کیا گیا ہے کہ وہ جنت میں پہنچنے کے بعد اپنے ایک کافر دوست کو یاد کرے گا، جو دنیا میں آخرت کا منکر تھا، قرآن کریم میں اس شخص کا نام و پتہ تو نہیں بتایا گیا اس لئے یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کون ہوگا؟ تاہم مفسرین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اس مومن شخص کا نام ''یہودا'' اور کافر ملاقاتی کا نام ''مطروس'' ہے، اور یہ وہی دو ساتھی ہیں جن کا ذکر سورۂ کہف کی آیت واضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ الآية میں گذر چکا ہے۔ (مظہری)

عبدالرزاق اور ابن منذر نے عطاء خراسانی سے نقل کیا ہے کہ دو آدمی کسی کاروبار میں شریک تھے، ان کے پاس آٹھ ہزار دینار تھے، دونوں نے تقسیم کر لئے، ہر ایک کے حصہ میں چار چار ہزار دینار آئے، ایک شریک نے ایک ہزار دینار کی زمین

خریدی، جب دوسرے شریک کو اس کا علم ہوا تو اس نے کہا، یا اللہ فلاں نے ایک ہزار دینار صَرف کر کے زمین خریدی ہے، میں بھی ایک ہزار دینار کے بدلے آپ سے جنت میں زمین خریدتا ہوں، اور یہ کہہ کر ایک ہزار دینار راہ خدا میں خرچ کر دیئے، پھر اس کے شریک نے ایک ہزار دینار صرف کر کے ایک مکان بنایا، جب اس کو معلوم ہوا تو اس نے کہا اے میرے اللہ فلاں نے ایک ہزار دینار صرف کر کے مکان بنایا ہے، میں آپ سے ایک ہزار دینار کے عوض جنت میں ایک مکان خریدتا ہوں اور یہ کہہ کر ایک ہزار دینار راہ خدا میں صدقہ کر دیئے، پھر اس کے ساتھی نے ایک ہزار دینار صرف کر کے ایک عورت سے شادی کی، جب اس شریک کو اس کا علم ہوا تو اس نے کہا اے بار الٰہ میرے شریک نے ایک ہزار دینار صرف کر کے شادی رچائی ہے، میں بھی ایک ہزار دینار کے عوض جنت کے حوروں سے شادی کرتا ہوں اور یہ کہہ کر ایک ہزار دینار راہ خدا میں صرف کر دیئے، پھر اس کے شریک نے ایک ہزار دینار خرچ کر کے خدام اور گھر کا سامان خریدا، جب اس کو معلوم ہوا تو اس نے کہا یا الٰہ العالمین فلاں نے ایک ہزار دینار خرچ کر کے خدام اور گھر کا ساز و سامان خریدا ہے، اے اللہ میں بھی ایک ہزار دینار کے عوض جنت میں خدام اور سامان خریدتا ہوں، اور یہ کہہ کر ایک ہزار دینار راہ خدا میں خرچ کر دیئے۔

اس کے بعد اتفاق سے اس مومن بندے کو کوئی شدید ضرورت پیش آگئی، اس نے سوچا کہ اگر میں اپنے شریک کے پاس جاؤں شاید وہ میری مدد کرے، چنانچہ یہ مومن ساتھی کافر ساتھی کی رہ گذر پر جا کر بیٹھ گیا، جب کافر ساتھی بڑے حشم وخدم کے ساتھ وہاں سے گذرا تو یہ مومن ساتھی اپنے کافر ساتھی کے پاس گیا اور اپنی ضرورت اور حاجت کا اظہار کیا، تو اس نے کہا وہ چار ہزار دینار کیا ہوئے جو تیرے حصے میں آئے تھے، اس نے اپنی پوری سرگذشت سنائی، کافر ساتھی نے اس کی سرگذشت سن کر کہا، کیا تم واقعی اس بات کو سچ سمجھتے ہو کہ ہم جب مر کر خاک ہو جائیں گے تو ہمیں دوسری زندگی ملے گی، اور وہاں ہم کو ہمارے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا؟ جاؤ میں تجھ کو کچھ نہیں دوں گا، اس کے بعد دونوں کا انتقال ہو گیا، مذکورہ آیت میں جنتی سے مراد وہ بندہ ہے جس نے آخرت کی خاطر اپنا سارا مال صدقہ کر دیا تھا، اور اس کا جہنمی ساتھی وہی شریک کاروبار ہے، جس نے آخرت کی تصدیق کرنے پر اس کا مذاق اڑایا تھا۔ (روح المعانی ملخصًا)

أَذٰلِكَ خَيْرٌ نُزُلًا اَمْ شجرة الزقوم زقوم نام کا ایک درخت جزیرۃ العرب کے تہامہ علاقہ میں پیدا ہوتا ہے، یہ درخت دیگر علاقوں میں بھی پایا جاتا ہے، بنجر زمین اور صحراؤں میں زیادہ ہوتا ہے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ وہی درخت ہے جسے اردو میں تھوہڑ کہتے ہیں، بعض حضرات نے زقوم کا مصداق ناگ پھن کو قرار دیا ہے، جو تھوہڑ کے قریب قریب ہوتا ہے اور اس کا سرا سانپ کے پھن کے مشابہ ہوتا ہے اور اس پر باریک اور لمبے خار بھی ہوتے ہیں، یہ رائے زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے، دوزخ کے زقوم اور دنیا کے زقوم میں کوئی نسبت نہیں دونوں کے درمیان کیفیت میں بون بعید ہے، صرف شرکت اسمی کی وجہ سے زقوم کہہ دیا گیا ہے جس طرح دوزخ کے سانپ بچھوؤں کو بھی شرکت اسمی کی وجہ سے سانپ بچھو کہہ دیا گیا ہے ورنہ ظاہر ہے دونوں میں صوری شرکت کے علاوہ کوئی مناسبت نہیں ہے۔

اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ یہاں فتنہ سے بعض مفسرین کے نزدیک عذاب مراد ہے یعنی اس درخت کو عذاب کا ذریعہ

بنادیا، لیکن اکثر مفسرین ''فتنہ'' کا ترجمہ آزمائش سے کرتے ہیں، یہ زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے، مطلب یہ ہے کہ اس درخت کا تذکرہ کرکے ہم یہ امتحان لینا چاہتے ہیں کہ کون اس پر ایمان لاتا ہے؟ اور کون اس کا مذاق اڑاتا ہے؟ چنانچہ کفار عرب اس امتحان میں ناکام رہے، انہوں نے بجائے اس کے کہ اس عذاب سے ڈر کر ایمان لاتے، تمسخر اور استہزاء کا طریقہ اختیار کیا، روایات میں ہے کہ جب قرآن کی مذکورہ آیت نازل ہوئی تو ابوجہل نے اپنے ساتھیوں سے کہا تمہارا دوست (محمد ﷺ) کہتا ہے کہ آگ میں ایک درخت ہے حالانکہ آگ تو درخت کو کھا جاتی ہے اور خدا کی قسم ہم تو یہ جانتے ہیں کہ زقوم کھجور اور مکھن کو کہتے ہیں تو آؤ اور یہ کھجور اور مکھن کھاؤ (روح المعانی، درمنثور) بربری زبان میں زقوم کھجور اور مکھن کو کہتے تھے، اس لئے ابوجہل نے استہزاء کا یہ طریقہ اختیار کیا، باری تعالیٰ نے ایک ہی جملہ میں اس کی دونوں باتوں کا جواب دی دیا۔

اِنَّهَا شَجَرَةٌ تخرجُ فی اصل الجحیم یعنی زقوم تو جہنم کی تہہ میں اگنے والا ایک درخت ہے، درخت کا آگ میں نہ جلنا یہ خدا کی قدرت سے کچھ بعید نہیں ہے، اور اس کی مثالیں بھی موجود ہیں، اللہ تعالیٰ نے بعض ایسے جانور پیدا فرمائے ہیں کہ وہ آگ میں زندہ رہ سکتے ہیں، اسی قسم کا ایک جانور ''سمندر'' ہے، اس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ آگ میں پیدا ہوتا ہے اور وہیں رہتا ہے آگ سے نکلنے پر مرجاتا ہے، اور بعض جانوروں کی اللہ تعالیٰ نے آگ غذا بنائی ہے۔

طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشیاطین اس آیت میں زقوم کو شیاطین کے سروں سے تشبیہ دی ہے، بعض مفسرین نے تو یہاں شیاطین کا ترجمہ سانپوں سے کیا ہے، یعنی زقوم کا درخت سانپ کے پھن کے مشابہ ہوتا ہے، اسی مناسبت سے اس درخت کو ''ناگ پھن'' کہتے ہیں، شیطان کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ انتہاء درجہ کا بدصورت ہے، زقوم کی بدصورتی کو بیان کرنے کے لئے زقوم کو شیطان کے سر کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ (روح المعانی، معارف)

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ بقوله رَبّ انّي مغلوبٌ فانْتَصِرْ **فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ**﴿۷۵﴾ له نَحْنُ ای دَعَانَا علی قومِه فاَهْلَكْنَاهم بالغرقِ **وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ**﴿۷۶﴾ ای الغرقِ **وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ**﴿۷۷﴾ فالناسُ كلُّهم من نسلِه عليه السلام و كان له ثلثةُ اولادٍ سَامٌ وهو ابوالعربِ وفارسَ والرومِ وحَامٌ وهو ابو السُّودانِ ويَافِث ابو التُّرْكِ والخَزَرِ وياجوجَ وماجوجَ وما هُنالِكَ **وَتَرَكْنَا** ابقَيْنا **عَلَيْهِ** ثَنَاءً حَسَنًا **فِي الْاٰخِرِيْنَ**﴿۷۸﴾ من الانبياء والأُمَمِ الى يوم القيمةِ **سَلٰمٌ** مِنَّا **عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ**﴿۷۹﴾ **اِنَّا كَذٰلِكَ** كما جَزَيْنَاهُ **نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ**﴿۸۰﴾ **اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ**﴿۸۱﴾ **ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ**﴿۸۲﴾ كُفَّارَ قومِه **وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ** اى مِمَّنْ تابَعَه فى اصلِ الدين **لَاِبْرٰهِيْمَ**﴿۸۳﴾ وان طال الزمانُ بينهما وهو الفانِ وسِتُّمِائةٍ واَرْبَعُوْن سنةً و كان بينهما هودٌ وصالحٌ **اِذْ جَآءَ** اى تابَعَه وقتَ مجيئِه **رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ**﴿۸۴﴾ من الشَّكِّ وغيره **اِذْ قَالَ** فى هٰذه الحالةِ المُسْتَمِرَّةِ له **لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ** مُوَبِّخًا **مَاذَا** ما الذى **تَعْبُدُوْنَ**﴿۸۵﴾ **اَئِفْكًا** فى همزَتَيْهِ ما تقدَّمَ **اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ**﴿۸۶﴾ وإفكًا مفعولٌ له واٰلِهَةً مفعولٌ به لِتُرِيْدُوْن والإفكُ

وقف لازم

اَسْوَءُ الكَذِبِ اى اَتَعْبُدُونَ غيرَ اللّٰهِ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ؁ اِذْ عَبَدْتُمْ غيره اِنَّه يتركُكم بلاَ عِقَابٍ، وكانوا نَجَّاسِيْنَ فَخَرجُوْا الى عيدٍ لهم وتركوا طَعَامَهُمْ عند اَصْنَامِهِمْ زَعَمُوا التَّبَرُّكَ عليه فاذا رجعوا اَكَلُوه وقالوا لِلسَّيِّدِ ابراهيمَ اُخرجْ مَعَنَا فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ؁ ايهامًا لهم انه يَعْتَمِدُ عليها لِيَتَّبِعُوْه فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ؁ عَلِيْلٌ اى سَاَسْقَمُ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ الى عيدِهم مُدْبِرِيْنَ؁ فَرَاغَ مَالَ في خُفْيَةٍ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ وهى الاصنام وعندَها الطعامُ فَقَالَ استهزاءً اَلَا تَاْكُلُوْنَ؁ فلم يَنْطقوا فقال مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ؁ فلم يجب فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ؁ بالقُوَّةِ فكَسَّرَها فبَلَغَ قومَه من راٰه فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ؁ اى يُسْرِعُوْنَ المَشْيَ فقالوا نحن نعبُدُها وانت تُكَسِّرُها قَالَ لهم مُوَبِّخًا اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ؁ من الحجارةِ وغيرِها اصْنَامًا وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ؁ مِنْ نَحْتِكم ومَنْحُوْتِكم فاعبدوه وحده وما مصدرية وقيل موصولة وقيل مَوْصوفةٌ قَالُوا بَيْنَهم ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فامْلَؤُهُ حَطَبًا واضْرِمُوه بالنار فاذا التَهب فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ؁ النارِ الشديدة فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا بِاِلْقَائِه في النار لتُهْلِكَه فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ؁ المقهورين فخرج من النارِ سالمًا وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ مُهاجرٌ اليه مِن دارِ الكُفرِ سَيَهْدِيْنِ؁ الى حيثُ اَمَرَني بالمصير اليهِ وهو الشام فلمَّا وَصَلَ الى الارضِ المقدَّسَةِ قالَ رَبِّ هَبْ لِيْ ولدًا مِنَ الصّٰلِحِيْنَ؁ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ؁ اى ذى حلم كثيرٍ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ اى ان يَسْعٰى معه ويُعِينهُ قيل بلغ سبعَ سنين وقيل ثلاثة عشر سنةً قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى اى رأيتُ فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ ورؤيا الانبياء حقٌّ وافعالُهم بِاَمْرِ اللّٰهِ تعالٰى فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى من الرَّأى شَاوَرَه لِيَاْنَسَ بالذبح وينقادَ لِلْاَمْرِ به قَالَ يٰٓاَبَتِ التاءُ عوضٌ عن ياءِ الاِضَافةِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ به سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ؁ على ذٰلك فَلَمَّآ اَسْلَمَا خَضَعًا وانقادًا لِاَمْرِ اللّٰهِ وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ؁ صَرَعَه عليه ولِكُلِّ انسانٍ جَبِيْنَانِ بَيْنَهما الجبهةُ وكان ذٰلك بِمِنًى وَاَمَرَّ السِّكِّيْنَ على حَلْقِهِ فلم تَعْمَلْ شيئا بمانعٍ من القُدرةِ الاِلٰهِيَّةِ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ؁ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا بما اَتَيْتَ به مِمَّا أمكَنَكَ من اَمْرِ الذبح اى يَكْفِيْكَ ذٰلك فجملةُ نادَيْنَاهُ جوابُ لَما بزيادةِ الواو اِنَّا كَذٰلِكَ كما جَزَيْنَاكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ؁ لِاَنفُسِهم بِامْتِثَالِ الاَمْرِ بِاِفْرَاجِ الشِدَّةِ عنهم اِنَّ هٰذَا الذبحَ الماموْرَ به لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ؁ اى الاختيارُ الظاهرُ وَفَدَيْنٰهُ اى الماموْر بذبحه وهو اسماعيلُ او اسحاقُ قولانِ بِذِبْحٍ بِكَبْشٍ عَظِيْمٍ؁ من الجنة وهو الذى قرَّبَهُ هابيلُ جاء به جبرئيلُ عليه السلام فذَبَحه السيدُ ابراهيمُ مُكَبِّرًا وَتَرَكْنَا اَبْقَيْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ؁ ثناءً حسنًا سَلٰمٌ مِنَّا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ؁ كَذٰلِكَ كما جَزَيْنَاه نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ؁ لِاَنفُسِهم اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ؁ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ استُدِلَّ بذٰلك على اَنَّ الذبيحَ غيرُه نَبِيًّا حالٌ مقدرةٌ اى يُوْجد مقدرًا نبوتُه مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ؁ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ

بِتَکْثِیرِ ذُرِّیَّتِهٖ **وَعَلٰٓی اِسْحٰقَ** وَلَدِهٖ بِجَعْلِنَا اکثر الانبیاءِ من نَسْلِهٖ **وَمِنْ ذُرِّیَّتِهِمَا مُحْسِنٌ** مؤمنٌ **وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ** کافر **مُبِیْنٌ** بَیِّنُ الکُفْرِ.

ترجمہ: اور ہمیں نوح (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے رَبِّ اَنِّی مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ کہہ کر پکارا تو (دیکھ لو) ہم کیسے اچھے فریاد رسی کرنے والے ہیں، یعنی اس نے ہم سے اپنی قوم کے لئے بددعاء کی چنانچہ ہم نے ان کو غرق کر کے ہلاک کر دیا اور ہم نے ان کو اور ان کے اہل کو بڑے بھاری غم یعنی غرق سے نجات دی اور ہم نے باقی انہی کی اولاد کو رکھا، تو تمام لوگ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی نسل سے ہیں، آپ کے تین لڑکے تھے، سام یہ عرب اور فارس اور روم کے جدِ اعلیٰ ہیں، اور حام یہ سوڈان کے جدِ اعلیٰ ہیں، اور یافث ترک اور خزرج اور یاجوج و ماجوج اور جو ان کے پاس ہیں، ان کے جدِ اعلیٰ ہیں، اور ہم نے بعد والوں میں یعنی انبیاء اور قیامت تک آنے والے لوگوں میں ان کا ذکر جمیل باقی رکھا، اور ہماری طرف سے نوح پر تمام جہانوں میں سلام ہو جس طرح ہم نے ان کو صلہ دیا ہم نیکو کاروں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں، بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا پھر ہم نے دوسرے لوگوں کو یعنی اس کی قوم کے کافروں کو غرق کر دیا، اور بلاشبہ انہی کی جماعت سے یعنی ان لوگوں میں سے جنہوں نے ان کے اصول دین کی اتباع کی ابراہیم بھی تھے، اگرچہ ان دونوں کے درمیان طویل زمانہ تھا، اور وہ دو ہزار چھ سو چالیس سال کا زمانہ تھا، اور ان دونوں کے درمیان ہود اور صالح علیہما السلام بھی ہوئے، جب وہ اپنے رب کی طرف شک وغیرہ (کے عیب) سے خالی دل کے ساتھ متوجہ ہوئے یعنی توجہ (کے وقت) حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع کی، جب (ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے) اپنی اس دائمی حالت میں اپنے والد اور اپنی قوم سے توبیخ کے طور پر کہا یہ کیا (واہیات چیز) ہے جس کی تم بندگی کرتے ہو کیا تم خدا کو چھوڑ کر جھوٹ موٹ کے (فرضی) معبود کو (حقیقی معبود) بنانا چاہتے ہو دونوں ہمزوں میں وہی قراءتیں ہیں جو سابق میں گذر چکی ہیں، اِفْکًا مفعول لہ ہے، اور آلِهَةً لِّتُرِیْدُوْنَ کا مفعول بہ ہے اور ''افک'' بدترین کذب کو کہتے ہیں یعنی کیا تم غیر اللہ کی بندگی کرتے ہو جب تم غیر اللہ کی بندگی کرتے ہو تو رب العالمین کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا وہ تم کو بغیر عذاب کے چھوڑ دے گا؟ ہرگز نہیں، اور یہ لوگ نجومی تھے، چنانچہ یہ لوگ اپنی عید (گاہ) کی طرف نکلے، اور وہ اپنے کھانے، اپنے بتوں کے پاس اس عقیدے سے رکھ گئے کہ یہ متبرک ہو جائیں گے، چنانچہ جب واپس آتے تو اس کو (تبرک سمجھ کر) کھاتے، اور ان کی قوم کے لوگوں نے سید ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا کہ ہمارے ساتھ تم بھی چلو (حضرت) ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ستاروں کی طرف (ایک نظر) دیکھا ان کو اس وہم میں ڈالنے کے لئے کہ وہ بھی ان ستاروں پر اعتماد کرتے ہیں، تاکہ وہ ان کی بات مان لیں، پھر آپ نے فرمایا میں بیمار ہوں، یعنی مستقبل قریب میں بیمار ہوں گا، غرض یہ کہ وہ لوگ ان کو چھوڑ کر اپنی (عیدگاہ) یعنی میلے کے مقام پر چلے گئے، تو یہ خفیہ طور پر ان کے معبودوں کی طرف متوجہ ہوئے، اور وہ بت ہیں، اور ان کے پاس کھانا (رکھا ہوا) تھا، (حضرت ابراہیم

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے) تمسخر کے طور پر (بتوں) سے کہا، تم کھاتے کیوں نہیں؟ جب بتوں نے کوئی جواب نہ دیا، تو پھر ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تم کو کیا ہو گیا کہ تم بولتے نہیں ہو؟ پھر بھی ان میں سے کسی نے کوئی جواب نہیں دیا پھر تو ان پر (پوری قوت کے ساتھ) مارنے کے لئے پل پڑے، اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے، اس کے بعد کسی دیکھنے والے نے ان کی قوم کو اس کی اطلاع کر دی، پھر تو ان لوگوں نے بڑی سرعت سے ان کا رخ کیا، اور کہنے لگے ہم تو ان کی بندگی کرتے ہیں، اور تم ان کو توڑتے ہو تو ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے توبیخاً فرمایا کیا تم ان بتوں کی بندگی کرتے ہو جن کو تم خود ہی پتھر وغیرہ سے تراشتے ہو، حالانکہ تم کو اور تمہاری بنائی ہوئی چیزوں کو یعنی تمہارے تراشنے کو اور تمہاری تراشیدہ چیزوں کو اللہ نے پیدا کیا ہے، لہٰذا اسی کی بندگی کرو، اور اس کی توحید کا اعتقاد رکھو، اور مـا مصدریہ ہے، اور کہا گیا ہے کہ موصولہ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ موصوفہ ہے، ان لوگوں نے آپس میں (مشورہ) کر کے کہا اس کے لئے ایک آتشکدہ تعمیر کرو اور اس کو لکڑیوں سے پُر کر دو، اور اس میں آگ دہکا دو، جب آگ شعلہ زن ہو جائے تو اس کو اس شدید آگ میں ڈال دو، غرض یہ کہ ان لوگوں نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آگ میں ڈالنے کی تدبیر کرنی چاہی تاکہ آگ اس کو ہلاک کر دے مگر ہم نے ان کو زیر (یعنی) مغلوب کر دیا، چنانچہ (ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام) آگ سے صحیح سلامت نکل آئے، اور ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میں تو دارالکفر سے ہجرت کر کے اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں، وہ میری اس مقام کی طرف ضرور ہی رہنمائی کرے گا، جہاں جانے کا مجھے حکم دیا ہے، اور وہ (ملک) شام ہے، چنانچہ جب وہ ارض مقدس میں پہنچے، تو دعا کی اے میرے پروردگار مجھے صالح لڑکا عطا فرما، تو ہم نے اس کو نہایت ہی بردبار لڑکے کی خوشخبری دی، پھر جب وہ بچہ اس قابل ہو گیا کہ ان کے ساتھ چلے پھرے یعنی ان کے ساتھ دوڑ دھوپ کرے اور (کام کاج) میں ہاتھ بٹائے، ایک قول یہ ہے کہ سات سال کا ہو گیا، اور دوسرا قول یہ ہے کہ تیرہ سال کا ہو گیا، تو ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میرے پیارے بچے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھ کو ذبح کر رہا ہوں، اور انبیاء کے خواب سچے ہوتے ہیں اور ان کے افعال بحکم خداوندی ہوتے ہیں اب تو بتا تیری کیا رائے ہے؟ (حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے فرزند سے اس لئے مشورہ کیا کہ وہ ذبح سے مانوس ہو جائے (یعنی ذہنی طور پر تیار ہو جائے) اور ذبح کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دے (صاحبزادے اسماعیل) نے عرض کیا ابا جان جس کام کا آپ کو حکم دیا گیا ہے آپ وہ کام کر ڈالئے، آپ انشاء اللہ مجھے اس کام میں صابر پائیں گے غرضیکہ جب دونوں مطیع ہو گئے اور حکم خداوندی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور اس کو کنپٹی کے بل (کروٹ پر) لٹا دیا ہر انسان کے دو کنپٹی ہوتی ہیں، ان کے درمیان پیشانی (ماتھا) ہوتا ہے اور یہ واقعہ منیٰ میں پیش آیا، اور (ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے چھری فرزند کے حلق پر پھیر دی، مگر چھری نے قدرت خداوندی کے مانع ہونے کی وجہ سے کچھ اثر نہ کیا تو ہم نے اس کو آواز دی کہ اے ابراہیم یقیناً تو نے اپنا خواب اس عمل سے جو تیرے لئے ذبح کے معاملہ میں ممکن تھا سچ کر دکھایا، یعنی تیرا یہ عمل (امتثال امر کے لئے) کافی ہے، جملہ وَنَادَيْنَاهُ الخ واؤ کی زیادتی کے ساتھ لـما کا جواب ہے، ہم اسی طرح جس

طرح کہ آپ کو صلہ دیا، امتثال امر کر کے اپنے اوپر احسان کرنے والوں کو ان کی تکلیف کو دور کر کے صلہ دیتے ہیں، درحقیقت یہ ذبح جس کا حکم دیا گیا کھلا امتحان تھا، اور ہم نے اس کے یعنی جس کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور وہ اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام یا اسحٰق علیہ الصلاۃ والسلام ہیں، یہ دو قول ہیں، عوض جنت سے ایک عظیم ذبیحہ مینڈھا دیدیا، یہ وہی مینڈھا تھا جس کو ہابیل نے قربان کیا تھا، اس کو جبرائیل لائے تھے، اور سید ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے اس کو اللہ اکبر کہہ کر ذبح کر دیا اور ہم نے ان کا ذکر خیر بعد والوں میں باقی رکھا، اور ابراہیم پر ہماری طرف سے سلام ہو جس طرح ہم نے ان کو صلہ دیا اپنے اوپر احسان کرنے والوں کو بھی اسی طرح صلہ دیتے ہیں بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا، اور ہم نے اس کو اسحٰق نبی کی بشارت دی، اسی سے استدلال کیا گیا ہے کہ ذبیح اسحٰق کے علاوہ (اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام) ہیں، نبیًّا حال مقدرہ ہے، یعنی اس کا وجود ہوگا حال یہ ہے کہ اس کے لئے نبوت مقدر ہو چکی ہے، جو صالح لوگوں میں سے ہوگا اور ہم نے ابراہیم پر بکثرت اولاد دیکر برکت نازل کی اور ان کے صاحبزادے اسحٰق پر بھی، اکثر انبیاء ان کی نسل سے (پیدا) کرنے کی وجہ سے اور ان دونوں کی اولاد میں مومن بھی ہوئے اور اپنے نفس پر ظلم کرنے والے کافر بھی جن کا کفر بالکل ظاہر تھا۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلُہٗ: وَلَقَدْ نَادَانَا نوحٌ کلام مستانف ہے، سابق میں وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فیھم مُنذرین میں جس کا اجمالی ذکر تھا، یہاں اس کی تفصیل ہے، اس سورت میں سات انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ ہے، ان میں سے یہ پہلا ہے، ہر ایک کی تفصیل، تفسیر وتشریح کے زیر عنوان آئے گی۔

قِوْلُہٗ: لَقَدْ میں لام جواب قسم کا ہے، تقدیر یہ ہے وباللّٰہِ لَقَدْ دَعَانَا نوحٌ یہاں نادَانَا دَعَانَا کے معنی میں ہے، قرینہ فلنِعْمَ المُجِیْبُوْنَ ہے، فلَنِعْمَ المجیبُوْنَ میں بھی لام قسم کا ہے، تقدیر عبارت ہے فو اللہ لَنِعم المجیبونَ نحنُ، نحن مخصوص بالمدح ہے، المجیبون میں واوِ جمع دلیلِ عظمت وکبریائی کے طور پر ہے۔ (روح البیان) دونوں قسموں کا جواب محذوف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے واللّٰہ لَقَدْ نَادَانَا نوحٌ لَمَّا یَئِسَ مِنْ اِیمانِ قومِہٖ فَاَجَبْنَاہ اَحْسَنَ اِجَابۃ فواللہ لَنِعم المجیبون نحنُ.

قِوْلُہٗ: وَاَھْلَہٗ یہ نجّیناہ کا مفعول بہ ہے اس کا عطف ۂ ضمیر پر ہے، اور مفعول معہٗ بھی ہو سکتا ہے۔

قِوْلُہٗ: ھُمُ الباقین، ھُمْ کے اضافہ سے حصر وتخصیص کا فائدہ مقصود ہے، یعنی طوفان کے بعد صرف حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کی اولاد ثلٰثہ کی نسل ہی باقی رہی اس وقت پوری نسل انسانی ان ہی تینوں صاحبزادگان کی اولاد ہے، حام، سام، یافث، یافث عجمہ اور علمیۃ کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔

قِوْلُہٗ: ثَنَاءً حسَنًا مفسر علام نے اشارہ کر دیا کہ تَرَکْنَا کا مفعول محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: فی العالمین یہ فی الآخرین سے بدل ہے۔

قَوْلُہٗ: اِذْ جَاءَ رَبَّہٗ بقلبٍ سلیم رب کے پاس قلب سلیم لانے سے شک وشبہ سے پاک دل مراد ہے یعنی اپنے رب کی طرف اخلاص کے ساتھ متوجہ ہوئے۔

قَوْلُہٗ: شِیعَتہٗ، شیعَۃُ الرجلِ، اَتْباعہٗ وانصارہٗ یعنی طرفدار اور حمایتی اب ایک مخصوص فرقہ کا نام ہوگیا ہے، جمع شِیَعٌ آتی ہے۔

قَوْلُہٗ: أءِ فکًا ہمزہ استفہام انکاری توبیخی ہے، افکًا مفعول لہٗ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ای أتُرِیْدُونَ اٰلِھَۃً دُوْنَ اللّٰہِ اِفْکًا، اِفْکًا، تریدونَ کا مفعول بہٖ بھی ہوسکتا ہے، اور معمولات فعل کو اہمیت کے پیش نظر فعل پر مقدم کردیا گیا ہے، اِفکًا تریدونَ کے فاعل سے حال بھی ہوسکتا ہے

قَوْلُہٗ: وَکَانُوْا نجّامِیْنَ یعنی ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم ستارہ پرست تھی اور تغیر کائنات میں ستاروں کی تاثیر کا اعتقاد رکھتی تھی۔

قَوْلُہٗ: سَاَسْقَمُ یہ اِنِّیْ سَقِیْمٌ کی تفسیر ہے، مقصد اس تفسیر کا یہ ہے کہ اس وقت حضرت ابراہیم بیمار نہیں تھے، جس کی وجہ سے کذب کا شبہ ہوتا تھا، اس لئے سَاَسْقَمُ کہہ کر تاویل کردی اس لئے کہ انسان کبھی نہ کبھی تو بیمار ہوتا ہی ہے۔

قَوْلُہٗ: یَزِفُّوْنَ (ض) زَفًّا زَفِیفًا دوڑنا جمع مذکر غائب، دوڑتے ہوئے۔

قَوْلُہٗ: وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ واوَ حالیہ ہے تعبدونَ کے فاعل سے حال ہے واللّٰہُ مبتداء خلقَکُمْ خبر، ما میں چار صورتیں ہوسکتی ہیں ① مصدریہ ای خَلَقَکُمْ وخَلَقَ اَعْمَالَکُمْ ② موصولہ ای وَخَلَقَ الَّذِیْ تصنعونَہٗ علی العموم ویدخلُ فیھا الأصنام التی تنحتونَھا اس صورت میں عمل سے مراد بت تراشی ہوگی ③ استفہامیہ توبیخیہ ای اَیَّ شیئٍ تعملونَ ④ نافیہ ای اِنَّ العمل فی الحقیقۃ لَیْسَ لَکُمْ فانْتُم لا تَعمَلُونَ شیئًا یعنی بظاہر جو کچھ تم کرتے ہو وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کا عمل ہے۔

قَوْلُہٗ: فَبَشَّرْنَاہُ یہ محذوف پر مرتب ہے، تقدیر یہ ہے فاسْتَجَبْنَا لَہٗ فَبَشَّرْنَاہُ.

قَوْلُہٗ: یَا بُنَیَّ یہ فَلَمَّا کا جواب ہے۔

قَوْلُہٗ: فَدَیْنَاہُ (ض) فِدَاءً عوض میں دینا، اس کا عطف نادیناہُ پر ہے۔

تفسیر وتشریح

ربطِ آیات:

سابقہ آیات میں اس بات کا اجمالی تذکرہ تھا کہ ہم نے پہلی امتوں کے پاس بھی نذیر وبشیر بھیجے تھے، کما قال اللّٰہ تعالیٰ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِیْھِمْ مُّنْذِرِیْنَ فَانْظُرْ کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الْمُنْذَرِیْنَ لیکن اکثر لوگوں نے ان کی بات نہیں

مانی، اس لئے ان کا انجام بہت برا ہوا، یہاں سے اسی اجمال کی کچھ تفصیل بیان کی جارہی ہے، اس ضمن میں کئی انبیاء علیہم السلام کے واقعات بیان کئے گئے ہیں، ان واقعات کو بیان کرنے کا مقصد منکرین و مشرکین کو نصیحت وعبرت کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کو تسلی دینا بھی ہے۔

وَلَقَدْ نَادَانَا نُوْحٌ سب سے پہلے نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ آدم ثانی کی مناسبت سے ذکر کیا گیا ہے، حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ساڑھے نوسو سال کی تبلیغ کے باوجود جب قوم کی اکثریت نے ان کی تکذیب ہی کی پھر نہ صرف یہ کہ تکذیب اور جسمانی ایذاء رسانی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ آپ کے قتل کا منصوبہ بھی تیار کرلیا، جب حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قوم کے ایمان لانے سے ناامید ہوگئے تو اپنے رب کریم کے حضور اپنی قوم کے لئے بددعا کردی، اکثر مفسرین کے نزدیک اس بددعا سے مراد آپ کی یہ بددعا ہے رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكَافِرِيْنَ دَيَّارًا اے میرے پروردگار! زمین پر کافروں میں سے ایک باشندہ بھی مت چھوڑ، یا سورۂ قمر میں مذکور یہ دعا مراد ہے اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ، میں مغلوب ہوں میری مدد کیجئے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا قبول فرمالی اور ان کی قوم کو طوفان بھیج کر ہلاک کردیا، البتہ وہ لوگ جو آپ پر ایمان لائے وہ اس عذاب سے محفوظ رہے، یہاں اَهْلَ سے مراد آپ پر ایمان لانے والے لوگ ہیں جن میں آپ کے اہل خانہ بھی شامل ہیں، سوائے آپ کی کافرہ بیوی اور کافر بیٹے کے، بعض مفسرین نے ان کی کل تعداد ۸۰ بتائی ہے، وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبَاقِيْنَ زیادہ تر مفسرین کا رجحان یہ ہے کہ دنیا میں موجود انسان حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تینوں صاحبزادگان ہی کی ذریت ہیں، جیسا کہ آیت سے حصر مستفاد ہوتا ہے، کشتی میں جو بقیہ لوگ سوار تھے ان سے نسل نہیں چلی، اور بعض مفسرین آیت میں مذکور حصر کو حصر اضافی مانتے ہیں اور طوفان علاقائی مانتے ہیں اور مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ کشتی میں جو حضرات سوار تھے ان میں سے تو ان ہی تینوں صاحبزادگان کی نسل چلی مگر دیگر خطوں کے لوگوں کی بھی نسلیں چلیں، جہاں طوفان نہیں آیا تھا، قال قتادة اِنَّهُمْ كُلُّهُمْ مِنْ ذُرِيته وكَانَ لَهٗ ثلثة اَولادٍ سام، حام، یافث الخ سام عرب، فارس، روم، یہود، نصاریٰ کے جداعلیٰ ہیں، اور حام مشرق سے مغرب تک کے جداعلیٰ ہیں جس میں حبشہ، سند، ہند، زنج، قبط، بربر وغیرہ شامل ہیں اور یافث ترک، وخزر، یاجوج ماجوج اور ان کے اطراف کے جداعلیٰ ہیں، قرآن کریم کے سیاق اور روایات کی رو سے پہلا قول قوی ہے۔ (روح البیان، فتح القدیر، معارف)

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِيْنَ (الآية) قیامت تک آنے والے اہل ایمان میں نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر خیر باقی رکھا اور سب اہل ایمان حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سلام بھیجتے رہتے ہیں

وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرَاهِيْمَ شیعہ کے معنی جماعت، گروہ، پیروکار، حمایتی اور طرفدار کے ہیں، یعنی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اہل دین اور اہل توحید کے اسی گروہ سے ہیں جن کو نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح انابت الی اللہ کی توفیق خاص نصیب ہوئی، شیعتِهٖ کی ضمیر نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف راجع ہے، مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے پیش رو حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طریقہ پر تھے، اور بنیادی اصول دین میں دونوں کا مکمل اتفاق تھا، اور ممکن ہے کہ دونوں

شریعتیں بھی یکساں ملتی جلتی ہوں۔ (معارف)

بعض تاریخی روایات کے مطابق حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان دو ہزار چھ سو چالیس سال کا فاصلہ ہے اور ان دونوں کے درمیان حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام کے سوا کوئی نبی نہیں۔ (کشاف)

اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ اس کا بامحاورہ اور صاف ترجمہ یہ ہے کہ جب وہ اپنے پروردگار کے پاس صاف دل لیکر آئے اور پروردگار کے پاس صاف دل لے کر آنے سے اللہ کی طرف اخلاص کے ساتھ متوجہ ہونا اور رجوع کرنا مراد ہے۔

فَنَظَرَ نَظْرَةً فی النجومِ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم سال میں ایک دن تہوار منایا کرتی تھی جب وہ دن آیا تو قوم کے لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی دعوت دی کہ آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں، مقصد یہ تھا کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس جشن میں ہمارے ساتھ رہیں گے تو شاید ہمارے دین سے متاثر ہو جائیں، اور اپنے دین کی دعوت چھوڑ دیں (درمنثور وابن جریر، معارف) لیکن حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس موقع سے دوسرا فائدہ اٹھانا چاہتے تھے، آپ کا ارادہ یہ تھا کہ جب ساری قوم جشن منانے چلی جائے گی تو میں ان کی عبادت گاہوں میں جا کر ان کے بتوں کو توڑ دوں گا، تاکہ یہ لوگ واپس آ کر اپنے معبودوں کی بے بسی کا عملی نقشہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں، ہوسکتا ہے کہ اپنے بتوں کی بے بسی دیکھ کر کسی دل میں ایمان کی روشنی پیدا ہو جائے، اسی غرض سے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قوم کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا، لیکن انکار کا طریقہ یہ اختیار فرمایا کہ پہلے نظر اٹھا کر ستاروں کو دیکھا اور پھر کہا میں بیمار ہوں، لوگوں نے آپ کو معذور سمجھ کر چھوڑ دیا، اور جشن منانے چلے گئے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم نے ستاروں کو کیوں دیکھا؟ اس سے آپ کا کیا مقصد تھا؟ ایک مقصد تو یہ ہوسکتا ہے کہ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ غور وفکر کے وقت ذہن کو یکسو کرنے کے لئے بعض اوقات آسمان کی طرف دیکھتے ہیں، ہوسکتا ہے کہ آپ نے بھی اسی طرح آسمان کی طرف دیکھا ہو یا اپنی قوم کے لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے ایسا کیا ہو، جو کہ ستاروں کی گردش کو حوادث زمانہ میں مؤثر مانتے تھے، ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقصد ان کے ہمراہ جانے کو ٹالنا تھا تاکہ ان کے بتوں کا تیا پانچا کیا جا سکے اور جب پوری قوم جشن منانے کے لئے دور جنگل میں چلی جائے گی تو اپنا منصوبہ بروئے کار لے آؤں گا، اسی خیال سے کہہ دیا کہ میں بیمار ہوں، یا آسمانوں کی گردش ستاروں کی چال بتاتی ہے کہ میں بیمار ہونے والا ہوں، اِنِّیْ سَقِيْمٌ اسم فاعل حال اور استقبال دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں بھی استعمال ہوا ہے اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ یا ہوسکتا ہے کہ اس وقت بھی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کچھ طبیعت ناساز ہو لہٰذا یہ بات بالکل جھوٹی تو نہیں تھی، اس لئے کہ ہر انسان کو کچھ نہ کچھ بیماری تو ہوتی ہی ہے، علاوہ ازیں قوم کا شرک، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل کا مستقل روگ تھا، یوں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تعریض اور توریہ کے طور پر فرمایا توریہ اگرچہ جھوٹ نہیں ہوتا مگر مخاطب اس کے متبادر اور قریبی مفہوم سے مغالطہ کا شکار ہو جاتا ہے، اسی لئے حدیث ثلٰث کذبَاتٍ میں اسے جھوٹ سے تعبیر کیا ہے۔

ضرورت کے وقت توریہ جائز ہے:

ضرورت کے وقت توریہ جائز ہے تقیہ نہیں، توریہ کی دو قسمیں ہیں قولی اور عملی، قولی یہ ہے کہ ایسا لفظ بولنا کہ جس کا ظاہر مفہوم خلاف واقعہ ہو اور باطنی، موافق واقعہ، عملی توریہ کا مطلب یہ ہے کہ ایسا عمل کرنا کہ جس کا مقصد دیکھنے والے کچھ سمجھیں مگر حقیقت میں مفہوم دوسرا ہو، اسے ایہام کہتے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ستاروں کو دیکھنا ایہام تھا۔

فَرَاغَ اِلٰی اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ جو حلویات بطور تبرک وہاں پڑی ہوئی تھیں، وہ انہیں کھانے کے لئے پیش کیں، ظاہر بات ہے کہ نہ وہ کھا سکتے تھے اور نہ کھایا، بلکہ وہ تو جواب دینے پر بھی قادر نہیں تھے، اس لئے جواب بھی نہیں دیا، رَاغَ کے معنی مَالَ، ذَهَبَ، اَقْبَلَ یہ سب متقارب المعنی ہیں یعنی ان کی طرف متوجہ ہوئے، ضَرَبَ بالیمینِ کا مطلب ہے کہ ان کو پوری قوت سے مار مار کر توڑ ڈالا۔

فَاَقْبَلُوْا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ای یُسْرِعُوْنَ یعنی جب میلے سے واپس آئے تو دیکھا کہ ان کے معبود ٹوٹے پھوٹے پڑے ہیں، تو فوراً ان کا ذہن ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف گیا کہ یہ کام اسی کا ہوسکتا ہے اور ہلّہ کر کے ابراہیم کے گرد جمع ہو گئے، (جیسا کہ سورۂ انبیاء میں اس کی تفصیل گذر چکی ہے) چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پکڑ کر عوام کی عدالت میں لے آئے، وہاں ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس بات کا موقع مل گیا کہ وہ ان پر ان کی بے عقلی اور ان کے معبودوں کی بے اختیاری واضح کریں، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ وہ مورتیاں اور تصویریں جنہیں تم خود اپنے ہاتھوں سے تراشتے اور بناتے ہو، کس قدر حیرت اور بے عقلی کی بات ہے کہ انہی کو معبود سمجھتے ہو، حالانکہ تمہیں اور تمہاری تراشی ہوئی مورتیوں کو اللہ ہی نے بنایا ہے، یا مطلق تمہارا عمل جو بھی تم کرتے ہو اس کا خالق بھی اللہ ہے، اس سے ثابت ہوا کہ بندوں کے افعال کا خالق بھی اللہ ہی ہے جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے، بخلاف اشاعرہ کے۔

بتوں اور تصویروں کو خدا کے پیدا کرنے کا مطلب:

اللہ تعالیٰ کے بتوں کو پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس مادہ کو جس سے تم بت بناتے ہو وہ بلا شرکت غیر، اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے، اور اس مادہ کو مختلف شکلیں دینا وہ بھی خدا تعالیٰ کے تم کو قدرت دینے کی وجہ سے ہے، اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ افعال کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے البتہ کاسب بندہ ہے اور اکتساب ہی سے ثواب و عقاب متعلق ہوتا ہے، علامہ جامی نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

فعل ما خواہ زشت وخواہ نکو ٭ یک بیک ہست آفریدۂ او
نیک وبد گرچہ مقتضائے قضا ست ٭ ایں خلاف رضا وآں برضا ست

قَالُوا ابْنُوْ لَهٗ بُنْيَانًا فَأَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ توحید کے سلسلہ میں جب نمرود اور نمرودیوں سے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عقلی اور نقلی دلائل کا کوئی جواب نہ بن پڑا تو ظلم و زیادتی پر اتر آیا جیسا کہ ہر ظالم کا دستور ہے، اور مشورہ کرکے یہ بات طے کی کہ اگر تم کو اپنے معبودوں کا بدلہ لینا ہی ہے اور ان کی مدد کرنی ہے تو ایک کام کرو کہ ایک عظیم الشان آتشکدہ تیار کراؤ اور اس میں ابراہیم کو جلا دو چنانچہ چہار دیواری کرکے ایک بہت بڑا آتشکدہ بنوایا، اور اس کو لکڑیوں سے پُر کرکے آگ دہکا دی، جب آگ شعلہ زن ہوگئی تو شیطان کے مشورہ سے ایک منجنیق کے ذریعہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آتشکدہ میں ڈال دیا۔

آتش نمرود کا سرد ہو جانا:

اس وقت آگ میں جلانے کی تاثیر بخشنے والے نے آگ کو حکم دیا کہ وہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اپنی سوزش کی تاثیر ختم کردے، اور ناری عناصر کا مجموعہ ہوتے ہوئے بھی ابراہیم کے حق میں سلامتی کے ساتھ سرد ہو جائے، آگ اس وقت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں بردوسلام بن گئی، اور دشمن ان کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچا سکے، اور ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام دہکتی ہوئی آگ سے سالم و محفوظ دشمنوں کے نرغے سے نکل آئے، اس طرح فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ حرف بحرف صادق آگیا، آگ کو گلزار و لالہ زار بنا کر دشمنوں کے مکر و حیلہ کو ناکام بنا دیا: ؎

دشمن اگر قویست نگہبان قوی تر ست

وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ جب آپ اپنے اہل وطن اور اہل خانہ سے ایمان کے بارے میں مایوس اور ناامید ہوگئے تو آپ نے عراق سے ہجرت کرکے شام جانے کا ارادہ فرمالیا، اور آپ کے اوپر عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام، لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام اور بیوی سارہ کے علاوہ کوئی ایمان نہیں لایا، حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بعض مفسرین نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھانجا اور بعض نے بھتیجا بتایا ہے، صحیح قول بھتیجا کا ہے، اپنے رب کی طرف جانے کا مطلب یہ ہے کہ میں دارالکفر چھوڑ کر کسی ایسی جگہ چلا جاؤں گا جہاں سکون و اطمینان کے ساتھ خدا کی بندگی اور تبلیغ دین کا کام کر سکوں اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مطلوب کی طرف رہنمائی فرمائے گا، چنانچہ آپ اپنی بیوی حضرت سارہ اور اپنے بھتیجے حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہمراہ لے کر سفر پر روانہ ہوگئے اور عراق و مصر کے مختلف علاقوں سے ہوتے ہوئے ملک شام پہنچے، اب تک آپ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی، اس لئے آپ نے وہ دعاء فرمائی جس کا آئندہ آیت میں ذکر ہے، یعنی رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ای ولدًا من الصالحین چنانچہ آپ کی دعاء قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک فرزند کی خوشخبری سنائی، فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ (واقعہ کی پوری تفصیل سورۂ انبیاء میں گذر چکی ہے، ملاحظہ کرلی جائے)۔

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ہم نے اس کو ایک حلیم اور بردبار فرزند کی خوشخبری دی، حلیم المزاج فرما کر اشارہ کردیا کہ یہ نومولود اپنی زندگی میں ایسے صبر و ضبط و بردباری کا مظاہرہ کرے گا کہ دنیا اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی، اس فرزند کی ولادت کا واقعہ اس

طرح پیش آیا، جب حضرت سارہ نے دیکھا کہ مجھ سے کوئی اولا دنہیں ہو رہی ہے تو وہ سمجھی کہ میں بانجھ ہوں، ادھر فرعون مصر نے حضرت سارہ کو ایک خادمہ جس کا نام ہاجرہ تھا خدمت گذاری کے لئے دیدی تھی، اور حضرت سارہ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیدی، اور حضرت ابراہیم نے ان سے نکاح کر لیا، انہی ہاجرہ کے بطن سے یہ صاحبزادے اسماعیل پیدا ہوئے۔

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ جب حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام دوڑ دھوپ کرنے اور کام کاج میں ہاتھ بٹانے کے قابل ہو گئے بعض کہتے ہیں تیرہ سال کی عمر کو پہنچ گئے، تو ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک روز صاحبزادے اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا، برخوردار میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے ارمانوں سے مانگے ہوئے اکلوتے بیٹے کو قربان کرنے کا حکم اس وقت دیا گیا جب وہ فرزند بوڑھے باپ کا ہاتھ بٹانے اور بڑھاپے کا سہارا بننے کے لائق ہو گیا۔

فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی سوتم بھی سوچ لو تمہاری کیا رائے ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بات حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس لئے نہیں پوچھی کہ آپ کو حکم الٰہی کی تعمیل میں کوئی تردد تھا، بلکہ ایک تو آپ حضرت اسماعیل کا امتحان لینا چاہتے تھے، کہ وہ اس آزمائش میں کس حد تک پورا اترتا ہے، دوسرے یہ کہ اگر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پہلے سے کوئی تذکرہ کئے بغیر بیٹے کو ذبح کرنے لگتے تو یہ دونوں کے لئے مشکل کا سبب ہوتا۔ (معارف)

اطاعت خداوندی اور امتثال امر کی بے نظیر مثال:

آخر بیٹا بھی خلیل کا بیٹا تھا، اور اسے منصب رسالت پر فائز ہونا تھا، بغیر توقف و تردد کے فرمایا یَا اَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ اباجان جس بات کا آپ کو حکم دیا گیا ہے کر گذریئے اس میں مشورہ کی کیا ضرورت ہے؟

وحی غیر متلو بھی وحی ہے:

یہیں سے ان منکرین حدیث کی واضح تردید ہو جاتی ہے جو وحی غیر متلو کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے، آپ نے دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے بیٹے اسماعیل کو ذبح کرنے کا حکم خواب کے ذریعہ دیا گیا، اور حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو صریح الفاظ میں اللہ کا حکم قرار دیا، اگر وحی غیر متلو کوئی چیز نہیں ہے تو یہ حکم کونسی آسمانی کتاب میں نازل ہوا تھا۔

حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی طرف سے اپنے والد بزرگوار کو یقین دلاتے ہوئے فرمایا **ستجدنی ان شاء اللّٰہ من الصابرین**، انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے، فَلَمَّا اَسْلَمَا جب دونوں حکم خداوندی کے آگے جھک گئے، بعض تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے تین مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بہکانے کی کوشش کی ہر بار ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو سات کنکریاں مار کر بھگا دیا، آج تک منیٰ کے تینوں جمرات پر اسی محبوب عمل کی یادگار کنکریاں مار کر منائی جاتی ہے۔

بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شیطان جب حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مایوس ہوگیا، تو حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بہکانے کی کوشش کی، بالآخر جب دونوں باپ بیٹے انوکھی عبادت انجام دینے کے لئے قربان گاہ پہنچے تو حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے والد سے عرض کیا کہ ابا جان مجھے اچھی طرح کس کر باندھ لیجئے، تاکہ میں زیادہ نہ تڑپ سکوں، اور اپنے کپڑوں کو بچائیے تاکہ آپ کے کپڑے میرے خون میں آلودہ نہ ہوں، اگر میرے خون میں آلودہ آپ کے کپڑے میری والدہ دیکھیں گی، تو ان کو غم زیادہ ہوگا، اور اپنی چھری بھی تیز کر لیجئے، اور حلق پر جلدی جلدی چلائیے تاکہ آسانی سے میرا دم نکل جائے، کیونکہ موت بڑی سخت چیز ہے، اور جب آپ میری والدہ کے پاس جائیں تو میرا سلام کہہ دیجئے، اور اگر آپ میرا قمیص میری والدہ کے پاس لیجانا چاہیں تو لیجائیں، شاید اسی سے ان کو کچھ تسلی ہو، اکلوتے بیٹے کی زبان سے یہ کلمات سن کر ایک باپ کے دل پر کیا گذری ہوگی یہ تو خدا ہی جانتا ہے؟ لیکن حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کوہِ استقامت بن کر جواب دیتے ہیں، بیٹے تم اللہ کا حکم پورا کرنے کے لئے کتنے اچھے مددگار ہو، یہ کہہ کر بیٹے کو بوسہ دیا پھر نم آنکھوں سے انہیں باندھا۔ (مظہری، معارف)

وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ای صَرَعَهٗ لِلْجَبِيْنِ ای عَلَی الْجَبِيْنِ لام بمعنی علیٰ ہے، یعنی کروٹ پر لٹالیا، تَلَّ يَتُلُّ (ن) تَلًّا پچھاڑنا، ہر انسان کے دو جبین ہوتی ہیں، جن کو کنپٹی کہتے ہیں، درمیان میں پیشانی ہوتی ہے جس کو عربی میں **جبهة** کہتے ہیں، اس لئے **للجبين** کا صحیح ترجمہ کروٹ پر ہے، پیشانی یا منہ کے بل لٹانے کا، ترجمہ اس لئے کر دیا جاتا ہے کہ مشہور ہے حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا تھا، کہ انہیں اس طرح لٹایا جائے، کہ چہرہ سامنے نہ رہے، جس سے پیار وشفقت کے جذبہ کا امر الٰہی پر غالب آنے کا امکان نہ رہے، حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ذبح کے پختہ ارادے سے جب زمین پر لٹالیا تو گویا کہ اپنے خواب کو سچا کر دکھایا، کیونکہ اس سے واضح ہوگیا کہ اللہ کے حکم کے مقابلہ میں اس کو کوئی چیز بھی عزیز تر نہیں، حتی کہ اکلوتا بیٹا بھی، اور لاڈلے اکلوتے بیٹے کو قربان کرنے کا حکم ایک بڑی آزمائش تھی جس میں وہ سرخ رو رہا، اسی امتثال بے مثال کو بیان کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا **قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا**. **وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ** اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض دیدیا، اور عظیم سے مراد عظیم القدر ہے، روایات میں ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے **نَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰۤاِبْرٰهِيْمُ** کی نداءِ غیبی سنی تو آسمان کی طرف دیکھا، تو جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک مینڈھا لئے کھڑے تھے۔

ذبیح کون؟ اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام یا اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام؟

اہل علم مفسرین ومؤرخین کا اس بات میں شدید اختلاف ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں یا حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام، جلال الدین سیوطی اپنے ایک رسالہ "**القول الفصيح في تعيين الذبيح**" میں فرماتے ہیں کہ علی، وابن عمر، وابو ہریرہ، وابو الطفیل، وسعید بن جبیر، ومجاہد، والشعبی، ویوسف بن مہران، والحسن بصری، ومحمد بن کعب القرظی، وسعید بن المسیب، وابو جعفر الباقر، وابو صالح، والربیع بن انس، والکلبی، وابو عمرو بن العلاء، واحمد بن حنبل وغیر ہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم

کے نزدیک ذبیح حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں نہ کہ حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی دو روایتوں میں سے ایک روایت بھی یہی ہے، محدثین کی اکثریت نے اسی قول کو ترجیح دی ہے، اور ابو حاتم نے کہا ہے کہ یہی صحیح ہے۔ (روح المعانی)

عن عبداللہ بن سعید الصنابحی قال عبداللہ بن سعید، صنابحی فرماتے ہیں کہ ہم ایک روز حضرت امیر معاویہ کی مجلس میں حاضر تھے، لوگوں میں اس بات پر بحث چھڑ گئی کہ ذبیح کون ہے؟ اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام یا اسحاق علیہ الصلوٰۃ والسلام؟ بعض نے کہا اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اور بعض نے کہا اسحاق علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت امیر معاویہ نے فرمایا تم واقف کار کے پاس آئے، اور فرمایا ایک روز ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو ایک اعرابی آیا تو اس نے کہا: **خَلفتُ الْکَلأ یَابِسًا وَالْمَاءَ عَابِسًا هَلَكَ العیال وضاع المال، فعُدْ عَلَیَّ مِمَّا اَفَاءَ اللّٰہ تعالٰی عَلَیكَ یا ابن الذَّبیحَیْنِ فتبسَّمَ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم وَلَمْ یُنْکِرْ علیه فقال القوم مَن الذبیحان یا امیر المؤمنین؟ قال اِن عبد المطلب لَمَّا اُمِرَ بحَفْر زمزم نذَرَ لِلّٰہ تعالٰی اِنْ سهل امرها یَنْحر بعضَ بنیهِ فَلَمَّا فرغ اَسْهَمَ بینهم فکانوا عشرة فخرج السهم علی عبد اللّٰہ فاراد اَنْ ینحرهٗ فمنَعَ اخوالُهٗ بنو مخزوم وقالوا! اِرْضَ رَبَّكَ وافْدِ ابنكَ ففداهُ بمأةِ ناقةٍ قال هٰذا واحِد والآخر اسماعیل** (ترجمہ) اے ابن الذبیحین میں گھاس کو سوکھا ہوا اور پانی کو روٹھا ہوا چھوڑ کر آیا ہوں، مال وعیال سب ضائع ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو کچھ عطا فرمایا ہے، اس میں سے مجھے بھی کچھ دیجئے، آپ ﷺ نے (یا ابن الذبیحین) کا کلمہ سن کر تبسم فرمایا اور اس کا انکار نہیں فرمایا، حاضرین نے حضرت امیر معاویہ سے دریافت کیا اے امیر المومنین! ابن الذبیحین کون ہے؟ آپ نے فرمایا، عبدالمطلب کو جب چاہ زمزم کو کھودنے کا حکم دیا گیا تو خواجہ عبدالمطلب نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ میرے معاملہ کو آسان فرما دے گا۔ (یعنی کامیابی عطا فرمائے گا) تو اپنے بیٹوں میں سے ایک بیٹے کو ذبح کروں گا (چنانچہ جب کامیابی حاصل ہوگئی) تو (اپنے چھوٹے بیٹے عبداللہ) کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا اس لئے کہ قرعہ انہی کے نام نکلا تھا، مگر حضرت عبداللہ کے ننہیالی مخزومی آڑے آئے، اور کہا اپنے رب کو اس کے عوض فدیہ دیکر راضی کرلو، چنانچہ سو اونٹ فدیہ میں ذبح کر کے نذر پوری فرمائی، اور حضرت امیر معاویہ نے فرمایا یہ ایک ذبیح ہیں اور دوسرے اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اگر میرے دس بیٹے پورے ہو جائیں گے تو ایک کو ذبح کروں گا، لہٰذا یہ شبہ بھی ختم ہو گیا کہ عبداللہ چاہ زمزم کھودنے کے وقت پیدا نہیں ہوئے تھے، اہل علم کا ایک طبقہ وہ ہے جو حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ذبیح مانتا ہے، ان میں حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عباس، حضرت ابن عباس کعب الاحبار، سعید بن الجبیر، قتادہ، مسروق، عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، عطاء، مقاتل، زہری، سدی رحمہم اللہ تعالیٰ شامل ہیں۔

بعد کے مفسرین میں سے حافظ ابن جریر طبری نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے، اور حافظ ابن کثیر وغیرہ نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے، اور دوسرے قول کی سختی سے تردید فرمائی ہے، یہاں طرفین کے دلائل پر مکمل تبصرہ تو ممکن نہیں تاہم قرآن کریم کے اسلوب

بیان اور روایات کی قوت کے لحاظ سے راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جن صاحبزادے کے ذبح کا حکم دیا گیا وہ حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے، اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

❶ قرآن کریم نے بیٹے کی قربانی کا پورا واقعہ نقل کرنے کے بعد فرمایا وَبَشَّرْنَاهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (اور ہم نے ان کو اسحٰق کی بشارت دی کہ وہ نبی اور نیک لوگوں میں سے ہوں گے) اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس بیٹے کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا وہ حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ کوئی اور تھا، اور حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشارت اس کی قربانی کے واقعہ کے بعد دی گئی۔

❷ حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اسی بشارت میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام نبی ہوں گے اس کے علاوہ ایک دوسری آیت میں مذکور ہے کہ حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش کے ساتھ یہ بشارت بھی دی گئی تھی کہ ان سے حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدا ہوں گے (فَبَشَّرْنَاهُ بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ) اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ بڑی عمر تک زندہ رہیں گے، یہاں تک کہ صاحب اولاد ہوں گے، پھر انہی کو بچپن میں ذبح کرنے کا حکم کیونکر دیا جاسکتا تھا؟ اور اگر ان ہی کو بچپن میں نبوت کے قبل ذبح کرنے کا حکم دیا جاتا تو ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سمجھ جاتے کہ انہیں تو ابھی منصب نبوت پر فائز ہونا ہے، اور ان کی صلب سے حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش مقدر ہے، اس لئے ذبح کرنے سے انہیں موت نہیں آسکتی، ظاہر ہے کہ اس صورت میں نہ یہ کوئی بڑا امتحان ہوتا اور نہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کی انجام دہی میں کسی تعریف وتوصیف کے مستحق، جبکہ قرآن اس کو بـلاء مبیـن قرار دے رہا ہے، امتحان تو اسی صورت میں ممکن ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پوری طرح یہ سمجھے ہوئے ہوں کہ میرا یہ بیٹا ذبح کرنے سے ختم ہو جائے گا، اور اس کے بعد پھر بھی وہ ذبح کا اقدام کریں، یہ تو ایسا ہی ہے کہ اگر کوئی شخص پیروں پر کوئی ایسا کیمیکل یا مصالحہ لگالے کہ جس کی وجہ سے آگ اثر نہ کرے اور پھر وہ آگ کے شعلوں پر چلے تو یہ اس کی نہ کوئی آزمائش ہے اور نہ کوئی کمال، اور نہ کوئی قابل تعریف بات، اس لئے کہ اسے یہ معلوم ہے، کہ وہ اس مصالحہ کی وجہ سے آگ پر چلنے سے نہیں جلے گا، کمال تو جب ہے کہ وہ یہ سمجھے ہوئے ہو کہ آگ پر قدم رکھنے سے یقیناً جل جائے گا، اس کے باوجود آگ پر چلنے لگے، اور حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں یہ بات پوری طرح صادق آتی ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے زندہ رہنے، اور نبی بننے کی کوئی پیشین گوئی نہیں فرمائی تھی۔

❸ قرآن کریم کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا وہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پہلا بچہ تھا، اس لئے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے وطن سے ہجرت کرتے وقت ایک بیٹے کی دعاء کی تھی، اس دعا کے جواب میں انہیں یہ بشارت دی گئی کہ ان کے یہاں ایک حلیم لڑکا پیدا ہوگا، اور اسی لڑکے کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ جب وہ باپ کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہوگیا تو اسے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا، یہ پورا واقعاتی سلسلہ بتا رہا ہے کہ وہ لڑکا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پہلا بیٹا تھا، ادھر یہ بات متفق علیہ ہے کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پہلے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، اور حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے دوسرے صاحبزادے ہیں، اس کے بعد اس میں کوئی شبہ باقی

نہیں رہتا کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی تھے۔

❹ یہ بات بھی تقریباً طے شدہ ہے کہ بیٹے کی قربانی کا یہ واقعہ مکہ مکرمہ کے آس پاس پیش آیا، اس کے علاوہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صاحبزادے کے فدیہ میں جو مینڈھا جنت سے بھیجا گیا، اس کے سینگ سالہا سال تک کعبہ شریف کے اندر لٹکے رہے ہیں، حافظ ابن کثیر نے اس کی تائید میں کئی روایتیں نقل کی ہیں، اور حضرت عامر شعبی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ میں نے اس مینڈھے کے سینگ کعبہ میں خود دیکھے ہیں (ابن کثیر ص، ج۴) حضرت سفیان رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ سینگ کعبہ میں موجود رہے، حتی کہ حجاج بن یوسف کے زمانہ میں حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بیت اللہ سے نکالنے کے لئے بیت اللہ میں آتش زنی ہوئی تو اس وقت وہ سینگ بھی جل گئے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ مکہ مکرمہ میں حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام قیام فرما تھے نہ کہ حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام، اس سے بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں نہ کہ اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

مذکورہ دعوے کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ محمد بن کعب نے ذکر کیا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک یہودی عالم کو بلایا جو مسلمان ہوگیا، اور بہت خوب مسلمان ہوا تھا، اس نو مسلم یہودی عالم سے دریافت کیا کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دونوں صاحبزادوں میں سے کون سے صاحبزادے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا؟ تو اس نے جواب دیا، اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو، اور اس نے کہا واللہ یا امیر المومنین یہود اس بات سے بخوبی واقف ہیں، لیکن وہ آپ لوگوں سے حسد کرتے ہیں۔ (روح المعانی)

ابن کثیر نے ذکر کیا ہے کہ تورات کے بعض نسخوں میں، وحیدك کے بجائے بکرك ہے، یہ لفظ اکلوتے کے مفہوم کو اچھی طرح واضح کرتا ہے اور اس میں کسی تاویل کی گنجائش بھی نہیں ہے، جیسا کہ بعض لوگ وحیدک میں کرتے ہیں، وہیں وہ روایتیں جو مختلف صحابہ و تابعین کے بارے میں ہیں، کہ انہوں نے ذبیح حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قرار دیا ہے، سو ان کے بارے میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے۔

''اللہ ہی بہتر جانتا ہے، لیکن بظاہر یہ سارے اقوال کعب الاحبار سے ماخوذ ہیں اس لئے کہ جب وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں اسلام لائے تھے، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی پرانی کتابوں کی باتیں سنانے لگے، بعض اوقات حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی باتیں سن لیتے تھے، اس سے اور لوگوں کو بھی گنجائش ملی، اور انہوں نے بھی ان کی روایات سن کر انہیں نقل کرنا شروع کر دیا، ان روایات میں ہر طرح کی رطب و یابس باتیں جمع تھیں، اور اس امت کو ان باتوں میں سے ایک کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ (واللہ اعلم)۔ (تفسیر ابن کثیر، ص۱۷، ج٤)

حافظ ابن کثیر کی یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ذبیح قرار دینے کی بنیاد اسرائیلی روایات ہی پر ہے، اسی لئے یہود و نصاریٰ حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بجائے حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ذبیح قرار دیتے ہیں، موجودہ بائبل میں یہ واقعہ ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

''ان باتوں کے بعد یوں ہوا کہ خدا نے ابرام کو آزمایا، اور اس سے کہا اے ابرام! اس نے کہا میں حاضر ہوں، تب اس نے کہا کہ تو اپنے بیٹے اضحاق کو جو تیرا اکلوتا ہے اور جسے تو پیار کرتا ہے، ساتھ لے کر موریاہ کے ملک میں جا اور وہاں اسے پہاڑوں

میں سے ایک پہاڑ پر جو میں تجھے بتاؤں گا سوختنی قربانی کے طور پر چڑھا''۔ (پیدائش، ۲۲:۱و۲)

اس میں ذبح کا واقعہ حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب کیا گیا ہے، لیکن اگر انصاف سے کام لیا جائے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں یہودیوں نے اپنے روایتی تعصب سے کام لے کر تورات کی عبادت میں تحریف کا ارتکاب کیا ہے، اس لئے کہ تورات کی کتاب پیدائش کی مذکورہ عبارت ہی میں ''جو تیرا اکلوتا ہے'' کے الفاظ بتا رہے ہیں، کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جس بیٹے کی قربانی کا حکم دیا گیا، وہ ان کا اکلوتا بیٹا تھا''۔

اسی باب میں آگے چل کر پھر لکھا ہے:

''تو نے اپنے بیٹے کے بارے میں بھی جو تیرا اکلوتا ہے دریغ نہ کیا''۔ (پیدائش، ۲۲:۱۳)

اس جملہ میں بھی یہ صراحت موجود ہے کہ وہ بیٹا جس کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا وہ اکلوتا تھا، ادھر یہ بات طے شدہ ہے کہ حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام اکلوتے بیٹے نہیں تھے، کسی پر اکلوتے کا اطلاق ہو سکتا ہے تو وہ اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی ہیں، اور خود کتاب پیدائش کی دوسری عبارتیں بھی اس کی شہادت دیتی ہیں، کہ حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے ہو چکی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

''اور ابرام کی بیوی سارہ کے کوئی اولاد نہ ہوئی، اس کی ایک مصری لونڈی تھی، جس کا نام ہاجرہ تھا، اور وہ ہاجرہ کے پاس گیا، اور وہ حاملہ ہوئی، اور خداوند کے فرشتہ نے اس سے کہا کہ تو حاملہ ہے، اور تیرے بیٹا ہوگا، اس کا نام اسماعیل رکھنا، اور جب ابرام سے ہاجرہ کے اسماعیل پیدا ہوا تب ابرام چھیاسی برس کا تھا''۔ (پیدائش، باب ۱۶، آیات ۱، ۴، ۱۰، ۱۶)

نیز اگلے باب میں لکھا ہے:

''اور خدا نے ابرام سے کہا کہ سارہ جو تیری بیوی ہے، اس سے بھی تجھے ایک بیٹا بخشوں گا، تب ابرام سرنگوں ہوا، اور ہنس کر دل میں کہنے لگا کیا سو برس کے بڈھے سے کوئی بچہ ہوگا؟ اور سارہ سے جو نوے برس کی ہے اولاد ہوگی؟ اور ابرام کہ بیشک تیری بیوی سارہ کے تجھ سے بیٹا ہوگا تو اس کا نام اضحاق رکھنا''۔ (پیدائش ۱۷: ۱۵ تا ۲۰)

اس کے بعد حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش کا تذکرہ اس طرح کیا گیا ہے:

''اور جب اس کا بیٹا اضحاق اس سے پیدا ہوا، تو ابرام سو برس کا تھا''۔

ان عبارتوں سے صاف واضح ہے کہ حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے چودہ سال چھوٹے تھے، اور اس چودہ سال کے عرصہ میں حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اکلوتے تھے، اس کے برخلاف حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کوئی ایسا وقت نہیں گذرا کہ جس میں وہ اکلوتے رہے ہوں، اب جب اس کے بعد کتاب پیدائش کے بائیسویں باب میں بیٹے کی قربانی کا ذکر آتا ہے، تو اس میں اکلوتے کا لفظ صاف شہادت دے رہا ہے، کہ اس سے مراد اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، اور کسی یہودی نے اس کے ساتھ اضحاق کا لفظ محض اس لئے بڑھا دیا ہے کہ یہ فضیلت بنو اسماعیل کے بجائے بنو اسحٰق کو حاصل ہو۔

اس کے علاوہ بائبل کی اسی کتاب پیدائش میں جہاں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش

کی خوشخبری دی گئی ہے، وہاں یہ بھی مذکور ہے، یقیناً میں اسے (یعنی حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام کو) برکت دوں گا کہ قومیں اس کی نسل سے ہوں گی''۔ (پیدائش: ۱۶،۱۷)

اب ظاہر ہے کہ جس بیٹے کے بارے میں اس کی پیدائش سے پہلے ہی یہ خبر دی جا چکی ہو کہ وہ صاحب اولاد ہوگا، اور قومیں اس کی نسل سے ہوں گی، اس کی قربانی کرنے کا حکم کیسے دیا جا سکتا ہے؟ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام سے متعلق نہیں کیا، بلکہ حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے متعلق تھا، مذکورہ دلائل کی روشنی میں یہ بات تقریباً یقینی ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی تھے۔ (واللہ اعلم)۔ (روح المعانی، فتح القدیر شوکانی، معارف)

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰی مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ بالنُّبوةِ **وَنَجَّیْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا** بني اسرائيلَ **مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ** اى استِعبادِ فرعونَ إيَّاهم **وَنَصَرْنٰهُمْ** على القبطِ **فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِیْنَ وَاٰتَیْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِیْنَ** البليغَ البيانِ فيما أتي به من الحُدودِ والاحكامِ وغيرِهما وهو التوراةُ **وَهَدَیْنٰهُمَا الصِّرَاطَ** الطريقَ **الْمُسْتَقِیْمَ وَتَرَكْنَا** أبقَينا **عَلَیْهِمَا فِی الْاٰخِرِیْنَ** ثناءً حسنًا **سَلٰمٌ** منا **عَلٰی مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ اِنَّا كَذٰلِكَ** كما جزَيْنَاهُما **نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ وَاِنَّ اِلْیَاسَ** بالهمزِ أوَّله وتركِه **لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ** قيلَ هو ابنُ أخي هارونَ اخي موسٰى وأُرسلَ الى قومٍ ببعلَبَكَّ ونواحيها **اِذْ** منصوب باذكُر مقدرًا **قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَلَا تَتَّقُوْنَ** اللّٰهَ **اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا** اسمُ صنمٍ لهُم من ذهبٍ وبه سُمّي البلدُ مضافا الى بَكَّ اى أتعبدونه **وَتَذَرُوْنَ** تتركونَ **اَحْسَنَ الْخٰلِقِیْنَ** فلا تعبُدونه **اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِیْنَ** برفعِ الثلاثةِ على اضمارِ هو وبنصبِها على البدلِ مِن أحسنَ **فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ** في النار **اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ** اى المؤمنينَ منهم فانهم نَجَوْا منها **وَتَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ** ثناءً حسنًا **سَلٰمٌ** منَّا **عَلٰۤی اِلْ یَاسِیْنَ** هو الياسُ المتقدمُ ذِكره وقيل هو ومَن اٰمَن معه فجُمِعُوا معه تغليبًا كقولهم لِلمُهَلَّبِ وقومه المُهَلَّبونَ وعلى قراءةِ اٰلِ ياسينَ بالمدِّ اى اهله المرادُ به الياس ايضا **اِنَّا كَذٰلِكَ** كما جزَيْنَاه **نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ** أذكر **اِذْ نَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ اِلَّا عَجُوْزًا فِی الْغٰبِرِیْنَ** الباقِينَ في العذابِ **ثُمَّ دَمَّرْنَا** أهلكنا **الْاٰخَرِیْنَ** كُفَّار قومِه **وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَیْهِمْ** اى على اٰثارِهم ومنازِلِهِمْ في أسفارِكُم **مُّصْبِحِیْنَ** اى وقتَ الصَّباحِ يَعْنِيْ بالنَّهارِ **وَبِالَّیْلِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ** يا اهلَ مكةَ ما حَلَّ بهم فتعتَبِرُوْنَ به.

ترجمہ: اور یقیناً ہم نے موسیٰ و ہارون پر نبوت دے کر بڑا احسان کیا اور ان دونوں کو اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو بڑے غم (مصیبت) سے نجات دی، یعنی فرعون کے ان کو غلام بنانے سے، اور ہم نے قبطیوں کے مقابلہ میں ان کی مدد کی

تو وہی غالب رہے اور ہم نے ان کو احکام وحدود وغیرہ میں جو اس میں بیان ہوئے ہیں واضح البیان کتاب عطا کی اور وہ تورات ہے اور ہم نے ان دونوں کو راہ مستقیم کی ہدایت دی اور ہم نے ان کے لئے بعد والوں میں ذکر خیر باقی رکھا، اور ہم اسی طرح جس طرح ان کو صلہ دیا نیک کام کرنے والوں کو صلہ دیا کرتے ہیں، بلاشبہ وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے اور بلاشبہ الیاس علیہ الصلوٰۃ والسلام (بھی) مرسلین میں سے ہیں، اس کے شروع میں ہمزہ اور بدون ہمزہ (دونوں ہیں) کہا گیا ہے کہ الیاس موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھائی ہارون کے بھتیجے تھے بَعْلَبَكَّ اور اس کے اطراف کی قوم کی جانب مبعوث ہوئے تھے، اس وقت کو یاد کیجئے جبکہ (الیاس علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے اپنی قوم سے فرمایا کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو؟ کیا تم بعل (نامی بت) کو پکارتے ہو، بعل ان کے ایک سنہری بت کا نام ہے، اور اسی کے نام پر (بعلبک) شہر کا نام رکھا گیا بَكَّ کی جانب اضافت کرکے یعنی تم اس کی بندگی کرتے ہو اور سب سے بہتر خالق کو چھوڑ دیتے ہو، کہ اس کی بندگی نہیں کرتے (وہ) اللہ ہے جو تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا رب ہے هُوَ محذوف ماننے کی صورت میں تینوں کے رفع کے ساتھ اور ان کے نصب کے ساتھ اَحْسَنَ سے بدل کی صورت میں، مگر قوم نے اس کو جھٹلا دیا وہ لوگ آگ میں حاضر کئے جائیں گے، سوائے اللہ تعالیٰ کے مخلص یعنی ان میں سے مومن بندوں کے وہ آگ سے نجات پائیں گے، اور ہم نے الیاس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بعد والوں میں بھی ذکر خیر باقی رکھا، الیاسین پر ہماری طرف سے سلام ہو یہ وہی الیاس ہیں جن کا ذکر سابق میں ہوا ہے، اور کہا گیا ہے کہ الیاس علیہ الصلوٰۃ والسلام اور وہ جو ان پر ایمان لائے تھے (مراد ہیں) لہٰذا ان کے ساتھ تغلیباً جمع لائی گئی ہے، جیسا کہ مُهَلَّبْ اور اس کی قوم کو (جمع کے طور پر) مُهَلَّبُوْنَ کہتے ہیں، اور ایک قراءت میں آل یٰسین مد کے ساتھ ہے یعنی ان کے اہل اس سے الیاس مراد ہیں ہم اسی طرح جیسا کہ ان کو صلہ دیا نیکوکاروں کو صلہ دیتے ہیں بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے ہیں، اور بے شک لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی پیغمبروں میں سے تھے اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے ان کو اور ان کے سب اہل خانہ کو نجات دی، سوائے ایک بڑھیا کے جو عذاب میں مبتلا ہونے والوں میں باقی رہ گئی پھر ہم نے دوسروں (یعنی) اس کی قوم کے کافروں کو ہلاک کردیا اور تم تو ان پر یعنی اپنے اسفار کے دوران ان کے نشانات (خرابات) اور مکانات پر سے صبح کے وقت یعنی دن میں اور (کبھی) رات میں گذرتے ہو پھر بھی تم اے اہل مکہ نہیں سمجھتے کہ ان پر کیا (قیامت) گذری؟ کہ تم اس سے عبرت حاصل کرو۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلُہٗ: وَلَقَدْ مَنَنَّا یہ جملہ مستانفہ ہے مقصد یہاں سے تیسرے قصہ کا بیان ہے، اس صورت میں واؤ استینافیہ ہوگا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عطف قصہ علی القصہ ہو اس صورت میں واؤ عاطفہ ہوگا، لام جواب قسم کے لئے ہے، قسم محذوف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے وَعِزَّتِنَا وجَلالِنا لَقَدْ مَنَنَّا.

قَوْلُہٗ: وَنَصَرْنَا هُمْ، ھم ضمیر کا مرجع موسیٰ وہارون علیہما السلام اور ان کی قوم ہے۔

قَوْلُہٗ: فَکَانُوْا هُمُ الغَالِبُوْنَ، ھم ضمیر فصل ہے اس کا کوئی محل اعراب نہیں ہے اور الغالبون کانوا کی خبر ہے، اور بعض نے ھم کو کانوا کے واؤ کی تاکید یا بدل بھی قرار دیا ہے۔ (اعراب القرآن)

قَوْلُہٗ: سَلَامٌ عَلٰی مُوْسٰی وھَارُوْنَ، سلامٌ مبتداء ہے، تنوین تعظیم کے لئے لہٰذا نکرہ کا مبتداء واقع ہونا صحیح ہے، خبر محذوف ہے اور وہ مِنَّا ہے اور علٰی موسیٰ وھارون، سلامٌ کے متعلق ہیں، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ علٰی موسٰی وھارون کائنٌ کے متعلق ہو کر مبتداء کی خبر ہو۔

قَوْلُہٗ: وَاِنَّ الیاسَ واؤ استینافیہ ہے اور عاطفہ بھی ہوسکتا ہے اس صورت میں عطف قصہ علی القصہ ہوگا۔

قَوْلُہٗ: بالھمز اَوَّلِہٖ وترکِہٖ یعنی ہمزۂ وصل وقطع دونوں درست ہیں، دونوں صورتوں کے جواز کی وجہ یہ ہے کہ اِلیاس عجمی کلمہ ہے عربی میں استعمال ہونے لگا ہے، اس لئے ہمزہ کے قطعی یا وصلی ہونے کو متعین نہ کرسکے، اسی وجہ سے دونوں قراءتیں جائز ہیں۔ (صاوی)

قَوْلُہٗ: اِلَّا عِبَادَ اللّٰہِ المُخلَصِینَ فانَّھم نجوا منھا سے اشارہ کیا کہ اِلَّا عبادَ اللّٰہِ الخ محضرون کے واؤ سے مستثنیٰ ہے، یعنی جن لوگوں نے حضرت الیاس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تکذیب کی ان کو جہنم میں حاضر کیا جائے گا، البتہ جنہوں نے تکذیب سے توبہ کرلی ان کو جہنم میں حاضر نہ کیا جائے گا، صاحب لغات القرآن نے کہا ہے کہ کذّبوا کی ضمیر سے مستثنیٰ متصل ہے، اور مخلصین، عِبادَ اللّٰہ کی صفت ہے، جلالین کے محشی لکھتے ہیں کہ اِلَّا عبادَ اللّٰہِ المخلصینَ بظاہر مُحْضَرُوْنَ سے استثناء ہے، مگر یہ درست نہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ کذّبوا کے واؤ سے استثناء ہے، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت الیاس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے تکذیب نہیں کی، اسی وجہ سے اِلَّا عبادَ اللّٰہ سے استثناء کردیا اور مُحْضَرُوْنَ سے استثناء اس لئے درست نہیں کہ اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ مکذبین میں سے بعض کو مخلص بندوں میں سے ہونے کی وجہ سے حاضر نہیں کیا جائے گا، اور یہ ظاہر الفساد ہے، اور مستثنیٰ منقطع درست نہیں ہے، اس لئے کہ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جن کو حاضر نہیں کیا جائے گا وہ قوم الیاس میں سے نہیں ہیں، اس میں فساد نظم کلام ظاہر ہے۔

تفسیر وتشریح

ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذبح سے نجات اور ان پر احسان کے بیان سے فراغت کے بعد اب ان انعامات کا ذکر فرما رہے ہیں، جو حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام پر فرمائے، ان نعمتوں میں جو اللہ تعالیٰ نے ان حضرات پر فرمائیں سب سے زیادہ اہم اور افضل نبوت ہے، اس کے بعد فرعون کے ذلت آمیز غلامی سے نجات کا ذکر ہے، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ متعدد مقامات پر تفصیل واجمال کے ساتھ بیان ہوا ہے، یہاں واقعہ کی طرف صرف اشارہ ہے،

یہاں اس واقعہ کو ذکر کرنے سے اصل یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مخلص برگزیدہ اور اطاعت شعار بندوں کی کس طرح مدد فرماتے ہیں، اور انہیں کیسے کیسے انعامات سے نوازتے ہیں، انعامات کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک مثبت انعامات یعنی فائدہ پہنچانا وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰی مُوسٰی وھارُوْنَ میں اسی انعام کی طرف اشارہ ہے، دوسری قسم منفی انعامات، یعنی نقصان سے بچانا، اگلی آیت میں اسی کی تفصیل ہے۔

حضرت الیاس علیہ الصلوٰۃ والسلام:

وَاِنَّ اِلْیَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اس سورت میں مذکور قصوں میں سے یہ چوتھا قصہ ہے، حضرت الیاس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قرآن کریم میں صرف دو جگہ ذکر آیا ہے، ایک سورۂ انعام میں اور دوسرے سورۂ صافات کی انہی آیتوں میں، سورۂ انعام میں تو صرف انبیاء علیہم السلام کی فہرست میں آپ کا اسم گرامی شمار کرایا گیا ہے، اور کوئی واقعہ ذکر نہیں کیا گیا، البتہ یہاں نہایت اختصار کے ساتھ آپ کی دعوت وتبلیغ کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے۔

چونکہ قرآن کریم میں حضرت الیاس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات تفصیل سے مذکور نہیں ہیں، اور نہ مستند احادیث میں آپ کے حالات کا تذکرہ ہے، روایات میں جس قدر بھی آپ کے حالات ملتے ہیں ان میں سے بیشتر اسرائیلی روایات سے ماخوذ ہیں، مفسرین میں سے ایک مختصر جماعت کا کہنا یہ ہے کہ الیاس، حضرت ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کا دوسرا نام ہے، اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ الیاس اور خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک ہی ہیں۔ (درمنثور) لیکن محققین نے ان اقوال کی تردید کی ہے، حافظ ابن کثیر نے بھی اپنی تاریخ میں اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔

زمانۂ بعثت اور مقام:

قرآن وحدیث سے یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ آپ کہاں اور کب مبعوث ہوئے تھے؟ لیکن تاریخی اور اسرائیلی روایات اس پر تقریباً متفق ہیں کہ آپ حضرت حزقیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد اور حضرت یسع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے، یہ وہ زمانہ تھا کہ جب حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانشینوں کی بدکاری کی وجہ سے بنی اسرائیل کی سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی تھی، ایک حصہ ''یہودیہ'' کہلاتا تھا، اس کا مرکز بیت المقدس تھا، اور دوسرا حصہ ''اسرائیل'' کہلاتا تھا، اور اس کا پایہ تخت سامرہ، موجودہ نابلس تھا، حضرت الیاس علیہ الصلوٰۃ والسلام اردن کے علاقہ جلعاد میں پیدا ہوئے تھے، اس وقت اسرائیل کے ملک میں جو بادشاہ حکمراں تھا اس کا نام بائبل میں اَخی اب اور عربی تاریخ وتفاسیر میں اجب یا اَحب مذکور ہے، اس کی بیوی ایزبل، بعل نامی ایک بت کی پرستار تھی، اور اس نے اسرائیل میں بعل کے نام پر ایک بڑی قربان گاہ تعمیر کر کے تمام بنی اسرائیل کو بت پرستی کے راستہ پر لگادیا تھا، حضرت الیاس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ کی طرف سے حکم ہوا کہ وہ اس خطہ میں جا کر توحید کی تعلیم دیں، اور اسرائیلیوں کو بت پرستی سے روکیں۔ (تفسیر ابن جریر، وابن کثیر، مظھری اور بائبل کی کتاب سلاطین، معارف)

قوم کے ساتھ کشمکش:

دوسرے انبیاء علیہم السلام کو بھی اپنی قوم کے ساتھ شدید کشمکش سے دوچار ہونا پڑا، قرآن کریم چونکہ کوئی تاریخ کی کتاب نہیں ہے، اس لئے اس نے اس کشمکش کا مفصل حال بیان کرنے کے بجائے صرف اتنی بات بیان فرمائی جو عبرت اور موعظت کے لئے ضروری تھی، یعنی یہ کہ ان کی قوم نے ان کو جھٹلایا اور چند مخلص بندوں کے سوا کسی نے حضرت الیاس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بات نہ مانی، اس لئے آخرت میں انہیں ہولناک انجام سے دوچار ہونا پڑے گا۔

بعض مفسرین نے یہاں اس کشمکش کے مفصل حالات بیان فرمائے ہیں، مروجہ تفاسیر میں حضرت الیاس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سب سے زیادہ مفصل تذکرہ تفسیر مظہری میں علامہ بغوی کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے، اس میں جو واقعات مذکور ہیں وہ تقریباً تمام تر بائبل سے ماخوذ ہیں، دوسری تفسیروں میں بھی ان واقعات کے بعض اجزاء حضرت وہب بن منبہ اور کعب الاحبار وغیرہ کے حوالہ سے بیان ہوئے ہیں، جو اکثر اسرائیلی روایات سے نقل کرتے ہیں۔ (معارف)

ان تمام روایات سے خلاصہ کے طور پر جو بات قدر مشترک نکلتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت الیاس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسرائیل کے بادشاہ اخی اب اور اس کی رعایا کو بعل نامی بت کی پرستش سے روک کر توحید کی دعوت دی، مگر چند حق پسندوں کے سوا کسی نے آپ کی دعوت قبول نہیں کی، بلکہ آپ کو طرح طرح سے پریشان کرنے کی کوشش کی، یہاں تک کہ اخی اب اور اس کی بیوی ایزبل نے آپ کے قتل کے منصوبے بنائے، آپ نے ایک دور افتادہ غار میں پناہ لی، اور عرصہ دراز تک وہیں مقیم رہے، اس کے بعد آپ نے دعا فرمائی کہ اسرائیلی قحط کا شکار ہو جائیں تاکہ اس قحط سالی کو دور کرنے کے لئے آپ ان کو معجزات دکھائیں تو شاید وہ ایمان لے آئیں، چنانچہ انہیں شدید قحط میں مبتلا کر دیا گیا۔

اس کے بعد حضرت الیاس علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسرائیل کے بادشاہ اخی اب سے ملے اور اس سے کہا یہ عذاب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے ہے، اور اگر تم اب بھی باز آ جاؤ تو عذاب دور ہو سکتا ہے، میری صداقت کے امتحان کا بھی یہ بہترین موقع ہے، تم کہتے ہو کہ اسرائیل میں تمہارے معبود بعل کے ساڑھے چار سو نبی ہیں، تم ایک دن سب کو میرے سامنے جمع کر لو، وہ بعل کے نام پر قربانی پیش کریں، اور میں اللہ کے نام پر قربانی کروں گا، جس کی قربانی کو آسمانی آگ جلا دے اس کا دین سچا ہوگا، سب نے اس تجویز کو منظور کر لیا، چنانچہ کوہ کرمل کے مقام پر یہ اجتماع ہوا، بعل کے جھوٹے نبیوں نے اپنی قربانی پیش کی اور صبح سے دوپہر تک بعل سے التجا کرتے رہے مگر کوئی جواب نہ آیا، اس کے بعد حضرت الیاس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قربانی پیش کی، اس پر آسمانی آگ نازل ہوئی اور اس کو جلا کر خاکستر کر دیا، یہ دیکھ کر سب لوگ سجدے میں گر گئے اور ان پر حق واضح ہو گیا، لیکن بعل کے جھوٹے نبی اب بھی نہ مانے اس لئے حضرت الیاس نے ان کو وادئ قیسون میں قتل کرا دیا۔ (معارف)

اس واقعہ کے بعد زوردار بارش ہوئی اور قحط ختم ہو گیا مگر اخی اب کی بیوی ایزبل کی اب بھی آنکھ نہ کھلی، اور بجائے اس کے کہ ایمان لاتی، حضرت الیاس کے قتل کی تیاری شروع کر دی، حضرت الیاس یہ سن کر پھر سامریہ سے روپوش ہو گئے اور کچھ عرصہ بعد

اسرائیل کے دوسرے ملک یہودیہ میں تبلیغ شروع کردی چند سال بعد آپ دوبارہ اسرائیل تشریف لائے اور اسرائیل کے بادشاہ اخی اب اور اس کے لڑکے اختریاہ کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی مگر وہ بدستور اپنی بداعمالیوں میں مبتلا رہے، یہاں تک کہ انہیں بیرونی حملوں اور مہلک بیماریوں کا شکار بنادیا گیا، اس کے بعد اللہ نے اپنے نبی کو واپس بلالیا۔

کیا حضرت الیاس علیہ الصلوٰۃ والسلام زندہ ہیں؟

حضرت الیاس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موت وحیات کا مسئلہ اہل علم کے نزدیک مختلف فیہ ہے تفسیر مظہری میں علامہ بغوی کے حوالہ سے جو طویل روایت بیان کی گئی ہے اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت الیاس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک آتشیں گھوڑے پر سوار کر کے آسمان کی طرف اٹھالیا گیا، اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح زندہ ہیں، چار انبیاء ایسے ہیں جو زندہ ہیں، دو زمین پر ہیں حضرت خضر اور حضرت الیاس، اور دو آسمانوں میں حضرت عیسیٰ اور حضرت ادریس (درمنثور، ص ۲۸۵/۲۸۶، ج ۵) لیکن حافظ ابن کثیر جیسے محقق علماء نے ان روایات کو صحیح قرار نہیں دیا، حافظ ابن کثیر ان جیسی روایات کے بارے میں لکھتے ہیں: وَهُوَ مِنَ الإسرَائیلیَاتِ الَّتِیْ لَا تُصَدَّقُ وَلَا تُكَذَّبُ بَلِ الظَّاهِرُ اَنَّ صِحَّتَهَا بَعِيْدَةٌ یہ اسرائیلی روایتوں میں سے ہے، جن کی نہ تصدیق کی جاسکتی ہے نہ تکذیب، بلکہ ظاہر یہ ہے کہ ان کی صحت بعید ہے۔ (البداية والنهاية، ص ۳۳۸، ج ۱)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کعب الاحبار اور وہب بن منبہ جیسے علماء نے جو اہل کتاب کے علوم کے ماہر تھے، یہی روایتیں مسلمانوں کے سامنے بیان کی ہوں گی جن سے حضرت الیاس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کا نظریہ بعض مسلمانوں میں بھی پھیل گیا، ورنہ قرآن وحدیث میں ایسی کوئی دلیل نہیں ہے، جس سے حضرت الیاس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی یا آسمان پر اٹھایا جانا ثابت ہوتا ہو، صرف ایک روایت مستدرک حاکم میں ملتی ہے، جس میں مذکور ہے کہ تبوک کے راستہ میں آنحضرت ﷺ کی ملاقات حضرت الیاس علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہوئی، لیکن یہ روایت بتصریح محدثین موضوع ہے، حافظ ذہبی فرماتے ہیں بَلْ هُوَ مَوْضُوْعٌ قَبَّحَ اللّٰهُ مَنْ وَضَعَهٗ وَمَا كُنْتُ اَحْسَبُ وَلَا اُجَوِّزُ اَنَّ الجهل یبلُغُ بالحاکم الی اَنْ یُصحِحَّ هٰذَا.

بلکہ یہ حدیث موضوع ہے خدا برا کرے اس شخص کا جس نے یہ حدیث وضع کی، اس سے پہلے میرے گمان میں بھی نہ تھا کہ امام حاکم کی بے خبری اس حد تک پہنچ سکتی ہے کہ وہ اس حدیث کو صحیح قرار دیں۔ (درمنثور، ص ۲۸٦، ج ۵)

اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ''بعل'' لغت میں شوہر اور مالک وغیرہ کو کہتے ہیں، لیکن یہاں وہ بت مراد ہے جس کو حضرت الیاس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم نے اپنا معبود بنا رکھا تھا، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں بھی شام کے علاقہ میں اس بت کی پرستش ہوتی تھی، شام کا مشہور شہر بعلبک بھی اسی نام سے موسوم ہوا، اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اہل حجاز کا مشہور بت ہبل بھی یہی بعل ہے۔ (قصص القرآن، ص ۲۸، ج ۲، معارف)

آیت میں خالق سے مراد صانع ہے، احسن الخالقین ''سب سے اچھا خالق'' کا مطلب یہ نہیں کہ معاذ اللہ کوئی دوسرا بھی خالق ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جن جھوٹے معبودوں کو تم نے خالق قرار دیا ہوا ہے، وہ ان سب میں بہتر صانع اور بنانے والا ہے، اس

لئے کہ دیگر صانعین صرف اتنا ہی تو کرتے ہیں کہ مختلف اجزاء کو جوڑ توڑ کر اور حل و ترکیب کرکے کوئی چیز تیار کرتے ہیں، مادہ کو پیدا کرکے کسی شئ کو عدم سے وجود میں لانا ان کے بس کی بات نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ معدوم اشیاء کو وجود بخشنے پر قدرت رکھتے ہیں۔

(بیان القرآن ملخصًا)

سَلَامٌ عَلٰی اِلْ یَاسِیْنَ نافع اور ابن عامر اور یعقوب وغیرہ نے آل یاسین اضافت کے ساتھ پڑھا ہے، اور مصحف عثمانی میں منفصلاً لکھا ہے جس سے اس قراءت کی تائید ہوتی ہے، مشہور یہ ہے کہ الیاسین، الیاس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام ہے، عرب عجمی ناموں کو جب عربی میں استعمال کرتے ہیں تو ان میں کافی ردوبدل اور چھیڑ چھاڑ کرتے ہوئے کافی حذف واضافہ کرلیتے ہیں، جیسے سیناء سے سینین کرلیا، اسی طرح یہاں بھی الیاس کا الیاسین کرلیا، یہودیوں کے نزدیک حضرت الیاس ہی ایلیا کے نام سے مشہور ومعروف ہیں۔

وَاِنَّ لُوْطًا لَمِنَ المرسَلِیْنَ ان آیات میں حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر فرمایا گیا ہے، اس سورت میں مذکور واقعات میں سے یہ پانچواں واقعہ ہے، یہ واقعہ پیچھے کئی مقامات پر گذر چکا ہے، اس لئے یہاں تفصیل کی ضرورت نہیں، یہاں اہل مکہ کو خاص طور پر یہ تنبیہ کی گئی ہے اور ان سے کہا جارہا ہے کہ اے اہل مکہ تم ملک شام کے تجارتی سفر میں ان تباہ شدہ علاقوں سے آتے جاتے گذرتے ہو، جہاں اب بھی بحیرۂ مردار موجود ہے جو کہ نہایت کریہہ و متعفن اور بدبودار ہے، کیا تم انہیں دیکھ کر یہ بات نہیں سمجھتے کہ تکذیب رسل کی وجہ سے ان کا یہ بدانجام ہوا، تو تمہاری اس روش کا انجام بھی اس سے مختلف کیوں ہوگا؟ تم بھی وہی کام کررہے ہو جو انہوں نے کیا، تو پھر تم اللہ کے عذاب سے کیوں محفوظ رہوگے؟

وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِذْ اَبَقَ ہَرَبَ **اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۰﴾** السَّفِينةِ المملوءة حِين غاضَبَ قومَه لَمَّا لم ينزِلْ بهم العذابُ الذى وَعَدَهم به فرَكِبَ السفينةَ فوَقَفتْ فِي لُجَّةِ البحرِ فقال المَلَّاحونَ هُنا عبد اٰبِقٌ مِن سَيِّده تُظْهِرُه القرعةُ **فَسَاهَمَ** قارَعَ اهلُ السَّفِيْنَةِ **فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ﴿۱۴۱﴾** المَغْلُوبِيْنَ بالقُرْعةِ فألْقَوهُ فى البحرِ **فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ** اِبْتَلَعَه **وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۱۴۲﴾** اى اٰتٍ بِمَا يُلامُ عليه من ذِهَابِهِ الى الْبَحْرِ ورُكوبِه السفينةَ بلاَ اِذْنٍ من رَّبِّهٖ **فَلَوْلَاۤ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿۱۴۳﴾** الذَّاكِرِيْنَ بقوله كثيرًا فى بطنِ الحوتِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّى كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ **لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖۤ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾** لَصَارَ بطنُ الحوتِ قبرًا له الى يومِ القيٰمةِ **فَنَبَذْنٰهُ** اَلْقَيْنَاهُ من بطنِ الحوتِ **بِالْعَرَآءِ** بوجهِ الاَرْضِ اى بالسَّاحِلِ مِنْ يومِه او بعدَ ثَلاثةٍ او سَبْعةِ اَيَّامٍ اَوْ عشرين او اَرْبَعِيْنَ يومًا **وَهُوَ سَقِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾** عَلِيْلٌ كالفرخِ المُمعط **وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴿۱۴۶﴾** وهو القَرْعُ تُظِلُّه وهى بِسَاقٍ على خلافِ العادةِ فى القَرعِ معجزةً له وكانت تاتيه وَعِلَةٌ صَبَاحًا ومَسَاءً يشرَب من لَبنِهَا حتى قَوِىَ **وَاَرْسَلْنٰهُ** بعد ذٰلك كقَبْلِه الى قوم بنِينُوى من ارض الموصل **اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ** بل **يَزِيْدُوْنَ ﴿۱۴۷﴾** عِشرين او ثَلاثِيْنَ او سبعينَ اَلْفًا **فَاٰمَنُوْا** عند مُعَايَنَةِ العذابِ المَوْعودين به **فَمَتَّعْنٰهُمْ** اَبْقَيْنَاهم مُتَمَتِّعِيْنَ

النصف

بِمَالِهِمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۴۸﴾ تَنْقَضِى اٰجَالُهُم فيه فَاسْتَفْتِهِمْ اِسْتَخْبِرْ كُفَّارَ مَكَّةَ تَوبِيخًا لَهُم اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ بِزَعْمِهِمْ اَنَّ الملائكةَ بَنَاتُ اللّٰهِ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ فَيَخْتَصُّوْنَ بالابناء اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ خَلْقَنَا فيقولون ذٰلك اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ كَذِبِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَدَ اللّٰهُ بِقَولِهِم الملٰئكةُ بَنَاتُ اللّٰهِ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ فيه اَصْطَفَى بِفَتْحِ الهمزةِ للاستفهامِ واستُغْنِيَ بها عن همزةِ الوصلِ فحُذِفَتْ اى اِخْتَارَ الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ بهذا الحُكْمِ الفاسِدِ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ بِاِدْغَامِ التاءِ فى الذَّالِ انه سبحانه تعالٰى منزَّهٌ عن الولَدِ اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵۶﴾ حجةٌ واضحةٌ ان للّٰهِ ولدًا فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ التورٰة فَارُوْنِى ذٰلك فيه اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ فى قولِكُمْ ذٰلك وَجَعَلُوْا اى المشركُون بَيْنَهٗ تعالٰى وَبَيْنَ الْجِنَّةِ اى الملائكةِ لِاجْتِنَانِهِم عن الابصارِ نَسَبًا بِقَولِهِم اِنَّها بناتُ اللّٰهِ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ اى قائِلِىْ ذٰلك لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ النارَ يُعَذَّبُوْنَ فيها سُبْحٰنَ اللّٰهِ تَنْزِيهًا له عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ بِاَنَّ لِلّٰهِ وَلَدًا اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۰﴾ اى المؤمنين استثناءٌ مُنْقَطِعٌ اى فَاِنَّهم يُنَزِّهُوْنَ اللّٰهَ عما يَصِفُه هؤلاءِ فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ من الاصنام مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ اى على مَعْبُودِكُمْ وعليه متعلقٌ بقوله بِفٰتِنِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ اى احدًا اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۶۳﴾ فى عِلْمِ اللّٰهِ تعالٰى قال جبرئيلُ للنبيِّ صلى اللّٰه عليه وسلم وَمَا مِنَّآ مَعْشَرَ الملائكةِ احدٌ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۱۶۴﴾ فى السمٰوٰتِ يَعْبُدُ اللّٰه سبحانه وتعالٰى فيه لا يَتَجَاوَزُه وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿۱۶۵﴾ اَقْدَامَنا فى الصَّلاة وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ المُنَزِّهُوْنَ اللّٰهَ عما لا يليقُ به وَاِنْ مخفَّفةٌ من الثقيلة كَانُوْا اى كفارُ مكة لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا كتابًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ اى مِنْ كُتُبِ الاُمَمِ المَاضِيِيْنَ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۹﴾ العِبَادَةَ له قال تعالٰى فَكَفَرُوْا بِهٖ اى بالكتابِ الذى جاءَ هم وهو القرانُ الاشرفُ مِنْ تلك الكُتُبِ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ عاقبةَ كُفْرِهِم وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا بالنَّصْرِ لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ وهى لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِىْ او هى قوله اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ وَاِنَّ جُنْدَنَا اى المؤمنين لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ الكفارَ بالحُجَّةِ والنُّصْرَةِ عليهم فى الدنيا وان لم يُنْتَصَرْ بعضٌ منهم فى الدُّنيا ففى الاٰخرة فَتَوَلَّ عَنْهُمْ اَعْرِضْ عن كُفَّارِ مكَّةَ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۴﴾ تُؤْمَرُ فيه بِقِتَالِهِم وَّاَبْصِرْهُمْ اِذَا نَزَلَ بهم العذابُ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۵﴾ عاقبةَ كُفْرِهِم فقالوا اِسْتِهْزَاءً متى نزولُ هذا العذابِ قال تعالٰى تهديدًا لهم اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ بِفِنَائِهِم قال الفَرَّاءُ، العربُ تَكْتَفِىْ بِذِكْرِ السَّاحَةِ عن القَومِ فَسَآءَ بِئْسَ صَبَاحًا صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۷﴾ وفيه اِقَامَةُ الظاهرِ مَقَامَ المُضْمَرِ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۸﴾ وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ كَرَّرَ تاكيدًا لِتَهْدِيدِهِم وتَسْلِيَةً له صلى اللّٰه عليه وسلم سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ الغَلَبَةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ بِاَنَّ له ولدًا وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ المُبَلِّغِيْنَ عن اللّٰهِ التوحيدَ والشرائعَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ

الْعٰلَمِيْنَ علی نصرہم وہلاکِ الکافرینَ.

ترجمہ: بلاشبہ یونس (علیہ السلام بھی) پیغمبروں میں سے ہیں (اس وقت کو یاد کرو) جب (یونس علیہ السلام) بھاگ کر بھری ہوئی کشتی کے پاس پہنچے جبکہ وہ اپنی قوم سے ناراض ہوئے، جب ان پر وہ عذاب نازل نہ ہوا جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا تو کشتی پر سوار ہو گئے کشتی دریا کے بیچوں بیچ جا کر ٹھہر گئی، تو ملاحوں نے کہا کشتی میں کوئی ایسا شخص ہے جو اپنے آقا سے بھاگا ہوا ہے، جس کو قرعہ ظاہر کر دے گا، چنانچہ کشتی والوں نے قرعہ اندازی کی تو یہ قرعہ کے ذریعہ مغلوب ہو گئے، چنانچہ ان کو دریا میں ڈال دیا، تو ان کو مچھلی نے نگل لیا، حال یہ کہ وہ قابل ملامت کام کرنے والے تھے، یعنی اپنے رب کی اجازت کے بغیر دریا کی جانب جانے اور کشتی میں سوار ہونے کا ایسا کام کیا کہ جو قابل ملامت تھا اگر وہ مچھلی کے پیٹ میں بکثرت اپنے قول لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ کے ذریعہ ذکر کرنے والے نہ ہوتے تو مچھلی کے پیٹ میں قیامت تک رہتے (یعنی) مچھلی کا پیٹ قیامت تک ان کے لئے قبر بن جاتا تو ہم نے اس کو مچھلی کے پیٹ سے زمین یعنی ساحل پر اسی دن یا تین دن یا سات دن یا بیس دن یا چالیس دن بعد ڈال دیا اور وہ مضمحل تھے جیسا کہ بے بال و پر کا چوزا ہوتا ہے اور ہم نے ان پر (سایہ کے لئے) ایک بیلدار درخت بھی اگا دیا تھا، اور وہ کدو کا درخت تھا جو ان پر سایہ فگن تھا، وہ بیل ان کے معجزے کے طور پر عام بیلوں کے برخلاف تنے دار تھی اور ان کے پاس صبح و شام ایک پہاڑی بکری آتی تھی (یونس علیہ السلام) اس کا دودھ پیتے تھے تا آنکہ آپ قوی ہو گئے، اور ہم نے ان کو اس (واقعہ) کے بعد پہلے کے مانند علاقہ موصل میں نینوا کے لوگوں کی طرف رسول بنا کر ایک لاکھ بلکہ بیس ہزار یا تیس ہزار یا ستر ہزار سے زیادہ کی طرف بھیجا پھر وہ لوگ اس عذاب کو دیکھ کر جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا ایمان لے آئے تھے، تو ہم نے ان کو ان کے ان اسباب راحت سے جو ان کو حاصل تھے نفع حاصل کرنے کے لئے ایک مدت یعنی مدت عمر ختم ہونے تک زندہ رکھا آپ ان کفار مکہ سے توبیخاً دریافت کیجئے کیا آپ کے رب کے لئے بیٹیاں ہیں؟ (یہ بات) ان کے اس قول کی بناء پر (لازم آتی) ہے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور (خود) ان کے لئے بیٹے ہیں؟ یعنی ان کے لئے بیٹے خاص کر دیئے گئے ہیں، یا جب ہم نے فرشتوں کو مؤنث پیدا کیا تھا تو یہ ہماری تخلیق کا مشاہدہ کر رہے تھے؟ جس کی وجہ سے یہ ایسی بات کرتے ہیں خوب سن لو یہ بہتان تراشی کر رہے ہیں کہ اللہ کی اولاد ہے یہ بات ان کے اس قول سے کہ ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں (لازم آرہی ہے) اور وہ بلاشبہ اس میں جھوٹے ہیں کیا اللہ نے بیٹیوں کو بیٹوں کے مقابلہ میں پسند کیا ہے؟ (اَصْطَفٰی) ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ استفہام کے لئے اس ہمزۂ استفہام کی وجہ سے ہمزۂ وصل سے استغناء ہو گیا جس کی وجہ سے (ہمزۂ استفہام) کو حذف کر دیا گیا، اور (اَصْطَفٰی) بمعنی اختیار ہے تم کو کیا ہو گیا؟ کہ تم یہ کس قدر فاسد حکم لگاتے ہو پھر کیا تم اس بات کو نہیں سمجھتے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ اولاد سے پاک ہے (تَذَکَّرُوْنَ) میں تاء کو ذال میں ادغام کر کے کیا تمہارے پاس (اس بات پر) کوئی واضح دلیل ہے کہ اللہ کے اولاد ہے؟ (تو جاؤ) اپنی کتاب تورات لے آؤ اور اس میں مجھے یہ بات دکھاؤ

(کہ اللہ کے لئے ولد ہے) اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو اور مشرکین نے اللہ تعالیٰ اور جنات یعنی ملائکہ کے درمیان یہ کہہ کر رشتہ داری ثابت کی کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، فرشتوں کو جنات اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ بھی (جنوں کے مانند) نظروں سے پوشیدہ رہتے ہیں، حالانکہ جنات کا خود یہ عقیدہ ہے کہ وہ یعنی جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں وہ نار جہنم میں حاضر کئے جائیں گے (اور) اس میں عذاب دیئے جائیں گے، اللہ تعالیٰ ان تمام (صفات نقص) سے پاک ہے، جو یہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کی اولاد ہے، مگر اللہ کے مخلص بندے یعنی مومنین، المؤمنین مستثنیٰ منقطع ہے یعنی مومنین اس کی ان ناقص صفات سے پاکی بیان کرتے ہیں جن کو یہ اس کے لئے ثابت کرتے ہیں یقین مانو کہ تم سب مع ان بتوں کے جن کی تم بندگی کرتے ہو خدا سے کسی کو برگشتہ نہیں کر سکتے اور عَلَیْهِ، اللہ کے قول فَاتِنِیْنَ سے متعلق (مقدم) ہے، بجز اس کے جو علم الٰہی میں واصل بجہنم ہونے والے ہیں، حضرت جبرائیل علیہ الصلاۃ والسلام نے آپ ﷺ سے فرمایا: ہم فرشتوں کی جماعت میں سے ہر ایک کا آسمانوں میں مقام متعین ہے اسی جگہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کرتا ہے اس سے تجاوز نہیں کرتا اور ہم تو قدم سے قدم ملا کر نماز میں صف بستہ کھڑے ہیں اور ہم تو (اس کی) ان صفات سے پاکی بیان کرتے ہیں جو اس کی شایان شان نہیں ہیں اور یہ لوگ یعنی کافر کہا کرتے تھے اگر ہمارے پاس (بھی) امم سابقہ کی کتابوں میں کوئی کتاب ہوتی تو ہم بھی عبادت میں اللہ کے مخلص بندوں میں سے ہوتے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا پھر وہ اس کتاب (یعنی) قرآن کا جو آسمانی کتابوں میں اشرف ہے، ان کے پاس آئی انکار کر بیٹھے ان کو عنقریب اپنے کفر کا انجام معلوم ہو جائے گا اور البتہ ہمارا رسولوں سے مدد کا وعدہ بہت پہلے صادر ہو چکا ہے اور وہ وعدہ یہ ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب رہیں گے، یا وہ نصرت کا وعدہ اللہ تعالیٰ کا قول اِنَّھُمْ لَھُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ (الآیۃ) ہے، کہ یقیناً ان ہی کی مدد کی جائے گی اور یقیناً ہمارا لشکر یعنی مومنین کفار پر حجت اور نصرت سے دنیا میں غالب رہیں گے، اور اگر ان میں سے بعض دنیا میں منصور نہ ہوئے تو آخرت میں (ضرور) ہوں گے آپ کفار مکہ سے کچھ وقت تک کہ جس میں آپ کو جہاد کی اجازت دی جائے توجہ ہٹا لیجئے اور ان کو دیکھتے رہئے کہ ان پر عذاب کب نازل ہوتا ہے؟ وہ بھی اپنے کفر کے انجام کو عنقریب دیکھ لیں گے تو انہوں نے استہزاءً کہا یہ عذاب کب نازل ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے ان کو دھمکانے کے طور پر فرمایا کیا یہ ہمارے عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں؟ (سنو) جب عذاب ان کے صحن میں (یعنی ان پر) نازل ہوگا، فراء نے کہا ہے کہ عرب، قوم کے بجائے، ساحۃ کے ذکر پر کفایت کرتے ہیں (یعنی ساحۃ بول کر قوم مراد لیتے ہیں) تو اس وقت ان لوگوں کی جن کو ڈرایا جا چکا تھا بری صبح ہوگی اس میں اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لایا گیا ہے، آپ کچھ وقت ان کا خیال چھوڑ دیجئے، اور دیکھتے رہئے یہ بھی عنقریب دیکھ لیں گے، کافروں کی تہدید اور آپ کی تسلی کے لئے اس جملہ کو مکرر لایا گیا ہے، آپ کا رب جو بہت بڑی عزت غلبہ والا ہے ان باتوں سے جو یہ کہتے ہیں مثلاً یہ کہ اس کی اولاد ہے پاک ہے اللہ کی توحید اور احکام کے پہنچانے والے رسولوں پر سلام ہو، رسولوں کی نصرت اور کافروں کی ہلاکت پر تمام تعریفوں کا مستحق اللہ رب العالمین ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: اِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ یونس ابن متّٰی تاء کی تشدید کے ساتھ بتثلیث النون، متّٰی یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد کا نام ہے اور کہا گیا ہے کہ ان کی والدہ کا نام ہے، اور کشف الاسرار میں ہے کہ ان کے والد کا نام متّٰی ہے اور ان کی والدہ کا نام تجیس ہے، حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں سے ہیں، ''ذوالنون'' اور ''صاحب الحوت'' بھی آپ کا ہی لقب ہے۔

قَوْلُهُ: اِذْ اَبَقَ ماضی واحد مذکر غائب اپنے مولا سے بھاگا (س ض ن) اِلَا بَاقَ غلام کا آقا سے بھاگنا، حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام چونکہ اللہ تعالیٰ جو کہ مولائے حقیقی ہے کی اجازت کے بغیر قوم کو چھوڑ کر چلے آئے تھے، اس لئے ان کو مجازاً آبق کہا گیا ہے اِذْ اَبَقَ اُذکر فعل محذوف کا ظرف ہے۔

قَوْلُهُ: حِیْنَ غاضَبَ قَوْمَهٗ ای غَضِبَ قومَهٗ، غَاضَبَ اپنے معنی میں نہیں ہے اس لئے کہ مفاعلۃ کی خاصیت طرفین سے فعل کا تقاضا کرتی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ غَاضَبَ اپنے باب پر ہو، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی قوم دونوں آپس میں ایک دوسرے پر غصہ ہوئے۔

قَوْلُهُ: سَاهَمَ، مُسَاهَمَةً سے قرعہ اندازی کی۔

قَوْلُهُ: اَلْمُدْحَضِیْنَ، اِدْحَاضٌ (افعال) سے اسم مفعول، مغلوب ہونے والا، قرعہ اندازی میں ہارنے والا۔

(لغات القرآن)

قَوْلُهُ: مُلِیْمٌ یہ اِلْتَقَمَهٗ کی ضمیر مفعولی سے حال ہے۔

قَوْلُهُ: مُلِیْمٌ اسم فاعل واحد مذکر غائب مصدر اِلَامَةٌ (افعال) مستحق ملامت، ایسا کام کرنے والا جس پر ملامت کی جائے، اَوْ هُوَ مُلِیْمٌ نفسَهٗ.

قَوْلُهُ: کثیرًا اس کا تعلق کان سے ہے (جمل) اور لا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الآیۃ یہ قول کا مقولہ ہے اور کثرت کے معنی باب تفعیل سے مستفاد ہیں۔

قَوْلُهُ: بالعَرَاء ای فی العراء، العراء المکانُ الخالی عَنِ البِنَاء والنباتِ والاَشجارِ (چٹیل میدان)۔

قَوْلُهُ: کَالفَرْخِ المُمَّعَطُ بضم المیم الاولیٰ وتشدید الثانیۃ پر اکھڑا ہوا چوزہ، مَمَّعَطُ اصل میں مُنْمَعَطُ تھا (انفعال) نون کو میم میں مدغم کر دیا مَعِطَ وامتعطَ ای سَقَطَ شعرهٗ من الداء ونحوہٖ۔ (جمل)

قَوْلُهُ: وَعِلَةً پہاڑی بکری (ج) وعِلَاتٌ.

قَوْلُهُ: التوراة صحیح بات یہ ہے کہ یہاں تورات کہنے کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ مخاطب مشرکین ہیں اور وہ اہل کتاب نہیں ہیں۔

قَوْلُہٗ: اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ یہ جملہ شرطیہ ہے ماقبل کی دلالت کی وجہ سے جواب شرط محذوف ہے ای قالُوْا.

قَوْلُہٗ: لَقَدْ عَلِمَتِ الجِنَّةُ اِنَّھُمْ لَمُحْضَرُوْن واؤ حالیہ ہے، قَدْ حرف تحقیق لام جواب قسم کا ہے اِنَّھُمْ لمحضرونَ اِنَّ اپنے اسم وخبر سے مل کر عَلِمَتْ کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے اِنَّ کی خبر پر لام داخل ہونے کی وجہ سے اِنَّ کے ہمزہ کو کسرہ دیدیا گیا ہے، ورنہ تو اَنَّ ہونا چاہئے۔

قَوْلُہٗ: اِلَّا عِبَادَ اللّٰہِ المخلَصِینَ، محضرون سے مستثنیٰ منقطع ہے یعنی نیک بندے گرفتار شدگان میں نہیں ہیں، مستثنیٰ منہ، یا تو جَعَلُوْا کا فاعل ہے یا تَصِفُوْنَ کا فاعل ہے یا محضرون کی ضمیر ہے اِلَّا عِبَادَ اللّٰہِ المخلَصِیْنَ مستثنیٰ متصل بھی ہوسکتا ہے، جبکہ مُحْضَرُوْنَ سے مستثنیٰ ہو ای اِنَّھُمْ یحضرونَ النارَ اِلَّا مَنْ اَخْلَصَ اس صورت میں جملہ تسبیح جملہ معترضہ ہوگا۔ (فتح القدیر شوکانی)

قَوْلُہٗ: بِفَاتِنِیْنَ اسم فاعل جمع مذکر باز ائدہ ہے مصدر فِتْنَةٌ ہے اس کا مفعول اَحدًا محذوف ہے جیسا کہ مفسر علام نے اشارہ کردیا ہے تم کسی کو (خدا) سے برگشتہ نہیں کرسکتے، گمراہ نہیں کرسکتے۔

قَوْلُہٗ: صَالِ اسم فاعل داخل ہونے والا، پہنچنے والا، اصل میں صَالِیٌ تھا، آخر سے یا حذف ہوگئی۔

قَوْلُہٗ: العِبَادَةَ لَہٗ مفسر علام نے مخلصین کے مفعول العبادةَ کو ظاہر کردیا ہے، مگر مفعول کی تقدیر اس صورت میں درست ہوگی کہ جب مخلصین کو لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھیں، جیسا کہ مدنی اور کوفی کے علاوہ کی قراءت ہے۔

قَوْلُہٗ: وفِیْہِ اِقَامَةُ الظاھِرِ مقامَ المضمر زیادتی تقبیح کے لئے ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لائے ہیں، اصل میں فَسَاءَ صَبَاحھُمْ تھا، اور صباح سے مراد یوم یا وقت ہے۔

تفسیر وتشریح

وَاِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ یہ اس سورت کا آخری قصہ ہے، یہ واقعہ پہلے بھی متعدد مقامات پر گذر چکا ہے، تفصیل کی چنداں ضرورت نہیں، خلاصہ یہ ہے کہ بعض مفسرین نے اس پر بحث کی ہے کہ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام مچھلی کے واقعہ سے پہلے ہی نبی بنادیئے گئے تھے یا بعد میں نبی بنائے گئے، لیکن قرآن کریم کے ظاہری اسلوب سے معلوم ہوتا ہے کہ مچھلی کے واقعہ سے پہلے ہی آپ کو نبی بنادیا گیا تھا، اور بیشتر روایات سے بھی یہی راجح معلوم ہوتا ہے، اَبَقَ اِبَاقٌ سے مشتق ہے، اس کے معنی ہیں غلام کا اپنے آقا سے بھاگ جانا، یہاں یہ لفظ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے صرف اس لئے استعمال ہوا ہے کہ آپ اپنے پروردگار کی طرف سے بذریعہ وحی اجازت سے پہلے روانہ ہوگئے تھے، انبیاء علیہم السلام چونکہ مقرب بندے ہوتے ہیں، ان کی معمولی سی لغزش بھی گرفت کا سبب بن جاتی ہی، مقولہ مشہور ہے، حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ المقربِیْنَ شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

مقرباں را بیش بود حیرانی

حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام عراق کے علاقہ نینویٰ (موجودہ موصل) میں نبی بنا کر بھیجے گئے تھے، یہ آشوریوں کا پایہ تخت تھا، انہوں نے ایک لاکھ اسرائیلیوں کو قیدی بنا رکھا تھا، چنانچہ ان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے یونس علیہ السلام کو بھیجا گیا، لیکن یہ قوم آپ پر ایمان نہیں لائی، بالآخر آپ نے اپنی قوم کو ڈرایا کہ عنقریب تم عذاب الٰہی کی گرفت میں آجاؤ گے، جب عذاب میں تاخیر ہوئی تو اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر ہی اپنے طور پر نکل گئے، اور سمندر پر جا کر ایک کشتی میں سوار ہو گئے، کشتی بیچ منجدھار میں خلاف عادت بلا سبب ظاہری کے رک گئی اور ڈگمگانے لگی، ملاحوں نے کہا تجربہ یہ بتاتا ہے کہ ایسی صورت اسی وقت پیش آتی ہے جب کشتی میں اپنے آقا سے مفرور کوئی غلام ہوتا ہے، لہٰذا اگر کشتی میں کوئی ایسا شخص ہے تو بتادے تاکہ کشتی میں سوار دیگر لوگوں کی جان بچ جائے ورنہ تو تمام کشتی والے غرق ہو جائیں گے، از خود جب کوئی تیار نہ ہوا تو قرعہ اندازی کی گئی اور تین بار کی گئی ہر بار حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کے نام قرعہ نکلا آخر کار مجبور ہو کر ان کو دریا میں ڈالدیا گیا، مگر قرآنی الفاظ اور سیاق و سباق سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کشتی میں گنجائش سے زیادہ وزن ہو جانے کی وجہ سے کشتی کا توازن بگڑ گیا تھا، جس کی وجہ سے کشتی کے ڈوبنے کا خطرہ پیدا ہو گیا، وزن کم کرنے کے لئے کسی کو بھی دریا میں ڈالنے کی تجویز سامنے آئی تو قرین قیاس یہ بات تھی کہ جو شخص بعد میں آیا ہے اسی کو کم کر دیا جائے **اَبَقَ الی الفلك المشحون** سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی بعد میں آئے تھے، لہٰذا مناسب یہی معلوم ہوا ہوگا کہ یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کو دریا میں ڈالدیا جائے مگر چونکہ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام شکل و صورت سے بھلے اور نیک معلوم ہوتے تھے اس لئے ہمت نہیں ہو رہی تھی اور ممکن ہے کہ کچھ ان کو جانتے بھی ہوں چنانچہ عبداللہ بن مسعود کی روایت سے معلوم ہوتا ہے، فرماتے ہیں **اَنَّہٗ اتی قومًا فی سفینۃ فحملوہ وعرفوہ** ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کشتی میں گنجائش نہ ہونے کے باوجود پاس لحاظ کی خاطر حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کشتی میں سوار کر لیا، چنانچہ جب یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کشتی پر سوار ہو گئے تو جب منجدھار میں پہنچی تو موجوں میں گھر کر کھڑی ہو گئی اور ڈگمگانے لگی، حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دریافت کیا کہ کشتی اس طرح کیوں ہو رہی ہے تو ملاحوں نے جواب دیا کہ نہ معلوم ایسا کیوں ہو رہا ہے، تب حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا مجھے معلوم ہے یہ کشتی اس طرح کیوں کر رہی ہے، وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ کشتی میں اپنے مالک سے بھاگا ہوا غلام ہے، جس کی نحوست سے یہ صورت حال پیدا ہوئی ہے، اور واللہ جب تک اس کو دریا میں نہ ڈالو گے کسی طرح چلے گی نہیں، اہل کشتی نے کہا اے نبی اللہ آپ کو تو ہم دریا میں نہیں ڈال سکتے، تب آپ نے فرمایا قرعہ اندازی کر لو جس کے نام قرعہ نکلے اس کو ڈالدو، چنانچہ قرعہ ڈالا گیا، حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام نکلا احتیاطاً تین مرتبہ قرعہ ڈالا گیا ہر بار یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کے نام نکلا، لہٰذا حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود اپنے کو دریا میں ڈال دیا۔ (روح المعانی ملخصاً) ادھر واقعہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مچھلی کو حکم دیا کہ وہ یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے پیٹ میں بحفاظت رکھ لے، وہ اس کی خوراک نہیں ہیں، آپ مچھلی کے پیٹ میں کتنے دن رہے، اس میں مفسرین کے اقوال مختلف ہیں: سدی، کلبی، مقاتل بن سلیمان نے کہا ہے کہ چالیس روز رہے، ضحاک نے کہا ہے بیس روز رہے، اور عطاء نے کہا ہے سات روز رہے، اور مقاتل بن حیان نے کہا ہے تین دن رہے۔

فَنَبَذْنَاهُ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ "عراء" بے آب وگیاہ چٹیل میدان کو کہتے ہیں، ہم نے ان کو چٹیل میدان میں مضمحل حالت میں ڈالدیا، بعض حضرات کو یہ شبہ ہوا کہ اس آیت میں اور دوسری آیت لَوْ لَآ اَنْ تَدَارَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ یہ آیت چٹیل میدان میں نہ ڈالنے پر اور پہلی آیت ڈالنے پر دلالت کرتی ہے، نحاس وغیرہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں اس بات کی خبر دی ہے کہ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو میدان میں ڈال دیا، حال یہ ہے کہ وہ مذموم نہیں تھے، اور دوسری آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ اگر اللہ کی رحمت نہ ہوتی تو حالت مذمومہ میں ڈالے جاتے لہٰذا اب کوئی تعارض نہیں ہے۔ (فتح القدیر شوکانی)

قرعہ اندازی کا حکم:

قرعہ اندازی کوئی حجت شرعیہ نہیں ہے، قرعہ اندازی کے ذریعہ نہ کسی کا حق ثابت کیا جاسکتا ہے اور نہ کسی کو حق سے محروم کیا جاسکتا ہے، مثلاً یہ کہ قرعہ اندازی کے ذریعہ کسی کو چور ثابت کیا جائے، یا مثلاً دو فریقوں کے درمیان ملکیت کا جھگڑا ہو تو اس کا فیصلہ بھی قرعہ اندازی سے نہیں کیا جاسکتا، البتہ قرعہ اندازی اس موقع پر جائز بلکہ بہتر ہے کہ جہاں ایک شخص کو مکمل اختیار حاصل ہو اور وہ جس طریقہ کو اپنے اختیار سے متعین کرنا چاہے تو کرسکے، ایسی صورت میں اگر قرعہ اندازی کے ذریعہ کسی ایک صورت کو ترجیح دینا چاہے تو اس کو اختیار ہے مثلاً اگر کسی کی ایک سے زائد بیویاں ہوں اس کو شرعی اختیار حاصل ہے کہ وہ جس بیوی کو چاہے سفر میں ساتھ لیجائے، البتہ اگر قرعہ اندازی سے متعین کرے تو بہتر وافضل ہے تاکہ شکایت کا موقع نہ ہو، آپ ﷺ کی بھی یہی عادت مبارکہ تھی۔

حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ میں بھی قرعہ اندازی سے کسی کو مجرم ثابت کرنا مقصود نہیں تھا، بلکہ پوری کشتی کو بچانے کے لئے کسی کو بھی دریا میں ڈالا جاسکتا تھا، قرعہ کے ذریعہ اس کی تعیین کی گئی۔ (معارف)

فَلَوْ لَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مصائب وآلام کو دفع کرنے میں تسبیح واستغفار کو خاص اہمیت حاصل ہے، سورۂ انبیاء میں یہ گذر چکا ہے کہ جب حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام مچھلی کے پیٹ میں تھے تو یہ کلمہ خاص طور پر پڑھتے تھے، لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ اللہ تعالیٰ نے اسی کلمہ کی برکت سے انہیں آزمائش سے نجات دی۔

ابوداؤد میں حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو دعاء مچھلی کے پیٹ میں کی تھی یعنی لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ اسے جو مسلمان بھی کسی مقصد کے لئے پڑھے گا اس کی دعاء قبول ہوگی۔ (قرطبی)

فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِیْنٍ یعنی جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے ان کو ایک زمانہ تک عیش وآرام دیا یعنی جب تک وہ دوبارہ کفر کے مرتکب نہ ہو گئے، اس وقت تک ہم نے ان کو خوش عیش اور خوشحال رکھا۔

فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ مطلب یہ ہے کہ عقل تو اس عقیدے کی صحت کو تسلیم نہیں کرتی کہ اللہ کی اولاد ہے، اور وہ بھی مؤنث (لاؤ) کوئی نقلی دلیل ہی دکھا دو یعنی کوئی کتاب جو اللہ نے اتاری ہو، اس میں اللہ کی اولاد کا اعتراف یا حوالہ ہو، قریش اور بعض قبائل عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، ان کا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جنات سے رشتہ ازدواج قائم کیا، جس سے لڑکیاں پیدا ہوئیں، یہی بناتُ اللہ فرشتے ہیں، حالانکہ ایسی بات نہیں ہے اور اس بات کو جنات بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ انہیں سزا بھگتنے کے لئے ضرور جہنم میں جانا پڑے گا، اگر اللہ تعالیٰ اور جنوں کے درمیان رشتہ داری ہوتی تو یہ صورت حال نہ ہوتی۔

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عما يَصِفُونَ یہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے بارے میں صفات نقص بیان کررہے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے بالکل پاک اور بری ہے، اللہ کے مخلص بندے اللہ کے بارے میں ایسی باتیں نہیں کرتے، یہ مشرکین ہی کا شیوہ ہے کہ اللہ کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں (یا مطلب یہ ہے) کہ جہنم میں جنات اور مشرکین ہی حاضر کئے جائیں گے، اللہ کے برگزیدہ بندے نہیں، ان کے لئے تو اللہ نے جنت تیار کررکھی ہے، اس صورت میں لَمُحْضَرُوْنَ سے استثناء ہے اور تسبیح جملہ معترضہ ہے۔

لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِنَ الاَوَّلِينَ یعنی یہ کفار نزول قرآن سے پہلے کہا کرتے تھے کہ ہمارے پاس بھی اگر کوئی آسمانی کتاب ہوتی جیسا کہ پہلے لوگوں کے لئے تورات وغیرہ نازل ہوئی تھیں یا کوئی ہادی ومنذر ہمیں وعظ ونصیحت کرنے والا ہوتا تو ہم بھی اس کے خالص بندے بن جاتے، مگر جب ان کی آرزو اور تمنا کے مطابق رسول اللہ ﷺ ہادی ورہبر بن کر آئے اور قرآن بھی نازل کردیا گیا، تو ان پر ایمان لانے کے بجائے ان کا انکار کردیا۔

فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَاءَ صَبَاحُ المنذَرِيْنَ فرّاء نے کہا ہے کہ عرب ''لفظ قوم'' کے بجائے سَاحَةٌ کا لفظ استعمال کرتے ہیں، چنانچہ مسلمان جب خیبر پر حملہ آور ہوئے تو یہودی مسلمانوں کو دیکھ کر گھبرا گئے، تو رسول اللہ ﷺ نے اللہ اکبر کہہ کر فرمایا: خَرِبَتْ خَيْبَرُ اِنَّا اِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قومٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ.

(صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ)

سُوْرَۃُ صٓ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ ثَمَانٍ وَّثَمَانُوْنَ اٰیَۃً وَّخَمْسُ رُکُوْعَاتٍ

سُوْرَۃُ صٓ مَکِّیَّۃٌ وَھِیَ سِتٌّ اَوْ ثَمَانٍ وَثَمَانُوْنَ اٰیَۃً.

سورۂ صٓ مکی ہے، اور وہ چھیاسی (۸۶) یا اٹھاسی (۸۸) آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ صٓ اللّٰہ اَعْلَمُ بِمُرادِہٖ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ ؕ اِیْ البَیَانِ او الشَّرفِ وجوَابُ ہٰذا القسمِ مَحْذُوفٌ ای ما الامرُ کما قَالَ کُفَّارُ مَکَّۃَ مِنْ تَعَدُّدِ الاٰلِہَۃِ بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا من اہلِ مکۃَ فِیْ عِزَّۃٍ حَمِیَّۃٍ وتَکَبُّرٍ عن الایمانِ وَّشِقَاقٍ ۚ خِلافٍ وَعَداوَۃٍ للنبی صلَّی اللّٰہُ علیہ وسلَّمَ کَمْ ای کَثِیْرًا اَھْلَکْنَا مِنْ قَبْلِھِمْ مِّنْ قَرْنٍ ای امۃٍ مِنَ الاُمَمِ الماضِیَۃِ فَنَادَوْا حِیْنَ نُزُولِ العذَابِ بِہِمْ وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ ؕ ای لَیْسَ الحِیْنُ حِیْنَ فِرارٍ والتاءُ زائدۃٌ والجُمْلَۃُ حالٌ مِن فَاعِلِ نَادَوْا اَیِ اسْتَغَاثُوْا والحَالُ اَن لَّا مَہْربَ ولا مَنْجاً وما اعْتَبَرَ بِہِم کُفَّارُ مَکَّۃَ وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَھُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْھُمْ رَسُوْلٌ مِنْ اَنْفُسِہِمْ یُنْذِرُہم یُخَوِّفُہُم بالنَّارِ بَعْدَ البَعْثِ وہُوَ النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلَّمَ وَقَالَ الْکٰفِرُوْنَ فیہ وَضْعُ الظَّاہِرِ مَوْضِعَ المُضمَرِ ھٰذَا سٰحِرٌ کَذَّابٌ ۚ اَجَعَلَ الْاٰلِھَۃَ اِلٰھًا وَّاحِدًا ۚ حَیْثُ قَالَ لہم قُولُوا لَا اِلٰہَ الا اللّٰہُ ای کیف یَسَعُ الخلقَ کلَّہم اِلٰہٌ وَاحِدٌ اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۝ عَجِیْبٌ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْھُمْ مِنْ مَجْلِسِ اِجْتِماعِہِمْ عِندَ اَبِی طَالِبٍ وسَمَاعِہِمْ فیہ مِنَ النبی صلَّی اللّٰہ علیہ وسلَّمَ قولوا لا الٰہ الا اللّٰہ اَنِ امْشُوْا یَقُوْلُ بعضُہم لبعضٍ اِمْشُوا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓی اٰلِھَتِکُمْ ۚ اُثْبُتُوا عَلٰی عِبَادَتِہا اِنَّ ھٰذَا المذکُورَ مِنَ التَّوحِیْدِ لَشَیْءٌ یُّرَادُ ۝ منا مَا سَمِعْنَا بِھٰذَا فِی الْمِلَّۃِ الْاٰخِرَۃِ ۚ ای مِلَّۃِ عِیسٰی اِنْ ما ھٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝ کَذِبٌ ءَاُنْزِلَ بتحقِیقِ الہمزَتَینِ وتَسْہِیلِ الثَّانِیَۃِ واِدْخالِ الفٍ بینہما علی الوَجہینِ وترکِہٖ عَلَیْہِ علی مُحمَّدٍ الذِّکْرُ القُراٰنُ مِنْ بَیْنِنَا ؕ ولَیْسَ باَکبرِنا ولَا اشرفِنا ای لم یُنزَلْ علیہ قال تعالٰی بَلْ ھُمْ فِیْ شَکٍّ مِّنْ ذِکْرِیْ ۚ وَحْیِ القُراٰنِ حیثُ کَذَّبُوا الجَائِیَ بہ بَلْ لَّمَّا یَذُوْقُوْا عَذَابِ ۝ ولو ذَاقُوہ لصَدَّقُوا النبیَّ صلَّی اللّٰہُ علیہ وسلَّمَ فِیمَا جَاءَ بہ ولَا یَنْفَعُہم التَّصْدِیْقُ حِیْنَئِذٍ اَمْ عِنْدَھُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَۃِ رَبِّکَ الْعَزِیْزِ الغَالِبِ الْوَھَّابِ ۚ مِنَ النُّبوَّۃِ وغیرِہا فیُعْطُونَہا من

شَاءَ وَا اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا اِنْ زَعَمُوا ذٰلك فَلْيَرْتَقُوْا فِى الْاَسْبَابِ⑩ المُوصِلَةِ الى السَّمَاءِ فَيَاتُوا بِالوَحْيِ فَيَخُصُّوا بِه مَنْ شَاءُ وَا وام في المَوضِعَيْنِ بمعنى بهمزةِ الإنكار جُنْدٌ مَّا اى هُم جُندٌ حقيرٌ هُنَالِكَ اى فى تَكذِيبهم لك مَهْزُوْمٌ صِفةُ جُندٍ مِّنَ الْاَحْزَابِ⑪ صِفةُ جُندٍ ايضًا اى مِن جِنسِ الاَحزاب المُتَحَزِّبِينَ على الاَنبياءِ قَبلَكَ واُولٰئِك قد قُهِرُوا واُبلِكُوا فكذٰلك يُهلَكُ هٰؤلاءِ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ تانيثُ قومٍ بِاعتِبارِ المَعنٰى وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ⑫ كان يَتِدُ لِكُلِّ مَن يَغضَبُ عليه اَربَعَةَ اَوتَادٍ ويَشُدُّ اليها يدَيه ورِجلَيه ويُعذِّبُه وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ اى الغَيضَةِ وهُم قومُ شُعَيب عليه الصَّلوٰة والسَّلامُ اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ⑬ اِنْ ما كُلٌّ من الاَحزاب اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ لِاَنَّهُم اذا كَذَّبُوا واحِدًا منهم فكَذَّبُوا جميعَهم لانَّ دعوَتهم واحِدَة وهى دَعْوَةُ التوحيدِ فَحَقَّ وَجَبَ عِقَابِ⑭

ترجمہ: شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، صٓ اللہ ہی اس کی مراد کو بہتر جانتا ہے، قسم ہے ذکر والے یعنی بیان والے یا شان والے قرآن کی، جواب قسم محذوف ہے، یعنی بات ایسی نہیں جیسا کہ کفار متعدد الٰہ کے قائل ہیں بلکہ مکہ کے کافر غرور اور ایمان کے مقابلہ میں تکبر اور محمد ﷺ کی مخالفت اور عداوت میں پڑے ہیں، اور ہم نے ان سے پہلے بھی یعنی گذشتہ بہت سی قوموں کو ہلاک کر دیا، ان پر نزول عذاب کے وقت انہوں نے ہر چند چیخ و پکار کی لیکن وہ وقت نجات کا وقت نہیں تھا، یعنی وہ وقت فرار کا وقت نہیں تھا، اور لاتَ میں تا زائدہ ہے، اور جملہ نادَوْا کی ضمیر سے حال ہے، یعنی انہوں نے فریاد کی، حالانکہ نہ بھاگنے کا موقع تھا، اور نہ نجات کا، اور مکہ کے کافروں نے ان سے کوئی عبرت حاصل نہیں کی، اور کافروں کو اس بات پر تعجب ہوا کہ انہی میں سے ان کو ایک ڈرانے والا آگیا (یعنی) ان ہی میں کا ایک رسول آگیا، جو بعث کے بعد ان کو آگ سے ڈراتا ہے، اور خوف دلاتا ہے، اور وہ (محمد ﷺ) ہیں، اور کافر کہنے لگے یہ تو جادوگر ہے (اور) جھوٹا ہے، اس میں اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر ہے، کیا اس نے اتنے سارے معبودوں کو ایک معبود کر دیا؟ واقعی یہ بڑی عجیب بات ہے، (یہ بات انہوں نے اس وقت کہی کہ) جب ان سے آپ نے کہا کہو! اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، یعنی پوری مخلوق کے (انتظام) کے لئے ایک معبود کیسے کافی ہو سکتا ہے؟ ان کے سردار خواجہ ابو طالب کی مجلس میں نبی کریم ﷺ سے قولوا لا الٰہ الا اللّٰہ سننے کے بعد خواجہ ابو طالب کی مجلس سے یہ کہتے ہوئے چل دیئے کہ بس چلو جی اور اپنے معبودوں یعنی ان کی عبادت پر جمے رہو، یقیناً اس توحید مذکور (کے مطالبہ) میں ہم سے ضرور کوئی غرض ہے، ہم نے تو یہ بات پچھلے دین یعنی عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین میں بھی نہیں سنی، یہ تو محض من گھڑت افتراء ہے کیا ہم میں سے اسی پر کلام الٰہی نازل کیا گیا ہے؟ حالانکہ وہ نہ ہم سے بڑا ہے اور نہ اشرف یعنی اس پر (کلام الٰہی) نازل نہیں کیا گیا، ءَ اُنْزِلَ میں دونوں ہمزوں میں تحقیق اور دوسرے کی تسہیل اور دونوں ہمزوں کے درمیان دونوں صورتوں میں الف داخل کر کے اور نہ داخل کر کے دراصل یہ لوگ میرے ذکر وحی یعنی قرآن کے بارے میں شک میں ہیں اس

لئے انہوں نے وحی کو لانے والے کو جھٹلا دیا ہے بلکہ (صحیح بات یہ ہے) کہ انہوں نے اب تک (میرا) عذاب چکھا نہیں ہے اور جب یہ اس عذاب کا مزہ چکھیں گے تو نبی ﷺ کی اس بات کی تصدیق کریں گے، جس کو وہ لے کر آئے ہیں (مگر) اس وقت تصدیق سے کوئی فائدہ نہ ہوگا یا کیا ان کے پاس تیرے زبردست فیاض رب کی رحمت کے خزانے ہیں؟ جن میں نبوت وغیرہ بھی شامل ہے، کہ یہ لوگ جس کو چاہیں دیں (اور جس کو چاہیں نہ دیں) یا کیا زمین وآسمان اور ان کے درمیان کی ہر چیز پر ان ہی کی حکومت ہے اور اگر ان کو اس بات کا یقین ہے تو (چاہئے کہ) آسمان تک رسیاں تان کر چڑھ جائیں (اور) وحی لے آئیں اور بطور خاص جس کو چاہیں دیدیں، اور أم دونوں جگہ ہمزۂ انکاری کے معنی میں ہے، یہاں یعنی تیری تکذیب کے بارے میں شکست خوردہ ایک حقیر سا لشکر ہے مھزُومٌ جندٌ کی صفت ہے اور مِنَ الْاَحْزَابِ بھی جند کی صفت ہے یعنی (یہ لشکر) ان لشکروں کی جنس کا ہے جو آپ کے پیش روانبیاء کے بالمقابل جمع ہو گئے تھے، اور وہ مغلوب ہوئے اور ہلاک کئے گئے تھے، اسی طرح ان کو بھی ہلاک کیا جائے گا اس سے پہلے بھی قوم نوح نے قوم کی تانیث معنی کے اعتبار سے ہے اور عاد نے اور میخوں والے فرعون نے بھی تکذیب کی تھی فرعون جس پر غضبناک ہوتا تھا تو چار میخیں گاڑ دیتا تھا اور ان سے اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر باندھ دیتا تھا اور اس کو سزا دیتا تھا اور ثمود اور قوم لوط نے اور اَیکہ کے رہنے والوں نے بھی (اصحاب ایکہ) یعنی جھاڑی والے اور وہ شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم تھی، یہی (بڑے) لشکر تھے ان لشکروں (گروہوں) میں ایک بھی ایسا نہیں جنہوں نے رسولوں کی تکذیب نہ کی ہو اس لئے کہ جب انہوں نے ایک رسول کی تکذیب کردی تو (گویا کہ) تمام رسولوں کی تکذیب کردی اس لئے کہ ان سب کی ایک ہی دعوت تھی اور وہ دعوتِ توحید تھی سو ان پر میری سزا ثابت ہوگئی۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلُہٗ: صٓ اس کو سورۂ داؤد بھی کہا جاتا ہے (خازن) اس میں پانچ قراءتیں ہیں: ① جمہور کے نزدیک سکون کے ساتھ، یعنی صَادْ ② ضمہ بغیر تنوین، صادُ ③ فتحہ بغیر تنوین، صادَ ④ کسرہ بغیر تنوین صادِ ⑤ کسرہ مع التنوین صادٍ، ضمہ بغیر تنوین کی صورت میں مبتداء محذوف کی خبر ہے، ای ھٰذہ صادُ اس صورت میں ص سورت کا نام ہوگا، اور علمیت وتانیث کی وجہ سے غیر منصرف ہوگا، جن حضرات نے مفتوح بغیر تنوین پڑھا ہے، اس کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں ① مبنی برفتحہ تخفیفاً جیسا کہ کَیْفَ واَیْنَ ② جر تقدیری کے ساتھ حرف قسم مقدر کی وجہ سے ③ نصب فعل مقدر کی وجہ سے یا حرف قسم کے حذف کی وجہ سے۔ (جمل ملخصًا)

قِوْلُہٗ: والقرآن واؤ جارہ قسمیہ ہے القرآن، مقسم بہ ہے جواب قسم میں چند وجوہ ہیں ① کَمْ اَھْلَکْنا مِن قبلھم جواب قسم ہے اصل میں لَکَمْ اھلکنا تھا، لام کو فصل کثیر کی وجہ سے حذف کردیا گیا ہے، جیسا کہ سورۂ شمس میں قَدْ اَفْلَحَ جواب قسم سے لام حذف کردیا گیا ہے ② جواب قسم اِنْ کل الا کذّب الرسُلَ ہے ③ جواب قسم محذوف

ہے،اور وہ لَقَدْ جَاء كم الحق وغیرہ ہے،اور ابن عطیہ نے کہا ہے کہ جواب قسم مَا الْاَمْرُ كَمَا تَزْعَمُوْنَ محذوف ہے،علامہ محلی نے، ما الامر كما قال كفار مكة من تعدد الالٰه قسم محذوف مانی ہے،اور زمخشری نے اِنَّهٗ لمعجز مقدر مانا ہے،اور شیخ نے اِنك لَمِنَ المرسلين مقدر مانا ہے،اور فرمایا یہ يٰسٓ، والقرآن الحكيم اِنَّكَ لِمِنَ المرسلينَ کی نظیر ہے۔ (جمل ملخصًا)

قَوْلُهُ: ای کثیرًا اس سے اشارہ کردیا کہ کَمْ خبریہ ہے جو کہ اَهْلَكنا کا مفعول ہے مِنْ قرنٍ اس کی تمیز ہے۔

قَوْلُهُ: ولاتَ حِينَ مَناص، لاتَ کی تاء کے رسم الخط میں اختلاف ہے،بعض حضرات نے مفصولاً دراز (ت) کی شکل میں لکھا ہے جیسا کہ پیش نظر نسخہ میں ہے،اور بعض حضرات نے (ت) کو حِيْنَ کے ساتھ ملا کر لکھا ہے ای لَاتَحِيْنَ مناصٍ اور اس اختلاف کا مدار وقف پر ہے،بعض حضرات (ت) پر وقف کرتے ہیں تو وہ (ت) کو دراز شکل میں لکھتے ہیں اور بعض حضرات لَا پر عطف کرتے ہیں۔

قَوْلُهُ: مَنَاصٍ (ن) سے مصدر میمی ہے بھاگنا، پناہ لینا، اسم ظرف بھی ہے، پناہ گاہ، جائے فرار اس کے معنی ہیں ليس الحين حين فرارٍ تاء زائدہ ہے اور جملہ نَادَوْا کے فاعل سے حال ہے، مطلب یہ ہے کہ مکذبین رسل نے بہت چیخ پکار کی مگر نہ ان کو کوئی جائے فرار حاصل ہوئی اور نہ جائے نجات، مگر کفار مکہ نے ان کی اس حالت سے کوئی عبرت حاصل نہیں کی۔

قَوْلُهُ: ای ليس الحين اس عبارت سے علامہ محلی نے لاتَ میں خلیل اور سیبویہ کے مذہب مختار کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ یہ کہ لاتَ میں لا بمعنی ليس ہے، اور اس کے اسم وخبر محذوف ہیں، اور وہ اسم وخبر لفظ حينَ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے ليس الحينُ حينَ مناصٍ پہلا حين اسم ہے اور دوسرا خبر اور لاتَ میں تَ تاکید نفی کے لئے زائدہ ہے۔

قَوْلُهُ: فيه وضع الظاهر موضع المضمر زیادتی تقبیح کے لئے اسم ضمیر کے بجائے اسم ظاہر استعمال کیا یعنی قالوا کے بجائے قال الكافرون کہا ہے۔

قَوْلُهُ: عُجاب بڑی عجیب چیز، مبالغہ کا صیغہ، ایسی عجیب چیز جو نا قابل یقین ہو۔

قَوْلُهُ: اَن امْشوا میں ان تفسیر یہ ہے، جیسا کہ مفسر رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے اشارہ کردیا ہے۔

قَوْلُهُ: اِنّ هٰذا لشيئ يُراد یہ اِصْبِرُوْا عَلٰى آلِهَتِكم کی علت ہے۔

قَوْلُهُ: بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ یہ مقدر سے اعراض ہے، تقدیر عبارت یہ ہے انكارهم لذكرى ليس عن علمٍ بل هم فی شكٍّ منه.

قَوْلُهُ: بل لمّا يذوقوا عذابِ ای عذابِی سبب شک کو بیان کرنے کے لئے اضراب انتقالی ہے یعنی ان کے شک کا سبب یہ ہے کہ ان لوگوں نے ابھی تک میرے عذاب کا مزہ چکھا نہیں ہے، لَوْ ذاقُوْا لَصَدقُوا النبی صلّى الله عليه وسلّمَ.

قَوْلُهُ: لَمَّا، لم سے اشارہ ہے کہ لَمّا بمعنی لَمْ ہے۔

قولہ: فلیرتقوا فی الاسباب فاشرطِ مقدر کے جواب میں واقع ہے، جیسا کہ مفسر علام نے تقدیر عبارت نکال کر اشارہ کردیا ہے ای اِن زَعَمُوا ذٰلک فَلْیَرْتَقُوْا فی الاسباب.

قولہ: ای ھُمْ جُندٌ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جُندٌ مبتداء محذوف کی خبر ہے اور تنوین تقلیل وتحقیر کے لئے ہے اور ما، قلت کی تاکید کے لئے ہے۔

قولہ: ھُنالِكَ، جندٌ یا مھزوم کا ظرف ہے، اور مھزوم بمعنی مغلوب ومقہور ہے، مطلب یہ ہے کہ قریش رسولوں کے خلاف جماعت بندی کرنے والی ایک حقیر وقلیل جماعت ہے جو عنقریب شکست خوردہ ہوگی۔

قولہ: صفة جندٍ ایضا یہاں جندٌ کی تین صفات بیان کی گئی ہیں، پہلی صفت ما دوسری مھزومٌ تیسری مِنَ الاحزاب.

قولہ: اُولٰئِكَ الاحزابِ یہ طوائف مذکورہ سے بدل ہے۔

قولہ: لِاَنَّھم الخ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ اِنْ کُلٌّ اِلَّا کَذَّبَ الرُّسُلَ کیوں کہا گیا ہے باوجودیکہ ہر قوم نے صرف ایک رسول کی تکذیب کی ہے، جواب یہ ہے کہ چونکہ تمام انبیاء ورسل کے اصول دین اور دعوت ایک ہی ہیں لہٰذا ایک رسول کی تکذیب تمام رسولوں کی تکذیب شمار ہوگی۔

تفسیر وتشریح

صٓ، وَالقراٰنِ ذِی الذِّکرِ اس نصیحت والے قرآن کی قسم جس میں تمہارے لئے ہر قسم کی نصیحت اور ایسی باتیں ہیں جن سے تمہاری دنیا بھی سنور جائے اور آخرت بھی، بعض حضرات نے ذی الذکر کا ترجمہ شان اور مرتبہ والا بھی کیا ہے، امام ابن کثیر نے کہا ہے کہ دونوں ہی معنی صحیح ہیں، اس لئے کہ قرآن عظمت وشان کا حامل بھی ہے، اور اہل ایمان وتقویٰ کے لئے نصیحت اور درس عبرت بھی، یہ بات تاکید کے لئے قسم کھا کر کہی گئی ہے، جواب قسم محذوف ہے یعنی بات اس طرح نہیں جس طرح کفار مکہ کہتے ہیں، کہ محمد ﷺ ساحر یا شاعر، یا کاذب ہیں، بلکہ وہ اللہ کے سچے رسول ہیں، جن پر ذی شان قرآن نازل ہوا۔

بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِی عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ یعنی یہ قرآن تو یقیناً شک وشبہ سے پاک اور نصیحت ہے، البتہ ان کافروں کو اس سے فائدہ اس لئے نہیں پہنچ رہا ہے کہ ان کے دماغوں میں استکبار اور غرور ہے اور دلوں میں مخالفت وعناد، عِزَّةٌ کے معنی ہیں حق کے مقابلہ میں اکڑنا۔

کَمْ اَھْلَکْنَا الخ ان کفار مکہ سے پہلے ایسی قومیں گذری ہیں کہ جو زور وقوت میں ان سے کہیں زیادہ تھیں، لیکن کفر وتکذیب کی وجہ سے برے انجام سے دوچار ہوئیں، اور انہوں نے عذاب کے آثار دیکھنے کے بعد بہت ہائے پکار کی اور توبہ پر اظہار آمادگی کیا، مدد کے لئے لوگوں کو پکارا، لیکن وہ وقت نہ توبہ وفریاد رسی کا تھا اور نہ فرار کا، اس لئے نہ ان کا ایمان نافع ہوا، اور نہ وہ بھاگ کر عذاب سے بچ سکے، لاتَ یہ دراصل لا ہے اس میں ت کا اضافہ کردیا گیا ہے، جیسے ثُمَّ میں ثمّت.

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا یعنی ایک ہی اللہ ساری کائنات کا نظام چلانے والا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں، اسی طرح عبادت اور نذر و نیاز کا صرف وہی مستحق ہے یہ ان کے لئے ناقابل یقین اور بڑی عجیب بات تھی۔

شانِ نزول:

اس سورت کی ابتدائی آیات کا شان نزول اور پس منظر یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے چچا ابو طالب مسلمان نہ ہونے کے باوجود آپ ﷺ کی پوری نگہداشت اور حمایت کرتے تھے، جب خواجہ ابو طالب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو قریش کے بڑے بڑے سرداروں نے ایک مجلس مشاورت منعقد کی، جس میں ابو جہل، عاص بن وائل، اسود بن عبد المطلب، اور اسود بن عبد یغوث اور دوسرے رؤساء شریک تھے، مشورہ یہ ہوا کہ ابو طالب شدید بیمار ہیں، ہوسکتا ہے کہ ان کا اسی بیماری میں انتقال ہو جائے، ان کے انتقال کے بعد اگر ہم نے محمد (ﷺ) کو ان کے نئے دین سے باز رکھنے کے لئے کوئی سخت اقدام کیا تو عرب کے لوگ ہمیں یہ طعنہ دیں گے کہ جب تک ابو طالب زندہ تھے، اس وقت تک تو یہ لوگ محمد (ﷺ) کا کچھ نہ بگاڑ سکے، اور جب ان کا انتقال ہو گیا تو انہوں نے آپ کو ہدف بنا لیا، لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم ابو طالب کی زندگی ہی میں ان سے محمد (ﷺ) کے معاملہ کا تصفیہ کرلیں تاکہ وہ ہمارے معبودوں کو برا کہنا چھوڑ دیں۔

چنانچہ یہ لوگ ابو طالب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جا کر ان سے کہا تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے آپ انصاف سے کام لیکر ان سے کہئے کہ وہ جس خدا کی چاہیں عبادت کریں، لیکن ہمارے معبودوں کو کچھ نہ کہیں، (حالانکہ رسول اللہ ﷺ خود بھی ان کے بتوں کو اس کے سوا کچھ نہ کہتے تھے کہ بے حس اور بے جان ہیں نہ تمہارے خالق ہیں اور نہ رازق نہ تمہارا کوئی نفع ان کے قبضہ میں ہے اور نہ نقصان) ابو طالب نے آنحضرت ﷺ کو مجلس میں بلوایا، اور آپ سے کہا بھتیجے یہ لوگ تمہاری شکایت کر رہے ہیں کہ تم ان کے معبودوں کو برا کہتے ہو، تم انہیں ان کے مذہب پر چھوڑ دو، اور تم اپنے خدا کی عبادت کرتے رہو، درمیان درمیان میں قریش کے لوگ بھی بولتے رہے۔

بالآخر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا چچا جان! کیا میں انہیں اس چیز کی دعوت نہ دوں جس میں ان کی بہتری ہے؟ ابو طالب نے کہا وہ کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا میں ان سے ایک ایسا کلمہ کہلوانا چاہتا ہوں جس کے ذریعہ سارا عرب ان کے آگے سرنگوں ہو جائے گا، اور یہ پورے عرب کے مالک ہو جائیں گے، اس پر ابو جہل نے کہا، بتاؤ وہ کلمہ کیا ہے؟ تمہارے باپ کی قسم، ہم ایک کلمہ نہیں دس کلمے کہنے کو تیار ہیں، اس پر آپ نے فرمایا بس لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ دو، یہ سن کر سب لوگ کپڑے جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے، اور کہنے لگے، کیا ہم سارے معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک کو اختیار کرلیں؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے، اس موقع پر سورۂ صٓ کی یہ آیات نازل ہوئیں۔ (تفسیر ابن کثیر، ص ۲۸/۲۷، ج ٤)

وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ الخ سے اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے، مشرکین مکہ کا کہنا تھا کہ توحید کا مسئلہ خود اس کا من گھڑت اور اختراع ہے ورنہ عیسائیت میں بھی اللہ کے ساتھ دوسروں کو الوہیت میں شریک تسلیم کیا گیا ہے اور دوسری بات

یہ ہے کہ مکہ اور طائف میں بڑے بڑے چودھری اور رئیس ہیں، اگر اللہ کو کسی کو نبی بنانا ہی تھا تو ان میں سے کسی کو نبی بناتا، ان کو چھوڑ کر محمد (ﷺ) کا انتخاب بھی عجیب ہے؟

اَمْ عِنْدَھُمْ خَزَائِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ مطلب یہ ہے کہ اہل مکہ کو آنحضرت ﷺ کا نبوت کے لئے منتخب ہونا بھی پسند نہیں تھا، بلکہ ان کی دلی خواہش یہ تھی کہ جس کو وہ چاہیں اس کو نبوت کے لئے منتخب کیا جائے، گویا کہ وہ رحمت خداوندی کے خزانوں کے مالک ہیں، رحمت کے خزانوں میں سے اعلیٰ درجہ کی رحمت نبوت بھی ہے، اب جبکہ مشرکین مکہ کو محمد ﷺ کی نبوت پسند نہیں ہے تو اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ جو نبوت کا منبع اور سرچشمہ ہے وہاں جائیں اور اس سلسلہ کو منقطع کرائیں اور اپنے کسی پسندیدہ شخص کے نام جاری کرالیں۔

جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت ﷺ کی مدد اور کفار کی شکست کا وعدہ ہے یعنی کفار کا لشکر باطل لشکروں میں سے ایک لشکر ہے یہ لشکر بڑا ہے یا چھوٹا، اس کی ہرگز پرواہ نہ کریں اور نہ اس سے خوف زدہ ہوں، شکست ان کا مقدر ہے **ھُنَالِكَ** مکان بعید کی طرف اشارہ ہے جو جنگ بدر اور یوم فتح مکہ کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے جہاں کفار عبرت ناک شکست سے دوچار ہوئے۔

وفرعون ذو الاوتاد اس کے لفظی معنی ہیں میخوں والا فرعون، اس کی تفسیر میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں، بعض حضرات نے فرمایا، اس سے اس کی سلطنت کے استحکام کی طرف اشارہ ہے، استحکام کی طرف اشارہ کرنے کو ''کھونٹے گڑنا'' بولتے ہیں، حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے ترجمہ کیا ہے وہ فرعون، جس کے کھونٹے گڑ گئے تھے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ فرعون جب کسی کو سزا دیتا تو اس کے چاروں ہاتھ پیروں میں میخیں گاڑ دیتا تھا، اور اس پر سانپ اور بچھو چھوڑ دیتا تھا، اسی طرح اذیت ناک سزا دیکر ہلاک کردیتا تھا، اور بعض نے کہا ہے کہ فرعون رسیوں اور میخوں کا کوئی کھیل کھیلا کرتا تھا، اس وجہ سے اس کو **ذو الاوتاد** کہا گیا ہے۔ (معارف، قرطبی)

اولٰئِكَ الْاَحْزَابُ اس کی ایک تفسیر تو یہ ہے کہ یہ جملہ **مهزومٌ مِّنَ الْاَحزَابِ** کا بیان ہے، یعنی جن گروہوں کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے وہ یہ ہیں، ایک تفسیر اس کی یہ بھی کی گئی ہے ''گروہ وہ تھے''، یعنی اصل طاقت وقوت جس کو طاقت کہنا چاہئے، اس کے مالک وہ لوگ تھے، یعنی قوم نوح، اور عاد وثمود وغیرہ، مشرکین مکہ کی ان کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں، جب وہ لوگ عذاب الٰہی سے نہ بچ سکے تو ان کی کیا ہستی ہے؟ (قرطبی)

وَمَا يَنْظُرُ يَنْتَظِرُ **هٰٓؤُلَآءِ** اى كُفَّارُ مَكَّةَ **اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً** هِىَ نَفْخَةُ القِيَامَةِ تَحِلُّ بِهِمُ العَذَابَ **مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ**﴿۱۵﴾ بِفَتْحِ الفاءِ وضَمِّها رُجُوْعٌ **وَقَالُوْا** لَمَّا نَزَلَ فَامَّا مَنْ اُوْتِىَ كِتَابَهُ بِيَمِيْنِهٖ الخ **رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا** اى كِتَابَ اَعْمَالِنَا **قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ**﴿۱۶﴾ قَالُوا ذٰلِكَ اِسْتِهْزَاءً قَالَ تَعَالٰى **اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ** اى القُوَّةِ فى العِبَادَةِ كان يَصُوْمُ يومًا ويُفْطِرُ يومًا ويَقُوْمُ نصفَ

اللَّيْلِ وَيَنَامُ ثُلُثَهُ وَيَقُومُ سُدُسَهُ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ﴿۱۷﴾ رَجَّاعٌ اِلٰى مَرْضَاتِ اللّٰهِ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِتَسْبِيْحِهٖ بِالْعَشِيِّ وَقْتَ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ وَالْاِشْرَاقِ﴿۱۸﴾ وَقْتَ صَلٰوةِ الضُّحٰى وَهُوَ اَنْ تُشْرِقَ الشَّمْسُ وَيَتَنَاهٰى ضَوْءُهَا وَ سَخَّرْنَا الطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً مَجْمُوْعَةً اِلَيْهِ تُسَبِّحُ مَعَهٗ كُلٌّ مِنَ الْجِبَالِ وَالطَّيْرِ لَهٗۤ اَوَّابٌ﴿۱۹﴾ رَجَّاعٌ اِلٰى طَاعَتِهٖ بِالتَّسْبِيْحِ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ قَوَّيْنَاهُ بِالْحَرَسِ وَالْجُنُوْدِ كَانَ يَحْرُسُ مِحْرَابَهٗ كُلَّ لَيْلَةٍ ثَلٰثُوْنَ اَلْفَ رَجُلٍ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ النُّبُوَّةَ وَالْاِصَابَةَ فِي الْاُمُوْرِ وَفَصْلَ الْخِطَابِ﴿۲۰﴾ الْبَيَانَ الشَّافِيَ فِيْ كُلِّ قَصْدٍ وَهَلْ مَعْنَى الْاِسْتِفْهَامِ هُنَا التَّعْجِيْبُ وَالتَّشْوِيْقُ اِلٰى اِسْتِمَاعِ مَا بَعْدَهٗ اَتٰىكَ يَا مُحَمَّدُ نَبَؤُا الْخَصْمِ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ﴿۲۱﴾ مِحْرَابَ دَاوٗدَ اَيْ مَسْجِدَهٗ حَيْثُ مُنِعُوا الدُّخُوْلَ عَلَيْهِ مِنَ الْبَابِ لِشُغْلِهٖ بِالْعِبَادَةِ اَيْ خَبَرُهُمْ وَقِصَّتُهُمْ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ نَحْنُ خَصْمٰنِ قِيْلَ فَرِيْقَانِ لِيُطَابِقَ مَا قَبْلَهٗ مِنْ ضَمِيْرِ الْجَمْعِ وَقِيْلَ اِثْنَانِ وَالضَّمِيْرُ بِمَعْنَاهُمَا وَالْخَصْمُ يُطْلَقُ عَلَى الْوَاحِدِ وَاكْثَرُهُمَا مَلَكَانِ جَاءَ ا فِيْ صُوْرَةِ خَصْمَيْنِ وَقَعَ لَهُمَا مَا ذُكِرَ عَلٰى سَبِيْلِ الْفَرْضِ لِتَنْبِيْهِ دَاوٗدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلٰى مَاوَقَعَ مِنْهُ وَكَانَ لَهٗ تِسْعٌ وَتِسْعُوْنَ اِمْرَأَةً وَطَلَبَ اِمْرَءَةَ شَخْصٍ لَيْسَ لَهٗ غَيْرُهَا وَتَزَوَّجَهَا وَدَخَلَ بِهَا بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ تَجُرْ وَاهْدِنَاۤ اَرْشِدْنَا اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ﴿۲۲﴾ وَسْطِ الطَّرِيْقِ الصَّوَابِ اِنَّ هٰذَاۤ اَخِيْ اَيْ عَلٰى دِيْنِيْ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً يُعَبَّرُ بِهَا عَنِ الْمَرْأَةِ وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا اِجْعَلْنِيْ كَافِلَهَا وَعَزَّنِيْ غَلَبَنِيْ فِي الْخِطَابِ﴿۲۳﴾ اَيِ الْجِدَالِ وَاَقَرَّهُ الْاٰخَرُ عَلٰى ذٰلِكَ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ لِيَضُمَّهَا اِلٰى نِعَاجِهٖ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ الشُّرَكَاءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ مَا لِتَاكِيْدِ الْقِلَّةِ فَقَالَ الْمَلَكَانِ صَاعِدَيْنِ فِيْ صُوْرَتِهِمَا اِلَى السَّمَاءِ قَضَى الرَّجُلُ عَلٰى نَفْسِهٖ فَتَنَبَّهَ دَاوٗدُ قَالَ تَعَالٰى وَظَنَّ اَيْ اَيْقَنَ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ اَوْقَعْنَاهُ فِيْ فِتْنَةٍ اَيْ بَلِيَّةٍ بِمَحَبَّةِ تِلْكَ الْمَرْأَةِ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا اَيْ سَاجِدًا وَّاَنَابَ﴿۲۴﴾ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى اَيْ زِيَادَةَ خَيْرٍ فِي الدُّنْيَا وَحُسْنَ مَاٰبٍ﴿۲۵﴾ مَرْجِعٍ فِي الْاٰخِرَةِ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ تُدَبِّرُ اَمْرَ النَّاسِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى اَيْ هَوَى النَّفْسِ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَيْ عَنِ الدَّلَائِلِ الدَّالَّةِ عَلٰى تَوْحِيْدِهٖ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَيْ عَنِ الْاِيْمَانِ بِاللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا بِنِسْيَانِهِمْ يَوْمَ الْحِسَابِ﴿۲۶﴾ الْمُتَرَتِّبِ عَلَيْهِ تَرْكُهُمُ الْاِيْمَانَ وَلَوْ اَيْقَنُوْا بِيَوْمِ الْحِسَابِ لَاٰمَنُوْا فِي الدُّنْيَا.

ترجمہ: انہیں یعنی کفار مکہ کو ایک چیخ کا انتظار ہے، اور وہ قیامت کا نفخہ ہوگا، جو ان پر عذاب نازل کرے گا، اور اس نفخہ کے لئے توقف نہ ہوگا فَوَاق میں فا، فتحہ اور ضمہ کے ساتھ ہے، جب آیۃ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتَابَهٗ بِيَمِيْنِهٖ نازل ہوئی تو

انہوں نے کہا اے ہمارے پروردگار تو ہمارا حصہ یعنی نامہ اعمال حساب کے دن سے پہلے (دنیا ہی) میں دیدے یہ بات انہوں نے تمسخر کے طور پر کہی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ ان کی باتوں پر صبر کیجئے، اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کیجئے جو عبادت میں بڑے قوی تھے، ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے آدھی رات قیام کرتے اور رات کا تہائی حصہ سوتے اور (پھر) رات کا چھٹا حصہ قیام کرتے یقیناً وہ اللہ کی مرضیات کی طرف بہت رجوع کرنے والے تھے ہم نے پہاڑوں کو اس کے تابع کر رکھا تھا، کہ اس کے ساتھ شام کو عشاء کی نماز کے وقت اور اشراق یعنی اشراق کی نماز کے وقت اور وہ یہ کہ سورج خوب چمکدار ہو جائے اور اس کی روشنی انتہاء پر پہنچ جائے، تسبیح خوانی کرتے تھے اور پرندوں کو اس کے تابع کر دیا تھا، اس کے پاس جمع ہو کر سب کے سب اس کے ساتھ تسبیح پڑھتے اور پہاڑوں اور پرندوں میں سے سب کے سب تسبیح خوانی میں اس کے زیر فرمان تھے، اور ہم نے اس کی حکومت کو پہرے داروں اور لشکروں کے ذریعہ قوت بخشی تھی، ان کی محراب کی ہر رات تیس ہزار محافظ نگرانی کرتے تھے، اور اسے حکمت یعنی نبوت اور معاملات میں اصابت رائے عطا کی تھی اور خطاب فیصل یعنی مقصد میں بیان شافی عطا کیا، ھَلْ استفہام کے معنی میں ہے، اور یہاں تعجب کے لئے ہے، اور کلام آئندہ کو غور سے سننے کا شوق دلانے کے لئے ہے، اور کیا تجھے اے محمد جھگڑنے والوں کی خبر ملی جبکہ وہ داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محراب یعنی عبادت خانہ کی دیوار پھاند کر عبادت خانہ میں آگئے، جبکہ ان کو داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس دروازوں سے جانے سے روک دیا گیا، حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عبادت میں مشغول ہونے کی وجہ سے یعنی کیا تم کو ان کی خبر اور ان کا قصہ پہنچا جب یہ داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس پہنچے تو وہ ان سے گھبرا گئے، تو (آنے والوں نے) کہا گھبرایئے نہیں ہم دونوں فریق مقدمہ ہیں، اور کہا گیا ہے کہ خصمان سے مراد فریقان ہے، تاکہ ماقبل (تسوّروا) کی ضمیر جمع کے مطابق ہو جائے اور کہا گیا ہے تثنیہ کے معنی میں ہے، اور خصم کا اطلاق ایک اور ایک سے زیادہ پر ہوتا ہے اور وہ دونوں فرشتے تھے، جو مدعی اور مدعا علیہ کی شکل میں آئے تھے، اور جو کچھ مذکور ہوا وہ ان دونوں کے لئے (قرآن) میں علی سبیل الفرض واقع ہوا ہے، کہ داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام اس لغزش پر متنبہ ہو جائیں جو ان سے صادر ہوئی، اور داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ننانوے بیویاں تھیں، اور ایسے شخص کی بیوی بھی طلب کی جس کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی بیوی نہیں تھی، اور اس سے (داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے) نکاح کر کے ہمبستری بھی کر لی، ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے، سو آپ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیجئے اور ناانصافی نہ کیجئے اور ہمیں سیدھی راہ بتا دیجئے (یعنی) درمیانی سیدھا راستہ (سنئے) یہ میرا بھائی یعنی دینی بھائی ہے اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں عورت کو دنبی سے تعبیر کر رہا تھا اور میرے ایک ہی دنبی ہے، لیکن یہ مجھ سے کہہ رہا ہے کہ یہ ایک دنبی بھی مجھے دیدے یعنی مجھے ان کا کفیل بنا دے اور یہ گفتگو یعنی بحث و مباحثہ میں مجھ پر غالب آگیا ہے اور فریق ثانی (یعنی مدعا علیہ) نے اس کا اقرار کر لیا آپ نے فرمایا اس کا اپنی دنبیوں میں تیری دنبی ملا لینے کا سوال بے شک تیرے اوپر ایک ظلم ہے اور بے شک اکثر شرکاء (ایسے ہی ہوتے ہیں) کہ ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہیں، سوائے ان کے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے اور ایسے لوگ بہت کم ہیں ما تاکید قلت کے لئے ہے، چنانچہ دونوں فرشتوں نے اپنی اصلی صورت میں آسمان کی طرف چڑھتے

ہوئے کہا، اس شخص نے تو خود ہی اپنے خلاف فیصلہ کرلیا، تو اس وقت حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام متنبہ ہوئے، اور حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام سمجھ گئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور داؤد نے یقین کرلیا کہ ہم نے انہیں آزمایا ہے یعنی ان کو آزمائش میں ڈالا ہے، بایں طور کہ اس عورت کی محبت کے فتنہ میں مبتلا کردیا ہے، پھر تو اپنے رب سے استغفار کرنے لگے اور سجدے میں گر پڑے اور اپنے مولیٰ کی طرف رجوع کیا، تو ہم نے بھی ان کا وہ قصور معاف کردیا یقیناً وہ ہمارے نزدیک بڑے مرتبہ والے ہیں، یعنی دنیا میں زیادہ نیکیوں والے ہیں اور آخرت میں بہت اچھے ٹھکانوں والے ہیں اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنادیا تاکہ لوگوں کے معاملات کی تدبیر کرو تو تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کرو اور خواہشات کی پیروی نہ کرو یعنی نفسانی خواہشات کی ورنہ وہ تمہیں اللہ کی راہ سے یعنی ان دلائل سے جو اس کی توحید پر دلالت کرتے ہیں بھٹکا دے گا، یقیناً جو لوگ اللہ کی راہ سے یعنی ایمان سے بھٹک جاتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے، ان کے یوم حساب کو بھلا دینے کی وجہ سے جس (نسیان) پر ان کا ترک ایمان مرتب ہوا، اگر یہ لوگ یوم حساب کا یقین کرلیتے تو دنیا (ہی) میں ایمان لے آتے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَهُ: فواق فا کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ، ای الرجوع، یہ اسم فعل ہے، اس کی جمع اَفْوِقَةٌ و آفِقَةٌ ہے، درمیانی وقفہ، دو مرتبہ دودھ دوہنے کے درمیان کا وقفہ، ایک مرتبہ دوہنے کے بعد بچہ کو دودھ پینے کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے، بچہ کے پینے سے جانور کے تھنوں میں دوبارہ دودھ اتر آتا ہے، دوہنے والا، بچہ کو ہٹا کر دوبارہ دودھ دوہ لیتا ہے، اسی درمیانی وقفہ کا نام فواق ہے (قاموس) یہاں مراد سکون، وقفہ ہے، یا رجوع مراد ہے جیسا کہ محلی نے مراد لیا ہے، یعنی نفخۂ قیامت بلاتوقف تسلسل کے ساتھ ہوگا۔

قِوْلَهُ: مالَهَا ما نافیہ ہے اور لَهَا خبر مقدم ہے من زائدہ ہے، اور فواق، اسم مجرور لفظاً ما کا اسم یا مبتداء مؤخر ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے، جملہ ما لَهَا مِنْ فواقٍ، صیحةً کی صفت ہونے کی وجہ سے محل میں نصب کے ہے۔

قِوْلَهُ: ذَالاَیْدِ، ایدٌ بیعٌ کے وزن پر آدَ یئید سے مصدر مفرد ہے، اِذَا قَوِیَ و اشتَدَّ یہ یدٌ کی جمع نہیں ہے۔

(صاوی)

قِوْلَهُ: اِنَّهُ اَوّاب یہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین میں قوی ہونے کی علت ہے۔

قِوْلَهُ: یُسَبِّحْنَ یہ الجبال سے حال ہے۔

قِوْلَهُ: وَالطَّیرَ محشُوْرَةً، الجبالَ پر عطف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور بعض نے مبتدا، خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع کہا ہے۔

قِوْلَهُ: کُلٌّ لَهٗ اوّاب، لهٗ کا مرجع حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں جیسا کہ مفسر علام کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ پہاڑ اور پرندے تسبیح خوانی میں حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کے تابع تھے، داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تسبیح خوانی

کی وجہ سے۔ جب حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام ان کو تسبیح خوانی کا حکم فرماتے تو وہ تسبیح خوانی میں حضرت داؤد کے ساتھ مصروف ہوجاتے، اس صورت میں اَوّاب، مسبّحٌ کے معنی میں ہوگا، دوسری صورت یہ کہ لَہٗ کا مرجع باری تعالیٰ کو قرار دیا جائے تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام اور پہاڑ و پرندے اللہ کی طرف رجوع کرنے والے اور تسبیح خواں ہوتے تھے، علامہ محلی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ لَہٗ، اَوّاب کا صلہ ہے، (جمل) یہ جملہ مستانفہ ہے ماسبق کے مضمون کی تاکید اور اجمال کی تفصیل کے لئے لایا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: بِالْحُرَّسِ، حاء کے ضمہ اور راء مشدد کے فتحہ کے ساتھ حارس کی جمع ہے، اور دونوں کے فتحہ کے ساتھ حَرَسٌ بروزن خَدَمٌ بمعنی خدام، نوکر چاکر۔

قَوْلُہٗ: هَلْ اَتَاكَ. هل استفہامیہ تعجبیہ ہے یعنی مخاطب کو تعجب میں ڈالنے کے لئے یا آئندہ کلام کو سننے کا شوق دلانے کے لئے ہے، یہ ایسا ہی ہے کہ جب کوئی عجیب خبر سنانی ہوتی ہے تو مخاطب کو متوجہ کرنے کے لئے کہتے ہیں، هَلْ تعلم؟ ما وَقَعَ الیوم اردو محاورہ میں کہتے ہیں، کچھ معلوم؟ آج ایسا ہوگیا۔

قَوْلُہٗ: تَسَوَّرُوْا ماضی جمع مذکر غائب، انہوں نے دیوار کو پھاندا، دیوار پھاند کر داخل ہوئے، اِذْ تَسَوَّرُوْا مضاف محذوف کا ظرف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے هَلْ اَتَاكَ نبَؤُ تَخَاصم الخصم اِذ تسوّرُوا.

قَوْلُہٗ: اِذْ دَخَلُوْا یہ پہلے اِذ سے بدل ہے، اور تَسَوَّرُوْا کا بدل بھی ہوسکتا ہے۔

قَوْلُہٗ: خبرھم وقصتھم یہ نبؤٌ کی تفسیر ہے۔

قَوْلُہٗ: قیلَ فریقانِ لِیُطَابِقَ ماقبلَهٗ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ تسوّروا جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے، اور خصمان تثنیہ، دونوں میں مطابقت نہیں ہے، حالانکہ مصداق دونوں کا ایک ہی ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ خصمان سے مراد فریقان ہے، اور ہر فریق کئی افراد پر مشتمل ہوتا ہے تب ہی اس کو فریق کہتے ہیں، لہٰذا دونوں میں کوئی مخالفت نہیں ہے، دوسرا جواب یہ بھی دیا گیا ہے، کہ خصم مصدر بھی ہے، اس لئے اس کا اطلاق واحد، تثنیہ، جمع سب پر ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: وقیل اثنان والضمیر بمعناھا مذکورہ اعتراض کا یہ تیسرا جواب ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دیوار پھاند کر آنے والے دو ہی تھے، مگر تسوّروا میں جمع سے مافوق الواحد مراد ہے، جس کا اطلاق دو پر بھی ہوسکتا ہے۔

قَوْلُہٗ: وَقَعَ لَهُمَا مَا ذُكِرَ علیٰ سبیل الفرض مفسر علام کا مقصد اس عبارت سے ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض: دو فرشتے مذکورہ مسئلہ میں مدعی اور مدعا علیہ بن کر آئے اور انہوں نے حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کی عدالت میں ایک ایسا مقدمہ پیش کیا کہ جس کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں تھا، جو سراسر کذب و معصیت تھا، حالانکہ فرشتے معصوم ہیں، ان سے معصیت کا صدور نہیں ہوسکتا؟

جَوَابٌ: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ کذب و معصیت اس وقت ہوگا جب حقیقتاً کسی واقعہ کی خبر دینا مقصود ہوتا، یہاں تو تنبیہ کے لئے ایک فرضی صورت تصور کرلی گئی تھی، اس میں خلاف واقعہ کذب و دروغ گوئی کا سوال ہی نہیں ہے، یہ ایسا ہی ہے کہ استاد

بچوں کو سمجھانے کے لئے بطور مثال کہتا ہے ضَرَبَ زیدٌ عمرًا، واشتریٰ بکر دارًا حالانکہ نہ یہاں ضرب ہے اور نہ شراء یہاں بھی داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے تعریض وتنبیہ مقصود تھی نہ کہ بیان واقعہ۔

قِوُلِہٗ: وَاَقَرَّہُ الآخرُ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب دینا ہے، سوال یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدعا علیہ کا بیان سنے بغیر نیز گواہوں کی گواہی کے بغیر کس طرح یکطرفہ فیصلہ کردیا؟

جَوَابٌ: جواب کا حاصل یہ ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مدعا علیہ نے مدعی کے دعوے کو تسلیم کرلیا تھا، اور جب مدعا علیہ مدعی کا دعویٰ تسلیم کرلے تو پھر نہ گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ بیان صفائی کی۔

قِوُلِہٗ: قلیلٌ ما ھُمْ، قلیل خبر مقدم ہے ما تاکید قلت کے لئے زائدہ ہے، ھُمْ مبتدا مؤخر ہے۔

قِوُلِہٗ: زُلفٰی درجہ، مرتبہ، زلفٰی بروزن قُربیٰ مصدر ہے۔ (لغات القرآن)

تَفسِیر وتَشریح

وَمَا یَنْظُرُ الخ یَنْظُرُ بمعنی یَنْتَظِرُ ہے، وقوع یقینی کو بیان کرنے کے لئے ینتظرُ کو مجازاً ینظرُ سے تعبیر کردیا ہے، اس تعبیر کی علت یہ ہے کہ اس نفخہ کا وقوع اس قدر یقینی ہے گویا کہ وہ ایسا امر محسوس ہے جو آنکھوں سے نظر آسکتا ہے، رسولوں کی تکذیب کرنے والی سابقہ امتوں کی ہلاکت و بربادی کا ذکر کرنے کے بعد کفار مکہ کے عقاب وعذاب کو بیان فرما رہے ہیں، یعنی جب نہایت طاقتور اور دنیوی وسائل سے مالا مال قوموں کو رسولوں کی تکذیب کی پاداش میں ہلاک کرکے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا، تو کفار مکہ کی ان کے مقابلہ میں کیا حقیقت وحیثیت ہے، اسم اشارہ ھٰؤلآءِ جو کہ قریب کے لئے ہے، لاکر کفار مکہ کی تحقیر کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے نفخہ سے مراد نفخۂ ثانیہ ہے، جس کے ذریعہ قیامت برپا ہوگی۔ (روح المعانی)

مَا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ یعنی اسرافیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا صور پھونکنا اس قدر تسلسل کے ساتھ ہوگا کہ اس میں کوئی وقفہ نہیں ہوگا اور نہ صور پھونکنے کے بعد وقفہ ہوگا، بلکہ فوراً ہی زلزلہ قیامت شروع ہوجائے گا عَجِّلْ لَنَا قِطَّنَا، قِطٌّ کے معنی حصہ کے ہیں، یہاں مراد نامۂ عمل ہے، مطلب یہ ہے کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے نامۂ اعمال کے مطابق ہمارے حصہ میں اچھی یا بری جزاء یا سزا جو بھی ہے، روز قیامت سے پہلے دنیا ہی میں دیدے، اور یہ عذاب طلبی استہزاء کے طور پر تھی اس لئے کہ یہ لوگ وقوع قیامت کو عقلاً ناممکن سمجھتے تھے۔

ذا الْاَیْدِ، اَیْدٌ، یَدٌ بمعنی ہاتھ کی جمع نہیں ہے، بلکہ آدَ یئیدُ کا مصدر ہے اور معنی قوت وشدت کے ہیں اسی سے تائید بمعنی تقویت ہے، یہاں دینی قوت اور صلاحیت مراد ہے۔

کفار کی تکذیب واستہزاء سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو صدمہ ہوتا تھا، اسے دور کرکے تسلی دینے کے لئے عموماً اللہ تعالیٰ نے پچھلے انبیاء علیہم السلام کے واقعات سنائے ہیں، چنانچہ یہاں بھی آپ کو صبر کی تلقین فرما کر بعض انبیاء علیہم السلام کے واقعات ذکر کئے گئے ہیں جن میں سے پہلا واقعہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے۔

اِنَّا سَخَّرْنَا الجِبَالَ مَعَهٗ الخ اس آیت میں پہاڑوں اور پرندوں کے حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ شریک تسبیح ہونے کا تذکرہ ہے، اس کی تشریح سورۂ انبیاء اور سورۂ سبا میں گذر چکی ہے، یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح کو باری تعالیٰ نے یہاں اس طرح ذکر فرمایا ہے، کہ یہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایک خاص انعام تھا، سوال یہ ہے کہ یہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے نعمت کیسے ہوئی؟ پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح سے حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کیا خاص فائدہ پہنچا؟

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اس سے داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معجزہ ظاہر ہوا، اور ظاہر ہے کہ یہ ایک بڑا انعام ہے، اس کے علاوہ حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے ایک لطیف توجیہ یہ فرمائی ہے کہ پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح سے ذکر و شغل کا ایک خاص کیف پیدا ہوتا تھا، جس سے عبادت میں نشاط اور تازگی اور ہمت پیدا ہوتی ہے، اجتماعی ذکر کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ذکر کی برکتوں کا ایک دوسرے پر انعکاس ہوتا ہے۔

وَاٰتَیْنٰـــهُ الْـحِـكْمَةَ وَفَصْلَ الخِطَاب "حکمت" سے مراد دانائی ہے یعنی ہم نے داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عقل و فہم کی دولت بخشی تھی اور بعض حضرات نے حکمت سے نبوت مراد لی ہے، فصل الخطاب کی مختلف تفسیریں بیان کی گئی ہیں، بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد زور بیان اور قوت خطاب ہے، کہا جاتا ہے کہ خطبوں میں حمد و صلوٰۃ کے بعد "اما بعد" کا کلمہ سب سے پہلے حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے استعمال فرمایا تھا، اور بعض حضرات نے فصل خطاب سے بہترین قوت فیصلہ مراد لی ہے، درحقیقت ان تمام الفاظ میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

هَلْ اَتٰكَ نَبَؤُا الخصمِ الخ "محراب" سے مراد خلوت خانہ ہے، جس میں حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام یکسوئی کے ساتھ تنہائی میں عبادت کیا کرتے تھے، دروازے پر پہرے دار ہوتے تھے تاکہ کوئی اندر آکر عبادت میں مخل نہ ہو، مگر دو جھگڑا کرنے والے بجائے دروازہ سے آنے کے دیوار پھاند کر عقب سے اندر داخل ہوگئے، جس کی وجہ سے حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک گونہ خوف محسوس ہوا، خوف کی وجہ ظاہر ہے کہ دروازہ سے آنے کے بجائے عقب سے دیوار پھاند کر اندر آئے، دوسری بات یہ ہے کہ ایسی نازیبا اور نامناسب حرکت کرتے ہوئے بادشاہ وقت سے بھی خوف محسوس نہیں کیا۔

طبعی خوف نبوت کے منافی نہیں:

ظاہری اسباب کے مطابق خوف والی چیز سے خوف کھانا انسانی طبیعت کا فطری تقاضہ ہے یہ نہ منصب نبوت کے خلاف ہے اور نہ توحید کے منافی جو خوف منصب نبوت و توحید کے منافی ہے وہ، وہ خوف ہے جو ماورائے اسباب ہو، اس کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے ایک ہوتا ہے خوف اور ایک ہوتی ہے خشیت، خوف نبوت و توحید کے منافی نہیں ہے البتہ خشیت توحید و رسالت کے منافی ہے، آنے والوں نے تسلی دی اور عرض کیا گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، ہمارے درمیان ایک جھگڑا ہے ہم آپ سے فیصلہ کرانے آئے ہیں، آپ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمائیں اور راہ راست کی جانب ہماری راہنمائی بھی فرمائیں، میرے اور میرے اس بھائی کے درمیان مختلف فیہ معاملہ یہ ہے کہ میرے پاس ایک دنبی ہے اور اس کے پاس ننانوے دنبیاں

ہیں، یہ مجھے اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ میں اپنی دنبی بھی اسکو دیدوں اور گفتگو میں یہ مجھ پر غالب آگیا ہے یعنی جس طرح اس کے پاس مال زیادہ ہے، زبان کے اعتبار سے بھی مجھ سے زیادہ تیز ہے اور اسی تیزی وطراری کی وجہ سے لوگوں کو قائل کر لیتا ہے، اور اپنی بات منوالیتا ہے، اس نے مجھے بھی دبالیا ہے۔

قَالَ لَقَدْ ظَلَمَکَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِکَ اِلٰی نِعَاجِہٖ داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اس نے جو تیری دنبی اپنی دنبیوں میں ملانے کی درخواست کی ہے یہ واقعی تجھ پر ظلم ہے، یہاں دو باتیں قابل غور ہیں ایک تو یہ کہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ فقرہ، صرف مدعی کی بات سن کر ارشاد فرمایا، مدعا علیہ کا بیان نہیں سنا، بعض حضرات نے فرمایا یہی وہ لغزش ہے جس پر آپ نے استغفار فرمایا، مطلب یہ ہے کہ اول آپ کو دونوں فریقوں کی بات سننی چاہئے تھی اس کے بعد آپ کوئی بات فرماتے، مگر آپ نے ابھی مدعا علیہ کی کوئی بات نہیں سنی اور مدعی کی حمایت میں اپنا رخ ظاہر فرمادیا جو کہ عدل وانصاف کے تقاضوں کے منافی ہے۔

نیز یہ بھی ممکن ہے کہ آنے والوں نے حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عدالتی فیصلہ طلب کیا ہو لیکن نہ وہ وقت عدالت کا تھا اور نہ وہ قضا کی مجلس تھی، اس لئے حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قاضی کی حیثیت سے نہیں بلکہ مفتی کی حیثیت سے فتویٰ دیا اور مفتی کا کام واقعہ کی تحقیق کرنا نہیں ہوتا بلکہ سوال کے مطابق جواب دینا ہوتا ہے۔

دوسری غور طلب بات یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک شخص کے محض دنبی مانگنے کو ظلم قرار دیدیا حالانکہ بظاہر کسی سے کوئی چیز مانگنا کوئی جرم نہیں ہے، وجہ یہ ہے کہ صورت سوال کی تھی، لیکن جس قولی اور عملی دباؤ کے ساتھ یہ سوال کیا جارہا تھا، اس کی موجودگی میں اس کی حیثیت غصب کی سی تھی، اسی لئے آپ نے اس سوال کو ظلم فرمایا۔

فاستغفر ربہٗ وخرَّ راکعًا واناب یعنی حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب سے استغفار کیا اور سجدہ میں گر گئے، حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ کونسا کام تھا جس پر انہیں کوتاہی کا احساس ہوا، اور اظہار ندامت کرنی پڑی، اور اللہ نے ان کو معاف فرمادیا، نہ قرآن مجید میں اس اجمال کی تفصیل ہے اور نہ کسی مستند حدیث میں اس کی کوئی وضاحت اس لئے بعض مفسرین نے تو اسرائیلی روایات کو بنیاد بنا کر ایسی باتیں بھی لکھ دی ہیں جو ایک نبی کی شان اور عصمت انبیاء کے خلاف ہیں، البتہ بعض مفسرین مثلاً ابن کثیر نے یہ موقف اختیار کیا کہ جب قرآن وحدیث اس معاملہ میں خاموش ہیں تو ہمیں بھی اس کی تفصیلات کی کرید میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

پھر مفسرین کا ایک گروہ وہ ہے جو اس واقعہ کی بعض جزئیات بیان کرتا ہے تاکہ قرآن کے اجمال کی کچھ توضیح ہوجائے، تاہم تمام مفسرین بھی کسی ایک بیان پر متفق نہیں ہیں، بعض کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ایک فوجی افسر کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے، اور یہ اس زمانہ کے عرف میں کوئی معیوب بات نہیں تھی، حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس عورت کی خوبیوں اور کمالات کا علم ہوا تھا جس کی وجہ سے ان کے اندر یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اس عورت کو تو ملکہ ہونا چاہئے، نہ کہ ایک عام سی عورت تاکہ اس کی خوبیوں اور کمالات سے پورا ملک فیضیاب ہوسکے، یہ خواہش خواہ کتنے ہی اچھے جذبے کی بنیاد پر ہو لیکن ایک تو متعدد بیویوں کی موجودگی میں یہ نامناسب سی بات لگتی ہے، دوسرے بادشاہ وقت کی جانب سے اس کے اظہار میں جبر کا پہلو بھی

شامل ہوجاتا ہے، اس لئے حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کو ایک تمثیلی واقعہ سے اس کے نامناسب ہونے کا احساس دلایا گیا، اور حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کو فی الواقع اس پر تنبہ ہو بھی گیا۔

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ آنے والے دو فرشتے تھے، جو ایک فرضی مقدمہ لے کر حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، داؤد علیہ الصلاۃ والسلام سے کوتاہی یہ ہوئی کہ مدعی کا بیان سن کر ہی اپنی رائے کا اظہار کردیا اور مدعا علیہ کی بات سننے کی ضرورت محسوس نہیں کی، اللہ تعالیٰ نے رفع درجات کے لئے اس آزمائش میں انہیں ڈالا، اس غلطی کا احساس ہوتے ہی وہ سمجھ گئے کہ یہ آزمائش تھی جو اللہ کی طرف سے ان پر آئی، اور فوراً ہی بارگاہ الٰہی میں جھک گئے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ آنے والے فرشتے نہیں تھے بلکہ انسان ہی تھے اور یہ کوئی فرضی واقعہ نہیں، ایک حقیقی جھگڑا تھا، جس کے فیصلے کے لئے وہ آئے تھے، اور اس طرح ان کے صبر و تحمل کا امتحان لیا گیا، کیونکہ اس واقعہ میں ناگواری اور اشتعال طبع کے کئی پہلو تھے، ایک تو بلا اجازت بجائے دروازے کے دیوار پھاند کر عقب سے آنا، دوسرے عبادت کے مخصوص اوقات میں آکر مخل ہونا، تیسرا ان کا طرز تکلم بھی ان کی حاکمانہ شان کے خلاف تھا، مثلاً یہ کہ زیادتی نہ کرنا، انصاف سے فیصلہ کرنا وغیرہ وغیرہ، لیکن اللہ نے آپ کو توفیق دی کہ آپ مشتعل نہیں ہوئے، اور کمال صبر و تحمل کا مظاہرہ فرمایا، لیکن دل میں طبعی ناگواری کا جو ہلکا سا احساس پیدا ہوا، اس کو بھی اپنی کوتاہی پر محمول کیا، یعنی یہ اللہ کی طرف سے آزمائش تھی اس لئے یہ طبعی انقباض بھی نہیں ہونا چاہئے تھا، جس پر حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام نے توبہ واستغفار کی۔

خلاصۂ کلام:

محقق اور محتاط مفسرین نے ان آیات کی تشریح میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خاص حکمت و مصلحت سے اپنے جلیل القدر پیغمبر کی اس لغزش و آزمائش کی تفصیل کو صیغۂ راز میں رکھا ہے، ہمیں بھی اس کے پیچھے نہیں پڑنا چاہئے اور جتنی بات قرآن میں مذکور ہے صرف اسی پر ایمان رکھنا چاہئے، حافظ ابن کثیر جیسے محقق و محتاط مفسر نے اپنی تفسیر میں اسی پر عمل کرتے ہوئے واقعہ کی تفصیل سے خاموشی اختیار فرمائی ہے، اور کوئی شک نہیں کہ یہ سب سے محتاط اور سلامتی کا راستہ ہے اسی لئے علماء سلف سے منقول ہے (اَبْهِمُوْا مَا اَبْهَمَهُ اللّٰهُ) یعنی اللہ نے جس کو مبہم رکھا ہے تم بھی اس کو مبہم ہی رکھو، اسی میں حکمت و مصلحت ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ اس سے مراد ایسے معاملات کا ابہام ہے جن سے ہمارے عمل اور حلال و حرام کا تعلق نہ ہو، اور جن معاملات سے مسلمانوں کے عمل کا تعلق ہے اس ابہام کو خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول و فعل سے رفع کردیا۔

البتہ بعض مفسرین نے روایات و آثار کی روشنی میں اس امتحان و آزمائش کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے اس سلسلہ میں ایک عامیانہ روایت تو یہ مشہور ہے کہ حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کی نظر ایک مرتبہ سپہ سالار، اوریا کی بیوی پر پڑگئی تھی، جس سے ان کے دل میں اس سے نکاح کرنے کی خواہش پیدا ہوئی، اور حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام نے اوریا کو قتل کرانے کی غرض سے ایک خطرناک مہم پر روانہ کردیا، جس میں وہ قتل ہوگیا، اس کے بعد داؤد علیہ الصلاۃ والسلام نے اس کی بیوی سے شادی کرلی، اس عمل پر تنبیہ کرنے کے

لئے یہ دوفرشتے انسانی شکل میں بھیجے گئے۔

لیکن یہ روایات بلاشبہ ان خرافات میں سے ہیں جو یہودیوں کے زیر اثر مسلمانوں میں پھیل گئی تھیں، یہ روایات دراصل بائبل کی کتاب سموئیل باب دوم کے صفحہ نمبر (۱۱) سے ماخوذ ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ بائبل میں کھلم کھلا حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ (نعوذ باللہ) حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام نے اوریا کی بیوی سے نکاح کرنے سے پہلے ہی زنا کا ارتکاب کیا تھا، ان تفسیری روایات میں زنا کے جز کو حذف کر دیا گیا ہے۔

سجدۂ تلاوت کے چند مسائل:

فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ اس آیت میں ''رکوع'' کا لفظ استعمال ہوا ہے، اس کے لغوی معنی جھکنے کے ہیں، اکثر مفسرین کے نزدیک اس سے سجدہ مراد ہے، احناف کے نزدیک اس آیت کی تلاوت سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔

رکوع سے سجدۂ تلاوت ادا ہو جاتا ہے:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر نماز میں آیت سجدہ تلاوت کی گئی ہے تو رکوع میں سجدہ کی نیت کر لینے سے سجدۂ تلاوت ادا ہو جاتا ہے، اس لئے کہ یہاں باری تعالیٰ نے سجدہ کے لئے رکوع کا لفظ استعمال فرمایا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ رکوع بھی سجدہ کے قائم مقام ہو سکتا ہے، لیکن اس سلسلہ میں چند ضروری مسائل یاد رکھنے چاہئیں۔

مسئلہ: نماز کے فرض رکوع کے ذریعہ سجدہ صرف اس صورت میں ادا ہو سکتا ہے کہ جب آیتِ سجدہ نماز میں پڑھی گئی ہو، نماز سے باہر آیت سجدہ تلاوت کی ہوئی کا سجدہ نماز میں ادا نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ رکوع صرف نماز ہی میں عبادت ہے، نماز سے باہر نہ مشروع ہے اور نہ عبادت۔ (بدائع، معارف)

مسئلہ: رکوع میں سجدہ صرف اسی وقت ادا ہو گا جب کہ آیت سجدہ تلاوت کرنے کے فوراً بعد یا زیادہ سے زیادہ دو تین آیتیں مزید تلاوت کر کے رکوع کر لیا ہو، اور اگر آیت سجدہ تلاوت کرنے کے بعد طویل قراءت کی ہو تو رکوع میں سجدۂ تلاوت ادا نہ ہو گا۔

مسئلہ: اگر رکوع میں سجدۂ تلاوت ادا کرنے کا ارادہ ہو تو رکوع میں جاتے وقت ہی سجدۂ تلاوت کی نیت کر لینی چاہئے، ورنہ اس رکوع سے سجدہ تلاوت ادا نہ ہو گا۔

مسئلہ: افضل بہر حال یہی ہے کہ سجدۂ تلاوت کو نماز کے فرض رکوع میں ادا کرنے کے بجائے مستقل سجدہ سے ادا کیا جائے، اور سجدے سے اٹھ کر ایک دو آیتیں تلاوت کر کے پھر سجدہ کرے۔ (بدائع، معارف)

فائدہ: اس واقعہ سے متعلق ایک اور بات قابل ذکر ہے کہ حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کی لغزش خواہ کچھ رہی ہو، اللہ تعالیٰ براہ راست وحی کے ذریعہ آپ کو اس پر متنبہ فرما سکتے تھے، لیکن اس کے بجائے ایک مقدمہ بھیج کر تنبیہ کے لئے ایک خاص طریقہ کیوں

اختیار کیا گیا؟ درحقیقت اس طریقہ پر غور کرنے سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے والوں کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ کسی شخص کو اس کی غلطی پر تنبیہ کے لئے حکمت سے کام لینے کی ضرورت ہے، اور اس کے لئے ایسا طریقہ اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے جس سے متعلقہ شخص خود بخود اپنی غلطی کو محسوس کرلے اور اسے زبانی تنبیہ کی ضرورت پیش نہ آئے، اور اس کے لئے ایسی تمثیلات سے کام لینا زیادہ مؤثر ہوتا ہے، جس سے کسی کی دل آزاری بھی نہ ہو، اور ضروری بات بھی واضح ہوجائے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا اي عَبَثًا **ذٰلِكَ** اي خَلْقُ مَا ذُكِرَ لَا لِشَيْءٍ **ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** مِنْ اهلِ مكَّةَ **فَوَيْلٌ** وَادٍ **لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿۲۷﴾ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾** نَزَلَ لَمَّا قالَ كُفَّارُ مكَّةَ للمُؤمِنِيْنَ اِنَّا نُعطى فِي الاٰخرةِ مِثْلَ مَا تُعطَونَ وَاَمْ بِمعْنٰى همزةِ الاِنكار **كِتٰبٌ** خبرُ مُبتدأٍ مَحذُوفٍ اي هٰذا **اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْا** اَصلُهُ يَتَدَبَّرُوا اُدْغِمتِ التَّاءُ فِي الدَّالِ **اٰيٰتِهٖ** يَنظُرُوا فِي مَعانِيها فيُؤمِنُوا **وَلِيَتَذَكَّرَ** يَتَّعِظَ **اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾** اَصحَابُ العُقُولِ **وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ** ابنه **نِعْمَ الْعَبْدُ** اي سُلَيمَانُ **اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۳۰﴾** رَجَّاعٌ فى التَّسبيحِ والذكرِ في جميعِ الاَوقَاتِ **اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ** هو مَا بَعْدَ الزَّوالِ **الصّٰفِنٰتُ** الخَيلُ جَمْعُ صافنةٍ وهى القائمَةُ على ثلاثٍ واِقامةُ الاخرٰى على طرفِ الحَافِرِ وهى مِنْ صفن يصفِنُ صُفُونًا **الْجِيَادُ ﴿۳۱﴾** جَمْعُ جَوَّادٍ وهو السابقُ، المعنى اَنَّها اِنِ اسْتُوقِفَتْ سكَنَتْ واِنْ رُكِضَتْ سَبَقَتْ وكَانَتْ اَلفُ فَرسٍ عُرِضَتْ عليه بعدَ اَنْ صَلَّى الظهرَ لِاِرادَتِهِ الجِهادَ عليها لعدوٍّ فعِندَ بُلُوغِ العرضِ تِسعَ مِاَةٍ منها غربَتِ الشمسُ ولَمْ يَكُنْ صَلَّى العصرَ فاغتَم **فَقَالَ اِنِّيْٓ اَحْبَبْتُ** اي اَرَدتُّ **حُبَّ الْخَيْرِ** اي الخَيلِ **عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ** اي صلوةِ العصرِ **حَتّٰى تَوَارَتْ** اي الشَّمسُ **بِالْحِجَابِ ﴿۳۲﴾** اي اِسْتَتَرَتْ بِمَا يَحْجُبُهَا عَنِ الابصارِ **رُدُّوْهَا عَلَيَّ** اي الخَيلَ المَعْرُوضَةَ فرَدُّوها **فَطَفِقَ مَسْحًا** بالسَّيفِ **بِالسُّوْقِ** جَمْعُ سَاقٍ **وَالْاَعْنَاقِ ﴿۳۳﴾** اي ذَبَحَهَا وقَطَعَ اَرْجُلَها تقرُّبًا الى اللّٰهِ تعالىٰ حَيثُ اشْتَغَلَ بها عَنِ الصَّلٰوةِ وتَصَدَّقَ بلَحمِها فعَوَّضَهُ اللّٰهُ خيرًا منها واَسْرَعَ وهى الرِّيحُ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ كَيفَ شاءَ **وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ** ابْتَلَيناهُ بِسَلبِ مُلْكِهٖ وذٰلك لِتَزَوُّجِهٖ بِامْرأَةٍ هَوِيَها وكانَتْ تَعْبُدُ الصَّنَمَ فِي دَارِهٖ مِنْ غيرِ عِلمِهٖ وكانَ مُلْكُهٗ في خَاتَمِهٖ فنَزَعَهٗ مَرَّةً عِنْدَ اِرادةِ الخَلاءِ ووَضَعَهٗ عِنْدَ اِمرَأتِهِ المُسمَّاةِ بالاَمِيْنَةِ على عَادَتِهٖ فجَاءَهَا جِنِّيٌّ فِي صُورَةِ سُلَيمَانَ فَاَخَذَهٗ منها **وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا** هو ذٰلك الجِنِّيُّ وهو صَخرٌ او غيرُهٗ جَلَسَ على كُرْسِيِّ سُلَيمانَ وعَكَفَتْ عليه الطَّيرُ وغيرُها فخَرَجَ سُلَيمانُ في غيرِ هَيئَتِهٖ فرآه على كُرسِيِّهٖ وقَالَ للنَّاسِ اَنَا سُلَيمَانُ فَاَنكَرُوهُ **ثُمَّ اَنَابَ ﴿۳۴﴾** رَجَعَ سُلَيمَانُ اِلٰى مُلكِهٖ بَعْدَ اَيَّامٍ بِاَنْ وَصَلَ اِلَى الخَاتَمِ فَلَبِسَهٗ وجَلَسَ على كُرسِيِّهٖ **قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ** لا يَكُونُ **لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ** اي سِوايَ نحو فَمَنْ يَّهدِيْهِ من بعدِ اللّٰهِ اي

سوی اللہ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً لَيِّنَةً حَيْثُ اَصَابَ ﴿۳۶﴾ اَرَادَ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ يَبْنِي الابْنِيَةَ العجيبَةَ وَّغَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾ فِي البَحرِ لِيَستَخرِجَ اللُّؤلُؤَ وَّاٰخَرِيْنَ منهم مُقَرَّنِيْنَ مَشْدُوْدِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۳۸﴾ القيودِ بجمعِ اَيْدِيهِم الى اَعْنَاقِهِم، وقُلنا لَهُ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَعْطِ منه مَنْ شِئتَ اَوْ اَمْسِكْ عنِ الاِعْطاءِ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾ اى لَا حِسَابَ عليكَ فى ذٰلك وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۰﴾ تقدَّمَ مِثلُهُ.

ع ۳
۱۲

ترجمہ: اور ہم نے آسمان وزمین کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو باطل یعنی بے فائدہ پیدا نہیں کیا یہ یعنی مذکورہ چیزوں کو بے فائدہ پیدا کرنے کا گمان تو مکہ کے کافروں کا ہے، سو کافروں کے لئے آگ کی وادی ہے، کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کے برابر کردیں گے جو (ہمیشہ) زمین میں فساد برپا کرتے رہے؟ یا پرہیزگاروں کو بدکاروں جیسا کردیں گے (مذکورہ آیت) اس وقت نازل ہوئی جب کافروں نے مومنوں سے یہ کہا کہ ہم کو آخرت میں ویسا ہی دیا جائے گا جیسا تم کو دیا جائے گا، اور أم ہمزہ انکاری کے معنی میں ہے، یہ بابرکت کتاب ہے یہ مبتداء محذوف یعنی ھٰذا کی خبر ہے، جسے ہم نے آپ کی طرف اس لئے نازل فرمایا کہ لوگ اس کی آیتوں میں غور وفکر کریں یَدَّبَّرُوْا کی اصل یَتَدَبَّرُوْا تھی، ت کو دال میں ادغام کردیا، اس کے معنی میں غور وفکر کریں، پس ایمان لے آئیں اور عقلمند اس سے نصیحت حاصل کریں اور ہم نے داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سلیمان نامی فرزند عطا کیا جو بڑا اچھا بندہ تھا اور وہ ذکر وتسبیح کی طرف ہمہ وقت بہت زیادہ رجوع کرنے والا تھا جب شام کے وقت اور وہ زوال کے بعد کا وقت ہے آپ کے روبرو عمدہ گھوڑے پیش کئے گئے صَافِنَات کے معنی گھوڑوں کے ہیں اور یہ صَافِنَةٌ کی جمع ہے، اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو تین پیروں اور چوتھے کے سم (کھر) کے کنارے پر سہارا دیکر کھڑا ہوتا ہو، اور یہ صَفَنَ يَصْفِنُ صُفُوْنًا سے مشتق ہے، اَلْجِيَادُ، جَوَادٌ کی جمع ہے، اس کے معنی تیز رو کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ اگر ان کو روکا جائے تو رک جائیں اور اگر ان کو مہمیز لگائی جائے تو سبقت لے جائیں ایک ہزار گھوڑے تھے جو ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد آپ کے روبرو آپ کے دشمن کے ساتھ جہاد کرنے کے ارادہ سے پیش کئے گئے، ان میں سے نو سو کا معائنہ فرما چکے تھے کہ سورج غروب ہوگیا، اور آپ نے عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی، چنانچہ آپ کو صدمہ ہوا، تو فرمانے لگے میں نے اپنے پروردگار کی یاد پر ان گھوڑوں کی محبت کو ترجیح دی یعنی عصر کی نماز پر (ترجیح دی) یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوگیا یعنی ایسی چیز میں روپوش ہوگیا جو اس کو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ کردے ان گھوڑوں کو دوبارہ میرے سامنے لاؤ پھر تو تلوار سے پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کردیا سُوْق، سَاقٌ کی جمع ہے، یعنی اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے ان کو ذبح کردیا اور ان کے پیروں کو کاٹ دیا، اس لئے کہ ان کی وجہ سے نماز سے غفلت ہوگئی، اور آپ نے ان کے گوشت کو صدقہ کردیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے بہتر اور زیادہ تیز رفتار چیز عطا فرمادی، اور وہ ہوا تھی، کہ وہ ان کے حکم سے چلتی تھی، جس طرح چاہتے تھے اور ہم نے سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آزمائش کی یعنی ان سے ان کی حکومت لے کر آزمایا اور یہ آزمائش اس عورت سے نکاح کرنے کی وجہ سے کی جس سے ان کو محبت

تھی، اور وہ عورت سلیمان کے گھر میں ان کی لاعلمی میں بت پرستی کرتی تھی، اور ان کی حکومت ان کی انگوٹھی کے زیر اثر تھی، چنانچہ ایک روز بیت الخلاء کے ارادہ کے وقت اس انگوٹھی کو اتار کر اپنی ایک بیوی، مسماۃ امینہ کو اپنی عادت کے مطابق دیدی، تو ایک جن سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صورت میں اس کے پاس آیا، اور اس انگوٹھی کو اس سے لے لیا، اور ہم نے اس کی کرسی پر ایک دھڑ ڈالدیا اور یہ وہی جن تھا (جس نے انگوٹھی لی تھی) اور وہ صخر تھا یا اس کے علاوہ کوئی دوسرا تھا، جو کہ سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کرسی پر بیٹھ گیا اور اس کے اوپر پرند وغیرہ سایہ فگن ہو گئے، چنانچہ سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی ہیئت معتادہ کے برخلاف نکلے تو اس جنی کو اپنی کرسی پر دیکھا، اور لوگوں سے کہا میں سلیمان ہوں، لیکن لوگوں نے ان کو نہ پہچانا، پھر سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی حکومت پر چند دن کے بعد واپس آگئے بایں طور کہ انگوٹھی ان کو مل گئی جس کو پہن کر وہ اپنے تخت سلطنت پر بیٹھ گئے، حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا کی کہ اے میرے رب مجھے بخش دے اور مجھے ایسی حکومت عطا فرما جو میرے سوا کسی (شخص) کے لائق نہ ہو یعنی میرے بعد کسی کو عطا نہ ہو، مِنْ بَعْدِیْ بمعنی سِوَای جیسا کہ فَمَنْ یَهْدِیهِ مِنْ بَعْدِ اللّٰهِ میں بَعْدِ اللّٰه، سِوَی اللّٰه کے معنی میں ہے، تو بڑا ہی عطا کرنے والا ہے، پس ہم نے ہوا کو اس کے زیر حکم کر دیا وہ آپ کے حکم سے جہاں آپ چاہتے سبک رفتاری سے پہنچا دیا کرتی تھی (ان کے زیر فرمان کر دیا) اور عمارت بنانے والے ہر جن کو بھی (زیر فرمان کر دیا) جو عجیب عجیب عمارتیں بناتے تھے اور دریا میں غوطہ زنی کرنے والے کو بھی جو موتی نکالتا تھا، اور ان میں سے دیگر جنات کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے رہتے تھے ان کے ہاتھوں کو گردن سے ملا کر اور ہم نے اس سے کہا یہ ہمارا عطیہ ہے اب تو احسان کر یعنی اس میں سے جس کو چاہے دے (اور جس کو چاہے) نہ دے تجھ پر اس میں کوئی حساب نہیں اور اس کے لئے ہمارے پاس بڑا اقرب ہے اور بہت اچھا ٹھکانہ ہے اس کے مثل سابق میں گذر چکا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہٗ: وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا بَاطِلًا یہ کلام مستانف ہے مضمون سابق کی تاکید و تقریر کے لئے لایا گیا ہے۔

قِوْلَہٗ: باطِلًا یہ مصدر محذوف کی صفت ہے ای خَلْقًا بَاطِلًا اور یہ بھی جائز ہے کہ خَلَقْنَا کی ضمیر فاعل سے حال ہو ای مَا خَلَقْنَا مُبْطِلِیْنَ.

قِوْلَہٗ: ذٰلِكَ ای خَلْقُ مَا ذُکِرَ لَا لِشَیْئٍ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ذٰلك کے مشار الیہ کو متعین کرنا ہے یعنی زمین و آسمان کی عبث تخلیق کا گمان مکہ کے کافروں کا ہے۔

قِوْلَہٗ: کتابٌ، هٰذا مبتداء محذوف کی خبر ہے ای هٰذا کتابٌ.

قِوْلَہٗ: اَنزلناهُ اِلَیكَ، کتابٌ کی صفت ہے۔

قَوْلُہٗ: مُبَارَکٌ مبتداء محذوف کی خبر ثانی ہے، بعض حضرات نے مُبَارَکٌ کو کتاب کی صفت قرار دیا ہے، مگر یہ درست نہیں ہے، اس لئے کہ جمہور کے نزدیک وصف غیر صریح کو وصف صریح پر مقدم نہیں کر سکتے۔

قَوْلُہٗ: لِیَدَّبَّرُوْا اس کا تعلق انزلناہ سے ہے، ظاہر یہ ہے کہ لِیَدَّبَّرُوْا کے فاعل کو حذف کر دیا گیا ہے، اور یہ باب تنازع فعلان سے ہے، اس لئے کہ لِیَدَّبَّرُوْا اور لِیَتَذَکَّرَ دونوں اُولُوا الْاَلْبَابِ کو اپنا فاعل بنانا چاہتے ہیں، بصریین کے مذہب کے مطابق فعل ثانی کو عمل دیدیا، اور اول کے لئے ضمیر لے آئے۔

قَوْلُہٗ: ای سُلیمانَ یہ نعمَ کا مخصوص بالمدح ہے۔

قَوْلُہٗ: اِذْ عُرِضَ یہ فعل محذوف کا ظرف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اُذکر اِذْ عُرِضَ.

قَوْلُہٗ: اَلْجِیَادُ جمع جوادٍ کہا گیا ہے کہ جید کی جمع ہے عمدہ اور تیز رفتار گھوڑے کو کہتے ہیں جواد کا اطلاق نر و مادہ دونوں پر ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: المعنی یعنی صافنات الجیاد کے معنی۔

قَوْلُہٗ: اَحْبَبْتُ حُبَّ الخَیْرِ، حُبَّ الخیرِ یہ اَحْبَبْتُ کا مفعول بہ ہے، اور اَحْبَبْتُ بمعنی آثَرْتُ ہے اس لئے کہ اَحْبَبْتُ کا صلہ عن نہیں آتا یا حُبَّ الخیر احببتُ کا مفعول مطلق ہے، حرف زوائد حذف کر کے جیسے انبتَ نباتاً اور عَنْ بمعنی علٰی ہے اور خیرٌ بمعنی خیلٌ ہے، حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے اَلْخیل معقُودٌ بنواصِیْهَا الخیرُ یعنی گھوڑے کی پیشانی سے خیر وابستہ رہتی ہے، غالباً اسی مناسبت سے خیل کو خیر کہا جاتا ہے، بعض حضرات نے فرمایا ہے چونکہ خیل کثیر المنافع ہوتا ہے اسی وجہ سے اس کو خیر کہتے ہیں۔ (فتح القدیر شوکانی)

قَوْلُہٗ: توارت بالحِجابِ، توارَتْ کا فاعل هِیَ ضمیر مستتر ہے اور هِیَ کا مرجع الشَّمس ہے، اگرچہ شمس ما سبق میں مذکور نہیں ہے، جس کی وجہ سے بظاہر اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے، مگر چونکہ العشیُّ کا قرینہ شمس کے حذف پر دلالت کرتا ہے لہٰذا اضمار قبل الذکر کا اعتراض واقع نہیں ہوگا، اس لئے کہ ذکر یا قرینہ ذکر کافی ہوتا ہے، یہاں قرینہ موجود ہے، اور کہا گیا ہے کہ توارَتْ کی ضمیر صافنات کی طرف راجع ہے، کذا فی الکشاف، امام رازی نے اسی کو راجح قرار دیا ہے، اس لئے کہ گھوڑوں کے معائنہ میں اس قدر مشغول ہو جانا کہ نماز فوت ہو جائے یہ گناہ عظیم ہے، جو انبیاء کی شان کے لائق نہیں ہے، اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا، حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام گھوڑوں کا معائنہ فرماتے رہے، یہاں تک وہ نظروں سے غائب ہو گئے (یعنی گھوڑوں کو جہاد کی تیاری کے طور پر دوڑا کر دیکھ رہے تھے حتی کہ نظروں سے غائب ہو گئے)۔

قَوْلُہٗ: اَصَابَ ای ارادَ سُلیمانُ یہاں اَصَابَ بمعنی اَرَادَ ہے اس لئے کہ یہاں اصابَ بمعنی فَعَلَ فِعْلَ الصواب (ای بر درستگی رسید) درست نہیں ہے، اور اَصَابَ بمعنی اَرَادَ لغت عرب میں مستعمل ہے، کہا جاتا ہے اَصَابَ الصوابَ فَاَخْطَأَ الجوابَ یعنی درست جواب کا ارادہ کیا مگر جواب خطا ہو گیا۔

قَوْلُہٗ: مُقَرَّنِیْنَ اسم مفعول جمع مذکر واحد مُقَرَّنٌ (تفعیل) باندھے ہوئے، جکڑے ہوئے۔

قِوْلَهُ: اَلْاَصْفَاد جمع صَفَدٍ بمعنی قید، بیڑی۔

قِوْلَهُ: زُلْفٰی درجہ، مرتبہ، تقرب، قربی کے مانند مصدر ہے، امام بغوی نے لکھا ہے زُلْفَةً اسم بوصف مصدر ہے، اس میں مذکر، مؤنث واحد، تثنیہ جمع سب برابر ہیں۔

تفسیر وتشریح

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْاَرْضَ (الآیة) یعنی ہم نے زمین وآسمان اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے خالی از حکمت پیدا نہیں کیا بلکہ ہر شئ حکمت سے پُر ہے، ان حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ میرے بندے میری حکمت اور قدرت کو دیکھ کر میرے وجود اور توحید کے قائل ہو جائیں اور میری بندگی کریں، جو ایسا کرے گا میں اس کو بہترین جزاء سے نوازوں گا، اور جو میری عبادت واطاعت سے سرتابی کرے گا اس کے لئے جہنم کا عذاب ہے۔

صَافِنَاتٌ صافنةٌ یا صافِنٌ کی جمع ہے، وہ گھوڑے جو تین پیروں پر کھڑے ہوں اور چوتھے کو برائے نام زمین پر رکھیں گویا کہ ہمہ وقت دوڑنے کے لئے تیار ہیں ایسے گھوڑوں کو، اصیل، جواد، کہتے ہیں جواد کی جمع جیاد، ایسے ہی عمدہ گھوڑے شام کے وقت حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کے روبرو معائنہ کے لئے پیش کئے گئے۔

مذکورہ آیتوں میں حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کا ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے، اس واقعہ کی مشہور تفسیر تو یہی ہے کہ حضرت سلیمان کے معائنہ کے لئے جہادی گھوڑے پیش کئے گئے، ان کی جانچ پڑتال اور معائنہ میں ایسے مشغول ہوئے کہ آپ کا جو معمول تھا خواہ عصر کی نماز ہو یا اور کوئی وظیفہ، چھوٹ گیا، جب آپ کو تنبہ ہوا تو آپ نے ان گھوڑوں کو ذبح کر ڈالا کہ ان کی وجہ سے یاد الٰہی میں خلل واقع ہوا تھا۔

ان آیات کی یہ تفسیر متعدد ائمہ تفسیر سے منقول ہے، حافظ ابن کثیر جیسے محقق عالم نے بھی اسی تفسیر کو ترجیح دی ہے، اور اس کی تائید ایک مرفوع حدیث سے بھی ہوتی ہے، جو علامہ سیوطی نے معجم طبرانی سے اور ابن مردویہ کے حوالہ سے نقل کی ہے **عَنْ اُبَيِّ بن کعب** رَضِّکَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ **عن النبی** ﷺ **فی قولہ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ قالَ قطع سُوقَهَا واعناقها بالسیف** علامہ سیوطی نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

اس حدیث مرفوع کی وجہ سے گو یہ تفسیر کافی مضبوط ہو جاتی ہے، لیکن اس تفسیر پر درایۃً کچھ شبہات بھی ہیں، عموماً یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ گھوڑے اللہ کا عطا کیا ہوا ایک انعام تھا، اور مال کو اس طرح ضائع کر دینا ایک نبی کی شایان شان معلوم نہیں ہوتا، لیکن مفسرین نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ گھوڑے بیت المال کے نہیں تھے بلکہ حضرت سلیمان کی ذاتی ملکیت تھے، اور ان کی شریعت میں دیگر جانوروں کے مانند گھوڑوں کی بھی قربانی جائز تھی، لہٰذا گھوڑوں کی قربانی کر دی اور گوشت ضرورت مندوں کو دے دیا، لہٰذا اس کو ضائع کرنا نہیں کہا جائے گا، قربانی کرنا عبادت ہی کا ایک شعبہ ہے۔ (روح المعانی ملخصًا)

مذکورہ آیات کی ایک تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس رَضِّکَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا سے منقول ہے جس میں واقعہ بالکل مختلف طریقہ سے

بیان کیا گیا ہے، اس تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے جہادی گھوڑے معائنہ کے لئے پیش کئے گئے، حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام گھوڑوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور یہ بھی فرمایا کہ مجھے ان گھوڑوں سے جو محبت اور تعلق ہے وہ دنیا کی محبت کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے پروردگار کی یاد کی وجہ سے ہے، اس تفسیر کی صورت میں عَنْ، اَجَل کے معنی میں ہوگا ای لِاَجلِ ذکرِ رَبِّی یعنی اپنے رب کی یاد کی وجہ سے میں ان گھوڑوں سے محبت رکھتا ہوں، یعنی ان کے ذریعہ اللہ کی راہ میں جہاد ہوتا ہے، پھر ان گھوڑوں کو تجربہ اور آزمائش کے طور پر دوڑایا (یعنی ان کی ٹرائی لی) جب نظروں سے اوجھل ہو گئے تو ان کو دوبارہ طلب کیا، اور پیار و محبت سے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا خَیْرٌ قرآن میں مال کے معنی میں استعمال ہوا ہے، یہاں یہ لفظ گھوڑوں کے لئے استعمال ہوا ہے، اس تفسیر کی صورت میں تَوارت کی ضمیر کا مرجع صافنات (گھوڑے) ہوں گے، امام ابن جریر طبری اور امام رازی وغیرہ نے اس دوسری تفسیر کو ترجیح دی ہے، قرآن کریم کے الفاظ کے لحاظ سے دونوں تفسیروں کی گنجائش ہے۔

سورج کی واپسی کا قصہ:

بعض حضرات نے پہلی تفسیر کو اختیار کرتے ہوئے یہ بھی کہا ہے کہ نماز عصر کے قضا ہو جانے کے بعد حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے یا فرشتوں سے یہ درخواست کی کہ سورج کو واپس لوٹا دیا جائے، چنانچہ سورج لوٹا دیا گیا، اور آپ نے اپنا معمول ادا کر لیا، اس کے بعد دوبارہ سورج غروب ہوا، یہ حضرات رُدُّوْهَا کی ضمیر سورج کی طرف راجع مانتے ہیں۔

لیکن محقق مفسرین مثلاً علامہ آلوسی وغیرہ نے اس قصہ کی تردید کی ہے، اور فرمایا کہ رُدُّوْهَا کی ضمیر صافنات (گھوڑوں) کی طرف راجع ہے نہ کہ سورج کی طرف اس لئے نہیں کہ معاذ اللہ سورج کو لوٹانا اللہ کی قدرت میں نہیں بلکہ اس لئے کہ یہ قصہ قرآن و حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ (روح المعانی، معارف)

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَیْمٰنَ (الآیة) اس آیت میں باری تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک اور آزمائش کا تذکرہ فرمایا ہے، اس سلسلہ میں صرف اتنا ذکر کیا گیا ہے کہ اس آزمائش کے دوران کوئی دھڑ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کرسی پر ڈال دیا گیا تھا۔

یہ آزمائش کیا تھی؟ کرسی پر ڈالا گیا جسم کس چیز کا تھا؟ اور اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کی بھی کوئی تفصیل قرآن کریم یا مستند احادیث میں نہیں ملتی، البتہ بعض مفسرین نے صحیح حدیث سے ثابت ایک واقعہ کو اس آیت پر چسپاں کیا ہے، اور وہ یہ کہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرتبہ کہا کہ میں آج کی رات اپنی تمام بیویوں سے (جن کی تعداد ۷۰ یا ۹۰ تھی) ہمبستری کروں گا تا کہ ان سے شہسوار مجاہد پیدا ہوں اور راہ خدا میں جہاد کریں، اور اس پر انشاء اللہ نہیں کہا (یعنی صرف اپنی تدبیر پر پورا اعتماد کیا) نتیجہ یہ ہوا کہ سوائے ایک بیوی کے کوئی بیوی حاملہ نہ ہوئی، اور حاملہ بیوی نے بھی جو بچہ جنا وہ ناقص یعنی ادھورا تھا، نبی ﷺ نے فرمایا اگر سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام انشاء اللہ کہہ لیتے تو سب بیویوں سے مجاہد پیدا ہوتے۔

(صحیح بخاری کتاب الانبیاء، صحیح مسلم کتاب الایمان)

ان مفسرین کے خیال میں حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انشاء اللہ نہ کہنا آزمائش کا سبب بنا، اور کرسی پر لا کر ڈالا جانے والا جسم یہی ناقص الخلقت بچہ تھا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

بعض مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں ایک واقعہ نقل کیا ہے جو خالص اسرائیلی روایات سے ماخوذ ہے، وہ یہ کہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حکومت کا راز ایک انگوٹھی میں تھا، ایک روز ایک شیطان نے اس انگوٹھی کو اپنے قبضہ میں کرلیا، اس کی صورت یہ ہوئی کہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی عادت کے مطابق بیت الخلاء جاتے وقت وہ انگوٹھی اپنی بیوی امینہ کو دیدی، ادھر ایک جن جس کا نام ''صخر مارد'' تھا حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہیئت وشکل میں آیا اور انگوٹھی امینہ سے حاصل کرلی، جس کی وجہ سے وہ جنی اس انگوٹھی کی بدولت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تخت شاہی پر جلوہ افروز ہو کر حکمراں بن گیا، چالیس روز کے بعد وہ انگوٹھی سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک مچھلی کے پیٹ سے ملی، اس کے بعد آپ نے دوبارہ حکومت پر قبضہ کرلیا، یہ روایت متعدد مزید قصوں کے ساتھ کئی تفسیر کی کتابوں میں آئی ہے، لیکن حافظ ابن کثیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ اس قسم کی تمام روایات کو اسرائیلیات میں شمار کرنے کے بعد لکھتے ہیں، اہل کتاب میں ایک جماعت ایسی ہے جو حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبی نہیں مانتی، ظاہر یہی ہے کہ یہ جھوٹے قصے ان ہی لوگوں کے گھڑے ہوئے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر: ص۲٦، ج٤)

لہٰذا اس قسم کی روایات کو اس آیت کی تفسیر کہنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔

حقیقتِ حال:

حقیقت یہ ہے کہ زیر بحث آیت میں جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس کی یقینی تفصیلات معلوم کرنے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں، اور نہ ہی ہم اس کے مکلف، لہٰذا اتنی بات پر ایمان رکھنا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کوئی آزمائش کی تھی، جس کے بعد ان میں انابت الی اللہ کا جذبہ پہلے سے زیادہ پیدا ہوا۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّیْ ای بِاَنِّی مَسَّنِیَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ بِضُرٍّ وَّعَذَابٍ ؕ اَلَم ونُسِبَ ذلك اِلَی الشَّیطانِ وَاِنْ کَانَتِ الاَشْیاءُ کُلُّها مِنَ اللّٰہِ تاَدُّبًا مَعَہٗ تعالی وقیل له اُرْكُضْ اِضْرِبْ بِرِجْلِكَ ۚ الاَرضَ فَضَرَبَ فَنَبَعَتْ عَيْنُ مَاءٍ فَقِيْلَ هٰذَا مُغْتَسَلٌ ای ما یُغتَسَلُ به بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ۝ تَشْرَبُ منه فَاغْتَسَلَ وشَرِبَ فَذَهَبَ عنه كُلُّ دَاءٍ كَانَ بظَاهِرِه وبَاطِنِه وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ ای اَحْيَى اللّٰهُ له مَنْ مَّاتَ مِنْ اَوْلَادِه وَرَزَقَهُ مِثْلَهُمْ رَحْمَةً نِعْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى عِظَةً لِاُولِی الْاَلْبَابِ ۝ لِاَصْحَابِ العُقُولِ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا هو حُزْمَةٌ من حَشِيْشٍ او قُضْبَانٍ فَاضْرِبْ بِّهٖ زَوجَتَك وقد كَانَ حَلَفَ لَيَضْرِبَنَّهَا مِائَةَ ضَرْبَةٍ لِاِبْطَائِهَا عليه يَوْمًا وَلَا تَحْنَثْ بِتَرْكِ ضَرْبِهَا فَاَخَذَ مِائَةَ عُودٍ مِنَ

الاِذْخِر اوغيرِہٖ فَضَرَبَہا بہ ضَرْبَۃً وَاحِدَۃً اِنَّا وَجَدْنٰہُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ اَیُّوبُ اِنَّہٗٓ اَوَّابٌ﴿۴۴﴾ رَجَّاعٌ الی اللّٰہِ تعالٰی وَاذْکُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰہِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ اُولِی الْاَیْدِیْ اَصْحَابَ القُوٰی فِی العِبَادَۃِ وَالْاَبْصَارِ﴿۴۵﴾ البَصَائِرِ فی الدِّین وفی قِراءَ ۃٍ عَبْدَنَا وَاِبْرَاہِیمَ بَیَانٌ لَہٗ وَمَا بَعْدَہٗ عَطْفٌ علی عَبْدَنَا اِنَّآ اَخْلَصْنٰہُمْ بِخَالِصَۃٍ ہِیَ ذِکْرَی الدَّارِ﴿۴۶﴾ الاٰخِرَۃِ ای ذِکْرُہا والعَمَلُ لہا وفی قِراءَ ۃٍ بالاِضافۃِ وہی لِلبَیَان وَاِنَّہُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَیْنَ المُخْتَارِینَ الْاَخْیَارِ﴿۴۷﴾ جَمْعُ خَیِّرٍ بالتَّشدِید وَاذْکُرْ اِسْمٰعِیْلَ وَالْیَسَعَ ہُوَ نَبِیٌّ واللامُ زائِدۃٌ وَذَا الْکِفْلِ اُخْتُلِفَ فِی نُبُوَّتِہٖ قِیلَ کَفَلَ مِائَۃَ نَبِیٍّ فَرُّوْا الیہ من القَتْلِ وَکُلٌّ ای کُلُّہم مِّنَ الْاَخْیَارِ﴿۴۸﴾ جَمْعُ خَیِّرٍ بالتَّثقِیلِ ہٰذَا ذِکْرٌ لہم بالثَّناءِ الجمِیْلِ ہنا وَاِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ الشامِلِیْنَ لہم لَحُسْنَ مَاٰبٍ﴿۴۹﴾ مَرْجِعٍ فی الاٰخِرَۃِ جَنّٰتِ عَدْنٍ بَدَلٌ او عَطْفُ بَیَانٍ لِحُسْنَ مَاٰب مُّفَتَّحَۃً لَّہُمُ الْاَبْوَابُ﴿۵۰﴾ منہا مُتَّکِـِٕیْنَ فِیْہَا علی الاَرَائِکِ یَدْعُوْنَ فِیْہَا بِفَاکِہَۃٍ کَثِیْرَۃٍ وَّشَرَابٍ﴿۵۱﴾ وَعِنْدَہُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ حَابِسَاتُ العَیْنِ عَلٰی اَزْوَاجِہِنَّ اَتْرَابٌ﴿۵۲﴾ اَسْنَانُہُنَّ وَاحِدَۃٌ وہُنَّ بَنَاتُ ثَلَاثٍ وثَلَاثِیْنَ سَنَۃً جَمْعُ تِرْبٍ ہٰذَا المذکُورُ مَا تُوْعَدُوْنَ بالغَیْبَۃِ وبالخِطَابِ اِلتِفَاتًا لِیَوْمِ الْحِسَابِ﴿۵۳﴾ ای لِاَجْلِہٖ اِنَّ ہٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَہٗ مِنْ نَّفَادٍ﴿۵۴﴾ ای اِنقِطَاعٍ والجُمْلَۃُ حالٌ مِن رزقُنا او خبرٌ ثانٍ لِاِنَّ ای دَائمًا او دائمٌ ہٰذَا المذکُورُ لِلمُؤمنینَ وَاِنَّ لِلطّٰغِیْنَ مُستانِف لَشَرَّ مَاٰبٍ﴿۵۵﴾ جَہَنَّمَ یَصْلَوْنَہَا یَدْخُلُونَہا فَبِئْسَ الْمِہَادُ﴿۵۶﴾ الفِراش ہٰذَا ای العَذَابُ المَفْہُوْمُ مِمَّا بعدَہ فَلْیَذُوْقُوْہُ حَمِیْمٌ ای مَاءٌ حَارٌّ مُحرِقٌ وَّغَسَّاقٌ﴿۵۷﴾ بالتَّخْفِیفِ والتشدیدِ ماسِیلَ مِن صَدِیدِ اَہلِ النَّارِ وَّاٰخَرُ بالجَمعِ والاِفرادِ مِنْ شَکْلِہٖ ای مِثلِ المَذکُورِ مِنَ الحَمِیمِ والغَسَّاقِ اَزْوَاجٌ﴿۵۸﴾ اَصنَافٌ ای عذابُہُمْ مِن انواعٍ مُخْتَلِفَۃٍ ویُقَالُ لہم عِندَ دُخُولِہم النارَ بِاَتبَاعِہم ہٰذَا فَوْجٌ جَمعٌ مُّقْتَحِمٌ دَاخِلٌ مَّعَکُمْ النارَ بِشِدَّۃٍ فَیَقُولُ المَتبُوعُونَ لَا مَرْحَبًا بِہِمْ ای لَاسِعَۃَ علیہم اِنَّہُمْ صَالُوا النَّارِ﴿۵۹﴾ قَالُوْا ای الاَتبَاعُ بَلْ اَنْتُمْ لَا مَرْحَبًا بِکُمْ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْہُ ای الکُفرَ لَنَا فَبِئْسَ الْقَرَارُ﴿۶۰﴾ لَنَا ولکم النارُ قَالُوْا اَیضًا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا ہٰذَا فَزِدْہُ عَذَابًا ضِعْفًا ای مِثلَ عذابِہٖ عَلٰی کُفرِہٖ فِی النَّارِ﴿۶۱﴾ وَقَالُوْا ای کُفَّارُ مَکَّۃَ وہم فی النار مَا لَنَا لَا نَرٰی رِجَالًا کُنَّا نَعُدُّہُمْ فی الدُّنیا مِّنَ الْاَشْرَارِ﴿۶۲﴾ اَتَّخَذْنٰہُمْ سِخْرِیًّا بِضَمِّ السِّینِ وکَسرِہا ای کُنَّا نَسْخَرُ بِہم فی الدُّنیا والیاءُ لِلنِّسبَۃِ ای اَمَفقُودُونَ ہم اَمْ زَاغَتْ مَالَتْ عَنْہُمُ الْاَبْصَارُ﴿۶۳﴾ فَلَم نَرہُم وہم فُقَرَاءُ المُسلِمِینَ کَعَمَّارٍ وبِلَالٍ وصُہَیبٍ وسَلْمَانَ اِنَّ ذٰلِکَ لَحَقٌّ وَاجِبٌ وُقُوعُہ وہو تَخَاصُمُ اَہْلِ النَّارِ﴿۶۴﴾ کما تَقَدَّمَ.

ترجمہ: اور ہمارے بندے ایوب کا (بھی) ذکر کیجئے، جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ شیطان نے مجھے رنج اور

دکھ دیا ہے اَنِّی اصل میں بِاَنِّی تھا، دکھ اور رنج دینے کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے، اگرچہ ہر شئ اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، یہ اللہ کے ادب کی وجہ سے ہے، پس اس سے کہا گیا اپنا پیر زمین پر مارو چنانچہ پیر مارا تو پانی کا چشمہ ابل پڑا، پس کہا گیا یہ غسل کرنے کا اور پینے کا ٹھنڈا پانی ہے چنانچہ ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے غسل کیا اور پیا، تو اس سے ان کی ظاہری اور باطنی ہر قسم کی بیماری ختم ہوگئی، اور ہم نے اسے اس کے اہل عطا کردیئے بلکہ اس کے ساتھ اتنا اور بھی خاص اپنی رحمت سے (دیا) یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی مردہ اولاد کو زندہ کردیا اور اتنے ہی ان کو اور عطا فرمائے، اور عقلمندوں کی نصیحت کے لئے اور اپنے ہاتھوں میں گھاس یا تنکوں کا ایک مٹھا لے کر اپنی بیوی کو مار دے، ایک روز اس کے دیر سے آنے کی وجہ سے قسم کھالی تھی کہ میں اس کو سو کوڑے ضرور لگاؤں گا، اور ضغث، گھاس یا سینکوں کے مٹھے کو کہتے ہیں، اور ترک ضرب کر کے تو حانث نہ ہو، چنانچہ حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اذخر یا کسی اور چیز کی سو سینکیں لیں اور ان سب کو ملا کر ایک ضرب ماردی سچ تو یہ ہے کہ ہم نے اسے بڑا صابر پایا وہ بڑا نیک اور اللہ کی طرف بہت رجوع کرنے والا بندہ تھا، ہمارے بندوں ابراہیم، اسحٰق، اور یعقوب کا بھی ذکر کیجئے جو عبادت میں بڑے قوی تھے، اور دین میں بصیرت والے تھے اور ایک قراءت میں عبدنا ہے، اور اِبْرَاهِیْمَ اس کا بیان ہے، اور اس کا مابعد عَبْدَنَا پر معطوف ہے اور ہم نے ان کو ایک خاص بات کے ساتھ مخصوص کردیا تھا اور وہ (بات) آخرت کی یاد ہے یعنی اس کو یاد رکھنا اور اس کے لئے عمل کرنا اور ایک قراءت میں اضافت بیانیہ کے ساتھ ہے اور یہ لوگ ہمارے نزدیک برگزیدہ بہتر لوگ تھے (اَخْیَار) خَیِّرٌ مشدد کی جمع ہے اور اسماعیل و الیَسَعَ وہ نبی ہیں اور لام زائدہ ہے اور ذوالکفل (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا بھی ذکر کیجئے اور ذوالکفل کی نبوت کے بارے میں اختلاف ہے، کہا گیا ہے کہ انہوں نے سو نبیوں کی کفالت کی تھی جو قتل کے خوف سے فرار ہو کر ان کے پاس گئے تھے، اور یہ سب بہتر لوگ تھے اَخْیَار خَیِّرٌ مشدد کی جمع ہے، اور یہاں ان کا یہ ذکر جمیل ہے اور یقین جانو متقیوں کے لئے جو ان میں شامل ہیں آخرت میں اچھا ٹھکانہ ہے یعنی ہمیشگی کی جنتیں ہیں جن کے دروازے ان کے لئے کھلے ہوئے ہیں جَنّٰتِ عدن، حُسْنَ مَاٰب سے بدل ہے یا عطف بیان ہے جن میں مسہریوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوئے بافراغت طرح طرح کے میوے اور قسم قسم کی شرابوں کی فرمائش کر رہے ہوں گے، اور ان کے پاس نیچی نظروں والی یعنی اپنی نظروں کو اپنے شوہروں پر محصور رکھنے والی ہم عمر حوریں ہوں گی یعنی (۳۳) سالہ ہوں گی، اَتْرَابٌ تِرْبٌ کی جمع ہے یہ مذکور وہی ہے جس کا تم سے یوم حساب کے لئے وعدہ کیا جاتا تھا غیبت کے ساتھ اور بطور التفات کے خطاب کے ساتھ بے شک یہ ہمارا عطیہ ہے جس کا کبھی خاتمہ ہی نہیں یعنی انقطاع نہیں اور جملہ رِزْقُنَا سے حال ہے یا اِنَّ کی خبر ثانی ہے یعنی دائِمًا (حال کی صورت میں) دائِمٌ (خبر ثانی کی صورت میں) یہ جو مذکور ہوا مومنین کے لئے ہے اور سرکشوں کے لئے برا ٹھکانہ ہے یہ جملہ مستانفہ ہے یہ جہنم ہے جس میں وہ داخل ہوں گے کیا ہی برا بچھونا ہے؟ یہ عذاب جو مابعد سے مفہوم ہے کھولتا ہوا پانی اور پیپ ہے غَسَّاق (سین) کی تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے جو جہنمیوں کے زخموں سے بہے گا، اسے چکھو (اس کے علاوہ) مختلف اصناف ہیں یعنی ان کا عذاب مختلف انواع و اقسام کا ہوگا، اور آخَرُ جمع اور افراد کے ساتھ ہے (یعنی آخرُ و اُخَرُ) یہ ایک قوم

ہے جو سختی کے ساتھ تمہارے ہمراہ دوزخ میں داخل ہو رہی ہے، تو سردار کہیں گے ان کے لئے کوئی خوش آمدید نہیں یعنی ان کے لئے کسی قسم کی سہولت نہیں یہی تو جہنم میں جانے والے ہیں پیروکار جواب دیں گے، بلکہ تم ہی ہو جن کے لئے خوش آمدید نہیں، تم ہی نے تو کفر کو ہمارے سامنے پیش کیا تھا، لہٰذا ہمارے اور تمہارے لئے جہنم برا ٹھکانہ ہے اے ہمارے پروردگار جس نے (کفر کی رسم) ہمارے لئے نکالی ہو اس کے حق میں جہنم کی سزا دوگنی کر دے یعنی ان کے کفر میں عذاب دوگنا کر دے اور کفار مکہ کہیں گے حال یہ کہ وہ جہنم میں ہوں گے کیا بات ہے ہمیں وہ لوگ نظر نہیں آ رہے جنہیں ہم دنیا میں برے لوگوں میں شمار کرتے تھے؟ کیا ہم نے ان کا مذاق بنا رکھا تھا؟ سین کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ یعنی دنیا میں ہم ان کا مذاق اڑاتے تھے اور سُخْرِيًّا میں (ی) نسبتی ہے یعنی آیا وہ غائب ہیں یا ان سے ہماری نگاہیں ہٹ گئی ہیں؟ جس کی وجہ سے ہم ان کو نہیں دیکھ رہے ہیں اور وہ فقراء مسلمین ہیں جیسا کہ عمار، بلال، وصہیب وسلمان فارسی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ بلا شبہ یہ حق ہے اس کا وقوع ضروری ہے یقین جانو دوزخیوں کا یہ جھگڑا ضرور ہوگا جیسا کہ سابق میں گذر چکا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: بِنُصْبٍ، اَلنُّصْبُ نون کے ضمہ اور صاد کے سکون کے ساتھ نَصْبٌ نون کے نصب اور صاد کے سکون کے ساتھ نُصُبٌ دونوں کے ضمہ کے ساتھ، دکھ، تکلیف، بلاء (لغات القرآن) اُذْكُرْ عَبْدَنَا اَيُّوبَ کا عطف قصہ علی القصہ کے طور پر اذکر عَبْدَنا داؤد پر ہے۔

سُوَال: سلیمان عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے واقعہ کو ذکر کرتے وقت اُذْكُرْ نہیں کہا گیا اس کی کیا وجہ ہے؟

جَوَاب: حضرت داؤد اور ان کے صاحبزادے سلیمان کے درمیان چونکہ کمال اتصال ہے گویا کہ دونوں کا ایک ہی قصہ ہے اس لئے حضرت سلیمان عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے قصہ کو اُذکر سے شروع نہیں کیا۔

قَوْلُہٗ: اُذْكُرْ عَبْدَنَا اَيُّوبَ، ایوبَ، عبدَنَا سے بدل یا عطف بیان ہے اور اِذْ نَادٰى، ایوب سے بدل الاشتمال ہے۔

قَوْلُہٗ: وَوَهَبْنَا لَهٗ اَهْلَهٗ واؤ عاطفہ ہے اس کا عطف محذوف پر ہے جس کی طرف مفسر نے فاغتَسَل مقدر مان کر اشارہ کر دیا۔

قَوْلُہٗ: رَحْمَةً، وذِكْرٰى دونوں بذریعہ عطف، وَهَبْنَا کے مفعول لِاَجَلِہٖ ہیں۔

قَوْلُہٗ: ضِغْثًا، حُزْمَةُ حَشِيْشٍ سوکھی گھاس کا مٹھا حُزْمَة مٹھا فارسی میں دستہ کہتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: بِخَالِصَةٍ یہ موصوف محذوف کی صفت ہے اَیْ بِخَصْلَةٍ خَالِصَةٍ.

قَوْلُہٗ: ذِكْرَى الدَّارِ کو مفسر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے هِیَ مبتداء محذوف کی خبر قرار دی ہے اس صورت میں ذِکْرٰی محلاً

مرفوع ہوگا اور ایک قراءت میں ذکری الدّار کو خالِصَةٍ کا مضاف الیہ قرار دیا ہے اضافت بیانیہ ہوگی، اس صورت میں ذکریٰ محلاً مجرور ہوگا۔

قَوْلُہٗ: اَلْیَسَعَ ھو ابن اخطوب بن العجوز.

قَوْلُہٗ: مُفَتَّحَةً یہ جنّٰت عدن سے حال ہے اور جنّٰت عدنٍ، حسْنَ مَاٰب سے بدل یا عطف بیان ہے۔

قَوْلُہٗ: متقین، لَهُمْ کی ضمیر هم سے حال ہے۔

قَوْلُہٗ: اِلتفاتًا یعنی تُوْعَدُوْنَ (ت) کے ساتھ پڑھا جائے تو غیبَتْ سے خطاب کی جانب التفات ہوگا۔

قَوْلُہٗ: هٰذا فَلْیَذُوْقُوْهُ حَمِیْمٌ وَغَسَّاقٌ، هٰذا مبتداء ہے اور حَمِیْمٌ وغسّاقٌ معطوف معطوف علیہ سے مل کر مبتداء کی خبر ہے، عبارت میں تقدیم و تاخیر ہے، تقدیر عبارت یہ ہے هٰذَا حَمِیْمٌ وَغَسَّاقٌ فَلْیَذُوْقُوْهُ.

قَوْلُہٗ: یُقَال لَهم قائل فرشتے ہوں گے، اس عبارت سے اشارہ کر دیا کہ هٰذا فوجٌ کلام مستانف ہے۔

قَوْلُہٗ: باَتْبَاعِهِمْ ای مع اتباعِهِمْ.

قَوْلُہٗ: بَلْ اَنْتُمْ ای بل انتم احقُ بِمَا قُلْتُمْ لَنا.

قَوْلُہٗ: اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ یہ ان کی احقیت کی علت ہے۔

قَوْلُہٗ: فی النار یہ یا تو زِدْهُ کا ظرف ہے یا عَذابًا کی صفت ہے ای عَذَابًا کائنًا فی النار.

قَوْلُہٗ: وهُمْ، هُمْ ضمیر رجالاً کی طرف راجع ہے۔

قَوْلُہٗ: وَسَلْمانَ یہ کلام چونکہ ائمہ کفر و ضلال کا مکہ کے فقراء مسلمین کے بارے میں ہے لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لفظ سلمان کو حذف کر دیا جائے اس لئے کہ یہ مدینہ میں ایمان لائے تھے۔

تفسیر و تشریح

مذکورہ آیات میں حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کی تلقین کے لئے لایا گیا ہے، یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ سورۂ انبیاء میں گذر چکا ہے، حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نسب کے بارے میں یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ وہ بنی اسرائیل میں سے تھے اور یہ کہ ان کے والد کا نام اموص تھا، ابن جریر نے آپ کا نسب اس طرح بیان کیا ہے ایوب بن اموص بن روم بن عیص بن اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام (روح المعانی) نُصْبٌ سے جسمانی تکلیف اور عذاب سے اہلی و مالی نقصان مراد ہے۔

مَسَّنِیَ الشَّیْطَانُ بِنُصْبٍ وعذابٍ شیطان نے مجھے رنج و آزار پہنچایا ہے، بعض مفسرین نے شیطان کے رنج و آزار پہنچانے کی یہ تفصیل بیان کی ہے کہ حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام جس بیماری میں مبتلا ہوئے وہ شیطان کے تسلط کی وجہ سے آئی تھی۔

اور اس کی صورت یہ پیش آئی تھی کہ ایک مرتبہ فرشتوں نے حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بہت تعریف کی، جس پر شیطان کو بہت حسد ہوا، تو شیطان نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی مجھے اس کے جسم، مال، اولاد پر ایسا تسلط عطا فرما کہ جس سے

میں اس کے ساتھ جو چاہوں کروں، چونکہ اللہ تعالیٰ کو حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آزمائش مقصود تھی اس لئے شیطان کو یہ حق دیدیا گیا اور اس نے آپ کو اس بیماری میں مبتلا کر دیا۔

لیکن محقق مفسرین نے اس واقعہ کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ قرآن کریم کی تصریح کے مطابق انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر شیطان کو تسلط حاصل نہیں ہوسکتا، اس لئے یہ ممکن نہیں کہ شیطان نے آپ کو بیمار کر دیا ہو۔

بعض حضرات نے شیطان کے رنج و آزار پہنچانے کی یہ تشریح کی ہے کہ بیماری کی حالت میں شیطان حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل میں طرح طرح کے وسوسے ڈالا کرتا تھا، اس سے آپ کو اور زیادہ تکلیف ہوتی تھی یہاں آپ نے اسی کا ذکر فرمایا ہے۔

(معارف)

مگر اس آیت کی سب سے بہتر توضیح اور شیطانی رنج و آزار کی تشریح وہ ہے جو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کتاب الزہد میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیماری کے زمانہ میں ایک بار شیطان ایک طبیب کی شکل میں حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیوی، ''رحمت'' کو ملا، ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیوی نے طبیب سمجھ کر علاج کی درخواست کی، شیطان نے کہا اس شرط پر علاج کرتا ہوں کہ اگر ان کو شفاء ہوجائے تو یوں کہہ دینا کہ تو نے ان کو شفا دی، میں اور کچھ معاوضہ نہیں چاہتا، بیوی نے حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے صورت حال کا تذکرہ کیا، حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا بھلی مانس وہ تو شیطان تھا، میں عہد کرتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے شفا دیدے تو میں تجھ کو سو قمچیاں ماروں گا، حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس واقعہ سے رنج ہوا، حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام یہاں اسی رنج و تکلیف کا تذکرہ فرما رہے ہیں۔

مَسَّنِیَ الشیطان بنُصْبٍ وعذاب رنج و آزار کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے، حالانکہ سب کچھ کرنے والا صرف اللہ ہے، ممکن ہے کہ کسی شیطانی وسوسہ سے ہی کوئی ایسا عمل ہوا ہو جو اس آزمائش کا سبب بنا ہو، شیطان کو چونکہ انبیاء پر بھی وسوسہ کی قدرت حاصل ہے تو ممکن ہے کہ شیطان حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وسوسہ کے ذریعہ اثر انداز ہوا ہو **لا سلطان له الا الوسوسة** (روح المعانی) یا پھر یہ ہوسکتا ہے کہ ادباً رنج و آزار کی نسبت شیطان کی طرف کر دی گئی ہو اس لئے کہ شر کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا سوء ادبی ہے۔

حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مرض:

قرآن کریم میں اتنا تو بتایا گیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک شدید قسم کا مرض لاحق ہوگیا تھا، لیکن اس مرض کی نوعیت نہیں بتائی گئی، احادیث میں بھی اس مرض کی کوئی تفصیل مذکور نہیں، البتہ بعض آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے جسم کے ہر حصہ پر پھوڑے نکل آئے تھے، یہاں تک کہ گھن کی وجہ سے لوگوں نے آپ کو آبادی سے دور کسی جگہ پر ڈال دیا، لیکن بعض محقق مفسرین نے ان آثار کو درست تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر بیماریاں تو آسکتی ہیں مگر ان کو کسی ایسی بیماری میں مبتلا نہیں کیا جاتا کہ لوگ ان سے گھن اور نفرت کرنے لگیں، لہٰذا مذکورہ آثار قابل اعتبار نہیں۔ (ملخص روح المعانی)

خُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا اس واقعہ کا پس منظر سابق میں گذر چکا ہے، چند مسائل درج ذیل ہیں:

مَسْئَلَہ: اگر کوئی شخص کسی کو سو قمچیاں مارنے کی قسم کھالے اور بعد میں سو قمچیاں الگ الگ مارنے کی بجائے تمام قمچیوں کا ایک مٹھا بنا کر ایک ہی مرتبہ مار دے تو اس سے قسم پوری ہو جاتی ہے، اس لئے حضرت ایوب علیہ الصلاۃ والسلام کو ایسا کرنے کا حکم دیا گیا، یہی امام ابو حنیفہ کا مسلک ہے، لیکن جیسا کہ علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے اس کیلئے دو شرطیں ضروری ہیں ایک تو یہ کہ اس شخص کے بدن پر ہر قمچی طولاً یا عرضاً ضرور لگے، دوسری شرط یہ کہ اس کو ہر قمچی سے کچھ نہ کچھ تکلیف ضرور ہو، اگر اتنی آہستہ قمچیاں بدن سے لگائی گئیں کہ مطلقاً تکلیف نہ ہوئی تو قسم پوری نہ ہوگی۔ (فتح القدیر لابن ھمام)

حیلوں کی شرعی حیثیت:

اس آیت سے دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ کسی نامناسب یا مکروہ بات سے بچنے کے لئے کوئی شرعی عذر اختیار کیا جائے تو وہ جائز ہے، ظاہر ہے کہ حضرت ایوب علیہ الصلاۃ والسلام کی قسم کا تقاضہ تو یہ تھا کہ بیوی کو سو قمچیاں ماریں لیکن چونکہ ان کی زوجہ مطہرہ بے گناہ تھیں اور انہوں نے حضرت ایوب علیہ الصلاۃ والسلام کی بے مثال خدمت انجام دی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ الصلاۃ والسلام کو ایک حیلہ کی تلقین فرمائی، اور یہ تصریح کر دی کہ اس طرح ان کی قسم پوری ہو جائے گی، اس لئے یہ واقعہ حیلہ کے جواز پر دلالت کرتا ہے۔ (معارف)

مقاصد شرعیہ کو باطل کرنے کے لئے حیلہ حرام ہے:

اس قسم کے حیلے اسی وقت جائز ہوتے ہیں جبکہ ان کو مقاصد شرعیہ کے ابطال کا ذریعہ نہ بنایا جائے، اگر حیلہ کا مقصد یہ ہو کہ حیلہ کے ذریعہ کسی کے حق کو باطل کیا جائے یا کسی صریح فعل حرام کو اپنے لئے حلال کر لیا جائے تو ایسا حیلہ بالکل ناجائز ہے، مثلاً زکوٰۃ سے بچنے کے لئے بعض لوگ یہ حیلہ کرتے ہیں کہ سال کے ختم ہونے سے ذرا پہلے اپنا مال بیوی کو دیدیتے ہیں، پھر کچھ عرصہ بعد بیوی نے اس مال کا مالک پھر شوہر کو بنا دیا، اس طرح کسی پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی، ایسا کرنا چونکہ مقاصد شرعیہ کو باطل کرنے کی ایک کوشش ہے اس لئے حرام ہے اور شاید اس کا وبال ترک زکوٰۃ سے زیادہ ہو۔ (روح المعانی)

اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ فکر آخرت انبیاء علیہم السلام کا امتیازی وصف ہوتا ہے، اس آیت میں انبیاء کے اسی وصف خاص کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، ذکری الدار کے لفظی معنی ہیں گھر کی یاد، اور گھر سے مراد آخرت ہے لفظ آخرت اختیار کرنے کے بجائے دار کا لفظ اختیار کرنے سے اس بات پر تنبیہ کی گئی ہے کہ انسان کو اپنا اصلی گھر آخرت ہی کو سمجھنا چاہئے، اور اسی کی فکر کو اپنے افکار و اعمال کی بنیاد بنانا چاہئے۔

وَاذْكُرْ اسمٰعيل واليَسَع. اليَسَع عجمی لفظ ہے الف لام تعریف کے لئے ہے، اس کا غیر عربی ہونا الف لام کے دخول کے لئے مانع نہیں ہے، بعض عجمی اسماء پر بھی الف لام تعریف کا داخل ہو جاتا ہے، جیسا کہ الاسکندریہ وغیرہ، حضرت یسع انبیاء بنی

اسرائیل میں سے ہیں قرآن کریم میں ان کا صرف دو جگہ ذکر آیا ہے ایک سورۂ انعام میں اور دوسرے یہاں، دونوں میں سے کسی جگہ بھی آپ کے تفصیلی حالات مذکور نہیں، تاریخ کی کتابوں سے منقول ہے کہ آپ حضرت الیاس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچازاد بھائی ہیں، اور ان کے نائب وخلیفہ بھی۔ (معارف)

قُلْ يا مُحَمَّدُ لِكُفَّارِ مَكَّةَ إِنَّمَا أَنَا مُنذِرٌ مُخَوِّفٌ بالنَّارِ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٦٥﴾ لِخَلْقِهِ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيزُ الغالِبُ على أمرِهِ الْغَفَّارُ ﴿٦٦﴾ لِأوليائِهِ قُلْ لهم هُوَ نَبَأٌ عَظِيمٌ ﴿٦٧﴾ أَنتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُونَ ﴿٦٨﴾ اي القُرانُ الذي أنبأتكم به وجِئتُكم فيه بِمَا لا يُعلَمُ الَّا بوحيٍ وهو قوله مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ اى الملائكةِ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ﴿٦٩﴾ في شَانِ ادَمَ حِينَ قالَ اللّٰهُ إنّي جاعِلٌ في الأرضِ خَلِيفَةً إِن ما يُوحَىٰ إِلَيَّ إِلَّا أَنَّمَا أَنَا اى أنّي نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٧٠﴾ بَينُ الإنذارِ، اذكر إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّن طِينٍ ﴿٧١﴾ هو ادمُ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ اتممتُهُ وَنَفَخْتُ أجريتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فصارَ حيًّا وإضافةُ الرُّوحِ اليه تشريفٌ لِادَمَ والرُّوحُ جسمٌ لَطِيفٌ يَحيىٰ به الإنسانُ بنُفُوذِهِ فيه فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ ﴿٧٢﴾ سُجُودُ تَحِيَّةٍ بالانحناءِ فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ﴿٧٣﴾ فيه تاكيدان إِلَّا إِبْلِيسَ هو ابو الجنِّ كانَ بَينَ المَلٰئِكَةِ اسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ﴿٧٤﴾ في عِلمِ اللّٰهِ تعالى قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَن تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ اى تَوَلَّيتُ خَلقَهُ وهٰذا تشريفٌ لادمَ فإنَّ كُلَّ مَخلوقٍ تَوَلَّى اللّٰهُ خَلقَهُ أَسْتَكْبَرْتَ الآنَ عنِ السُّجُودِ استِفهامُ توبيخٍ أَمْ كُنتَ مِنَ الْعَالِينَ ﴿٧٥﴾ المتكبِّرينَ فتكبَّرتَ عن السُّجودِ لِكونِكَ منهم قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ ﴿٧٦﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا اى مِنَ الجَنَّةِ وقيلَ مِنَ السَّمٰوٰتِ فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿٧٧﴾ مَطرُودٌ وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِي إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ ﴿٧٨﴾ الجَزاءِ قَالَ رَبِّ فَأَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿٧٩﴾ اى النّاسُ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ ﴿٨٠﴾ إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ﴿٨١﴾ وَقتِ النَّفخةِ الأولىٰ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٨٢﴾ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ﴿٨٣﴾ اى المؤمنين قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ أَقُولُ ﴿٨٤﴾ بنَصبِهِما ورفعِ الأوّلِ ونَصبِ الثّانِي فنصبُهُ بالفعلِ بَعدَهُ ونَصبُ الأوّلِ قيلَ بالفعلِ المذكورِ وقيلَ على المَصدرِ اى أُحِقُّ الحَقَّ وقيلَ على نَزعِ حرفِ القسمِ ورفعُهُ على أنّهُ مُبتدأٌ محذوفُ الخبرِ اى فالحَقُّ مِنّي وقيلَ فالحَقُّ قَسَمِي، وجَوابُ القَسَمِ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنكَ بذُرِّيَّتِكَ وَمِمَّن تَبِعَكَ مِنْهُمْ مِنَ النّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿٨٥﴾ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ على تَبليغِ الرِّسالَةِ مِنْ أَجْرٍ جُعْلٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ ﴿٨٦﴾ المُتَقَوِّلِينَ القُرانَ مِن تلقاءِ نفسي إِنْ هُوَ اى ما القُرانُ إِلَّا ذِكْرٌ عِظَةٌ لِّلْعَالَمِينَ ﴿٨٧﴾ لِلإنسِ والجِنِّ العُقَلاءِ دُونَ المَلائِكَةِ وَلَتَعْلَمُنَّ يا كُفّارَ مَكّةَ نَبَأَهُ خَبَرَ صِدقِهِ بَعْدَ حِينٍ ﴿٨٨﴾ اى يومَ القِيٰمةِ وعَلِمَ بمعنى عَرَفَ واللامُ قبلَها لامُ قسمٍ مُقدَّرٍ اى واللّٰهِ۔

ترجمہ: اے محمد ﷺ کفار مکہ سے کہہ دیجئے میں تو صرف آگاہ کرنے والا آگ سے ڈرانے والا ہوں اپنی مخلوق پر غالب واحد کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں جو پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے، جو غالب ہے اپنے امر پر اور بخشنے والا ہے اپنے اولیاء کو ان سے کہہ دیجئے یہ بہت بڑی خبر ہے جس سے تم اعراض کر رہے ہو یعنی قرآن جس کی میں نے تم کو خبر دی، اور میں اس میں تمہارے لئے وہ خبر لایا ہوں جس کا علم بجز وحی کے نہیں ہو سکتا اور وہ خبر مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَأِ الْأَعْلَىٰ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ہے، مجھے ملاء اعلیٰ یعنی عالم ملائکہ کا علم نہیں تھا جبکہ فرشتے شان آدم میں گفتگو کر رہے تھے جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانا چاہتا ہوں میری طرف فقط یہی وحی کی جاتی ہے کہ میں تو صرف صاف صاف آگاہ کرنے والا ہوں، اس وقت کا تذکرہ کیجئے جب آپ کے رب نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ میں مٹی سے ایک انسان پیدا کرنے والا ہوں، اور وہ آدم ہیں سو جب میں اسے ٹھیک ٹھاک کرلوں یعنی مکمل کرلوں اور اس میں اپنی روح جاری کردوں اور وہ زندہ ہو جائے، اور روح کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف یہ آدم کے شرف کے طور پر ہے اور روح ایک لطیف جسم ہے، روح کے انسان میں سرایت کرنے کی وجہ سے انسان زندہ ہو جاتا ہے تو تم سب اس کے سامنے سجدہ میں گر پڑنا (یعنی) جھک کر سلامی کا سجدہ (کرنا) چنانچہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا اس میں دو تاکید ہیں مگر ابلیس نے نہ کیا، اور وہ جنات کا جد اعلیٰ ہے، فرشتوں کے درمیان رہتا تھا، اس نے تکبر کیا اور وہ اللہ کے علم میں کافروں میں سے تھا (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا اے ابلیس تجھے اس کو سجدہ کرنے سے کس نے روکا جسے میں نے اپنے دست قدرت سے بلا واسطہ پیدا کیا، میں نے اس کی تخلیق کی کفالت کی اور یہ آدم کا (دوسرا) اعزاز ہے، ورنہ تو ہر مخلوق کی کفالت اللہ ہی کرتا ہے، کیا تو کچھ گھمنڈ میں آگیا؟ یا تو بڑے مرتبہ والوں میں سے ہے؟ یعنی تکبر کرنے والوں میں سے ہے، سو تو نے متکبرین میں سے ہونے کی وجہ سے سجدہ کرنے سے انکار کیا، تو شیطان نے جواب دیا میں اس سے بہتر ہوں اس لئے کہ تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اس کو مٹی سے بنایا، ارشاد ہوا تو یہاں سے جنت سے اور کہا گیا ہے آسمانوں سے نکل جا تو مردود ہوا، اور تیرے اوپر یوم جزاء تک میری پھٹکار ہے کہنے لگا اے میرے رب لوگوں کے اٹھ کھڑے ہونے کے دن تک مجھے مہلت دیدیجئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو مہلت والوں میں سے ہے متعین وقت کے دن تک پہلا صور پھونکے جانے کے وقت تک کہنے لگا تیری عزت کی قسم میں ان سب کو یقیناً بہکا دوں گا بجز تیرے ان بندوں کے جو چیدہ یعنی مومنین ہیں سے ہوں فرمایا سچ تو یہ ہے اور میں سچ ہی کہا کرتا ہوں، دونوں کے نصب کے ساتھ اور اول کے رفع اور ثانی کے نصب کے ساتھ، اس کا نصب بعد والے فعل کی وجہ سے ہوگا، اور اول کا نصب کہا گیا ہے کہ فعل مذکور کی وجہ سے ہے، اور کہا گیا ہے کہ مصدریت کی وجہ سے ہے اَیْ اُحِقُّ الْحَقَّ اور کہا گیا ہے کہ صرف قسم کے حذف کی وجہ سے (منصوب) ہے اور رفع اس لئے ہے کہ وہ مبتداء محذوف الخبر ہے ای فالحقُّ مِنِّی اور کہا گیا ہے فالحقّ قسمی اور جواب قسم لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ الخ ہے میں جہنم کو تجھ سے اور تیری ذریت سے بھر دوں گا اور ان تمام لوگوں سے جو تیری اتباع کریں گے، کہہ دیجئے کہ میں اس

پیغام رسانی پر تم سے کوئی صلہ نہیں چاہتا اور نہ میں قرآن کے بارے میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں یعنی اپنی طرف سے (افتراءً) کوئی بات کہنے والوں میں سے نہیں ہوں، یہ یعنی قرآن تو تمام جہان والوں یعنی جن وانس ذوی العقول کے لئے نصیحت ہے نہ کہ ملائکہ کے لئے اے کفار مکہ! اس خبر کی صداقت کچھ ہی دیر بعد یعنی قیامت کے دن سمجھ لوگے اور عَـلِـمَ بمعنی عَرَفَ ہے، اور اس کے شروع میں لام قسم مقدر کا ہے، ای وَاللہ (لَتَعْلَمُنَّ).

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قُلْ اِنَّمَا اَنَا مُنْذِرٌ آپ ﷺ نذیر بھی ہیں اور بشیر بھی، حالانکہ یہاں آپ کو صفت نذیر میں حصر کیا گیا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت چونکہ مخاطب مشرکین ہیں اور ان کے مناسب آپ کا نذیر ہونا ہے، اسی لئے یہاں صفت نذیر کو خاص طور سے بیان کیا گیا ہے، اِنَّمَا اَنَا مُنْذِرٌ میں حصر اضافی ہے نہ کہ حقیقی ای اِنَّمـا انا مُنذِر لا سَاحِرٌ ولَا شَاعِرٌ ولَا کاھِنٌ وغیر ذٰلك اس حصر سے ان صفات کی نفی کرنا مقصود ہے جن کو کفار آپ ﷺ کے لئے ثابت کرتے تھے نہ کہ انذار کے علاوہ تمام صفات کی۔

قِوْلَہٗ: اِنَّمَا اَنَا مُنْذِرٌ سے اَلْعَزِیْزُ الْغَفَّارُ تک قُلْ کا مقولہ ہے اس مقولہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے پانچ اوصاف بیان کئے گئے جو سب کے سب توحید باری تعالیٰ پر دلالت کرتے ہیں ① الواحد ② القھار ③ رب السّمٰوات والارضِ ومَا بینھما ④ العزیز ⑤ الغفار. (تفصیل کے لئے روح المعانی دیکھئے)۔

قِوْلَہٗ: قُلْ ھُوَ نَبَأٌ عَظِیْمٌ. قُلْ کا تکرار اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے کہ مامور بہ جلیل القدر اور عظیم الشان امور میں سے ہے اس کی طرف امراً وائتماراً توجہ ضروری ہے۔

قِوْلَہٗ: ای القرآن یـہ ھُوَ نَبَأٌ عظیمٌ میں ھُوَ کی تفسیر ہے، یعنی قرآن عظیم الشان کثیر الفائدہ خبر ہے جس کی میں نے تم کو خبر دی ہے اور جس میں میں ایسی خبر لایا ہوں کہ جو وحی کے بغیر معلوم نہیں ہوسکتی، لہٰذا اس سے میرے دعوائے رسالت کی تصدیق ہوتی ہے۔

قِوْلَہٗ: وَھُوَ. (مَـا کَـانَ لِیَ مِنْ علمٍ الخ) مفسر علام نے ھو کا مرجع مَـا کـان لـی من علم الخ کو قرار دیا ہے مگر یہ درست نہیں ہے، بلکہ اس کا مرجع اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃٌ الخ ہے، البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ مَـا کَانَ لِیَ مِنْ علمٍ بِالْمَلَأِ الْاَعْلٰی کو مَا لَا یُعْلَمُ کی تمہید کے طور پر ذکر کیا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ خبر کہ جس کا علم وحی کے بغیر نہیں ہوسکتا وہ اللہ کا وہ فرمان ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ملأ اعلیٰ میں فرشتوں سے فرمایا تھا، اِنِّـیْ جَـاعِـلٌ فـی الْاَرْضِ خَـلِـیْـفَـۃٌ اور اس پر فرشتوں کا یہ جواب اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کے ارشاد قَالَ یَا اِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بیدی کے جواب میں ابلیس کا اَنَـا خیرٌ منہ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَارٍ وَّخَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ کہنا مذکورہ

بالا گفتگو اور سوال و جواب وہ گفتگو ہے جو عالم بالا میں اللہ تبارک و تعالیٰ اور فرشتوں کے درمیان ہوئی تھی، اس نجی اور ملأ اعلیٰ کی گفتگو کی خبر دینا وحی کے سوا نہیں ہو سکتا، جو کہ آپ کی نبوت کی صداقت کا نا قابل تردید ثبوت ہے۔

(صاوی، حمل، فتح القدیر شوکانی)

قَوْلُهُ: اَلْآنَ اس کلمہ کے اضافہ سے مفسر علام کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ مِنَ العَالِيْنَ کے معنی مِنَ المتكبرين کے ہیں اور اَسْتَكْبَرْتَ کے معنی بھی تکبر کرنے کے ہیں، لہٰذا تکرار لازم آتا ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ اَتَرَكْتَ السُّجُوْدَ لِاِسْتِكْبَارِكَ الحَادِث اَمْ اِسْتِكْبَارِكَ القديم المستمر مطلب یہ کہ آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو سجدہ کرنے سے انکار تیرے جبلی اور قدیم تکبر کی وجہ سے ہے یا تکبر حادث جدید کی وجہ سے، لہٰذا تکرار نہیں ہے۔

سُوَال: رَجِيم، مَطْرودٌ کے معنی میں ہے جیسا کہ شارح نے صراحت کی ہے اور آگے فرمایا گیا اِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِي اِلَى يومِ الدِّيْنِ لعنت کے معنی بھی طرد کے ہیں لہٰذا یہاں بھی تکرار لازم آتا ہے۔

جَوَاب: رجیم کے معنی طرد من الجنة او السماء ہیں اور لعنت کے معنی طرد من الرحمة کے ہیں، لہٰذا تکرار نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: قَالَ فَالحَقُّ والحقَّ اقولُ سابق جملوں کے مانند یہ جملہ بھی مستانفہ ہے اور فاء استینافیہ ہے مفسر علام نے مذکورہ جملے کی دو ترکیبوں کی طرف اشارہ کیا ہے ① اَلْحق دونوں جگہ منصوب ② اول مرفوع، ثانی منصوب، ثانی کا ناصب اقول فعل مؤخر، اور اول کا ناصب بعض نے کہا ہے اس کا ناصب بھی اقولُ فعل مؤخر ہی ہے، اور بعض نے کہا مصدریت کی وجہ سے منصوب ہے ای اُحِقُّ الحَقَّ اور بعض نے کہا ہے کہ حرفِ قسم کے حذف کی وجہ سے منصوب ہے ای اُقسِمُ بالحق فعل اور حرف قسم دونوں کو حذف کر دیا جس کی وجہ سے حق منصوب ہو گیا، خلاصہ یہ کہ نصب ثانی کی صرف ایک ہی وجہ ہے اور وہ ہے (اقول) فعل مؤخر اور الحقَّ اول کے منصوب ہونے کی تین وجہ ہیں ① ایک تو فعل مؤخر یعنی (اقول) کی وجہ سے ② دوسرے حرف قسم کے حذف کی وجہ سے ③ تیسرے مصدریت کی وجہ سے اول کے رفع کی دو وجہیں ہیں ① مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ای اَلْحقُّ مِنّي ② خبر ہونے کی وجہ سے ای اَنَا اَلْحَقُّ قسم کی صورت میں جواب قسم لَأَمْلَأَنَّ جهنَّمَ ہوگا۔

جمہور نے اَلْحَقَّ کو دونوں جگہ منصوب پڑھا ہے، نصب کی وجہ مقسم بہ سے حرف خافض کا حذف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اقسم بالحق فعل اور حرف جر دونوں کو حذف کر دیا اس وجہ سے الحقَّ منصوب ہو گیا یعنی منصوب بنزع الخافض بعض حضرات نے فعل اغراء (آمادہ کرنا) کی وجہ سے منصوب پڑھا ہے، ای اَلزِمُوا الحَقَّ اَلزِمُوا اَلْحَقَّ یا دونوں مصدریت کی وجہ سے منصوب ہیں، مصدر سابق جملہ لَاَمْلَئَنَّ کی تاکید کے لئے ہے ای اُحِقُّ اَلْحَقَّ اور اعمش و اعصم وغیرہ نے اول کو رفع اور ثانی کو نصب پڑھا ہے، اول کا رفع مبتداء ہونے کی صورت میں خبر یا تو محذوف ہوگی جیسے فالحقُّ مِنّي یا مذکور ہوگی اور وہ لَأَملَأَنَّ جَهَنَّمَ ہے یا فالْحَقُّ مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا اور وہ مبتداء أنا ہے مثلاً اور ثانی کا نصب بعد میں مذکور (اقولُ) فعل کی وجہ سے ہوگا، ای أنا اقول الحقَّ اس صورت میں فعل کی تکرار تاکید کے

لئے ہوگی، اور فراء نے فَالْحَقُّ کو حقًّا مصدر کے معنی میں ہونے کی وجہ سے منصوب پڑھا ہے، ای حقًّا لَاَمْلَاَنَّ جهنّم.

(فتح القدیر شوکانی ملخصًا)

قِوَلَہٗ: اَلْمتقوّلین، تقوُّل (تفعُّل) بناوٹی باتیں کرنا، دروغ گوئی سے کام لینا۔

قِوَلَہٗ: دون الملائکة قرآن تمام عالموں کے لئے نصیحت ہے عالم میں انس، جن، ملائکہ سب داخل ہیں، مگر یہاں ملائکہ کو دون الملائکة کہہ کر عالم سے خارج کر دیا، اس لئے کہ قرآن کو اہل عالم کے لئے ذکر اور نصیحت کہا گیا ہے، اور ذکر و موعظت اور تخویف جن وانس کے لئے تو مناسب ہے مگر ملائکہ کے مناسب نہیں ہے۔

قِوَلَہٗ: عَلِمَ بمعنی عَرَفَ مفسر رَحِمَکَاللّٰهُ تَعَالیٰ کا مقصد اس عبارت سے ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے، سوال یہ ہے کہ عَلِمَ متعدی بدو مفعول ہوتا ہے، یہاں متعدی بیک مفعول ہے اس لئے کہ تَعْلَمُنَّ کا صرف ایک مفعول ہے اور وہ نبأ ہے جواب کا ماحصل یہ ہے کہ عَلِمَ بمعنی عَرَفَ ہے، وَلَتَعْلَمُنَّ میں لام جواب قسم کا ہے اور قسم وَاللّٰه محذوف ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ عَلِمَ اپنے باب پر ہے یعنی متعدی بدو مفعول ہے اور دوسرا مفعول بعدَ حِیْنٍ ہے۔

تفسیر و تشریح

قُلْ اِنَّمَا اَنَا مُنْذِرٌ (الآیة) یعنی میں وہ نہیں ہوں جو تم گمان کرتے ہو، یعنی ساحر، کاہن، شاعر، وغیرہ نہیں ہوں بلکہ میں تو تمہیں اللہ کے عذاب اور اس کے عتاب سے ڈرانے والا ہوں، اور میں تمہیں جس عذاب اخروی سے ڈرا رہا ہوں اور توحید کی دعوت دے رہا ہوں یہ بڑی عظیم خبر ہے، اس سے اعراض و غفلت نہ برتو، اس پر تو بڑی سنجیدگی اور متانت سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

مَا كَانَ لِیَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰی اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ ملأ اعلیٰ سے مراد عالم ملائکہ ہے یعنی مجھے عالم بالا کی کچھ بھی خبر نہ تھی، جبکہ وہ گفتگو کر رہے تھے، یعنی یہ بات میری رسالت کی واضح دلیل ہے کہ میں تمہیں عالم بالا کی ایسی باتیں بیان کرتا ہوں جو وحی کے سوا کسی بھی ذریعہ سے معلوم نہیں ہو سکتیں، ان باتوں میں سے ایک تو وہ گفتگو ہے جو تخلیق آدم کے وقت اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کے درمیان ہوئی تھی، جس کا تذکرہ سورۂ بقرہ میں آچکا ہے، فرشتوں نے کہا تھا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَاءَ کیا آپ زمین میں ایسے انسان کو پیدا کر رہے ہیں جو وہاں فساد برپا کرے گا اور خون ریزی مچائے گا، اس گفتگو کو یہاں ''اختصام'' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ میں مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں، بشر کو بشر اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی مباشرت زمین کے ساتھ ہے یعنی زمین ہی سے اس کی پوری وابستگی ہے، وہ سب کچھ زمین ہی پر کرتا ہے اور آخر کار پیوند خاک ہو جاتا ہے، یا بشر کو بشر اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ظاہر البشرہ ہوتا ہے۔

یہاں تخلیق آدم کا جو واقعہ ذکر کیا گیا ہے، اس سے اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی مذکور گفتگو کی طرف اشارہ کے ساتھ ساتھ اس

بات کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے کہ جس طرح ابلیس نے محض حسد وتکبر کی وجہ سے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ کرنے سے انکار کردیا تھا، اسی طرح مشرکین عرب بھی حسد وتکبر کی وجہ سے آپ کی بات نہیں مان رہے ہے، اور جو انجام ابلیس کا ہوا وہی انجام ان کا بھی ہوسکتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، معارف)

لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں فرمایا کہ میں نے انہیں اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا جمہور کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہاتھوں سے مراد دست قدرت ہے نہ کہ انسانوں جیسے ہاتھ، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اعضاء اور جوارح سے پاک ہے اور عربی زبان میں يَدٌ کا لفظ قدرت کے معنی میں بکثرت استعمال ہوتا ہے، مثلاً ارشاد ہے بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ. یوں تو کائنات کی ہر شئ دست قدرت ہی سے پیدا ہوئی ہے، مگر آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اظہار شرف کے لئے اپنی طرف نسبت فرمائی ہے جیسے کعبہ کو بیت اللہ، اور حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اونٹنی کو ناقة اللہ اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کلمۃ اللہ یا روح اللہ کہا گیا ہے، یہاں بھی حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت ظاہر کرنے کے لئے آدم کی تخلیق کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے۔

وَمَا اَنَا مِنَ المتكلفين اور میں بناوٹ کرنے والوں میں سے نہیں ہوں کہ میں اپنی طرف سے گھڑ کر اللہ کی طرف ایسی بات منسوب کردوں جو اس نے نہ کہی ہو، یا میں تمہیں ایسی بات کی طرف دعوت دوں کہ جس کا حکم اس نے مجھے نہ دیا ہو، میں تو کسی کمی بیشی کے بغیر اللہ کے احکام تم تک پہنچاتا ہوں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جس کو کسی بات کا علم نہ ہو اس کی بابت کہہ دینا چاہئے ''اللہ اعلم'' یہ کہنا بھی علم ہی ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر سے کہا کہہ دیجئے وَمَا اَنَا مِنَ المتكلفين. (ابن کثیر)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تکلف وتصنع شرعاً مذموم اور ناپسندیدہ ہے، عام معاملات میں بھی تصنع وتکلف سے اجتناب کرنا چاہئے، اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا نُهِيْنَا عن التكلف صحیح بخاری ۷۲۹۳، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں نَهَانَا رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم اَنْ نتكلَّفَ للضيف آپ نے مہمانوں کے لئے تکلف کرنے سے منع فرمایا۔ (صحيح الجامع الصغير للالبانی)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لباس، خوراک، رہائش، اور دیگر معاملات میں تکلفات جو آج کل معیار زندگی بلند کرنے کے عنوان سے اصحاب حیثیت کا شعار اور طریقہ بن گیا ہے اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے، اسلام میں سادگی اور بے تکلفی اختیار کرنے کی تلقین وترغیب ہے۔

سُوْرَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّثَمَانِي رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ اِلَّا قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ الْاٰيَة فَمَدَنِيَّةٌ وَهِيَ خَمْسٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ زمر مکی ہے، مگر قُلْ یَاعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ (الآیة) مدنی ہے، اور یہ پچھتر (۷۵) آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ القُراٰن مُبْتَدأٌ **مِنَ اللّٰهِ** خبرُهُ **الْعَزِيْزِ** فی مُلكِه **الْحَكِيْمِ** ① فی صَنْعِهِ **اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ** یا مُحَمَّدُ **الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ** مُتعلِّقٌ بِاَنْزَلْنا **فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ** ② مِنَ الشِّرْكِ ای مُوَحِّدًا له **اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ** لا يَسْتَحِقُّهُ غَيْرُهُ **وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ** الاَصنامَ **اَوْلِيَآءَ** وهم كُفَّارُ مَكَّةَ قالُوا **مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى** قُرْبٰى مَصْدرٌ بمعنى تَقْرِيبًا **اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ** وبَيْنَ المُسْلِمِيْنَ **فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ** ۵ مِنْ اَمْرِ الدِّين فيُدْخِلُ المُؤْمِنِينَ الجَنَّةَ والكَافِرينَ النَّارَ **اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ** في نِسْبةِ الوَلَدِ اليه **كَفَّارٌ** ③ بِعِبَادَةِ غَيْرِ اللّٰهِ **لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا** كما قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا **لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ** واتَّخَذُوْهُ وَلَدًا غَيرَ مَنْ قَالُوْا مِنَ الملائِكَةَ بناتُ اللّٰهِ وعُزَيْرٍ بنُ اللّٰهِ والمَسِيح بنُ اللّٰهِ **سُبْحٰنَهٗ** تَنْزِيْهًا له عَنِ اتِّخاذِ الوَلَدِ **هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ** ④ لِخَلْقِهِ **خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ** مُتَعَلِّقٌ بخَلق **يُكَوِّرُ** يُدخِلُ **الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ** فَيَزِيدُ **وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ** يُدخِلُهُ **عَلَى الَّيْلِ** فيَزِيدُ **وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ** فی فَلَكِهِ **لِاَجَلٍ مُّسَمًّى** لِيومِ القيمَةِ **اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ** الغَالِبُ على اَمْرِهِ المُنتَقِم مِن اَعدائِهِ **الْغَفَّارُ** ⑤ لِاَوْلِيَائِهِ **خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ** اى اٰدمَ **ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا** حَوَّاءَ **وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ** الاِبِلِ والبَقَرِ والغَنَمِ والضَّانِ والمَعْزِ **ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ** مِن كُلٍّ زَوْجَانِ ذَكَرٌ وأُنْثٰى كما بُيِّنَ فی سُورَةِ الاَنْعامِ **يَخْلُقُكُمْ فِيْ**

بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ ای نُطفًا ثم عَلَقًا ثم مُضغًا فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ہی ظُلمَةُ البَطنِ وظُلمَةُ الرَّحمِ وظُلمَةُ المَشِيمَةِ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ اِلٰی عِبَادَةِ غَیرِہٖ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنْكُمْ وَلَا یَرْضٰی لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ واِن اَرَادَہٗ مِن بعضِهم وَاِنْ تَشْكُرُوْا اللّٰہَ فتؤمِنُوا یَرْضَهُ بسُکونِ الہاءِ وضَمِّہا مَع اِشبَاعٍ ودُونَہٗ ای الشُکرَ لَكُمْ وَلَا تَزِرُ نفس وَازِرَةٌ وِّزْرَ نفسٍ اُخْرٰی ای لا تَحمِلُه ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ بما فی القُلُوبِ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ای الکافِرَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ تضرَّعَ مُنِیْبًا راجِعًا اِلَیْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً اَعطَاہُ اِنعَامًا مِّنْهُ نَسِیَ تَرَكَ مَا كَانَ یَدْعُوْۤا یَتضرَّعُ اِلَیْهِ مِنْ قَبْلُ وہو اللّٰہُ فما فی مَوْضِعِ مَنْ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا شُرَکَاءَ لِّیُضِلَّ بفتح الیاءِ وضَمِّہا عَنْ سَبِیْلِهٖ دِینِ الاِسلامِ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِیْلًا بَقِیَّةَ اَجلِكَ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ اَمَّنْ بتَخفِیفِ المیمِ هُوَ قَانِتٌ قائِمٌ بوَظَائِفِ الطَّاعَاتِ اٰنَآءَ الَّیْلِ سَاعَاتِہٖ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا فی الصَّلٰوۃِ یَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ ای یَخافُ عَذابَها وَیَرْجُوْا رَحْمَةَ جَنَّةَ رَبِّهٖ کَمَنْ ہُوَ عاصٍ بالکُفرِ او غَیرِہٖ وفی قِراءَۃٍ اَمْ مَنْ فام بمعنٰی بل والہَمزَۃِ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ای لَا یَستَوِیَانِ کما لا یَستَوِی العَالِمُ والجَاہِلُ اِنَّمَا یَتَذَكَّرُ یَتَّعِظُ اُولُوا الْاَلْبَابِ اَصحابُ العُقُولِ.

ع ١ ١٥

ترجمہ: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے یہ کتاب یعنی قرآن اپنے ملک میں غالب اپنی صنعت میں حکمت والے اللہ کی طرف سے نازل کی ہوئی ہے القرآن مبتداء اور مِنَ اللّٰہ اس کی خبر ہے، اے محمد ﷺ! یقیناً ہم نے اس کتاب کو آپ کی طرف حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے (بالحق) انزلنا، سے متعلق ہے، سو آپ شرک سے خالص اعتقاد کے ساتھ (یعنی) توحید کا اعتقاد رکھتے ہوئے اسی کی بندگی کرتے رہئے، یاد رکھو عبادت جو کہ خالص ہو اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے، اس کے علاوہ اس کا کوئی مستحق نہیں، اور جن لوگوں نے اس کے سوا بتوں کو اولیاء بنا رکھا ہے اور وہ مکہ کے کافر ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ ہم کو خدا کا مقرب بنا دیں قُربٰی تقریباً معنی میں مصدر کے ہے جس دینی امر کے بارے میں اختلاف کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے اور مسلمانوں کے درمیان (عملی) فیصلہ فرما دے گا، کہ مومنوں کو جنت میں اور کافروں کو دوزخ میں داخل کرے گا، اس کی طرف ولد کی نسبت کرنے میں جھوٹے (اور) غیر اللہ کی عبادت کر کے ناشکرے کو اللہ راہ نہیں دکھاتا اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ اولاد ہی کا ہوتا، جیسا کہ (کفار) کہتے ہیں کہ اللہ کے اولاد ہے تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا چن لیتا (یعنی) اس کو اولاد بنا لیتا، ان کے علاوہ جن کے بارے میں (کفار) کہتے ہیں (یعنی یہ کہ) فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور عزیر اور مسیح علیہما السلام، اللہ کے بیٹے ہیں، وہ تو پاک ہے یعنی اولاد رکھنے سے وہ پاک ہے وہ ایسا اللہ ہے جو واحد ہے اپنی مخلوق پر زبردست ہے اس نے زمین و آسمان کو حکمت سے پیدا کیا (بِالْحَقِّ) خلَقَ سے متعلق ہے وہ رات

کو دن میں داخل کردیتا ہے جس سے دن بڑا ہوجاتا ہے اور دن کو رات میں داخل کردیتا ہے تو رات بڑی ہوجاتی ہے اس نے سورج اور چاند کو کام پر لگا رکھا ہے ہر ایک اپنے محور پر وقت مقرر (یعنی) قیامت کے دن تک چلتا رہے گا یقین مانو وہی اپنے امر پر غالب ہے اور اپنے دشمنوں سے انتقام لینے والا ہے اور اپنے اولیاء کو بخشنے والا ہے اس نے تم لوگوں کو تن واحد سے یعنی آدم سے پیدا کیا پھر اسی سے اس نے حواء کو اس کا جوڑا بنایا اور تمہارے لئے چوپایوں میں (یعنی) اونٹ، گائے، بکری، بھیڑ، دنبے آٹھ جوڑے پیدا کئے، ہر ایک نر و مادہ کا جوڑا، جیسا کہ سورۂ انعام میں بیان کیا گیا ہے، وہ تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں ایک بناوٹ کے بعد دوسری بناوٹ پر بناتا ہے (یعنی اولاً) نطفہ پھر علقہ پھر مضغہ تین تین تاریکیوں میں وہ پیٹ کی تاریکی اور رحم کی تاریکی اور جھلی کی تاریکی ہے یہ ہے اللہ تمہارا رب اسی کی سلطنت ہے اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں سو اس کی بندگی کو چھوڑ کر دوسروں کی بندگی کی طرف کہاں بہک رہے ہو، اگر تم کفر کروگے یاد رکھو اللہ تمہارا محتاج نہیں اور وہ اپنے بندوں کے کفر کو پسند نہیں کرتا اگرچہ ان میں سے بعض سے اس (کفر) کا ارادہ کرے اور اگر تم اللہ کا شکر کروگے کہ ایمان لے آؤ تو وہ اسے یعنی شکر کو تمہارے لئے پسند کرے گا (یَرْضَهُ) میں ھاء کے سکون اور ضمہ کے ساتھ مع اشباع کے اور کوئی شخص کسی شخص کا بوجھ نہیں اٹھاتا پھر تم کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہوگا، سو وہ تمہارے سب اعمال بتادے گا جو تم کرتے تھے، وہ یقیناً دلوں تک کی باتوں سے واقف ہے اور انسان کافر کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ خوب رجوع ہو کر عاجزی کے ساتھ اپنے رب کو پکارتا ہے پھر جب اللہ تعالیٰ اس کو اپنے پاس سے نعمت یعنی انعام عطا فرمادیتا ہے تو اس سے پہلے جو دعاء کر رہا تھا اسے بالکل بھول جاتا ہے اور وہ اللہ ہے اور مَا، مَنْ کی جگہ میں ہے اور خدا کے شریک بنانے لگتا ہے تاکہ اس کے راستہ یعنی دین اسلام سے بھٹک جائے (یا) بھٹکادے (ی) کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ آپ فرمادیجئے کہ کفر کی بہار کچھ دن اور لوٹ لو، یعنی اپنی بقیہ زندگی (پھر آخر کار) تو دوزخیوں میں سے ہونے والا ہے بھلا جو شخص راتوں کے اوقات وظیفہ طاعت میں مشغول ہو کر رکوع اور سجدے یعنی نماز میں گذارتا ہو حال یہ ہے کہ وہ آخرت یعنی اس کے عذاب سے ڈر رہا ہو اور اپنے پروردگار کی رحمت، جنت کی امید بھی کر رہا ہو (أَمَنْ) میں میم کی تخفیف کے ساتھ، اس شخص کے مانند ہوسکتا ہے کہ وہ کفر وغیرہ کے ذریعہ نافرمانی کرنیوالا ہے اور ایک قراءت میں أَمْ مَنْ ہے، اور أَمْ بمعنی بَلْ اور ہمزہ ہے، آپ کہئے کہ (کہیں) علم والے اور بے علم برابر ہوسکتے ہیں؟ یعنی برابر نہیں ہوسکتے، جیسا کہ عالم اور جاہل برابر نہیں ہوسکتے یقیناً نصیحت وہی حاصل کرتے ہیں جو عقل مند ہوں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

اس سورت کا نام سورۂ زمر ہے زُمَرٌ، زُمْرَةٌ کی جمع ہے، اس کے معنی جماعت کے ہیں اس سورۃ کو سُوْرَۃُ غُرَفْ بھی کہا جاتا ہے، یہ دونوں کلمے چونکہ اس سورت میں آئے ہیں اس لئے یہ اسم الکل باسم الجزء کے قبیل سے ہے، زُمَرٌ کا کلمہ وَسِیْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِلٰی جَهَنَّمَ زُمَرًا اور وسیق الذین اتقوا ربھم الی الجنۃ زُمَرًا میں استعمال ہوا ہے، اور غُرَفْ کا کلمہ

لَهُمْ غُرَفٌ مِنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ میں استعمال ہوا ہے، یہ پوری سورت مکی ہے سوائے تین آیتوں کے یَا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ سے تین آیتوں تک مدنی ہیں، اور بعض نے یہاں سے سات آیات تک مدنی کہا ہے۔

قَوْلُهُ: تَنْزِیْلُ الْکِتَابِ، هُوَ مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے ای هُوَ تنزیل الکتاب اور کہا گیا ہے کہ مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور کَائِنٌ جار مجرور سے متعلق ہو کر مبتداء کی خبر مقدر ہے ای تَنْزِیْلُ کَائِنٌ مِنَ اللّٰهِ اور فرّاء اور کسائی نے فعل مقدر کی وجہ سے منصوب بھی کہا ہے ای اِتَّبِعُوا تَنْزِیْلَ الکتابِ یا اِقْرَءُ وا تَنْزِیْلَ الکتابِ اور فرّاء نے اغراء کے طور پر بھی نصب جائز کہا ہے ای اِلْزَمُوا تَنْزِیْلَ الکتابِ. (فتح القدیر شوکانی)

قَوْلُهُ: مُخْلِصًا، اُعْبُدْ کی ضمیر سے حال ہے۔

قَوْلُهُ: زُلْفٰی یہ یُقَرِّبُوْنَ کا مصدر بغیر لفظہٖ ہے، اصل میں یُزْلِفُوْنَ زلفٰی ہے، اَنْبَتَکُمْ مِنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا کے مانند مصدر بغیر لفظہٖ ہے۔

قَوْلُهُ: یُکَوِّرُ. تَکْوِیْرًا سے بمعنی اَللَّفُّ، وَاللَّیُّ بمعنی لپیٹنا یقال کارَ العِمَامَةَ علٰی رأسِهٖ وَکَوَّرَهَا دستار کو سر پر لپیٹا۔

قَوْلُهُ: وَاِنْ اَرَادَهٗ مِنْ بَعْضِهِمْ یعنی اللہ اپنے بندے کے کفر سے راضی نہیں ہے اگرچہ کفر کا وجود اللہ کے ارادہ ہی سے ہے، اس لئے کہ ارادہ اور مشیت خداوندی کے بغیر کسی شی کا وجود نہیں ہو سکتا، اور ارادہ کے لئے رضا لازم نہیں ہے جیسے ناخواستہ کسی کام کے کرنے میں ارادہ تو ہوتا ہے مگر رضامندی نہیں ہوتی۔

قَوْلُهُ: یَرْضَهُ ہا ضمیر کا مرجع شکر ہے، اگر تم اللہ کا شکر کرو گے تو وہ تمہارے شکر سے خوش ہوگا یَرْضَهُ اصل میں یَرْضَاهُ تھا، شرط کی جزاء ہونے کی وجہ سے الف ساقط ہوگیا یَرْضَهُ میں تین قراءتیں ہیں، ضمہ مع الاشباع یعنی (کھینچ کر) اور ضمہ بغیر الإشباع، اور ہا کے سکون کے ساتھ۔

قَوْلُهُ: ای الشکرَ اس اضافہ کا مقصد یَرْضَهُ کی ضمیر مفعولی کا مرجع متعین کرنا ہے، اور یَرْضَهُ کا فاعل اللہ ہے۔

قَوْلُهُ: خَوَّلَهٗ تخویل (تفعیل) سے ماضی واحد مذکر غائب، اس کو عطا کیا، مالک بنایا، مِنْهُ کی ضمیر حق تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔

قَوْلُهُ: تَرَکَ، نَسِیَ کی تفسیر تَرَکَ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یہاں نسیان کے لازم معنی مراد ہیں، ترک نسیان کے لئے لازم ہے، اور لازم معنی مراد لینے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ نسیان پر مؤاخذہ نہیں رُفِعَ عَنْ اُمَّتِی الخطاء والنسیان حدیث مشہور ہے۔

قَوْلُهُ: مَا کَانَ یَدْعُوْا اِلَیْهِ مِنْ قَبْلُ، مَا میں تین وجہ جائز ہیں ① مَا موصولہ بمعنی الذی اور الذی سے مراد ضُرٌّ (تکلیف) ای نَسِیَ الضُّرَّ الَّذِیْ کَانَ یَدْعُوْا اِلٰی کَشْفِهٖ یعنی ہمارے اس پر انعام کرنے اور اس کی تکلیف کو دور کرنے کے بعد وہ اس تکلیف کو بھول گیا، جس کے دور کرنے کی دعا کرتا تھا ② مَا بمعنی الذی، مراد باری تعالیٰ، ای

نَسِيَ الَّذِيْ كَانَ يَتَضَرَّعُ اِلَيْهِ یعنی تکلیف دور ہونے کے بعد اس ذات کو بھول گیا جس سے تکلیف دور کرنے کی دعا کر رہا تھا، مگر یہ ان کے نزدیک درست ہے جو ما کا اطلاق ذوی العقول کے لئے جائز سمجھتے ہیں ③ ما مصدریہ ہو ای نَسِيَ كَوْنَهٗ دَاعِيًا یعنی مصیبت کے دور ہونے کے بعد وہ یہ بھی بھول گیا کہ میں کسی وقت داعی تھا۔

قِوْلَہٗ: مِنْ قَبْلُ ای من قبل تخویل النعمة.

قِوْلَہٗ: وَهُوَ اللّٰهُ مفسر علام نے اس عبارت سے اشارہ کر دیا کہ اس کے نزدیک دوسری صورت پسندیدہ ہے۔

قِوْلَہٗ: قَانِتٌ، قُنُوتٌ سے اسم فاعل وظیفۂ طاعت کو ادا کرنے والا (اعراب القرآن) خشوع خضوع کرنے والا، اطاعت کرنے والا۔ (لغات القرآن)

قِوْلَہٗ: آنَاءٌ یہ انی کی جمع ہے بمعنی اوقات۔

قِوْلَہٗ: اَمَّنْ، اَمْ متصلہ بھی ہو سکتا ہے، اس کا مقابل محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے الكافرُ خيرٌ ام الذی هو قانتٌ ہمزہ مَن موصولہ پر داخل ہے، میم کو میم میں ادغام کر دیا گیا ہے، یا اَمْ منقطع ہے، اس کی تقدیر بَل اور ہمزہ کے ساتھ ہوگی ای بَلْ اَمَنْ هو قَانِتٌ كغيره؟ اور تخفیف کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، اس صورت میں ہمزہ استفہام انکاری ہوگا۔

قِوْلَہٗ: كَمَن هُوَ عاصٍ بكفرِهٖ وغَيْرِهٖ سے شارح کا مقصد اَمْ مَنْ هو قَانِتٌ کے معادل کو بیان کرنا ہے۔

تفسیر و تشریح

سورۂ زمر کے فضائل:

امام نسائی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے روایت بیان کی ہے کہ آپ ﷺ جب روزہ رکھتے تو اس کثرت اور تسلسل کے ساتھ رکھتے کہ ہم یہ خیال کرتے کہ شاید اب آپ کبھی افطار نہ کریں گے، اور جب آپ افطار فرماتے تو اس قدر تسلسل کے ساتھ افطار فرماتے کہ ہم خیال کرتے کہ شاید اب آپ کبھی روزہ نہ رکھیں گے، اور آپ ﷺ روزانہ ہر شب کو سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ زمر تلاوت فرماتے، اور یہ امام ترمذی نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے كَانَ رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لَا يَنَامُ حتّٰى يَقْرَأَ الزُّمَرَ وبني اسرائيلَ یعنی آپ ﷺ اس وقت تک نہ سوتے جب تک کہ سورۂ زمر اور سورۂ بنی اسرائیل تلاوت نہ فرما لیتے۔ (فتح القدیر شوکانی)

اعمال میں اخلاص کا مقام:

فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّيْنَ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ یہاں دین کے معنی عبادت و طاعت کے ہیں جو تمام احکام دینیہ کو شامل ہیں، اس سے پہلے جملہ میں آنحضرت ﷺ کو خطاب کر کے حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی عبادت و طاعت

خالص اسی کے لئے کریں، جس میں شرک یا ریاء ونمود کا شائبہ بھی نہ ہو، ابن مردویہ نے یزید الرقاشی سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے عرض کیا، یارسول اللہ ہم اپنے اموال کو (راہ خدا میں) شہرت وثنا کے لئے دیتے ہیں تو کیا ہمیں اس کا اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا لَا! عرض کیا کہ ہم اگر اجر (ثواب) اور ذکر (نام آوری) کیلئے دیں تو کیا ہمیں اس کا اجر ملے گا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ لَا یَقْبَلُ اِلَّا مَا اَخْلَصَ لَهٗ اللہ تعالیٰ اسی عمل کو قبول فرماتے ہیں جو خالص اسی کیلئے ہو پھر آپ نے مذکورہ آیت تلاوت فرمائی۔ (فتح القدیر شوکانی)

حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ میں بعض اوقات کوئی صدقہ خیرات کرتا ہوں یا کسی پر احسان کرتا ہوں، جس میں میری نیت رضا جوئی کی بھی ہوتی ہے اور یہ بھی کہ لوگ میری تعریف کریں گے، آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسی چیز کو قبول نہیں فرماتے جس میں کسی غیر کو شریک کیا گیا ہو، پھر آپ نے آیت مذکورہ بطور استدلال کے تلاوت فرمائی اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ. (قرطبی، معارف)

اعمال کی مقبولیت کا دارومدار اخلاص پر ہے نہ کہ تعداد پر:

متعدد قرآنی آیات اس پر شاہد ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اعمال کا حساب گنتی سے نہیں بلکہ وزن سے ہوگا، حق تعالیٰ نے فرمایا وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیَامَةِ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں حساب گنتی اور شمار سے نہیں بلکہ وزن ومقدار سے ہوگا اور وزن، اعمال میں اخلاص سے پیدا ہوتا ہے، صحابہ کرام جو کہ مسلمانوں کی صف اول ہیں، ان میں سے اکثر کے اعمال وریاضات کی تعداد گنتی اور شمار کے اعتبار سے کچھ زیادہ نظر نہ آئے گی، مگر اس کے باوجود ان کا ایک ادنیٰ عمل باقی امت کے بڑے بڑے اعمال سے فائق ہونے کی وجہ ان کا کمالِ ایمان اور کمالِ اخلاص ہی تو ہے۔

وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَاءَ (الآیة) اہل مکہ اور تقریباً تمام اہل عرب کا عقیدہ تو یہی تھا کہ تمام کائنات کا مالک اور زمین وآسمان کا خالق اور تمام کاموں میں متصرف صرف خدا ہی کی ذات ہے مگر اس کے باوجود انہوں نے کچھ دیوی دیوتاؤں اور فرشتوں کے بت تراش رکھے تھے، ان کی بندگی اور نذر ونیاز کرتے تھے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ خدا تعالیٰ ہی کو مالک کون ومکان اور خالق زمین وآسمان مانتے تھے تو پھر وہ ان بتوں کی بندگی کیوں کرتے تھے؟ ان سے جب یہ سوال کیا جاتا تھا تو وہ یہی جواب دیتے تھے جو قرآن نے یہاں نقل کیا ہے، ما نعبُدهم اِلا لِیقربونا الی اللّٰہ زلفٰی ہم ان بتوں کی بندگی محض اس لئے کرتے ہیں کہ ان کے ذریعہ ہمیں اللہ کا قرب حاصل ہو جائے، یا اللہ کے حضور ہماری سفارش کر دیں، یہ حضرات اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھے کہ ہم شرک کر رہے ہیں یا ہمارا یہ عمل شرک ہے آج بھی جو حضرات قبر پرستی اور مزار پرستی میں مبتلا ہیں اور رات دن قبروں پر نذر ونیاز کے علاوہ سجدہ کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے، اپنے ان اعمال کو شرک ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں، قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ہی فیصلہ فرمائے گا، اور اسی کے مطابق جزاء وسزا دے گا۔

لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ یتخذ وَلَدًا لَاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ (الآیة) یہ ان لوگوں پر رد ہے جو فرشتوں کو اللہ کی اولاد کہتے تھے، ان کے اس باطل اور محال خیال کو بطور فرض محال کے فرمایا اگر اس کو اولاد بنانا ہی تھا تو لڑکیوں ہی کو کیوں اولاد بنایا؟ جیسا کہ مشرکین کا عقیدہ تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، بلکہ وہ اپنی مخلوق میں سے جس کو پسند کرتا وہ اس کی اولاد ہوتی، نہ کہ وہ جن کو وہ باور کراتے ہیں، لیکن وہ تو والد وولد کے نقص ہی سے پاک ہے لَمْ یلد ولَمْ یولَدْ اس کی خاص صفت ہے۔

(ابن کثیر تلخیصًا و ترمیمًا)

یُکَوِّرُ اللَّیلَ علی النهار "تکویر" کے معنی ایک شئ کو دوسری پر ڈال کر چھپا دینے کے ہیں، قرآن کریم نے دن اور رات کے انقلاب کو یہاں عام نظروں کے اعتبار سے لفظ تکویر سے تعبیر کیا ہے رات آتی ہے تو گویا دن کی روشنی پر ایک پردہ ڈال دیا گیا، اور جب دن آتا ہے تو رات کی تاریکی پردہ میں چلی جاتی ہے۔

چاند اور سورج متحرک ہیں:

کل یجری لِاَجَلٍ مُّسَمًّى اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شمس وقمر، دونوں حرکت کرتے ہیں، فلکیات اور طبقات الارض کی مادی تحقیقات قرآن پاک یا کسی آسمانی کتاب کا موضوع بحث نہیں ہوتا، مگر اس معاملہ میں جتنی بات کہیں ضمناً آجاتی ہے اس پر یقین رکھنا فرض ہے، فلاسفہ کی قدیم وجدید تحقیقات تو موم کی ناک ہیں روز بدلتی رہتی ہیں، قرآنی حقائق غیر متبدل ہیں آیت مذکور سے یہ بات معلوم ہوئی کہ شمس وقمر دونوں حرکت میں ہیں، اس پر یقین رکھنا فرض ہے نہ اس میں شک کرنے کی گنجائش اور نہ تاویل کی ضرورت، اب رہا یہ معاملہ کہ ہمارے سامنے آفتاب کا طلوع وغروب زمین کی حرکت سے ہے یا خود ان سیاروں کی حرکت سے ہے قرآن نہ اس کا اثبات کرتا ہے اور نہ نفی، تجربہ سے جو کچھ معلوم ہوا اس کے ماننے میں حرج نہیں۔

خَلَقَكُمْ مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثم جعل منها زوجها (الآیة) ثم کے ذریعہ عطف، آدم وحواء علیہما السلام کے درمیان ترتیب تخلیق اور تاخیر کو بیان کرنے کے لئے ہے، معطوف علیہ مقدر ہے اور وہ نفس کی صفت ہے، تقدیر یہ ہے خَلَقَكُمْ مِنْ نفسٍ خلقَها وَاحِدَةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا اور یہ بھی جائز ہے کہ واحدۃً کے معنی پر عطف ہو، ای من نفسٍ انفردت ثم جَعَلَ منها زوجها.

سوال: حق تعالیٰ شانہ نے خلَقَ کو جَعَلَ سے کیوں تعبیر کیا؟

جواب: حضرت حواء کو آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پسلی سے پیدا فرمانا یہ قدرت خداوندی پر زیادہ دلالت کرنے والا ہے، اس لئے کہ یہ طریق تخلیق، اللہ سبحانہ تعالیٰ کی عادت مستمرہ کے خلاف ہے بخلاف تخلیق آدم اور اس کی نسل کے کہ یہ عادت مستمرہ کے موافق ہے اس لئے کہ اشیاء کو عدم سے وجود میں لانا یا رحم مادر کے واسطہ سے ہونا یہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی عام عادت ہے، بخلاف حواء کے کہ ان کو آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پسلی سے پیدا کیا یہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی عادت مستمرہ نہیں ہے، اسی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے خلَقَ کے بجائے جَعَلَ کا لفظ اختیار فرمایا۔

وَاَنْزَلَ لکمْ مِنَ الْاَنْعَام ثمانِيةَ اَزْوَاج اس کا عطف خَلَقَكُمْ پر ہے، یہاں تخلیق کو انزال سے تعبیر فرمایا ہے یا تو اس لئے کہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تخلیق اولاً جنت میں ہوئی تھی، وہاں سے دنیا میں اتارا گیا اس صورت میں انزل حقیقی معنی میں ہوگا، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مجازاً انزل سے تعبیر کردیا ہو اس لئے کہ مویشی گھاس چارہ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے اور گھاس چارہ پانی سے پیدا ہوتا ہے اور پانی آسمان سے نازل ہوتا ہے تو گویا کہ مویشی آسمان سے نازل کردہ ہیں، اس میں نسبت سبب السبب کی طرف کردی گئی، جس طرح کہ شاعر نے مندرجہ ذیل شعر میں سبب کی طرف نسبت کی ہے: ؎

اِذَا نَزَلَ السَّمَاءُ بِاَرْضِ قومٍ رَعَيْنَاہ وإن كانوا غِضَابًا

(فتح القدیر شوکانی)

شاعر نے نزَلَ کی نسبت پانی کے بجائے پانی کے سبب یعنی بادل کی جانب کی ہے۔

وَاَنْزَلَ لکمْ من الانعامِ ثَمٰنِيَةَ ازواج یہ انہی چار قسم کے جانوروں کا بیان ہے جن کا ذکر سورۂ انعام کی آیت ۱۴۳، ۱۴۴ میں گذرا ہے اور وہ بھیڑ، بکری، اونٹ، گائے ہے جو نر و مادہ مل کر آٹھ ہو جاتے ہیں۔

اِنْ تَكْفُرُوا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عنكُمْ مطلب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے کفر و ایمان سے مستغنی ہے کسی کے ایمان سے نہ اس کا کوئی فائدہ اور نہ کفر سے کچھ نقصان، صحیح مسلم کی ایک حدیث قدسی میں اللہ سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا، اے میرے بندو! اگر تمہارے اولین و آخرین اور تمہارے انسان اور جن سب کے سب انتہائی فسق و فجور میں مبتلا ہو جائیں تو میرے ملک و سلطنت میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں آتی۔ (ابن کثیر، معارف)

وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ کفر اگرچہ انسان، اللہ کی مشیت ہی سے کرتا ہے، اس لئے کہ کوئی کام خدا کی مشیت اور ارادہ کے بغیر نہیں ہوسکتا، تاہم کفر کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتے، اس کی رضا حاصل کرنے کا طریقہ اور ذریعہ شکر ہی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی مشیت اور چیز ہے اور اس کی رضا اور چیز ہے۔

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ:

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ دنیا میں کوئی اچھا یا برا کام یا کفر و ایمان اللہ جل شانہ کی مشیت اور اس کے ارادہ کے بغیر وجود میں نہیں آسکتا، البتہ حق تعالیٰ کی رضا اور پسندیدگی صرف ایمان اور اچھے کاموں سے متعلق ہوتی ہے، شیخ الاسلام علامہ دینوری نے اپنی کتاب ''الاصول والضوابط'' میں تحریر فرمایا ہے:

مذهب اهل الحق الايمانُ بالقَدَرِ واثباتهِ واَنَّ جميعَ الكائناتِ خيرُها وشرُّها بقضاءِ اللّٰه وقَدَرِه وهو مريد لَهَا كُلِّهَا ويكره المعاصى مع أنه تعالىٰ مُريد لَهَا لِحكمةٍ يَعلمُها جَلَّ وعَلا.

(روح المعانی، معارف)

’’اہل حق کا مذہب تقدیر پر ایمان لانا ہے اور یہ کہ تمام کائنات اچھی ہو یا بری سب اللہ تعالیٰ کے حکم و تقدیر سے وجود میں آتی ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کی تخلیق کا ارادہ بھی فرماتے ہیں، مگر وہ معاصی کو مکروہ اور ناپسند سمجھتا ہے اگر چہ اس کی تخلیق کا ارادہ کسی حکمت و مصلحت سے ہوتا ہے جس کو وہ خود ہی جانتا ہے‘‘۔

أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَاءَ اللَّيْلِ لفظ اَمَّنْ دو لفظوں سے مرکب ہے اَمْ حرف استفہام اور من اسم موصول سے، اس جملہ سے پہلے کفار کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہا گیا ہے کہ دنیا کی چند روزہ زندگی میں اپنے کفر و فسق کے مزے اڑالو، آخر کار تم جہنم کے ایندھن ہو گے، اس کے بعد اس جملہ میں مومن مطیع کا بیان ہے، جس کو اَمَّنْ کے لفظ سے شروع کیا ہے، علماء تفسیر نے فرمایا کہ اس سے پہلے ایک جملہ جو کہ اس جملہ کا معادل ہے محذوف ہے کہ کافر سے کہا جائے گا کہ تو اچھا ہے یا وہ مومن مطیع جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا (الآية) جب اللہ تعالیٰ مصیبت زدہ انسان کی فریاد کو سن لیتے ہیں اور اس کی مصیبت کو دور کر دیتے ہیں تو مصیبت دور ہونے کے بعد اس ذات کو کہ جس سے عاجزی اور انکساری کے ساتھ دعا کرتا تھا بھول جاتا ہے اور پھر اسی کفر و معصیت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ایک تو یہ کافر و مشرک ہے جس کا حال یہ ہے جو ابھی اوپر مذکور ہوا، اور دوسرا وہ شخص ہے جو تنگی اور خوشحالی خوشی اور غمی میں رات کی گھڑیاں اللہ کے سامنے عاجزی اور فرمانبرداری کا اظہار کرتے ہوئے قومہ و قیام، رکوع و سجود میں گذارتا ہے، اور آخرت کا خوف بھی اس کے دل میں ہے، اور اپنے رب کی رحمت کا امیدوار بھی ہے، یعنی امید و بیم کی کیفیت سے سرشار ہے، جو اصل ایمان ہے، کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ نہیں اور یقیناً نہیں، خوف و رجاء کے بارے میں حضرت انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک شخص کے پاس عیادت کے لئے گئے مریض حالت سکرات میں تھا، آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تو خود کو کس حالت میں پاتا ہے، اس نے عرض کیا میں اللہ سے امید رکھتا ہوں، اور اپنے گناہوں کی وجہ سے ڈرتا بھی ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا اس موقع پر جس بندے کے دل میں یہ دونوں باتیں ہوں تو اللہ اسے وہ چیز عطا فرماتا ہے جو وہ امید رکھتا ہے اور اس چیز سے بچالیتا ہے جس سے وہ ڈرتا ہے۔ (ترمذی، ابن ماجه، کتاب الزهد، باب ذکر الموت)

قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اي عَذَابَهُ بِأَن تُطِيْعُوْهُ **لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا** بِالطَّاعَةِ **حَسَنَةٌ** هِيَ الْجَنَّةُ **وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ** فَهَاجِرُوْا اِلَيْهَا مِنْ بَيْنِ الْكُفَّارِ وَمُشَاهَدَةِ الْمُنْكَرَاتِ **اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ** عَلَى الطَّاعَاتِ وَمَا يُبْتَلُوْنَ بِهِ **اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ** ⑩ بِغَيْرِ مِكْيَالٍ وَلَا مِيْزَانٍ **قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ** ⑪ مِنَ الشِّرْكِ **وَاُمِرْتُ لِاَنْ** اي بِأَن **اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ** ⑫ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ **قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ** ⑬ **قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ** ⑭ مِنَ الشِّرْكِ **فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ** غَيْرِهِ فِيْهِ تَهْدِيْدٌ لَهُمْ وَاِيْذَانٌ بِاَنَّهُمْ لَا

يَعْبُدُوْنَ اللّٰهَ تعالٰى **قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ** بتَخْلِيْدِ الانْفُسِ فى النَّار وبعَدم وُصُوْلِهِم الى الحُوْرِ المُعَدَّةِ لهم فى الجَنَّةِ لو اٰمَنُوْا **اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ**﴿۱۵﴾ البَيّنُ **لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ** طِباقٌ **مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ** مِنَ النارِ **ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ** اى المُؤْمِنِيْنَ لِيَتَّقُوه يَدُلُّ عليه **يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ**﴿۱۶﴾ **وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ** الاوْثانَ **اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا** اَقبلوا **اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى** بالجَنَّةِ **فَبَشِّرْ عِبَادِ**﴿۱۷﴾ **الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ** وهو ما فيه صَلاحُهُم **اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ**﴿۱۸﴾ اَصْحَابُ العُقُولِ **اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ** اى لَاَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ الآية **اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ** تُخرِجُ **مَنْ فِى النَّارِ**﴿۱۹﴾ جَوابُ الشَّرْطِ واُقِيْمَ فيه الظَّاهِرُ مَقامَ المُضمَرِ والهَمْزَةُ لِلْاِنْكار والمَعْنٰى لا تَقْدِرُ على هِدايَتِهِ فتُنْقِذَهُ مِنَ النَّارِ **لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ** بِاَنْ اَطاعُوْه **لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ** اى مِن تحتِ الغُرَفِ الفوقانِيَّةِ والتَّحتانِيَّةِ **وَعْدَ اللّٰهِ** منصوبٌ بفِعْلِهِ المُقدَّر **لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ**﴿۲۰﴾ وَعدَهُ **اَلَمْ تَرَ** تَعلَم **اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ** اَدْخَلَهُ اَمْكِنَةَ نَبعٍ **فِى الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ** يَيْبَسُ **فَتَرٰىهُ** بَعْدَ الخضْرَةِ مَثَلًا **مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا** فُتاتًا **اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى** تَذْكِيرًا **لِاُولِى الْاَلْبَابِ**﴿۲۱﴾ يَتَذَكَّرُوْنَ به لِدَلالَتِهِ على وَحْدانِيَّةِ اللّٰهِ تعالٰى وقُدْرَتِهِ.

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے اے میرے ایمان والے بندو! اپنے رب سے ڈرتے رہو یعنی اس کے عذاب سے (ڈرتے رہو) اس طریقہ سے کہ اس کی اطاعت کرو، جو لوگ اس دنیا میں طاعت کے ذریعہ نیکی کرتے ہیں ان کے لئے اچھا صلہ ہے اور وہ جنت ہے اور اللہ تعالیٰ کی زمین بہت کشادہ ہے، کفار کے درمیان سے اور منکرات کے مشاہدہ سے (بچنے کے لئے) کسی اور سرزمین کی طرف ہجرت کر جاؤ طاعات پر اور ان مصائب پر جن میں ان کو مبتلا کیا گیا ہے، صبر کرنے والوں ہی کو پورا (اور) بے شمار اجر ملتا ہے یعنی بغیر ناپے تولے (اجر ملتا ہے) آپ کہہ دیجئے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کروں کہ اسی کے لئے شرک سے دین کو خالص کروں اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس قوم میں سے سب سے پہلا فرمانبردار بن جاؤں (آپ) کہہ دیجئے کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ کرتا ہوں (آپ) کہہ دیجئے کہ میں تو اللہ ہی کی عبادت اس طرح کرتا ہوں کہ عبادت کو اسی کے لئے شرک سے خالص رکھتا ہوں تم اس کو چھوڑ کر جس کی چاہو بندگی کرو اس میں ان کے لئے تہدید (دھمکی) ہے، اور اس بات کا اعلان ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی نہیں کرتے (اور) آپ ان سے یہ (بھی) کہہ دیجئے کہ حقیقی زیاں کار وہ ہیں جو اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو قیامت کے دن نقصان میں ڈال دیں گے خود کو جہنم میں ہمیشہ کے لئے ڈال کر اور ان حوروں کو حاصل نہ کر کے جو ان کے لئے جنت میں تیار کی گئی ہیں، اگر وہ ایمان لاتے یاد رکھو، کھلا نقصان یہی ہے کہ ان کے لئے ان کے اوپر سے بھی آگ کے محیط شعلے ہوں گے اور ان کے نیچے

سے بھی آگ کے محیط شعلے ہوں گے یہ وہی (عذاب) ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو یعنی مومنین کو ڈراتا ہے تاکہ اس سے ڈریں، اور اس وصف (ایمان) پر یـا عِبَـادِ فَـاتَّقُوْن دلالت کر رہا ہے، اے میرے بندو مجھ ہی سے ڈرو، اور جن لوگوں نے طاغوت یعنی بتوں کی بندگی سے اجتناب کیا اور اللہ کی طرف متوجہ رہے وہ جنت کی خوشخبری کے مستحق ہیں تو میرے ان بندوں کو خوشخبری سنا دیجئے جو بات کو کان لگا کر سنتے ہیں پھر اس میں سے اچھی بات کی اتباع کرتے ہیں اور اچھی بات وہ ہے جس میں فلاح ہے یہی ہیں وہ لوگ جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے یہی لوگ عقل مند ہیں، بھلا جس شخص پر عذاب کی بات محقق ہو چکی یعنی لَأَملَانَّ جهَنَّمَ (الآية) تو کیا آپ ایسے شخص کو جو کہ دوزخ میں ہے چھڑا سکتے ہیں؟ اَفَـاَنْتَ الـخ جواب شرط ہے اور اس میں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر رکھا گیا ہے اور ہمزہ انکار کے لئے ہے اور معنی (آیت) کے یہ ہیں کہ آپ اس کی ہدایت پر قادر نہیں ہیں کہ اس کو آگ سے چھڑا سکیں، ہاں جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے بایں طور کہ اس کی اطاعت کی ان کے لئے بالا خانے ہیں جن کے اوپر بھی بالا خانے ہیں جو بنے بنائے تیار ہیں، (اور) ان کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں یعنی فوقانی اور تحتانی بالا خانوں کے نیچے (نہریں جاری ہیں) یہ اللہ نے وعدہ کیا ہے (وَعْدَ اللّٰهِ) اپنے فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے، اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا کیا آپ نے اس بات پر نظر نہیں کی؟ کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کو زمین کے سوتوں میں یعنی چشموں کی جگہ داخل کر دیتا ہے پھر اس کے ذریعہ مختلف قسم کی کھیتیاں اگائیں پھر وہ خشک ہو جاتی ہیں پھر (اے مخاطب) تو اس کو سبزی کے بعد مثلاً زرد دیکھتا ہے پھر وہ اس کو ریزہ ریزہ کر دیتا ہے اس میں عقلمندوں کے لئے بڑی نصیحت ہے جو اس سے نصیحت حاصل کرتے ہیں اس کے خدا کی وحدانیت اور قدرت پر دلالت کرنے کی وجہ سے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَهُ: بِاَن تُطِيعوهُ یہ تقویٰ کی تفسیر ہے۔

قِوْلَهُ: للذين اَحسَنُوا في هٰذه الدنيا جملہ ہو کر خبر مقدم ہے، اور حَسَنَةٌ مبتداء مؤخر ہے۔

قِوْلَهُ: اَرضُ اللّٰهِ وَاسِعةٌ مبتدا خبر ہیں۔

قِوْلَهُ: فِيهِ تَهْدِيْد لهُمْ، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ فَاعْبُدُوا امر تہدید یعنی دھمکی کے لئے ہے نہ کہ طلب فعل کے لئے۔

قِوْلَهُ: لَهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ لهم خبر مقدم ہے مِنْ فوقهم حال ہے ظُلَلٌ مبتداء مؤخر ہے۔

قِوْلَهُ: طباق ای قِطَعٌ كبار، بڑے بڑے ٹکڑے، آگ کے بڑے بڑے شعلوں پر ظُلَلٌ کا اطلاق تہکم کے طور پر ہے، ورنہ تو آگ کے شعلوں میں سایہ کا سوال ہی نہیں ہے ظُلَلٌ ظُلَّةٌ کی جمع ہے بمعنی سائبان۔

قِوْلَهُ: مِن تحتِهِم ظُلَلٌ.

سُوَال: سائبان کا فوق ہونا تو سمجھ میں آتا ہے، مگر سائبان کا نیچے ہونا سمجھ میں نہیں آتا۔

جَوَاب: اس کی صورت یہ ہوگی اگر بالائی طبقہ کے لئے فرش ہوگا تو اس سے نیچے والے طبقہ کے لئے سائبان ہوگا، جیسے کثیر المنزلہ عمارت میں درمیانی چھت ایک فریق کے لئے فرش ہوتی ہے تو دوسرے فریق کے لئے چھت ہوتی ہے۔

قَوْلُہٗ: ذٰلِكَ تَخْوِيفٌ ای ذکر احوال اهل النار تخويف المؤمنين ، ذٰلك کا مرجع ذکر احوال اهل النار ہے۔

قَوْلُہٗ: الْاَوْثَان طاغوت کی چند تفاسیر میں سے یہ ایک ہے، بعض نے طاغوت سے شیطان مراد لیا ہے، بعض نے ہر وہ معبود مراد لیا ہے جس کی اللہ کے علاوہ بندگی کی گئی ہو۔

قَوْلُہٗ: اقيم فيه الظاهر مقام المضمر یعنی مَنْ فی النَّارِ اسم ضمیر کی جگہ میں ہے اور ایسا زیادتی شناعت کو بیان کرنے کے لئے کیا گیا ہے تاکہ ان کا اہل نار میں سے ہونا واضح ہو جائے، ورنہ اَفَاَنْتَ تُنقِذُهٗ کافی تھا، اَفَاَنْتَ میں ہمزہ انکار کے لئے ہے اَفَاَنْتَ ، فَمَنْ حَقَّ عليهِ کا جواب ہے، ہمزہ کا اعادہ انکار کی تاکید کے لئے۔

قَوْلُہٗ: لَهُمْ غُرَفٌ من فوقِها غُرَف اہل جنت کے بارے میں یہ قول مقابلہ میں ہے اہل نار کے لئے اللہ تعالیٰ کے قول لَهُمْ من فوقهم ظُلَلٌ من النار ومن تحتهم ظُلَلٌ کے۔

قَوْلُہٗ: بفعله المقدر اس کی تقدیر ہے وَعَدَهُم الله وعدًا ، وعدًا کا فعل ناصب وَعَدَ فعل محذوف ہے۔

تفسیر و تشریح

وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ اس سے پہلے جملے میں اعمال صالحہ کا حکم ہے، اس میں کوئی یہ عذر کر سکتا تھا کہ میں جس شہر یا علاقہ یا ملک میں رہتا ہوں، وہاں کے حالات دینی اعمال اور اسلامی شعار کی ادائیگی کے لئے سازگار نہیں، جس کی وجہ سے میں اعمال صالحہ نہیں کر سکتا، اس کا جواب اس جملہ میں دیدیا گیا کہ اگر کسی خاص ملک وشہر یا علاقہ میں رہتے ہوئے احکام شرعیہ کی پابندی مشکل نظر آئے تو اس کو چھوڑ دو اللہ کی زمین بہت وسیع ہے، کسی ایسے ملک یا علاقہ میں جا کر رہو جو اطاعت احکام الٰہیہ کے لئے سازگار ہو، اس میں ایسی جگہ سے ہجرت کرنے کی ترغیب ہے۔

اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ (الآیۃ) ایمان وتقویٰ اور ہجرت کی راہ میں مشکلات ناگزیر اور شہوات ولذت نفس کی قربانی بھی لابدی ہے، جس کے لئے صبر کی ضرورت ہے، اس لئے صابرین کی فضیلت بھی بیان کر دی گئی ہے، کہ ان کو ان کے صبر کے بدلے میں اس طرح پورا پورا اجر دیا جائے گا، کہ اسے حساب کے پیمانوں سے ناپنا ممکن نہیں ہوگا یعنی اس کا اجر غیر متناہی ہوگا، صبر کی یہ وہ عظیم فضیلت ہے جس کی ہر مسلمان کو کوشش کرنی چاہئے۔

حضرت قتادہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا کہ حضرت انس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز میزان عدل قائم کی جائے گی، اہل صدقہ آئیں گے تو ان کے صدقات کو تول کر اس کے حساب

سے پورا پورا اجر دلایا جائے گا، اسی طرح نماز حج وغیرہ عبادتوں کو تول کر حساب سے ان کا اجر پورا دیدیا جائے گا، پھر جب بلاء اور مصیبتوں پر صبر کرنے والے آئیں گے تو کوئی کیل اور وزن نہیں ہوگا، بلکہ بغیر حساب و انداز ے کے ان کی طرف اجر وثواب بہادیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنّما یوفّی الصابرون اجرھم بغیر حساب حتی کہ وہ لوگ جن کی دنیوی زندگی عافیت میں گذری ہوگی تمنا کرنے لگیں گے کہ کاش ہمارے جسم دنیا میں قینچیوں کے ذریعہ کاٹے گئے ہوتے تو ہمیں بھی صبر کا ایسا ہی صلہ ملتا۔

حضرت امام مالک رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے اس آیت میں ''صابرین'' سے وہ لوگ مراد لئے ہیں جو دنیا کے مصائب اور آلام پر صبر کرنے والے ہیں، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ صابرین سے مراد وہ لوگ ہیں جو معاصی سے اپنے نفس کو روکیں، مفسر قرطبی فرماتے ہیں کہ لفظ صابر جب بغیر کسی دوسرے لفظ کے بولا جاتا ہے تو اس سے مراد وہ ہوتا ہے جو اپنے نفس کو گناہوں سے باز رکھنے کی مشقت پر صبر کرے، اور مصیبت پر صبر کرنے والے کے لئے صابر علی کذا بولا جاتا ہے یعنی فلاں مصیبت پر صبر کرنے والا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

فَسَلَکَهٗ یَنَابِیْعَ فِی الْاَرْضِ یَنَابِیْعُ، یَنْبُوْعٌ کی جمع ہے، زمین سے ابلنے والے چشمے یعنی بارش کے ذریعہ پانی آسمان سے اترتا ہے پھر وہ زمین میں جذب ہوجاتا ہے، پھر چشموں کی شکل میں نکلتا ہے یا تالابوں اور نہروں اور پہاڑوں پر برف کی شکل میں جمع ہوجاتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ پانی کو محفوظ کرنے کا اس طرح نظام نہ کرتا تو انسان اس سے صرف بارش کے وقت یا اس کے متصل چند روز تک فائدہ اٹھا سکتا تھا، حالانکہ پانی پر انسانی زندگی کا دارومدار ہے اور پانی ایسی ضرورت ہے کہ اس سے ایک دن بھی مستغنی نہیں رہ سکتا، اس لئے حق تعالیٰ نے اس نعمت کے صرف نازل کرنے پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اس کے محفوظ کرنے کے عجیب عجیب سامان فرمادیئے، کچھ زمین کے گڑھوں، تالابوں، حوضوں میں محفوظ ہوجاتا ہے، اور بہت بڑا ذخیرہ برف کی شکل میں پہاڑوں پر لاد دیا جاتا ہے، جس سے اس کے سڑنے اور خراب ہونے کا بھی امکان نہیں رہتا پھر وہ برف آہستہ آہستہ پگھل کر پہاڑوں کی رگوں کے ذریعہ زمین میں اتر جاتا ہے، اور جابجا ابلنے والے چشموں کی شکل میں ابلنے لگتا ہے، اور ندیوں کی شکل میں زمین پر بہنے لگتا ہے، اور زیر زمین ذخیرہ ہوجاتا ہے جس کو کنواں کھود کر اور دیگر طریقوں سے نکالا جاتا ہے۔

یعنی اس پانی سے جو ایک ہوتا ہے، انواع واقسام کی چیزیں پیدا فرماتا ہے جن کا رنگ، ذائقہ، خوشبو ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے، یہ بھی خدا کی قدرت کی نشانیوں میں سے عظیم نشانی ہے پھر وہ کھیتیاں شادابی اور تروتازگی کے بعد سوکھ کر زرد ہوتی ہیں، اور شکست وریخت کا شکار ہو کر ریزہ ریزہ ہوجاتی ہیں۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِاُولِی الْاَلْبَابِ یعنی اہل دانش اس سے سمجھ لیتے ہیں کہ دنیا کی مثال بھی اسی طرح ہے وہ بھی بہت جلد زوال وفنا سے ہمکنار ہوجائے گی، اس کی رونق وبہجت، اس کی شادابی اور زینت اور اس کی لذتیں اور آسائشیں عارضی

اور وقتی ہیں، جن سے انسان کو دل نہیں لگانا چاہئے، بلکہ اس موت کی تیاری میں مشغول رہنا چاہئے جس کے بعد کی زندگی دائمی اور لافانی ہے۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَاہْتَدٰی فَهُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ طُبِعَ عَلٰی قَلْبِہٖ دَلَّ علٰی ہٰذا فَوَيْلٌ كَلِمَةُ عَذَابٍ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ای عَنْ قَبُوْلِ القراٰنِ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۲﴾ بَیِّنٍ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا بَدلٌ مِن اَحْسَنَ ای قُراٰنًا مُّتَشَابِهًا ای یُشْبِہُ بَعْضُہٗ بَعْضًا فی النظمِ وغیرہ مَّثَانِيَ ثُنِّیَ فیہ الوَعْدُ والوَعِیْدُ وغیرُہما تَقْشَعِرُّ مِنْهُ تَرْتَعِدُ عِنْدَ ذِکْرِ وَعِیْدِہٖ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ یَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ تَطْمَئِنُّ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ ای عِنْدَ ذِکْرِ وَعْدِہٖ ذٰلِكَ ای الکتابُ هُدَی اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۲۳﴾ اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ یَلْقٰی بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ای اَشَدَّہٗ بانْ یُلْقٰی فی النَّارِ مَغْلُوْلَۃً یداہُ الی عُنُقِہٖ کمن اٰمِنَ منہ بِدُخُوْلِ الجنَّۃِ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ای کُفّارِ مَکّۃَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۲۴﴾ ای جزاءَہٗ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ رُسُلَہم فی اِتْیَانِ العَذابِ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۵﴾ مِن جِہَۃٍ لَا یَخْطُرُ بِبالِہم فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ الذُّلَّ والہَوَانَ مِنَ المَسْخِ والقَتْلِ وغیرِہما فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا ای المُکَذِّبُوْنَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ عَذابَہا مَا كَذَّبُوْا وَلَقَدْ ضَرَبْنَا جَعَلْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ یَتَّعِظُوْنَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا حالٌ مُؤَکِّدَۃٌ غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ ای لَبْسٍ واخْتِلَافٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۲۸﴾ الکُفْرَ ضَرَبَ اللّٰهُ لِلْمُشْرِکِ والمُوَحِّدِ مَثَلًا رَّجُلًا بَدَلٌ مِن مَثَلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ مُتَنَازِعُوْنَ سیِّئَۃٌ اَخْلاقُہُمْ وَرَجُلًا سَلَمًا خالِصًا لِّرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا تمییزًا ای لَا یَسْتَوِی العَبْدُ لِجَمَاعَۃٍ والعَبْدُ لِوَاحِدٍ فانَّ الاَوَّلَ اِذا طَلَبَ منہ کُلٌّ مِنْ مَالِکِیْہِ خِدْمَتَہٗ فی وَقْتٍ وَاحِدٍ تَحَیَّرَ مَنْ یَّخْدِمُہٗ منہم وہٰذا مَثَلٌ لِلْمُشْرِکِ والثّانی مَثَلٌ لِلْمُوَحِّدِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَہٗ بَلْ اَكْثَرُهُمْ اَہْلِ مَکَّۃَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾ مَا یَصِیْرُوْنَ الیہ مِنَ العذابِ فیُشْرِکُوْنَ اِنَّكَ خِطَابٌ لِلنَّبِیِّ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿۳۰﴾ سَتَمُوْتُ ویَمُوْتُوْنَ فلَا شَمَاتَۃَ بالموتِ نَزَلَتْ لَمَّا اِسْتَبْطَاُوْا مَوْتَہٗ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ثُمَّ اِنَّكُمْ اَیُّہا النَّاسُ فیما بَیْنَکم مِن المَظَالِمِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿۳۱﴾

تَرجَمہ: بھلا جس شخص کا سینہ خدا نے اسلام کے لئے کھول دیا ہو جس کی وجہ سے وہ ہدایت پا گیا پس وہ اپنے پروردگار کی طرف سے روشنی پر ہو تو کیا وہ اس شخص کے مانند ہوسکتا ہے کہ جس کے قلب پر مہر لگادی گئی ہو بربادی ہے ان

لوگوں کے لئے جن کے دل خدا کی یاد سے یعنی قبول قرآن سے غافل ہو رہے ہیں حذف خبر پر ویـلٌ دلالت کر رہا ہے، ویـلٌ کلمۂ عذاب ہے، یہی لوگ صریح گمراہی میں ہیں اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام نازل فرمایا ہے وہ ایسی کتاب ہے یعنی قرآن جو آپس میں ملتی جلتی ہے، کتـابًـا اَحسنَ الحدیث سے بدل ہے یعنی بعض بعض سے مشابہ ہے الفاظ وغیرہ میں اس میں وعدہ وعید وغیرہ کو بار بار دہرایا گیا ہے، جس سے ان لوگوں کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں (کانپنے لگتے ہیں) جب اس کی وعید ذکر کی جاتی ہے، جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں آخر کاران کے جسم اور دل اس کے وعدہ کے ذکر کے وقت نرم (مطمئن) ہو جاتے ہیں یہ کتاب اللہ کی ہدایت ہے اس کے ذریعہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور خدا جس کو گمراہ کرتا ہے اس کا کوئی ہادی نہیں بھلا وہ شخص جو قیامت کے دن اپنے چہرے کو بدترین عذاب کے لئے (سپر) ڈھال بنائے گا، یعنی شدید ترین عذاب کے لئے اس طریقہ پر کہ اس کے دونوں ہاتھ اس کی گردن میں باندھ کر آگ میں ڈال دیا جائے گا، اس شخص جیسا ہو سکتا ہے، جو نار جہنم سے جنت میں داخل ہونے کی وجہ سے محفوظ رہا؟ ظالموں یعنی کفار مکہ سے کہا جائے گا، اپنے کئے کا (مزا) یعنی اس کی سزا چکھو عذاب آنے کے بارے میں ان سے پہلے والوں نے (بھی) رسولوں کو جھٹلایا سوان پر عذاب ایسے طور پر آیا کہ ان کو خیال بھی نہ تھا یعنی ایسی جہت سے آیا کہ ان کے دل میں وہم و گمان بھی نہیں تھا سو اللہ نے ان کو دنیوی زندگی میں ذلت و رسوائی کا عذاب چکھادیا وہ مسخ اور قتل وغیرہ ہے اور آخرت کا عذاب اور بھی بڑا ہے کاش یہ تکذیب کرنے والے اس کے عذاب کو سمجھ جاتے تو تکذیب نہ کرتے اور یقیناً ہم نے لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں بیان کر دی ہیں تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں، حال یہ کہ قرآن عربی ہے یہ حال مؤکدہ ہے اس میں کسی قسم کی کجی التباس واختلاف نہیں تاکہ یہ لوگ کفر سے بچیں اللہ تعالیٰ نے مشرک اور موحد کی ایک مثال بیان فرمائی (وہ یہ کہ) ایک شخص (غلام) ہے رجلاً، مثلاً سے بدل ہے جس میں بداخلاق، جھگڑالو قسم کے چند لوگ شریک ہیں اور دوسرا وہ شخص (غلام) ہے جو خالص ایک ہی شخص کا (غلام) ہے (تو) کیا ان دونوں کی حالت یکساں ہے؟ مثلاً تمیز ہے یعنی پوری جماعت کا غلام اور ایک شخص کا غلام برابر نہیں ہو سکتے، اس لئے کہ اول سے جب اس کا ہر مالک ایک ہی وقت میں خدمت طلب کرے گا، تو وہ (غلام) حیران رہ جائے گا، کہ ان میں سے کس کی خدمت کرے یہ مثال مشرک کی ہے، اور دوسری مثال موحد کی ہے اللہ وحدہ کے لئے سب تعریفیں ہیں بات یہ ہے کہ اہل مکہ میں سے اکثر لوگ اس عذاب کو جانتے ہی نہیں ہیں جس کی طرف وہ جا رہے ہیں (اسی عدم علم) کی وجہ سے شرک کر بیٹھتے ہیں یقیناً آپ کو بھی موت آئے گی اور وہ بھی مرنے والے ہیں (یہ آپ ﷺ کو خطاب ہے) لہٰذا (کسی کی) موت پر خوشی کی کوئی بات نہیں، یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کہ (اہل مکہ) آپ ﷺ کی موت کا انتظار کرنے لگے، پھر تم یقیناً سب کے سب اے لوگو! آپس میں حقوق کے بارے میں قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے جھگڑو گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

ربط آیات:

قَوْلُہٗ: اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ یہ کلام مستانف ہے، ماقبل میں مذکور فی ذٰلك لذِكْرٰی لِاُولِی الْاَلْبَاب کے لئے بمنزلہ علت کے ہے یعنی ذِکرٰی کو اولی الالباب کے ساتھ خاص کرنے کی علت کے قائم مقام ہے، مطلب یہ ہے کہ آسمان سے پانی برسنے کے بعد پانی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے کیسے کیسے عجیب وغریب تغیرات ظاہر فرماتے ہیں، ان کو دیکھ کر عقلمندوں ہی کو اسلام کے لئے شرح صدر ہوتا ہے اور یہی شرح صدر عقلمندوں کے لئے قبول ذکر کا سبب ہوتا ہے (اعراب القرآن ترمیماً) ہمزہ استفہام انکاری ہے اور فاء عاطفہ ہے معطوف مقدر ہے، ای أكُلُّ النَّاسِ سَوَاء، مَنْ موصولہ ہے اس کے بعد پورا جملہ صلہ ہے، موصول اپنے صلہ سے مل کر مبتداء اس کی خبر محذوف ہے، جیسا کہ مفسر علام نے ظاہر فرمادیا ہے کَمَنْ طُبِعَ عَلٰی قَلْبِهٖ اور اس حذف خبر پر فَوَيْلٌ لِلْقَاسِيَة دلالت کر رہا ہے، اور بعض حضرات نے مَنْ کو شرطیہ بھی کہا ہے اور بعد والا جملہ اس کی جزاء ہے۔

قَوْلُہٗ: عَنْ ذِكْرِ قُبُوْلِ القرآنِ اس عبارت سے علامہ محلی کا مقصد دو باتوں کی طرف اشارہ کرنا ہے اول یہ کہ مِنْ بمعنی عن ہے، اور یہ کہ کلام میں مضاف محذوف ہے عن ذكر الله ای عن قبول ذکر الله اور یہ بھی صحیح ہے کہ مِنْ اپنے باب پر ہو اور تعلیل کے لئے ہو ای قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ مِنْ اَجَلِ ذكرِ اللّٰهِ لِفَسَاد قلوبهم و خُسرَانِها.

قَوْلُہٗ: مَثَانِی یہ مَثْنٰی کی جمع ہے مگر یہ مفرد کی بھی صفت واقع ہو سکتا ہے، جیسا کہ یہاں کتاب کی صفت واقع ہے، کتاب گو مفرد ہے مگر بہت سی تفاصیل کو جامع ہونے کی وجہ سے ایک مجموعہ کا نام ہے، لہٰذا اس کی صفت جمع لائی جاسکتی ہے، اس کی نظیر عرب کا یہ قول ہے الإنسانُ عُرُوْقٌ وعِظامٌ واعْصابٌ.

قَوْلُہٗ: وغيرهما كالقصص والاحكام.

قَوْلُہٗ: تَقْشَعِرُّ منه عندَ ذِكرِ وعِيدِهٖ شارح نے اشارہ کردیا کہ مِنْ بمعنی عِنْدَ ہے تقشعِرُّ ای تَرْتَعِدُ وتَضْطَرِبُ (وبالفارسیۃ) لرزیدن، کانپنا، اس کا مصدر اقشعرار ہے (بالفارسیۃ) موئے برتن خاستن یقال اِقْشَعَرَّ الشَّعرُ ای قام وانتصَبَ من فزعٍ اوبردٍ خوف یا سردی کی وجہ سے رونگٹے کھڑے ہونا (لغات القرآن ترمیماً وتلخیصاً) زمخشری نے کہا ہے کہ یہ دراصل القَشْعُ ہے، خشک شدہ چمڑا، اس کو رباعی بنانے کے لئے اس کے آخر میں راء زائد کردی تاکہ زیادتی لفظ زیادتی معنی پر دلالت کرے۔ (لغات القرآن)

قَوْلُہٗ: الٰی ذکر اللّٰه ای عند ذکرِ وَعْدِهٖ اس میں اشارہ ہے کہ الٰی بمعنی عند ہے۔

قَوْلُہٗ: ذٰلك ای الكتاب الموصوف بتلك الصفات المذكورة.

قَوْلُہٗ: هُدَى اللّٰهِ ای سبَبٌ فِی الهُدٰی یا مبالغہ کے طور پر زیدٌ عدلٌ کے قبیل سے ہے یعنی یہ کتاب اس قدر سبب ہدایت ہے گویا کہ وہ خود ہی ہدایت ہے۔

قَوْلُہٗ: اَفَمَنْ یَّتَّقِی ویَلْقٰی بِوَجْهِهٖ سُوْءَ العَذَابِ ایک نسخہ میں یَلْقٰی کے بجائے یَقِی ہے، مَنْ موصولہ اپنے صلہ سے مل کر جملہ ہو کر مبتداء، اس کی خبر محذوف ہے، جس کو علامہ محلی نے كَمَنْ اٰمِنَ مِنْهُ کہہ کر ظاہر کر دیا ہے، مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنے چہرے کو آگ کے لئے سپر (ڈھال) بنائے، کیا وہ اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے، جو آگ سے مامون و محفوظ ہو۔

قَوْلُہٗ: قِیْلَ لِلظّٰلِمِیْنَ یقینی الوقوع ہونے کی وجہ سے ماضی سے تعبیر کیا ہے، اس کا عطف یتقی پر ہے، لِلظّٰلِمِیْنَ اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ ان کی صفت ظلم کو بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے، ورنہ تو وقِیْلَ لَهُمْ کافی تھا۔

قَوْلُہٗ: ای کفار مکة کے بجائے مطلقاً کفار کہتے تو زیادہ مناسب ہوتا، اس لئے کہ یہ قول کفار مکہ کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: اَیْ جزاءَہٗ اس میں اشارہ ہے مضاف محذوف ہے، ای ذوقوا جزاءَ مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ.

قَوْلُہٗ: لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ. لَوْ شرطیہ ہے كانوا فعل ناقص اس کے اندر ضمیر وہ اسم، یَعْلَمُوْنَ جملہ ہو کر كَانَ کی خبر كَانَ اسم وخبر سے مل کر شرط، جواب شرط محذوف جس کو مفسر نے ما كذبوا نکال کر ظاہر کر دیا، اور عذابها مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ یعلمونَ کا مفعول محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: وَلَقَدْ ضَرَبْنَا، لَقَدْ میں لام قسم محذوف کے جواب پر داخل ہے اور ضَرَبْنَا بمعنی بَیَّنَّا و اَوْضَحْنَا ہے۔

قَوْلُہٗ: قرآنًا عربیًّا، هٰذا القرآن کے لئے حال مؤکدہ ہے۔

قَوْلُہٗ: مُتَشَاكِسُوْنَ اسم فاعل جمع مذکر غائب، جھگڑالو شَكِسَ يَشْكُسُ (ک) شَكَاسَةً بد خلق ہونا، قال زمخشری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی التَّشَاكُس والتَّشَاخُسُ ای الاختلاف.

قَوْلُہٗ: هَلْ يَسْتَوِيَانِ، مثلاً تمیزٌ، مثلاً تمیز ہے جو فاعل سے منقول ہے تقدیر عبارت یہ ہے ای لا یستوی مثلُهما و صِفَتُهُمَا.

قَوْلُہٗ: مَیِّتٌ فرّاء نے کہا ہے یاء کی تشدید کے ساتھ وہ شخص جو ابھی مرا نہ ہو اور عنقریب مرنے والا ہو اور مَیْتٌ (ی) کی تخفیف کے ساتھ مردہ، بعض حضرات نے کہا ہے کہ دونوں کے معنی میں کوئی فرق نہیں ہے۔

تفسیر وتشریح

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صدرَهٗ لِلْاِسْلَامِ (الآیة) شرحٌ کے لغوی معنی کھولنے اور پھیلانے اور وسیع کرنے کے ہیں، شرح صدر کا مطلب ہے وسعت قلب یعنی قلب میں قبول حق کی استعداد و صلاحیت کا پیدا ہو جانا کیا وہ شخص کہ جس میں قبول حق اور کار خیر پر عمل کرنے کی استعداد و صلاحیت پیدا ہو گئی، اس جیسا ہو سکتا ہے جس کا دل اسلام کے لئے سخت اور سینہ تنگ ہو، اور گمراہی کی

تاریکیوں میں بھٹک رہا ہو، شرح صدر کے بالمقابل ضیق قلب ہے، جیسا کہ اسی آیت میں قاسیۃ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ آیت اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ تلاوت فرمائی تو ہم نے آپ سے دریافت کیا کہ شرح صدر کا کیا مطلب ہے؟ تو آپ نے فرمایا جب نور ایمان انسان کے قلب میں داخل ہوتا ہے تو اس کا قلب وسیع ہو جاتا ہے، جس سے احکام الٰہیہ کا سمجھنا اور عمل کرنا اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے ہم نے دریافت کیا، یا رسول اللہ اس (شرح صدر) کی علامت کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

الإنابةُ الٰی دار الخلود والتجافی عن دار الغرور والتأهبُ للموت قبل نزول الموت.

(رواه الحاكم، فی المستدرك والبیهقی فی شعب الایمان، مظهری)

''ہمیشہ رہنے والے گھر کی طرف راغب اور مائل ہونا اور دھوکے کے گھر یعنی دنیا کے (لذائذ اور زینت) سے دور رہنا اور موت کے آنے سے پہلے اس کی تیاری کرنا''۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ (الآیة) اس آیت کو حرف استفہام سے شروع فرمایا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ کیا ایسا شخص جس کا دل اسلام کے لئے کھول دیا گیا ہو اور وہ اپنے رب کی طرف سے آئے ہوئے نور پر ہو (یعنی اس کی روشنی میں سب کام کرتا ہو) اور وہ آدمی جو تنگ دل اور سخت دل ہو کہیں برابر ہو سکتے ہیں؟ اس کے بالمقابل سخت دل کا ذکر اگلی آیت میں ویل سے کیا گیا ہے فَوَیْلٌ لِلْقٰسِیَةِ قُلُوْبُهُمْ، قاسِیَةٌ، قساوةٌ سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں سخت دل ہونا، جس کو کسی پر رحم نہ آئے اور جو اللہ کے ذکر اور اس کے احکام سے کوئی اثر قبول نہ کرے۔ (معارف)

اللّٰه نَزَّلَ اَحْسَنَ الحدیث کتابًا متشابهًا (الآیة) اس سے پہلی آیت میں اللہ کے مقبول بندوں کی کیفیت میں بیان کیا گیا تھا کہ یَسْتَمِعُوْنَ القولَ فیتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ پورا قرآن ہی احسن الحدیث ہے، لغت میں حدیث اس کلام یا قصہ کو کہتے ہیں جس کو بیان کیا جاتا ہے، قرآن کو احسن الحدیث کہنے کا حاصل یہ ہے کہ انسان جو کچھ کہتا بولتا ہے اس سب میں قرآن احسن الکلام ہے، یہ مطلب نہیں کہ قرآن کا کچھ حصہ احسن اور کچھ غیر احسن ہے، جیسا کہ یتبعُوْنَ احسنَهٗ سے شبہ ہوتا ہے، آگے قرآن کی چند صفات ذکر فرمائی ہیں: ① پہلی صفت مُتَشَابِهًا ہے، متشابہ سے یہاں مراد متماثل ہے، یعنی مضامین قرآن ایک دوسرے سے مربوط و مماثل ہیں کہ ایک آیت کی تصدیق و تشریح دوسری آیت سے ہو جاتی ہے، اس کلام میں تضاد و تعارض کا نام نہیں ہے ② دوسری صفت مثانی ہے جو مَثْنیٰ کی جمع ہے، جس کے معنی مکرر کے ہیں یعنی وعد، وعید بعض مضامین کو ذہن میں مستحضر کرنے کے لئے بار بار دہرایا جاتا ہے ③ تیسری صفت۔

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ (الآیة) یعنی اللہ کی عظمت سے متاثر ہو کر ایسے خوف زدہ ہوتے ہیں کہ ان کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ان کے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے ④ چوتھی صفت ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدهُم (الآیة) یعنی تلاوت قرآن کا کبھی اثر یہ ہوتا ہے کہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور کبھی مغفرت اور رحمت خداوندی کی آیات سن کر

یہ حال ہوتا ہے کہ بدن اور قلب سب اللہ کی یاد میں نرم ہوجاتے ہیں۔ (قرطبی، معارف)

حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس بندے کے بدن پر اللہ کے خوف سے بال کھڑے ہوجائیں تو اللہ اس کے بدن کو آگ پر حرام کردیتے ہیں۔ (قرطبی)

جب اللہ کی رحمت اور اس کے لطف وکرم کی امید ان کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے تو ان کے اندر سوز وگداز پیدا ہوجاتا ہے اور وہ اللہ کے ذکر میں مصروف ہوجاتے ہیں، حضرت قتادہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ اس میں اولیاء اللہ کی صفت بیان کی گئی ہے کہ اللہ کے خوف سے ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے ہیں، اور ان کے دلوں کو اللہ کے ذکر سے اطمینان نصیب ہوتا ہے، یہ نہیں ہوتا کہ وہ مدہوش اور حواس باختہ ہوجائیں اور عقل وہوش باقی نہ رہے کیونکہ یہ بدعتیوں کا طریقہ ہے، اور اس میں شیطان کا دخل ہوتا ہے۔ (ابن کثیر)

اَفَمَنْ یَّتَّقِیْ بِوَجْھِہٖ اس میں جہنم کی سخت ہولناکی کا بیان ہے، حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ کافروں کو دست و پابستہ جہنم کی طرف لیجائیں گے اور اس میں پھینک دیں گے، اور سب سے پہلے آگ اس کے چہرے کو مس کرے گی، انسان کی عادت دنیا میں یہ ہے کہ اگر کوئی تکلیف کی چیز چہرے کے سامنے آجائے تو اپنے ہاتھوں سے اسے دفع کرنے کی کوشش کرتا ہے، مگر خدا کی پناہ، جہنمیوں کو ہاتھوں سے مدافعت بھی نصیب نہ ہوگی، اس لئے کہ ان کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہوں گے، ان پر جو عذاب آئے گا وہ براہِ راست چہروں پر پڑے گا، وہ اگر مدافعت بھی کرنا چاہیں گے تو چہروں ہی کو آگے کرنا ہوگا۔ (قرطبی، معارف)

ثُمَّ اِنَّکُمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ عِنْدَ رَبِّکُمْ تَخْتَصِمُوْنَ حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں کہ یہاں لفظ اِنَّکُمْ میں مومن اور کافر اور مسلمان، ظالم اور مظلوم سب داخل ہیں، یہ سب اپنے اپنے مقدمات اپنے رب کی عدالت میں پیش کریں گے، اور اللہ تعالیٰ ظالم سے مظلوم کا حق دلوائیں گے، اور حقوق کی ادائیگی کی صورت وہ ہوگی جو صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت سے آئی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کے ذمہ کسی کا حق ہے اس کو چاہئے کہ دنیا ہی میں اس کو معاف کرا کر فارغ ہوجائے، اس لئے کہ آخرت میں درہم و دینار تو ہوں گے نہیں، اگر ظالم کے پاس کچھ اعمال صالحہ ہوں گے، تو بمقدار ظلم یہ اعمال اس سے لیکر مظلوم کو دیدیئے جائیں گے، اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہیں ہوں گی تو مظلوم کے گناہ ظالم پر ڈال دیئے جائیں گے۔

اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک روز صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ سے سوال فرمایا کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ مفلس کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم تو مفلس اس کو سمجھتے ہیں جس کے پاس نہ کوئی نقد رقم ہو اور نہ ضروریات کا سامان ہو، آپ نے فرمایا: اصلی اور حقیقی مفلس میری امت میں وہ شخص ہے جو قیامت میں بہت سے نیک اعمال، نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ لے کر آئے گا، مگر اس کا حال یہ ہوگا کہ اس نے دنیا میں کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال ناجائز طور پر کھایا ہوگا یا کسی کو قتل کیا ہوگا، کسی کو مار پیٹ سے ستایا ہوگا، یہ سب مظلوم اللہ کے سامنے اپنے

اپنے حقوق کا مطالبہ کریں گے اوراس ظالم کی نیکیاں مظلوموں میں تقسیم کردی جائیں گی، پھر جب اس کی نیکیاں ختم ہوجائیں گی اورحقوق باقی رہ جائیں گے تو مظلوموں کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے اوراس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

ظالم کے تمام نیک اعمال حقوق کے عوض دیدیئے جائیں گے مگر ایمان نہیں دیا جائے گا:

تفسیر مظہری میں مذکورہ روایت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ مظلوموں کے حقوق میں ظالموں کے نیک اعمال دینے کا جو ذکر آیا ہے اس کی مراد ایمان کے علاوہ دیگر اعمال ہیں، اس لئے کہ جتنے مظالم ہیں وہ سب عملی گناہ ہیں کفر نہیں ہیں، اور عملی گناہ کی سزا محدود ہوگی، بخلاف ایمان کے کہ وہ غیر محدود عمل ہے اس کی جزاء بھی غیر محدود یعنی ہمیشہ جنت میں رہنا ہے، اگر چہ وہ ابتداءً کچھ سزا بھگتنے کے بعد ہو۔

فَمَنْ ای لَا اَحَدَ **اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ** بِنِسْبَةِ الشَّرِيْكِ والوَلَدِ اليه **وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ** بِالقُرْاٰنِ **اِذْ جَآءَهٗ ۚ اَلَيْسَ فِىْ جَهَنَّمَ مَثْوًى** مَاوًى **لِّلْكٰفِرِيْنَ** ﴿۳۲﴾ بَلٰى **وَالَّذِىْ جَآءَ بِالصِّدْقِ** هُوَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم **وَصَدَّقَ بِهٖٓ** هُمُ المُؤْمِنُونَ فالذى بمعنى الَّذِيْنَ **اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ** ﴿۳۳﴾ الشِرْكَ **لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ** ﴿۳۴﴾ لِاَنْفُسِهِمْ بِاِيْمَانِهِمْ **لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِىْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِىْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ** ﴿۳۵﴾ اَسْوَأ واَحْسَن بمعنَى السَّيِّئِ والحَسَنِ **اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ۭ** اى النَّبِىَّ صلى الله عليه وسلم بَلٰى **وَيُخَوِّفُوْنَكَ** الخِطَابُ له **بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ** اى الاَصْنَامِ اَنْ تَقْتُلَهُ او تَخْبُلَهُ **وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ** ﴿۳۶﴾ **وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ۭ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ** غَالِبٍ على اَمْرِهٖ **ذِى انْتِقَامٍ** ﴿۳۷﴾ مِنْ اَعْدَائِهٖ بَلٰى **وَلَئِنْ** لامُ قسمٍ **سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ** تَعْبُدُوْنَ **مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اى الاَصْنَامِ **اِنْ اَرَادَنِىَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ** لا **اَوْ اَرَادَنِىْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ۭ** لا وفى قِراءَةٍ بالاِضَافَةِ فيهما **قُلْ حَسْبِىَ اللّٰهُ ۭ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ** ﴿۳۸﴾ يَثِقُ الوَاثِقُونَ **قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ** حَالَتِكم **اِنِّىْ عَامِلٌ** على حَالَتِى **فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ** ﴿۳۹﴾ **مَنْ** مَوْصُولَةٌ مفعُولُ العلم **يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ** يَنزِلُ **عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ** ﴿۴۰﴾ دائمٌ هو عَذَابُ النَّارِ وقد اَخزاهُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ **اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ** مُتَعَلِّقٌ بِاَنْزَلَ **فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ** اِهْتِدَاؤُهٗ **وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ** ﴿۴۱﴾ فتَجبُرهم على الهُدى.

ترجمہ: اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے؟ یعنی کوئی نہیں جو اللہ پر (یعنی) اس کی طرف شرک اور ولد کی نسبت کرے

جھوٹ باندھے اور سچ یعنی قرآن جب اس کے پاس آئے تو اس کو جھٹلائے کیا ایسے کافروں کا جہنم ٹھکانہ نہیں ہے ہاں کیوں نہیں؟ اور جو شخص سچی بات لایا اور وہ نبی ﷺ ہیں اور جنہوں نے اس کی تصدیق کی وہ مومن ہیں الذی، اَلَّذِیْنَ کے معنی میں ہے یہی ہیں شرک سے بچنے والے لوگ ان کے لئے ان کے رب کے پاس (ہر) وہ چیز ہے جو وہ چاہیں گے یہ صلہ ہے ایمان کے ذریعہ اپنے اوپر احسان کرنے والوں کا تاکہ اللہ تعالیٰ ان سے ان کے برے عملوں کو دور کردے اور انہوں نے جو نیک اعمال کئے ہیں ان کا اچھا صلہ دے اَسْوَأَ اَلسَّیِّئُ اور اَحْسَنُ اَلْحَسَنُ کے معنی میں ہیں (یعنی دونوں اسم تفضیل صفت کے معنی میں ہیں) کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے یعنی محمد ﷺ کے لئے کافی نہیں ہے؟ ہاں ضرور کافی ہے اور لوگ آپ کو غیر اللہ یعنی بتوں سے ڈرا رہے ہیں، اس میں آپ ﷺ کو خطاب ہے، یہ کہ وہ بت آپ کو ہلاک کردیں گے یا پاگل بنادیں گے اور اللہ جس کو گمراہ کردے اس کی کوئی رہنمائی کرنے والا نہیں اور جسے وہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں، کیا اللہ تعالیٰ اپنے امر پر غالب اپنے دشمنوں سے انتقام لینے والا نہیں؟ ہاں کیوں نہیں؟ اور قسم ہے اگر آپ ان سے معلوم کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ لَئن میں لام قسم کا ہے تو وہ یقیناً یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے (پیدا کئے ہیں) آپ ان سے کہئے اچھا یہ تو بتاؤ کہ جن کی تم اللہ کے سوا بندگی کرتے ہو یعنی بتوں کی اگر اللہ تعالیٰ مجھے نقصان پہنچانا چاہے تو کیا اس کے نقصان کو ہٹا سکتے ہیں؟ نہیں یا اللہ تعالیٰ مجھ پر مہربانی کا ارادہ کرے تو کیا یہ اس مہربانی کو روک سکتے ہیں؟ اور ایک قراءت میں دونوں میں اضافت کے ساتھ ہے (یعنی کاشفات اور ممسکات) میں آپ کہہ دیں کہ اللہ میرے لئے کافی ہے توکل کرنے والے اسی پر توکل کرتے ہیں (یعنی) بھروسہ کرنے والے اسی پر بھروسہ کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے، اے میری قوم تم اپنی جگہ یعنی اپنے طریقہ پر عمل کئے جاؤ میں بھی اپنے طریقہ پر عمل کر رہا ہوں، سو عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ کس پر رسوا کن عذاب آنے والا ہے مَنْ موصولہ تعلمون کا مفعول ہے اور کس پر دائمی عذاب نازل ہوگا؟ (اور) وہ دوزخ کا عذاب ہے، اور بلاشبہ اللہ نے ان کو بدر میں ذلیل کردیا، آپ پر ہم نے حق کے ساتھ لوگوں کے لئے یہ کتاب نازل فرمائی ہے بالحق، اَنْزَلَ کے متعلق ہے، پس جو شخص راہِ راست پر آجائے تو اس کے ہدایت پر آنے کا فائدہ اسی کے لئے ہے اور جو شخص گمراہ ہو جائے تو اس کی گمراہی کا (وبال) اسی پر ہے، آپ ان کے ذمہ دار نہیں کہ ان کو زبردستی ہدایت پر لے آئیں۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: فَمَنْ اَظْلَمُ؟ ای لا اَحَدَ اس تفسیر کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ فَمَنْ اَظْلَمُ میں استفہام انکاری بمعنی نفی ہے۔

قولہ: کَذَّبَ بالصدقِ مفسر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے صدق سے قرآن مراد لیا ہے اور قرآن کو جو کہ صادق ہے، مبالغۃً صدق کہا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: بلٰی مفسر علام نے بلٰی کا اضافہ، سنت کی اتباع میں کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا مَنْ قرأَ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَحْکَمِ الْحَاکِمِیْنَ، فلیقل بلٰی لہٰذا اَلَیْسَ کذا؟ (مثلاً) کی تلاوت کے وقت بلٰی کہنا مسنون ہے۔ (حاشیہ جلالین)

قَوْلُہٗ: الذی جاءَ بالصِّدقِ، الَّذِی موصول کے دو صلے ہیں ایک واحد ہے اور وہ جاء بالصدق محمد ﷺ ہیں اور دوسرا صدَّقَ بہٖ المؤمنون ہے جو کہ جمع ہے اول صلہ کی رعایت سے الَّذِیْ کو مفرد لایا گیا اور دوسرے صلہ کی رعایت سے الَّذی کو الَّذِیْنَ کے معنی میں لیا گیا، دوسرے صلہ ہی کی رعایت سے اُولٰٓئِکَ ھُمُ المتقونَ میں جمع کے صیغے لائے گئے ہیں، الَّذِیْ چونکہ اسم جنس ہے، لہٰذا اس میں واحد و جمع دونوں کی گنجائش ہے۔

قَوْلُہٗ: اَسْوَأ وَاَحْسَنَ السَّیِّئ، وَالْحَسَنَ کے معنی میں ہیں، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ مذکورہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تصدیق کرنے والے مومنوں کے نیک تر اعمال کا صلہ عطا فرمائیں گے اور بدتر اعمال کو معاف فرمائیں گے، اس میں نیک اعمال اور بداعمال کا ذکر نہیں ہے، مفسر علام نے مذکورہ عبارت کا اضافہ کر کے جواب دیدیا کہ اسم تفضیل اپنے معنی میں نہیں ہے بلکہ اسم فاعل کے معنی میں ہے لہٰذا اب نیک اور نیک تر اسی طرح بد اور بدتر دونوں قسم کے اعمال اس میں داخل ہو گئے۔

قَوْلُہٗ: تَخْبُلُہٗ (ن) خَبْلًا عقل کو فاسد کرنا، پاگل بنانا، تَخْبِیْل کے بھی یہی معنی ہیں۔

قَوْلُہٗ: وفی قراءۃٍ بالاضافۃِ یہ دونوں قراءتیں سبعیہ ہیں، اگر اضافت کے ساتھ پڑھیں گے تو کاشِفاتُ ضُرِّہٖ اور مُمْسِکَاتُ رَحْمتِہٖ پڑھا جائے گا۔

تفسیر و تشریح

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ کَذَبَ عَلَی اللّٰہِ (الآیۃ) اللہ پر بہتان لگانے کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے لئے اولاد ہونے کا دعویٰ کرے یا اس کا شریک ثابت کرے یا اس کی بیوی ہونے کا عقیدہ رکھے، حالانکہ وہ ان تمام نقائص سے پاک اور بری ہے، کَذَّبَ بالصِّدق اور جاءَ بالصدقِ میں صدق سے مراد وہ تعلیمات ہیں جن کو نبی کریم ﷺ لے کر آئے خواہ قرآن ہو یا عقائد و احکام، جس میں عقیدۂ توحید بھی شامل ہے، اور عقیدۂ بعث و نشر بھی، اور صَدَّقَ بہٖ میں سب مومنین داخل ہیں جو اس کی تصدیق کرنے والے ہیں نیز جاء بالصدق میں کافروں کے لئے وعیدیں اور مومنین کے لئے خوشخبری بھی داخل ہیں۔

اذ جاءَہٗ سے آنحضرت ﷺ مراد ہیں جو سچا دین لیکر آئے، اور بعض کے نزدیک یہ عام ہے اور اس سے ہر وہ شخص مراد ہے جو توحید کی دعوت دیتا ہو اور لوگوں کی شریعت کی جانب رہنمائی کرتا ہو، اور وصَدَّقَ بہٖ سے بعض حضرات نے حضرت ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ مراد لئے ہیں جنہوں نے سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کی۔ (فتح القدیر)

مجاہد نے کہا ہے الذی جاءَ بالصدق سے مراد نبی ﷺ ہیں اور وصدّق بہٖ سے حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ بن ابی طالب مراد ہیں، اور سدّی نے کہا: الذی جاء بالصدق سے مراد جبرائیل عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ ہیں اور وصدق بہٖ سے

آپ ﷺ مراد ہیں، اور قتادہ ومقاتل وابن زید نے کہا ہے کہ الذی جاء بالصدق سے نبی ﷺ مراد ہیں اور وصدق به سے مومنین مراد ہیں۔

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ جمہور نے عبدہ کو مفرد پڑھا ہے اور حمزہ وکسائی نے جمع کے صیغہ کے ساتھ عِبَادَہٗ پڑھا ہے، پہلی صورت میں عبدہ سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں اور اگر عبد سے جنس عبد مراد لی جائے تو آنحضرت ﷺ تو دخول اولی کے طور پر داخل ہوں مگر دیگر حضرات انبیاء وصلحاء وعلماء بھی مراد ہو سکتے ہیں، دوسری قراءت کی صورت میں جمیع انبیاء یا جمیع مومنین یا دونوں فریق مراد ہوں گے، ابو عبید نے جمہور کی قراءت کو اختیار کیا ہے۔ (فتح القدیر شوکانی)

شانِ نزول:

اس آیت کے شان نزول کے سلسلہ میں ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ کفار نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کو ڈرایا تھا کہ اگر آپ نے ہمارے بتوں کی بے ادبی کی تو ان بتوں کا اثر بڑا سخت ہے، اس سے آپ بچ نہ سکیں گے، اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے؟

اِنَّا اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتَابَ لِلنَّاسِ (الآیة) نبی کریم ﷺ کو اہل مکہ کا کفر پر اصرار بہت زیادہ گراں گذرتا تھا، اس آیت میں آپ ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ کا کام صرف اس کتاب کو بیان کر دینا ہے جو ہم نے آپ پر نازل کی ہے، ان کی ہدایت کے آپ مکلف نہیں ہیں، اگر یہ لوگ ہدایت کا راستہ اپنالیں گے تو اس میں ان ہی کا فائدہ ہے اور اگر ایسا نہیں کریں گے تو خود ہی نقصان اٹھائیں گے۔

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا وَ یَتَوَفّٰی **الَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِہَا** ای یتوفّاہا وقتَ النَّومِ **فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْہَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰٓی اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی** ای وقتِ مَوْتِہا والمُرْسَلَةُ نفسُ التَّمییزِ تَبْقٰی بِدُوْنِہا نفسُ الحَیٰوةِ بِخِلافِ العَکْسِ **اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ** المَذْکُورِ **لَاٰیٰتٍ** دَلالاتٍ **لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ** ﴿۴۲﴾ فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّ القادِرَ علی ذٰلک قادِرٌ علَی البَعْثِ وقُرَیْشٌ لَم یَتَفَکَّرُوا فی ذٰلک **اَمِ** بل **اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ** ای الاصنامَ اٰلِہَةً **شُفَعَآءَ** عِنْدَ اللّٰہِ بزَعْمِہم **قُلْ** لہم **اَ** یَشْفَعُوْنَ **وَلَوْ کَانُوْا لَا یَمْلِکُوْنَ شَیْئًا** مِنَ الشَّفاعَةِ وغیرِہا **وَّلَا یَعْقِلُوْنَ** ﴿۴۳﴾ اَنَّکم تَعْبُدونَہُم ولا غیرَ ذٰلک لا **قُلْ لِّلّٰہِ الشَّفَاعَةُ جَمِیْعًا** ای ہُوَ مُخْتَصٌّ بہا فَلا یَشْفَعُ اَحَدٌ اِلَّا بِاِذْنِہٖ **لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ثُمَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ** ﴿۴۴﴾ **وَاِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَحْدَہُ** ای دُوْنَ اٰلِہَتِہم **اشْمَاَزَّتْ** نَفَرَتْ وانْقَبَضَتْ **قُلُوْبُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَاِذَا ذُکِرَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِہٖٓ** ای الاصنامُ **اِذَا ہُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ** ﴿۴۵﴾ **قُلِ اللّٰہُمَّ** بمعنی یا اللّٰہُ **فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** مُبْدِعَہُما **عٰلِمَ الْغَیْبِ وَالشَّہَادَةِ** ما غابَ وما شُوْہِدَ **اَنْتَ تَحْکُمُ بَیْنَ عِبَادِکَ فِیْ**

مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿٤٦﴾ مِن اَمرِ الدِّينِ اِهدِنِي لِمَا اختلفوا فيه مِنَ الحقِّ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ وَبَدَا ظَهَرَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴿٤٧﴾ يَظُنُّونَ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ نزل بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٤٨﴾ اى العذابُ فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الجنسَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ اَعطَيناهُ نِعْمَةً اِنعامًا مِّنَّا قَالَ اِنَّمَا اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ مِنَ اللّٰهِ بِاَنِّي له اَہلٌ بَلْ هِىَ اى القَولةُ فِتْنَةٌ بَلِيَّةٌ يُبتَلي بها العَبدُ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٩﴾ اَنَّ التَخوِيلَ اِستِدراجٌ واِمتِحانٌ قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الأُمَمِ كقَارُونَ وقَومِه الرّاضِينَ بها فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٥٠﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا اى جَزاؤُہا وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَآءِ اى قُريشٍ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿٥١﴾ بفائِتِينَ عَذابَنا فقُحِطُوا سبعَ سِنِينَ ثم وُسِّعَ عليهم اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ يُوَسِّعُهٗ لِمَنْ يَّشَآءُ اِمتِحانًا وَيَقْدِرُ يُضَيِّقُهٗ لمن يَّشاءُ اِبتلاءً اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٥٢﴾ ع

ترجمہ: اللہ ہی قبض کرتا ہے روحوں کو ان کی موت کے وقت اور جن کی موت نہیں آئی ہے انہیں ان کی نیند میں قبض کر لیتا ہے، یعنی ان کو نیند میں قبض کر لیتا ہے، پھر جن پر موت کا حکم لگ چکا ہے انہیں تو روک لیتا ہے اور دوسری (روحوں) کو ایک مقرر وقت تک کے لئے چھوڑ دیتا ہے یعنی ان کی موت کے وقت تک، اور چھوڑی ہوئی روحِ تمیز ہے جس کے بغیر روح حیات باقی رہ سکتی ہے، اس کا عکس ممکن نہیں یقیناً ان مذکورہ باتوں میں غور وفکر کرنے والے لوگوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں لہٰذا اس بات کو سمجھ لیں گے کہ جو ذات اس پر قادر ہے وہ بعث (بعد الموت) پر بھی قادر ہے، اور قریش نے اس معاملہ میں غور وفکر نہیں کیا، بلکہ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے معبودوں یعنی بتوں کو اپنے خیال میں اللہ کے حضور سفارشی بنا رکھا ہے، آپ ان سے دریافت کیجئے کہ کیا وہ سفارش کریں گے؟ گو وہ سفارش وغیرہ کا کچھ بھی اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ وہ یہ سمجھتے ہوں کہ تم ان کی بندگی کرتے ہو اور نہ اس کے علاوہ کوئی بات سمجھتے ہوں، نہیں، آپ کہہ دیجئے کہ تمام سفارشوں کا مختار اللہ ہی ہے سفارش اسی کے ساتھ خاص ہے، لہٰذا اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش نہیں کر سکتا زمین وآسمانوں میں اسی کی حکومت ہے پھر تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے جب ان کے معبودوں کو چھوڑ کر اللہ وحدہٗ لاشریک لہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے دل نفرت کرنے لگتے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے یعنی ان کو انقباض ہونے لگتا ہے اور جب اس کو چھوڑ کر ان کے معبودوں یعنی بتوں کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ فوراً ہی خوش ہو جاتے ہیں آپ (اس طرح) دعا کیجئے کہ اے اللہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے اَللّٰهُمَّ یا اللہ کے معنی میں ہے تو ہی اپنے بندوں کے درمیان اس دینی معاملہ میں فیصلہ کر سکتا ہے جس میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں (یعنی) جس بارے میں یہ اختلاف کر رہے ہیں آپ میری اس میں حق کی طرف رہنمائی فرمائیں اگر ظلم کرنے والوں کے پاس وہ سب کچھ ہو جو روئے زمین پر ہے، اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور ہو، تو بھی

بدترین سزا کے عوض قیامت کے دن یہ سب کچھ دیدیں اور ان کے سامنے اللہ کی طرف سے وہ ظاہر ہوگا جس کا انہیں گمان بھی نہیں تھا اور ان پر ان کے تمام برے اعمال ظاہر ہوجائیں گے اور جس عذاب کا وہ استہزاء کیا کرتے تھے وہ ان کو آگھیرے گا انسان کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارنے لگتا ہے پھر جب ہم اس کو اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا کردیتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ انعام تو مجھے اس لئے دیا گیا ہے کہ اللہ کو معلوم ہے کہ میں اس کا مستحق ہوں بلکہ یہ یعنی اس کا مقولہ فتنہ ہے، جس کے ذریعہ بندے کو آزمائش میں ڈالا گیا ہے، لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے کہ یہ عطا، ڈھیل ہے اور آزمائش ہے ان سے پہلے لوگ بھی یہی بات کہہ چکے ہیں جیسا کہ قارون اور اس کی قوم جو کہ اس بات سے راضی تھی سوان کی کاروائی ان کے کچھ کام نہ آئی سوان کی بداعمالیاں یعنی ان کی سزا ان پر آپڑی اور ان پر بھی جو ان میں سے یعنی قریش میں سے ظالم ہیں ان کی بداعمالیوں کی سزا پڑنے والی ہے اور وہ ہم کو عاجز کردینے والے نہیں ہیں یعنی ہمارے عذاب سے بچ نکلنے والے نہیں ہیں چنانچہ سات سال تک قحط میں مبتلا کئے گئے، پھر ان کو فراخی عطا کی گئی، کیا انہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کی چاہتے ہیں بطور امتحان روزی کشادہ کردیتے ہیں؟ اور جس کی چاہتے ہیں ابتلاءً روزی تنگ کردیتے ہیں ایمان لانے والوں کے لئے اس میں بڑی نشانیاں ہیں۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلَهُ: یَتَوَفّٰی واحد مذکر غائب مضارع معروف (تَفَعُّل) وہ روح قبض کرتا ہے۔

قِوْلَهُ: اَنْفُسَ، جمعُ نَفْسٍ روحیں، جانیں، یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ ای یَقْبِضُ الْاَرْوَاحَ عِنْدَ حضورِ آجالِهَا، اللّٰه مبتداء یَتَوَفّی الْأنفس جملہ ہوکر خبر حِیْنَ موتِها یَتَوَفّٰی سے متعلق ہے، واؤ حرف عطف، الَّتِی لَمْ تَمُتْ معطوف انفس پر فی مَنَامِهَا یَتَوَفّٰی کا ظرف ہے، مطلب یہ ہے کہ جن نفوس کی موت کا وقت نہیں آیا ہے ان کو سونے کے وقت قبض کرلیتا ہے، اور اسی معنی میں ہے اللہ تعالیٰ کا قول وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِاللَّیْلِ.

موت اور نیند میں قبض روح اور دونوں میں فرق:

اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ، تَوَفِّی کے لفظی معنی لینے اور قبض کرنے کے ہیں، اس آیت کا مقصد یہ بتلانا ہے کہ جانداروں کی روحیں ہر حال اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کے زیر تصرف اور زیر حکم ہیں، وہ جب چاہے قبض کرسکتا ہے، اس تصرف خداوندی کا ایک مظاہرہ تو ہر جاندار روزانہ دیکھتا ہے کہ نیند کے وقت اس کی روح ایک حیثیت سے قبض ہوجاتی ہے، پھر بیداری کے وقت واپس کردی جاتی ہے، اور آخر کار ایک وقت ایسا آئے گا کہ بالکل قبض ہوجائے گی، قیامت سے پہلے واپس نہ ملے گی۔

صاحب مظہری کی تحقیق:

فرماتے ہیں قبض روح کا مطلب ہے، روح کا بدن سے ربط وتعلق ختم کردینا، کبھی یہ تعلق ظاہراً وباطناً دونوں طریقہ پر ختم کردیا جاتا ہے، اس کا نام موت ہے، اور کبھی صرف ظاہراً منقطع کیا جاتا ہے باطناً باقی رہتا ہے، اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ صرف حس اور حرکتِ ارادیہ جو زندگی کی ظاہری علامت ہیں وہ منقطع کردی جاتی ہے اور باطنی ربط باقی رہتا ہے، جس سے وہ سانس لیتا ہے اور زندہ رہتا ہے۔

آیت میں لفظ تَوَفّی بمعنی قبض بطور عموم مجاز کے دونوں معنی کو شامل ہے، موت اور نیند دونوں میں قبض روح کا یہ فرق جو اوپر بیان کیا گیا ہے، حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے ایک قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، آپ نے فرمایا: سونے کے وقت روح بدن سے نکل جاتی ہے مگر ایک شعاع کے ذریعہ روح کا ربط وتعلق بدن کے ساتھ باقی رہتا ہے، جس سے وہ زندہ رہتا ہے، اور اسی رابطۂ شعاعی سے وہ خواب دیکھتا ہے، پھر یہ خواب اگر روح کے عالم مثال کی طرف توجہ کے وقت دیکھتا ہے تو وہ سچا خواب ہوتا ہے، اور اگر بدن کی طرف واپسی کے وقت دیکھتا ہے تو اس میں شیطانی تصرفات شامل ہوجاتے ہیں ایسے خواب رؤیائے صادقہ نہیں ہوتے۔ (معارف)

مسند ہند شاہ ولی اللہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی تحقیق:

شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں، نیند میں ہر روز جان کھینچتا ہے، اور پھر (واپس) بھیجتا ہے یہ ہی نشان ہے آخرت کا، معلوم ہوا نیند میں بھی جان کھنچتی ہے، جیسے موت میں، اگر نیند میں کھنچ کر رہ گئی وہی موت ہے مگر یہ جان وہ ہے جس کو ہوش کہتے ہیں اور ایک جان وہ ہے جس سے سانس چلتی ہے اور نبض حرکت کرتی ہے، اور کھانا ہضم ہوتا ہے، یہ دوسری جان موت سے پہلے نہیں کھنچتی۔ (موضح القرآن ملخصًا، ترجمہ شیخ الہند رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی)

حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے بغوی نے نقل کیا ہے کہ نیند میں روح نکل جاتی ہے، مگر اس کا مخصوص تعلق بدن سے بذریعہ شعاع باقی رہتا ہے، جس سے حیات باطل نہیں ہوتی (جیسے آفتاب لاکھوں میلوں سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نیند میں بھی وہی چیز نکلتی ہے جو موت کے وقت نکلتی ہے، لیکن تعلق کا انقطاع ویسا نہیں ہوتا جیسا موت میں ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ (ترجمہ شیخ الہند رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی)

زجاج نے کہا ہے کہ ہر انسان کے دو نفس ہوتے ہیں ایک نفس تمیز یہ وہ ہے کہ جو نیند کے وقت بدن سے جدا ہوجاتا ہے، جس کی وجہ سے فہم وادراک معطل ہوجاتے ہیں، اور دوسرا نفس حیات ہے جب یہ نفس زائل ہوجاتا ہے تو حیات زائل ہوجاتی ہے اور نفس (سانس) منقطع ہوجاتا ہے، بخلاف نائم کے کہ اس کا سانس جاری رہتا ہے، قشیری نے کہا ہے کہ اس میں بعد ہے، اس لئے کہ آیت سے جو مفہوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں نفس مقبوض شی واحد ہے، اسی وجہ سے فرمایا **فیمسك التی**

قضٰی علیھا الموت ویرسل الاخرٰی یعنی جس کی موت کا وقت آجاتا ہے اس کو روک لیتا ہے ورنہ چھوڑ دیتا ہے، پہلی صورت کا نام موت ہے اور دوسری صورت کا نام نیند ہے۔ (فتح القدیر شوکانی ملخصًا)

عقلاء کا اس میں اختلاف ہے کہ نفس اور روح دونوں ایک ہی شئ ہیں یا الگ الگ ہیں، اس مسئلہ میں بحث طویل ہے جس کے لئے کتب طب کی طرف رجوع کرنا چاہئے اس لئے کہ یہ موضوع فن طب ہی کا ہے، روح کے سلسلہ میں جتنے بھی نظریات قائم ہوئے ہیں وہ سب ظن وتخمین پر مبنی ہیں، حقیقت حال اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں سب سے زیادہ صحیح بات وہی ہے جو قرآن کریم نے قل الروح من امر ربی کہہ کر واضح کر دی ہے۔

قِوْلَہٗ: وَالمرسَلَة نفس التمییز الخ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نفس دو قسم کا ہے نفس تمییز اور نفس حیات، نفس تمییز کے بغیر نفس حیات باقی رہ سکتا ہے مگر نفس تمییز نفس حیات کے بغیر نہیں رہ سکتا، حضرت ابن عباس رَضِیَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے مروی ہے کہ ابن آدم میں ایک نفس ہے اور ایک روح ہے، عقل وتمیز کا تعلق نفس کے ساتھ ہے اور حرکت اور سانس کا تعلق روح کے ساتھ ہے، جب بندہ سوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے نفس کو قبض فرما لیتے ہیں، روح کو قبض نہیں فرماتے، اسی قسم کا قول حضرت علی رَضِیَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے بھی منقول ہے جیسا کہ سابق میں گذر چکا ہے۔

تحقیقی بات:

صحیح بات یہ ہے کہ انسان میں روح حقیقت میں واحد ہے، مگر اپنے اوصاف کے اعتبار سے متعدد ہے۔ (حاشیہ جلالین)

قِوْلَہٗ: اَوَلَوْ کَانُوْا اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہمزہ استفہام انکاری ہے اور محذوف پر داخل ہے تقدیر یہ ہے أیَشْفعُونَ جیسا کہ مفسر نے ظاہر کر دیا ہے واؤ حالیہ ہے، اور لَوْ شرطیہ ہے جملہ حال ہونے کی وجہ سے موضع نصب میں ہے، لَوْ کا جواب محذوف ہے تقدیر یہ ہے ای وَاِن کانوا بھٰذہ الصفة تتخذونھُمْ من دون اللہِ شفعاء.

قِوْلَہٗ: قل للّٰہ الشفاعة جمیعًا مفسر علام نے اَیْ ھُوَ مختص بِھَا فَلَا یَشْفَعُ اَحَدٌ اِلَّا باذْنِہٖ کا اضافہ کر کے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے۔

سَوَال: للّٰہ الشفاعةُ جمیعًا سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی کو سفارش کا نہ حق ہوگا اور نہ کوئی کسی کی سفارش کرے گا، حالانکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء، علماء، شہداء وغیرہ سفارش کریں گے۔

جَوَاب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ جتنی بھی اقسام کی سفارشیں ہوں گی وہ اللہ ہی کی اجازت سے ہوں گی لہٰذا یہ سفارشیں بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہوں گی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتضٰی دوسری جگہ فرمایا مَن ذَا الَّذِیْ یشفعُ عندہٗ اِلَّا باذنِہٖ.

قِوْلَہٗ: نعمة، انعامًا نعمة کی تفسیر انعامًا سے کرنے کا مقصد اِنما اُوتیتُہٗ کے مرجع کو درست کرنا ہے تاکہ ضمیر اور مرجع میں مطابقت ہو جائے، یہ اس صورت میں ہوگا کہ ما کو کافہ مانا جائے، اور ما کو موصولہ مانا جائے تو اس تاویل کی

ضرورت نہ ہوگی۔

قِوْلَہُ: ای القولة اس کے اضافہ کا مقصد ھِیَ ضمیر اور اس کے مرجع قول کے درمیان مطابقت قائم کرنا ہے اسی وجہ سے قول سے مراد مقولہ لیا ہے، اور مقولہ سے مراد اس کا یہ مقولہ ہے اِنّما اوتیتُهٗ علی علم اور بعض حضرات نے ھِیَ کا مرجع نعمة کو قرار دیا ہے ای بل النعمة فتنة اس صورت میں تاویل کی ضرورت نہ ہوگی۔

قِوْلَہُ: وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ ما كسَبُوا ای جزاؤھا اس عبارت کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ سیئات کا مضاف محذوف ہے۔

تفسیر و تشریح

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ (الآیة) اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی ایک قدرت بالغہ اور صنعت عجیبہ کا تذکرہ فرمایا ہے، جس کا مشاہدہ انسان روزانہ کرتا ہے، اور وہ یہ کہ جب وہ سو جاتا ہے تو اس کی روح، اللہ کے حکم سے گویا نکل جاتی ہے اس لئے کہ اس کے احساس وادراک کی قوت ختم ہو جاتی ہے اور جب وہ بیدار ہوتا ہے تو وہ روح اس میں دوبارہ لوٹا دی جاتی ہے، جس سے اس کے حواس بحال ہو جاتے ہیں، البتہ جس کی زندگی کے دن پورے ہو چکے ہوتے ہیں ان کی روح واپس نہیں آتی اور وہ موت سے ہمکنار ہو جاتا ہے، اس کو بعض مفسرین نے وفات کبریٰ اور وفات صغریٰ سے بھی تعبیر کیا ہے۔

اس آیت میں بعث بعد الموت کے امکانی وقوع کی طرف اشارہ ہے یعنی روح کا قبض وارسال، وفات واحیا، اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور قیامت کے دن وہ مردوں کو بھی یقیناً زندہ کرے گا، اگلی آیت میں کفار کے اس عقیدہ کا رد ہے کہ یہ ہمارے دیوی دیوتا جن کی ہم پوجا پاٹ کرتے ہیں یہ اللہ کے حضور ہماری سفارش کریں گے، اور ہمیں جنت میں اعلیٰ درجوں پر فائز کرائیں گے، رد کا خلاصہ یہ ہے کہ سفارش کا اختیار تو کجا انہیں تو سفارش کے معنی ومفہوم کا بھی پتہ نہیں کیونکہ وہ تو اینٹ پتھر ہیں یا بے خبر محض ہیں۔

وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ (الآیة) مطلب یہ ہے کہ جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ خدا ایک ہے اس کا کوئی شریک نہ سہیم تو ان کو یہ بات ناگوار معلوم ہوتی ہے جس کی وجہ سے ان کے قلوب منقبض ہو جاتے ہیں البتہ اگر یہ کہا جائے کہ فلاں فلاں بھی معبود ہیں یا یہ کہ آخر وہ بھی اللہ کے نیک بندے اور اس کے ولی ہیں وہ بھی کچھ اختیار رکھتے ہیں، وہ بھی مشکل کشائی حاجت روائی کر سکتے ہیں تو پھر یہ مشرکین اس بات سے بڑے خوش ہو جاتے ہیں، اہل بدعت وخرافات کا بھی آج یہی حال ہے، جب ان سے کہا جاتا ہے یا اللّٰہ المدد کہو، کیونکہ اس کے سوا کوئی مدد کرنے پر قادر نہیں تو چنگاری زیر پا ہو جاتے ہیں، یہ جملہ ان کے لئے سخت ناگوار معلوم ہوتا ہے، لیکن جب یا علی المدد، یا یارسول المدد یا یا الغوث المدد کہا جائے تو پھر ان کے دل کی کلیاں کھل جاتی ہیں، باقی آیات کی تفسیر تحقیق وترکیب کے زیر عنوان تحریر کر دی گئی ہے دیکھ لیا جائے۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا بِكَسرِ النُّونِ وفَتحِها وقُرِئَ بضَمِّها تيأسُوا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ لِمَنْ تَابَ مِنَ الشِّرْكِ اى اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۳﴾ وَاَنِيْبُوْا ارجِعُوا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا اَخلِصُوا العَمَلَ لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾ بِمَنْعِه ان لم تتوبُوا وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ هو القرانُ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ قبلَ اِتيانِهِ بوَقتِهِ فبادِرُوا اليه قبلَ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى اَصلُه يا حَسرَتِى اى نَدامَتِى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ اى طَاعَتِهِ وَاِنْ مُخَفَّفَةٌ مِن الثَّقِيلَةِ اى كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ بدِينِه وكِتابِه اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ بالطَّاعَةِ اى فَاهتَدَيتُ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۵۷﴾ عذابَهُ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً رَجعَةً الى الدُّنيا فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ المُؤمِنِينَ فيُقالُ له مِنْ قِبَلِ اللّٰهِ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ القرانُ وهو سَبَبُ الهِدَايَةِ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ تَكَبَّرتَ عَنِ الإيمانِ بها وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۹﴾ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ بِنِسبَةِ الشَّرِيكِ وَالوَلدِ اليه وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى مَاوى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۶۰﴾ عنِ الايمانِ بَلى وَيُنَجِّي اللّٰهُ مِن جَهَنَّمَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا الشِّركَ بِمَفَازَتِهِمْ ۫ اى بِمَكانِ فوزِهم مِنَ الجَنَّةِ بان يُجعَلُوا فِيه لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۫ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۶۲﴾ مُتَصرِّفٌ فيه كَيفَ يَشاءُ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اى مَفاتِيحُ خزائنِهما مِنَ المَطرِ والنَباتِ وغيرِهما وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ القرانِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۳﴾ مُتَّصِلٌ بقولِه ويُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِينَ اتَّقَوا الخ ومَا بينَهما اِعتِراضٌ.

ترجمہ: (میری جانب سے) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتیاں کی ہیں تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ، تقنطوا نون کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ اور ضمہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یقیناً اللہ تعالیٰ اس شخص کے تمام گناہوں کو معاف فرمادیں گے جس نے شرک سے توبہ کی ہوگی واقعی وہ بڑی بخشش بڑی رحمت والا ہے تم سب اپنے پروردگار کی طرف جھک جاؤ اور اس کی حکم برداری کئے جاؤ (یعنی) عمل کو اس کے لئے خالص کرو اس سے قبل کہ تم پر عذاب آجائے پھر تمہاری مدد نہ کی جائے اس عذاب کو ٹال کر، اگر تم توبہ نہ کرو اور پیروی کرو اس بہترین چیز کی جو تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کی گئی ہے وہ قرآن ہے اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آجائے اور تمہیں اطلاع بھی نہ ہو (یعنی) اس کی آمد سے پہلے تم کو اس کے آنے کے وقت کی خبر بھی نہ ہو، لہٰذا توبہ کی طرف سبقت کرو قبل اس کے کہ کبھی کوئی شخص کہے افسوس میری اس کوتاہی پر جو میں نے خدا کی جناب یعنی طاعت میں کی یاحسرتی بمعنی یاندامتی ہے میں تو اس کے دین اور اس کی کتاب کا مذاق اڑانے والوں ہی میں رہا اِنْ مخففہ عن الثقیلہ ہے یا کوئی یوں کہنے لگے کہ اگر اللہ تعالیٰ (دنیا میں) مجھ کو طاعت کی ہدایت دیتا

تو میں ہدایت پاتا تو میں بھی اس کے عذاب سے بچنے والوں میں سے ہوتا یا کوئی عذاب کو دیکھ کر یوں کہنے لگے کہ کاش میری (دنیا) میں واپسی ہوجاتی تو میں بھی نیک لوگوں یعنی مومنین میں سے ہوجاتا یعنی ایمان والوں میں سے ہوجاتا، تو اس کو اللہ کی جانب سے کہا جائے گا، ہاں (ہاں) بے شک تیرے پاس میری قرآنی آیتیں پہنچ چکی تھیں، اور وہ ہدایت کا ذریعہ ہیں جنہیں تونے جھٹلایا اور ان پر ایمان لانے سے تونے تکبر کیا، اور تو کافروں ہی میں سے رہا، اور جن لوگوں نے اللہ پر اس کی طرف شرک اور ولد کی نسبت کرکے جھوٹ باندھا ہے تو آپ دیکھیں گے کہ قیامت کے دن ان کے چہرے سیاہ ہوں گے، کیا ایمان سے تکبر کرنے والوں کا ٹھکانہ جہنم نہیں ہے؟ ہاں کیوں نہیں ضرور ہے، اور جن لوگوں نے شرک سے اجتناب کیا تو اللہ تعالیٰ ان کو مقام کامیابی میں (دخول) کے سبب جہنم سے بچالے گا، اور وہ (مقام) جنت ہے (اور اگر مفازۃ کو مصدر میمی اور ''ب'' کو سببیہ مانا جائے تو ترجمہ یہ ہوگا، اللہ تعالیٰ ان کو کامیاب ہونے کے سبب جہنم سے بچالے گا) بایں طور کہ ان کو جنت میں داخل کیا جائے گا، انہیں کوئی تکلیف چھو بھی نہ سکے گی، اور نہ وہ کسی طرح غمگین ہوں گے اللہ تعالیٰ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے (یعنی اس میں جس طرح چاہے تصرف کرنے والا ہے) آسمانوں اور زمین کی کنجیوں کا مالک ہے یعنی زمین وآسمانوں کے خزانوں کا مالک ہے وہ پانی اور نباتات وغیرہ ہیں جس نے بھی اللہ کی آیتوں قرآن کا انکار کیا وہی خسارہ میں ہے، اس جملہ (یعنی والذین کفروا الخ) کا تعلق (عطف) اللہ کے قول وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا الخ سے ہے اور ان دونوں کے درمیان (اللّٰہ خالق کل شئ الخ) جملہ معترضہ ہے (نوٹ) یہ جملہ اسمیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر ہے، جو کہ جائز ہے۔

(صاوی)

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلِہٗ: يَا عِبَادِيَ، بحذف الياء وثبوتها مفتوحةً، يَا عِبَادِيَ میں دوقراءتیں ہیں حذف الیاء اور کسرۂ دال کے ساتھ ای یَا عِبَادِ اور ثبوت یاء مع فتح الیاء ای یَا عِبَادِيَ.

قِوْلِہٗ: الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ، اَسْرَفُوْا، اِسْرَافٌ سے ماضی جمع مذکر غائب، انہوں نے زیادتی کی، حد سے تجاوز کیا، یعنی اپنے نفس پر معصیت وخیانت کرکے زیادتی کی، یہاں اسراف سے اسراف فی المعصیۃ مراد ہے، اسراف کے معنی مطلقاً زیادتی کرنے کے ہیں، اسراف مقید مثلاً اَسْرَفَ فی المالِ میں استعمال مجازاً ہوگا اور بعض حضرات نے اس کا عکس کہا ہے مگر اول راجح ہے۔ (روح المعانی)

سُوَال: اِسراف کا صلہ علیٰ مستعمل نہیں ہے۔

جَوَاب: اِسراف چونکہ جنایت کے معنی کو متضمن ہے، اس لئے اس کا صلہ علیٰ لانا درست ہے۔

قِوْلِہٗ: لَا تَقْنَطُوْا یہ زیادہ تر (س، ض، ن) سے آتا ہے (ک) سے شاذ ہے۔

قَوْلُہٗ: هُوَ القرآنُ یہ اَحْسَنَ کی تفسیر ہے، یعنی کتب سماویہ میں قرآن سب سے احسن ہے۔

قَوْلُہٗ: اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ اَنْ اور جو اس کے ماتحت ہے مفعول لاجلہٖ ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے، زمخشری نے اس کی تقدیر کراھة اَن تقولَ مانی ہے، اور ابوالبقاء نے اَنْذَرْنَاکُمْ مَخَافَةَ اَنْ تقولَ اور مفسر علام نے بادروا فعل مقدر کا معمول قرار دیا ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔

قَوْلُہٗ: بالطاعةِ ایک نسخہ میں بالْطَاعَةِ ہے۔

قَوْلُہٗ: بِنِسْبَةِ الشریكِ وَالْوَلَدِ اِلَیْهِ یہ عبارت اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہاں مطلقاً کذب مراد نہیں ہے بلکہ وہ کذب مراد ہے جس سے شرک لازم آتا ہو، اس لئے کہ آئندہ جو وعید بیان کی گئی ہے وہ مطلقاً کذب کی نہیں ہے بلکہ اس کذب کی ہے جس سے کفر لازم آتا ہو۔

قَوْلُہٗ: مَقَالِیْدُ مِقْلَاد یا مِقْلِیْد کی جمع ہے، بمعنی کنجی یہ ہر شئ میں شدت تصرف و تمکن سے کنایہ ہے۔

تفسیر و تشریح

شانِ نزول:

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ ابن جریر و ابن مردویہ نے ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت کیا ہے کہ مکہ میں کچھ ایسے لوگ تھے جنہوں نے قتل ناحق کئے اور بہت کئے، اور زنا کا ارتکاب کیا اور بہت کیا، ان لوگوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ جس دین کی دعوت دیتے ہیں وہ ہے تو بہت اچھا، لیکن فکر یہ ہے کہ جب ہم نے اتنے بڑے بڑے گناہ کر رکھے ہیں، اب اگر ہم مسلمان ہو بھی گئے تو کیا ہماری توبہ قبول ہو سکے گی، اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

(روح المعانی، معارف)

ابن جریر نے عطاء بن یسار سے روایت کیا کہ مذکورہ تینوں آیتیں مدینہ میں وحشی اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ (روح المعانی)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی وسعت مغفرت کا بیان ہے، اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونے کا مطلب ہے ایمان لانے سے پہلے انسان نے کتنے بھی گناہ کئے ہوں اس کو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ میں تو بہت گنہگار ہوں اللہ تعالیٰ مجھے کیونکر معاف کرے گا؟ بلکہ اگر سچے دل سے ایمان قبول کر لے اور سچی توبہ کر لے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہوں کو معاف فرما دیں گے، شانِ نزول کی روایت سے بھی اسی مفہوم کی تائید ہوتی ہے، کچھ کافر اور مشرک ایسے تھے کہ جنہوں نے کثرت سے قتل و زنا کا ارتکاب کیا تھا، یہ لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ کی دعوت تو بالکل صحیح ہے، لیکن ہم لوگ بہت زیادہ خطاکار ہیں، اگر ہم ایمان لے آئیں تو کیا ہمارے وہ سب گناہ معاف

ہو جائیں گے، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورۂ زمر، کما مر)

مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ کی رحمت و مغفرت کی امید پر بھروسہ کر کے خوب گناہ کئے جائیں، اس کے احکام و فرائض کی مطلق پرواہ نہ کی جائے، اور اس کے ضابطوں کو بے دردی سے پامال کیا جائے، اس طرح اس کے غضب و انتقام کو دعوت دے کر اس کی رحمت و مغفرت کی امید رکھنا نہایت غیر دانشمندی اور خام خیالی ہے، یہ تخم حنظل بو کر ثمرات وفوا کہہ کی امید رکھنے کے مترادف ہے، ایسے لوگوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ جہاں وہ غفور رحیم ہے، وہاں وہ نافرمانوں کے لئے **عزیز ذوانتقام** بھی ہے، چنانچہ قرآن کریم میں متعدد جگہ ان دونوں پہلوؤں کو ساتھ ساتھ بیان فرمایا ہے۔

وَاتَّبِعُوْا اَحْسَنَ مَا انزلَ (الآیۃ) **احسنَ ما انزل** سے مراد قرآن ہے اور پورا قرآن احسن ہے، اور قرآن کو **احسَنَ مَا اُنْزِلَ** اس لئے کہا گیا ہے، کہ جتنی کتابیں توریت، انجیل، زبور اللہ کی طرف سے نازل ہوئیں ان سب میں احسن و اکمل قرآن ہے۔ (قرطبی)

بَلٰی قَدْ جَاءَ تْكَ اٰيَاتِی فَكَذَّبْتَ بِهَا اس آیت میں کفار کی اس بات کا جواب ہے کہ اللہ اگر ہمیں ہدایت دیتا تو ہم بھی متقی ہوتے، اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اختیاری ہدایت کے جتنے طریقہ ہو سکتے تھے وہ سب مہیا فرما دیئے کتابیں بھیجیں، رسول بھیجے، ان کو معجزے عطا کئے، ان کا یہ کہنا غلط ہے کہ ہمیں ہدایت نہیں کی، ہاں ہدایت کے تمام تر اسباب مہیا کرنے کے بعد، نیکی اور اطاعت پر اللہ نے کسی کو مجبور نہیں کیا، بلکہ بندوں کو یہ اختیار دیدیا کہ وہ جس راستہ یعنی حق یا باطل کو اختیار کرنا چاہے کرے یہی بندے کا امتحان ہے۔

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، **مقالید مِقلاد** یا **مِقلید** کی جمع ہے، اس کے معنی کنجی، چابی کے ہیں، بعض حضرات نے کہا ہے یہ دراصل فارسی لفظ کلید کا معرب ہے، اس لئے کہ فارسی میں کنجی کو، کلید کہتے ہیں، کنجیوں کا کسی کے ہاتھ میں ہونا یہ اس کے مالک و متصرف ہونے کی علامت ہے، اور بعض روایات میں کلمہ سوم کو زمین و آسمانوں کی کنجی کہا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس کلمہ کو صبح و شام پڑھتا رہے گا، اللہ تعالیٰ اس کو زمین و آسمان کے خزانوں کی نعمتیں عطا فرمائیں گے۔

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّیْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿۶۴﴾ غیرَ منصوبٌ باَعْبُدُ المعمُولِ لِتَاْمُرُونی بتَقدیرِ اَنْ بِنُونٍ واحدةٍ وبنُونَینِ وَادغامٍ وفَكٍّ **وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَيْكَ وَاِلَی الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ** واللهِ **لَئِنْ اَشْرَكْتَ** یا محمَّدُ فَرضًا **لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ** ﴿۶۵﴾ **بَلِ اللّٰهَ** وَحدَهٗ **فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ** ﴿۶۶﴾ اِنْعامَهٗ علیكَ **وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ** ما عرفُوه حقَّ معرفتِه او ما عظَّمُوه حقَّ عظَمتِه حِینَ اَشرَكُوا به غیرَهٗ **وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا** حالٌ ای السبعُ **قَبْضَتُهٗ** ای مَقبُوضَةٌ لَهٗ فی مِلكِه وتصرُّفِه **يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ** مجمُوعاتٌ **بِيَمِيْنِهٖ** بقدرَتِه **سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا يُشْرِكُوْنَ** ﴿۶۷﴾ معَهٗ **وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ** النفخةُ الاُولٰی **فَصَعِقَ** مَاتَ **مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ** مِنَ الحُور والوِلدانِ وغیرِهما **ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰی فَاِذَا هُمْ** ای

جَمِيْعُ الخلائقِ الموتٰى **قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ** يَنْتَظِرُوْنَ مَا يُفْعَلُ بِهِمْ **وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ** اضاءَ تْ **بِنُوْرِ رَبِّهَا** حِيْنَ يَتَجَلّٰى لِفَصْلِ القَضَاءِ **وَوُضِعَ الْكِتٰبُ** كِتَابُ الاعْمَالِ للحسَابِ **وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ** اى بِمُحَمَّدٍ صلى اللّٰهُ عليه وسلَّمَ وأُمَّتِهٖ يَشْهَدُوْنَ المُرْسَلَ بِالبَلَاغِ **وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ** اى العَدْلِ **وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ** شَيْئًا **وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ** اى جَزَاؤُهٗ **وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ** فلا يَحْتَاجُ الٰى شَاهِدٍ.

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے، اے جاہلو! پھر بھی تم مجھ سے غیر اللہ کی عبادت کرنے کو کہتے ہو غَیْرَ، تَامُرُوْنِّیْ کے معمول اَعْبُدُ کے ذریعہ منصوب ہے اَنْ کی تقدیر کے ساتھ ایک نون اور دونوں نوں اور ادغام اور بدون ادغام کے یقیناً تیری طرف اوران نبیوں کی طرف جو تجھ سے پہلے گذر چکے ہیں یہ وحی بھیجی جا چکی ہے کہ واللہ، اگر بالفرض اے محمد ﷺ تو (بھی) شرک کرے گا تو بلاشبہ تیرا عمل (بھی) ضائع ہو جائے گا، اور بالیقین تو زیاں کاروں میں سے ہو جائے گا بلکہ تو اللہ وحدہٗ کی عبادت کر اور تیرے اوپر اس کے انعام کا شکر کرنے والوں میں سے رہ اور ان لوگوں نے خدا تعالیٰ کی عظمت نہ پہچانی جیسا کہ پہچاننی چاہئے تھی، اس کے ساتھ شرک کر کے نہ اس کے حق کو پہچانا جیسا کہ اس کی معرفت کا حق تھا اور نہ اس کی تعظیم کی جیسی کہ کرنی چاہئے تھی، ساری زمین قیامت کے دن اس کی مٹھی میں ہوگی (جَمِیْعًا) حال ہے یعنی ساتوں زمینیں (اس کی مٹھی میں ہوں گی) یعنی اس کی ملک وتصرف میں ہوں گی اور تمام آسمان لپیٹے ہوئے اس کے داہنے ہاتھ (یعنی) اس کی قدرت میں ہوں گے وہ پاک اور برتر ہے اس چیز سے جسے لوگ اس کا شریک ٹھہرائیں اور صور پھونک دیا جائے گا، پہلا صور، لہٰذا زمین وآسمانوں میں جو بھی ہے فوت ہو جائے گا مگر جس کو وہ چاہے (مثلاً) حور اور بچے وغیرہ پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو ایک دم وہ تمام مردہ مخلوق اٹھ کھڑی ہوگی اور انتظار کرنے لگے گی کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جاتا ہے؟ اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے جگمگا اٹھے گی، جب وہ مقدمات کے فیصلے کے لئے جلوہ افروز ہوگا، کتاب یعنی نامۂ عمل حساب کے لئے (سامنے) رکھ دیا جائے گا، اور انبیاء اور شہداء کو لایا جائے گا یعنی محمد ﷺ اور ان کی امت کو لایا جائے گا، اور یہ لوگ رسولوں کی پیغام رسانی کی گواہی دیں گے اور لوگوں کے درمیان عدل (وانصاف) کے ساتھ فیصلے کئے جائیں گے اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہ کیا جائے گا اور ہر شخص کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور جو کچھ لوگ کرتے ہیں وہ اس سے بخوبی واقف ہے لہٰذا اس کو گواہ کی ضرورت نہ ہوگی۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اَفَغَیْرَ اللّٰہِ تَامُرُوْنِّیْ یہ اصل میں اَتَامُرُوْنَنِیْ اَنْ اَعْبُدَ غَیْرَ اللّٰہِ تھا، اَعْبُدُ کے مفعول غَیْرَ اللّٰہِ کو تَامُرُوْنَنِیْ پر جو کہ اعبدُ کا عامل ہے مقدم کر دیا، بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ صورت ضعیف ہے، (مگر ضعیف کہنا درست نہیں ہے) اس لئے کہ اَنْ لفظوں میں نہیں ہے لہٰذا اس کا عمل باقی نہیں رہے گا۔

دوسری صورت یہ کہ غَیْرَ اللّٰہ کو تامُرونّی کے ذریعہ منصوب مانا جائے، اور اَعْبُدَ کو اس سے بدل مانا جائے، تقدیر عبارت یہ ہوگی قل: اَفَتَأمُرُوْنی بعبَادَةِ غیرِ اللّٰہِ یہ ترکیب بدل الاشتمال کے قبیل سے ہوگی۔

تیسری صورت غَیْرَ فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہو اَیْ اَفَتَلْزَمُوْنی غَیْرَ اللّٰہِ اس صورت میں اس کا مابعد اس کے لئے مفسر ہوگا، اس کے علاوہ بھی ترکیبیں ہوسکتی ہیں (اعراب القرآن دیکھیں)۔

قِوْلَہٗ: تَـاْمُـرُوْنّـی صیغہ جمع مذکر حاضر، تم مجھ کو حکم دیتے ہو، اس میں (یَ) ضمیر واحد متکلم ہے اور نون ادغام کی وجہ سے مشدد ہے۔

قِوْلَہٗ: وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْکَ لام جواب قسم کے لئے ہے ای واللّٰہ لقدْ، قَدْ حرف تحقیق ہے، اُوْحِیَ فعل ماضی مجہول ہے اور اِلَیْکَ قائم مقام نائب فاعل ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ نائب فاعل سیاق وسباق کے قرینہ کی وجہ سے محذوف ہے، ای اُوْحِیَ اِلَیْکَ التوحید.

قِوْلَہٗ: فَرْضًا یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں، ان سے شرک کا ارتکاب نہیں ہوسکتا، تو پھر لَاِنْ اَشْرَکْتَ کیوں کہا گیا؟

جَوَابٌ: فرض محال کے طور پر کہا گیا ہے بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ خطاب اگرچہ آپ ﷺ کو ہے مگر مراد امت ہے، مگر اب یہ سوال پیدا ہوگا کہ اگر مراد امت ہے لَاِنْ اَشْرَکْتَ کے بجائے لَانْ اَشْرَکْتُمْ کہنا چاہئے تھا، اس کا جواب یہ ہے، معنی یہ ہیں اُوْحِیَ الی کُلِّ وَاحِدٍ منھم لَاِنْ اَشْرَکْتَ الخ جیسا کہ عرب میں بولا جاتا ہے، کَسَانَا الْاَمِیْرُ حُلَّةً ای کَسَا کلَّ واحِدٍ مِنّا حُلَّةً.

تفسیر وتشریح

قُلْ اَفَغَیْرَ اللّٰہِ تَامُرُوْنّی (الآیة) یہ کفار کی اس دعوت کا جواب ہے جو آپ ﷺ کو دیا کرتے تھے کہ اپنے آبائی دین (بت پرستی) کو اختیار کرلیں، اور بتوں کی مذمت چھوڑ دیں، اس لئے کہ اگر ہماری دیوی دیوتاؤں کو غصہ آگیا تو ہلاک کرڈالیں گے یا پاگل بنادیں گے، لَاِنْ اَشْرَکْتَ میں اگرچہ خطاب آپ ﷺ کو ہے مگر مراد امت ہے، اس لئے کہ آپ ﷺ تو شرک سے پاک تھے ہر نبی معصیت سے پاک ہوتا ہے اور آئندہ کے لئے محفوظ بھی، کیونکہ اللہ کی حفاظت اور عصمت میں ہوتا ہے، ان سے ارتکاب شرک وکبائر کا کوئی امکان نہیں ہوتا مگر چونکہ امت کو سمجھانا مقصود ہے اس لئے آپ کو خطاب فرمایا تاکہ امت کو یہ تاثر ملے کہ جب شرک سے نبی جیسی برگزیدہ ہستی کے اعمال سلب اور حبط ہوسکتے ہیں تو ماوشما کس شمار وقطار میں ہیں بَلِ اللّٰہَ فَاعْبُدْ، اِیَّاکَ نعبُدُ کی طرح یہاں بھی اللہ مفعول کو مقدم کرکے حصر کی طرف اشارہ کردیا یعنی صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اور شرک کے ذریعہ اعمال کے حبط ہونے کا مطلب یہ ہے کہ شرک ہی پر موت آئی ہو اور مرنے سے پہلے شرک سے توبہ کرلی تو یہ حکم نہیں ہے۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی حقیقی معرفت اور حقیقی عظمت جو کہ اس کی شایان شان ہو وہ بندے کے لئے ممکن نہیں اور نہ بندہ اس کا مکلّف، البتہ جس قدر معرفت و تعظیم کا مکلف اور مامور ہے، کفار و مشرکین نے وہ بھی نہیں کی، اس لئے کہ اپنے پیغمبروں کے ذریعہ جو دعوت توحید ان کے پاس بھیجی تھی اس کو نہیں مانا، عبادت کو اس کے لئے خالص نہ کرتے ہوئے غیر اللہ کو اس کی ذات و صفات میں شریک کر لیا، مشرکین نے اس کی عظمت و جلال، بزرگی و برتری کو اتنا نہ سمجھا جتنا ایک بندے کو سمجھنا چاہئے تھا، اس کی شان رفیع اور مرتبۂ بلند کا اجمالی تصور بھی رکھنے والا، کیا عاجز محتاج مخلوق، حتی کہ بے جان پتھر اور دھات کی عاجز و مجبور مورتیوں کو اس کا شریک و سہیم تجویز کر سکتا ہے؟ حاشا و کلا ہرگز نہیں کیا اس سے زیادہ اس مالک کون و مکان خالق زمین و زماں کی ناقدری اور ناحق شناسی ہو سکتی ہے؟ اگلی آیت میں اس کی بعض شؤن عظمت و جلال کا بیان ہے۔

وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (الآية) القُبْضَةُ، ما قُبِضَ عليه بجميع الكفِ عَلَيْهِ یعنی اس کی عظمت شان کا یہ حال ہے کہ قیامت کے دن کل زمین اس کی مٹھی اور سارے آسمان کاغذ کے مانند لپٹے ہوئے ایک ہاتھ میں ہوں گے۔

کلمات متشابہات:

مَطْوِيَّاتٌ بيمينهٖ، يَمِيْنٌ وغیرہ الفاظ متشابہات میں سے ہیں جن پر بلا کیف ایمان رکھنا واجب ہے، بعض احادیث میں ہے وَكلتا يَدَيهِ يمينٌ کہ اس کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں، اس سے تَجَسُّم، تَحيُّز اور جہت وغیرہ کی نفی ہوتی ہے۔

(فوائد عثمانی)

کلمات متشابہات کے سلسلہ میں اہل حق کا مسلک:

کلامی یعنی عقائد کے باب میں اہل حق کی تین جماعتیں ہیں، اشاعرہ، ماتریدیہ، سلفیہ (یا حنابلہ)۔

❶ **اشاعرہ:** وہ حضرات ہیں جو شیخ ابوالحسن اشعری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ (۲۶۰/۳۲۴ھ) کی پیروی کرتے ہیں، امام ابوالحسن اشعری چونکہ شافعی تھے، اسلئے یہ مکتب فکر شوافع میں مقبول ہوا، یعنی حضرات شوافع عام طور پر کلامی مسائل میں اشعری ہوتے ہیں۔

❷ **ماتریدیہ:** وہ حضرات ہیں جو شیخ ابومنصور ماتریدی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ (متوفی ۳۳۳ھ) کی پیروی کرتے ہیں، امام ماتریدی چونکہ حنفی تھے اس لئے یہ مکتب فکر احناف میں مقبول ہوا، احناف عام طور پر کلامی مسائل میں ماتریدی ہوتے ہیں، اشاعرہ اور ماتریدیہ کے درمیان بارہ مسائل میں اختلاف ہے جو فروعی (غیر اہم) مسائل ہیں، بنیادی اختلاف کسی مسئلہ میں نہیں ہے، ان مختلف فیہا بارہ مسائل کو علامہ احمد بن سلیمان معروف بہ ابن کمال پاشا رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ (متوفی ۹۴۰ھ)

نے ایک رسالہ میں جمع کر دیا ہے، یہ رسالہ مطبوعہ ہے، مگر عام طور پر علماء اس سے واقف نہیں ہیں، اس رسالہ کو حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب مدظلہ پالنپوری استاذ حدیث دار العلوم دیوبند نے اپنی قابل فخر اور مایۂ ناز تصنیف رحمۃ اللہ الواسعہ کے صفحہ ۴۸ پر علماء کے استفادہ کے لئے نقل کر دیا ہے۔

③ **سلفیہ:** یہ وہ حضرات ہیں جو صفات خداوندی کی تاویل کے عدم جواز میں حضرت امام احمد بن حنبل رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ (۱۶۴/۲۴۱) کے مسلک پر ہیں، چونکہ صفات کے تعلق سے یہ ذوق اسلاف کرام کا تھا، اس لئے یہ حضرات سلفی کہلائے، اس جماعت کو کتابوں میں حنابلہ بھی لکھا گیا ہے، مگر چونکہ فقہی جنسیت سے اشتباہ ہوتا تھا، اس لئے رفتہ رفتہ یہ اصطلاح متروک ہوگئی، مسئلہ خلق قرآن میں یہی نام سلفیہ کے لئے استعمال ہوا ہے، نیز اس مسلک کو مسلک محدثین بھی کہا جاتا ہے، اس لئے کہ امام مالک، سفیان ثوری وغیرہ حضرات محدثین سے صفات متشابہات کے بارے میں یہی نقطہ نظر مروی ہے، اس زمانہ میں جو سلفیت کو بمعنی ظاہریت یعنی عدم تقلید ائمہ استعمال کیا جاتا ہے وہ تلبیس ہے اور لفظ کا غیر معروف معنی میں استعمال ہے۔

سلفیوں کا اشاعرہ اور ماتریدیہ سے اختلاف:

سلفیوں کا اشاعرہ اور ماتریدیہ سے یہ اختلاف صرف ایک معمولی بات میں ہے، اور وہ یہ ہے کہ صفات متشابہات مثلاً **استواء علی العرش، یدٌ، وجہٌ** وغیرہ کی تاویل جائز ہے یا نہیں؟ سلفیوں کے یہاں تاویل ناجائز ہے اور باقی دونوں مکاتب فکر کے نزدیک تاویل جائز ہے، چنانچہ حنابلہ قرآن کریم کو جو اللہ کی صفت کلام ہے مطلقاً بلا تاویل قدیم کہتے ہیں، اور اشاعرہ و ماتریدیہ کلام نفسی کی تاویل کرتے ہیں اور اس کو قدیم کہتے ہیں، امام بخاری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے مسلک محدثین کے خلاف ''لفظی بالقرآن حادث'' کہہ دیا تھا، تو حنابلہ نے جن کے سرخیل امام ذہلی تھے ایک طوفان کھڑا کر دیا تھا۔ (رحمۃ اللہ الواسعہ)۔

غرضیکہ علم کلام میں یہی تین جماعتیں برحق ہیں دیگر تمام فرق اسلامیہ جیسے معتزلہ، جہمیہ، کرامیہ وغیرہ گمراہ فرقے ہیں، اور یہی فرقے اہل سنت والجماعت کے مدمقابل ہیں۔ (رحمۃ اللہ الواسعہ)۔

وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ بعض کے نزدیک (نفخہ فزع کے بعد) یہ نفخہ ثانیہ یعنی نفخہ صعق ہے، جس سے سب کی موت واقع ہوجائے گی، بعض کے نزدیک صعق نفخہ اولیٰ ہی ہے، اسی سے اولاً سخت گھبراہٹ ہوکر بے ہوشی طاری ہوجائے گی، پھر سب کی موت واقع ہوجائے گی، اور بعض حضرات نے ان نفخات کی ترتیب اس طرح بیان کی ہے ① **نفخۃ فناء** ② **نفخۃ البعث** ③ **نفخۃ الصعق** ④ **نفخۃ القیام لرب العالمین**. (ایسر التفاسیر) اور بعض کے نزدیک صرف دو ہی نفخے ہیں، نفخہ موت اور نفخہ بعث۔

الا ما شاء اللّٰہ یعنی نفخہ فنا کے بعد اللہ جس کو چاہے گا اس کو موت نہیں آئے گی، جیسے حضرت جبرائیل عَلَیْہِ الصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ، میکائیل عَلَیْہِ الصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ، اسرافیل عَلَیْہِ الصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ اور بعض نے ان میں نگران جنت رضوان اور نگران جہنم مالک، اور حملۃ العرش کو بھی شامل

کیا ہے (اور بعض نے حور وغلمان وغیرہ کو بھی)۔ (فتح القدیر)

وجآیٔ بالنبیین والشھداء (الآیة) نبیوں سے پوچھا جائے گا کہ تم نے میرا پیغام اپنی اپنی امتوں کو پہنچا دیا تھا؟ یا یہ پوچھا جائے گا کہ تمہاری امتوں نے تمہاری دعوت کا کیا جواب دیا تھا؟ قبول کیا یا انکار کیا؟ امت محمدیہ کو بطور گواہ لایا جائے گا، جو اس بات کی گواہی دے گی کہ تیرے پیغمبروں نے تیرا پیغام اپنی اپنی امتوں کو پہنچا دیا تھا، جیسا کہ تو نے ہمیں اپنے قرآن کے ذریعہ مطلع فرمایا تھا۔

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا بعُنفٍ **اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا** جماعاتٍ مُتفرِّقةً **حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا** جوابُ اِذا **وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ** القراٰن وغيرَه **وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ** اى لَاَملأنَّ جَهنَّمَ الاٰيةَ **عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ** مُقدَّرِين الخُلودَ **فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى** مأوى **الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝** جهنَّمُ **وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ** بلُطفٍ **اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ** الواوُ فيه لِلحالِ بتقديرِ قد **وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ** حالا **فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ۝** مُقدَّرِينَ الخُلودُ فيها وجوابُ اِذا مُقدَّرٌ اى دَخلوہا وسَوْقُهم وفتحُ الأبوابِ قبلَ مَجيئِهم تكرِمَةٌ لهم وسَوقُ الكُفّار وفتحُ ابواب جهنَّمَ عِندَ مجيئِهم ليَبقٰى حَرُّها اليهم اِهانَةٌ لهم **وَقَالُوا** عَطفٌ على دَخلوہا المُقدَّر **الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ** بالجَنَّةِ **وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ** اى اَرضَ الجَنَّةِ **نَتَبَوَّاُ** نَنزِلُ **مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاۗءُ ۚ** لِاَنَّها كُلُّها لا يُختارُ فيها مَكانٌ على مَكانٍ **فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝** الجَنَّةُ **وَتَرَى الْمَلٰۗىِٕكَةَ حَاۗفِّيْنَ** حالٌ **مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ** مِن كُلِّ جانبٍ منه **يُسَبِّحُوْنَ** حالٌ مِن ضَميرِ حافِّينَ **بِحَمْدِ رَبِّهِمْ** مُلابِسِينَ للحَمدِ اى يَقولونَ سُبحانَ اللّٰهِ وبحَمدِه **وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ** بَينَ جميعِ الخلائقِ **بِالْحَقِّ** اى العَدلِ فيَدخُلُ المُؤمِنونَ الجَنَّةَ والكافِرونَ النارَ **وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝** خَتمَ اِستِقرارَ الفَريقَين بالحَمدِ مِنَ المَلٰئِكَةِ.

ترجمہ: اور کافروں کے غول کے غول مختلف گروہوں میں شدت کے ساتھ جہنم کی طرف ہنکائے جائیں گے جب وہ جہنم کے پاس پہنچ جائیں گے تو جہنم کے دروازے کھول دیئے جائیں گے (فتحت ابوابھا) اذا کا جواب ہے، وہاں نگران ان سے سوال کریں گے کہ کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے جو تم کو تمہارے رب کی آیتیں قرآن وغیرہ پڑھ کر سناتے تھے؟ اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے، یہ جواب دیں گے ہاں درست ہے، لیکن کلمہ عذاب یعنی لَاَملأنَّ جھنَّمَ (الآیة) کافروں پر ثابت ہو گیا حکم دیا جائے گا اب جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، جہاں ہمیشہ رہو گے، حال یہ کہ خلود مقدر ہو چکا پس سرکشوں کا ٹھکانہ بہت ہی برا ہے اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے ان کے گروہ جنت کی طرف

اکرام کے ساتھ روانہ کئے جائیں گے یہاں تک کہ جب وہ اس (جنت) کے پاس آجائیں گے، حال یہ کہ دروازے کھلے ہوں گے (وفتحت) میں واؤ حالیہ ہے قَدْ کی تقدیر کے ساتھ اور وہاں کے نگہبان ان سے کہیں گے تم پر سلام ہو خوش حال رہو، تم اس میں ہمیشہ کے لئے چلے جاؤ حال یہ کہ ان کا اس میں ہمیشہ رہنا مقدر ہو چکا ہے، اذا کا جواب مقدر ہے ای دَخَلُوْهَا اور ان کو لیجانا اور ان کے آنے سے پہلے دروازوں کا کھلنا یہ ان کا اعزاز ہے، اور کفار کو ہانکنا اور جہنم کے دروازوں کو ان کی آمد پر کھولنا تاکہ جہنم کی حرارت باقی رہے، یہ ان کی توہین ہے، یہ کہیں گے اللہ کا شکر ہے کہ جس نے ہم سے اپنا جنت کا وعدہ پورا کیا اور ہمیں اس نے زمین کا یعنی جنت کا وارث بنا دیا کہ جنت میں ہم جہاں چاہیں قیام کریں اس لئے کہ جنتی ایک مقام کو دوسرے مقام پر ترجیح نہیں دے گا، پس عمل کرنے والوں کا کیا اچھا بدلہ ہے، اور تو فرشتوں کو اس کے چاروں طرف سے عرش کے گرداگرد حلقہ بنائے ہوئے اپنے رب کی حمد و تسبیح کرتے ہوئے یعنی اس میں مشغول دیکھے گا، یُسَبِّحُوْنَ، حافین کی ضمیر سے حال ہے یعنی وہ سبحان اللہ وبحمدہ کہہ رہے ہوں گے اور ان میں یعنی تمام مخلوق کے درمیان حق یعنی عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا، سو مومنین جنت میں اور کافر دوزخ میں داخل ہوں گے اور کہہ دیا جائے گا کہ ساری خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں، جو تمام جہانوں کا پالنہار ہے دو فریقوں (یعنی اہل جنت و دوزخ) کا استقرار، ملائکہ کی حمد پر ختم ہوا۔ (واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم)۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: وَسِیْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بعنفٍ واؤ عاطفہ سِیْقَ فعل ماضی مجہول اَلَّذِیْنَ موصول کَفَرُوْا صلہ، موصول صلہ سے مل کر سِیْقَ کا نائب فاعل اِلٰی جھنَّمَ سِیْقَ سے متعلق ہے، زُمَرًا حال۔ زُمَرٌ زُمْرَۃٌ کی جمع ہے بمعنی جماعت۔

قولہ: بعنفٍ اس کا اضافہ لیجانے میں شدت اور سختی کو بیان کرنے کے لئے ہے اس لئے کہ جہنمیوں کے یہی مناسب حال ہے۔

قولہ: وَسِیْقَ الَّذِیْنَ اتقَوْا رَبَّھُمْ بلطفٍ لطف کا اضافہ احترام اور اکرام کو بیان کرنے کے لئے ہے۔

سوال: جہنمیوں اور دوزخیوں، دونوں کے لئے سِیْقَ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، جہنمیوں کے لئے معنی بیان کئے ''شدت اور سختی سے ہانک کر لیجانا''، اور جنتیوں کے لئے معنی بیان کئے ''عزت و احترام کے ساتھ لیجانا''، لفظ ایک صیغہ ایک مادہ ایک پھر دونوں جگہ معنی میں فرق کی کیا وجہ ہے۔

جواب: جہنمیوں کے لئے سِیْقَ کے لفظ کا استعمال صحیح اور معقول ہے، اس لئے کہ جب ان کے لئے عقاب و عذاب کا فیصلہ کر دیا گیا تو ان کی حیثیت ایسے مجرم کی ہوگئی کہ جس کو قید کا حکم دیا جا چکا ہو، ظاہر ہے ایسے باغی اور مجرم کو سختی اور تیزی کے ساتھ لے جایا جاتا ہے تاکہ جلدی سے جلدی اس کو جیل خانہ میں داخل کر دیا جائے، البتہ ان لوگوں کے بارے میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن کیلئے جنت کا فیصلہ کر دیا گیا ہو، ان کو تیزی سے لے جانے کی کیا ضرورت، ان کو بہت عزت و احترام کے

ساتھ لیجانا چاہئے، اس کا جواب یہ ہے کہ اَلَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّھُمْ سے پہلے مضاف محذوف ہے، اور وہ مراکب ہے، اب عبارت یہ ہوگی سِیْقَ مراکبُ الَّذِیْنَ اتقَوْا یعنی اہل جنت کی سواریوں کو تیزی سے چلایا جائے گا تا کہ وہ اپنی آرام گاہ میں جلدی سے جلدی پہنچیں، اور لفظ کو محذوف ماننے کا قرینہ یہ ہے کہ جنتیوں کو پیدل نہیں لیجایا جائے گا، بلکہ قبروں سے نکلتے ہی سواریاں مہیا کی جائیں گی۔ (جمل)

مَا اَجْمَلَ قولُ الزمخشری فی ھٰذا الصَّدَدِ قال: فَاِنْ قُلْتَ کیفَ عَبَّرَ عَنِ الذّھَابِ بِالفریقینِ جمیعًا بلفظ السوق؟ قلتُ: المراد بسوقِ اھل النار، طردُھم اِلَیْھَا بالھَوَانِ وَالعنفِ کما یُفْعَلُ بالاُسَارٰی والخارجین علی السلطان اذا سِیقوا الی حبسٍ او قتلٍ والمراد بسوق اھل الجنة: سوق مراکبھم لِاَنَّہٗ لا یُذْھَبُ بھم اِلَّا راکبین وحَثُّھا الی دار الکرامة والرضوان کما یُفْعَلُ بمَنْ یشرف ویکرم من الوافِدین علٰی بعض الملوك فشتّان بین السوقَینِ (اعراب القرآن للدرویش).

حَتّٰی اِذا جاءُ وْھَا فُتِحَتْ اَبوابُھا.

قَوْلُہٗ: حتّٰی ابتدائیہ ہے، اِذَا جاءُ وْھَا شرط فتحَت ابوابھا بالاتفاق جزاء۔

قَوْلُہٗ: حَتّٰی اِذَا جاءُ وْھا وفتحت ابوابُھا.

سَوَال: یہاں وفتحت ابوابُھا میں واؤ لایا گیا ہے اس سے ماقبل میں واؤ نہیں لایا گیا، اس میں کیا نکتہ ہے؟

جَوَاب: اس میں نکتہ یہ ہے کہ جیل خانوں کے دروازے عام طور پر بند رہتے ہیں جب کوئی مجرم لایا جاتا ہے تو اس وقت کچھ دیر کے لئے کھولے جاتے ہیں پھر فوراً ہی بند کردیئے جاتے ہیں، اس میں آنے والوں کی توہین ہے، لہٰذا اس کے لئے عدم واؤ مناسب ہے، بخلاف مہمان خانوں اور تفریح گاہوں کے کہ ان کے دروازے آنے والوں کے انتظار میں کھلے رہتے ہیں، نیز اس میں آنے والوں کا اعزاز بھی ہے لہٰذا اس کے مناسب واؤ ہے۔

یہاں اِذَا کے جواب میں تین صورتیں ہوسکتی ہیں ① وفتِحَتْ جواب شرط ہے، واؤ زائدہ ہے یہ کوفیین اور اخفش کی رائے ہے ② جواب محذوف ہے زمخشری نے کہا ہے کہ خالِدِیْنَ کے بعد محذوف مانا جائے اس لئے کہ متعلقات شرط کے بعد معطوف علیہ کو لایا جاتا ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی اِطْمَاَنوا اور مبرد نے سَعِدوا مقدر مانا ہے اور محلی نے دخلوھا مقدر مانا ہے ③ بعض حضرات نے کہا ہے کہ جواب وَقَالَ لھم خزنتُھَا ہے واؤ کی زیادتی کے ساتھ۔

قَوْلُہٗ: مُقَدَّرِیْنَ الخلود فیھَا اس عبارت کے اضافہ کا مقصد اس اعتراض کا جواب دینا ہے کہ خٰلِدِیْنَ، فادخلوا کی ضمیر سے حال ہے، اور حال وذوالحال کا زمانہ ایک ہوا کرتا ہے، حالانکہ یہاں دونوں کا زمانہ ایک نہیں ہے اس لئے کہ دخول کے بعد خلود ہوگا نہ کہ ساتھ ساتھ، اس کا جواب یہ دیا کہ ان کے لئے خلود مقدر کردیا گیا ہے، یعنی وہ جنت میں داخل ہوں گے حال یہ کہ ان کے لئے خلود مقدر کردیا گیا ہے۔

تفسیر وتشریح

زُمَرٌ ، زَمْرٌ سے مشتق ہے(ن) زمْرًا کے معنی آواز کرنا، اور گروہ و جماعت میں چونکہ آواز اور شور ضرور ہوتا ہے، اس لئے زُمْرَۃٌ کا لفظ گروہ و جماعت کے لئے بھی استعمال ہونے لگا، مطلب یہ ہے کہ کافروں کو گروہوں اور جماعتوں کی شکل میں جہنم کی طرف لیجایا جائے گا، ایک گروہ کے پیچھے دوسرا گروہ ہوگا، علاوہ ازیں انہیں مار دھکیل کر جانوروں کے ریوڑ کی مانند ہنکایا جائے گا، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: یَوْمَ یُدَعُّوْنَ اِلٰی نَارِ جَھَنَّمَ دَعًّا یعنی انہیں جہنم کی جانب سختی کے ساتھ دھکیلا جائے گا۔

وسیق الذین اتقوْا رَبَّھُمْ الی الجنۃ زمرًا (الآیۃ) اہل ایمان وتقویٰ بھی گروہوں کی شکل میں جنت کی طرف لے جائے جائیں گے پہلے مقربین پھر ابرار اسی طرح درجہ بدرجہ ہر گروہ، ہم مرتبہ لوگوں پر مشتمل ہوگا، انبیاء کا گروہ الگ ہوگا صدیقین کا الگ شہداء کا الگ علٰی ھٰذا القیاس. (ابن کثیر)

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّتِسْعُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ غَافِرٍ مَكِّيَّةٌ اِلَّا "اَلَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ" الْاٰيَتَيْنِ، خَمْسٌ وَثَمَانُوْنَ آيَةً.

سورۂ غافر مکی ہے، مگر اَلَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ دو آیتیں، پچاسی (۸۵) آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ حٰمٓ ﴿۱﴾ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ القُراٰن مُبْتَدَأٌ مِنَ اللّٰهِ خَبَرُهٗ الْعَزِيْزِ فى مُلْكِهٖ الْعَلِيْمِ ﴿۲﴾ بِخَلْقِهٖ غَافِرِ الذَّنْبِ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَقَابِلِ التَّوْبِ لهم مَصْدَرٌ شَدِيْدِ الْعِقَابِ لِلْكَافِرِيْنَ اى مُشَدِّدُهٗ ذِى الطَّوْلِ اى الانعامِ الوَاسِعِ وهو مَوْصُوفٌ على الدَّوامِ بِكُلٍّ من هٰذه الصِّفاتِ فاِضَافَةُ المُشْتَقِّ منها لِلتَّعْرِيْفِ كَالاَخِيْرَةِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۳﴾ المرجعُ مَا يُجَادِلُ فِىْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ القُراٰن اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِى الْبِلَادِ ﴿۴﴾ لِلْمَعاش سَالِمِيْنَ فَاِنَّ عَاقِبَتَهُمُ النَّارُ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ كَعادٍ وثَمُودَ وغيرهما مِنْۢ بَعْدِهِمْ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ يَقْتُلُوْه وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا يُزِيْلُوا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ بالعِقَاب فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۵﴾ لهم اى هو وَاقِعٌ مَوْقِعَهٗ وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ اى لَاَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ الآية عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۶﴾ بَدَلٌ من كَلِمَةُ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ مُبْتَدَأٌ وَمَنْ حَوْلَهٗ عَطْفٌ عليه يُسَبِّحُوْنَ خَبَرُهٗ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ مُلَابِسِيْنَ لِلْحَمْدِ اى يَقُوْلُوْنَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وبِحَمْدِه وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ تعالٰى بِبَصائِرِهم اى يُصَدِّقُوْنَ بِوَحْدَانِيَّتِهٖ تعالٰى وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يقُوْلُوْنَ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَىْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا اى وَسِعَ رَحْمَتُكَ كُلَّ شَيْءٍ وعِلْمُكَ كُلَّ شيءٍ فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا مِنَ الشِّرْكِ وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ دِيْنَ الاِسْلامِ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۷﴾ النارِ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ اِقامَةٍ اِلَّتِىْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ عَطْفٌ على هم فى وَاَدْخِلهم او فى وَعَدْتَّهم مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۸﴾ فى صُنْعِهٖ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ اى عَذابَها وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ يَوْمَ القِيٰمَةِ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۹﴾

وقف لازم / وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ع ۱ / ۶

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، حٰمٓ اللہ کی اس سے کیا مراد ہے؟ اللہ ہی بہتر جانتا ہے، یہ کتاب قرآن اس اللہ کی جانب سے نازل کردہ ہے جو اپنے ملک میں غالب ہے اور اپنی مخلوق سے واقف ہے تَنْزِیْلُ الْکِتَابِ مبتداء ہے، مِنَ اللّٰہِ خبر، مومنوں کے گناہوں کو معاف کرنے والا ان کی توبہ کو قبول کرنے والا التوب مصدر ہے، کافروں پر سخت عذاب والا ہے شَدِیْدُ بمعنی مُشَدِّدٌ ہے، بڑے وسیع انعام والا ہے، وہ ان صفات کے ساتھ ہمیشہ متصف ہے، لہٰذا ان صفات (ثلٰثہ) مشتقات کی اضافت تعریف کے لئے ہوگی، جیسا کہ آخری صفت (ذی الطول) میں (ہے) جس کے سوا کوئی معبود نہیں اسی کی طرف لوٹنا ہے، اللہ تعالیٰ کی آیتوں، قرآن میں وہی جھگڑتے ہیں جو اہل مکہ میں سے کافر ہیں، لہٰذا ان کا شہروں میں امن کے ساتھ طلب معاش کے لئے چلنا پھرنا (سفر کرنا) تجھ کو دھوکے میں نہ ڈال دے، اس لئے کہ ان کا انجام جہنم ہے، ان سے پہلے قوم نوح نے جھٹلایا، اور ان کے بعد دوسری جماعتوں نے، مثلاً عاد وثمود وغیرہ نے جھٹلایا، اور ہر امت نے اپنے رسول کو گرفتار کرلینے (قتل) کا ارادہ کیا، اور باطل کے ذریعہ کج بحثیاں کیں تاکہ اس بیہودہ طریقہ سے حق کو باطل کردیں، تو میں نے ان کو گرفتار عذاب کرلیا، تو میری گرفت ان کے حق میں کیسی رہی؟ یعنی وہ برمحل واقع ہوئی، اور اسی طرح آپ کے رب کا حکم کافروں کے بارے میں ثابت ہوگیا (اور وہ حکم) لأَمْلَأَنَّ جھنَّمَ ہے، کہ وہ دوزخی ہیں (أَنَّھُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ) کَلِمَةُ سے بدل ہے، عرش کے اٹھانے والے فرشتے، اور وہ فرشتے جو عرش کے گرداگرد حلقہ بنائے ہوئے ہیں، حمد کے ساتھ ساتھ تسبیح بیان کرتے ہیں یعنی سبحان اللہ وبحمدہٖ کہتے ہیں (اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ) مبتداء ہے (یُسَبِّحُوْنَ) اس کی خبر ہے، اور اللہ تعالیٰ پر پوری بصیرت کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی تصدیق کرتے ہیں اور ایمان والوں کے لئے استغفار کرتے ہوئے کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار تو نے ہر چیز کا اپنی رحمت اور علم سے احاطہ کر رکھا ہے، یعنی تیری رحمت اور تیرا علم ہر شئی کو حاوی ہے تو جن لوگوں نے شرک سے توبہ کی اور تیرے راستہ (یعنی) دین اسلام پر چلے ان کو معاف کردے اور نار جہنم سے بچالے، اے ہمارے پروردگار تو ان کو ہمیشگی کی جنت میں داخل فرما، جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور ان کے باپ داداؤں کو اور ان کی بیویوں اور ان کی اولادوں میں سے جو نیک ہوں مَنْ صَلَحَ کا عطف ھُمْ پر ہے جو وَاَدْخِلْھُمْ میں ہے یا اس ھُمْ پر ہے جو وَعَدْتَّھُمْ میں ہے، بلاشبہ تو اپنی صنعت میں غالب باحکمت ہے اور تو ان کو برائیوں یعنی ان کے عذاب سے محفوظ رکھ اور جس کو تو نے قیامت کے دن برائیوں (کے عذاب) سے بچالیا، بے شک تو نے اس پر رحمت کردی اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: وَقَابِلِ التوب.

سوال: غَافِرِ الذَّنْبِ اور قَابِلِ التَّوْبِ دونوں کا مفہوم ایک ہے تو پھر قابل التوب کو ذکر کرنے سے کیا فائدہ ہے؟

جَوَابِ: وقابل التوبَ میں واؤلا کر اشارہ کردیا کہ دونوں میں مغائرت ہے اس لئے کہ محوذنوب بغیر توبہ کے ممکن ہے اور بعض ذنوب میں قبول توبہ ممکن ہے اور بعض میں نہیں، لہٰذا ان کے درمیان کوئی تلازم نہیں ہے، اسی مغائرت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے واؤ کا اضافہ فرمایا، تاکہ واؤ مغائرت پر دلالت کرے۔

قِوْلَہ: مَصْدَرٌ لفظ مصدر کے اضافہ کا مقصدان لوگوں پر رد کرنا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ تـوبٌ، توبةٌ کی جمع ہے مفسر علام نے لفظ مصدر کا اضافہ کرکے بتادیا کہ توبٌ بھی مصدر ہے۔

قِوْلَہ: مُشَدِّدُہٗ.

سُوَال: شدید کی تفسیر مُشدِّدٌ سے کرنے میں کیا مصلحت ہے؟

جَوَابِ: شدید العقاب، اضافت الصفة المشبهة الى الفاعل کے قبیل سے ہے، جوکہ اضافت لفظیہ کہلاتی ہے، یہ بالاتفاق تعریف کا فائدہ نہیں دیتی اگرچہ اس سے استمرار ودوام کا ارادہ کیا جائے، لہٰذا اس کو لفظ جلالہ یعنی (لفظ) اللہ کی صفت بنانا درست نہیں ہے اس لئے کہ لفظ اللہ اَعرف المعارف ہے، علامہ محلی نے شدید کی تفسیر مشـــددٌ سے کرکے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ شدید، مشـــددٌ اسم فاعل کے معنی میں ہے، اور اسم فاعل سے اگر استمرار ودوام مراد ہو تو تعریف کا فائدہ دیتا ہے، لہٰذا شدید العقاب کا لفظ اللہ کی صفت واقع ہونا درست ہے، جیسا کہ اَذِیْنٌ بمعنی مُؤذِّنٌ ہے۔

قِوْلَہ: اَلطَّوْلُ بمعنی فضل، یقال لِفلانٍ علٰی فلانٍ طَوْلٌ ای فَضْلٌ وزیادةٌ طول کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اجر وانعام مراد ہوتا ہے، اسی لئے مفسر علام نے طول کی تفسیر الانعام الواسع سے کی ہے۔

قِوْلَہ: وهو موصوفٌ علی الدوام اس عبارت کا مقصد ایک اعتراض کو دفع کرنا ہے جس کی طرف سابق میں اشارہ کردیا گیا ہے۔

سُوَال: سوال کا ماحصل یہ ہے کہ اس جملہ میں لفظ اللہ کی چار صفات واقع ہوئی ہیں ① غافر ② قابل ③ شدید ④ ذی الطول، ان میں پہلی تین میں اضافت لفظیہ ہے جو تعریف کا فائدہ نہیں دیتی، لہٰذا ان تینوں صفات کا لفظ اللّٰہ کی صفت واقع ہونا درست نہیں ہے۔

جَوَابِ: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اضافۃ لفظیہ اس وقت تعریف کا فائدہ نہیں دیتی جبکہ اس سے دوام واستمرار کا ارادہ نہ کیا جائے، اور اگر دوام واستمرار مراد ہو تو اضافۃ لفظیہ تعریف کا فائدہ دیتی ہے، مفسر علام نے اس عبارت سے اشارہ کردیا کہ یہاں استمرار ودوام مراد ہے جو کہ مفید تعریف ہے لہٰذا ان تینوں کا لفظ اللّٰہ کی صفت بننا درست ہے، جیسا کہ مالكِ یومِ الدین میں درست ہے۔

دُوسرا جَوَابِ: بعض حضرات نے یہ جواب بھی دیا ہے کہ یہ تینوں مشتقات لفظ اللّٰہ سے بدل ہیں اور بدل میں تعریف میں مطابقت ضروری نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: فلا یغررکَ فاجواب شرط پر واقع ہے، اور شرط محذوف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اِذَا عَلِمْتَ اَنَّھُمْ کفار فَلَا یَغْرُرْكَ اِمْهَالُهُمْ فَاِنَّهُمْ ماخُوْذُوْنَ عَنْ قَرِيْب.

قَوْلُہٗ: لِیُدْحِضُوْا اِدْحاضِ سے جمع مذکر غائب منصوب بمعنی مصدر باطل کرنا، زائل کرنا (ف) دَحَضَ يَدْحَضُ دَحْضًا، دُحُوضًا، مَدْحَضًا پھسلنا، باطل ہونا۔ (لغات القرآن)

قَوْلُہٗ: فکیف کان عِقابِ یہ دراصل عِقَابِی تھا، مصحف امام کے رسم الخط کی اتباع میں ی کو حذف کر دیا گیا، کیف اسم استفہام کان کی خبر مقدم ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے اور عقاب، کان کا اسم مرفوع ہے، علامت رفع ماقبل (ی) متکلم محذوف پر ضمہ مقدرہ ہے۔

قَوْلُہٗ: بدلٌ من الکلمۃ اگر لفظ کلمہ سے خاص اَنَّھُمْ اصحابُ النارِ مراد ہے، تو یہ بدل الکل من الکل ہوگا، اور اگر کلمۃ سے لأَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مراد ہو جیسا کہ علامہ محلی نے مراد لیا ہے تو یہ بدل الاشتمال ہوگا، اس لئے کہ اس صورت میں کلمہ اصحاب النار کو بھی مشتمل ہوگا۔

قَوْلُہٗ: فاغفر فافصیحہ ہے اِغْفِر صیغہ امر ہے۔

قَوْلُہٗ: وقِهِمْ واوَ عاطفہ ہے اس کا عطف فاغفر پر ہے قِهِمْ، قِ فعل امر حذف حرف علت پر مبنی ہے ھا مفعول بہ اول اور عذاب الجحیم مفعول ثانی ہے۔

قَوْلُہٗ: ای عذابها اس عبارت سے اشارہ کر دیا کہ السیّئٰتِ کا مضاف محذوف ہے۔

تفسیر وتشریح

سورۂ مومن (غافر) کی خصوصیات اور فضائل:

یہاں سے سورۂ احقاف تک سات سورتیں حٰمٓ سے شروع ہوتی ہیں، ان کو ''حوامیم'' کہا جاتا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ حوامیم دیباج قرآن ہیں، دیباج ریشمی کپڑے کو کہتے ہیں، مراد زینت ہے، اور مسعر بن کدام فرماتے ہیں کہ ان کو عرائس کہا جاتا ہے، حضرت ابن عباس رَضِحَاللهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا نے فرمایا کہ ہر چیز کا ایک مغز اور خلاصہ ہوتا ہے قرآن کا مغز اور خلاصہ حوامیم ہیں۔ (بحوالہ معارف)

ہر بلا سے حفاظت کا نسخہ:

مسند بزار میں اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رَضِحَاللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شروع دن میں آیت الکرسی اور سورۂ مومن کی پہلی تین آیتیں حٰمٓ سے اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ تک پڑھنے والا اس دن ہر برائی اور تکلیف سے

محفوظ رہے گا، اس کو ترمذی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے بھی روایت کیا ہے، اس میں ایک راوی متکلم فیہ ہے۔ (ابن کثیر، معارف)

دشمن سے حفاظت:

ابوداؤد وترمذی میں صحیح سند کے ساتھ حضرت مہلب بن ابی صفرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے ایسے شخص نے روایت کی جس نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ کسی جہاد کے موقع پر رات میں حفاظت کے لئے فرما رہے تھے کہ اگر تم پہ شب خون مارا جائے تو حٰمٓ لا ینصرون پڑھ لینا۔ (معارف ملخصًا)

ایک عجیب واقعہ:

ابن کثیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے ان آیات سے متعلق ایک عجیب واقعہ بیان کیا ہے، حضرت ثابت بنانی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں کہ میں حضرت مصعب بن زبیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے ساتھ کوفے کے ایک علاقہ میں تھا میں اس خیال سے کہ دو رکعت پڑھ لوں ایک باغ میں چلا گیا، میں نے نماز سے پہلے سورۂ حٰمٓ کی ابتدائی آیتیں اِلَیْہِ الْمَصِیْرُ تک پڑھیں، اچانک دیکھا کہ ایک شخص میرے پیچھے ایک سفید خچر پر سوار ہے، جس کے بدن پر یمنی کپڑے ہیں، اس شخص نے مجھ سے کہا کہ جب تم غافر الذنب کہو تو اس کے ساتھ یہ دعاء کرو، یا غافِرِ الذنب اِغفرلی ذنبی اور جب تم قابل التوبِ پڑھو تو یہ دعاء پڑھو، یا قابلَ التوبِ اقبَلْ توبَتی اور جب تم شدید العقاب پڑھو، تو یہ دعا کرو یا شدید العقَابِ لا تُعَاقِبْنِی اور جب ذی الطول پڑھو تو یہ دعاء کرو یا ذا الطول طُل عَلَیَّ بخیرٍ۔

ثابت بنانی کہتے ہیں کہ اس سے یہ نصیحت سننے کے بعد جو ادھر دیکھا تو وہاں کوئی نہیں تھا، میں اس کی تلاش میں باغ کے دروازے پر آیا، لوگوں سے معلوم کیا، کہ کیا ایک ایسا شخص یمنی لباس میں یہاں سے گذرا ہے؟ سب نے کہا ہم نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا، ثابت بنانی کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ الیاس عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ تھے۔ (ابن کثیر، معارف)

آیات کی تفسیر:

حٰمٓ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ اللہ کا نام ہے، مگر ائمہ متقدمین کے نزدیک یہ حروف مقطعات میں سے ہے، جن کی حقیقی مراد اللہ ہی کو معلوم ہے یا اللہ اور اس کے رسول کے درمیان ایک راز ہیں۔

غافِرِ الذنب، قابل التوبِ، غافر الذنب کے معنی ہیں گناہ پر پردہ ڈالنے والا، اور قابل التوب کے معنی ہیں توبہ کا قبول کرنے والا، یہ دو لفظ الگ الگ لائے گئے ہیں، اگرچہ دونوں کا مفہوم بظاہر تقریباً ایک ہی معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں دونوں کے مفہوم میں فرق ہے، غافر الذنب میں اس طرف اشارہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ کو اس بات پر بھی قدرت ہے کہ کسی بندے کا گناہ بغیر توبہ کے بھی معاف کردے، توبہ کرنے والوں کو معافی دینا یہ دوسرا وصف ہے۔ (مظہری)

جدال فی القرآن کی ممانعت کا صحیح مطلب:

مَا یُجَادِلُ فِیْ آیٰتِ اللّٰہِ اِلَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اس آیت میں جدال فی القرآن کو کفر قرار دیا گیا ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اِنَّ جدالًا فی القرآن کفرٌ یعنی بعض جدال قرآن میں کفر ہیں۔ (رواہ البغوی والبیہقی فی الشعب)

یہ جدال جس کو قرآن وحدیث میں کفر کہا گیا ہے اس سے مراد قرآنی آیات میں طعن کرنا اور فضول قسم کے شبہات نکال کر اس میں جھگڑنا، یا کسی آیت کے ایسے معنی بیان کرنا جو دوسری آیات قرآن اور نصوص سنت کے خلاف ہوں جو تحریف قرآن کے درجہ میں ہے ورنہ جس جدال (بحث ومباحثہ) کا مقصد ایضاح حق اور ابطال باطل اور منکرین ومعترضین کے شبہات کا ازالہ ہو وہ مذموم نہیں ہے بلکہ محمود ومستحسن ہے۔ (بیضاوی، قرطبی، مظہری ملخصًا)

فَلَا یَغْرُرْكَ تَقَلُّبُھُمْ فِی الْبِلَادِ مشرکین قریش موسم سرما میں یمن کا اور موسم گرما میں ملک شام کا تجارتی سفر کرتے تھے اور حرم بیت اللہ کی خدمت کی وجہ سے ان کا سارے عرب میں احترام تھا اس لئے یہ لوگ اپنے سفروں میں محفوظ و مامون رہتے تھے، اور خوب تجارتی نفع کماتے تھے، اور اسی وجہ سے ان کی مالداری اور سرداری قائم تھی ظہور اسلام کے ابتدائی دور میں بھی ان کی یہی صورت حال تھی، جس کی وجہ سے یہ حضرات اس بے جا پندار میں مبتلا تھے کہ اگر اللہ کے نزدیک ہم مجرم ہوتے جیسا کہ محمد ﷺ کہتے ہیں تو ہماری یہ نعمتیں سلب ہوجاتیں، اس سے بعض مسلمانوں کو بھی کچھ شبہات پیدا ہونے کا امکان تھا، اس لئے اس آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت و مصلحت سے ان کو چند روزہ مہلت دے رکھی ہے، اس سے آپ یا مسلمان کسی دھوکے میں نہ پڑیں، چند روزہ مہلت کے بعد ان پر عذاب آنے ہی والا ہے اور ان کی یہ ریاست وسرداری فنا ہونے والی ہے، جس کی ابتداء غزوۂ بدر سے ہوگئی اور فتح مکہ تک چھ سال کی قلیل مدت میں اس کا مکمل ظہور ہوگیا۔

اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ اس آیت میں فرشتوں کی ایک مخصوص جماعت اور ان کے کام کا تذکرہ ہے، یہ ان فرشتوں کی جماعت ہے جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں، اور وہ جو عرش کے اردگرد ہیں، ان کا ایک کام یہ ہے کہ یہ اللہ کی تسبیح وتحمید کرتے ہیں اور اس کے سامنے عجز وتذلل کا اظہار کرتے ہیں، دوسرا کام یہ کہ اہل ایمان کے لئے دعاء مغفرت کرتے ہیں، اَخْرَجَ ابو الشیخ عن وھب حملة العرش اربعة الخ ابوالشیخ نے وہب سے بیان کیا کہ حاملین عرش چار فرشتے ہیں قیامت کے دن ان کی تعداد آٹھ ہوجائے گی۔ (روح المعانی، ابن کثیر) حاملین عرش اور مقرب فرشتے مومنین کے لئے یہ دعاء بھی کرتے ہیں وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِھِمْ وَازواجھم وذُرِّیّٰتِھم یعنی ان کے آباؤ اجداد اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے جن میں مغفرت کی صلاحیت ہو یعنی جن کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہو، ان کو بھی انہیں لوگوں کے ساتھ جنت میں داخل فرما، اس سے معلوم ہوا کہ ایمان تو شرط نجات ہے، اگر مذکورہ اہل جنت کے آباؤ اجداد کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہو اگرچہ عمل میں اس درجہ کے نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ ان متعلقین کو بھی محض اپنے فضل وکرم سے جنت میں انہیں کے ساتھ کردیں گے اور ان کو ایک درجہ میں کرنے کی یہ شکل ہوگی کہ ان میں سے جو ان جنتیوں سے نیچے درجہ میں ہوں گے ان کو

ترقی دیکر اوپر کے درجہ میں پہنچا دیا جائے گا نہ یہ کہ اوپر کے درجہ والوں کی تنزلی کر کے نیچے کے درجہ میں لا کر یکجا کیا جائیگا، اسی کو ایک دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے اَلْحَقْنَا بِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ.

حضرت سعید بن میسیّب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا کہ مومن جب جنت میں جائے گا تو اپنے باپ بیٹے، بھائی وغیرہ کو پوچھے گا کہ وہ کہاں ہیں اس کو بتلایا جائے گا کہ انہوں نے تمہارے جیسا عمل نہیں کیا اس لئے وہ یہاں نہیں پہنچ سکے، یہ کہے گا کہ میں نے جو عمل کیا تھا وہ صرف اپنے لئے نہیں کیا تھا بلکہ اپنے اوران کے لئے کیا تھا تو حکم ہوگا کہ ان کو بھی جنت میں داخل کر دو۔

(ابن کثیر، معارف)

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُنَادَوْنَ مِنْ قِبَلِ المَلٰئِکَۃِ وھم یمقُتُونَ انفُسَھم عِندَ دخُولِھِم النار **لَمَقْتُ اللّٰہِ** ایَّاکم **اَکْبَرُ مِنْ مَّقْتِکُمْ اَنْفُسَکُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ** فی الدُّنیا **اِلَی الْاِیْمَانِ فَتَکْفُرُوْنَ**⑩ **قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَیْنِ** اِمَاتَتَیْنِ **وَاَحْیَیْتَنَا اثْنَتَیْنِ** اِحیائَینِ لِاَنَّھُم کَانُوا نُطفًا اَمْوَاتًا فاُحیُوا ثم اُمِیتُوا ثم اُحیُوا للبَعثِ **فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا** بِکُفرِنَا بالبَعْثِ **فَھَلْ اِلٰی خُرُوْجٍ** مِنَ النَّارِ والرُّجُوعِ الی الدُّنیا لِنُطِیعَ رَبَّنَا **مِّنْ سَبِیْلٍ**⑪ طَرِیقٍ وجَوابُھم لا **ذٰلِکُمْ** ای العذابُ الذی اَنتُم فیه **بِاَنَّهٗ** ای بِسَبَبِ اَنَّهٗ فی الدُّنیا **اِذَا دُعِیَ اللّٰہُ وَحْدَهٗ کَفَرْتُمْ** بتَوحِیدِہ **وَاِنْ یُّشْرَکْ بِهٖ** یُجعَلُ له شَرِیکٌ **تُؤْمِنُوْا** تُصدِّقُوا بالاِشراکِ **فَالْحُکْمُ** فی تَعذِیبِکم **لِلّٰہِ الْعَلِیِّ** علی خَلقِهٖ **الْکَبِیْرِ**⑫ العَظِیمِ **ھُوَ الَّذِیْ یُرِیْکُمْ اٰیٰتِهٖ** دَلَائِلَ تَوحِیدِہ **وَیُنَزِّلُ لَکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا** بالمَطَرِ **وَمَا یَتَذَکَّرُ** یَتَّعِظُ **اِلَّا مَنْ یُّنِیْبُ**⑬ یَرجِعُ عَنِ الشِّرکِ **فَادْعُوا اللّٰہَ** اُعبُدُوہ **مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ** مِنَ الشِّرکِ **وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ**⑭ اِخلاصَکُم منه **رَفِیْعُ الدَّرَجٰتِ** ای اللّٰہُ عَظِیمُ الصِّفَاتِ او رَافِعُ دَرجَاتِ المُؤمِنِینَ فِی الجَنَّةِ **ذُو الْعَرْشِ** خَالِقُهٗ **یُلْقِی الرُّوْحَ** الوَحْیَ **مِنْ اَمْرِهٖ** ای قَولِهٖ **عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِیُنْذِرَ** یُخَوِّفَ المُلقٰی علیه الناسَ **یَوْمَ التَّلَاقِ**⑮ بِحَذفِ الیاءِ واِثباتِھا یومَ القِیٰمَةِ لِتَلاقِی اھلِ السَّماءِ والاَرضِ والعَابِدِ والمَعبُودِ والظالمِ والمَظلُومِ فیه **یَوْمَ ھُمْ بٰرِزُوْنَ** خَارِجُونَ مِن قُبُورِھم **لَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰہِ مِنْھُمْ شَیْءٌ لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ** یَقُولُه تعالیٰ ویُجِیبُ نفسه **لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَھَّارِ**⑯ ای لِخَلقِهٖ **اَلْیَوْمَ تُجْزٰی کُلُّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ لَا ظُلْمَ الْیَوْمَ اِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ**⑰ یُحَاسِبُ جَمِیعَ الخَلقِ فِی قَدرِ نِصفِ نَھارٍ مِن اَیَّامِ الدُّنیا لِحَدِیثٍ بذٰلک **وَاَنْذِرْھُمْ یَوْمَ الْاٰزِفَةِ** یومَ القِیٰمَةِ مِن ازِفَ الرحِیلُ قَرُبَ **اِذِ الْقُلُوْبُ** تَرتَفِعُ خوفًا **لَدَی** عِندَ **الْحَنَاجِرِ کٰظِمِیْنَ** مُمتَلِئِینَ غمًّا حالٌ مِنَ القُلُوبِ عُومِلَتْ بِالجَمعِ بالیاءِ والنُونِ مُعامَلَةَ اَصحَابِھا **مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ** مُحِبٍّ **وَّلَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُ**⑱ لا مَفھُومَ لِلوَصفِ اِذ لا شَفِیعَ لھم اَصلاً فمَالَنا مِن شَافِعِینَ اَولَهٗ مفھُومٌ بِناءً علی زَعمِھم اَنَّ لھم شُفَعَاءَ ای لو شَفَعُوا فرضًا لم یُقبَلُوا **یَعْلَمُ** ای اللّٰہُ

خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ بِمُسَارَقَتِهَا النَظَرَ الى مُحَرَّمٍ وَمَا تُخْفِى الصُّدُوْرُ﴿١٩﴾ القُلُوبُ وَاللّٰهُ يَقْضِى بِالْحَقِّ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَعْبُدُونَ اى كُفَّارُ مَكَّةَ بالياءِ والتاءِ مِنْ دُوْنِهٖ وهُمُ الاصنامُ لَا يَقْضُوْنَ بِشَىْءٍ فكيفَ يكونُونَ شُرَكَاءَ لِلّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ لِاَقوالِهِم الْبَصِيْرُ﴿٢٠﴾ بِاَفعالِهِم.

ترجمہ: کافروں سے فرشتوں کی جانب سے پکار کر کہہ دیا جائے گا اور وہ جہنم میں داخل ہوتے وقت خود اپنے اوپر غصہ ہوں گے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی تمہارے اوپر غضبنا کی کہیں زیادہ تھی تمہارے اپنے اوپر غصہ ہونے سے جس وقت کہ تم کو دنیا میں ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا مگر تم نہیں مانتے تھے تو وہ لوگ کہیں گے اے ہمارے پروردگار تو نے ہم کو دو مرتبہ موت دی اور دو مرتبہ زندہ کیا اس لئے کہ وہ بے جان نطفے تھے بعد ازاں ان کو زندہ کیا گیا، پھر ان کو موت دی گئی پھر ان کو بعث کے لئے زندہ کیا گیا سو ہم اپنے گناہوں (یعنی) انکار بالبعث کا اقرار کرتے ہیں تو کیا نار دوزخ سے نکلنے اور دنیا کی طرف واپس جانے کی کوئی صورت ہے تاکہ ہم اپنے پروردگار کی اطاعت کریں، ان کو جواب دیا جائے گا، نہیں، یہ یعنی وہ عذاب جس میں تم مبتلا ہو اس سبب سے ہے کہ دنیا میں جب اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا تھا تو تم اس کی توحید کا انکار کرتے تھے اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا تھا یعنی اس کا شریک ٹھہرایا جاتا تھا تو اس کو مان لیتے تھے (یعنی) شرک کرنے کی تصدیق کرتے تھے پس اب تم کو عذاب دینے کے بارے میں فیصلہ اس اللہ کا ہے جو اپنی مخلوق پر برتر اور عظیم ہے، وہی ہے جو تمہیں اپنی نشانیاں یعنی اپنی توحید کے دلائل دکھلاتا ہے اور تمہارے لئے آسمان سے بارش کے ذریعہ روزی اتارتا ہے، نصیحت تو وہی حاصل کرتا ہے جو شرک سے رجوع کرتا ہے تم اللہ کو پکارتے رہو (یعنی) اس کی بندگی کرتے رہو دین کو اس کے لئے شرک سے خالص کر کے گو کافر تمہارے (دین کو) شرک سے خالص کرنے کو ناپسند کریں (تم اس کی پرواہ نہ کرو) اس لئے کہ وہ یعنی اللہ رفیع الدرجات ہے عظیم الصفات ہے، اور جنت میں مومنین کے درجات کو بلند کرنے والا ہے، عرش کا مالک یعنی اس کا خالق ہے اور وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے کلام سے وحی نازل کرتا ہے، تاکہ وہ یعنی (صاحب وحی) جس پر وحی نازل کی جاتی ہے لوگوں کو ملاقات کے دن سے ڈرائے (تلاق) میں (ی) کے حذف و اثبات کے ساتھ ہے (اور وہ) قیامت کا دن ہے، اس میں زمین اور آسمان والوں اور عابد و معبود اور ظالم و مظلوم کے ملنے کی وجہ سے جس دن سب لوگ ظاہر ہوں گے یعنی اپنی قبروں سے نکلیں گے ان کی کوئی چیز اللہ سے پوشیدہ نہ رہے گی، اللہ تعالیٰ فرمائے گا آج کس کی بادشاہت ہے؟ اور خود ہی جواب دے گا فقط اللہ ہی کی جو یکتا ہے اور اپنی مخلوق پر غالب ہے آج ہر شخص کو اس کی کمائی کا بدلہ دیا جائے گا آج (کسی قسم کا) ظلم نہیں اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے تمام مخلوق کا دنیا کے دنوں میں سے نصف دن کی مقدار میں حساب کر دے گا، حدیث میں اسی طرح وارد ہونے کی وجہ سے اور ان کو قریب آنے والے دن (کی مصیبت) یعنی قیامت کے دن سے آگاہ کیجئے یہ اَزِفَ الرَّحِيلُ بمعنی قَرُبَ سے ماخوذ ہے جبکہ دل خوف کی وجہ سے اچھل کر حلق تک پہنچ رہے ہوں گے (یعنی کلیجے منہ کو آ رہے ہوں گے) گھٹ گھٹ

رہے ہوں گے، غم میں ڈوبے ہوئے ہوں گے (کاظمین) قلوب سے حال ہے (کاظمین) میں یا اور نون کے ساتھ جمع لا کر صاحب قلوب کا سا معاملہ کیا گیا (یعنی قلوب سے اصحاب القلوب مراد ہیں) ظالموں کا نہ کوئی دوست ہوگا نہ کوئی سفارشی کہ جس کی بات مانی جائے وصف (یعنی یُطاع) کا مفہوم مخالف مراد نہیں ہے اس لئے کہ سرے سے ان کا کوئی شفیع ہی نہ ہوگا (نہ مطاع اور نہ غیر مطاع) ان کے قول فما لنا من شافعین کے بقول (ہمارا کوئی سفارشی نہیں) یا وصف (یطاع) کا مفہوم مخالف ہے، ان کے گمان کے مطابق کہ ان کے سفارشی ہیں، یعنی بالفرض اگر سفارش کریں تو ان کی سفارش قبول نہ کی جائے، وہ یعنی اللہ آنکھوں کی خیانت یعنی حرام چیزوں کی طرف دزدیدہ نگاہی کو اور دلوں کی پوشیدہ باتوں کو خوب جانتا ہے اور اللہ ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرے گا، اس کے سوا جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں (بندگی کرتے ہیں) اور وہ بت ہیں (تدعونَ) میں یا اور تا کے ساتھ، وہ کسی چیز کا بھی فیصلہ نہیں کر سکتے تو پھر وہ اللہ کے کس طرح شریک ہو سکتے ہیں، بلاشبہ اللہ ان کے اقوال کا خوب سننے والا اور ان کے افعال کا دیکھنے والا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: یُنادَونَ جمع مذکر حاضر مضارع مجہول مصدر مُنادَاةٌ (مفاعلة) ان کو پکارا جائے گا۔

قولہ: یَمْقُتُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ای یَبْغُضُوْنَ اَنْفُسَهُمْ (ن) مَقْتًا کسی کو جرم کے ارتکاب کی وجہ سے ناپسند کرنا، دشمن سمجھنا۔

قولہ: تُدْعَوْنَ مضارع جمع مذکر حاضر مجہول (مصدر) دعاء۔

قولہ: اَمَتَّنَا تو نے ہم کو موت دی، مصدر اِمَاتَةٌ موت دینا، ماضی واحد مذکر حاضر نا ضمیر جمع متکلم۔

قولہ: اَمَتَّنَا اثْنَتَیْنِ، اَحْیَیْتَنَا اثْنَتَیْنِ دونوں جگہ اِثْنَتَیْنِ مصدر محذوف کی صفت ہے، ای اَمَتَّنَا اماتَتَینِ اثنَتَینِ و أحْیَیْتَنَا اِحیَاءَ تَیْنِ دونوں جگہ مصدر کو حذف کر کے صفت کو ان کے قائم مقام کر دیا گیا ہے، مفسر علام نے اِماتَتین اور اِحیائتَین کا اضافہ کر کے اشارہ کر دیا کہ یہ دونوں مصدر محذوف ہیں اور اثنتین صفت۔

قولہ: ذلکم بأنَّهُ، ذلکم اسم اشارہ مبتداء، مشارٌ الیہ، عذاب، بِأنَّهُ مبتداء کی خبر۔

قولہ: ای اللّٰہ عظیم الصفات اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رفیعٌ صفت مشبہ کا صیغہ ہے اور مبتداء محذوف کی خبر ہے ای هُوَ مُنَزَّهٌ فِی صِفَاتِهٖ عن کل نقصٍ.

قولہ: اَوْ رَافِعٌ، فعیل مبالغہ کا صیغہ بمعنی فاعل ہے۔

قولہ: مِنْ اَمْرِهٖ جار مجرور یُلْقِی کے متعلق ہے مِنْ ابتداء غایت کے لئے ہے۔

قولہ: یُخَوِّفُ المُلقٰی عَلَیْهِ النَّاسَ، المُلقٰی علیه، یخوِّفُ کا فاعل ہے، النَّاسَ مفعول ہے، اور مُلقٰی علَیْهِ سے مراد، رسول یا نبی ہے۔

قِوْلَہٗ: تلاق ایک دوسرے سے ملاقات کرنا، باہم جمع ہونا، یہ اصل میں تَلَاقِی تھا، جو باب تفاعل کا مصدر ہے، آخر سے (ی) حرف علت حذف ہوگئی اس میں اثبات (ی) اور اسقاط (ی) دونوں جائز ہیں۔

قِوْلَہٗ: لِتَلاقی اهل السماء والارض الخ یہ قیامت کے دن کا یوم التلاق نام رکھنے کی علت کا بیان ہے۔

قِوْلَہٗ: یومَ هم بارزون، یومَ التلاقِ سے بدل الکل ہے، یوم جملہ اسمیہ کی طرف مضاف ہے، هم مبتداء، بارزونَ خبر اول لا یَخفٰی خبر ثانی لَا یَخفٰی، بارِزونَ کی ضمیر سے حال بھی ہوسکتا ہے، زمخشری نے حال کو راجح قرار دیا ہے۔

قِوْلَہٗ: لِمَنِ الملكُ الیومَ یہ روز قیامت واقع ہونے والے سوال وجواب کی حکایت ہے یعنی اللہ قیامت کے روز لمن الملك الیوم کہہ کر سوال فرمائیں گے اور خود ہی لِلّٰهِ الواحد القهار کہہ کر جواب دیں گے لِمَنْ خبر مقدم ہے، اور اَلملكُ مبتداء مؤخر ہے۔

قِوْلَہٗ: لِلّٰهِ مبتداء محذوف کی خبر ہے ای اَلْمُلْكُ لِلّٰهِ زمخشری نے کہا ہے، قیامت کے دن ایک منادی ندا دے گا، لِمَنِ المُلكُ الیومَ؟ تو اہل محشر جواب دیں گے لِلّٰهِ الواحِدِ القَهّارِ.

قِوْلَہٗ: الیومَ تُجزٰی، الیومَ تجزیٰ کا ظرف مقدم ہے اور کُلُّ نفسٍ. تُجزٰی کا نائب فاعل ہے۔

قِوْلَہٗ: الآزِفَةَ یہ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے، یہ اَزِفَ الرحیل سے مشتق ہے ای قَرُبَ، قیامت چونکہ دن بدن قریب ہو رہی ہے، اسی وجہ سے اس کو آزِفة کہا گیا ہے۔

قِوْلَہٗ: الحناجر یہ حَنْجَرٌ کی جمع ہے بمعنی گلا (مختار میں ہے) الحَنْجَرَةُ بالفتح والحُنجُورُ بالضم الْحُلْقُوْمُ وبالفارسیة گلو.

قِوْلَہٗ: کاظمین یہ کاظِمٌ کی جمع مذکر سالم ہے، یہ القلوب سے حال ہے قاعدہ کے مطابق کاظمَةً ہونا چاہئے، اس لئے کہ قلوب غیر ذوی العقول ہیں، مگر کاظمین جو کہ ذوی العقول کی صفت ہے، اس کی نسبت قلوب کی طرف کی گئی ہے جو کہ غیر ذوی العقول ہیں تو گویا کہ غیر ذوی العقول کے ساتھ ذوی العقول کا معاملہ کیا گیا اسی مناسبت سے کاظمةً کے بجائے کاظمین لائے ہیں، کظمٌ کے معنی ہیں نہایت غم وغصہ کی حالت میں دم بخود رہ جانا، ایسی صورت میں بولا جاتا ہے، خون کے گھونٹ پینا جس کو فارسی میں خشم فروخوردن کہتے ہیں۔

قِوْلَہٗ: یَعْلَمُ خَائِنَةَ الاَعْیُن یہ سابق میں مذکور هوَ الَّذِی یُرِیْکُمْ الخ میں هُوَ مبتداء کی خبر ثانی ہے اَلَّذِی یریکم خبر اول ہے (دوسری ترکیب یہ ہوسکتی ہے) کہ یَعْلَمُ خَائِنَةَ الاَعْیُن، هو، مبتداء محذوف کی چوتھی خبر ہے، ① پہلی رفیع الدرجات ② دوسری ذو العرش ③ تیسری یُلقِی الروح ④ چوتھی یَعْلَمُ خَائِنَةَ الاَعْیُن.

تفسیر و تشریح

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُنَادَوْنَ یہ کافروں کے دوزخ میں داخل ہونے کے بعد کی حالت کا بیان ہے، کفار و مشرکین جب دوزخ میں داخل ہونے کے بعد دنیا میں اپنے کفر و شرک اختیار کرنے پر حسرت و افسوس کا اظہار کریں گے اور ان کو خود اپنی ذات سے نفرت ہوگی، یہاں تک کہ مارے غصے کے اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ کر کھا جائیں گے جیسا کہ درمنثور میں حضرت حسن سے روایت ہے، تو اس وقت کافروں سے کہا جائے گا کہ جیسی تم کو اس وقت اپنے سے نفرت ہے اس سے بڑھ کر خدا کو تم سے نفرت تھی جبکہ تم کو ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا تو تم نہیں مانا کرتے تھے، اللہ کی اس ناراضگی ہی کا نتیجہ ہے کہ آج تم جہنم میں ہو۔

دو موت اور دو زندگیوں سے کیا مراد ہے؟

جمہور مفسرین کی تفسیر کے مطابق دو موتوں میں سے پہلی موت تو وہ نطفہ ہے جو باپ کی پشت میں ہوتا ہے، یعنی اس کے وجود سے پہلے اس کے عدم کو موت سے تعبیر کیا گیا ہے، اور دوسری موت وہ ہے، جس سے انسان اپنی زندگی گذار کر ہمکنار ہوتا ہے، اور اس کے بعد قبر میں دفن ہو جاتا ہے، اور دو زندگیوں میں سے پہلی زندگی یہ دنیوی زندگی ہے جس کا آغاز ولادت سے اور اختتام وفات پر ہوتا ہے، اور دوسری زندگی وہ ہے جو روز قیامت قبروں سے اٹھنے کے بعد حاصل ہوگی، ان ہی دونوں موتوں اور زندگیوں کا تذکرہ سورۂ بقرہ کی آیت ۲۸ میں بھی کیا گیا ہے وَکُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ.

جہنم میں داخل ہونے کے بعد مشرکین اپنے شرک و کفر کے جرم کا اعتراف و اقرار کریں گے جبکہ اعتراف کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، اور اظہار ندامت و پشیمانی کریں گے جبکہ پشیمانی کچھ کام نہ آئے گی۔

رفیع الدرجات ''درجات'' سے بعض حضرات نے صفات مراد لی ہیں یعنی رفیع الدرجات کا مطلب ہے رفیع الصفات یعنی اس کی صفات کمال سب سے زیادہ رفیع الشان ہیں، ابن کثیر نے اس کو اپنے ظاہر پر رکھ کر یہ معنی بیان کئے ہیں کہ اس سے مراد رفعت عرش عظیم کا بیان ہے کہ وہ تمام زمینوں اور آسمانوں پر حاوی ہے، اور بعض حضرات مفسرین نے رفیع الدرجات کو رافع الدرجات کے معنی میں لیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ مومنین متقین کے درجات کو بلند فرمانے والے ہیں، جیسا کہ قرآن کی آیات اس پر شاہد ہیں نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَنْ نَشَاءُ مذکورہ دونوں معنی کی طرف مفسر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے اپنی تفسیری عبارت سے اشارہ کر دیا ہے۔

یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِہٖ روح سے مراد وحی ہے، جس کو اپنے بندوں میں سے کسی کو منتخب کر کے اس پر نازل کرتا ہے، وحی کو روح سے اس لئے تعبیر فرمایا ہے کہ جس طرح روح میں انسانی زندگی کی بقاء و سلامتی کا راز مضمر ہے، اسی طرح وحی سے بھی ان

انسانی قلوب میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے جو پہلے کفر وشرک کی وجہ سے مردہ تھے۔

یَوْمَ هم بارزون (الآیة) قیامت کے دن تمام انسان اس کے سامنے میدان حشر میں جمع ہوں گے، اللہ تعالیٰ زمین کو اپنی مٹھی میں اور آسمان کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا، اور کہے گا میں بادشاہ ہوں، زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟

(صحیح بخاری سورهٔ زمر)

اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ کَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ کَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وفی قراءةٍ منكم وَّاٰثَارًا فِی الْاَرْضِ من مصانع وقصور فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ اهلكهم بِذُنُوْبِهِمْ وَمَا کَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۲۱﴾ عذابه ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ کَانَتْ تَّاْتِیْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ بالمعجزات الظاهرات فَکَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ اِنَّهٗ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۳﴾ برهان بين ظاهر اِلٰی فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا هو سٰحِرٌ کَذَّابٌ ﴿۲۴﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ بالصدق مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْیُوْا استبقوا نِسَآءَهُمْ وَمَا کَیْدُ الْکٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ﴿۲۵﴾ هلاك وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِیْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰی لانهم كانوا يكفونه عن قتله وَلْیَدْعُ رَبَّهٗ ليمنعه منى اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّبَدِّلَ دِیْنَکُمْ من عبادتكم اياى فتتبعونه اَوْ اَنْ یُّظْهِرَ فِی الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿۲۶﴾ من قتل وغيره وفى قراءةٍ او وفى أخرى بفتح الياء والهاء وضم الدال وَقَالَ مُوْسٰی لقومه وقد سمع ذلك اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّکُمْ مِّنْ کُلِّ مُتَکَبِّرٍ لَّا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۲۷﴾ ع ۸

ترجمہ: کیا یہ لوگ زمین پر چلتے پھرتے نہیں؟ کہ دیکھتے کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا کیسا کچھ انجام ہوا وہ باعتبار قوت وطاقت کے اور باعتبار زمین میں اپنی یادگاروں کے، ان سے بہت بڑھے ہوئے تھے اور وہ یادگاریں پانی کے بڑے بڑے حوض اور محلات تھے، اور ایک قراءت میں مِنْهُمْ کی بجائے مِنْكُمْ ہے، پس اللہ نے انہیں ان کے گناہوں پر پکڑ لیا (ہلاک کر دیا) اور کوئی نہ ہوا جو انہیں اللہ کے عذاب سے بچا لیتا، یہ اس وجہ سے کہ ان کے پاس ان کے پیغمبر کھلے معجزے لیکر آتے تھے تو وہ انکار کر دیتے تھے سو اللہ نے ان کو گرفت میں لے لیا، یقیناً وہ طاقتور اور سخت عذاب والا ہے اور ہم نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی آیتوں اور واضح دلیلوں کے ساتھ فرعون، ہامان اور قارون کی طرف بھیجا تو انہوں نے کہا (یہ تو) جادوگر (اور) جھوٹا ہے، پس جب (موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام) ہماری طرف سے حق لے کر آئے تو انہوں نے کہا کہ ان پر جو ایمان لانے والے ہیں ان کے لڑکوں کو قتل کر دو اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رکھو اور کافروں کی تدبیر محض بے اثر رہی، اور فرعون نے کہا مجھے چھوڑ دو کہ میں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قتل کر دوں، اس لئے کہ وہ اس کو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قتل سے منع کرتے تھے اور اسے چاہئے کہ اپنے رب کو بلالے تاکہ وہ اس کو مجھ سے بچا سکے، مجھے تو اندیشہ ہے کہ کہیں تمہارا دین نہ بدل ڈالے یعنی تمہارے

میری عبادت کرنے کو، کہ تم اسی کی اتباع کرنے لگو، اور ملک میں کوئی (بہت بڑا) فساد برپا نہ کردے (مثلاً) قتل وغیرہ ایک قراءت میں (واؤ کے بجائے) اَوْ ہے، اور دوسری میں یُظْهِرُ کی بجائے یَظْهَرُ (ی اور ہا) کے فتحہ اور (دال) کے ضمہ کے ساتھ ہے اور موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی قوم سے کہا حال یہ کہ موسیٰ اس بات کو یعنی اپنے قتل کی بات کو سن چکے تھے، میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں آتا ہوں ہر تکبر کرنے والے شخص (کی برائی) سے جو روز حساب پر ایمان نہیں رکھتا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: فينظروا كَيْفَ كَانَ عاقِبَةُ الَّذينَ كانُوْا مِنْ قَبْلِهِم كانُوْاهُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ، كيفَ، كانَ کی خبر مقدم ہے، عاقِبَةُ، کانَ کا اسم جملہ ہوکر ینظر کا مفعول ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے کانُوا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قوةً وَّ اٰثارًا فِي الارضِ، كانُوْا فعل ناقص اس کے اندر ضمیر اس کا اسم اَشَدَّ خبر هُمْ ضمیر فصل قُوَّةً تمیز معطوف علیہ اٰثارًا معطوف۔

سوال: ضمیر فصل دو معرفوں کے درمیان واقع ہوتی ہے نہ کہ دو نکروں یا ایک معرفہ اور ایک نکرہ کے درمیان، یہاں هُمْ معرفہ اور اَشَدَّ نکرہ کے درمیان واقع ہے۔

جواب: نکرہ اگر مشابہ بالمعرفہ ہو تو ضمیر فصل کا نکرہ اور معرفہ کے درمیان میں واقع ہونا درست ہوتا ہے، یہاں اَشَدُّ جو کہ نکرہ ہے مشابہ بالمعرفہ ہے، اس لئے کہ اس پر الف لام کا داخل ہونا منع ہے، اس لئے کہ اسم تفضیل جب مقرون بمن ہو تو اس پر الف لام داخل نہیں ہوا کرتا، اور یہ مشابہ بالمعرفہ ہونے کی علامت ہے، لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

قولہ: مَصَانِعُ یہ مصنع کی جمع ہے، مصنع متعدد معانی میں مستعمل ہے، بڑا حوض جس میں بارش کا پانی جمع ہو، نیز قلعے اور محلات کو بھی کہتے ہیں مفسر علام نے اٰثارًا کی تفسیر مصانع اور قصور سے کی ہے، قصور قصر کی جمع ہے محلات کو کہتے ہیں، مصانع سے قلعے اور بڑے تالاب یعنی ڈیم مراد ہو سکتے ہیں۔

قولہ: عذابه اس سے حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے مِن الله ای مِنْ عذابِ الله.

تفسیر و تشریح

ربط آیات:

گذشتہ آیات میں آخرت کے احوال اور اس کی ہولناکیوں کا بیان تھا، اب دنیا کے احوال سے انہیں ڈرایا جا رہا ہے، کہ یہ لوگ ذرا زمین میں چل پھر کر ان قوموں کا انجام دیکھیں جو ان سے پہلے اس جرم تکذیب میں ہلاک ہو چکی ہیں، جس کا ارتکاب

یہ کر رہے ہیں، درانحالیکہ گذشتہ قومیں قوت وآثار میں ان سے کہیں بڑھ کر تھیں، لیکن جب ان پر اللہ کا قہر نازل ہوا تو ان کو کوئی نہ بچا سکا، اسی طرح تم پر بھی عذاب آسکتا ہے، اگر آ گیا تو پھر تمہارا کوئی پشت پناہ نہ ہوگا۔

ذٰلک بِاَنَّھُمْ کَانَتْ تَاتِیْھِمْ (الآیة) یہ ان کی ہلاکت کی علت کا بیان ہے، اور وہ ہے اللہ کی آیتوں کا انکار اور اس کے رسولوں کی تکذیب، اب سلسلۂ نبوت ورسالت تو بند ہے، تاہم آفاق وانفس میں بے شمار آیات الٰہی بکھری اور پھیلی ہوئی ہیں، علاوہ ازیں وعظ وتذکیر اور دعوت وتبلیغ کے ذریعہ علماء اور داعیان حق ان کی وضاحت اور نشاندہی کے لئے موجود ہیں، اس لئے آج بھی جو آیات الٰہی سے اعراض اور دین وشریعت سے غفلت کرے گا، اس کا انجام مکذبین اور متکبرین رسالت سے مختلف نہیں ہوگا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا موسٰی بِاٰیٰتِنَا (الآیة) آیات سے مراد وہ نو نشانیاں بھی ہو سکتی ہیں جن کا تذکرہ متعدد بار آچکا ہے، یا ان میں سے دو بڑے معجزے عصا اور ید بیضاء مراد ہو سکتے ہیں، سلطانٌ مبینٌ سے مراد قوی دلیل اور حجت واضحہ ہیں، جس کا ان کے پاس کوئی جواب نہ ہو بجز ڈھٹائی اور بے شرمی کے۔

اِلٰی فِرْعَوْنَ وھَامَانَ وقارُوْنَ فرعون مصر میں قبطیوں کا بادشاہ تھا بڑا ظالم وجابر، اور رب اعلیٰ ہونے کا دعویٰ کرتا تھا، اس نے حضرت موسیٰ کی قوم کو غلام بنا رکھا تھا، اور ان پر قسم قسم کی سختیاں کرتا تھا، جیسا کہ قرآن میں متعدد مقامات پر اس کی تفصیل موجود ہے، ہامان فرعون کا وزیر ومشیر خاص تھا، اور قارون اپنے وقت کا مالدار ترین شخص تھا، ان سب نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تکذیب کی اور انہیں جادوگر اور کذاب کہا۔

قَالُوا اقْتُلُوْا اَبْنَاءَ الَّذِیْنَ آمنوا مَعَهٗ (الآیة) فرعون لڑکوں کے قتل کا کام پہلے سے بھی کر رہا تھا تاکہ وہ بچہ پیدا نہ ہو جو نجومیوں کی پیش گوئی کے مطابق اس کی بادشاہت کے لئے خطرے کا باعث تھا، موسیٰ کی بعثت اور ان کے معجزات دیکھنے کے بعد دوبارہ بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرنے کا حکم دیا اس کا ایک مقصد موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تذلیل وتوہین تھی نیز یہ کہ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وجود کو اپنے لئے نحوست ومصیبت سمجھیں، جیسا کہ بنی اسرائیل نے ایک موقع پر کہا بھی تھا اُوْذِیْنَا مِنْ قبلِ أن تَاْتِیَنَا وَمِن بعدِ مَا جِئْتَنَا (اعراف) اے موسیٰ! (علیہ الصلوٰۃ والسلام) تیرے آنے سے قبل بھی ہم اذیتوں سے دوچار تھے اور تیرے آنے کے بعد بھی ہمارا یہی حال ہے۔

قال قتادة: هٰذا قتلٌ غیرَ القتل الاَوَّل قتل کا یہ دوسرا حکم اول حکم کے علاوہ ہے۔

(فتح القدیر شوکانی، ایسر التفاسیر، تائب، معارف)

وقَالَ فرعون ذرونی اَقْتُلْ موسٰی فرعون نے کہا مجھے چھوڑ دو تاکہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قتل کر دوں، فرعون نے یہ بات یا تو اس وجہ سے کہی کہ اہل دربار میں سے کچھ لوگوں نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قتل کو مصلحتِ ملکی کے خلاف سمجھا ہو، کہ عام چرچا ہو جائے گا، کہ ایک بے سروسامان شخص سے ڈر گئے، یا لوگوں کو یہ تاثر اور مغالطہ دینا تھا کہ اب تک موسیٰ کو صرف اس لئے قتل نہیں کیا کہ درباریوں کی رائے نہیں تھی ورنہ موسیٰ کو قتل سے کوئی چیز مانع نہیں ہے، حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات باہرہ

دیکھنے کے بعد خود فرعون کا حوصلہ نہیں تھا، کہ ان کو قتل کردے، مبادا کسی آسمانی عذاب میں مبتلا ہو جائے، اس لئے کہ فرعون کو دل میں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سچا رسول ہونے کا یقین تھا، مگر لوگوں کو بے وقوف بنانے اور اپنی ریاست باقی رکھنے کے لئے ایسی حرکتیں کرتا تھا، اسرائیلی لڑکوں کو قتل کرنے کے دو مقصد تھے، اول یہ کہ بنی اسرائیل کی عددی قوت میں اضافہ نہ ہو، دوسرے یہ کہ اس کی عزت میں کمی نہ ہو، فرعون کو یہ دونوں مقصد حاصل نہیں ہوئے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم ہی کو غرق دریا کردیا، اور بنی اسرائیل کو بابرکت زمین کا مالک بنادیا۔

وَقَالَ موسیٰ اِنِی عُذْتُ بربی (الآیة) حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم میں جب یہ بات آئی کہ فرعون مجھے قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے شر سے بچنے کے لئے دعاء مانگی، نبی کریم ﷺ کو جب کسی دشمن کا خطرہ ہوتا تھا تو یہ دعاء مانگا کرتے تھے **اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِي نحورِهم ونعوذبك من شرورهم** (مسند احمد) اے اللہ ہم تجھ کو ان کے مقابلہ میں کرتے ہیں اور ان کی شرارتوں سے تیری پناہ طلب کرتے ہیں۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ قِيلَ هو ابْنُ عَمِّهِ **يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗۤ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ** اى لِاَنْ **يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ** بالمُعجِزاتِ الظّاهِراتِ **مِنْ رَّبِّكُمْ ۗ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ** اى ضَرَرُ كَذِبِهٖ **وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ۗ** به مِنَ العذاب عاجلاً **اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ** مُشرِكٌ **كَذَّابٌ ۝٢٨** مُفترٍ **يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ** غالِبِينَ حالٌ **فِي الْاَرْضِ ۡ** ارض مِصرَ **فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ** عذابه اِن قتلتُم اولياءَهُ **اِنْ جَآءَنَا ۭ** اى لا ناصرَ لنا **قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى** اى ما أُشِيرُ عليكم الا بما أُشِيرُ به علىٰ نفسِي وهو قتلُ موسىٰ **وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ۝٢٩** طريقَ الصّواب **وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ۝٣٠ۙ** اى يوم حِزبٍ بعدَ حِزبٍ **مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ** مِثْلَ بدلٌ مِن مِثْلَ قبلَهُ اى مِثْلَ جزاءِ عادةِ مَن كفرَ قبلكم مِن تعذيبِهم فى الدُّنيا **وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ۝٣١ وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ۝٣٢ۙ** بحذفِ الياءِ واثباتِها اى يومَ القيمة يَكثُرُ فيه نِداءُ أصحابِ الجنّةِ أصحابَ النار وبالعكسِ والنِداءُ بالسَّعادةِ لِاَهلِها والشَّقاوةِ لِاَهلِها وغير ذٰلك **يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ** عن موقف الحِساب الى النّار **مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ** من عذابه **مِنْ عَاصِمٍ ۚ** مانِعٍ **وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝٣٣ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ** اى قبلَ موسىٰ وهو يُوسُفُ بنُ يعقوبَ فِى قولٍ عُمِّرَ الى زمان موسىٰ او يُوسُفُ بنُ ابراهيمَ بنِ يُوسُفَ بنِ يعقوبَ فى قولٍ **بِالْبَيِّنٰتِ** بالمُعجِزاتِ الظّاهِراتِ **فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ۭ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ** مِن غيرِ بُرهانٍ **لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۭ** اى فلن تزالوا كافرِين بيُوسفَ وغيرِه **كَذٰلِكَ** اى مِثلَ اِضلالِكم

يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُشرِكٌ **مُّرْتَابٌ** شَاكٌّ فيما شهدت به البَيِّنٰتُ **الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ** مُعجزاتِه مُبتدأ **بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ** بُرهان **اَتٰهُمْ كَبُرَ** جدالهم خبرُ المُبتدأ **مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ** اى مِثل اِضلالهم **يَطْبَعُ** يختِمُ **اللّٰهُ** بالضَّلال **عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ** بتنوين قلب ودونه ومتى تكبَّرَ القلبُ تكبّر صاحبُه وبالعكس وكُلٌّ على القراء تَين لِعُموم الضَّلال جميعَ القلب لا لِعُموم القلوب **وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا** بِناءً عاليًا **لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ** طُرقها المُوصلة اليها **فَاَطَّلِعَ** بالرَّفع عَطفًا على اَبْلُغُ وبالنَّصب جوابًا لِابنِ **اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ** اى مُوسى **كَاذِبًا** فِى اَنَّ له الٰهًا غيرى وقال فِرعونُ ذٰلك تمويهًا **وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ** طريقِ الهُدى بفتحِ الصَّادِ وضمِّها **وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ** خسارٍ.

ترجمہ: اور ایک مومن شخص نے جو فرعون کے خاندان میں سے تھا کہا گیا ہے کہ وہ اس کا چچازاد بھائی تھا اور اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا، کہا تم ایک شخص کو محض اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے اور تمہارے رب کی جانب سے دلیلیں یعنی کھلے ہوئے معجزے لے کر آیا ہے اور اگر وہ جھوٹا ہو تو اس کے جھوٹ کا (وبال) اسی پر ہے، اور اگر وہ سچا ہو تو جس دنیوی عذاب کا وہ تم سے وعدہ کر رہا ہے اس میں سے کچھ نہ کچھ تم پر آپڑے گا، اللہ تعالیٰ اس کی رہبری نہیں کرتے جو (شرک کرکے) حد سے تجاوز کرنے والا ہو، جھوٹا ہو، اے میری قوم کے لوگو! آج تو بادشاہت تمہاری ہے کہ تم ملک مصر پر غالب ہو، خدا کے عذاب میں ہماری کون مدد کرے گا اگر ان کے قتل کی وجہ سے ہمارے اوپر آپڑا یعنی ہمارا کوئی مددگار نہ ہوگا، فرعون نے کہا میں تو تم کو وہی رائے دے رہا ہوں جس کو میں (بہتر) سمجھ رہا ہوں، یعنی میں تم کو وہی مشورہ دے رہا ہوں جو میرے دل میں ہے اور وہ یہ کہ موسیٰ کو قتل کرنا ہی مناسب ہے میں تم کو وہی رائے دے رہا ہوں جو صحیح ہے، اس شخص نے کہا جو مومن تھا، اے میری قوم کے لوگو! مجھے تو تمہارے بارے میں دوسری قوموں کے جیسے روز (بد) کا اندیشہ ہے یعنی یکے بعد دیگرے قوموں کے دنوں کا جیسا کہ قوم نوح اور عاد وثمود اور ان کے بعد والوں کا (حال ہوا) بعد کا مثل، پہلے، مثل سے بدل ہے، یعنی دنیا میں ان لوگوں جیسی عذاب کی سزا جنہوں نے تم سے پہلے کفر کیا، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کسی طرح کا ظلم کرنا نہیں چاہتا اور اے میری قوم (کے لوگو!) مجھے تم پر ہانک پکار کے دن کا بھی ڈر ہے (تناد) میں یا کے حذف واثبات کے ساتھ، مراد قیامت کا دن ہے، اس لئے کہ اس روز جنتیوں کی دوزخیوں کو اور دوزخیوں کی جنتیوں کو کثرت سے ہانک پکار ہوگی، اور سعادت مندوں کو سعادت کی اور شقیوں کو شقاوت وغیرہ کی (ہانک پکار بکثرت ہوگی) جس دن (موقف حساب سے) دوزخ کی طرف تم پیٹھ پھیر کر لوٹو گے، تم کو خدا کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا، اور جسے اللہ گمراہ کردے اس کا ہادی کوئی نہیں اور اس سے پہلے تمہارے پاس (حضرت) یوسف (علیہ الصلوٰۃ والسلام) دلیلیں کھلے معجزے لے کر آئے یعنی موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے اور وہ ایک قول میں یوسف بن یعقوب ہیں،

ان کو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ تک طویل عمر عطا کی گئی، یا ایک قول میں یوسف بن ابراہیم بن یوسف بن یعقوب ہیں پھر بھی تم ان کی لائی ہوئی دلیلوں کے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا رہے، یہاں تک کہ جب ان کی وفات ہوگئی تو بغیر دلیل کے کہنے لگے اب اس کے بعد ہرگز اللہ کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجے گا، یعنی ہمیشہ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دیگر (رسولوں) کے منکر رہے، اسی طرح یعنی جیسا کہ تم کو گمراہ کیا، اللہ ہر اس شخص کو گمراہ کرتا ہے جو شرک کر کے حد سے تجاوز کرنے والا ہے اور اس بات میں شک کرنے والا ہو جس کی دلائل شہادت دیتے ہیں جو لوگ اللہ کی آیتوں معجزات میں بغیر کسی دلیل کے کہ جو ان کے پاس آئی جھگڑتے ہیں (الذین) مبتداء ہے، کَبُرَ جدالھم اس کی خبر ہے، اللہ کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک یہ تو بہت بڑی ناراضگی کی چیز ہے، اللہ تعالیٰ اسی طرح ہر مغرور سرکش کے قلب پر گمراہی کی مہر لگا دیتا ہے، قلب، تنوین اور بغیر تنوین کے درست ہے اور جب قلب تکبر کرتا ہے تو صاحب قلب بھی تکبر کرتا ہے اور اس کا عکس بھی اور کُلّ دونوں قراءتوں کی صورت میں، پورے قلب کی گمراہی کو بیان کرنے کے لئے ہے نہ کہ تمام قلوب کی گمراہی کے عموم کو بیان کرنے کے لئے فرعون نے کہا اے ہامان تو میرے لئے ایک بلند عمارت بنا شاید کہ میں راہوں پر پہنچ جاؤں یعنی آسمان کی راہوں پر جو آسمانوں تک پہنچانے والی ہوں، اور موسیٰ کے معبود کو جھانک کر دیکھ لوں اَطَّلِعُ کے رفع کے ساتھ ابلغُ پر عطف کر کے، اور نصب کے ساتھ، ابنِ امر کا جواب ہونے کی وجہ سے اور میں تو موسیٰ کو اس بات میں یقیناً جھوٹا سمجھتا ہوں کہ اس کا میرے علاوہ کوئی معبود ہے، یہ بات فرعون نے تلبیس کے طور پر کہی (یعنی لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لئے) اور اسی طرح فرعون کی بداعمالیاں اس کو بھلی دکھائی گئیں، اور اس کو راہ ہدایت سے روک دیا گیا صُدَّ میں صاد کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ اور فرعون کا ہر حیلہ ناکام ہی رہا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَهُ: قَالَ رَجُلٌ مُؤمِنٌ مِنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَکْتُمُ اِیْمَانَهٗ (الآیۃ) یہ کلام مستانف ہے، اگر رجلٌ سے آل فرعون کا رجل قبطی مراد ہو جیسا کہ مفسر کی رائے ہے تو رَجُلٌ موصوف مومنٌ صفت اول مِنْ آل فرعون صفت ثانی اور یَکْتُمُ اِیْمَانَهٗ صفت ثالث ہوگی، موصوف اپنی تینوں صفات سے مل کر قالَ کا فاعل ہو کر قول اَتَقْتُلُوْنَ رجُلًا الخ مقولہ اَنْ یَقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰہ جملہ ہو کر اَتَقْتُلُوْنَ کا مفعول لہ ہے، اور اگر رجل مومن سے مراد اسرائیلی ہو جیسا کہ بعض مفسرین کی رائے ہے تو من آل فرعون، یَکْتُمُ سے متعلق ہوگا اور یکتُمُ کے مفعول ثانی کے قائم مقام ہوگا، ترجمہ یہ ہوگا وہ رجل مومن اپنے ایمان کو آل فرعون سے مخفی رکھے ہوئے تھا، (اول قول راجح ہے)۔

قِوْلَهُ: رَبِّیَ اللّٰہ، ربی مبتداء اللّٰہ اس کی خبر او علی العکس.

قِوْلَهُ: وَقَدْ جَاءَ کُمْ بِالْبَیِّنٰتِ واؤ حالیہ قَدْ حرف تحقیق الخ جملہ ہو کر رجلًا سے یا یقول کی ضمیر سے حال ہے، مگر رجلًا سے حال قرار دینے میں اعتراض ہے۔ (روح المعانی)

قَوْلُہٗ: یَكُ، کون مصدر سے واحد مذکر غائب مضارع مجزوم، علامت جزم نون محذوفہ پر سکون مقدر اصل میں یَکُنْ تھا، نون کو تخفیفاً حذف کردیا گیا، یَكُ کے اندر ھو ضمیر اس کا اسم کاذِبًا اس کی خبر۔

قَوْلُہٗ: اِنّ اللّٰہَ لا یَھْدِی مَنْ ھُوَ مُسرِف کذّابٌ اس کلام کا تعلق حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی ہوسکتا ہے اور فرعون علیہ اللعنۃ سے بھی، اگر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تعلق ہوتو مطلب یہ ہوگا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معجزات ظاہر کرنے کی توفیق وہدایت عطا فرمائی اور جس کا یہ حال ہوتو وہ مسرف وکذاب نہیں ہوسکتا، لہٰذا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مسرف وکذاب نہیں ہیں، ورنہ تو اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت معجزات وبینات نہ دیتے، اور اگر اس کا تعلق فرعون سے ہوتو مطلب یہ ہوگا فرعون موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قتل کے ارادہ میں مسرف ہے اور دعوائے الوہیۃ میں کذاب ہے اور جس کی یہ صفت ہو اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت نصیب نہیں کرتے۔ (صاوی)

قَوْلُہٗ: ظاھرین یہ لکُمْ کی ضمیر سے حال ہے۔

قَوْلُہٗ: مَا اُشِیْرُ عَلَیْکُمْ اِلَّا بِمَا اُشِیْرُ بِهٖ عَلٰی نَفْسِی یہ اللہ تعالیٰ کے قول مَا اُرِیْکُمْ اِلَّا مَا اَرٰی کی حاصل معنی کے ذریعہ تفسیر ہے، ورنہ تو الفاظ کی رعایت سے یہ تفسیر ہوگی مَا اعلمکم اِلَّا مَا عَلِمْتُ من الصواب.

قَوْلُہٗ: یوم حِزْبٍ بعد حزبٍ یہ یوم الْاحزاب کی تفسیر ہے اس کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ یوم الْاحزاب سے مراد اَیَّامُ الْاَحْزَاب ہے، اس لئے کہ گذشتہ امتوں پر عذاب ایک ہی روز واقع نہیں ہوا بلکہ مختلف ایام ومختلف زمان میں نازل ہوا۔

قَوْلُہٗ: مِثْلَ جزاء عَادَةِ مَنْ کَفَرَ قبلکم لفظ جزاء محذوف مان کر حذف مضاف کی طرف اشارہ کردیا۔

قَوْلُہٗ: عادةِ، دأبٌ کی تفسیر ہے اور مَنْ کفَرَ سے مراد امم سابقہ ہیں جنہوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی۔

قَوْلُہٗ: وغیر ذٰلك ای مثل نداء بالویل والثبور ونداء المؤمن ھاؤمُ اقرءُوْا کِتَابِیَهْ ویُنَادِی الکافرُ یا لَیْتَنِی لَمْ اُوْتَ کِتَابِیَهْ.

قَوْلُہٗ: یَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِیْنَ مَالَکُمْ مِنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ. یوم تُوَلُّوْنَ، یَوْمَ التنادِ سے بدل ہے۔

قَوْلُہٗ: مَالَکُمْ مِنَ اللّٰهِ مِنْ عاصمٍ ما نافیہ حجازیہ ہے لکُمْ خبر مقدم، مِنَ اللّٰهِ جار مجرور عاصم سے متعلق ہے من عاصِمٍ میں مِن زائدہ عاصمٍ، مَا کا اسم مؤخر، جملہ ہوکر تُوَلُّوْنَ کی ضمیر سے حال ہے۔

قَوْلُہٗ: اَلَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ یہ مَنْ ھُوَ مُسْرِفٌ سے بدل ہے۔

سُوَال: اَلَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ جمع ہے اور مَنْ ھُوَ مُسْرِفٌ واحد ہے، جمع کا واحد سے بدل واقع ہونا درست نہیں ہے۔

جَوَاب: مَنْ ھُوَ مُسْرِفٌ سے مسرف واحد مراد نہیں ہے، بلکہ کل واحد یعنی ہر مسرف مراد ہے لہٰذا جمع کا بدل واقع ہونا درست ہے۔

دُوسرا جَوَاب: مَن سے باعتبار معنی کے بدل ہے نہ کہ باعتبار لفظ کے۔

سوال: کَبُرَ کا فاعل کون ہے؟

جواب: کَبُرَ کے اندر ضمیر هُوَ جو کہ باعتبار لفظ کے مَنْ هُوَ مسرف کی طرف راجع ہے۔

قولہ: اَلَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ الخ اَلَّذِیْنَ حذف مضاف کے ساتھ مبتداء، اور کَبُرَ اس کی خبر اس کے اندر ضمیر جو مضاف محذوف کی طرف راجع ہے، جو یجادلون سے مفہوم ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی، جِدالُ الَّذِیْنَ یُجادِلُوْنَ کَبُرَ مَقْتًا، مقتًا تمیز ہے، جو فاعل سے منقول ہے، ای کَبُرَ مقتُ جدالِهِمْ.

قولہ: وعند الذین آمنوا ای و کَبُرَ مقتًا ایضًا عند الَّذِیْنَ آمنوا.

قولہ: علٰی کُلِّ قَلْب مُتَکَبِّرٍ جبَّارٍ قلب میں دو قراءتیں ہیں قَلْبٍ پر تنوین کے ساتھ اور بغیر تنوین کے ابو عمرو اور ذکوان نے تنوین کے ساتھ پڑھا ہے، اور تکبر و تجبر کو قلب کی صفت قرار دیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ ہر متکبر اور سرکش قلب پر مہر کر دیتا ہے اور باقیوں نے بغیر تنوین کے اضافت کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی ہر متکبر اور سرکش کے قلب پر مہر لگا دیتا ہے، یعنی تکبر و تجبر کو صاحب قلب کی صفت قرار دیا ہے۔

قولہ: مَتٰی تَکَبَّرَ القلبُ تکبّر صاحِبُهٗ وبالعکس اس عبارت کے اضافہ کا مقصد دونوں قراءتوں میں تطبیق دینا ہے، تطبیق کا خلاصہ یہ ہے کہ تکبر و سرکشی کی نسبت خواہ قلب کی طرف کیجائے یا صاحب قلب کی جانب دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے اس لئے کہ قلب کا تکبر صاحب قلب کے لئے اور صاحب قلب کا تکبر قلب کے لئے لازم ہے۔

قولہ: وَکُلِّ عَلَی القراءتَینِ لعموم الضلال جمیعَ القلبِ لا لِعمومِ القلوبِ اس عبارت کا مقصد یہ بتانا ہے کہ کُلِّ قلبِ متکبرٍ میں کُلّ سے مراد کل مجموعی ہے، نہ کہ کل افرادی، قلب کو تنوین کے ساتھ پڑھا جائے یا بغیر تنوین کے دونوں صورتوں میں کُلِّ مجموعی مراد ہے، کل مجموعی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ متکبر اور سرکش کے پورے قلب پر مہر لگا دیتا ہے، قلب کا کوئی جز بغیر مہر لگائے نہیں چھوڑتا، یعنی قلب کے کسی جز میں ہدایت قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رہتی، اور کُلِّ افرادی کا مطلب یہ ہے کہ ہر ہر قلب پر مہر لگا دیتا ہے کسی قلب کو بغیر مہر لگائے نہیں چھوڑتا، یعنی تمام متکبرین و سرکشوں کے قلوب پر مہر ضلالت ثبت کر دیتا ہے۔

مگر مفسر علام کا دونوں صورتوں میں کُلٌّ سے کُلِّ مجموعی مراد لینا قاعدہ معروفہ کے خلاف ہے، اس لئے کہ قاعدہ معروفہ یہ ہے کہ کُلٌّ جب نکرہ پر داخل ہو یا جمع معرفہ پر داخل ہو تو عموم افراد کے لئے ہوتا ہے، مثلاً کُلُّ قلب یا کُلُّ القلوبِ دونوں کا مطلب ہے تمام قلوب اور جب مفرد معرفہ پر داخل ہو تو عموم اجزاء کے لئے ہوتا ہے یعنی قلب کا ہر ہر جز مراد ہوتا ہے، مثلاً کہا جاتا ہے کُلُّ رُمّان حُلْوٌ ہر انار میٹھا ہے یعنی جتنے بھی انار ہیں سب میٹھے ہیں، اور اگر کہا جائے کُلُّ الرُّمّان حُلْوٌ پورا انار میٹھا ہے یعنی اس کا کوئی جز کھٹا نہیں ہے۔

قولہ: اَسْبَابَ السمٰوٰتِ تکرار کی حکمت تفصیل بعد الابہام ہے، جو کہ تفخیم و تعظیم پر دلالت کرتی ہے۔

قولہ: بالرفع اس عبارت کا مقصد فَاَطَّلِعُ کے اعراب کی وضاحت کرنا ہے، اگر رفع پڑھا جائے تو اَبْلُغُ پر عطف ہوگا

اور اگر نصب پڑھا جائے تو اِبنِ فعل امر کا ان کی تقدیر کے ساتھ جواب ہوگا۔

قِوْلَهٗ: بفتح الصاد وضمّها اگر صدَّ کے صاد پر فتحہ پڑھا جائے تو فاعل فرعون ہوگا اور اگر صاد کے ضمہ کے ساتھ پڑھا جائے تو نائب فاعل فرعون ہوگا یعنی فرعون کو راہ حق وصواب سے روک دیا گیا۔

قِوْلَهٗ: اِلَّا فِی تبابٍ. تبابٌ تَبَّ یَتِبُّ (ض) کا مصدر ہے بمعنی ہلاکت، نقصان۔

تفسیر وتشریح

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِنْ اٰلِ فرعونَ اوپر مشرکین ومتکبرین تو حید ورسالت کی وعید کے ضمن میں کفار کا خلاف وعناد مذکور تھا جس سے طبعی طور پر رسول اللہ ﷺ کو حزن وملال ہوتا تھا، آپ ﷺ کی تسلی کے لئے تقریباً دو رکوع میں حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور فرعون کا قصہ ذکر کیا گیا ہے، اس قصہ میں ایک طویل مکالمہ فرعون اور قوم فرعون کے ساتھ اس بزرگ شخص کا جو خود آل فرعون سے ہونے کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے معجزات دیکھ کر ایمان لے آیا تھا، مگر مصلحتاً چھپائے ہوئے تھا، اس مکالمہ کے وقت اس کے ایمان کا بھی حتمی اعلان ہوگیا۔

رجل مومن کون تھا؟

ائمہ تفسیر میں سے مقاتل اور سدی نے فرمایا کہ یہ فرعون کا چچازاد بھائی تھا، اور یہی وہ شخص تھا کہ جس نے اس وقت جبکہ قبطی کے قتل کے واقعہ میں فرعون کے دربار میں حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے قتل کے مشورہ کی شہر کے کنارے سے آکر حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو خبر دی تھی، اور یہ مشورہ بھی دیا تھا کہ آپ فوراً مصر سے باہر چلے جائیں، جس کا واقعہ سورۂ قصص میں بیان فرمایا وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا المدینَۃِ یَسعٰی.

اس رجل مومن کا کیا نام تھا؟

اس رجل مومن کے نام میں اختلاف ہے، بعض مفسرین نے اس کا نام حبیب بتایا ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ حبیب اس شخص کا نام ہے جس کا قصہ سورۂ یٰسین میں آیا ہے اور بعض حضرات نے اس کا نام یشمعان بتایا ہے، سہیلی نے اس نام کو اصح قرار دیا ہے، اور دیگر حضرات نے اس کا نام حزقیل بتایا ہے، ثعلبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہی قول نقل کیا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صدیقین چند ہیں، ایک حبیب نجار جس کا قصہ سورۂ یٰسین میں ہے دوسرا مومن آل فرعون، تیسرے ابوبکر صدیق اور یہ ان میں افضل ہیں (قرطبی، معارف) خلاصۃ التفاسیر جلد چہارم میں فتح محمد تائب رحمہ اللہ تعالیٰ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ اس مرد مومن کا نام حزقیل تھا، ان کا پیشہ نجاری تھا، ان ہی نے حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے لئے صندوق بنایا تھا، جس میں حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی والدہ نے ان کو بند کرکے دریا میں ڈال دیا تھا، اور یہ شخص

آلِ فرعون سے تھا، مصلحتاً اپنے ایمان کو مخفی رکھتا تھا، ان کو بھی جادوگروں کے ساتھ سولی دیدی گئی تھی۔

شبہ: رجل مومن کا یہ کہنا کہ اِنْ یَكُ كَاذِبًا فَعَلَیْهِ كِذْبُهٗ یعنی اگر موسیٰ جھوٹا ہے تو اس کے کذب کا وبال خود اسی پر پڑے گا، درست نہیں معلوم ہوتا اس لئے کہ کاذب کا کذب اسی پر محصور نہیں رہتا، بلکہ اغوائے عوام اور افشاء فساد میں اس کے نہایت دوررس اثرات مرتب ہوتے ہیں، اور خاص طور پر جبکہ کذب دعوائے نبوت کے بارے میں ہو، ورنہ تو مدعیان نبوتِ کاذبہ کا دعوائے نبوت کیوں قابل تعزیر جرم قرار پائے؟ اور کیوں ان کے ساتھ جنگ وجہاد کیا جائے؟ ان کو بھی ان کی حالت پر چھوڑ دینا چاہئے، وہ جانیں، ان کا کام حالانکہ ایسا نہیں ہے، آپ ﷺ نے مسیلمۃ الکذاب کے ساتھ جنگ کی تھی۔

دفع: قتل وجہاد کا حکم اس وقت ہے جبکہ کاذب کا کذب یقینی ہو اور اس کذب کی تاثیر یقینی اور دوررس ہو، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور فرعون کے واقعہ میں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کاذب ہونا متیقن نہیں تھا، درصورت احتمال کذب اسے اس کے حال پر چھوڑ دینے کے سوا اور تدبیر نہیں، لہٰذا ان کو قتل کا حکم کرنا ظلم اور ناانصافی تھی۔

(ایسر التفاسیر، ملخصًا، الانموذج للشیخ محمد بن ابی بکر رازی)

شبہ: اِنْ یَّكُ صَادِقًا یُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُكُمْ رجل مومن کا یہ کہنا کہ اگر موسیٰ سچے ہوئے تو اس عذاب کا کچھ حصہ تم کو ضرور پہنچے گا، حالانکہ انبیاء کے تمام وعدے مکمل سچے ہوتے ہیں، بعض کا صادق ہونا اور بعض کا صادق نہ ہونا، چہ معنی دارد؟

دفع: اس شبہ کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں اول یہ کہ یہاں بعض کل کے معنی میں ہے اور لبید کے اس شعر سے استدلال کیا ہے:

تــــراك امــكـــنة اذا لــم ارضهـــــا	او یـرتبـط بـعـض الـنفوس حـمامها
وقـد یـدرك الـمتـأنی بـعض حـاجتـه	وقـد یـكـون مع الـمستـعجل الـزلـل

(روح المعانی)

اور بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ یہاں دنیا کا عذاب مراد ہے نہ آخرت کا، اور دنیا کا عذاب آخرت کے مقابلہ میں بعض ہے، اور بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ بعض کا ذکر تلطف اور نرمی کے طور پر ہے تاکہ مخاطب وحشت زدہ ہو کر عناد وفساد پر نہ اتر آئے۔

یَوْمَ التَّنَادِ، تَنَادِ اصل میں تَنَادِیٌّ تھا، یوم کی اضافت کی وجہ سے آخر سے حرف علت (ی) ساقط ہوگئی، فریاد کرنا، پکارنا روز قیامت کو یوم التناد اس لئے کہا گیا ہے کہ اس روز بے شمار ندائیں اور آوازیں ہوں گی، جیسا کہ مروی ہے کہ جنتی دوزخیوں کو اور دوزخی جنتیوں کو پکاریں گے، اور ہر شخص اپنے پیشوا کے ساتھ پکارا جائے گا، اور ملائکہ پکاریں گے اے فلاں بن فلاں تو ایسا سعید ہوا کہ جس کے بعد کبھی شقاوت نہیں اور اے فلاں بن فلاں تو ایسا شقی ہوا کہ کبھی سعادت کا منہ نہ دیکھے گا۔ رواہ ابن ابی عاصم فی السنۃ۔ (ایسر التفاسیر، تالب)

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ متكبرٍ جبَّارٍ یعنی جس طرح فرعون وہامان کے قلب نے موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور مومن آل فرعون کی نصیحتوں سے کوئی اثر نہیں لیا، اللہ تعالیٰ اسی طرح ہر ایسے قلب پر مہر لگا دیتے ہیں جو متکبر اور جبار ہو، جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اس میں نور ایمان داخل نہیں ہوتا، اور اس سے اچھے برے کی تمیز سلب کر لی جاتی ہے، اس آیت میں متکبر اور جبار کو قلب کی صفت قرار دیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام اخلاق واعمال کا منبع اور سرچشمہ قلب ہی ہے، برے عمل کا تعلق قلب ہی سے ہے، عالم اصغر میں قلب کا مقام بادشاہ کا ہے اور دماغ کا وزیر اعضاء کا مقام خدام وکارندوں کا ہے، حکم کا صدور قلب سے ہوتا ہے اور اس کو عملی جامہ پہنانے کی تدبیر اور منصوبہ بندی دماغ کرتا ہے، اور اعضاء اس منصوبہ کو روبعمل لاکر پایۂ تکمیل کو پہنچاتے ہیں، حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ انسان کے بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا (یعنی دل) ایسا ہے جس کے درست ہونے سے سارا بدن درست ہو جاتا ہے اور اس کے خراب ہونے سے سارا بدن خراب ہو جاتا ہے۔ (قرطبی)

چند اہم فائدے:

اس مقام پر چند فائدے قابل غور ہیں:

❶ وعظ ونصیحت میں جہاں تک ہو سکے وہ عنوان اختیار کرنا چاہئے کہ جس سے سامعین کو وحشت ونفرت نہ ہو، اور ناصح کو چاہئے کہ فریق ومدعی کے قائم مقام نہ بنے، جیسا کہ اس مرد خدا نے غیر جانبدار رہ کر کس تلطف اور نرمی سے وہ تمام مضامین جو حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے بیان فرمائے ادا کر دیئے۔

❷ ترتیب وتدریج اور لحاظ تاثیر پیش نظر رہے، دیکھو اس مرد مومن نے پہلے حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی حقانیت وحقیقت بڑی خوبی سے بیان کی، پھر ایک عقلی حصر سے فرعون کو قائل کیا کہ ایسی بے جا مزاحمت روا نہیں۔

❸ پھر اللہ کے عذاب سے ڈرایا اور گذشتہ امتوں کی ہلاکت کی نظیر پیش کی تاکہ ان کو تنبہ ہو۔

❹ اس کے بعد قیامت کا ذکر کر کے آخرت کا خوف دلایا، اور حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کا خاص طور پر ذکر اس لئے کیا کہ انسان اس بات سے زیادہ متاثر ہوتا ہے جو اس کے حالات اور سرگذشت سے مناسب تر ہو، پھر ان کو تکذیب وانکار سے روکا۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا هَامَانُ ابنِ لي صرحًا، صرحٌ کے معنی بلند اور نمایاں عمارت کے ہیں، اس کا پس منظر یہ ہے کہ فرعون نے اپنے وزیر ہامان کو حکم دیا کہ ایسی بلند عمارت تعمیر کرو جو آسمان کے قریب تک چلی جائے، جس پر چڑھ کر میں موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے خدا کو جھانک کر دیکھ لوں، یہ احمقانہ خیال تو کوئی ادنیٰ سمجھ کا آدمی بھی نہیں کر سکتا، چہ جائیکہ بادشاہ مصر ملک مصر کے مالک فرعون کا یہ خیال اگر واقعی تھا کہ میں بلند عمارت پر چڑھ کر خدا کو دیکھ سکتا ہوں تو یہ اس کی انتہائی بے وقوفی اور دماغ کی خرابی کی دلیل ہے، اور اگر وزیر نے فرعون کے مذکورہ حکم کی تعمیل کی تو پھر ''وزیرے چنیں شہریار چناں''، کا مصداق ہے، کسی والی ملک بلکہ ادنیٰ سمجھ کے شخص سے بھی ایسی امید نہیں کی جا سکتی، اس لئے بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ تو وہ بھی جانتا تھا کہ کتنی ہی بلند عمارت تعمیر کرے وہ

آسمان تک نہیں پہنچ سکتا، مگر اپنے لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لئے یہ حرکت کی تھی، پھر کسی صحیح اور قوی روایت سے یہ ثابت نہیں کہ ایسا کوئی محل تعمیر ہوا یا نہیں، قرطبی نے نقل کیا ہے کہ یہ تعمیر کرائی گئی تھی جو بلندی پر پہنچتے ہی منہدم ہوگئی۔

وَقَالَ الَّذِىْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ باثباتِ الیاءِ وحذفِها اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۳۸﴾ تقدَّمَ يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ز تَمتّعٌ یزولُ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِىَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿۳۹﴾ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بضمّ الیاءِ وفتحِ الخاءِ وبالعکسِ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾ رزقًا واسعًا بلا تَبِعَةٍ وَيٰقَوْمِ مَا لِىْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِىْٓ اِلَى النَّارِ ﴿۴۱﴾ تَدْعُوْنَنِىْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِىْ بِهٖ عِلْمٌ ۖ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الغالبِ علٰی اَمرِہٖ الْغَفَّارِ ﴿۴۲﴾ لِمَنْ تابَ لَا جَرَمَ حقًّا اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِىْٓ اِلَيْهِ لِاَعبُدَہٗ لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِى الدُّنْيَا ای اِستجابۃُ دَعوۃٍ وَلَا فِى الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ مَرجِعَنا اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ الکافِرِیْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾ فَسَتَذْكُرُوْنَ اِذا عَایَنتُمُ العذابَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ۚ وَاُفَوِّضُ اَمْرِىْٓ اِلَى اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾ قالَ ذٰلک لما توَعَّدُوْہ بمُخالَفۃِ دینِہم فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا به مِن القتلِ وَحَاقَ نزلَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ قَومِہٖ معَہٗ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ﴿۴۵﴾ الغَرقُ ثم اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا يُحرَقُونَ بها غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ صباحًا ومساءً وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۚ يُقالُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ وفی قراءۃٍ بفتحِ الهمزۃِ وکسرِ الخاءِ اَمرٌ لِلملٰئکۃِ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾ عذابَ جهنّمَ وَ اذکر اِذْ يَتَحَآجُّوْنَ یَتَخاصَمُ الکُفّارُ فِى النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا جمعُ تابعٍ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ دافِعُونَ عَنَّا نَصِيْبًا جزءً مِّنَ النَّارِ ﴿۴۷﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿۴۸﴾ فادخَلَ المؤمنينَ الجنّۃَ والکافرینَ النارَ وَقَالَ الَّذِيْنَ فِى النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا ای قدرَ یومٍ مِّنَ الْعَذَابِ ﴿۴۹﴾ قَالُوْٓا ای الخزنۃُ تهكُّمًا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۗ المعجزاتِ الظاهراتِ قَالُوْا بَلٰى ۗ ای فکفرنا بهم قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ اَنتم فاِنّا لا نَشفَعُ لِکافِرٍ قال تعالٰی وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِىْ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾ اِنعِدامٍ۔

ترجمہ: اور اس مومن شخص نے کہا اے میری قوم (کے لوگو) میری پیروی کرو (اِتَّبِعُونِی) میں اثبات (ی) اور حذف (ی) کے ساتھ میں تمہاری صحیح راستہ کی طرف رہنمائی کروں گا تقدَّمَ ای تقدَّمَ قریبًا (یعنی اِلَّا سبیلَ الرشاد کے ضمن میں عنقریب گذر چکا ہے)، اے میری قوم یہ حیات دنیا نہایت قلیل بہت جلد فنا ہونے والی متاع ہے، یقین مانو (کہ قرار) اور ہمیشگی کا گھر تو آخرت ہی ہے جس نے گناہ کیا اس کو تو برابر کا بدلہ ہی ہے اور جس نے نیکی کی خواہ مرد ہو یا عورت اور حال یہ کہ وہ

باایمان ہوتو یہ لوگ جنت میں جائیں گے (یُدْخَلُوْنَ) میں یاء کے ضمہ اور خاء کے فتحہ کے ساتھ اور اس کا عکس (بھی) وہاں بے شمار بافراغت بلا معاوضہ روزی پائیں گے بغیر احسان اور معاوضہ کے اور اے میری قوم یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف بلا رہا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلا رہے ہو، تم مجھے دعوت دے رہے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر کروں اور اس کے ساتھ اس چیز کو شریک کروں کہ جس کا مجھے کوئی علم نہیں، اور میں تم کو ایسی ذات کی طرف بلا رہا ہوں جو اپنے حکم میں غالب ہے، اور توبہ کرنے والے کو معاف کرنے والا ہے یہ بات یقینی ہے کہ تم جس چیز کی بندگی کرنے کے لئے مجھے دعوت دے رہے ہو وہ نہ تو دنیا میں پکارنے کے قابل ہے اور نہ آخرت میں، یعنی ان میں قبولیت دعاء کی صلاحیت ہی نہیں ہے اور یہ بھی یقینی بات ہے کہ ہم سب کا لوٹنا اللہ کی طرف ہے اور یقین جانو حد سے گذرنے والے یعنی کافر ہی اہل دوزخ ہیں اور جب تم عذاب کو دیکھو گے تو میری باتوں کو عنقریب یاد کرو گے میں اپنا معاملہ اللہ کے حوالہ کرتا ہوں یقیناً اللہ تعالیٰ بندوں کا نگران ہے یہ بات اس (رجل مومن) نے اس وقت کہی جب اس کو (قتل) کی دھمکی دی گئی اس کے ان (کافروں) کے دین کی مخالفت کرنے کی وجہ سے پس اللہ نے اسے تمام مکروہات (مصائب) سے محفوظ رکھ لیا، جو انہوں نے اس کے قتل کی تدبیریں سوچ رکھی تھیں، اور فرعون والوں پر (یعنی) اس کی قوم پر مع اس (فرعون) کے غرق کا بدترین عذاب الٹ پڑا بعد ازاں آگ ہے جس پر یہ ہر صبح و شام پیش کئے جائیں گے یعنی اس میں جلائے جائیں گے اور جس دن قیامت قائم ہوگی فرمان ہوگا، اے فرعونیو! سخت ترین جہنم کے عذاب میں داخل ہو جاؤ ایک قراءت میں (اَدْخِلوا) میں ہمزہ کے فتحہ اور خاء کے کسرہ کے ساتھ ہے، یعنی فرشتوں کو حکم ہوگا (کہ انکو جہنم کے عذاب میں ڈالو) (اس وقت کا) ذکر کرو کہ کفار دوزخ میں آپس میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے کمزور طبقے کے لوگ تکبر والوں سے کہیں گے کہ ہم تمہارے ہی پیرو تھے تَبَعٌ تَابِعٌ کی جمع ہے، تو کیا اب تم ہم سے اس آگ کا کچھ حصہ ہٹا سکتے ہو؟ وہ بڑے (متکبر) لوگ جواب دیں گے ہم تو سب ہی اس آگ میں ہیں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کر چکا ہے چنانچہ اس نے مومنین کو جنت میں اور کافروں کو دوزخ میں داخل کر دیا تمام جہنمی دوزخ کے داروغوں سے کہیں گے کہ تم ہی اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ وہ کسی دن یعنی ایک دن کی مقدار تو ہمارے عذاب میں تخفیف کر دے تو جہنم کے داروغے استہزاءً جواب دیں گے کیا تمہارے پاس تمہارے رسول کھلے معجزے لے کر نہیں آئے تھے؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں؟ (ضرور آئے تھے) یعنی ہم ہی نے ان کا انکار کیا وہ کہیں گے پھر تو تم خود ہی دعاء کر لو ہم کسی کافر کی سفارش نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اور کافروں کی دعاء بے اثر محض اور کالعدم ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: وَقَالَ الَّذِیْ آمَنَ، اَلَّذِیْ اٰمَنَ سے مراد آل فرعون کا رجل مومن ہے، اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مراد ہیں۔ (بیضاوی)

قَوْلُهٗ: باثبات الیاء و حذفها، اِتبعُونی کی یاء میں حذف واثبات وقف اور وصل دونوں صورتوں میں جائز ہے مگر یہ حذف واثبات تلفظ کی حد تک ہے، رسم الخط میں حذف لازم ہے، اس لئے کہ یہ یاء زائدہ ہے۔ (جمل)

قَوْلُهٗ: تَمَتُّعٌ یَزُوْلُ یعنی دنیاوی زندگی سریع الزوال متاع قلیل ہے متاعٌ میں تنوین تقلیل کے لئے ہے۔

قَوْلُهٗ: بلا تبعةٍ یعنی اس رزقِ بے حساب کا نہ کوئی معاوضہ ہوگا اور نہ اس پر احسان جتانا، ایک نسخہ میں بِلا تَبِعَةٍ کے بجائے بلَا تعبَةٍ ہے یعنی بلا مشقتہ۔

قَوْلُهٗ: تَدْعُوْنَنِیْ لِاَکْفُرَ الخ یہ تَدْعُوْنَنِیْ اول سے بدل ہے۔

قَوْلُهٗ: لَا جَرَمَ، یقینا اور حقًّا کے ہم معنی ہے، اور دراصل لامحالہ کے معنی میں ہے، توسیع استعمال کے بعد قَسَمَ یا حَقَّ فعل ماضی کے معنی میں استعمال ہونے لگا، سیبویہ اور خلیل کا یہی قول ہے، ابوالبقاء نے حَقًّا یعنی مصدری معنی میں قرار دیا ہے، اور اسی کو جمہور کا مسلک کہا ہے، تفسیر ابومسعود میں لا کو نافیہ اور جَرَمَ کو فعل ماضی بمعنی حَقَّ کے قرار دیا ہے۔

(لغات القرآن ملخصًا)

قَوْلُهٗ: أنَّمَا تَدْعُوْنَنِیْ اِلَیْهِ مَا اسم موصول بمعنی الَّذِیْ یعنی اَنَّمَا میں ما موصولہ ہے لہٰذا حق یہ تھا کہ ما کو نون سے علیحدہ لکھتے یعنی أنَّ مـا جیسا کہ قاعدہ ہے، لیکن مصحف امام میں مـا کو نون کے ساتھ ملا کر لکھا ہے، لہٰذا اسی کی اقتداء میں اسی رسم الخط کو باقی رکھا گیا ہے، جیسا کہ ابن جزری نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (جمل)

قَوْلُهٗ: ثُمَّ اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا، ثُمَّ کا اضافہ کلام مستانف ہونے کی طرف اشارہ ہے، اَلنَّارُ مبتداء ہے اور یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا جملہ ہو کر مبتداء کی خبر ہے، مطلب یہ ہے کہ موت کے وقت سے قیام ساعۃ تک ان کی ارواح کو آگ پر پیش کیا جائے گا۔

قَوْلُهٗ: یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یا تو أدخلوا کا معمول ہے یا یقالُ فعل محذوف کا معمول ہے، تقدیر عبارت یہ ہے یُقَالُ لَهُمْ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ أدخلوا۔

قَوْلُهٗ: دَافِعُوْنَ، مُغْنُوْنَ کی تفسیر دافعونَ سے کرکے اشارہ کردیا کہ نـصیبًا مغنُوْنَ یعنی دافعون کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے منصوب ہے نصیبًا کے نصب کے لئے فعل مقدر ماننے کی ضرورت نہیں۔

قَوْلُهٗ: قَـدْرَ یـومٍ اس کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ یوم سے مراد مقدار یوم ہے اس لئے کہ آخرت میں لیل ونہار نہیں ہوں گے جن کے ذریعہ یوم کی تعیین ہوتی ہے اس لئے کہا یوم سے مراد مقدار یوم ہے۔

تفسیر و تشریح

قَالَ الَّذِیْ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ فرعون کی قوم سے ایمان لانے والا پھر بولا دعویٰ تو فرعون بھی کرتا ہے کہ میں تمہیں سیدھے راستہ پر چلا رہا ہوں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ فرعون تو خود بھٹکا ہوا ہے وہ کیا رہنمائی کرے گا، میں جس راستہ کی

نشاندہی کر رہا ہوں وہ سیدھا راستہ ہے، اور وہی راستہ ہے، جس کی طرف تمہیں حضرت موسیٰ دعوت دے رہے ہیں، اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ کی تفسیر سابق رکوع میں قریب ہی گذر چکی ہے، اس چندروزہ سریع الزوال حیات دنیا پر مغرور وفریفتہ مت ہو دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں ایک گھڑی کے برابر نہیں ہے، ہاں البتہ آخرت کی زندگی کو زوال اور فنا نہیں وہاں تو دوام ہی دوام ہے، نہ وہاں سے کوچ ہوگا اور نہ انتقال جنت کی زندگی ہو یا جہنم کی دونوں زندگیاں ابدی ہوں گی، ایک راحت وآرام کی زندگی ہوگی اور دوسری شقاوت وعذاب کی۔

مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا (الآية) برائی کی سزا برائی کے برابر ہوگی زیادہ نہیں جو کہ عدل وانصاف کا تقاضہ ہے، اور جن لوگوں نے نیک عمل کئے ہوں گے ساتھ ہی مومن بھی ہوں گے تو ایسے لوگ جنت میں جائیں گے تو وہاں بے شمار وبے حساب روزی پائیں گے، بے شمار وبے حساب کا مطلب یہ ہے کہ انکے انعامات کا ان کے نیک اعمال کے ساتھ موازنہ ومقابلہ نہیں کیا جائے گا، بلکہ ان کے اعمال صالحہ سے کہیں زیادہ اجر وانعام دیا جائے گا، اس سے یہ بات بھی صاف طور پر معلوم ہوگئی کہ نیک اعمال کی ایمان کے بغیر کوئی حیثیت نہیں اور نہ محض ایمان سے اعمال صالحہ کے بغیر مکمل کامیابی، اللہ کے نزدیک مکمل کامیابی کیلئے ایمان کے ساتھ عمل صالح اور عمل صالح کے ساتھ ایمان ضروری ہے۔

وَيٰقَوْمِ مَالِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ (الآية) اے میری قوم یہ کیا ناانصافی کی بات ہے کہ میں تو تم کو توحید کی دعوت دے رہا ہوں، جو راہ نجات ہے اور تم مجھے شرک کی دعوت دے رہے ہو جو انسان کو واصل بہ جہنم کرنے والا ہے لَا جَرَمَ یہ بات یقینی ہے یا اس میں جھوٹ نہیں کہ جن معبودان باطلہ کی طرف تم مجھے دعوت دے رہے ہو ان میں سے کوئی بھی پکار (فریاد) سننے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا کہ کسی کو نفع پہنچا سکیں، یا ان کو الوہیت کا استحقاق حاصل ہو ایسی چیزیں بھلا اس لائق ہو سکتی ہیں کہ وہ معبود بن سکیں اور ان کی عبادت کیجائے؟

فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ (الآية) یہ کلام بھی آل فرعون کے رجل مومن کا ہے، آخر کار اپنی قوم کے ایمان لانے اور راہ راست پر آنے سے ناامید اور مایوس ہو کر درد بھرے انداز میں کہتا ہے، عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ جب میری باتوں کی صداقت اور جن باتوں سے میں روکتا ہوں ان کی شناعت تم پر واضح ہو جائے گی، تو اس وقت میری ان باتوں کو یاد کرو گے اور اظہار ندامت کرو گے مگر ندامت کا وقت گذر چکا ہوگا اس وقت ندامت سے کچھ فائدہ نہ ہوگا، میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی سے ہر وقت اعانت طلب کرتا ہوں، اور تم سے بیزاری اور قطع تعلق کا اعلان کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ہر ہر قول وفعل سے واقف ہے، لہٰذا وہ مستحق ہدایت اور مستحق ضلالت سے بخوبی واقف ہے، مستحق ہدایت کو ہدایت سے نوازتا ہے اور مستحق ضلالت کو ضلالت سے ہمکنار کرتا ہے۔

فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا یعنی رجل مومن کے اظہار حق کی وجہ سے قوم قبط نے اس کے خلاف جو تدبیریں اور سازشیں سوچ رکھی تھیں، اللہ نے ان سب کو ناکام بنا دیا، بلکہ ان کی تدبیریں ان ہی پر پلٹ گئیں جس کے نتیجے میں غرق دریا

کردیئے گئے اور آخرت میں ان کے لئے دوزخ کا سخت ترین عذاب ہے۔

اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا (الآیة) فرعون اور فرعونیوں کو برزخ میں اس آگ پر صبح وشام پیش کیا جاتا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ آل فرعون کی روحیں سیاہ پرندوں کی شکل میں روزانہ صبح و شام دو مرتبہ جہنم کے سامنے لائی جاتی ہیں اور جہنم میں ان کے مقام کو دکھلا کر ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارا ٹھکانہ یہ ہے۔

(اخرجه عبدالرزاق، مظهری، معارف)

عذاب قبر حق ہے:

مذکورہ حدیث سے عذاب قبر کا اثبات ہوتا ہے، عذاب قبر کا بعض لوگ انکار کرتے ہیں احادیث میں تو بڑی وضاحت سے عذاب قبر کو بیان کیا گیا ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سوال کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا نعم عذاب القبر حقٌّ (بخاری شریف کتاب الجنائز باب ماجاء فی عذاب القبر) منکرین عذاب قبر قرآن وحدیث دونوں کی صراحتوں کو قبول نہیں کرتے۔

مذکورہ آیت سے صاف واضح ہے کہ آل فرعون کی صبح وشام آگ پر پیشی قیام قیامت سے پہلے کا واقعہ ہے، اور یہ زندگی برزخ اور قبر ہی کی ہے، قیامت کے روز ان کو قبر (برزخی) زندگی سے نکال کر جہنم کے سخت ترین عذاب میں ڈال دیا جائے گا، بعض بے یقینوں کا یہ کہنا ہے کہ ہمیں تو قبر میں مردہ آرام سے پڑا نظر آتا ہے اگر اسے عذاب ہو رہا ہوتا تو اس طرح سکون سے پڑا ہوا نظر نہ آتا، ان کا یہ کہنا لغو اور بے عقلی کی بات ہے، اس لئے کہ عذاب کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ ہمیں نظر بھی آئے، اللہ تعالیٰ ہر طرح عذاب دینے پر قادر ہے، کیا یہ سامنے کی بات نہیں کہ خواب میں بعض اوقات ایک شخص نہایت خوفناک اور المناک مناظر دیکھ کر سخت کرب واذیت محسوس کرتا ہے مگر دیکھنے والوں کو ذرا بھی محسوس نہیں ہوتا کہ یہ خوابیدہ شخص شدید تکلیف سے دوچار ہے، اس مشاہدہ اور روزمرہ کے تجربہ کے باوجود عذاب قبر کا انکار، محض ہٹ دھرمی اور بے جا تحکم ہے۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ فِی النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ (الآیة) آخر کار جہنمی جہنم کے نگران فرشتوں سے سفارش کرنے کی درخواست کریں گے کہ ہماری تو حق تعالیٰ کے دربار میں کوئی شنوائی ہو نہیں رہی، تم ہی رب العالمین سے دعا کرو کہ کسی دن تو ہمارے عذاب میں کچھ تخفیف کردے، فرشتے جواب دیں گے کہ ہم ایسے لوگوں کے حق میں کیوں کر کچھ کہہ سکتے ہیں کہ جن کے پاس دنیا میں اللہ کے پیغمبر دلائل ومعجزات لے کر آئے لیکن انہوں نے پرواہ نہیں کی؟ جہنم کے نگران فرشتے دوزخیوں سے کہہ دیں گے کہ تم خود ہی دعا کرلو، بالآخر جب وہ خود دعاء کریں گے لیکن ان کی دعاء اور فریاد کی کوئی شنوائی نہیں ہوگی، اس لئے کہ دنیا میں حجت تمام کی جاچکی ہے، آخرت، توبہ، ایمان اور عمل کی جگہ نہیں، آخرت تو دارالجزاء ہے، دنیا میں جیسا کیا ہوگا بھگتنا ہوگا۔

عذاب قبر اور اس کی حقیقت:

عرف عام میں عالم کی دو قسمیں کی جاتی ہیں، عالم دنیا اور عالم آخرت، اور عالم برزخ جس کا دوسرا نام عالم قبر بھی ہے وہ اسی دنیا کا حصہ ہے جس میں عالم آخرت کے کچھ احکام مترشح ہوتے ہیں، عالم برزخ کی حیثیت عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیان ایک واسطہ کی سی ہے، دوزخ یا جنت کا فیصلہ ہونے تک انسان کی روح اسی عالم میں رہتی ہے، مسند ہند حضرت شاہ ولی اللہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ ایک نیا عالم ثابت کرتے ہیں اور اس کا نام عالم ''مثال'' رکھتے ہیں، حضرت فرماتے ہیں کہ بہت سی احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ کائنات میں ایک عالم ایسا بھی پایا جاتا ہے جو غیر مادی ہے یعنی عناصر اربعہ سے بنا ہوا نہیں ہے، اس عالم میں معانی یعنی حقائق کیلئے بھی جسم ہے، اور یہ اجسام مثالی ہیں، ہر معنی کو اس کی حالت کا لحاظ کر کے جسم دیا جاتا ہے، مثلاً بزدلی کو خرگوش کا، یا دنیا کو ایسی بوڑھی بدصورت عورت کا جسم دیا گیا کہ جس کے سر کے بال کھچڑی ہو رہے ہیں، بالوں کی کھچڑی ہونے سے اس طرف اشارہ ہے کہ دنیا کی عمر کا زیادہ حصہ ختم ہو گیا، کم حصہ باقی ہے، اسی طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے رشتے ناتے کو پیدا فرمایا تو وہ کھڑا ہو گیا، اور اس نے عرض کیا یہ قطع رحمی سے آپ کی پناہ چاہنے والے کی جگہ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تو اس پر راضی ہے کہ جو تجھے کاٹے میں اس کو اپنے سے کاٹوں اور جو تجھے جوڑے میں اسے اپنے سے جوڑوں، رشتے ناتے، نے جواب دیا میں اس پر راضی ہوں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جا، یہ تیرے لئے ہے، یعنی میں اس کی گارنٹی دیتا ہوں۔

(مشکوٰۃ، باب البر والصلۃ، حدیث ۴۹۱۹)

یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے حدیث طویل ہے، رِحم (بچہ دانی) مراد یہ کہ ددھیالی اور ننھیالی رشتہ داری نے کھڑے ہو کر رحمان کی کمر میں کَولی بھر لی، رحمان نے پوچھا کیا بات ہے؟ تب اس نے مذکورہ جملہ کہا جس کا مطلب یہ ہے کہ بچہ جس طرح پناہ لینے کے لئے ماں کی کمر میں کولی بھرتا ہے، رحم نے بھی کولی بھر لی اور قطع رحمی سے پناہ چاہی، جس پر اس سے رحمان نے مذکورہ وعدہ کیا۔

غور کیجئے، رشتہ ناتہ ایک معنوی چیز ہے اس کا جسم نہیں ہے، مگر یہ حدیث اس کے جسم دار ہونے پر دلالت کرتی ہے، یہ جسم مثالی وہ جسم ہے جو اس کو عالم مثال میں ملا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن اعمال حاضر ہوں گے پس (سب سے پہلے) نماز آئے گی، پھر خیرات آئے گی، پھر روزہ آئے گا (علیٰ هٰذا القیاس) حدیث طویل ہے، (مسند احمد اور مشکوٰۃ کتاب الرقاق، حدیث ۵۲۲۴) یہاں صرف اتنی بات سے غرض ہے کہ اعمال جو جسم دار نہیں ہیں، قیامت کے دن اپنے مثالی اجسام کے ساتھ حاضر ہوں گے، حدیث شریف میں روزہ کی حالت میں غیبت کرنے والی عورت کا واقعہ مشہور ہے، کہ وہ بھوک اور پیاس کی شدت کی وجہ سے لب دم ہو گئی، آپ ﷺ کو اس کی اطلاع دی گئی تو آپ نے فرمایا اس نے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھایا ہے، جس کی وجہ سے اس کی یہ کیفیت ہوئی

ہے، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ تو روزہ سے ہے اس نے کچھ کھایا پیا نہیں ہے، آپ نے ارشاد فرمایا حلال چیز سے روزہ رکھا مگر حرام چیز یعنی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھایا ہے، اس حدیث میں غیبت جو کہ معنوی چیز ہے اس کو عالم مثال میں گوشت کی شکل دی گئی، مذکورہ قسم کی بہت سی روایات ہیں جو عالم مثال کے وجود پر دلالت کرتی ہیں، شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس قسم کی ۱۹ روایتیں بیان فرمائی ہیں، اور حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب مدظلہ پالنپوری، استاد حدیث دارالعلوم دیوبند نے حجۃ اللہ البالغہ کی اپنی بہترین شرح رحمۃ اللہ الواسعہ میں اس مضمون کو نہایت بسط و تفصیل کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

مذکورہ بالا آیات میں غور کرنے کے تین طریقے:

❶ ان روایات کو ظاہر پر محمول کیا جائے یعنی بظاہر ان کا جو مفہوم ہے اس کو مان لیا جائے، اس صورت میں عالم مثال تسلیم کرنا پڑے گا، کیونکہ ان روایات کی توجیہ عالم مثال کو تسلیم کئے بغیر ممکن نہیں، عالم مثال کو مان کر یہ توجیہ ہوگی کہ مذکورہ بالا روایات میں بیان فرمودہ تمام باتیں واقعی اور نفس الامری ہیں اور ان کے اجسام ان کے مثالی پیکر ہیں، محدثین کرام کا اصول اسی بات کا متقاضی ہے کہ ان روایات کو ان کے ظاہر پر محمول کیا جائے، ان کی کوئی تاویل نہ کی جائے، شاہ صاحب قدس سرہ نے ان ہی روایات کی بنیاد پر عالم مثال ثابت کیا ہے۔

❷ ان روایات کی یہ تاویل کی جائے کہ وہ صرف آدمی کا احساس ہے خارج میں ان میں سے کوئی چیز موجود نہیں، جیسے خواب دیکھنے والا جو امور خواب میں دیکھتا ہے، وہ صرف اس کا احساس ہوتا ہے ان میں سے کوئی چیز خارج میں موجود نہیں ہوتی، حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اسی قسم کی توجیہ درج ذیل آیت میں کی ہے، سورۂ دخان آیت ۱۰ اوا میں ارشاد ہے۔
فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مبين (الآية) سو آپ (کفار مکہ کے لئے) اس دن کا انتظار کیجئے جبکہ آسمان ایک واضح دھواں لے آئے، جو ان سب لوگوں پر عام ہو جائے، یہ دردناک سزا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ یہ نشانی پائی جا چکی ہے مکہ میں سخت قحط پڑا، لوگوں نے مردار، چمڑے اور ہڈیاں تک کھائیں، اور صورت حال یہ ہوئی کہ جب وہ آسمان کی طرف دیکھتے تھے تو بھوک کی وجہ سے ان کو دھواں ہی دھواں نظر آتا تھا، آسمان نظر ہی نہیں آتا تھا، حالانکہ خارج میں کوئی دھواں نہیں تھا، یہ صرف ان بھوکوں کا احساس تھا یہ روایت درمنثور میں ج ۶ ص ۲۸ میں ہے۔ (رحمۃ اللہ الواسعۃ)۔

❸ یا ان روایات کو مضمون فہمی کے لئے پیرایۂ بیان قرار دیا جائے، مثلاً قبر میں پہنچنے والی تکلیف اور راحت کو مختلف انداز سے سمجھایا گیا ہے، کہ سوال و جواب ہوں گے کوئی صحیح جواب دے گا، اور کوئی ''ہاہا'' کر کے رہ جائے گا، کسی کو قبر بھینچے گی، تو کسی کے لئے کشادہ کی جائے گی، کسی کے لئے جنت کی طرف دریچہ کھولا جائے گا، تو کسی پر فرشتے گرز بجائیں گے، اور اس کو سانپ بچھو نوچیں گے، یہ سب قبر میں پیش آنے والے رنج و راحت کو سمجھانے کے لئے پیرایۂ بیان ہے، اور بس۔

مگر شاہ صاحب کے نزدیک جو شخص صرف یہ تیسری توجیہ کرتا ہے وہ اہل حق میں سے نہیں ہے، گمراہ ہے، باطل فرقے نصوص کی اسی طرح کی تاویل کیا کرتے ہیں۔

امام غزالی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ اور عذاب قبر کی حقیقت:

امام غزالی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے احیاء علوم الدین میں عذاب قبر کی بحث میں نصوص کی توجیہ کے تینوں طریقے بیان کئے ہیں، آپ نے اول قبر میں پہنچنے والی رنج و راحت کی روایات لکھی ہیں، پھر ارشاد فرمایا ہے کہ ان روایات کے ظاہری معنی درست ہیں، اور ان میں مخفی راز ہیں جو اہل بصیرت پر واضح ہیں، اس لئے اگر عوام کی سمجھ میں ان کی حقیقتیں نہ آئیں تو بھی ان کے ظاہری معنی کا انکار نہیں کرنا چاہئے، ایمان کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ ان کو مان لیا جائے۔

سُوَال: یہ روایات ہم کیسے تسلیم کرلیں، یہ روایات تو مشاہدہ کے خلاف ہیں؟ بعض لاشیں عرصہ دراز تک کسی مصلحت سے محفوظ رکھی جاتی ہیں ان کو دفن نہیں کیا جاتا، ممی کر کے ان کو رکھا جاتا ہے، جیسا کہ دنیا کے سب سے بڑے کافر فرعون مصر کی لاش آج بھی مصر کے عجائب خانے میں موجود ہے، مگر وہاں نہ کوئی سانپ ہے اور نہ بچھو، پھر ہم مشاہدہ کے خلاف عذاب قبر کی یہ روایات کیسے مان لیں؟

جَوَاب: اس قسم کی روایات کے ماننے کی تین صورتیں ہیں:

❶ جو زیادہ واضح، زیادہ صحیح ہے، اور زیادہ محفوظ ہے، وہ یہ ہے کہ عذاب قبر کی تمام روایات کو ظاہر پر محمول کیا جائے، اور مان لیا جائے کہ یہ تمام معاملات قبر میں پیش آتے ہیں، گو ہمیں نظر نہیں آتے، اس لئے کہ ہماری یہ آنکھیں عالم مشاہدہ کو دیکھنے کے لئے ہیں عالم غیب کی چیزوں کا یہ آنکھیں مشاہدہ نہیں کرسکتیں، جیسے حدیث شریف میں وارد ہے کہ مجالس ذکر میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور اہل مجلس کو گھیرے میں لے لیتے ہیں مگر وہ ہمیں نظر نہیں آتے، اس لئے کہ فرشتے دوسرے عالم (عالم الغیب) کی مخلوق ہیں، اسی طرح حضرت جبرائیل عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں تشریف لاتے تھے، اور صحابہ کرام اس کو تسلیم بھی کرتے تھے، اگرچہ صحابہ کرام حضرت جبرائیل عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کو نہیں دیکھتے تھے، اور وہ یہ بھی جانتے اور مانتے تھے کہ حضرت جبرائیل عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ آنحضرت ﷺ کو نظر آتے ہیں

اگر کوئی شخص اس بات کو جسے صحابہ مانتے تھے نہیں مانتا تو ایسے شخص کو اپنے ایمان ہی کی خبر لینی چاہئے، اس کا وحی اور فرشتوں پر ایمان ہی صحیح نہیں ہے، اور جو شخص اسے مانتا ہے اور اس کے نزدیک یہ بات ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ کو وہ چیزیں نظر آئیں جو عام امت کو نظر نہ آئیں تو پھر عذاب قبر میں وہ یہ بات کیوں ممکن نہیں مانتا، غرض قبر میں جو عذاب ہوتا ہے، اور جو راحتیں پہنچتی ہیں وہ واقعی چیزیں ہیں، مگر وہ دوسری دنیا کی چیزیں ہیں اس لئے وہ ہمیں نظر نہیں آتیں۔

❷ قبر میں پیش آنے والے معاملات اگرچہ خارج میں موجود نہیں ہوتے مگر میت کو وہ محسوس ہوتے ہیں جیسا کہ خواب کا معاملہ ہے، کوئی خواب میں خود کو بادشاہ پاتا ہے، اور ٹھاٹھ سے حکمرانی کرتا ہے اور کوئی جیل میں پہنچایا جاتا ہے، پولیس والے اس

پڑ ڈنڈے بجاتے ہیں اور وہ بری طرح چیختا چلاتا ہے، مگر جب آنکھ کھلتی ہے تو پتہ چلا یہ تو خواب تھا حقیقت کچھ بھی نہیں۔

خواب دیکھنے والا جب تک خواب دیکھتا رہتا ہے تو خواب میں دیکھے ہوئے معاملہ کو حقیقت سمجھتا ہے، حالانکہ حقیقت میں وہاں کچھ نہیں ہوتا، مگر خواب ہونا آنکھ کھلنے کے بعد ہی معلوم ہوتا ہے، اسی طرح قبر کا معاملہ ہے مگر قبر میں قیامت تک آنکھ نہیں کھلے گی، اس لئے وہ واقعات حقیقت ہی رہیں گے۔

غرض خواب میں جس طرح خواب دیکھنے والے کے دل و دماغ میں یہ کیفیت پیدا کر دی جاتی ہے، اور خارج میں ان چیزوں کا وجود نہیں ہوتا، اسی طرح عذاب قبر کا معاملہ ہے، اور جس طرح خواب دیکھنے والے کے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کو کچھ نظر نہیں آتا اسی طرح زندوں کو میت کے پاس کچھ نظر نہیں آتا، مگر میت کے احساس میں سب کچھ ہوتا ہے اور خواب دیکھنے والے کو خواب میں پیش آنے والے واقعات سے رنج و راحت کا احساس محض بے حقیقت یا صرف خیالی نہیں ہوتا، بلکہ اس کی ایک حقیقت ہوتی ہے، جو بعض اوقات انسان کے جسم پر بھی نمایاں ہو جاتی ہے، یہ بات مشاہدہ اور تجربہ کی ہے کہ بعض اوقات خواب دیکھنے والا کوئی خوفناک خواب دیکھنے کے بعد بیدار ہوتا ہے تو وہ گھبرایا ہوا اور پسینہ میں شرابور ہوتا ہے، اور جب اس کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو خواب تھا تب جا کر اس کو تسلی اور راحت محسوس ہوتی ہے، یہ بات بھی تجربہ اور سامنے کی ہے کہ شیر خوار بچہ جب گہری نیند سو رہا ہوتا ہے تو بعض اوقات اچانک رونے یا ہنسنے لگتا ہے، دیکھنے والے سمجھ جاتے ہیں کہ بچہ خواب دیکھتا ہے، ایک شخص ہے کہ جو خواب میں اپنی محبوبہ سے ملاقات کرتا ہے اور وہ سب کچھ کرتا ہے جو خارج میں ہوتا ہے حالانکہ دور دور تک خارج میں کہیں اس کی محبوبہ کا نام ونشان تک نہیں ہوتا، مگر خواب دیکھنے والا اسی طرح لطف اندوز ہوتا ہے جس طرح خارج میں حقیقۃً، اور یہ لطف اندوزی محض خیالی اور بے بنیاد نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ خواب میں پیش آنے والے معاملات کا اثر خارج میں جسم پر بھی بعض اوقات نمایاں ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے آلہ تناسل کا انتشار حتی کہ احتلام تک ہو جاتا ہے، اور یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے، اسی طرح عالم برزخ جو کہ ایک طویل خواب ہی ہے، قرآن کریم میں بھی حیات برزخی کو خواب سے یا قبر کو خوابگاہ سے تعبیر کیا گیا ہے، **قالوا یا ویلنا من بعثنا من مرقدنا** ''کہیں گے ہائے ہماری کمبختی ہمیں ہماری خواب گاہ سے (یا خواب سے) کس نے اٹھا دیا'' (سورۂ یٰس ۵۲) قبر کو خوابگاہ یا حیات برزخی کو خواب سے تعبیر کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قبر میں ان کو عذاب نہیں ہوگا، بلکہ بعد میں جو ہولناک مناظر اور عذاب کی شدت دیکھیں گے اس کے مقابلہ میں انہیں قبر کی زندگی ایک خواب محسوس ہوگی، حیات برزخی میں رنج و راحت کا تعلق روح سے ہوگا، اس کے بعد روح کو جسم دے کر دوزخ یا جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

اصل رنج و راحت جسم کو نہیں بلکہ روحِ احساس کو ہوتی ہے، جسم کے جس حصہ میں روح احساس نہیں ہوتی وہاں دکھ درد کا احساس بھی نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ بال اور ناخن کاٹنے میں کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی، بال اور ناخن میں روح حیات تو ہوتی ہے مگر روح احساس نہیں ہوتی، اس لئے کہ اگر ان میں روح حیات نہ ہو تو ان کا نشو و نما نہیں ہو سکتا، حالانکہ ان کا نشو و نما مشاہدہ ہے، اس پوری بحث سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ عالم برزخ میں معاملات سے روح احساس ہی متاثر ہوتی ہے، روح احساس اور روح حیات میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے، جسم میں روح احساس روح حیات کے بغیر نہیں رہ

سکتی، اگر روح احساس ہوگی تو روح حیات ضرور ہوگی البتہ روح حیات روح احساس کے بغیر رہ سکتی ہے، جیسا کہ بال اور ناخن میں روح حیات ہوتی ہے مگر روح احساس نہیں ہوتی ہے۔

❸ عذاب قبر کی روایات کو ایک پیرایۂ بیان قرار دیا جائے ان روایات سے مقصود یہ مضمون سمجھانا ہے کہ مرنے کے بعد قبر میں میت کس قسم کی تکالیف سے دوچار ہوتی ہے، اور مقصود صرف پیرایۂ بیان نہیں ہے بلکہ وہ حقیقت مقصود ہے جس کو سمجھانے کے لئے یہ پیرایۂ بیان اختیار کیا گیا ہے، مثلاً سانپ کا کاٹنا اصل مقصود نہیں ہے، بلکہ اس کے کاٹنے سے جو زہر بدن میں سرایت کرتا ہے، وہ مقصود ہے، بلکہ زہر کا سرایت کرنا بھی اصل مقصود نہیں، مقصود وہ تکلیف ہے جو زہر کی وجہ سے محسوس ہوتی ہے، بعض لوگ اپنے بدن کو مختلف تدابیر سے ''زہر پروف'' بنالیتے ہیں، پھر وہ اپنے بدن کو سانپ بچھوؤں سے ڈسواتے ہیں ان کو ان کے کاٹنے اور ڈسنے سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی، ان کے حق میں سانپ کا کاٹنا نہ کاٹنا دونوں برابر ہوتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسباب مقصود نہیں ہوتے، مقصود ان کا نتیجہ ہوتا ہے، مثلاً کھانے سے مقصد شکم سیری ہے، اور پانی پینے سے مقصود سیرابی ہے، اگر کوئی کھائے بغیر شکم سیر ہو جائے یا پانی پیے بغیر سیراب ہو جائے تو مقصود حاصل ہو گیا، اگرچہ صورت نہیں پائی گئی، صوم وصال کی حدیث میں ارشاد نبوی ہے اِنَّ رَبِّی یُطْعِمُنِی وَیَسْقِیْنِیْ اس حدیث میں یہی حقیقت سمجھائی گئی ہے کہ اسباب کے بغیر اگر نتیجہ حاصل ہو جائے تو اسباب کو اختیار کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، جیسا کہ صوم وصال کی صورت میں آپ نے فرمایا، میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا ہے، یعنی کھانے اور پانی کے استعمال کے بغیر ہی مجھے سیری اور سیرابی ہو جاتی ہے، اسی طرح قبر میں سانپوں کا کاٹنا جو کہ سبب الم ہے، وہ مقصود نہیں ہے، مقصود اس کا نتیجہ ہے جو عذاب قبر کی شکل میں موجود ہے گو صورت موجود نہیں۔ (رحمة الله الواسعة ملخصًا)

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿۵۱﴾ جَمْعُ شَاهِدٍ وهم المَلَائِکَةُ یَشْهَدُوْنَ لِلرُّسُلِ بِالبَلَاغِ وعَلَی الکُفَّارِ بِالتَّکْذِیْبِ **یَوْمَ لَا یَنْفَعُ** بِالتَّاءِ والیاء **الظّٰلِمِیْنَ مَعْذِرَتُهُمْ** عُذْرُهم لَو اعْتَذَرُوْا **وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ** ای البُعْدُ مِنَ الرَّحْمَةِ **وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ** ﴿۵۲﴾ الاٰخِرَةِ ای شِدَّةُ عَذابِها **وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْهُدٰی** التَّوْرٰةَ والمُعجِزاتِ **وَاَوْرَثْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ** مِن بَعْدِ مُوْسٰی **الْکِتٰبَ** ﴿۵۳﴾ التَّوْرٰةَ **هُدًی** هَادِیًا **وَّذِکْرٰی لِاُولِی الْاَلْبَابِ** ﴿۵۴﴾ تَذْکِرَةً لِاَصْحَابِ العُقُولِ **فَاصْبِرْ** یا مُحَمَّدُ **اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ** بِنَصرِ اَوْلِیَائِهِ **حَقٌّ** وَاَنْتَ وَمَنْ تَبِعَكَ منهم **وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ** لِیُسْتَنَّ بك **وَسَبِّحْ** صَلِّ مُتَلَبِّسًا **بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِیِّ** هو مِن بعدِ الزَّوالِ **وَالْاِبْکَارِ** ﴿۵۵﴾ الصَّلَوَاتِ الخمسَ **اِنَّ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِ اللّٰهِ** القراٰن **بِغَیْرِ سُلْطٰنٍ** بُرهانٍ **اَتٰهُمْ اِنْ** ما **فِیْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا کِبْرٌ** تکبُّرٌ طَمَعٌ اَنْ یَعْلُوْا علیك و **مَّا هُمْ بِبَالِغِیْهِ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ** مِن شَرِّهم **اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ** لِاَقْوالِهم **الْبَصِیْرُ** ﴿۵۶﴾ بِاَحْوالِهم ونزَلَ فی مُنْکِرِی البَعْثِ **لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ**

اِبْتِدَاءً **اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ** مَرَّةً ثَانِيَةً وَهِيَ الإِعَادَةُ **وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ** اَيِ الكُفَّار **لَا يَعْلَمُوْنَ** ذٰلك فَهُمْ كَالأَعْمٰى وَمَن يَعْلَمُهُ كَالْبَصِيْرِ **وَمَا يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ وَ** لَا **الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ** هُوَ المُحْسِنُ **وَلَا الْمُسِيْٓءُ** فِيْهِ زِيَادَةُ لَا **قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ** يَتَّعِظُوْنَ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ اَيْ تَذَكُّرُهُمْ قَلِيْلٌ جِدًّا **اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ** شَكَّ **فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ** بِهَا **وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ** اَيْ اُعْبُدُوْنِيْ اُثِبْكُمْ بِقَرِيْنَةِ مَا بَعْدَهُ **اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ** بِفَتْحِ اليَاءِ وَضَمِّ الخَاءِ وَبِالعَكْسِ **جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ** صَاغِرِيْنَ.

ترجمہ: یقیناً ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی دنیوی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں اور اس دن بھی کریں گے جس دن گواہی دینے والے گواہی دیں گے **اَشْهاد، شاهد** کی جمع ہے، اور وہ ملائکہ ہیں جو رسولوں کے (پیغام) پہنچانے کی اور کافروں کے جھٹلانے کی گواہی دیں گے جس دن ظالموں کو ان کے (عذر) معذرت کچھ فائدہ نہ دیں گے، (**یَنْفَعُ**) تاء اور یاء کے ساتھ اگر وہ معذرت کریں گے اور ان کے لئے لعنت ہوگی یعنی رحمت سے دوری اور ان کے لئے آخرت برا گھر ہے یعنی دارِ آخرت کے عذاب کی شدت اور ہم نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہدایت نامہ یعنی تورات اور معجزات عطا فرمائے اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب یعنی تورات کا وارث بنایا کہ وہ ہدایت یعنی رہنما اور عقلمندوں کے لئے نصیحت تھی سو اے محمد! آپ صبر کیجئے بلاشبہ اپنے اولیاء کی مدد کا اللہ کا وعدہ سچا ہے اور آپ اور آپ کے متبعین ان اولیاء میں شامل ہیں آپ اپنی خطا کی معافی مانگتے رہئے تاکہ لوگ آپ کی پیروی کریں اور صبح وشام حمد کے ساتھ اپنے رب کی تسبیح کرتے رہئے **عَشِیّ** زوال کے بعد کا وقت ہے، مراد پنجوقتہ نمازیں ہیں، جو لوگ باوجود اپنے پاس کسی سند (دلیل) نہ ہونے کے اللہ کی آیات یعنی قرآن میں جھگڑے نکالتے ہیں ان کے دلوں میں بجز تکبر اور اس بات کی خواہش کے کہ آپ پر غالب آجائیں کچھ نہیں وہ اپنے اس مقصد کو کبھی حاصل نہیں کرسکتے سو آپ ان کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کرتے رہئے، بلاشبہ وہ ان کی باتوں کو سننے والا اور ان کے احوال کا جاننے والا ہے (آئندہ آیت) منکرین بعث کے بارے میں نازل ہوئی ابتداءً آسمان وزمین کو پیدا کرنا انسان کو دوبارہ پیدا کرنے سے یقیناً بہت بڑا کام ہے اور دوبارہ پیدا کرنا اعادہ ہے، لیکن اکثر لوگ یعنی کفار اس بات سے ناواقف ہیں تو کفار نابینا کے مثل ہیں اور جو اس بات سے واقف ہیں وہ بینا کے مانند ہیں، اور نابینا اور بینا برابر نہیں اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے حال یہ کہ وہ مخلص بھی ہیں، بدکاروں کے برابر نہیں ہوسکتے اور (**وَلَا الْمُسِیْءُ**) میں لا زائدہ ہے، وہ بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہیں یاء اور تاء کے ساتھ یعنی ان کا نصیحت حاصل کرنا بہت کم ہے قیامت بالیقین اور بلاشبہ آنے والی ہے یہ اور بات ہے کہ اکثر لوگ اس پر ایمان نہیں رکھتے اور تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا، یعنی تم میری بندگی کرو میں تم کو اس کا اجر دوں گا (یہ ترجمہ) آئندہ

آیت کے قرینہ کی وجہ سے ہے یقین مانو جو لوگ میری عبادت سے خود سری کرتے ہیں وہ بہت جلدی ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے یاء کے فتحہ اور خاء کے ضمہ کے ساتھ اور اس کا عکس۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلُہٗ: یومَ یقوم الْاَشہادُ اس کا عطف فی الحیٰوۃ الدنیا پر ہے، یعنی ہم ان کی دنیوی زندگی میں مدد کریں گے اور گواہی کے دن بھی مدد کریں گے۔

قِوْلُہٗ: یوم لا ینفعُ، یومَ یَقُوْمُ الأشہادُ سے بدل ہے۔

قِوْلُہٗ: معذِرَتُھُم تنفعُ کا فاعل ہے لَھُمْ خبر مقدم ہے، اور اَللَّعْنَۃُ مبتداء مؤخر ہے۔

قِوْلُہٗ: لَھُمْ سوء الدار کا عطف لَھُمُ اللعنۃ پر ہے۔

قِوْلُہٗ: لَوِ اعْتَذَرُوْا اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک شبہ کا جواب ہے۔

شبہ: یَوْمَ لَا یَنْفَعُ الظّٰلِمِیْنَ مَعْذِرَتُھُمْ کا مقتضی یہ ہے کہ کفار یوم جزاء میں عذر معذرت کریں گے مگر ان کی یہ عذر ومعذرت کچھ فائدہ نہیں دے گی، اور ایک دوسری آیت وَلَا یُؤْذَنُ لَھُمْ فَیَعْتَذِرُوْنَ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو عذر و معذرت کی اجازت ہی نہیں ہوگی، ان دونوں آیتوں میں تضاد معلوم ہوتا ہے۔

دفع: مفسر علام نے لَوِ اعْتَذَرُوْا کا اضافہ کر کے اسی شبہ کو دفع کیا ہے، دفع کا خلاصہ یہ ہے، بالفرض اگر کفار اس روز عذر معذرت کریں گے بھی تو قبول نہ ہوگی، لہٰذا اب کوئی تعارض نہیں ہے۔

قِوْلُہٗ: ھَادِیًا اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ھُدًی مصدر بمعنی ھَادِیًا، الکتابَ سے حال ہے اور اسی طرح ذکرٰی یہ بھی تذکرۃً کے معنی میں ہو کر الکتاب سے حال ہے، مفسر علام نے اسی ترکیب کی طرف اشارہ کیا ہے، اور بعض حضرات نے ھدٰی اور ذِکرٰی کو اَوْرَثْنَا کا مفعول لِاَجلِہٖ قرار دے کر محلاً منصوب کہا ہے، ای اَوْرَثْنَا الکتابَ لاجل الھدٰی والذِکرٰی۔

قِوْلُہٗ: لِیُسْتَنَّ بِکَ اس کلمہ کے اضافہ کا مقصد ایک شبہ کو دفع کرنا ہے۔

شبہ: وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِکَ میں آپ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ اپنے گناہوں کی معافی طلب کیجئے، جبکہ اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ نبی صغائر و کبائر سے قبل النبوۃ و بعد النبوۃ معصوم ہوتا ہے، تو پھر گناہوں سے معافی طلب کرنے کے حکم کا کیا مقصد ہے؟

دفع: پہلا جواب: آپ ﷺ کو معصوم ہونے کے باوجود طلب مغفرت کا حکم دراصل امت کو تعلیم کے لئے ہے تا کہ نبی کی اقتداء میں امت بھی اپنے گناہوں سے توبہ واستغفار کرتی رہے۔

دوسرا جواب: کلام حذف مضاف کے ساتھ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اِستغفر لذَنْبِ اُمَّتِكَ آپ چونکہ امت کے شفیع ہیں اس لئے ذنبٌ کی نسبت آپ کی طرف کردی گئی ہے، ورنہ مراد امت کے ذنب ہیں۔

تیسرا جواب: ذنبٌ سے مراد خلاف اولیٰ ہے، حسناتُ الابرار سیئاتُ المقربین کے قاعدہ سے لہٰذا خلاف اولیٰ کو ذنب سے تعبیر کردیا گیا ہے۔

قِوْلَہٗ: قلیلاً مَا یَتَذَکَّرُوْنَ. قلِیْلاً مفعول مطلق محذوف کی صفت ہے مَا زائدہ ہے تاکید قلت کے لئے، تقدیر عبارت یہ ہے یَتَذَکَّرُوْنَ تَذَکُّرًا قلیلاً.

قِوْلَہٗ: تَذَکرھُمْ قلیلٌ، قلیلٌ کے رفع کے ساتھ، تَذَکُّرُھُمْ مبتداء کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع، اور بعض نسخوں میں قلیلاً نصب کے ساتھ ہے، نصب کی یہ صورت ہوسکتی ہے کہ قلیلاً کو حال قرار دیا جائے، اور تَذَکُّرھم کی خبر محذوف مانی جائے، تقدیر عبارت یہ ہوگی تَذَکُّرُھُمْ یَحْصُلُ حالَ کونِہٖ قَلِیلاً، قلیلٌ پر رفع اولیٰ ہے جیسا کہ مفسر رَحِمَہُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے اختیار کیا ہے۔

قِوْلَہٗ: بالیاء والتاء، یَتَذَکَّرُوْنَ میں دونوں قراءتیں ہیں، نافع اور ابن کثیر وغیرہ نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے، ماقبل یعنی اِنَّ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ کی موافقت کے لئے، اور باقیوں نے بطور التفات کے خطاب کے ساتھ تَتَذَکَّرُوْن پڑھا ہے، مقصد انکار و توبیخ میں اضافہ کرنا ہے۔

قِوْلَہٗ: اُعْبُدُوْنِی، اُدْعُونِی کی دو تفسیریں ہیں ایک حقیقت اور دوسری مجاز، حقیقت کا مطلب ہے کہ اُدْعونی کو اپنے حقیقی یعنی دعاء کے معنی میں رکھا جائے، مجاز کا مطلب یہ ہے کہ دعاء بمعنی عبادت لیا جائے، عبادت چونکہ دعاء کو شامل ہوتی ہے اور دعاء عبادت کا جزء ہے، اور جز بول کر قرینہ کی وجہ سے مجازاً کل مراد لیا جاسکتا ہے، شارح رَحِمَہُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے دوسری تفسیر کو پسند کیا ہے، اور دعاء بمعنی عبادت لیا ہے، اور قرینہ بعد والی آیت اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عن عبَادَتی (الآیۃ) ہے۔

تفسیر و تشریح

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا (الآیۃ) یعنی ہم رسولوں کے دشمنوں کو ذلیل اور ان رسولوں کو غالب کریں گے، بعض لوگوں کے دلوں میں یہ شبہ پیدا ہوسکتا ہے کہ بعض انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَام کو قتل کیا گیا، جیسے حضرت یحییٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام اور زکریا عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام وغیرہما، اور بعض کو ہجرت پر مجبور کیا گیا جیسے حضرت ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام اور ہمارے نبی صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اور ساتھ میں صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو بھی دشمنوں نے ہجرت پر مجبور کردیا، وعدۂ امداد و نصرت کے باوجود ایسا کیوں ہوا؟

مذکورہ شبہ کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں:

پہلا جواب: مفسرین میں سے بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ نصرت کا یہ وعدہ اکثر واغلب کے اعتبار سے ہے، اس لئے بعض حالات میں بعض دشمنوں کا غالب آجانا اس کے منافی نہیں۔

دوسرا جواب: عارضی طور پر بعض دفعہ اللہ کی حکمت ومشیت کے تحت کافروں کو غلبہ عطا کیا جاتا ہے، لیکن بالآخر اہل ایمان ہی غالب وسرخ رو ہوتے ہیں، جیسے حضرت یحییٰ وزکریا علیہما السلام کے قاتلین پر بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو مسلط فرمادیا، جنہوں نے ان کے خون سے اپنی پیاس بجھائی، اور انہیں ذلیل وخوار کیا، جن یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سولی دینا چاہا، اللہ نے ان یہودیوں پر رومیوں کو ایسا غلبہ دیا کہ انہوں نے یہودیوں کو خوب ذلت وخواری کا عذاب چکھایا، پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ یقیناً ہجرت پر مجبور ہوئے لیکن اس کے بعد غزوۂ بدر میں اور غزوہ احزاب وخیبر وفتح مکہ کے ذریعہ آپ ﷺ کو اسلام کے دشمنوں پر عظیم الشان فتح نصیب فرمائی، دشمن ذلیل وخوار ہو کر گرفتار ہوئے۔

اَشْھَاد، شھید کی جمع ہے، جیسے اشراف، شریف کی جمع ہے، بمعنی گواہ، قیامت کے روز فرشتے اور انبیاء علیہم السلام گواہی دیں گے، یا فرشتے اس بات کی گواہی دیں گے کہ اے الٰہ العالمین تیرے پیغمبروں نے تیرا پیغام اپنی اپنی امتوں کو پہنچادیا تھا لیکن ان کی امتوں نے ان کی تکذیب کی، علاوہ ازیں نبی ﷺ اور آپ کی امت بھی گواہی دے گی، جیسا کہ سابق میں گذر چکا ہے، اسی لئے قیامت کو ''یوم الاشہاد'' گواہیوں کا دن کہا گیا ہے۔

ھُدًی وذِکریٰ دونوں مصدر ہیں محل میں حال کے واقع ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں اور معنی میں **ھادٍ** اور **مذکِّر** کے ہیں۔

اِنْ فی صدورھم یعنی یہ لوگ جو اللہ کی آیات میں بغیر کسی حجت ودلیل کے تکرار کرتے ہیں اس کی وجہ تکبر اور بڑائی کے سوا کچھ نہیں ہے، یہ اپنی بڑائی چاہتے ہیں اور بے وقوفی سے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بڑائی ہم کو اپنے مذہب پر قائم رہنے کی وجہ سے حاصل ہے، اس کو چھوڑ کر اگر ہم مسلمان ہوجائیں گے تو ہماری یہ ریاست اور یہ اقتدار ختم ہوجائے گا، قرآن کریم کہتا ہے **مَا ھُمْ بِبَالِغِیْہِ** یعنی یہ لوگ اپنی مطلوبہ بڑائی بغیر اسلام لائے حاصل نہیں کرسکتے۔ (قرطبی)

وَقَالَ رَبُّکُمْ ادعونی استجِبْ لکُمْ (الآیۃ) دعاء کے لفظی معنی پکارنے کے ہیں اور اس کا اکثر استعمال حاجت اور ضرورت کے لئے پکارنے میں ہوتا ہے، بعض اوقات مطلق ذکر اللہ کو بھی دعاء کہہ دیا جاتا ہے، یہ آیت امت محمدیہ کا خاص اعزاز ہے، کہ ان کو دعا مانگنے کا حکم دیا گیا، اور اس کی قبولیت کا وعدہ کیا گیا، اور دعاء نہ مانگنے والے کے لئے وعید وارد ہوئی ہے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کعب احبار سے نقل کیا ہے کہ پہلے زمانہ میں یہ خصوصیت انبیاء علیہم السلام کی تھی کہ ان کو اللہ تعالیٰ

کی طرف سے حکم ہوتا تھا کہ آپ دعاء کریں میں قبول کروں گا، امت محمدیہ کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ حکم پوری امت کے لئے عام کردیا گیا اور قبولیت کا وعدہ بھی کیا گیا۔ (ابن کثیر)

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا اِسنادُ الابصار الیه مَجازیٌّ لانه یبصَرُ فیه اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۶۱﴾ اللّٰهَ فلا یُؤمِنُونَ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰی تُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۲﴾ فکیفَ تُصرَفونَ عن الایمان مع قیام البرہان كَذٰلِكَ یُؤْفَكُ ای مِثل اَفكِ ہؤلاءِ اُفِكَ الَّذِیْنَ كَانُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ مُعجزاتِه یَجْحَدُوْنَ ﴿۶۳﴾ اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً سقفًا وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۴﴾ هُوَ الْحَیُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ اُعبُدوہُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ مِنَ الشِّركِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۵﴾ قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ تعبُدونَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِیَ الْبَیِّنٰتُ دَلائِلُ التَّوحِیدِ مِنْ رَّبِّیْ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۶﴾ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ بخَلقِ ابیکم اٰدمَ منه ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ مَنیّ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ دَمٍ غَلِیظٍ ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا بمعنٰی اَطفالاً ثُمَّ یُبقِیکم لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ تکامُلَ قُوَّتکم مِن ثلاثِین سَنَةً الی الاَربَعِین ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُیُوْخًا بضمِّ الشِّینِ و کسرِہا وَمِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰی مِنْ قَبْلُ ای قبلَ الاَشُدِّ والشیخوخَةِ فعَلَ ذٰلك بکم لِتعیشُوْا وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّی وَقتًا محدُودًا وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ دَلائِلَ التَّوحیدِ فتؤمِنونَ هُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ فَاِذَا قَضٰٓی اَمْرًا اَرادَ ایجادَ شَیءٍ فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۶۸﴾ بِضمِّ النُّونِ وفتحِها بتقدیرِ اَنْ ای یُوجَدُ عَقِبَ الاِرادَةِ التی ہی معنٰی القول المذکُور.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے رات بنادی تاکہ تم اس میں آرام حاصل کرو، اور دن کو دیکھنے والا (روشن) بنادیا، مُبْصِرًا کی اسناد نہار کی جانب مجازی ہے، اس لئے کہ اس میں دیکھا جاتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل و کرم والا ہے، لیکن اکثر لوگ شکر گزاری نہیں کرتے جس کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے یہی اللہ ہے تم سب کا رب ہر چیز کا خالق اس کے سوا کوئی معبود نہیں پھر تم ایمان سے دلیل کے باوجود کہاں الٹے چلے جارہے ہو؟ اسی طرح یعنی ان لوگوں کے الٹے چلنے کے مانند وہ لوگ بھی الٹے چلا کرتے تھے جو اللہ کی آیتوں یعنی معجزات کا انکار کیا کرتے تھے، اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو قیام گاہ بنایا اور آسمان کو چھت بنایا اور تمہاری صورتیں بنائیں اور بہت اچھی بنائیں، اور تم کو عمدہ عمدہ چیزیں کھانے کو دیں، یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے بہت ہی برکتوں والا اللہ ہے، سارے جہانوں کا رب وہ زندہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں شرک سے دین کو خالص کر کے اسی کی بندگی کرو تمام خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے، آپ کہہ دیجئے! مجھے ان کی عبادت سے

روک دیا گیا ہے جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے (یعنی) بندگی کرتے ہو جبکہ میرے پاس میرے رب کی نشانیاں (یعنی) توحید کے دلائل آچکے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمام جہانوں کے پروردگار کے تابع فرمان رہوں، وہ وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا (یعنی) تمہارے ابا آدم کو مٹی سے پیدا کر کے پھر تم کو نطفہ منی سے پیدا کیا پھر تم کو دم بستہ سے پیدا کیا پھر تم کو بچہ کی صورت میں نکالتا ہے، طفلاً بمعنی اطفالاً ہے پھر تم کو باقی رکھتا ہے تاکہ تم اپنی پوری قوت کو پہنچ جاؤ (یعنی) تمہاری قوت مکمل ہوجائے، تیس سال سے لیکر چالیس سال تک پھر بوڑھے ہوجاؤ شین کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ اور تم میں سے بعض جوانی اور بڑھاپے کو پہنچنے سے پہلے ہی فوت ہوجاتے ہیں وہ تمہارے ساتھ ایسا اس لئے کرتا ہے تاکہ تم زندہ رہو اور ایک خاص محدود مدت تک پہنچ جاؤ اور تاکہ تم توحید کے دلائل کو سمجھو اور ایمان لے آؤ، وہی ہے جو جلاتا اور مارتا ہے پھر جب وہ کسی کام کے کرنے یعنی موجود کرنے کا ارادہ کرلیتا ہے تو اسے صرف یہ کہہ دیتا ہے کہ ہوجا، پس وہ ہوجاتی ہے، نون کے ضمہ کے ساتھ اور اَن کی تقدیر کی وجہ سے فتحہ کے ساتھ یعنی (وہ شئ) اس ارادہ کے بعد موجود ہوجاتی ہے، معنی میں قول مذکور کے ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَنَ: اَللّٰہُ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ اللَّیْلَ لِتَسْکُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا، اللّٰہ مبتداء اَلَّذِیْ اسم موصول جَعَلَ فعل ماضی بمعنی خَلَقَ، لکم متعلق بجعل، اللَّیْل مفعول بہ، لِتَسْکُنُوْا متعلق بجعل، فِیْهِ متعلق تَسْکُنُوْا سے، واؤ عاطفہ اَلنَّهَارَ ذوالحال مُبْصِرًا حال، حال ذوالحال سے مل کر معطوف اللیل پر، معطوف معطوف علیہ سے مل کر مفعول بہ جَعَلَ کا، جَعَلَ جملہ ہوکر صلہ ہوا الَّذِی کا، الذی جملہ ہوکر خبر ہوئی اللّٰہ مبتداء کی۔

قِوْلَنَ: وَالنهارَ مُبصِرًا، مبْصِرًا کی النَهار کی طرف مبالغہ کے لئے اسناد مجازی ہے یعنی دن کو اس قدر روشن بنایا گویا کہ وہ خود مُبصِر ہوگیا، اسی وجہ سے تعلیل سے حال کی طرف عدول کیا ہے، یعنی مُبصِرًا کو علت کے بجائے حال بنایا ہے۔

قِوْلَنَ: لِاَنَّہٗ یُبْصَرُ فیهِ سے اشارہ کردیا کہ اسناد مجازی کی وجہ علاقۂ ظرفیت ہے، اسناد مجازی کہتے ہیں، کسی ربط و تعلق کی وجہ سے غیر ماھو له کی طرف نسبت کرنے کو جیسا کہ آیت میں کہا گیا ہے، ہم نے دن کو دیکھنے والا بنایا، حالانکہ دن دیکھنے والا نہیں ہوتا بلکہ دن دیکھنے کا زمانہ یا وقت ہے یعنی دن میں دیکھا جاتا ہے، اسی تعلق ظرفیت کی وجہ سے دیکھنے کی نسبت نہار کی طرف کردی ہے، یہ نهرٌ جارٍ کے قبیل سے ہے، نہر چونکہ ماء کے لئے ظرف ہے، اس لئے جریان کی نسبت نہر کی طرف کردی۔

قِوْلَنَ: ذٰلِکُمُ اللّٰہُ، ذٰلکم مبتداء اس کی چار خبریں ہیں، ① اللّٰہ ② ربکم ③ خالق کل شیئ ④ لا الٰه اِلّا هو.

قِوْلَنَ: الحمد للّٰہ رب العالمین (الآیة) اس میں دو احتمال ہیں ① بندوں کا کلام ہو ② رب العالمین کا کلام ہو، اگر بندوں کا کلام ہوگا تو قائلین محذوف کا مقولہ ہوکر حال ہوگا، اور اگر اللہ تعالیٰ کا کلام ہو تو کلام مستانف ہوگا، اور اپنے بندوں

کو طریقہ حمد سکھانے کے لئے ہوگا۔

قَوْلُہٗ: کذٰلك اول کاف حرف تشبیہ ذَا اسم اشارہ، ل علامت اشارہ بعید، آخری کاف حرف خطاب، کذٰلك سے مذکورہ سابق کی طرف اشارہ ہوتا ہے بمعنی، ایسے ہی، اسی طرح۔

قَوْلُہٗ: یُوفكُ (ض،س) اَفَکًا اِفکًا أفوکًا پھرنا، اِفکًا بہتان لگانا، یُوفكُ مضارع واحد مذکر غائب بمعنی ماضی مجہول۔

قَوْلُہٗ: اُفِكَ الَّذِیْنَ کانوا اُفِكَ فعل ماضی مجہول لاکر اشارہ کردیا کہ یُوْفَكُ مضارع مجہول کے معنی میں ہے۔

قَوْلُہٗ: بمعنی اَطْفَالًا اس میں اشارہ ہے کہ طفل اسم جنس بمعنی جمع ہے یا یخرجکم کل واحد کی تاویل میں ہے ورنہ تو کُمْ ذوالحال جمع اور طفلًا حال مفرد میں مطابقت نہ ہوگی۔

قَوْلُہٗ: بخلقِ اَبِیْکُمْ آدم مِنه اس عبارت سے ایک شبہ کا دفع مقصود ہے۔

شبہ: خَلَقَکُمْ مِنْ تُرابٍ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی آدم کو مٹی سے پیدا کیا ہے، حالانکہ بنی آدم کی تخلیق نطفہ سے ہوتی ہے۔

دفع: مضاف محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے خَلَقَکُمْ ای خَلَقَ اَبِیْکُمْ آدمَ مِن تُرَابٍ شبہ دفع ہوگیا، اور کلام کو بغیر حذف مضاف کے اپنی اصل پر بھی رکھ سکتے ہیں، اس لئے کہ انسان نطفہ سے اور نطفہ غذا سے اور غذا مٹی سے پیدا ہوتی ہے، لہٰذا گویا کہ انسان مٹی سے پیدا ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: اُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ، اُسْلِمَ یا تو اَلاِسْلام بمعنی انقیاد سے ماخوذ ہے یا بمعنی خلوص سے ماخوذ ہے، ہر صورت میں مفعول محذوف ہے، پہلی صورت میں تقدیر یہ ہے اُسْلِمَ امری لَهٗ تعالٰی اور دوسری صورت میں تقدیر یہ ہے خَلَصَ قلبی مِن عبادةِ غیرہٖ تعالٰی.

قَوْلُہٗ: یُبْقِیْکُمْ، یُبْقِیْکُمْ کو محذوف ماننے کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ لِتَبْلُغُوْا، یُبْقِیْکُمْ محذوف کے متعلق ہے اور لتبلغوا اس کی علت ہے۔

قَوْلُہٗ: لِتَبْلُغُوْا اَجَلًا مُسَمًّی لام تعلیل کے لئے ہے جو کہ علت مقدرہ پر معطوف ہے جس کو شارح نے لِتَعِیْشُوا کہہ کر ظاہر کردیا ہے۔

قَوْلُہٗ: فَعَلَ ذٰلك بِکُمْ اس عبارت کو مقدر ماننے کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ، لِتَبلُغُوْا کا عطف لیعیشُوا محذوف پر ہے اور وہ محذوف سابق میں مذکور افعال باری تعالیٰ کی علت ہے، اس طرح مذکورہ افعال باری تعالیٰ کی دو علتیں ہوں گی یعیشوا اور یبلغوا یعنی اللہ وہ ذات ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، اور تم کو بچہ بنا کر نکالا تاکہ تم زندہ رہو اور وقت مقرر کو پہنچو۔

قَوْلُہٗ: فَيَكُوْنُ رفع کی صورت میں مبتداء محذوف کی خبر ہوگی ای فَهُوَ يَكُوْنُ اور نصب کی صورت میں اَنْ مقدر کی وجہ سے منصوب ہوگا، ای فَاَنْ يَكُوْنَ.

قَوْلُہٗ: اِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ کی تشریح مفسر علام نے اپنے قول عَقْبَ الْإِرَادَةِ الَّتِي هِيَ مَعْنَى الْقَوْلِ الْمَذْكُوْرِ سے کی ہے، اس کا مقتضی یہ ہے کہ آیت کی تحلیل اس طرح ہو، ای اِذَا اَرَادَ اِيْجَادَ شَيْءٍ فَاِنَّمَا يُرِيْدُ اِيْجَادَهٗ فَيُوْجَدُ اور اس تحلیل کے کوئی معنی نہیں، اس لئے کہ اس تحلیل کی صورت میں مطلب یہ ہوگا، جب اللہ تعالیٰ کسی شئ کے ایجاد کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو وہ شئ موجود ہو جاتی ہے، یعنی شئ سے ارادہ کا تعلق دو مرتبہ ہوتا ہے اور یہ درست نہیں ہے، لہٰذا بہتر اور صحیح صورت یہ ہے کہ يقولُ كن فيكون کو سرعتِ ایجاد سے کنایہ مانا جائے، تو اس صورت میں تحلیل عبارت یہ ہوگی اِنْ اَرَادَ اِيْجَادَ شَيْءٍ وُجِدَ سريعًا من غير توقفٍ علٰى شيءٍ مفسر علام نے ای يُوْجَدُ کہہ کر بتادیا کہ كُنْ فَيَكُوْنُ میں امر سے مراد حقیقۃً امر نہیں ہے، اس لئے کہ اگر حقیقۃً امر مراد ہو تو دو حال سے خالی نہیں، یا تو كُنْ کہنے کے وقت وہ شئ جس کی ایجاد کا ارادہ کیا ہے موجود ہوگی یا نہیں، اگر موجود ہے تو كُنْ کہنے کے کیا معنی؟ اس لئے کہ یہ تو تحصیل حاصل ہے، اور اگر وہ شئ كُن کہنے کے وقت موجود نہیں ہے تو پھر معدوم کو خطاب لازم آتا ہے، جو ظاہر البطلان ہے اس لئے کہ معدوم شئ مخاطب نہیں ہوا کرتی، اس لئے اللہ تعالیٰ کے قول كن فيكونُ کو سرعتِ ایجاد سے کنایہ مانا جائے، اب مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی شئ کے ایجاد کا ارادہ فرماتے ہیں تو وہ شئ ارادہ کے متعلق ہونے کے بعد فوراً بلا تاخیر موجود ہو جاتی ہے۔ (جمل، ترویح الارواح)

تفسیر وتشریح

اَللّٰهُ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ (الآية) مذکورہ آیات میں حق تعالیٰ کے انعامات اور قدرتِ کاملہ کے چند مظاہر پیش کر کے توحید کی دعوت دی گئی ہے، اللہ تعالیٰ نے رات تاریک بنائی تاکہ کاروبار زندگی معطل ہو جائیں، اور لوگ امن وسکون سے سوسکیں، قدرت نے تمام انسانی طبقہ میں بلکہ جانوروں کے لئے بھی فطری طور پر نیند کا ایک وقت مقرر کر دیا ہے، اور اس وقت کو تاریک بنا کر نیند کے لئے مناسب بنا دیا ہے، اور دن کو روشن بنایا تاکہ معاشی تگ ودو میں تکلیف نہ ہو اگر ظلمت ہی ظلمت ہوتی تو لوگوں کے کام کاج معطل ہو جاتے، اور جب تم کو یہ معلوم ہوا کہ اللہ ہی ہر چیز کا خالق ومالک ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، تو پھر اس کی عبادت سے کیوں بدکتے اور بھاگتے ہو اور اس کی توحید سے کیوں منہ موڑتے اور اینٹھتے ہو۔

وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ان کی شکل وصورت سب سے اعلیٰ اور ممتاز بنائی، متناسب اعضاء عطا فرمائے، سوچنے سمجھنے کے لئے عقل عطا فرمائی، اور جب سب کچھ کرنے والا اور دینے والا وہی ہے، دوسرا کوئی نہ اختیارات میں شریک اور نہ بنانے میں، تو عبادت کا مستحق بھی صرف وہی ایک اللہ ہے، لہٰذا استمداد واستغاثہ بھی اسی سے کرو کہ وہی سب کی فریادیں اور التجائیں سننے والا ہے، دوسرا کوئی بھی مافوق الاسباب طریقہ سے کسی کی بات سننے والا نہیں، جب یہ بات

ہے تو مشکل کشائی اور حاجت روائی دوسرا کون کرسکتا ہے؟

لَمَّا جَاءَنِیَ الْبَیِّنٰتُ مِنْ رَّبِّیْ (الآیة) یہ وہی عقلی اور نقلی دلائل ہیں جن سے اللہ کی توحید اور رب ہونے کا اثبات ہوتا ہے جو قرآن میں جابجا ذکر کئے گئے ہیں، ''اسلام'' کے معنی ہیں اطاعت وانقیاد کے لئے جھک جانا، سر اطاعت خم کر دینا، آئندہ آیت میں پھر کچھ قدرت کاملہ اور توحید کے دلائل ذکر کئے گئے ہیں، مثلاً تمہارے باپ آدم کو مٹی سے بنایا، جوان کی اولاد کے مٹی سے پیدا ہونے کو مستلزم ہے، پھر اس کے بعد نسل انسانی کے تسلسل اور اس کی بقاء وتحفظ کے لئے انسانی تخلیق کو نطفہ سے وابستہ کر دیا، اب ہر انسان اس نطفے سے پیدا ہوتا ہے، جو صلب پدر سے رحم مادر میں جا کر قرار پکڑتا ہے، سوائے حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے کہ ان کی پیدائش معجزانہ طور پر بغیر باپ کے ہوئی، جیسا کہ قرآن کریم میں بیان کردہ تفصیلات سے واضح ہوتا ہے اور امت کا اس پر اجماع ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِ اللّٰهِ القراٰن اَنّٰى کیف یُصْرَفُوْنَ ﴿۶۹﴾ عن الایمان اَلَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِالْکِتٰبِ القُراٰنِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا مِنَ التوحیدِ والبَعثِ وہم کُفَّارُ مکّةَ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ﴿۷۰﴾ عُقوبَةَ تکذیبِہم اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ اذ بمعنی اِذَا وَالسَّلٰسِلُ عَطفٌ علی الاغلالِ فتکُونُ فی الاَعْناقِ اَوْ مُبتدأ خبرُہ محذُوف ای فِی اَرْجُلِہم او خبرُہ یُسْحَبُوْنَ ﴿۷۱﴾ ای یُجرُّونَ بہا فِی الْحَمِیْمِ ای جَہَنَّمَ ثُمَّ فِی النَّارِ یُسْجَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ یُوقَدُونَ ثُمَّ قِیْلَ لَهُمْ تبکیتًا اَیْنَ مَا کُنْتُمْ تُشْرِکُوْنَ ﴿۷۳﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ معہ وہی الاَصنامُ قَالُوْا ضَلُّوْا غابُوا عَنَّا فلا نراہم بَلْ لَّمْ نَکُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَیْـًٔا اَنکرُوا عبادتَہم اِیَّاہا ثم أُحضِرَتْ قال تعالٰی اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَہَنَّمَ ای وقُودُہا کَذٰلِکَ ای مِثلَ اِضلالِ ہٰؤُلاءِ المُکذِّبین یُضِلُّ اللّٰهُ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۷۴﴾ ویُقالُ لہم ایضًا ذٰلِکُمْ العذابُ بِمَا کُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ مِنَ الاِشراکِ واِنکارِ البَعثِ وَبِمَا کُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ﴿۷۵﴾ تتوسَّعُونَ فی الفرحِ اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا فَبِئْسَ مَثْوَى مأوی الْمُتَکَبِّرِیْنَ ﴿۷۶﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ بعذابِہم حَقٌّ فَاِمَّا نُرِیَنَّکَ فیہ اِنِ الشَّرطِیَّةُ مُدغمةٌ وما زائدةٌ تُؤکِّدُ معنَی الشَّرطِ اَوَّلَ الفِعلِ والنُّونُ تؤکِّدُ اٰخِرَہ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ بہ من العذاب فی حیاتِکَ وجَوابُ الشَّرطِ محذوفٌ ای فذاک اَوْ نَتَوَفَّیَنَّکَ قبل تَعذیبِہم فَاِلَیْنَا یُرْجَعُوْنَ ﴿۷۷﴾ فنُعذِّبُہم اشدَّ العذابِ فالجَوابُ المذکُورُ لِلمَعطُوفِ فقط وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِکَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَیْکَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْکَ رُوِیَ اَنَّہٗ تعالٰی بعثَ ثمانِیَةَ الاٰفِ نبیٍّ اَربعَةُ الافِ نبیٍّ مِن بنی اِسرائیلَ واَربعةُ الافِ نبیٍّ من سائرِ النَّاسِ وَمَا کَانَ لِرَسُوْلٍ منہم اَنْ یَّاْتِیَ بِاٰیَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ لانہم عَبیدٌ مَربُوبُونَ فَاِذَا جَاءَ اَمْرُ اللّٰهِ بنزُولِ العذابِ علی الکُفَّارِ قُضِیَ بینَ الرُّسُلِ ومُکذِّبِیہا بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِکَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۷۸﴾ ای ظَہَرَ القَضاءُ والخُسرانُ للنَّاسِ وہم خاسِرونَ فی کُلِّ وقتٍ قبلَ ذلک۔

مطالقة ۱۲ عند المتأخرین

۱۲ ﴿۴۰﴾ ۸

ترجمہ: کیا آپ نے انہیں دیکھا جو اللہ کی آیتوں قرآن میں تکرار کرتے ہیں؟ ایمان سے کہاں پھرے چلے جارہے ہیں؟ جن لوگوں نے کتاب قرآن کو اور اس توحید اور بعث بعد الموت کو بھی جس کو ہم نے اپنے رسولوں کے ساتھ بھیجا جھٹلایا اور وہ کفار مکہ ہیں، سو ان کو ان کی تکذیب کی سزا (کی حقیقت) ابھی ابھی معلوم ہوا چاہتی ہے جبکہ ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اِذْ بمعنی اِذَا ہے اور زنجیریں ہوں گی (والسلاسل) کا عطف الاغلال پر ہے، تو وہ زنجیریں گردنوں میں ہوں گی، یا السلاسلُ مبتداء ہے اور اس کی خبر محذوف ہے، یعنی ان کے پیروں میں (زنجیریں ہوں گی) یا یُسْحَبُوْنَ اس کی خبر ہے، یعنی ان زنجیروں کے ذریعہ جہنم میں گھسیٹے جائیں گے، پھر وہ (جہنم) کی آگ میں جلائے جائیں گے پھر ان سے لاجواب کرنے کے لئے پوچھا جائے گا کہ جن بتوں کو تم اس کے ساتھ شریک کیا کرتے تھے جو اللہ کے سوا تھے وہ کہاں ہیں؟ تو وہ جواب دیں گے وہ تو ہم سے غائب ہوگئے، ہم کو وہ کہیں نظر نہیں آتے بلکہ (سچ تو یہ ہے) کہ ہم اس کے قبل کسی کو بھی نہیں پوجتے تھے (یعنی) کفار ان (بتوں) کی عبادت کا انکار کردیں گے پھر ان بتوں کو لایا جائے گا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم اور جن کی تم اللہ کے سوا بندگی کرتے تھے جہنم کا ایندھن ہو، اللہ تعالیٰ اسی طرح یعنی ان مکذبین کو گمراہ کرنے کے مانند کافروں کو گمراہ کرتا ہے اور ان سے یہ بھی کہا جائے گا یہ عذاب اس کا بدلہ ہے کہ تم دنیا میں ناحق پھولے نہ سماتے تھے شرک کرکے اور انکار بعث کرکے اور (بے جا) اتراتے پھرتے تھے یعنی حد سے زیادہ اظہار مسرت کرتے تھے (شیخی بگھارتے تھے) (اب آؤ) جہنم میں ہمیشہ رہنے کے لئے اس کے دروازوں میں داخل ہوجاؤ، کیا ہی بری جگہ ہے تکبر کرنے والوں کی، پس آپ (چندے) صبر کریں اللہ کا وعدہ ان کے عذاب کا قطعاً سچا ہے ان سے ہم نے جو عذاب کے وعدے کر رکھے ہیں، ان میں سے کچھ آپ کو آپ کی حیات ہی میں دکھادیں اس میں اِنْ شرطیہ مدغم ہے اور فعل کے شروع میں فعل کی تاکید کے لئے ما زائدہ ہے اور آخر میں تاکید کے لئے نون ہے، اور جواب شرط محذوف ہے اور وہ فذاكَ ہے یا ان کو عذاب دینے سے پہلے ہی آپ کو وفات دیدیں وہ ہماری ہی طرف لوٹائے جائیں گے تو ہم ان کو شدید ترین عذاب دیں گے، جواب مذکور (یعنی فَاِلَیْنَا یُرْجعونَ) فقط معطوف (یعنی نَتَوَفَّيَنَّكَ) کا ہے یقیناً ہم آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیج چکے ہیں جن میں سے بعض کے قصے تو ہم نے آپ سے بیان کردیئے اور ان میں سے بعض کے قصے تو ہم نے آپ کو سنائے ہی نہیں روایت کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آٹھ ہزار انبیاء مبعوث فرمائے ان میں سے چار ہزار بنی اسرائیل میں سے ہیں اور (بقیہ) چار ہزار انبیاء (بقیہ) تمام لوگوں میں سے ہیں، ان میں سے کسی رسول کو یہ قدرت نہیں تھی کہ کوئی معجزہ اللہ کی اجازت کے بغیر لاسکے اس لئے کہ وہ تو (اس کے) مملوک بندے ہیں پھر جس وقت اللہ کا کفار پر نزول عذاب کا حکم آئے گا، تو رسولوں اور ان کو جھٹلانے والوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کردیا جائے گا اس وقت اہل باطل خسارہ میں رہ جائیں گے یعنی قضا و خسران کا ظہور لوگوں کے سامنے اس وقت ہوگا، ورنہ تو وہ اس سے پہلے ہی ہر وقت خسارہ میں تھے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہ: اَلَمْ تَرَ ہمزۂ استفہام تقریری تعجبی ہے۔

قِوْلَہ: اَلَّذِیْنَ کَذَّبُوا، اَلَّذِیْنَ اول الذین سے بدل ہے۔

قِوْلَہ: فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ فاءاستینافیہ ہے، سوف حرف استقبال یَعْلَمُوْنَ فعل مضارع مرفوع، جملہ مستانفہ تہدید کے لئے ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اَلَّذِیْنَ اسم موصول صلہ سے مل کر مبتداء ہو اور فسوف یعلمون اس کی خبر۔ (لغات القرآن)

قِوْلَہ: اِذ بمعنی اِذَا یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَال: سوف حرف استقبال ہے اور اِذْ ماضی کے لئے ہے، دونوں کے مقتضٰی میں تعارض ہے، یہ ایسا ہی ہے کہ کوئی کہے سَوْفَ اصومُ اَمْسِ.

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ اِذْ، اِذَا کے معنی میں ہے اِذَا کے بجائے اِذْ لانے میں مصلحت یہ ہے کہ امور مستقبلہ جب اللہ کی اخبار میں واقع ہوتے ہیں تو وہ متیقنہ اور قطعی الوقوع ہوتے ہیں، جس طرح کہ ماضی قطعی الوقوع ہوتی ہے، لہٰذا اس کو ایسے الفاظ سے تعبیر کردیتے ہیں جو ماضی پر دلالت کرتے ہیں۔

قِوْلَہ: فتکونُ فی الاَعْنَاقِ اس عبارت کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اگر السَّلَاسِلُ کا عطف اَغْلَالُ پر ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ اَغْلَالُ اور سَلَاسِل دونوں گردنوں میں ہوں گے، اور اگر السلاسل کو مبتدا مانا جائے تو اس کی خبر محذوف ہوگی اور وہ فی اَرْجلھم ہے، ای تکون فی اَرْجُلِھم اب مطلب یہ ہوگا کہ طوق گردنوں میں اور زنجیریں پیروں میں ہوں گی، اور خبرہ یُسْحَبُوْنَ کہہ کر، تیسری ترکیب کی طرف اشارہ کردیا، یعنی السلاسل مبتداء اور یُسْحَبُوْنَ جملہ ہو کر اس کی خبر، اور خبر جب جملہ ہوتی ہے تو عائد کا ہونا ضروری ہوتا ہے جو مبتداء کی طرف لوٹے بھا مقدر مان کر عائد کی طرف اشارہ کردیا۔

قِوْلَہ: یُسْحَبُوْنَ، سحبٌ (ف) جمع مذکر غائب مجہول گھسیٹے جائیں گے۔

قِوْلَہ: یُسْجَرُوْنَ، سَجْرٌ (ن) سے مضارع جمع مذکر غائب پٹائے جاؤ گے، جھونکے جاؤ گے، یُسْجَرُوْنَ، سجر التنور سے مشتق ہے اِذَا ملأ بالوقود.

قِوْلَہ: ثُمَّ قیل لَھُمْ ای یقال لَھُمْ قیل ماضی کے ذریعہ تعبیر متحقق الوقوع ہونے کی وجہ سے ہے۔

قِوْلَہ: ثُمَّ اُحْضِرَتْ اس عبارت کا مقصد ایک اعتراض کا دفعیہ ہے۔

سُوَال: مفسر علام نے ضَلُّوْا عَنَّا (الآیة) کی جو یہ تفسیر بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب مشرکین سے فرمائیں گے کہ وہ شرکاء کہاں ہیں جن کو تم میرا شریک ٹھہرایا کرتے تھے؟

جَوَاب: تو مشرکین جواب دیں گے وہ تو ہم سے غائب ہوگئے اور ہم دنیا میں ان میں سے کسی کی بندگی نہیں کیا کرتے تھے، یہ تفسیر ایک دوسری آیت اِنَّکُمْ وَمَا تعبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ حَصَبُ جھنَّمَ اَنْتُمْ لھا وَارِدُوْنَ کے خلاف ہے، اس لئے

کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ معبودان باطلہ وہاں موجود ہوں گے نہ کہ غائب جیسا کہ سابقہ آیت سے معلوم ہوتا ہے ثُمَّ اُحْضِرَتْ کہہ کر جواب دیدیا کہ اولاً معبودان باطلہ غائب ہو جائیں گے اور عابدین ان کی عبادت کا انکار کریں گے، مگر بعد میں ان کو حاضر کیا جائے گا اور عابدین ان کی عبادت کا اقرار بھی کریں گے۔

قِوْلَہٗ: تَمْرَحُوْنَ، مَرَحٌ (ف) سے مرَحًا حد سے زیادہ خوشی کا اظہار کرنا، اترانا۔

قِوْلَہٗ: فیهِ خبر مقدم ہے اِنْ الشرطية مبتداء مؤخر مدغمةً ان شرطیہ سے حال ہے مُدغَمٌ فيهِ یعنی ما زائدہ کا ذکر نہیں کیا یعنی اِمَّا نُرِيَنَّكَ میں فعل کے اول میں ما زائدہ کے ذریعہ تعلیق فعل کی تاکید ہے اور نون ثقیلہ کے ذریعہ فعل کے آخر میں تاکید ہے۔

قِوْلَہٗ: فالجواب المذكور للمعطوف فقط، نَتَوَفَّيَنَّكَ کا عطف اِمَّا نُرِيَنَّكَ پر ہے، معطوف علیہ پر چونکہ حرف شرط اور ما زائدہ داخل ہیں لہٰذا معطوف پر بھی داخل ہوں گے، معطوف علیہ اور معطوف دونوں کو جواب شرط کی ضرورت ہے، اور جواب شرط صرف ایک ہے اور وہ ہے فَاِلَيْنَا يُرجعونَ مذکور جواب شرط معطوف یعنی نَتَوَفَّيَنَّكَ کو دیدیا، اب معطوف علیہ یعنی نُرِيَنَّكَ بلا جواب شرط کے باقی رہ گیا، اس کے لئے جواب شرط محذوف مان لیا، جس کو شارح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فَذَاكَ کہہ کر ظاہر کر دیا، مطلب یہ ہوگا، کفار سے ہم نے عذاب کے جو وعدے کر رکھے ہیں ان میں سے کچھ اگر ہم آپ کو دنیوی زندگی میں دکھادیں تو یہ بھی ہوسکتا ہے اور اگر ہم آپ کو ان کو عذاب دینے سے پہلے وفات دیدیں تو سب کو ہمارے پاس لوٹ آنا ہی ہے تو وہاں ہم ان کو شدید عذاب دیں گے، پہلا خط کشیدہ جملہ اِمَّا نُرِيَنَّكَ شرط کا جواب ہے، اور دوسرا خط کشیدہ جملہ نَتَوَفَّيَنَّكَ شرط کا جواب ہے۔

اور بعض مفسرین حضرات نے کہا ہے کہ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ دونوں شرطوں کا جواب بھی ہوسکتا ہے، اس صورت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی اِنْ نُعَذِّبْهُمْ فِي حَيَاتِكَ اَوْ لَمْ نُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّمَا نُعَذِّبُهُمْ فِي الآخرة اَشَدَّ العَذَاب فَاِنَّمَا نُعَذِّبُهُمْ الخ دونوں شرطوں کا جواب ہے۔

قِوْلَہٗ: هُنَا لِكَ یہ ظرف مکان ہے مگر یہاں ظرف زمان کے لئے استعمال ہوا ہے۔

تفسیر و تشریح

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْ اٰيٰتِ اللّٰهِ یہ مشرکین کے انکار و تکذیب پر اظہار تعجب ہے کہ ظہور دلائل اور وضوح حق کے باوجود کسی طرح حق کو نہیں مانتے، ان کو جب پتہ چلے گا کہ جب فرشتے ان کے گلے میں طوق اور پیروں میں بیڑیاں جکڑ کر سر کے بل گھسیٹ کر جہنم میں جھونک دیں گے، اور کہیں گے وہ کہاں ہیں جن کو تم حضرت حق جلَّ شانہ کے ساتھ شریک کیا کرتے تھے؟ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا مشرکین جہنم میں داخل ہونے کے بعد جواب دیں گے پتہ نہیں ہمیں چھوڑ کر کہاں غائب ہو گئے نظر نہیں آرہے؟ وہ اپنی مصیبت میں پھنسے ہوئے ہیں، ہماری مدد کیا کریں گے؟ اس کے بعد ان کی عبادت ہی سے انکار کر دیں گے، جیسے

کہ سورۂ انعام میں فرمایا گیا وَاللہ ربّنا مَا کنَّا مشرکین ''واللہ ہم مشرکین میں سے نہیں تھے'' بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ بتوں کے وجود اور ان کی عبادت کا انکار نہیں ہے، بلکہ اس بات کا اعتراف ہے کہ ان کی عبادت باطل اور لاشی محض تھی، اس لئے کہ روزِ محشر ان پر واضح ہو جائے گا کہ وہ ایسی چیزوں کی عبادت کرتے رہے کہ جو نہ سن سکتی تھیں اور نہ دیکھ سکتی تھی، اور جو نہ نقصان پہنچا سکتی تھیں اور نہ نفع، یہ حسبتُه شیئًا فلم یکن کے قبیل سے ہے۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں جس کا ۔۔۔ جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

اس کے دوسرے معنی جو شروع میں بیان ہوئے وہ واضح ہیں کہ وہ سرے سے شرک ہی کا انکار کر دیں گے، صاوی نے کہا ہے کہ ابتداءً اس فائدے کی امید پر کہ شاید ہماری بات مان کر ہم پر رحم کر دیا جائے، اظہار براءت اور انکار کریں گے بل لم نکُنْ ندعوا مِن قبلُ شیئًا. ضَلُّوْا عَنَّا سے اضراب ہے، اور مشرکین کا قول ضَلُّوا عَنَّا اقرار سے پہلے کا ہے، اور جب دیکھیں گے کہ انکار سے کوئی فائدہ نہیں تو اعتراف و اقرار کریں گے مگر ساتھ ہی یہ بھی کہیں گے کہ یہاں آکر پتہ چلا کہ ان کی عبادت بے سود اور باطل محض تھی۔

ذَالِکُمْ کُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَبِمَا کُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ، تفرحون، فرحٌ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں خوش ہونا، اور اظہار مسرت کرنا، اور تَمْرَحُوْنَ، مرحٌ سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں اترانا، اور مال و دولت پر فخر و غرور میں مبتلا ہو کر دوسروں کے حقوق میں تعدی کرنا اور ان کو حقیر سمجھنا، مرح مطلقاً مذموم اور حرام ہے، اور فَرح یعنی خوشی میں یہ تفصیل ہے کہ مال و دولت کے نشہ میں خدا کو بھول کر معاصی سے لذت حاصل کرنا اور ان پر خوش ہونا حرام ہے، اس آیت میں یہی فرح مراد ہے، جیسا کہ قارون کے قصہ میں لا تَفْرَحْ اِنَّ اللہَ لا یحبُ الفرحین اور فرح کی دوسری قسم یہ ہے کہ دنیا کی نعمتوں اور راحتوں کو اللہ کا انعام سمجھ کر ان پر خوش ہونا اور اظہار مسرت کرنا یہ جائز بلکہ مستحب ہے، اسی فرح کے متعلق قرآن کریم نے فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوْا فرمایا یعنی اس پر خوش ہونا چاہئے، آیت مذکور میں فرح کے ساتھ کوئی قید نہیں ہے، مرح مطلقاً مذموم اور سبب عذاب ہے، اور فرح کے ساتھ بغیر الحق کی قید لگا کر بتلا دیا کہ ناحق اور ناجائز لذتوں پر خوش ہونا اور اترانا حرام ہے، اور حق اور جائز لذتوں اور نعمتوں پر بطور شکر کے خوش ہونا عبادت اور ثواب ہے۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللہِ حَقٌّ اس میں نبی ﷺ کو تسلی اور دشمنوں پر فتح کا وعدہ ہے یعنی آپ صبر کریں ہم کافروں سے ضرور انتقام لیں گے، یہ وعدہ جلدی ہی پورا ہو سکتا ہے یعنی دنیا ہی میں ہم ان کی گرفت کر لیں یا حسب منشاء الٰہی تاخیر بھی ہو سکتی ہے، یعنی روز قیامت ہم ان کو سزا دیں گے تاہم یہ بات یقینی ہے کہ یہ لوگ ہماری گرفت سے بچ کر نہیں جا سکتے۔

فَاِمَّا نُرِیَنَّکَ بَعْضَ الَّذِیْ (الآیة) یعنی آپ کی زندگی ہی میں ہم ان کو مبتلائے عذاب کر دیں چنانچہ ایسا ہی ہوا، اللہ نے کافروں سے انتقام لے کر مسلمانوں کی آنکھوں کو ٹھنڈا کیا، جنگ بدر میں ستر کافر مارے گئے ۸ھ میں مکہ فتح ہو گیا، اور پھر نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ ہی میں پورا جزیرۂ عرب مسلمانوں کے زیر نگین آ گیا، اور اگر کسی مصلحت اور مشیت الٰہی کے پیش نظر دنیا

میں گرفت نہ کی جائے تو یہ کافر عذاب الٰہی سے بچ کر جائیں گے کہاں؟ آخر کار میرے ہی پاس آئیں گے، جہاں ان کے لئے سخت عذاب ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلاً مِنْ قَبْلِكَ (الآية) یہ بھی نبی کریم ﷺ کو تسلی ہے کہ ہم نے آپ سے پہلے بہت سے انبیاء واضح دلائل اور معجزات دیکر بھیجے، ان کی قوم نے نہ صرف یہ کہ ان سے مجادلہ کیا بلکہ ان کو قسم قسم کی ذہنی اور جسمانی اذیتیں پہنچائیں، مگر انہوں نے ان کی اذیتوں پر صبر کیا، لہٰذا آپ بھی صبر کیجئے، ان انبیاء علیہم السلام میں سے بعض کے حالات وواقعات ہم نے آپ کو سنا بھی دیئے ہیں، اور بہت بڑی تعداد ان انبیاء علیہم السلام کی ہے کہ جن کے واقعات قرآن میں بیان ہی نہیں کئے گئے، اس لئے کہ قرآن کریم میں صرف پچیس انبیاء ورسل کا ذکر اور ان کی قوموں کے حالات بیان کئے گئے ہیں، ان میں سے بھی بعض کا صرف نام لیا گیا ہے قرآن کریم میں ان کے حالات کی تفصیل بیان نہیں کی گئی، شرح مقاصد میں ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ انبیاء علیہم السلام کی کتنی تعداد ہے؟ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا مأة الفٍ واربعة وعشرون الفا ایک لاکھ چوبیس ہزار۔

وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَأْتِىَ بِآيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ یہاں آیت سے مراد معجزہ اور خرق عادت واقعہ ہے، جو پیغمبروں کی صداقت پر دلالت کرے۔

شان نزول:

ہر امت اپنے اپنے پیغمبروں سے معجزات کے مطالبات کرتی رہی ہے کہ ہمیں فلاں معجزہ دکھاؤ، چنانچہ نبی کریم ﷺ سے بھی قریش نے قسم قسم کے معجزات کا مطالبہ کیا، کبھی کہتے کہ چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھاؤ، تب ہم آپ کی نبوت پر ایمان لائیں گے اور کبھی کہتے کہ کوہ صفا کو سونے کا بنا دو تاکہ ہم سب کی غربت دور ہو کر خوشحالی آجائے، وغیرہ وغیرہ، مطلوبہ معجزات کی تفصیل سورۂ بنی اسرائیل آیت ۹۰، ۹۳ میں موجود ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کسی پیغمبر کے اختیار میں یہ نہیں تھا کہ وہ اپنی قوم کے مطالبہ پر ان کو کوئی معجزہ صادر کر کے دکھادے، یہ صرف ہمارے اختیار میں ہے، بعض نبیوں کو تو ابتداء ہی سے معجزے دیدیئے گئے تھے، بعض قوموں کو ان کے مطالبہ پر معجزہ دکھلایا گیا، اور بعض کو مطالبہ کے باوجود نہیں دکھلایا گیا، ہماری مشیت کے مطابق اس کا فیصلہ ہوتا تھا، کسی نبی کے ہاتھ میں یہ اختیار نہیں تھا کہ وہ جب چاہتا معجزہ صادر کر کے دکھلا دیتا۔

اَللّٰهُ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ قِيْلَ الاِبِلُ هُنَا خَاصَّةً والظَاهِرُ والبَقَرُ والغَنَمُ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٧٩﴾ وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ مِنَ الدَّرِّ والنَّسْلِ والوَبَرِ والصُّوفِ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِىْ صُدُوْرِكُمْ هي حَمْلُ الاَثْقَالِ الى البِلَادِ وَعَلَيْهَا في البَرِّ وَعَلَى الْفُلْكِ السُفُنِ في البَحْرِ تُحْمَلُوْنَ ﴿٨٠﴾ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَاَىَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ الدَّالَّةِ عَلٰى وَحْدَانِيَّتِهٖ تُنْكِرُوْنَ ﴿٨١﴾ اِسْتِفْهَامُ تَوْبِيْخٍ وتَذْكِيْرُ اَيٍّ اَشْهَرُ مِنْ تَانِيْثِهٖ

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ مِنْ مَصَانِعِ وقصور فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ فَلَمَّا جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ المُعجِزاتِ الظاہراتِ فَرِحُوْا اى الكُفّار بِمَا عِنْدَهُمْ اى الرُسُلِ مِّنَ الْعِلْمِ فَرحَ اِستِهزاءٍ وضحك مُنكِرينَ له وَحَاقَ نَزَلَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ اى العذابَ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا اى شِدَّة عذابِنا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ۝ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ۭ سُنَّتَ اللّٰهِ نصبُه على المصدرِ بفعلٍ مُقدّرٍ مِن لفظِه الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ في الاُمَمِ اَن لا ينفَعهم الايمانُ وقتَ نُزولِ العذابِ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ تَبيَّنَ خُسرانُهم لِكُلِّ اَحدٍ وہم خاسِرونَ في كُلِّ وقتٍ قبلَ ذٰلك.

ع ۹ ۷ ۱۴

ترجمہ: اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے چوپائے (مویشی) پیدا کئے کہا گیا ہے کہ یہاں (انعام) سے خاص طور پر اونٹ مراد ہے اور ظاہر یہی ہے اور بقر و غنم بھی مراد ہو سکتے ہیں تاکہ ان میں سے بعض پر تم سواری کرو اور بعض کو ان میں سے کھاتے ہو اور تمہارے لئے ان میں اور بھی بہت سے منافع ہیں (مثلاً) دودھ، نسل، اونٹ کے بال، اور اون تاکہ تم ان پر سوار ہو کر اپنی دلی مراد کو حاصل کرو اور وہ (مختلف) شہروں تک بوجھ لاد کر لیجاتا ہے، اور ان سواریوں پر خشکی میں اور کشتیوں پر دریا میں چڑھے پھرتے ہو اور وہ تمہیں اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھاتا ہے، پس تم وحدانیت پر دلالت کرنے والی کون کون سی نشانیوں کا انکار کرتے رہو گے؟ استفہام توبیخی ہے، اور اَیَّ مذکر کا استعمال بہ نسبت اَیَّةُ مؤنث کے زیادہ مشہور ہے، کیا ان لوگوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ ان سے پہلوں کا انجام کیسا ہوا، حالانکہ وہ ان سے تعداد میں زیادہ اور قوت اور یادگاروں (مثلاً) قلعوں اور محلوں میں بڑھے ہوئے تھے، ان کی کمائی ان کے کچھ کام نہ آئی پس جب بھی ان کے پاس ان کے رسول کھلے معجزات لے کر آئے تو کافر بطور استہزاء اور منکرین کے ضحک کے طور پر اس علم سے خوش ہوئے جو رسولوں کے پاس تھا بالآخر جس عذاب کو مذاق میں اڑا رہے تھے، وہی عذاب ان پر پلٹ پڑا، چنانچہ جب انہوں نے ہمارے عذاب کی شدت کو دیکھا تو کہنے لگے ہم اللہ واحد پر ایمان لائے، اور جن جن کو ہم اس کا شریک ٹھہرا رہے تھے، ان سب کا انکار کیا، لیکن ہمارے عذاب کو دیکھ لینے کے بعد ان کو ان کے ایمان نے نفع نہیں دیا، اللہ نے اپنا یہی معمول مقرر کر رکھا ہے (سُنَّتَ) کا نصب مصدریت کی بناء پر ہے، اسی (مصدر) کے لفظ سے فعل مقدر کی وجہ سے جو امتوں میں اس کے بندوں میں برابر چلا آ رہا ہے، یہ کہ نزول عذاب کے وقت ایمان فائدہ نہیں دیتا، اور اس وقت کافر خسارہ میں رہ گئے (یعنی) ان کا خسران ہر ایک پر ظاہر ہو گیا، حال یہ کہ وہ اس سے پہلے بھی ہمہ وقت خاسر تھے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلُہٗ: اَلْاَنْعَام مویشی یہ نَعْمٌ کی جمع ہے، اس کے اصل معنی تو اونٹ کے ہیں، مگر بھیڑ، بکری، گائے بھینس پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، بشرطیکہ ان میں اونٹ بھی ہو، اونٹ چونکہ عرب کے نزدیک بہت بڑی نعمت ہے، اس لئے اس کا نام نعم بمعنی نعمت ہوا۔ (لغات القرآن)

قِوْلُہٗ: دَرٌّ دودھ۔

قِوْلُہٗ: اَلْوَبَرُ اونٹ اور خرگوش وغیرہ کے بال (ج) اَوْبَارٌ.

قِوْلُہٗ: وَعلی الفُلْكِ.

سَُوْال: فِی الفُلْكِ کیوں نہیں کہا؟ جیسا کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ میں کہا ہے قُلْنَا احْمِلْ فِیْهَا مِنْ کُلٍّ زَوْجَیْنِ.

جَوَابِ: تا کہ عَلَیْهَا حَاجَةً کا تقابل صحیح ہو جائے، اس کو صنعت ازدواج کہتے ہیں۔

قِوْلُہٗ: اَیَّ اٰیٰتِ اللّٰه. اَیَّ، تُنْکِرُوْنَ کا مفعول مقدم ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اَیٌّ کو مقدم کرنا واجب ہے، اس لئے کہ یہ صدارت کلام چاہتا ہے۔

قِوْلُہٗ: تذکیر اَیّ اَشْهَرُ مِن تانیثه اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَُوْال: اَیَّةُ آیٰتِ اللّٰه کیوں نہیں کہا، جبکہ مضاف الیہ اٰیٰتِ اللّٰهِ کا مقتضی یہ تھا کہ اَیَّ کے بجائے اَیَّةَ ہو۔

جَوَابِ: اسماء جامدہ میں مذکر ومونث میں تفریق غریب ہے جیسا کہ حمارٌ و حمارۃ میں تفریق غریب ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اَیٌّ کا استعمال بہ نسبت اَیَّةٌ کے اکثر واشہر ہے زمخشری نے کہا ہے وقد جاء ت علی اللغة المستفیضه یعنی اَیٌّ کا استعمال کثیر ہے۔ (لغات القرآن)

قِوْلُہٗ: اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا الخ یہاں سے توبیخی مضمون شروع فرما رہے ہیں، فاء عاطفہ ہے ہمزہ محذوف پر داخل ہے، تقدیر عبارت یہ ہے کہ أعجزُوْا فَلَمْ یَسِیْرُوْا الخ.

قِوْلُہٗ: کَیْفَ کَانَ عاقِبَةُ الَّذِینَ من قَبْلِهِمْ. کَیْفَ، کانَ کی خبر مقدم اور عاقبةُ اسم مؤخر ہے۔

قِوْلُہٗ: مَصَانِعُ زیر زمین ذخیرۂ آبی کے لئے بڑے بڑے حوض، ڈیم، قلعے۔ (جمل)

قِوْلُہٗ: فَمَا اغنٰی عَنْهُمْ مَا کَانوا یَکْسِبُوْنَ پہلا ما نافیہ اور استفہام انکاری، دونوں ہو سکتا ہے، یعنی ان کی کمائی ان کے کچھ کام نہ آئی، استفہامیہ کی صورت میں ترجمہ یہ ہوگا، ان کی کمائی ان کے کیا کام آئی؟ ما کانوا یکسبون کا ما مصدریہ اور موصولہ دونوں جائز ہے، پہلا فما اغنٰی ما اغنٰی کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قِوْلِہٗ: فَرِحُوا ای کفار بما عِنْدَهم ای الرُّسُل من العلمِ علم سے وہ علم وحی مراد ہے جو انبیاء علیہم السلام کے پاس تھا اور اس علم پر کافروں کے خوش ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کافروں نے استہزاء اور تمسخر کے طور پر خوشی کا اظہار کیا، اور دلیل اس کی ان کا وحی سے اعراض کرنا اور قبول نہ کرنا ہے، مفسر علام نے بھی یہی معنی مراد لئے ہیں، اور یہی معنی اللہ تعالیٰ کے قول وَحَاقَ بِهِم مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ کے مطابق ہیں، بعض مفسرین نے عِنْدَهُمْ کی ضمیر کو کفار کی طرف لوٹایا ہے، اور علم سے مراد بزعم خویش لَا بَعْثَ وَلَا حِسَابَ کا علم مراد ہے، یا علم سے مراد امور دنیا کا علم ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے بارے میں فرمایا يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِنَ الحيٰوةِ الدنيا وهم عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُوْنَ.

قِوْلِہٗ: سُنَّتَ اللّٰهِ مصدر من لفظهٖ. سُنَّتَ فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے، اور فعل مقدر مصدر کے ہم لفظ ہے ای سَنَّ اللّٰهُ ذٰلك سُنَّةً ماضيةً فی العباد.

قِوْلِہٗ: هُنَالِكَ ای عند رؤیتهم العذاب یہ اسم مکان ہے، زمان کے لئے مستعار لیا گیا ہے۔

قِوْلِہٗ: تَبَيَّنَ خُسر انُهُمْ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَال: خَسِرَ هنالك سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار اور مشرکین اس وقت خائب و خاسر ہوئے اس سے پہلے خائب و خاسر نہیں تھے۔

جَوَاب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ کفار ہر وقت اور ہر زمانہ میں خائب و خاسر رہے، مگر اس خسران و حرمان کا ظہور اب ہوا، خود ان کو اور دوسروں کو پتہ چل گیا کہ آخرت کا خسران و حرمان ہی حقیقی خسران و نقصان ہے۔

تفسیر و تشریح

اللّٰهُ الَّذِی جَعَلَ لَكُمْ (الآیة) اللہ تعالیٰ اپنی ان گنت اور بے شمار نعمتوں میں سے بعض کا تذکرہ فرما رہے ہیں، چوپایوں سے مراد اونٹ گائے، بیل، بھیڑ، بکری ہیں، یہ سواری کے کام بھی آتے ہیں اور ان کا دودھ بھی پیا جاتا ہے، اور ان میں سے بعض سے بار برداری کا کام بھی لیا جاتا ہے، اس کے علاوہ بھی ان میں تمہارے لئے بہت سے منافع ہیں، مثلاً گوشت، پوست، اون، بال، ہڈی وغیرہ سے بہت سی مفید، کارآمد اور نفع بخش اشیاء تیار کی جاتی ہیں، نیز تم ان پر خشکی میں سوار ہو کر اور سامان تجارت لاد کر دور و دراز کا سفر کرتے ہو اور اپنی دلی مراد حاصل کرتے ہو، اور دریائی سفر میں کشتیوں کو استعمال کرتے ہو، سفینہ اور اونٹ میں بڑی قریبی مناسبت ہے، یہی وجہ ہے کہ اونٹ کو سفینۃ الصحراء کہا جاتا ہے۔

مَسْئَلَہ: ہر جانور سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ انعام عام ہے ہر چوپائے کو شامل ہے، اور جَعَلَ لَكُمْ میں لام نفع کے لئے ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ہاتھی کی سواری جائز ہے، البتہ خنزیر چونکہ نص قطعی سے نجس العین ہے، لہٰذا اس سے کسی قسم کا انتفاع درست نہیں ہے۔

نکتہ: منافع چونکہ جمع منکور ہے، لہٰذا مفید استغراق نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ چوپایوں سے ہر قسم کا استفادہ درست نہیں اور مِنْهَا تاکلون میں من تبعیضیہ کا بھی تقاضہ ہے، کہ بعض منافع کو خارج کیا جائے۔

مَسْئَلَۃٌ: کتے کی قیمت مکروہ ہے (ایسر التفاسیر، تائب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ) اور اس کے پالنے میں تفصیل ہے جس کی تفصیل کا مقام کتب فقہ ہیں۔

وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ اللہ تعالیٰ ان کو ایسی نشانیاں دکھاتا ہے جو اس کی قدرت اور وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں، اور یہ نشانیاں اتنی عام اور کثیر اور واضح ہیں کہ جن کا کوئی انکار کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔

بحث: علم کا اطلاق قرآن میں علوم آسمانی پر کیا گیا ہے، اور یہ کفار سے منتفی ہے، تو پھر فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ من العلم کا کیا مطلب؟

جَوَابٌ: ❶ یہاں علم سے علم معاش مراد ہے یعنی تجارت وصنعت وغیرہ کا علم جس میں یہ لوگ فی الواقع ماہر تھے، اور قرآن کریم نے ان کے اس علم کا سورۂ روم میں اس طرح تذکرہ فرمایا ہے يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِنَ الحيٰوةِ الدنيا وَهُمْ عَنِ الآخرةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ یعنی یہ لوگ دنیا کی ظاہری زندگی اور اس کے منافع حاصل کرنے کو تو خوب جانتے اور سمجھتے ہیں، مگر آخرت جہاں ہمیشہ رہنا ہے، اور جہاں کی راحت وکلفت دائمی ہے، اس سے بالکل جاہل اور غافل ہیں۔

جَوَابٌ: ❷ یا بزعم خویش ان کے مزعومات، توہمات وشبہات اور باطل دعوے جن باتوں کو وہ علم سمجھتے تھے وہ علم مراد ہو حالانکہ وہ علم نہیں بلکہ جہل مرکب ہے، جیسا کہ مجاہد سے مروی ہے کہ کفار کہا کرتے تھے کہ ہم جانتے ہیں کہ بعث وحساب کچھ ہونے والا نہیں ہے، وہ لوگ انکار بعث وحساب کو علم سمجھے ہوئے تھے، ان کے اس علم کو جو درحقیقت جہل ہے علم کہا گیا ہے۔

(مظهری، ایسر التفاسیر)

جَوَابٌ: ❸ یا ان کے باطل مزعومات کو استہزاء علم کہا گیا ہے۔ (ایسر التفاسیر، تائب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ)

فَلَمَّا رَأَوْا بَاسَنَا (الآیة) یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ دستور اور معمول ہے کہ آخرت کا عذاب دیکھنے کے بعد ایمان وتوبہ قبول نہیں فرماتے، معائنۂ عذاب کے بعد ان پر بھی واضح ہوگیا کہ اب سوائے خسارے اور ہلاکت کے ہمارے مقدر میں کچھ نہیں، یہ مضمون قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان ہوا ہے، حدیث شریف میں وارد ہے يقبل الله توبة العبدِ مالم يغرغر (ابن کثیر) حالت نزع سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرماتے ہیں۔

سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَة مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ فُصِّلَتْ مَكِّيَّةٌ ثَلَاثٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ فصلت مکی ہے اور اس میں ترپن (۵۳) آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ حٰمٓ ﴿١﴾ اللّٰه اعلمُ بمُرادِهٖ به تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿٢﴾ مبتدأ كِتٰبٌ خبرُهٗ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ بُيِّنَتْ بالاحكامِ والقَصَصِ والمَواعِظِ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا حالٌ من كتاب بصِفَتِهٖ لِّقَوْمٍ مُتعلِّقٌ بفُصِّلت يَّعْلَمُوْنَ ﴿٣﴾ يَفْهَمُوْنَ ذلك وهُمُ العربُ بَشِيْرًا صِفةُ قراٰن وَّنَذِيْرًا فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿٤﴾ سَماعَ قبولٍ وَقَالُوْا لِلنبي قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ اَغطيةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ ثِقلٌ وَّمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ خلافٌ في الدين فَاعْمَلْ على دِينِك اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ﴿٥﴾ على دينِنا قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ بالايمان والطّاعةِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ وَوَيْلٌ كلمةُ عذابٍ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ﴿٦﴾ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ تاكيدٌ كٰفِرُوْنَ ﴿٧﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿٨﴾ مقطوعٍ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے حٰمٓ اس کی مراد اللہ ہی بہتر جانتا ہے، یہ کلام رحمٰن و رحیم کی طرف سے اتارا ہوا ہے (تَنْزِیْلٌ) مبتداء ہے، کتابٌ اس کی خبر، یعنی یہ ایسی کتاب ہے کہ جس کی آیتوں کو خوب کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے یعنی احکام وقصص ومواعظ کو خوب ممتاز ومميّز کر کے بیان کیا گیا ہے (حال یہ کہ) قرآن عربی زبان میں ہے قرآنًا، کتابٌ سے بسبب صفت کے حال ہے، لقومٍ، فصلت سے متعلق ہے، اس قوم کے لئے جو سمجھتی ہو اور وہ قوم عرب ہے، خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا ہے (بشیرًا) قرآن کی صفت ہے، پھر بھی ان کی اکثریت نے منہ موڑ لیا، اور وہ قبول کرنے کے لئے سنتے ہی نہیں ہیں، اور انہوں نے نبی ﷺ سے کہا کہ تو جس کی طرف ہمیں بلا رہا ہے ہمارے دل تو اس سے پردے میں ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ (لگی ہوئی) ہے یعنی ہمارے کانوں میں گرانی ہے اور ہمارے اور تیرے درمیان ایک حجاب ہے یعنی دینی اختلاف ہے اچھا تو تو اپنے دین پر عمل کئے جا اور ہم اپنے دین پر عمل کر رہے ہیں، آپ کہہ دیجئے! کہ میں تو تم ہی جیسا انسان ہوں مجھ پر وحی نازل کی جاتی ہے کہ تم سب کا معبود

ایک اللہ ہی ہے تو تم ایمان اور اطاعت کے ساتھ اسی کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اس سے معافی چاہو اور مشرکوں کے لئے بڑی خرابی ہے، وَیْلٌ کلمہ عذاب ہے، وہ لوگ جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کے بھی منکر ہیں ھُمْ تاکید ہے بے شک جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان کے لئے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: تَنْزِیْلٌ مصدر بمعنی اسم مفعول، مبتداء، کتابٌ خبر۔

شبہ: تنزیل نکرہ ہے اس کا مبتداء بنا کیسے صحیح ہے؟

دفع: من الرحمٰن الرحیم، تنزیل کی صفت ہے، جس کی وجہ سے تخصیص ہو کر مبتداء بنا صحیح ہو گیا، تقدیر عبارت یہ ہوگی اَلْمنَزَّلُ مِنَ الرحمٰن الرحیم کتابٌ.

قَوْلُہٗ: فصِّلَتْ آیاتہ کتاب کی صفت ہے۔

قَوْلُہٗ: حال من کتاب بصفتہٖ یعنی قرآنا کتاب سے حال ہے۔

شبہ: کتاب نکرہ یہ ذوالحال واقع نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ ذوالحال کے لئے معرفہ ہونا ضروری ہے۔

دفع: فُصِّلَتْ آیاتہٗ چونکہ کتاب کی صفت ہے، لہٰذا کتاب کا ذوالحال واقع ہونا درست ہے حال من الکتاب بصفتہٖ کا یہی مطلب ہے، بصفتہٖ میں باء سببیہ ہے۔

قَوْلُہٗ: لقوم متعلق بفصلت یہ بھی ایک شبہ کا جواب ہے۔

شبہ: قرآن کریم کی آیات تو سب کے لئے مفصل اور واضح ہیں پھر قوم عاقل کے ساتھ کیوں تخصیص کی گئی؟

دفع: اگرچہ قرآنی آیات فی نفسہٖ سب کے لئے مفصلہ واضحہ ہیں، مگر چونکہ عقل و فہم والے ہی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اس لئے عقلمندوں اور دانشمندوں کی تخصیص کی گئی ہے۔

قَوْلُہٗ: بشیرًا صفۃ قرآن، بشیرًا قرآن کی صفت ہے، اور یہ بھی درست ہے، کہ بشیرًا و نذیرًا دونوں کتاب سے حال یا نعت واقع ہوں، اور عرب کی تخصیص اس لئے ہے کہ عرب قرآن کو بلاواسطہ سمجھنے والے اور اولین مخاطب ہیں بخلاف غیر عرب کے۔

قَوْلُہٗ: وقالوا اس کا عطف اعرضَ پر ہے۔

قَوْلُہٗ: ثِقلٌ یہ وَقْرٌ کے اصل معنی کا بیان ہے، مراد اس سے گراں گوشی (بہرا پن) ہے۔

قِوْلَہٗ: وھم بالآخرۃ ھم کافرون اس کا عطف لا یُؤتُوْنَ پر ہے، اور الذین کے تحت داخل ہے ھم ضمیر فصل کو حصر کے لئے لایا گیا ہے۔

قِوْلَہٗ: تاکید اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ھم ثانی اول ھُم کی تاکید ہے، اور ترویح الارواح میں کہا ہے، کافرون مشرکین کی تاکید ہے، گویا کہ یہ اس اعتراض کا جواب ہے کہ جب ان کی صفت شرک کو بیان کرتے ہوئے مشرکین کہہ دیا، تو پھر ھم کافرون کی کیا ضرورت تھی جواب کا حاصل یہ ہے کہ کافرون، مشرکینَ کی تاکید ہے، لہٰذا بے فائدہ نہیں ہے۔

قِوْلَہٗ: ممنون اسم مفعول مَنَّ سے واحد مذکر غائب ہے (ن) کم کیا ہوا، قطع کیا ہوا۔

تفسیر و تشریح

یہ سات سورتیں ہیں جو حٰمٓ سے شروع ہوئی ہیں، جن کو الِ حٰمٓ یا حَوَامیم کہا جاتا ہے، باہم امتیاز کے لئے اس کے ساتھ نام میں کچھ الفاظ بھی شامل کردیئے جاتے ہیں، مثلاً سورۂ مومن کے حٰمٓ کو حٰمٓ المؤمن اور اس سورت کے حٰمٓ میں حٰمٓ سجدہ کہا جاتا ہے، اس سورت کا دوسرا نام فُصِّلَتْ بھی ہے۔

شان نزول:

نزول قرآن کے بعد ابتداء اسلام میں کفار نے زور وقوت کے ساتھ اسلام کی تحریک کو دبانے اور آپ ﷺ اور آپ پر ایمان لانے والوں کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچا کر خوف زدہ کرنے کی بہت کوششیں کیں، لیکن اسلام ان کی خواہش کے علی الرغم بڑھتا اور قوت پکڑتا چلا گیا، پہلے عمر بن الخطاب جیسے قوی اور جری اسلام میں داخل ہوگئے، اس کے بعد حضرت حمزہ رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ جو قریش کے مسلم سردار تھے مسلمان ہوگئے، تو اب مجبوراً قریش مکہ نے ڈرانے دھمکانے کی پالیسی چھوڑ کر ترغیب ولالچ کے ذریعہ تبلیغ اسلام کا راستہ روکنے کی تدبیریں سوچنا شروع کردیں، اسی سلسلہ کا ایک واقعہ حافظ ابن کثیر نے مسند بزار، ابویعلیٰ اور بغوی کی روایتوں سے نقل کیا ہے، محمد بن اسحٰق نے بیان کیا کہ محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ عتبہ بن ربیعہ جو قریش کا بڑا سردار مانا جاتا تھا، ایک روز قریش کی جماعت کے ساتھ حرم کعبہ کے صحن میں بیٹھا ہوا تھا، دوسری طرف رسول اللہ ﷺ حرم کے ایک گوشہ میں تنہا بیٹھے ہوئے تھے، قریشی سرداروں نے باہم مشورہ کیا کہ محمد ﷺ کے پیروکاروں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہی ہو رہا ہے، ہمیں اس کے سدباب کے لئے ضرور کچھ کرنا چاہئے، اگر آپ لوگوں کی رائے ہو تو میں محمد (ﷺ) سے گفتگو کروں، اور ان کے سامنے کچھ ترغیبی چیزیں پیش کروں، اگر ان میں سے وہ کسی چیز کو قبول کرلیں تو ہم وہ چیز انہیں دیدیں تاکہ وہ ہمارے دین ومذہب کے خلاف تبلیغ کرنا چھوڑ دیں، سب نے ایک زبان ہو کر کہا اے ابوالولید (یہ عتبہ کی کنیت ہے) آپ ضرور ایسا کریں، چنانچہ عتبہ بن ربیعہ اٹھ کر آپ

ﷺ کی خدمت میں گیا، اور آپ ﷺ پر عربوں میں انتشار اور افتراق پیدا کرنے کا الزام عائد کرنے کے بعد پیش کش کی کہ اس نئی دعوت سے اگر آپ کا مقصد مال و دولت حاصل کرنا ہے تو وہ ہم جمع کئے دیتے ہیں، اور اگر آپ قیادت وسیادت چاہتے ہیں تو ہم آج ہی سے آپ کو اپنا لیڈر اور سردار تسلیم کئے لیتے ہیں، اور اگر آپ کسی حسین وجمیل لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہیں تو ایک نہیں ایسی دس لڑکیوں کا آپ کے لئے انتظام کئے دیتے ہیں، اور اگر آپ پر آسیب کا اثر ہے جس کی وجہ سے آپ ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہیں تو ہم اپنے خرچ سے آپ کا علاج کرادیتے ہیں، اور اگر آپ بادشاہت چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ تسلیم کرتے ہیں، عتبہ جو کہ نہایت فصیح اور قادر الکلام تھا طویل تقریر کرتا رہا اور آپ ﷺ خاموشی سے سنتے رہے۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوالولید آپ اپنی بات پوری کر چکے؟ آپ نے فرمایا اب میری سنئے، اس نے کہا ہاں بے شک میں سنوں گا، رسول اللہ ﷺ نے اپنی طرف سے کوئی جواب دینے کے بجائے اس سورت کی تلاوت شروع فرمادی، آپ برابر اس سورت کی تلاوت فرماتے رہے اور عتبہ بڑے غور سے سنتا رہا، جب آپ اس آیت پر پہنچے فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُکُمْ صَاعِقَةً مِّثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ تو عتبہ نے اپنا ہاتھ آپ کے دہن مبارک پر رکھ دیا اور اپنے نسب اور رشتہ کی قسم دے کر کہا ان پر رحم کیجئے، آگے کچھ نہ فرمائیے، اور ابن اسحٰق کی روایت میں ہے کہ عتبہ بڑے غور سے آپ کی تلاوت سنتا رہا اور جب آپ نے آیت سجدہ پر پہنچ کر سجدہ کیا اور فرمایا اے ابوالولید آپ نے سن لیا، اب آپ کو اختیار ہے جو چاہے کرو، عتبہ آپ کے پاس سے اٹھ کر اپنی مجلس کی طرف چلا تو یہ لوگ دور سے عتبہ کو دیکھ کر کہنے لگے، خدا کی قسم ابوالولید کا چہرہ بدلا ہوا ہے، اب اس کا چہرہ وہ نہیں جو یہاں سے جاتے وقت تھا، جب عتبہ اپنی مجلس میں پہنچا، تو لوگوں نے معلوم کیا، کہو ابوالید! کیا خبر لائے؟ عتبہ (ابوالولید) نے کہا میری خبر یہ ہے:

''میں نے ایسا کلام سنا کہ خدا کی قسم اس سے پہلے کبھی ایسا کلام نہیں سنا تھا، خدا کی قسم نہ تو یہ جادوئی کلام ہے اور نہ شعروشاعری، اور نہ کاہنوں کا کلام، اے میری قوم قریش! تم میری بات مانو اور اس معاملہ کو میرے حوالہ کردو، میری رائے یہ ہے کہ تم لوگ اس سے مقابلہ اور ایذاء سے باز آجاؤ، اور ان کو ان کے کام پر چھوڑ دو، کیونکہ ان کے اس کلام کی ایک خاص شان ہونے والی ہے، تم ابھی انتظار کرو، باقی عرب لوگوں کا معاملہ دیکھو، اگر قریش کے علاوہ دیگر لوگوں نے ان کو شکست دیدی تو تمہارا مقصد تمہاری کوشش کے بغیر حاصل ہوگیا، اور اگر وہ عرب پر غالب آگئے تو ان کی حکومت تمہاری حکومت ہوگی، ان کی عزت سے تمہاری عزت ہوگی اور اس وقت تم ان کی کامیابی کے شریک ہوؤ گے''۔

جب قریشیوں نے ابوالولید کا مشورہ سنا تو کہنے لگے اے ابوالولید تم پر تو محمد (ﷺ) نے جادو کردیا، عتبہ نے جواب دیا میری رائے تو یہی ہے آگے تمہیں اختیار ہے جو چاہو کرو۔

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْٓ اَکِنَّةٍ ، اَکِنَّةٌ کِنَانٌ کی جمع ہے، پردہ، کنان دراصل تیردان (ترکش) کو کہتے ہیں، یعنی ہمارے دل اس بات سے پردوں میں ہیں کہ ہم تیری ایمان وتوحید کی دعوت سمجھیں، یہاں مشرکین نے تین باتیں کہی ہیں: ① یہ کہ

ہمارے قلوب پر آپ کے کلام سے پردہ پڑا ہوا ہے۔ ② یہ کہ ہمارے کان آپ کی باتوں سے بہرے ہیں ③ یہ کہ ہمارے اور آپ کے درمیان پردے حائل ہیں۔

وَقْرًا ، وقر کے اصل معنی بوجھ کے ہیں، یہاں ثقل سماعت مراد ہے جو حق کے سننے میں مانع تھا، اور یہ کہ ہمارے اور آپ کے درمیان ایسا پردہ حائل ہے کہ آپ جو کہتے ہو وہ ہم سن نہیں سکتے، اور جو کرتے ہو اسے دیکھ نہیں سکتے، اس لئے آپ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو، اور ہم آپ کو آپ کے حال پر چھوڑ دیں، آپ ہمارے دین پر عمل نہیں کرتے ہم آپ کے دین پر عمل نہیں کر سکتے۔

لَا یؤتونَ الزکوٰۃ یعنی یہ لوگ زکوٰۃ نہیں دیتے۔

سَوَال: یہ سورت مکی ہے، اور زکوٰۃ مدینہ میں فرض ہوئی ہے تو پھر فرضیت سے قبل عدم ادائیگی کا الزام کیسا؟

جَوَاب: ابن کثیر نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ نفس زکوٰۃ کی فرضیت تو ابتداء اسلام میں نماز کے ساتھ ہوئی تھی، جس کا ذکر سورۂ مزمل کی آیات میں ہے، مگر اس کے نصابوں کی تفصیلات اور وصولی کا انتظام مدینہ طیبہ میں قائم ہوا، اس لئے یہ کہنا درست نہیں کہ زکوٰۃ مکہ میں فرض نہیں ہوئی تھی۔

سَوَال: اس آیت میں مشرکین کی ترک زکوٰۃ پر مذمت کی گئی ہے، سوال یہ ہے کہ کیا مشرکین و کفار فروع مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے مکلّف ہیں؟ فروع تو ایمان کے بعد واجب ہوتے ہیں، اس آیت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ کفار فروع کے بھی مکلّف ہیں۔

جَوَاب: بعض ائمہ فقہاء کے نزدیک کفار بھی مخاطب بالفروع ہیں، ان کے اعتبار سے تو یہ اعتراض سرے سے وارد ہی نہیں ہوتا، اور جو حضرات کفار کو مخاطب بالفروع نہیں مانتے وہ کہتے ہیں کہ اس میں ترک زکوٰۃ پر اصل مذمت نہیں بلکہ ان کا ترک زکوٰۃ چونکہ کفر کی بناء پر تھا اور ترک زکوٰۃ اس کی علامت تھی اصل قصور ایمان نہ لانا ہے (معارف) حسن اور قتادہ نے کہا ہے لا یقرُّونَ بوجوبھا یعنی زکوٰۃ ادا نہ کرنے سے مطلب زکوٰۃ کے وجوب کا اقرار نہ کرنا ہے، اور ضحاک ومقاتل نے کہا ہے لا یتصدقون ولا ینفقون فی الطاعة یعنی زکوٰۃ ادا نہ کرنے سے مستحقین اور عزیز و اقارب پر خرچ نہ کرنا مراد ہے، یعنی کفار کے عزیز و اقارب میں سے جو مسلمان ہو جاتے تھے ان کی مالی امداد نہیں کرتے تھے، جو کہ ایک اخلاقی نسبی فریضہ ہے، وقال الفراء کان المشرکون ینفقون النفقات ویسقون الحجیج ویُطعِمُونَهُمْ فَحَرَّمُوْا ذٰلك علٰی مَنْ آمَنَ بمحمدٍ صلی اللّٰه علیه وسلم یعنی مشرکین صدقہ کرتے تھے اور حاجیوں کے لئے کھانے پینے کا انتظام کرتے تھے، مگر جو مسلمان ہو جاتے تھے ان کو محروم رکھتے تھے، اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (فتح القدیر شوکانی)

حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا سے مروی ہے کہ زکوٰۃ نہ دینے سے یہاں لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـه کی گواہی نہ دینا ہے اس

لئے کہ یہ کلمہ انسان کی ذات کی زکوٰۃ ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے نفوس کو لا الٰہ الا اللہ کہہ کر شرک سے پاک صاف نہیں کرتے تھے۔ (حاشیہ جلالین)

قُلْ اَئِنَّكُمْ بتحقيقِ الهمزةِ الثانيةِ وتسهيلِها وادخالِ الفٍ بينها بوجهيها وبين الأولى لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ الاحدِ والاثنين وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا شركاءَ ذٰلِكَ رَبُّ مالكُ الْعٰلَمِیْنَ جمعُ عالَمٍ وهو ما سوى اللهِ وجُمِعَ لاختلافِ انواعِهِ بالياءِ والنون تغليبًا للعقلاءِ وَجَعَلَ مستأنفٌ ولا يجوزُ عطفُهُ على صلةِ الذي للفاصلِ الاجنبيّ فِیْهَا رَوَاسِیَ جبالًا ثوابتَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِیْهَا بكثرةِ المياهِ والزروعِ والضروعِ وَقَدَّرَ قسّمَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا للناسِ والبهائمِ فِیْۤ تمامِ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ اى الجعلُ وما ذُكِرَ معهُ في يومِ الثلاثاءِ والاربعاءِ سَوَآءً منصوبٌ على المصدرِ اى استوتِ الاربعةُ استواءً لا تزيدُ ولا تنقصُ لِّلسَّآىٕلِیْنَ عن خلقِ الارضِ بما فيها ثُمَّ اسْتَوٰۤى قصدَ اِلَى السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ بخارٌ مرتفعٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا الى مرادي منكما طَوْعًا اَوْ كَرْهًا في موضعِ الحالِ اى طائعتين او مكرهتين قَالَتَاۤ اَتَیْنَا بمن فينا طَآىٕعِیْنَ فيه تغليبُ المذكرِ العاقلِ اونزّلتا لخطابهما منزلتهُ فَقَضٰىهُنَّ الضميرُ يرجعُ الى السماءِ لانها في معنى الجمعِ الآئلةِ اليه اى صيّرها سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ الخميسِ والجمعةِ فرغَ منها في آخرِ ساعةٍ منه وفيها خلقَ آدمَ ولذلك لم يقل هنا سواءٌ ووافقَ ما هنا آياتِ خلقِ السمواتِ والارضِ في ستةِ ايامٍ وَاَوْحٰى فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا الذي أُمِرَ به من فيها من الطاعةِ والعبادةِ وَزَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ بنجومٍ وَحِفْظًا منصوبٌ بفعلِهِ المقدرِ اى حفظناها عن استراقِ الشياطينِ السمعَ بالشُّهُبِ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ في ملكِهِ الْعَلِیْمِ بخلقِهِ فَاِنْ اَعْرَضُوْا اى كفارُ مكةَ عن الايمانِ بعدَ هذا البيانِ فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ خوّفتكم صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ اى عذابًا يهلككم مثلَ الذي اهلكهم اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اى مقبلين عليهم ومدبرين عنهم فكفروا كما سيأتي والاهلاكُ في زمنه فقط اَلَّا اى بانْ تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓىٕكَةً فَاِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ على زعمكم كٰفِرُوْنَ فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا لما خُوِّفُوا بالعذابِ مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً اى لا احدَ كان واحدهم يقلعُ الصخرةَ العظيمةَ من الجبلِ يجعلُها حيث يشاءُ اَوَلَمْ یَرَوْا يعلموا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَكَانُوْا بِاٰیٰتِنَا المعجزاتِ یَجْحَدُوْنَ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا صَرْصَرًا باردةً شديدةَ الصوتِ بلا مطرٍ فِیْۤ اَیَّامٍ نَّحِسَاتٍ بكسرِ الحاءِ وسكونِها مشؤماتٍ عليهم لِّنُذِیْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْیِ الذلِّ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى اشدُّ وَهُمْ لَا یُنْصَرُوْنَ بمنعِهِ عنهم وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَیْنٰهُمْ بيّنّا لهم

طریقَ الهدی **فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى** اِختاروا الکفرَ **عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ** المُهینِ **بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿١٧﴾ وَنَجَّيْنَا** منها **الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿١٨﴾** اللّٰہَ۔

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے! کہ کیا تم اس (اللہ) کا انکار کرتے ہو، اور اس کے شریک ٹھہراتے ہو جس نے زمین دو روز میں پیدا کر دی یعنی اتوار اور پیر میں اَئِنَّکُمْ میں دوسرے ہمزہ کی تحقیق و تسہیل کے ساتھ اور دونوں صورتوں میں ان کے درمیان الف داخل کر کے تمام جہانوں کا مالک وہی ہے عالَمین عالَم کی جمع اور وہ اللہ کے علاوہ ہے عالَمین عالَم مختلف الانواع ہونے کی وجہ سے جمع اور ذوی العقول کو (غیر ذوی العقول پر) غلبہ دینے کی وجہ سے یاء و نون کے ساتھ لایا گیا ہے، اور اس نے زمین میں اس کے اوپر جمے رہنے والے پہاڑ رکھ دیئے یہ جملہ مستانفہ ہے، اس کا عطف اَلَّذِیْ کے صلہ پر فصل بالاجنبی کی وجہ سے جائز نہیں ہے اور اس میں پانی اور کھیتی (دودھ دینے والے) جانوروں کے ذریعہ برکت دی اور اس میں (رہنے والے) انسانوں اور جانوروں کی روزی کی تجویز بھی اسی (زمین) میں کر دی (مکمل) چار دن میں یعنی جَعْلِ جبال و تقدیر اقوات کل چار دن میں اور جَعْل کے ساتھ جو مذکور ہے یعنی تقدیر اقوات (وہ) دو دن میں اور وہ سہ شنبہ اور چہار شنبہ ہیں (اس طرح جعل اور تقدیر مل کر چار دن پورے ہوئے) سَوَاءً مصدریت کی وجہ سے منصوب ہے یعنی چار دن پورے، نہ زائد اور نہ کم، ارض و مافیہا کی تخلیق کے بارے میں (یہ حصر) معلوم کرنے والوں کے لئے پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں یعنی اٹھتی ہوئی بھاپ (جیسی) تھی (اللہ نے) اس سے یعنی آسمان اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں تعمیل کرو میری مراد کی جو تم سے ہے خوشی سے یا زبردستی محل میں حال کے ہیں یعنی حال یہ ہے کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یا ناخوشی سے، دونوں نے کہا مع ان چیزوں کے جو ہم میں ہیں ہم خوشی سے حاضر ہیں اس میں مذکر ذوی العقول کو غلبہ دیا گیا ہے، یا ان دونوں کو خطاب کی وجہ سے ذوی العقول کے درجہ میں اتار لیا گیا ہے، پس دو دن میں سات آسمان بنا دیئے، جمعرات اور جمعہ کے دن میں، جمعہ کی آخری ساعت میں اس کی تخلیق سے فارغ ہو گیا، اور اسی دن آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو پیدا فرمایا اور اسی وجہ سے یہاں مکمل دن نہیں فرمایا فَقَضٰهُنَّ کی ضمیر السَّمَاء کی طرف راجع ہے، اس لئے کہ سماء مایؤل کے اعتبار سے جمع ہے یعنی آسمان کو سات آسمان بنا دیا، (اس تاویل کے بعد) جو یہاں ہے وہ ان آیات کے مطابق ہو گیا جن میں زمین و آسمان کی تخلیق کا چھ دن میں ذکر ہے اور ہر آسمان میں اس کے مناسب حکم بھیج دیا وہ حکم جس کا ان میں رہنے والوں کو حکم دیا گیا، وہ (حکم) طاعت اور عبادت ہے اور ہم نے آسمان دنیا کو تاروں سے زینت دی، اور حفاظت کی حِفْظًا فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے تقدیر عبارت یہ ہے حَفِظْنَاهَا حفظًا عن استراق الشیاطین السمع بالشُّهُبِ یعنی ہم نے شہاب کے ذریعہ آسمانوں کی شیاطین سے چوری سے باتیں سننے سے حفاظت کر دی یہ منصوبہ بندی اپنے ملک میں غالب (اور) اپنی مخلوق سے باخبر کی ہے پس اگر اس بیان کے بعد بھی کفار مکہ ایمان سے روگردانی کریں تو کہہ دیجئے کہ میں تمہیں اس کڑک (عذاب آسمانی) سے ڈراتا ہوں کہ جو عادیوں اور ثمودیوں کی کڑک

کے مانند ہوگا یعنی اس عذاب سے ڈراتا ہوں جو تم کو ہلاک کردے گا (اور) وہ اس عذاب کے مثل ہوگا جس نے ان کو ہلاک کردیا جبکہ ان کے پاس آگے سے بھی اور پیچھے سے بھی پیغمبر آئے یعنی یکے بعد دیگرے تو ان لوگوں نے انکار کیا جیسا کہ عنقریب آتا ہے، اور (عذاب سے) ہلاکت آپ ﷺ کے زمانہ میں ہوئی، نہ کہ آپ ﷺ کے بعد کہ تم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو تو انہوں نے جواب دیا اگر ہمارا پروردگار چاہتا تو فرشتوں کو بھیجتا ہم تو بزعم شما تمہاری رسالت کے بالکل منکر ہیں سو عاد نے تو ناحق زمین میں سرکشی شروع کردی اور جب ان کو ڈرایا گیا تو کہنے لگے ہم سے زیادہ زور آور کون ہے؟ یعنی کوئی نہیں، ان میں کا تنہا شخص پہاڑ سے ایک بڑی چٹان کو اکھاڑ لیتا تھا (اور) جہاں چاہتا اٹھا کر رکھ دیتا کیا وہ یہ نہیں جانتے کہ جس نے انہیں پیدا کیا ہے وہ ان سے (بہت زیادہ) زور آور ہے اور وہ (آخر تک) ہماری آیتوں یعنی معجزوں کا انکار ہی کرتے رہے، بالآخر ہم نے ان پر ایک تیز و تند سرد، سخت آواز بلا بارش والی آندھی منحوس دنوں میں بھیج دی، حاء کے کسرہ اور سکون کے ساتھ یعنی ان کے لئے نامبارک دنوں میں کہ انہیں دنیوی زندگی میں ذلت کے عذاب کا مزہ چکھادیں اور (یقین مانو) کہ آخرت کا عذاب اس سے بہت زیادہ رسوائی والا ہے اور ان کی اس عذاب سے بچا کر مدد نہیں کی جائے گی، رہے ثمود تو ہم نے ان کی بھی رہبری کی یعنی ہدایت کا راستہ ان کے لئے واضح کردیا، پھر بھی انہوں نے اندھے پن یعنی کفر کو ہدایت کے مقابلہ میں پسند کیا جس بناء پر انہیں ذلت کے عذاب کی کڑک نے ان کے کرتوتوں کے باعث پکڑ لیا اور ہم نے اس صاعقہ سے ایمان والوں اور اللہ سے ڈرنے والوں کو بچالیا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اَئِنَّكُمْ اس میں چار قراءتیں ہیں، مگر مفسر علام کی عبارت سے صرف دو معلوم ہو رہی ہیں، پہلا ہمزہ تو ہمیشہ محقق ہی ہوتا ہے البتہ دوسرے میں تحقیق و تسہیل دونوں جائز ہیں، دونوں صورتوں میں دونوں ہمزوں کے درمیان الف داخل کرکے، یہ دو قراءتیں ہوگئیں، حالانکہ ترک ادخال الف کی صورت میں دو قراءتیں اور ہیں اس طرح چار قراءتیں ہوتی ہیں، لہٰذا مفسر علام اگر وترکہ کا اضافہ فرمادیتے تو مذکورہ چاروں قراءتوں کی طرف اشارہ ہوجاتا، اصل عبارت یوں ہونی چاہئے وادخال الف وترکہٖ (ای اِدخالَ) بینھا وبین الاولیٰ بوَجْهَيْهَا.

قَوْلُہٗ: اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ ہمزہ استفہامیہ انکاریہ ہے اِنَّ اور لام تاکید کے لئے ہیں، ہمزہ صدارت کلام کے مطالبہ کی وجہ سے مقدم کردیا گیا ہے کُمْ اِنَّ کا اسم ہے لام برائے تاکید ہے، تَكْفُرُوْنَ جملہ ہوکر اِنَّ کی خبر ہے، اور تَجْعَلُوْنَ کا عطف تکفرونَ پر ہے۔

قَوْلُہٗ: لَهٗ، تَجْعَلُوْنَ کا مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے، اور اَنْدَادًا مفعول اول ہے ذٰلِكَ مبتداء ہے، اس کا مشار الیہ الَّذِیْ ہے، اپنے صلہ کے ساتھ متصف ہونے کے اعتبار سے (مراد اللہ تعالیٰ ہے)۔

قَوْلُہٗ: وَجَعَلَ فیھَا رَوَاسِیَ میں صحیح قول کے مطابق واؤ عاطفہ ہے، اور جَعَلَ کا عطف خَلَقَ پر ہے مگر ابوالبقاء وغیرہ نے واؤ کے عاطفہ ہونے سے انکار کیا ہے، اور واؤ کو استینا فیہ مانتے ہوئے کلام کو مستانف مانا ہے، انکار کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اگر جَعَلَ کا خلَقَ پر عطف کیا گیا تو الَّذِیْ موصول کے تحت داخل ہونے کی وجہ سے جزء صلہ ہوگا اور یہ جائز نہیں ہے اس لئے کہ وَیَجْعَلُوْنَ لَہٗ الخ جملہ معترضہ ہے، اور صلہ کے تام ہونے سے پہلے درمیان صلہ میں فصل بالاجنبی جائز نہیں ہے، بعض حضرات نے جَعَلَ کا عطف خَلَقَ پر جائز کہا ہے، اور ابوالبقاء کے انکار کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ دو عاطفہ جملوں کے درمیان آنے والے جملہ معترضہ کے مشابہ ہے، اور دو معطوف جملوں کے درمیان جملہ معترضہ کا وقوع کثیر ہے، لہٰذا صحیح بات یہ ہے کہ خَلَقَ پر جَعَلَ کے عطف پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ (اعراب القرآن)

قَوْلُہٗ: فِی یَوْمَیْنِ ای فی مقدار یومین اس لئے کہ یوم کا وجود طلوع وغروب شمس سے ہوتا ہے اور شمس کا اس وقت وجود نہیں تھا تو یوم کا وجود کیسے ہوسکتا تھا۔

قَوْلُہٗ: جمع لِاِخْتِلَافِ اَنْوَاعِہٖ.

فَائِدَہ: مذکورہ عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُوَال: عَالَم اسم جنس ہے جس کا اطلاق ماسوی اللہ پر ہوتا ہے، اور جمع کے لئے کم از کم تین افراد کا ہونا ضروری ہے، حالانکہ عالَم ایک ہے۔

جَوَاب: عالم کے چونکہ انواع مختلف ہیں، مثلاً عالم ملائکہ، عالم دنیا، عالم آخرت، عالم انس، عالم جن وغیرہ اختلاف انواع کا اعتبار کرتے ہوئے، العالمین کو جمع لایا گیا ہے۔

فَائِدَہ بِقَوْلِہٖ: تَغْلِیْبًا لِلْعُقَلَاءِ اس عبارت سے بھی ایک شبہ کا دفع مقصود ہے۔

شبہ: عالم ذوی العقول اور غیر ذوی العقول دونوں کا مجموعہ ہے اور عالم میں غالب اکثریت غیر ذوی العقول کی ہے، لہٰذا اس کی جمع یاء ونون کے ساتھ نہیں آنی چاہئے، اس لئے کہ یاء نون کے ساتھ ذوی العقول کی جمع آتی ہے۔

دفع: عالم میں اگرچہ غیر ذوی العقول کی تعداد ذوی العقول کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے، مگر عقل ایک ایسا قیمتی جوہر ہے جو تمام صفات پر غالب اور فائق ہے اس صفت کے مقابلہ میں تمام صفات ہیچ اور بے کار ہیں، اس لئے ذوی العقول کی قلت کے باوجود غیر ذوی العقول پر غلبہ دیکر یاء نون کے ساتھ جمع لائے ہیں۔

قَوْلُہٗ: وَجَعَلَ مستانفٌ ولا یجوزُ عطفہٗ اس کی تحقیق اوپر گذر چکی ہے۔

قَوْلُہٗ: فی تمام اربعةِ ایَّامٍ دو دن سابق، جن میں تخلیق ارض کا ذکر ہے اور دو دن لاحق جن میں تقدیر اقوات (روزی) کا ذکر ہے، اس طرح دونوں کی مل کر مجموعی تعداد چار دن ہوئی، نہ کہ صرف تقدیر اقوات چار دن میں، اس لئے کہ آئندہ تخلیق سبع سمٰوات کا ذکر آرہا ہے اور اس کی تخلیق کی مدت بھی دو دن بتائی گئی ہے، اگر تقدیر اقوات کی مدت چار دن تسلیم کرلی جائے

جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے تو ایام تخلیق کی مجموعی تعداد آٹھ ہو جائے گی، حالانکہ دیگر آیات میں چھ یوم میں کل کائنات کی تخلیق کی صراحت ہے، مثلاً خلَقَ السمٰوات والارض فی ستة ایام.

قَوْلُهُ: سواءً منصوب علی المصدرية، سواءً فعل محذوف استوَتْ کا مصدر بلفظہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، اور جملہ ہو کر ایام کی صفت ہے۔

قَوْلُهُ: للسَّائِلین اس کا تعلق سواءً سے ہے ای مستوِيَةً لِلسَّائِلین ای جواب السائلین فیها سواء لا یتغیّر بسائلٍ بزیادةٍ ولا نقصٍ (صاوی) بعض حضرات نے للسائلین کا تعلق محذوف سے کیا ہے، تقدیر عبارت یہ ہے هٰذا الحصر للسائلین. (ترویح الارواح)

قَوْلُهُ: ثُمَّ استَوٰی الی السماء.

سُؤَال: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان کی تخلیق زمین کی تخلیق کے بعد ہے اور اللہ تعالیٰ کے قول والارْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا سے اس کا عکس معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی تخلیق سے آسمان کی تخلیق پہلے ہے۔

جَوَاب: اللہ تعالیٰ کے قول والأرضَ بعدَ ذٰلك دَحٰها سے مراد زمین کا پھیلانا ہے، یعنی زمین کے مادہ کی تخلیق تو آسمان کی تخلیق سے پہلے ہے مگر زمین کا پھیلانا بعد میں ہے، لہٰذا کوئی تعارض نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: مرادی یعنی تاثیر فی السماء وتاثیر فی الارض جو کہ میری مراد ہے اس کی تعمیل کرو۔

قَوْلُهُ: طَائِعِيْنَ فیه تَغْلِیْب المذکر العاقل الخ.

فَائِدَة: اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک شبہ کو دفع کرنا ہے۔

شبہ: ارض اور سماء لایعقل ہونے کی وجہ سے واحد مؤنث کے حکم میں ہیں، لہٰذا طَائِعَتَيْن کہنا چاہئے تھا۔

دفع: ارض وسماء اگرچہ مؤنث ہیں مگر یہ دونوں ذوی العقول اور غیر ذوی العقول دونوں پر مشتمل ہیں، لہٰذا ذوی العقول کی فضیلت کی وجہ سے ذوی العقول کو غیر ذوی العقول پر غلبہ دیکر مذکر کی جمع لائی گئی ہے۔

قَوْلُهُ: او نُزِّلَتَا میں مذکورہ اعتراض کا یہ دوسرا جواب ہے، اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اِئْتِيَا کہہ کر جب زمین وآسمان کو مخاطب بنایا گیا، تو گویا ان کو ذوی العقول کے درجہ میں اتار لیا گیا، اسی لئے اس کی جمع یا ونون کے ساتھ لائے، یہی مطلب ہے مفسر رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ کے قول اَوْ نُزِّلَتَا لِخطَابِهِمَا منزلَتَهٗ.

قَوْلُهُ: لِاَنَّهَا فی معنی الجمع اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک شبہ کو دفع کرنا ہے۔

شبہ: فَقَضٰهُنَّ کی ضمیر، السماء کی طرف راجع ہے جو کہ واحد مؤنث کے حکم میں ہے، لہٰذا اس کا مقتضی یہ تھا کا فقضَاهَا کہتے۔

دفع: دفع کا خلاصہ یہ ہے کہ سماء قضا وتصییر کے بعد چونکہ سات ہونے والے ہیں لہٰذا مایؤل کے اعتبار سے جمع مان کر

قضٰھُنَّ کو جمع مؤنث کا صیغہ لائے۔

قَوْلَهُ: اَلْآئِلَةُ اِلَيْهِ یہ آلَ یؤولُ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے لوٹنے والی۔

قَوْلَهُ: وَافَقَ، وَافَقَ فعل ماضی مَا هُنَا اس کا فاعل آیات وافَقَ کا مفعول۔

قَوْلَهُ: اَمْرَها اَلَّذِیْ اُمِرَ به مَنْ فيها مِنَ الطاعةِ و العِبَادَةِ. اَمْرَهَا بترکیب اضافی موصوف اَلَّذِیْ موصول اُمِرَ فعل ماضی مجہول بِهٖ، اُمِرَ سے متعلق مَنْ موصولہ فِیْهَا، موجودٌ کے متعلق ہوکر صلہ، موصول صلہ سے مل کر اُمِرَ کا نائب فاعل، فعل اپنے متعلق اور نائب فاعل سے مل کر مبیَّن مِنْ بیانیہ الطاعة و العبادة معطوف معطوف علیہ سے مل کر اَلَّذِی مبیَّن کا بیان، مُبَیَّنْ اپنے بیان سے مل کر اَمْرَها کی صفت موصوف باصفت جملہ ہوکر اَوْحٰی کا مفعول بہ۔

قَوْلَهُ: شُهُبٌ شِهَابٌ کی جمع ہے، آگ کا شعلہ، روشن ستارہ۔

قَوْلَهُ: اَنْ، اَنْ میں تین وجہ ہوسکتی ہیں ① مخففہ عن المثقلہ اس صورت میں ضمیر شان اسم محذوف ہوگا، ای اَنَّهٗ لا تعبدوا ② مصدریہ ناصب للمضارع، لا ناهیه ③ مفسّرہ اس لئے کہ مجیئ الرُّسُل قول کا احتمال رکھتا ہے اس لئے کہ ان مفسرہ کے لئے ضروری ہے کہ اس سے پہلے قول یا قول کے ہم معنی یا قول پر دلالت کرنے والا کوئی لفظ ہو، اگر مجیئ رسل کی دلالت قول پر نہ مانی جائے تو اَنْ تفسیر یہ ماننا صحیح نہ ہوگا۔

قَوْلَهُ: وکانوا باٰیٰتِنَا اس کا عطف فَاسْتَکْبَرُوْا پر ہے۔

قَوْلَهُ: صَرْصَرًا، صِرٌّ پالا، ٹھر، لو، بادِسموم، علامہ خازن بغدادی لکھتے ہیں، صرٌّ میں دو جہتیں ہیں ① اکثر مفسرین اور اہل لغت کا قول یہ ہے کہ صرٌّ سخت ٹھنڈ کو کہتے ہیں، حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا اور قتادہ وغیرہ نے یہی کہا ہے ② گرم لو جو مہلک ہو، حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا سے ایک روایت ایسی بھی ہے، اہل لغت میں سے ابن انباری کا بھی یہی قول ہے، قاضی بیضاوی نے کہا ہے اس کا اطلاق سرد ہوا کے لئے شائع ہے، جیسے صَرْصَرْ یہ اصل میں مصدر ہے جو بطور صفت مستعمل ہے (لغات القرآن ملخصاً) مفسر علام نے باردة شدید الصوت کہہ کر دونوں معنی کو جمع کر دیا۔

قَوْلَهُ: مشئوم یہ سعید کی ضد ہے منحوس، نامبارک۔

قَوْلَهُ: ولَعذاب الآخرة، اَخْزٰی، اَخزیٰ دراصل معذب کی صفت ہے، عذاب کی طرف بطور مبالغہ اسناد مجازی ہے، اس لئے کہ عذاب رسوائی کا سبب ہے نہ کہ خود رسوائی، سبب بول کر مسبب مراد ہے۔

قَوْلَهُ: بَیَّنَّا لَهُمْ طریق الهُدٰی یہ جملہ فَهَدَیْنَاهُمْ کی تفسیر ہے اس کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ یہاں ہدایت سے مراد اراءتِ طریق ہے نہ کہ ایصال الی المطلوب.

قَوْلَهُ: منها ای من الصاعقة التی نزلت بثمودَ.

تفسیر وتشریح

قُلْ أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمانوں کو چھ دن میں پیدا فرمایا، یہاں اس کی کچھ تفصیل اور ترتیب بیان فرمائی گئی ہے، فرمایا: زمین کو دو دن میں بنایا، دو دن سے یوم الاحد (اتوار) اور یوم الاثنین (پیر) مراد ہیں، سورۂ نازعات میں فرمایا گیا ہے، وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا بظاہر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کو آسمانوں کے بعد بنایا گیا ہے، جبکہ یہاں زمین کی تخلیق کا ذکر آسمانوں کی تخلیق سے پہلے کیا گیا ہے۔

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی وضاحت:

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے اس کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے کہ تخلیق اور چیز ہے اور دَحٰی جو اصل میں دَحْوٌ ہے، اس کے معنی ہیں بچھانا پھیلانا، اور چیز ہے، زمین کی تخلیق آسمان سے پہلے ہوئی ہے، جیسا کہ یہاں بھی بیان کیا گیا ہے، اور دَحْوٌ کا مطلب ہے زمین رہائش کے قابل بنانے کے لئے اس میں پانی کے ذخائر رکھے گئے، اسے پیداوارِ ضروریات کا مخزن بنایا گیا اَخْرَجَ مِنْهَا مَاءَهَا وَمَرْعٰهَا نیز اس میں اس نے پہاڑ، ٹیلے، جمادات نیز معدنیات رکھے، یہ عمل آسمان کی تخلیق کے بعد دوسرے مرحلہ میں دو دنوں میں کیا گیا، اس طریقہ سے زمین اور اس کے متعلقات کی تخلیق پورے چار دن میں مکمل ہوئی۔ (صحیح بخاری تفسیر سورۂ حٰمٓ السجدہ)

پہاڑوں کو زمین ہی میں سے پیدا کر کے زمین میں پیوست کر دیا تاکہ توازن قائم رہے اور بے ترتیب حرکت نہ کرے اور رہائش کے قابل رہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین میں برکت رکھ دی اور زمین میں بسنے والی تمام مخلوق کے لئے اس کے حسب حال روزی مقدر فرما دی، پانی کی کثرت، انواع واقسام کے رزق، معدنیات اور دیگر بہت سی مفید اور کارآمد اشیاء زمین میں ودیعت فرما دیں، اور رب العالمین کی اس تقدیر کا سلسلہ اتنا وسیع ہے کہ کوئی زبان اسے بیان نہیں کرسکتی، کوئی قلم اسے رقم نہیں کرسکتا، اور کوئی کیلکولیٹر اسے کیلکولیٹ (شمار) نہیں کرسکتا، تخلیق ارض کے اولاً دو دن اور زمین کو پھیلانے اور قابل رہائش بنانے کے دو دن یہ سب مل کر کل چار دن ہوئے، سَوَاءً کا مطلب ہے ٹھیک چار دن یعنی پوچھنے والوں کو بتلا دو کہ تخلیق اور دَحْوٌ (پھیلانے) کا کام ٹھیک چار دن میں ہوا، یا اس کا مطلب یہ ہے کہ سائلین کے لئے یہ مکمل اور پورا جواب ہے۔

ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَاءِ پھر آسمان کی (تخلیق) کی طرف متوجہ ہوا، آسمانوں کا مادہ دھوئیں اور بھاپ کی شکل میں تھا، حکم فرمایا تم دونوں میرے حکم کی تعمیل کے لئے مطیع ومنقاد ہو جاؤ، برضا ورغبت یا طوعاً وکرہاً، بہرحال امر الٰہی بجالانا

ہے، دونوں نے عرض کیا ہم دونوں برضا ورغبت حاضر ہیں، پھران کو دو دن یعنی جمعرات وجمعہ میں سات آسمان بنادیا، اوران کو چراغوں یعنی ستاروں سے مزین کردیا، جب آسمان جیسی عظیم مخلوق مطیع وفرمانبردار ہو تو انسان کی سرکشی کیسی نازیبا حرکت ہے، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ نطق بشر کا خاصہ نہیں بلکہ حیوانات ونباتات اور جمادات میں بھی پایا جاتا ہے، البتہ نطق کی کیفیت اور نوعیت مختلف ہے، حیوانات میں تو ظاہر اور مشاہد ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کی بات سمجھتے ہیں، ہاں یہ فرق تو ہوسکتا ہے کہ انسان ہر امر میں مدرک اور ناطق ہو اور دیگر چیزیں خاص خاص طور پر اپنے ہی سے متعلق امور میں مدرک ہوں۔ (خلاصة التفاسير، تائب)

بعض مفسرین حضرات نے زمین وآسمان سے خطاب اور ان کی طرف سے جواب کو مجاز پر محمول کیا ہے، یعنی ہر کام کے لئے تیار پائے گئے، مگر ابن عطیہ اور دیگر محققین مفسرین نے فرمایا اس میں کوئی مجاز نہیں ہے، سب اپنی حقیقت پر ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے آسمان وزمین میں شعور وادراک پیدا فرمادیا تھا کہ جس کی وجہ سے خطاب کو سمجھیں اور جواب دینے کی صلاحیت پیدا ہوگئی تھی، ابن کثیر نے یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ زمین کی طرف سے یہ جواب اس حصہ نے دیا جس پر بعد میں بیت اللہ کی تعمیر ہوئی اور آسمان کی طرف سے اس حصہ نے جواب دیا تھا جس کے بالمقابل بیت المعمور ہے۔

اِذْ جَاءَ تْهُمُ الرُّسُلُ مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ رسولوں کے آگے پیچھے سے آنے کا مطلب یہ ہے کہ یکے بعد دیگرے متعدد اور مسلسل رسول آئے اگر ایک رسول رخصت ہوتا تھا تو دوسرا آتا تھا، اور اس کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ ان کے رسولوں نے ان کو ہر طرح سے ہر وقت اور ہر حال میں سمجھایا، ماضی کی مجرم قوموں کے عبرتناک واقعات بھی سنائے اور آئندہ کے حادثات اور ہولناک عذاب سے ڈرایا بھی، اور سب نے ایک ہی پیغام سنایا کہ ایک اللہ ہی کی عبادت کرو مگر عاد وثمود نے ایک نہ سنی، الٹا یہ الزام رکھ دیا کہ تم تو ہماری طرح کے انسان ہو، اس لئے ہم تمہیں نبی نہیں مان سکتے، اللہ کو اگر نبی بھیجنا تھا تو فرشتوں کو بھیجتا نہ کہ انسان کو۔

جب ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم کو انذار وتنبیہ کے لئے عذاب سے ڈرایا تو سرکشی پر اتر آئے اور کہنے لگے ہم بڑے طاقتور اور زور آور اور بڑے قد آور ہیں، ہم عذاب کو روکنے کی صلاحیت اور طاقت رکھتے ہیں۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ، صَرْصَرٌ، صُرَّةٌ سے ہے اس کے معنی شدید آواز کے ہیں، یعنی نہایت تند وتیز ہوا جس میں آواز بھی ہو، بعض حضرات نے فرمایا یہ صَرٌّ سے مشتق ہے جس کے معنی برد یعنی شدید ٹھنڈک کے ہیں جس کو پالا بھی کہتے ہیں۔

فِيْ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ ضحاک رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا کہ ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے تین سال تک بارش بالکل بند کردی اور تیز وتند خشک ہوائیں چلتی رہیں، اور آٹھ دن اور راتوں تک مسلسل ہوا کا شدید طوفان رہا، بعض روایات میں ہے کہ یہ طوفان آخر شوال میں ایک بدھ سے شروع ہوکر دوسرے بدھ تک رہا، اور جس کسی قوم پر عذاب آیا ہے وہ بدھ ہی کے دن آیا ہے۔

(قرطبی، مظہری)

کسی چیز میں نحوست کا مطلب:

اصول اسلام اور احادیث سے ثابت ہے کہ دن و رات میں کوئی بھی منحوس نہیں، تو پھر قوم عاد پر طوفان باد کے ایام کو منحوس فرمانے کا کیا مطلب ہے؟

جَوَابٌ: اپنی ذات کے اعتبار سے کوئی شی منحوس نہیں، قوم عاد پر طوفان باد کو منحوس کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایام ان کی بداعمالیوں کے سبب سے ان کے حق میں منحوس ہو گئے تھے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ ایام سب کے لئے نحس ہوں۔ (مظہری)

نَحِسَاتٍ کا ترجمہ بعض نے متواتر پے در پے بھی کیا ہے، اور بعض نے سخت اور بعض نے گرد و غبار والے اور بعض نے نحوست والے ترجمہ کیا ہے۔

وَ اذكر **يَوْمَ يُحْشَرُ** بالياء والنون المفتوحةِ وضمّ الشين وفتح الهمزةِ **أَعْدَآءُ اللّٰهِ إِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوزَعُونَ** ﴿١٩﴾ يُساقُونَ **حَتّٰى إِذَا مَا** زائدة **جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ** ﴿٢٠﴾ **وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ۖ قَالُوْا أَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْ أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ** اى أرادَ نُطقَه **وَّهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَّإِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ** ﴿٢١﴾ قيل هُو مِن كلامِ الجُلُودِ وقيل هُو مِن كلام اللّٰهِ تعالٰى كَالَّذى بعْدَه ومَوْقِعُهٗ تقرِيبُ ماقبلَهٗ بأن القادر علٰى اِنشائِكم اِبتداءً واِعادتِكُم بَعْدَ المَوتِ اِحيَاءً قادِرٌ علٰى اِنْطاقِ جُلُودِكُمْ واَعْضائِكم **وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ** عِندَ اِرتِكابِكم الفَواحِشَ من **أَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ** لِاَنكم لَمْ تُوقِنُوا بالبَعْثِ **وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ** عِندَ اسْتِتارِكم **أَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ** ﴿٢٢﴾ **وَذٰلِكُمْ** مُبتدأ **ظَنُّكُمُ** بَدلٌ منه **الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ** نَعتُ البَدلِ والخَبرُ **أَرْدٰىكُمْ** اى اَهلَكَكُمْ **فَأَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ** ﴿٢٣﴾ **فَإِنْ يَّصْبِرُوْا** علَى العذاب **فَالنَّارُ مَثْوًى** منزلٌ **لَّهُمْ ۖ وَإِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا** يَطلُبُوا العُتبٰى اى الرضٰى **فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ** ﴿٢٤﴾ المَرضِيِّينَ **وَقَيَّضْنَا** سَبَّبنا **لَهُمْ قُرَنَآءَ** مِنَ الشَّياطِيْنِ **فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ أَيْدِيْهِمْ** مِن اَمرِ الدُّنيَا واتِّباعِ الشَّهوَاتِ **وَمَا خَلْفَهُمْ** مِن امرِ الأخرةِ بِقَولِهِمْ لا بَعْثَ ولا حِساب **وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ** بالعذابِ وهُو لَاَملَأَنَّ جَهَنَّمَ الاية **فِيْٓ** جُملةِ **أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ** هَلَكَتْ **مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ** ﴿٢٥﴾ ع

تَرجَمہ: اور وہ دن یاد کرو کہ جب اللہ کے دشمن جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے (یَحْشُرُ) میں یاء اور نون مفتوح اور شین کے ضمہ کے ساتھ اور (اَعْدَاءَ) کے (آخری) ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ یہاں تک کہ جب وہ جہنم کے قریب

آجائیں گے ان کے خلاف ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے اعمال کی گواہی دیں گے یہ (لوگ) اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی؟ وہ جواب دیں گے کہ ہمیں اللہ نے قوت گویائی عطا فرمائی جس نے ہر چیز کو جس کو چاہا بولنے کی طاقت بخشی اسی نے تمہیں اول مرتبہ پیدا کیا اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے، کہا گیا ہے کہ وہ (یعنی وھو خلقکم اول مرّۃ الخ) کھالوں کا کلام ہے اور کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جیسا کہ آئندہ آنے والا کلام (یعنی وما کنتم تستترون الخ) (اللہ کا ہے) اور اللہ کے کلام کا یہ موقع ماقبل (یعنی اَنْطَقَنَا اللّٰہ الخ) کو قریب (الی الفہم) کرنے کے لئے ہے، بایں طور کہ جو ذات تم کو ابتداءً پیدا کرنے اور موت کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے وہ تمہاری کھالوں اور اعضاء کو قوت گویائی عطا کرنے پر بھی قادر ہے، اور تم ارتکاب فواحش کے وقت اس وجہ سے پوشیدہ رکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے اس لئے کہ تم اس بات پر یقین ہی نہیں رکھتے تھے کہ تم پر تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں تمہارے خلاف گواہی دیں گے، لیکن تم ارتکاب فواحش کو (لوگوں سے) چھپاتے وقت یہ سمجھتے رہے کہ تم جو کچھ بھی کررہے ہو ان میں سے بہت سے اعمال سے اللہ بے خبر ہے، تمہاری اسی بدگمانی نے جو تم نے اپنے رب سے کررکھی تھی تمہیں ہلاک کردیا (ذٰلکم) مبتداء ہے ظَنُّکُمْ اس سے بدل ہے، بدل کی صفت اور (مبتداء کی) خبر اَرْدٰکُمْ ہے اَرْدٰکُمْ ای اَھْلَکَکُمْ اور بالآخر تم زیاں کاروں میں ہوگئے، اب اگر یہ عذاب پر صبر کریں تب بھی ان کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے، اور اگر وہ خوشنودی حاصل کرنا چاہیں گے تو وہ خوشنودی حاصل کرنے والوں میں نہ ہوں گے (یعنی خوشنودی حاصل نہ کرسکیں گے) اور شیاطین میں سے ہم نے ان کے کچھ مصاحب مقرر کررکھے تھے جنہوں نے ان کے اگلے پچھلے اعمال یعنی امور دنیا اور اتباع شہوات اور امر آخرت یعنی ان کا قول (عقیدہ) لَا بَعْثَ وَلَا حِسَابَ کو ان کی نظر میں مستحسن بنا رکھا تھا، ان لوگوں کے حق میں اللہ کا قول (یعنی) وعدۂ عذاب اور وہ لَأَمْلَئَنَّ جھنّم (الآیۃ) ہے پورا ہو کر رہا، حال یہ ہے جو ان سے پہلے جن وانس میں سے ہلاک ہوچکے ہیں بلاشبہ وہ بھی خسارے میں رہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُهُ: نَحْشُرُ جمع متکلم، نون کے فتحہ اور شین کے ضمہ کے ساتھ، اس صورت میں اَعْدَاءَ کا آخری ہمزہ مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا، دوسری قراءت جس کو مفسر علام نے مشہور ہونے کی وجہ سے ترک کردیا ہے وہ یُحْشَرُ یاء کے ضمہ اور شین کے فتحہ کے ساتھ مضارع واحد مذکر غائب مجہول، اس صورت میں اعداءُ کا آخری ہمزہ نائب فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا۔

قَوْلُهُ: الی النار ای الی موقف الحساب.

قَوْلُهُ: یُسَاقُوْنَ قاضی بیضاوی نے یُوْزَعُوْنَ کی تفسیر یُحْبَسُ اَوَّلُھُمْ علیٰ آخِرِھم سے کی ہے مگر مقصد دونوں کا ایک ہی ہے۔

قِوْلُهُ: يُوْزَعُوْنَ، وَزْعٌ (ن) سے جمع مذکر غائب مضارع مجہول ان کو جمع کیا جائے گا، یعنی آگے والوں کو روک کر رکھا جائے گا تا کہ سب ایک ساتھ جمع ہو کر چلیں، اس سے کثرت کی طرف بھی اشارہ ہے۔

قِوْلُهُ: يَسْتَعْتِبُوْا جمع مذکر غائب مضارع مجزوم، استعتاب (استفعال) سے صاحب کشاف کی تفسیر زیادہ واضح ہے، علامہ محلی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، یعنی اگر وہ اللہ کے رضامند ہونے کی طلب کریں گے، یعنی اس جگہ استعتاب عُتْبیٰ سے بنا ہے نہ کہ اِعتاب سے، اس لئے کہ وہ لوگ اللہ کو رضامند کرنے کی طلب کسی اور سے نہیں بلکہ خود اللہ ہی سے کریں گے۔

قِوْلُهُ: قَيَّضْنَا ای هَيَّأْنا وقدّرنا ماضی جمع متکلم معروف، مصدر تَقْيِيْضٌ (تفعیل) مادہ قَيْضٌ، قَيْضٌ کے معنی ہیں انڈے کا چھلکا، انڈے کا چھلکا چونکہ انڈے سے متصل، چمٹا ہوا ہوتا ہے، اسی مناسبت سے تَقْيِيْض کے معنی ہوئے ساتھ لگا دینا، مسلط کر دینا۔

قِوْلُهُ: فِي اممٍ، فی بمعنی مع بھی ہو سکتا ہے عَلَيْهِمْ کی ضمیر مجرور سے حال ہے ای کائنین مع جملة اممٍ.

قِوْلُهُ: من اَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ يَشْهَدَ نزع خافض کی وجہ سے منصوب ہے، اور وہ خافض مِنْ ہے، اس لئے کہ تَسْتَتِرُوْنَ متعدی بنفسہ نہیں ہے۔

قِوْلُهُ: عند اِسْتِتَارِكُمْ ای من الناس ای مع عَدَمِ استتار کم مِنْ اَعْضَاءِ کم اعضاء سے استتار کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ اس فعل ہی کو ترک کر دیا جائے۔

قِوْلُهُ: فَاِنْ يَصْبِرُوْا.

سُوَالٌ: جب مشرکین کے لئے خلود فی النار ہر حال میں دائمی اور لازمی ہے، خواہ صبر کریں یا نہ کریں تو پھر اِنْ يَصْبِرُوْا کے ساتھ مقید کرنے کی کیا وجہ ہے؟

جَوَابٌ: آیت میں حذف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے فَاِنْ يَصْبِرُوْا اَوْ لَا يَصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ علم اور شہرت کی وجہ سے مقابل کو حذف کر دیا گیا ہے، اس لئے کہ جب صبر کی صورت میں جہنم ٹھکانہ ہوگا تو عدم صبر کی صورت میں بطریق اولیٰ ہوگا۔

قِوْلُهُ: وَقَيَّضْنَا لَهُمْ ای للقریش لہٰذا فی اممٍ کہنا درست ہو گیا۔

تفسیر وتشریح

يَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَاءُ اللّٰهِ یہاں اذکر فعل محذوف ہے، جیسا کہ شارح نے ظاہر کر دیا ہے یعنی وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے کہ جب اللہ کے تمام دشمنوں کو جہنم کے فرشتے جمع کریں گے حَتّٰى اِذَا مَا جَاءُوْهَا (الآية) یعنی مشرکین جب شرک کرنے کا انکار کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے۔

انسان کے اعضاء کی محشر میں گواہی:

صحیح مسلم میں حضرت انس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ ایک روز ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے آپ کو ہنسی آگئی، پھر آپ نے فرمایا تم لوگوں کو معلوم ہے کہ میں کس بات پر ہنس رہا ہوں؟ ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی جانتے ہیں، آپ نے فرمایا مجھے ہنسی اس کلام پر آگئی جو میدان حشر اور موقف حساب میں بندہ اپنے رب سے کرے گا، بندہ عرض کرے گا، اے میرے پروردگار! کیا آپ نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دی؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ بے شک دی ہے، اس پر بندہ کہے گا اگر یہ بات ہے تو میں اپنے حساب و کتاب کے معاملہ میں اور کسی کی گواہی پر مطمئن نہیں ہوں گا، بجز اس کے کہ میرے وجود ہی میں سے کوئی گواہ کھڑا ہو، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا اچھا تو تم اپنا حساب خود ہی کرلو، اس کے بعد اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی، اور اعضاء و جوارح سے کہا جائے گا کہ تم اس کے اعمال بتلاؤ، ہر عضو بول اٹھے گا اور سچی گواہی پیش کردے گا، اس کے بعد اس کی زبان کھول دی جائے گی، تو یہ خود اپنے اعضاء پر ناراض ہو کر کہے گا، بُعْدًا لَكُنَّ وَسُحْقًا فَعَنْكُنَّ اُنَاضِلُ تمہارا ناس ہو، میں نے دنیا میں جو کچھ کیا وہ تم کو آرام و راحت پہنچانے کے لئے تھا، اب تم ہی میرے خلاف گواہی دینے لگے۔

سَوَال: شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اس آیت میں تین حواس کے گواہی دینے کا ذکر ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ جبکہ بدن انسانی میں حواس ظاہرہ پانچ ہیں، ① قوۃ سامعہ ② قوۃ باصرہ ③ قوۃ ذائقہ ④ قوۃ شامہ ⑤ قوۃ لامسہ۔

جَوَاب: باقی حواس یعنی قوۃ ذائقہ اور قوۃ شامہ کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ یہ دونوں قوۃ لامسہ میں داخل ہیں، اس لئے کہ چکھنا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ شئ کو زبان پر نہ رکھا جائے اور زبان کی جلد سے لمس نہ کرے، اسی طرح سونگھنا، اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ وہ شئ ہوا میں تحلیل ہو کر ناک کی اس جلد سے مس نہ کرے، جس میں قدرت نے قوت شامہ رکھی ہے، اس طریقہ سے ''جلود'' کے لفظ میں تین حواس آجاتے ہیں۔

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ (الآیة) اس کا مطلب یہ ہے کہ تم گناہ کا کام کرتے ہوئے لوگوں سے تو چھپنے کی کوشش کرتے تھے لیکن اس بات کا تمہیں کوئی خوف نہیں تھا کہ تمہارے خلاف خود تمہارے اعضاء بھی گواہی دیں گے، کہ جن سے تم چھپنے کی ضرورت محسوس کرتے، اس کی وجہ سے ان کا بعث و نشور سے انکار اور اس پر عدم یقین تھا، اسی لئے تم اللہ کی حدود توڑنے اور اس کی نافرمانی کرنے میں بے باک اور جری تھے۔

ذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ (الآیة) اور تمہارے اسی اعتقاد فاسد اور گمان باطل نے کہ اللہ کو تمہارے بعض عملوں کا علم نہیں ہوتا، تمہیں ہلاکت میں ڈال دیا، کیونکہ اسی عقیدے اور گمان فاسد کی وجہ سے تم ہر قسم کا گناہ کرنے میں دلیر اور بے خوف ہو گئے تھے۔

شانِ نزول:

حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ خانہ کعبہ کے پاس دو قریشی اور ایک ثقفی یا دو ثقفی اور ایک قریشی جمع ہوئے، فربہ بدن قلیل الفہم، ان میں سے ایک نے کہا کیا تم سمجھتے ہو کہ ہماری باتیں اللہ سنتا ہے؟ دوسرے نے کہا ہماری جہری باتیں سنتا ہے، سری باتیں نہیں سنتا، تیسرے نے کہا اگر وہ ہماری جہری باتیں سنتا ہے تو ہماری سری (پوشیدہ) باتیں بھی ضرور سنتا ہے، جس پر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی۔ (صحیح بخاری تفسیر سورۂ حٰمٓ السجدہ)

وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ یہاں قُرَنَاء سے مراد شیاطین انس وجن ہیں، جو باطل پر اصرار کرنے والوں کے ساتھ لگ جاتے ہیں، جو ان کے سامنے کفر و معاصی کو خوبصورت کرکے پیش کرتے ہیں، جس کی وجہ سے یہ گمراہی کی دلدل میں پھنسے رہتے ہیں حتی کہ انہیں موت آجاتی ہے، اور وہ خسارۂ ابدی کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

نکتہ: اصحاب ملاہی اور اسباب مناہی بھی ''قرین سوء'' میں شامل ہیں، نیز ایسے اشغال جو خیر سے خالی اور اللہ سے بے پرواہ کرنے والے ہوں یہ بھی قرین سوء میں داخل ہیں۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا عِندَ قِرَاءَةِ النَّبِيِّ صلَّى الله عليه وسلم **لَا تَسْمَعُوا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيهِ** اِيتُوا بِاللَّغَطِ ونَحوِه وصِيحُوا فِي زَمَنِ قِرَاءَتِه **لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ** ﴿۲۶﴾ فَيَسْكُتُ عن القِرَاءَةِ قال اللّٰهُ تعالى فيهم **فَلَنُذِيقَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا عَذَابًا شَدِيدًا وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ** ﴿۲۷﴾ اى اَقْبَحَ جزاءِ عَمَلِهم **ذٰلِكَ** اى العذابُ الشَّدِيدُ واَسْوَءُ الجزاءِ **جَزَاءُ اَعْدَاءِ اللّٰهِ** بتحقيقِ الهمزةِ الثّانيةِ وابدالِها واوًا **النَّارُ** عَطفُ بيانِ الجزاءِ المُخبَرِ به عن ذلك **لَهُمْ فِيهَا دَارُ الْخُلْدِ** اى اِقَامَةٍ لا انتِقالَ مِنها **جَزَاءً** منصُوبٌ على المَصدرِ بفعلِه المُقدَّرِ **بِمَا كَانُوا بِاٰيَاتِنَا** القُرانِ **يَجْحَدُونَ** ﴿۲۸﴾ **وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا** فى النّارِ **رَبَّنَا اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلَّانَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ** اى اِبليسَ وقابِيلَ سَنَّا الكفرَ والقَتلَ **نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا** فى النّارِ **لِيَكُونَا مِنَ الْاَسْفَلِينَ** ﴿۲۹﴾ اى اَشدِّ عذابًا مِنّا **اِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا** على التَّوحيدِ وغيرِه مِمَّا وَجَبَ عليهم **تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰئِكَةُ** عِندَ المَوتِ **اَنْ** اى بِاَنْ **لَا تَخَافُوا** مِنَ المَوتِ ومَا بعدَه **وَلَا تَحْزَنُوا** على مَا خَلَّفتُم مِن اَهلٍ وولدٍ فنَحنُ نخلُفُكم فيه **وَاَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ** ﴿۳۰﴾ **نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** اى حَفِظنٰكُم فيها **وَفِي الْاٰخِرَةِ** اى نكونُ مَعكم فيها حَتّٰى تَدخُلُوا الجَنَّةَ **وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي اَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ** ﴿۳۱﴾ تَطلُبُونَ **نُزُلًا** رِزقًا مُهَيَّئًا منصُوبٌ بجَعَلَ مُقَدَّرًا **مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ** ﴿۳۲﴾ اى اللّٰهِ.

ترجمہ: اور کافروں نے آپ کی قراءت کے وقت کہا اس قرآن کو سنومت، اور شوروغل کرو، اور آپ ﷺ کی قراءت کے وقت شور مچاؤ کیا عجب کہ تم غالب آجاؤ؟ اور پیغمبر (ہار کر) چپ ہوجائے، اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا سو ہم ان کافروں کو یقیناً سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے، اور انہیں ان کے بدترین اعمال کا بدلہ (ضرور) ضرور دیں گے، یعنی ان کے عمل کی بدترین جزاء (ضرور دیں گے) وہ یعنی عذاب شدید اور بدترین بدلہ، اللہ کے دشمنوں کی سزا یہی دوزخ کی آگ ہے، دوسرے ہمزہ کی تحقیق اور اس کو واؤ سے بدل کر، النّار، الجزاء کا عطف بیان ہے، جو ذٰلك کا مخبر بہ (خبر) ہے، جس میں ان کا ہمیشگی کا گھر ہے یعنی (دائمی) اقامت کا، اس سے منتقل ہونا نہیں ہے، ان کو یہ بدلہ ہماری آیتوں قرآن کے انکار کی وجہ سے دیا جائے گا جزاءً اپنے فعل مقدر کا مصدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور کافر لوگ جہنم میں کہیں گے اے ہمارے رب ہمیں جنوں (اور) انسانوں (کے وہ دونوں) فریق دکھا جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا یعنی ابلیس اور قابیل کو (ان) دونوں نے کفر اور قتل کا طریقہ جاری کیا (تاکہ) ہم انہیں آگ میں اپنے قدموں تلے روندیں (تاکہ) وہ جہنم میں سب سے نیچے ہمارے اعتبار سے شدید ترین عذاب میں ہوجائیں واقعی جن لوگوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر توحید وغیرہ پر جوان پر واجب تھا جمے رہے ان کے پاس فرشتے موت کے وقت (یہ کہتے ہوئے) آتے ہیں کہ موت اور مابعد الموت سے اندیشہ نہ کرو اور جو اہل وعیال چھوڑ چلے ہو ان پر غم نہ کرو، اس لئے کہ اس معاملہ میں ہم تمہارے خلیفہ ہیں (بلکہ) اس جنت کی بشارت سن لو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا، تمہاری دنیوی زندگی میں بھی ہم تمہارے رفیق تھے یعنی دنیا میں تمہاری حفاظت کی، اور آخرت میں بھی یعنی آخرت میں بھی تمہارے ساتھ ہوں گے یہاں تک کہ تم جنت میں داخل ہوجاؤ اور جس چیز کو تمہارا جی چاہے اور جو کچھ تم طلب کرو (سب کچھ) تمہارے لئے بطور مہمانی غفور رحیم یعنی اللہ کی طرف سے تیار ملے گا رزقًا، جعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: عند قراءةِ النبی ﷺ یہ قال کا ظرف ہے، ای عند قراءة النبی قال.

قولہ: والْغَوْا، اِلْغَوْا، لَغْوٌ سے امر جمع مذکر حاضر (ن،س،ف) بیہودہ بکنا، بک بک کرنا۔

قولہ: اَللَّغَطُ شور کرنا، بیہودہ بکنا، یہ لغوٌ کے ہم معنی ہے۔

فائدہ: قولہ: ای اَقْبَحَ جزاء عَمَلِهِمْ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک شبہ کو دفع کرنا ہے۔

شبہ: اللہ تعالیٰ کے قول لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَأَ الَّذِیْ کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ اس سے بظاہر شبہ ہوتا ہے کہ کافر، ان کے نفس عمل کی قسم کی بدترین جزا دیئے جائیں گے، مثلاً جن مشرکوں نے آپ ﷺ کے ساتھ استہزاء کیا ہوگا آخرت میں ان کے ساتھ بدترین قسم کا استہزاء کیا جائے گا، حالانکہ مقصد یہ نہیں ہے۔

دفع: کلام حذف مضاف کے ساتھ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے لَنَجْزِیَنَّهُمْ اَقْبَحَ جزاء عَمَلِهِمْ.

قَوْلُہٗ: العذاب الشدید الخ اس اضافہ کا مقصد ذٰلك کا مشارٌ الیہ متعین کرنا ہے اور مشارٌ الیہ فَلَنُذِیْقَنَّهُمْ اور وَلَنَجْزِیَنَّهُمْ ہے، ذٰلك مبتداء ہے اور جزاءُ اعداءِ اللّٰہ اس کی خبر ہے اور النّار جزاء سے بدل یا عطف بیان ہے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ذٰلك الْاَمْرُ مبتداء محذوف کی خبر ہو، جزاء اعداء اللّٰہ النار سابقہ کا بیان ہوگا، اول اولیٰ ہے۔

سَوَال: النار کو جزاء سے بدل قرار دینا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ بدل کے صحیح ہونے کی علامت یہ ہے کہ اگر بدل کو مبدل منہ کی جگہ رکھ دیا جائے تو معنی درست رہیں، مگر یہاں ایسا نہیں ہے، اس لئے کہ بدل کو مبدل منہ کی جگہ رکھنے کے بعد تقدیر عبارت یہ ہوگی ذٰلك النّار اَعداءُ اللّٰہ اور یہ صحیح نہیں ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ مرجوح اعراب سے راجح اعراب کی طرف رجوع کیا جائے، النَّارُ کو هِیَ مبتداء محذوف کی خبر قرار دیا جائے، یا اَلنَّارُ کو مبتداء قرار دیا جائے، اور اس کے مابعد یعنی وَلَهُمْ فِیْهَا دَارُ الخلد کو اس کی خبر۔

نکتہ۔سوال: لَهُمْ فیها دار الخُلْد، فِیْهَا کی ضمیر، کا مرجع النَّار ہے، اور نار سے مراد جہنم ہے، اور جہنم موصوف بصفۃ الخلد ہے، اب فیها دار الخلد کا مطلب ہوا، دار الخلد کے اندر دار الخلد ہے، یہ ظرفیة الشیئ لنفسہٖ ہے، جو کہ جائز نہیں ہے۔

جَوَابُ: کلام میں تجرید ہے، تجرید کہتے ہیں کسی امر ذی صفت سے اسی کے موافق مبالغہ کے طور پر دوسرے امر ذی صفت کا انتزاع کرنا، جس طرح یہاں النار سے دار آخر کا انتزاع کر کے اس کا نام دار الخلد رکھ دیا، لہٰذا یہ درست ہے۔

قَوْلُہٗ: جزاءً فعل محذوف کے مصدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، ای یُجْزَوْنَ جَزَاءً.

قَوْلُہٗ: بِاٰیٰتِنَا یَجْحَدُوْنَ.

سَوَال: بِاٰیٰتِنَا میں باء کیسی ہے؟

جَوَابُ: یا تو باء زائدہ ہے یا یَجْحَدُوْنَ، یکفرونَ کے معنی کو متضمن ہے، اس صورت میں باء تعدیہ کے لئے ہوگی۔

قَوْلُہٗ: فی النار یہ قال کے فاعل الذین سے حال ہے ای کائنین فی النار.

قَوْلُہٗ: اَرِنَا، اَرِ امر واحد مذکر حاضر، نا، ضمیر جمع متکلم اَرِنَا، مراد رویۃ بصریہ ہے، ہمزہ تعدیہ الی مفعول الثانی کے لئے ہے، ضمیر نا مفعول اول ہے، الَّذِیْنِ مفعول ثانی ہے اَرِنَا کی اصل اَرْئِیْنَا تھی ای صَیِّرْنَا رَائِینَ بِاَبْصَارِنَا، یاء حرف علت جو کہ لام کلمہ ہے، فعل کے حذف حرف علت پر مبنی ہونے کی وجہ سے حذف ہوگئی، دوسرا ہمزہ جو کہ عین کلمہ ہے اس کے کسرہ کو اس کے ماقبل جو کہ راء کو دیدی، جو کہ فاء کلمہ ہے، اب اس کا وزن اَرِنَا ہوگیا، موجودہ ہمزہ کلمہ کا نہیں ہے، بلکہ تعدیہ کے لئے ہے۔

خوف اور حزن میں فرق:

قِوْلَہٗ: لا تخافوا ولا تحزنوا آئندہ کی تکلیف کی وجہ سے انسان کو جو کیفیت لاحق ہوتی ہے اس کو ''خوف'' کہتے ہیں، اور گذشتہ زمانہ میں کسی نافع چیز کے فوت ہونے کی وجہ سے جو کیفیت لاحق ہوتی ہے اسے ''حزن'' کہتے ہیں۔

قِوْلَہٗ: اَنْ ای بِاَنْ اَنْ مصدریہ ہے باء مقدر ہے تخافوا بمعنی خوف ہے، ای تَتَنَزَّلُ علیهم الملائكة قائلين لَهُمْ لا خوفَ عليكم ولَا حُزْنَ.

قِوْلَہٗ: اَبْشِرُوْا، اِبْشَارٌ سے امر جمع مذکر حاضر، تم کو خوشخبری ہو۔

قِوْلَہٗ: نَحْنُ اَوْلِيَائُكُمْ اس میں دو احتمال ہیں، باری تعالیٰ کا کلام بھی ہو سکتا ہے اور ملائکہ کا بھی۔

قِوْلَہٗ: نُزُلًا، تَدَّعُوْنَ کی ضمیر سے حال ہے، نُزل اس کھانے کو کہتے ہیں جو مہمان کے لئے بطور ضیافت تیار کیا جاتا ہے۔

تفسیر و تشریح

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (الآية) یہ جملہ مستانفہ ہے، اس کا مقصد کفار کے حال کو بیان کرنا اور قراءۃ قرآن کے وقت ان کے مکابرہ اور مجادلہ کو ذکر کرنا ہے، کفار مکہ جب قرآن کے مقابلہ سے عاجز ہو گئے، اور اس کے خلاف ان کی ساری تدبیریں ناکام ہو گئیں تو انہوں نے یہ حرکت شروع کی، حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا کہ ابوجہل نے لوگوں کو اس پر آمادہ کیا کہ جب محمد (ﷺ) قرآن پڑھا کریں تو تم ان کے سامنے خوب چیخ پکار اور شور و غل کیا کرو تاکہ لوگوں کو پتہ ہی نہ چلے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں، بعض نے کہا کہ سیٹیاں اور تالیاں بجایا کرو اور بیچ بیچ میں طرح طرح کی آوازیں نکالا کرو۔ (قرطبی، معارف)

مَسْئَلَہٗ: قرآن کی تلاوت کے وقت خاموش رہ کر سننا واجب، ایمان کی علامت اور عبادت ہے، اور خاموش نہ رہنا کفار کی عادت ہے، آج کل ریڈیو پر تلاوت قرآن نے ایسی صورت اختیار کر لی ہے کہ ہر ہوٹل اور مجمع کے موقع پر ریڈیو کھولا جاتا ہے، جس میں تلاوت ہو رہی ہوتی ہے، اور ہوٹل والے اپنے دھندوں میں لگے ہوئے ہوتے ہیں، اور کھانے پینے والے اپنے شغل میں، اس کی بظاہر صورت وہ بن جاتی ہے جو کفار کی علامت تھی۔

وقال الذين كفروا ربنا ارِنا الذين اَضَلّنَا (الآية) اس کا مفہوم واضح ہے کہ گمراہ کرنے والے شیاطین ہی نہیں ہوتے انسانوں کی ایک بہت بڑی تعداد بھی شیطان کے زیر اثر لوگوں کو گمراہ کرنے میں مصروف رہتی ہے، تاہم بعض نے جن سے ابلیس اور انس سے قابیل مراد لیا ہے، قابیل نے انسانوں میں سب سے پہلے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر کے ظلم اور کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا، اور حدیث کے مطابق قیامت تک ہونے والے ناجائز قتلوں کے گناہ کا ایک حصہ اس کو بھی ملتا رہے گا، ''قدموں تلے روندنے'' کا مطلب ان کو خوب ذلیل اور رسوا کرنا ہوگا، جہنمیوں کو اپنے لیڈروں پر جو غصہ ہوگا اس کی تشفی کے لئے وہ یہ کہیں گے ورنہ دونوں ہی مجرم ہیں۔

اِنَّ الذین قالوا ربُّنا اللّٰہ سابقہ آیات میں منکرین قرآن اور منکرین توحید سے خطاب اوران کے حالات کا بیان تھا، یہاں سے مومنین کاملین کے حالات اور دنیا وآخرت میں ان کے اعزاز واکرام کا بیان اوران کے لئے خاص ہدایات ہیں۔

ثُمَّ اسْتَقَامُوْا کا مطلب:

''استقامت'' کے مختلف مطلب بیان کئے گئے ہیں، اس آیت میں پہلے اللہ کی ربوبیت کا اقرار اور پھر اس پر استقامت کا ذکر ہے، یعنی جن لوگوں نے اس کی ربوبیت کا اقرار ویقین کرلیا، یہ تو اصل ایمان ہوا، پھر اس پر مستقیم رہے، یہ عمل صالح ہوا، اس طرح ایمان وعمل صالح کے جامع ہوگئے، یہ تفسیر حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے منقول ہے اور تقریباً یہی مضمون حضرت عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے منقول ہے، انہوں نے استقامت کی تفسیر اخلاص عمل سے فرمائی ہے، اور حضرت فاروق اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: **اَلِاسْتَقَامَۃُ اَنْ تستقیم علی الْاَمر والنھی ولا تروغ روغان الثعالب** ''استقامت یہ ہے کہ تم اللہ کے تمام احکام واوامر ونواہی پر سیدھے جمے رہو اس سے ادھر اُدھر لومڑی کی طرح راہ فرار نہ نکالو''۔ علماء نے کہا ہے کہ استقامت اگرچہ نہایت مختصر لفظ ہے مگر تمام شرائع اسلامیہ کو جامع ہے، جس میں تمام احکام الٰہیہ پر عمل اور تمام محرمات ومکروہات سے اجتناب دائمی طور پر شامل ہے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ ای لا اَحدَ اَحسَنُ **قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ** بالتوحیدِ **وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ** ﴿٣٣﴾ **وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ** فی جُزئیاتِھما لِاَنَّ بَعْضَھا فوقَ بعضٍ **اِدْفَعْ** ای السَّیِّئَۃَ **بِالَّتِیْ** ای بالخَصلَۃِ الَّتِی **هِیَ اَحْسَنُ** کالغَضَبِ بالصَبرِ والجَھلِ بالحِلمِ والاِسَاءَۃِ بالعَفوِ **فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ** ﴿٣٤﴾ ای فَیَصِیرُ عَدُوُّک کالصَّدِیقِ القَرِیبِ فی مَحَبَّتِہٖ اذا فَعلتَ ذٰلک فالَّذِیْ مُبتدأ و کَاَنَّہٗ الخَبرُ وَاِذا ظَرفٌ لِمَعْنَی التَّشبِیہِ **وَمَا یُلَقّٰىهَا** ای یُؤتی الخَصلَۃَ التی ہِیَ اَحْسَنُ **اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ** ثوابٍ **عَظِیْمٍ** ﴿٣٥﴾ **وَاِمَّا** فیہِ اِدْغامُ نونِ اِنِ الشَّرطِیَّۃِ فِی ما الزائدۃِ **یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ** ای اِنْ یَّصرِفْکَ عَنِ الخَصلَۃِ وغیرِھا مِنَ الخیرِ صارِفٌ **فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ** جَوابُ الشرطِ، وجوابُ الاَمرِ محذوفٌ ای یَدفَعْہُ عنک **اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ** لِلقولِ **الْعَلِیْمُ** ﴿٣٦﴾ بالفِعلِ **وَمِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ** ای الاٰیاتِ الاَربعَ **اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ** ﴿٣٧﴾ **فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا** عَنِ السُّجُودِ لِلّٰہِ وَحدَہٗ **فَالَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ** ای الملائکۃُ **یُسَبِّحُوْنَ** یُصَلُّونَ **لَهٗ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا یَسْـَٔمُوْنَ** ﴿٣٨﴾ لا یَملُّون **وَمِنْ اٰیٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً** یابسَۃً لا نَباتَ فیھا **فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ** تحرَّکتْ **وَرَبَتْ** اِنتفختْ وعَلَتْ **اِنَّ الَّذِیْٓ اَحْیَاهَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ** ﴿٣٩﴾ **اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ** مِن اَلحَدَ ولَحَدَ **فِیْٓ اٰیٰتِنَا** القُراٰنِ بالتکذیبِ **لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا** فنُجازِیھم **اَفَمَنْ یُّلْقٰى فِی**

النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ تَهدِيدٌ لهم اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ القرآنِ لَمَّا جَاۗءَهُمْ ۚ نُجازِيهم وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝ مَنِيعٌ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ اى لَيسَ قبلَه كِتابٌ يُكَذِّبُه ولا بَعْدَه تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝ اى اللّٰهِ المحمُودِ فى اَمرِه مَا يُقَالُ لَكَ من التكذيبِ اِلَّا مِثْلُ مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ للمُؤْمِنِينَ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ۝ للكافِرِينَ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ اى الذكرَ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا هَلَّا فُصِّلَتْ بُيِّنَتْ اٰيٰتُهٗ ۭ حتّٰى نَفْهَمُها ءَ قُراٰنٌ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّ نبى عَرَبِيٌّ ۭ اِستِفهامُ اِنكارٍ منهم بتحقيقِ الهمزةِ الثانيةِ وقَلْبِها اَلِفًا بِاِشباعٍ ودُونِه قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى من الضَّلالةِ وَّشِفَاۗءٌ ۭ من الجهل وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ ثِقَلٌ فلا يَسمعونَه وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۭ فلا يَفهمُونَه اُولٰۗىِٕكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ۝ اى هم كالمُنادٰى من مَّكانٍ بعيدٍ لايَسمَعُ ولا يَفهمُ ما يُنادٰى به.

ترجمہ: اور اس سے بہتر بات کس کی ہوسکتی ہے کہ جو توحید کے ذریعہ خدا کی طرف بلائے اور کہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں نہ سب نیکیاں (آپس میں) برابر ہوتی ہیں اور نہ سب برائیاں اپنے افراد کے اعتبار سے اس لئے کہ بعض بعض سے بڑھی ہوئی ہوتی ہیں، آپ برائی کو اچھے برتاؤ سے دفع کیجئے جیسے غصہ کو صبر (وضبط) سے اور جہل کو بردباری سے، اور بے ادبی کو عفو (و درگذر سے) پھر وہی جس کے اور آپ کے درمیان عداوت ہے ایسا ہوجائے گا جیسا کہ جگری دوست جب آپ اس پر عمل کریں گے تو آپ کا دشمن اپنی محبت میں قریبی دوست بن جائے گا، الذی مبتداء اور کَاَنَّہٗ خبر، اور اِذَا معنی تشبیہ کے لئے ظرف ہے، اور یہ یعنی بہترین خصلت انہیں لوگوں کو ملتی ہے جو صبر کرنے والے ہوتے ہیں اور اس کو بڑے نصیب دار ہی حاصل کرسکتے ہیں اور اِمَّا میں ان شرطیہ کا ما زائدہ میں ادغام ہے، اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آنے لگے یعنی اگر کوئی آپ کو پھیرنے والا (بہترین) خصلت اور خیر وغیرہ سے پھیرے تو اللہ کی پناہ طلب کرو (فاستعذ باللّٰه) جواب شرط ہے اور جواب امر محذوف ہے، اور وہ يَدْفَعُهُ عنكَ ہے، یقیناً وہ باتوں کا سننے والا اور (ہر) کام کا جاننے والا ہے اور رات اور دن سورج اور چاند (اسی کی قدرت کی) نشانیوں میں سے ہیں، تم سورج کو سجدہ نہ کرو اور نہ چاند کو (بلکہ) سجدہ اس اللہ کو کرو جس نے مذکورہ چاروں نشانیوں کو پیدا فرمایا اگر تمہیں اسی کی بندگی کرنی ہے تو پھر بھی اگر یہ اللہ وحدہ کو سجدہ سے تکبر وغرور کریں تو وہ فرشتے جو تیرے رب کے پاس ہیں وہ رات دن تسبیح پڑھتے ہیں نماز پڑھتے ہیں اور وہ (کسی وقت بھی) اکتاتے نہیں ہیں اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے (یہ بھی) ہے کہ تو زمین کو دبی دبائی بے (آب و) گیاہ دیکھتا ہے پھر جب ہم اس پر مینہ برساتے ہیں تو تروتازہ ہوکر لہلہانے لگتی ہے پھولنے لگتی ہے، اور ابھرنے لگتی ہے، جس نے اس کو زندہ کیا وہی یقیناً مُردوں کو بھی زندہ کرنے والا ہے، بیشک وہ ہر چیز پر قادر ہے، بیشک جو لوگ ہماری آیتوں میں قرآن میں جھٹلا کر کجروی کرتے ہیں یہ اَلْحَدَ اور لَحَدَ سے مشتق ہے، ہم سے مخفی نہیں سو ہم ان کو بدلہ دیں گے، (بھلا بتاؤ) جو آگ میں ڈالا جائے وہ اچھا ہے یا وہ جو امن

وامان کے ساتھ قیامت کے دن آئے؟ جو جی چاہے کرو، وہ تمہارے سب کرتوت دیکھ رہا ہے، یہ ان کو دھمکی ہے جن لوگوں نے اپنے پاس قرآن پہنچ جانے کے باوجود کفر کیا ہم ان کو بدلہ دیں گے یہ بڑی باوقعت (بے مثال) کتاب ہے، جس کے پاس باطل پھٹک بھی نہیں سکتا نہ اس کے آگے سے اور نہ اس کے پیچھے سے، نہ اس سے پہلے کوئی کتاب ہے جو اس کی تکذیب کرے اور نہ اس کے بعد یہ نازل کردہ ہے حکمتوں والے خوبیوں والے کی طرف سے یعنی اس اللہ کی طرف سے جو اپنے معاملہ میں قابل ستائش ہے، آپ سے تکذیب وغیرہ کی وہی باتیں کہی جاتی ہیں جو آپ سے پہلے رسولوں سے کہی گئی ہیں یقیناً آپ کا رب مومنین کے لئے معاف کرنے والا اور کافروں کے لئے دردناک عذاب والا ہے اور اگر ہم اس قرآن کو عجمی زبان کا بناتے تو کہتے اس کی آیتیں صاف صاف کیوں بیان نہیں کی گئیں؟ تاکہ ہم اس کو سمجھتے یہ کیا کہ عجمی کتاب اور عربی رسول؟ یہ ان کی جانب سے استفہام انکاری ہے ثانی ہمزہ کی تحقیق کے ساتھ اور اس کو الف سے بدل کر، اشباع یعنی الف داخل کر کے اور ترک ادخال الف کر کے آپ کہہ دیجئے کہ یہ تو ایمان والوں کے لئے گمراہی سے، ہدایت اور جہل سے شفاء ہے اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بہرا پن ہے (یعنی) ثقل ہے جس کی وجہ سے وہ اس کو نہیں سنتے اور یہ ان پر اندھا پن ہے، جس کی وجہ سے وہ اس کو نہیں سمجھتے یہ وہ لوگ ہیں جو (بہت) دور سے پکارے جا رہے ہیں، یعنی یہ لوگ اس شخص کے مانند ہیں جس کو دور سے آواز دی جا رہی ہو، نہ وہ سنتا ہے اور نہ سمجھتا ہے کہ اس سے کیا کہا جا رہا ہے؟

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا (الآیۃ) مَنْ استفہام انکاری، مبتداء، مفسر علام نے لا احدَ کہہ کر اشارہ کر دیا کہ مَنْ استفہامیہ انکاریہ ہے اَحْسَنُ خبر قولًا تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، عَمِلَ صالحًا جملہ حالیہ ہے۔

قولہ: فِی جُزْئِیَّاتِہِمَا لِاَنَّ بَعْضَہَا فَوْقَ بَعْض اس عبارت سے مفسر علام کا مقصد جُزْئِیَّات اور اجزاء میں فرق بیان کرنا ہے، اور فرق بیان کرنے کا مقصد وَلَا تَسْتَوِی الحَسَنَۃُ وَلَا السَّیِّئَۃُ میں یہ بتانا ہے کہ لَا ثانیہ تاسیس کے لئے ہے نہ کہ تاکید کے لئے، اور یہ امر مسلم ہے کہ تاسیس تاکید سے بہتر ہے، اس لئے کہ تاکید سے مضمون سابق کی تاکید ہوتی ہے جو کوئی جدید علم نہیں اور تاسیس سے نیا علم نیا فائدہ حاصل ہوتا ہے، اور نئی بات معلوم ہونا پرانی بات کی تاکید کے مقابلہ میں بہر حال افضل اور بہتر ہے۔

''اجزاء'' اور ''جزئیات'' میں فرق:

شئ کے اعضاء اور حصوں کو اجزاء کہا جاتا ہے اجزاء، جز کی جمع ہے، مثلاً خالد ایک شئ ہے یہ بہت سے اجزاء سے مرکب ہے، مثلاً اس کے ہاتھ ہیں، پیر ہیں، ناک ہے، کان ہیں، آنکھیں ہیں۔ غرضیکہ خالد اندرونی وبیرونی بہت سے اجزاء کا

مرکب ہے، اجزاء سے مرکب ہوکر جوشئ تیار ہوتی ہے، وہ جزئی کہلاتی ہے، اور بہت سی جزئیات مل کر جو مجموعہ تیار ہوتا ہے، وہ نوع کہلاتی ہے، مثلاً بہت سے انسانی افراد کا مجموعہ نوع ہے، اسی پر قیاس کرتے ہوئے حسنة اور سیئة کو سمجھئے، حَسَنَةٌ ایک نوع ہے اور سیـئة دوسری نوع ہے اور ہر نوع کے تحت بہت سے افراد ہوتے ہیں، جن کو اس نوع کی جزئیات کہا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حسَـنة (یعنی) نیکی کے بہت سے افراد ہیں، جو آپس میں ایک دوسرے سے اعلیٰ وادنیٰ ہیں، مثلاً ایمان، شکر، نماز، روزہ، صلہ رحمی، انسانی ہمدردی، سنت کی پابندی، مستحبات پر عمل، یہ سب حسنہ یعنی نیکی کے افراد ہیں، اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ مذکورہ نیکیوں میں بعض بعض سے فوق ہیں، مثلاً ایمان سب سے اعلیٰ ہے، اس کے بعد دیگر فرائض ہیں پھر اس کے بعد واجبات کا درجہ ہے پھر اس کے بعد سنتیں اور مستحبات ہیں، اس کے بعد اولیٰ اور افضل کا نمبر ہے، حدیث شریف میں بھی اس تفاوت کی جانب اشارہ فرمایا گیا ہے **عن ابی هريرة** رَضِحَاللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ **قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الايمانُ بضع وسبعون شعبةً فَافضَلُهَا قول لا اله اِلَّا اللّٰه وادناهَا إماطةُ الأذى عن الطريق والحياء شعبةٌ من الإيمان** (مشکوٰۃ: ص۱۲) جس طرح حسَـنة (نیکی) کے بہت سے افراد اور جزئیات ہیں اسی طرح سیّـئةٌ (بدی) کے بھی بہت سے افراد ہیں ان میں بھی بعض بعض سے اعلیٰ وادنیٰ ہیں، مثلاً کفر، شرک، ترک فرائض، غصب، چوری، اکل مال یتیم، گالی گلوچ، بدظنی، بدنظری، راستہ میں گندگی ڈالنا، دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنا، اور دائیں ہاتھ سے ناک صاف کرنا، استنجاء کرتے وقت قبلہ کا استقبال واستدبار کرنا، کعبہ کی طرف تھوکنا یا پیر دراز کرنا ہے، یہ سب کے سب برائی کے افراد ہیں، مگر درجہ میں مساوی نہیں ہیں، بلکہ آپس میں ایک دوسرے سے اعلیٰ وادنیٰ ہیں، یہ بات کوئی نہیں جانتا کہ شرک وکفر کے مقابلہ میں بوقت استنجاء استقبال واستدبار، یا قبلہ کی طرف تھوکنا، اور پیر دراز کرنا کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

آمدم برسرِ مطلب:

مذکورہ آیت **لَا تَسْتَوِی الحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ** میں اگر حسَنة اور سیّئة میں عدم مساوات کو بیان کرنا مقصد ہو تو ثانی لا کو زائد محض تاکید کے لئے ماننا ہوگا، اس لئے کہ اب اصل عبارت اس طرح ہے **لَا تستوِی الحسنة والسيّئةُ** اسی عبارت سے حسنہ اور سیئہ میں عدم مساوات معلوم ہوگئی، اب اگر لا کا اضافہ کرتے ہیں تو اس سے علم عدم مساوات کی تاکید ہوگی جو پہلے ہی معلوم ہو چکی ہے نہ کہ نیا علم اور نیا فائدہ۔

اور اگر **لا تستوى الحسَنة ولا السيّئةُ** کا مقصد حسنہ اور سیئہ کی جزئیات میں فرق بیان کرنا ہو، جیسا کہ مفسر رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ نے اشارہ کیا ہے تو یہ ایک نیا علم ہوگا، اس لئے کہ حسنہ اور سیئہ کے درمیان فرق تو پہلے لا سے معلوم ہوگیا اور اب دوسرے لا سے حسنات وسیئات کی جزئیات میں فرق معلوم ہوگیا، اس صورت میں لا تاسیس کے لئے ہوگا نہ کہ تاکید کے لئے، اسی جدید فائدہ کو بیان کرنے کے لئے مفسر علام نے **لا تستوى الحسنة ولا السيّئة** کی تفسیر میں **فی جزئیَاتِهِما** کا اضافہ فرمایا۔

قولہ: اِنَّنِی من المسلمین جمہور کے نزدیک اِنَّنِی دونونوں کے ساتھ ہے اور ابن ابی عیلہ نے ایک نون کے ساتھ اِنِّی پڑھا ہے یعنی وہ فخر وابتہاج سے کہتا ہے کہ مسلمان ہوں۔

قولہ: کأنَّہٗ ولی حمیمٌ، حمیم گرم پانی، کہا جاتا ہے اِستَحَمَّ ای اغتسَلَ بالحمیم گرم پانی سے غسل کیا، اب مطلقاً غسل کرنے کو استحمام کہنے لگے ہیں، خواہ گرم پانی سے ہو یا ٹھنڈے پانی سے، حمیم گرم جوش اور جگری دوست کو بھی کہتے ہیں۔

قولہ: فاستعِذْ باللّٰہِ یہ اِمَّا یَنْزَغَنَّکَ شرط کا جواب ہے اور فَاسْتَعِذْ امر کا جواب محذوف ہے جس کو علامہ محلی نے یدفعُہٗ کہہ کر ظاہر کر دیا ہے۔

قولہ: یَنْزَغَنَّکَ مضارع واحد مذکر غائب بانون تاکید ثقیلہ یہ نزغٌ سے ہے ك ضمیر مفعول ہے تجھ کو وسوسہ آئے۔

قولہ: خَلَقَھُنَّ ای الأیاتِ الاربع.

شبہ: خَلَقَھُنَّ کے بجائے خَلَقَھُمَا زیادہ ظاہر تھا، اس لئے کہ جن کے لئے سجدہ کا ذکر ہے وہ دو ہی ہیں، یعنی شمس وقمر لہٰذا خلقھُمَا ہونا چاہئے تھا۔

دفع: شمس وقمر کو سجدہ جائز نہ ہونے اور ان کے اندر معبود بننے کی صلاحیت نہ ہونے کی علت ان کا مخلوق ہونا ہے، اس لئے کہ کوئی بھی مخلوق خواہ وہ کتنی ہی عظیم ومفید کیوں نہ ہو مستحق عبادت نہیں ہو سکتی خَلَقَھُنَّ میں جمع کی ضمیر لا کر بتا دیا کہ شمس وقمر بھی لیل ونہار کے مانند مخلوق اور خلق کے زیر اثر ہیں۔

قولہ: وَمِنْ اٰیَاتِہٖ اللیل والنھار الخ مِنْ آیاتِہٖ خبر مقدم ہے اور اللیل والنھار و ما عُطِفَ علیہ مبتداء مؤخر ہے۔

قولہ: وَمِنْ اٰیَاتِہٖ اَنَّکَ تَرَی الْاَرْضَ، مِنْ آیاتِہٖ خبر مقدم ہے اَنَّ مع اپنے مدخول کے بتاویل مصدر ہو کر مبتدا مؤخر ہے۔

قولہ: تَھْدِیْدٌ لَھُمْ اس میں اشارہ ہے کہ اِعْمَلُوْا مَا شئتُمْ میں امر تخییر کے لئے نہیں ہے بلکہ تہدید (دھمکی) کے لئے ہے، اس کا قرینہ بما تعملون بصیر ہے۔

قولہ: نُجازِیْھِمْ اس تقدیر کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اِنَّ کی خبر محذوف ہے اَلَّذِیْنَ کفروا، اِنَّ کا اسم ہے۔

قولہ: مَنِیعٌ، منیعٌ بروزن فعیلٌ بمعنی فاعلٌ ای ممتنعٌ عن قبول الابطال والتحریف.

قولہ: أَأَعْجَمِیٌّ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے، جس کو مفسر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے قرآن کہہ کر ظاہر کر دیا ہے۔

قولہ: اَعْجَمِیٌّ میں یاء مبالغہ فی الوصف کے لئے ہے جیسے کہ اَحْمَرِیٌّ میں، کلام اعجمی اس کلام کو کہتے ہیں جو سمجھ میں نہ آئے، ءَاَعْجَمِیٌّ میں پہلا ہمزہ استفہام انکاری ہے دوسرے ہمزہ میں دو قراءتیں ہیں جن کی طرف علامہ محلی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے بتحقیق الھمزۃ الثانیۃ وقَلْبِھَا اَلِفًا بالاشباع کہہ کر اشارہ کر دیا ہے پہلی قراءت تو واضح ہے کہ دونوں ہمزوں کو محقق پڑھا

جائے، دوسری قراءت یہ ہے کہ دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل دیں اور اشباع یعنی مد طویل لازم کے ساتھ پڑھیں، آعْجَمِیٌّ ودونہٖ کالفظ سبقت قلم ہے یا پھر دونہ کا تعلق قلب سے ہے ای دون قلب الفٍ اس صورت میں یہ دیگر قراءت کا بیان ہوگا، اس لئے کہ قلب کی صورت میں مد لازم ہے تو پھر بدون المد کیسے ہوسکتا ہے؟

پانچ قراءتیں بالترتیب یہ ہیں: ① تسہیل ہمزۂ ثانیہ مع ادخال الف بین الہمزتین ② ابدال ہمزہ ثانیہ بالالف مع المد الطّویل ③ تسہیل ثانیہ بلا ادخال الف بین الہمزتین ④ بہمزۂ واحدۃ خبریۃ (اَعْجَمِیٌّ) ⑤ بہمزتین محققین بلا ادخال الف۔

تفسیر و تشریح

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ یہ مومنین کاملین کی صفات کا بیان ہے کہ مومنین کاملین صرف خود ہی اپنے ایمان وعمل پر قناعت نہیں کرتے، بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی اس کی دعوت دیتے ہیں، فرمایا اس سے اچھی بات کس کی ہوسکتی ہے، کہ جو لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف بلائے، اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے کلام میں سب سے بہتر اور افضل وہ کلام ہے جس میں دوسروں کو دعوتِ حق دی گئی ہو، اس میں دعوت الی اللہ کی سب صورتیں شامل ہیں، زبان سے تحریر سے یا کسی اور عنوان سے، اذان دینے والا بھی اس میں داخل ہے، بشرطیکہ بلا اجرت صرف اللہ کے لئے اذان دیتا ہو، کیونکہ وہ دوسروں کو نماز کی طرف بلاتا ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے فرمایا کہ یہ آیت موذنوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، دعا الی اللہ کے بعد عَمِلَ صَالِحًا آیا ہے، اس سے مراد ہے کہ اذان واقامت کے درمیان دو رکعت پڑھ لے۔

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (الآیة) اس آیت میں ایک بہت اہم اخلاقی ہدایت ہے کہ برائی کو اچھائی کے ساتھ ٹالو یعنی برائی کا بدلہ احسان کے ساتھ، زیادتی کا بدلہ عفو کے ساتھ، غضب کا صبر کے ساتھ، بے ادبی اور بیہودگی کا جواب چشم پوشی اور درگذر کے ساتھ اور ناپسندیدہ باتوں کا جواب برداشت اور حلم کے ساتھ دیا جائے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارا دشمن دوست بن جائے گا، اور دور دور رہنے والا قریب آجائے گا، اور خون کا پیاسا تمہارا گرویدہ اور جاں نثار ہوجائے گا۔

وَمَا یُلَقّٰهَا اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا (الآیة) برائی کو بھلائی کے ساتھ ٹالنے کی خوبی اگرچہ نہایت مفید اور بڑی ثمر آور ہے لیکن اس پر عمل وہی کرسکیں گے جو صابر ہوں گے، غصہ کو پی جانے والے اور ناپسندیدہ باتوں کو برداشت کرنے والے ہوں گے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو کسی نے گالی دی یا برا کہا، تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اگر تم اپنے کلام میں سچے ہو کہ میں مجرم اور خطاوار ہوں تو اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمادے اور اگر تم نے جھوٹ بولا ہے تو اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرمادے۔ (قرطبی)

وَمِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشمسُ وَالقَمَرُ.

نکتہ: اس آیت میں ایک عقلی دلیل سے سجود لغیر اللہ کو دو طریقہ سے حرام اور باطل قرار دیا ہے ① شمس وقمر ہماری قدرت کی نشانیوں میں سے ہیں اور آیت علامت اور نشانی ہوتی ہے نہ کہ مقصود ② لیل اور نہار اللہ کی نشانیاں ہیں اور شمس وقمر لیل ونہار کی نشانی ہے تو جب لیل بالاتفاق مسجود نہیں تو ان کی نشانی بدرجہ اولیٰ مسجود نہ ہوگی جبکہ یہ سب چیزیں اللہ کی مخلوق میں سے ہیں لہٰذا یہ سب چیزیں مستحق سجود وعبادت نہیں ہوسکتیں، جب یہ مخلوق قابل سجود اور مستحق عبادت نہ ہوئی تو دوسری مخلوق بھی قابل سجود اور لائق عبادت نہ ہوئی، اس لئے کہ مرتبہ مخلوقیت میں سب مساوی ہیں۔ (خلاصة التفاسير فتح محمد تائب)

رات کو تاریک بنایا تا کہ لوگ اس میں آرام کرسکیں، دن کو روشن بنایا تا کہ کسب معاش میں سہولت ہو، رات اور دن کا پورے نظام اور یکسانیت کے ساتھ آنا جانا اسی طرح شمس وقمر کا اپنے اپنے وقت پر طلوع وغروب ہونا اور اپنے اپنے مدار پر منزلیں طے کرتے رہنا اور آپس میں تصادم سے محفوظ رہنا، یہ سب اس بات کی دلیلیں ہیں کہ یقیناً ان کا کوئی خالق ومالک ہے، اور وہ ایک اور صرف ایک ہے، اور کائنات میں صرف اسی کا تصرف اور حکم چلتا ہے، اگر تدبیر وامر کا اختیار رکھنے والے ایک سے زیادہ ہوتے تو یہ نظام کائنات ایسے مستحکم اور لگے بندھے طریقہ سے کبھی چل ہی نہیں سکتا تھا۔

خَلَقَهُنَّ میں جمع مؤنث کی ضمیر آئی ہے، جبکہ محل کا تقاضا تھا کہ خَلَقَهُمَا ہو، اس لئے کہ اشارہ شمس وقمر کی طرف ہے اس کی ایک وجہ تو تحقیق وترکیب کے زیر عنوان گذر چکی ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ یا تو خلقهنّ، خَلَقَ هٰذه الاربعة المذكورة کے مفہوم میں ہے، اس لئے کہ غیر عاقل کی جمع کا حکم واحد مؤنث ہی کا ہوتا ہے یا اس کا مرجع شمس وقمر ہیں مگر مافوق الواحد کو جمع شمار کرکے جمع کی ضمیر لائے ہیں۔

خَاشِعَةً کا مطلب ہے خشک اور قحط زدہ یعنی مردہ، دبی ہوئی اور پست اور جب اس پر بارش ہوئی تو جنبش میں آئی اور پھولی، بلاشبہ جس نے مردہ زمین کو زندہ کردیا وہ مُردہ انسانوں کو بھی زندہ کرے گا۔

وَهُمْ لَا يَسْئَمُوْنَ اس پر تو امت کا اجماع ہے کہ اس سورت میں سجدۂ تلاوت واجب ہے البتہ مقام سجدہ میں اختلاف ہے، قاضی ابوبکر ابن العربی نے احکام القرآن میں لکھا ہے کہ حضرت علی اور ابن مسعود رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُمَا پہلی آیت کے ختم پر سجدہ کرتے تھے یعنی اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تعبدونَ اور اسی کو امام مالک رَحِمَهُ اللهُ تَعَالىٰ اور امام شافعی رَحِمَهُ اللهُ تَعَالىٰ نے اختیار فرمایا ہے، امام ابوبکر جصاص نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُمَا دوسری آیت کے آخر یعنی لا يسئمون پر سجدہ کرتے تھے، یہی مذہب تمام ائمہ حنفیہ کا ہے اور فرمایا کہ اختلاف کی بناء پر احتیاط اسی میں ہے کہ دوسری آیت کے آخر میں سجدہ کیا جائے، اس لئے کہ اگر پہلی آیت سے سجدہ واجب ہوا ہے تو وہ دوسری آیت کے بعد ادا ہوجائے گا، اور اگر دوسری آیت سے سجدہ واجب ہوا ہے تو پہلی آیت پر کیا ہوا سجدہ کافی نہ ہوگا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْ اٰيٰتِنَا (الآية) یعنی جو لوگ ہماری آیتوں کو ماننے کے بجائے اس سے اعراض وانحراف کرتے ہیں وہ ہم سے مخفی نہیں ہیں، ہم ان کو قیامت کے دن ضرور سزا دیں گے، الحاد کے معنی کجی، میل عن الحق کے ہیں، حضرت ابن

عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا الحاد کلام کو غیر محل میں رکھنا ہے، حضرت قتادہ نے فرمایا الحاد کفر و عناد کا نام ہے، علماء کلام نے فرمایا ہے کہ یہ نصوص اپنے ظاہر پر محمول ہیں اور جب تک کوئی دلیل قطعی تاویل کی مقتضی نہ ہو تاویل نہ کی جائے، اور جو معنی باطنیہ یعنی ملاحدہ نے گھڑ لئے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ آیات قرآنی اپنے ان ظاہری معانی پر نہیں ہیں جو لغت اور قواعد سے مفہوم ہوں بلکہ اس کے معانی مخفی ہیں جسے ہر شخص نہیں جانتا، ان کی غرض یہ ہے کہ ظاہر شریعت لاشئ ہے، یہ الحاد ہے، اسی الحاد میں وہ فرقے بھی شامل ہیں جو اپنے غلط عقائد و نظریات کے اثبات کے لئے آیات الٰہی میں تحریف معنوی اور دجل و تلبیس سے کام لیتے ہیں۔

لَا یَأْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ (الآیة) یعنی قرآن ہر طرح محفوظ ہے باطل اس میں کمی زیادتی نہیں کر سکتا، باطل کے آگے اور پیچھے سے نہ آنے کا مطلب ہے، باطل اس کے آگے سے آکر اس میں کوئی کمی اور نہ پیچھے سے آکر اس میں اضافہ کر سکتا ہے، اور نہ کوئی تغیر و تحریف ہی کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے، کیونکہ یہ اس ذات کی طرف سے نازل کردہ ہے جو اپنے اقوال و افعال میں حکیم و محمود ہے۔

ایک مغالطہ کا ازالہ:

کتب عقائد میں ایک ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ متاول کو کافر نہیں کہنا چاہئے یعنی جو شخص عقائد باطلہ اور کلمات کفریہ کو کسی تاویل سے اختیار کرے وہ کافر نہیں، اگر اس ضابطہ سے عام مراد لیا جائے تو لازم آئے گا کہ دنیا میں کوئی کافر نہ ہو اس لئے کہ ہر شخص تاویل کر کے ہی کلمہ کفر یا عقیدۂ کفریہ کو اختیار کرتا ہے، بت پرستوں کی تاویل تو خود قرآن میں مذکور ہے **مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَا اِلَی اللّٰهِ زُلْفٰی** یعنی ہم بتوں کی فی نفسہٖ بندگی نہیں کرتے بلکہ اس لئے کرتے ہیں کہ وہ سفارش کے ذریعہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں، اور درحقیقت اللہ کی ہی عبادت ہے مگر قرآن نے ان کی اس تاویل کے باوجود ان کو کافر کہا ہے، یہود و نصاریٰ کی تاویلیں تو بہت ہی مشہور ہیں، اس کے باوجود قرآن و سنت کی نصوص میں ان کو کافر کہا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ متاول کو کافر نہ کہنے کا مفہوم عام نہیں ہے، اسی کی علماء نے تصریح کی ہے جو تاویل تکفیر سے مانع ہوتی ہے اس کی شرط یہ ہے کہ وہ ضروریات دین میں ان کے مفہوم قطعی کے خلاف نہ ہو، ضروریات دین سے مراد وہ احکام ہیں جو اسلام اور مسلمانوں میں اتنے متواتر اور مشہور ہوں کہ مسلمانوں کے اَن پڑھ بھی ان سے واقف ہوں جیسے پنجوقتہ نماز، فرض نمازوں کی تعداد رکعات رمضان کے روزوں کی فرضیت، سود، شراب، خنزیر کی حرمت اگر کوئی شخص مذکورہ احکام سے متعلق آیات کی ایسی تاویل کرے کہ جس سے مسلمانوں کے نزدیک مشہور و معروف مفہوم الٹ جائے تو وہ باجماع امت کافر ہے کہ وہ درحقیقت رسول کی لائی ہوئی تعلیمات کا منکر ہے، اور ایمان کی تعریف جمہور کے نزدیک یہی ہے **تصدیق النبی فیما علم مجیئه به ضرورة** اس لئے کفر کی تعریف اس کے بالمقابل ہوگی، جن چیزوں کا لانا رسول اللہ ﷺ سے ضروری اور قطعی طور پر ثابت ہو ان میں سے کسی کا انکار کرنا۔ (معارف ملخصًا)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ التورة فَاخْتُلِفَ فِيْهِ بالتصديق والتكذيب كالقراٰن وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ بتاخير الحساب والجزاء للخلائق الى يوم القيمة لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ في الدنيا فيما اختلفوا فيه وَاِنَّهُمْ اى المكذبين به لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۴۵﴾ موقع الريبة مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ عمل وَمَنْ اَسَاءَ فَعَلَيْهَا اى فضرر اسائته على نفسه وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۴۶﴾ اى بذى ظلم لقوله ان اللّٰه لا يظلم مثقال ذرة اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ متى تكون لا يعلمه غيره وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ وفى قراءة ثمرات مِّنْ اَكْمَامِهَا اوعيتها جمع كم بكسر الكاف الا بعلمه وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِيْ قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ اى اعلمناك الاٰن مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ﴿۴۷﴾ اى شاهد بان لك شريكا وَضَلَّ غاب عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ يعبدون مِنْ قَبْلُ فى الدنيا من الاصنام وَظَنُّوْا ايقنوا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿۴۸﴾ مهرب من العذاب والنفى فى الموضعين معلق عن العمل وقيل جملة النفى سدت مسد المفعولين لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ اى لا يزال يسأل ربه المال والصحة وغيرهما وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ الفقر والشدة فَيَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ ﴿۴۹﴾ من رحمة اللّٰه وهذا وما بعده فى الكافرين وَلَئِنْ لام قسم اَذَقْنٰهُ اٰتيناه رَحْمَةً غنى وصحة مِّنَّا مِنْ بَعْدِ ضَرَّآءَ شدة وبلاء مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ اى بعملى وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ لام قسم رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى اى الجنة فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۰﴾ شديد واللام فى الفعلين لام قسم وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ الجنس اَعْرَضَ عن الشكر وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ثنى عطفه متبخترا وفى قراءة بتقديم الهمزة وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ﴿۵۱﴾ كثير قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ القراٰن مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ كما قال النبى صلى اللّٰه عليه وسلم ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اى لا احد اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍ خلاف بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾ عن الحق اوقع هذا موقع منكم بيانا لحالهم سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ اقطار السمٰوٰت والارض من النيرات والنبات والاشجار وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ من لطيف الصنعة وبديع الحكمة حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ اى القراٰن الْحَقُّ المنزل من اللّٰه بالبعث والحساب والعقاب فيعاقبون على كفرهم به وبالجائى به اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ فاعل يكف اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۵۳﴾ بدل منه اى اولم يكفهم فى صدقك ان ربك لا يغيب عنه شيء ما اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ شك مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ لانكارهم البعث اَلَآ اِنَّهٗ تعالى بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ﴿۵۴﴾ علما وقدرة فيجازيهم بكفرهم.

ترجمہ: یقیناً ہم نے موسیٰ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو کتاب تورات عطا کی تھی تو اس میں بھی قرآن کے مانند تصدیق و تکذیب کر کے اختلاف کیا گیا، اور اگر وہ بات نہ ہوتی جو تیرے رب کی جانب سے مخلوق کے حساب وجزاء کے قیامت تک

تاخیر کے بارے میں پہلے سے مقرر ہو چکی ہے تو دنیا ہی میں ان کے درمیان کبھی کا فیصلہ ہو چکا ہوتا جس کے بارے میں وہ اختلاف کر رہے ہیں، یہ تکذیب کرنے والے لوگ تو اس کے بارے میں سخت بے چین کرنے والے شک میں ہیں جو شخص نیک عمل کرے گا وہ اپنے لئے کرے گا، اور جو شخص بدی کرے گا تو اس کا وبال اس پر ہوگا یعنی اس کی برائی کا نقصان اس کی ذات پر پڑے گا، اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں یعنی ظالم نہیں، اللہ تعالیٰ کے قول اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ کی رو سے قیامت کا علم اسی کی طرف لوٹایا جاتا ہے کہ کب ہوگی؟ اس کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو جو پھل اپنے شگوفوں سے (یعنی) اپنے غلافوں سے نکلتے ہیں ایک قراءت میں ثمرات ہے، اکمام، کِمٌّ کی جمع ہے، کاف کے کسرہ کے ساتھ اور جو مادہ حمل سے ہوتی ہے اور جو بچے وہ جنتی ہے سب کا علم اسے ہے اور جس دن اللہ ان (مشرکوں) کو بلا کر دریافت فرمائے گا کہ میرے شریک کہاں ہیں؟ تو وہ جواب دیں گے اب ہم آپ سے عرض کرتے ہیں کہ ہم میں کوئی اس کا مدعی نہیں یعنی اس کا مدعی کہ تیرا کوئی شریک ہے اور جن بتوں کی یہ لوگ دنیا میں پرستش کیا کرتے تھے وہ سب ان سے غائب ہو جائیں گے (یہ صورت حال دیکھ کر) یہ لوگ سمجھ لیں گے کہ ان کے لئے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں یعنی عذاب سے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں اور (حرف) نفی دونوں جگہ ① مَا مِنَّا من شهيد ② مَا لَهُمْ مِنْ مَّحِيْصٍ میں عمل سے موقوف ہے اور کہا گیا ہے کہ جملہ منفیہ کو دو مفعولوں کے قائم مقام کر دیا گیا ہے بھلائی مانگنے سے انسان تھکتا نہیں یعنی اپنے رب سے مال وصحت وغیرہ مانگتا ہی رہتا ہے اگر کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو رحمت سے مایوس اور ناامید ہو جاتا ہے اور جو اس کے بعد میں ہے وہ کافر کے بارے میں ہے اور قسم ہے اگر ہم اس کو کسی تکلیف شدت اور مصیبت کے بعد جو کہ اس کو پہنچ چکی تھی اپنی رحمت (یعنی) مالداری اور صحت کا مزا چکھا دیتے ہیں تو کہنے لگتا ہے کہ میں اس کا حقدار تھا ہی یعنی یہ میری تدبیر کی بدولت ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت قائم ہونے والی ہے اور قسم ہے اگر (بالفرض) مجھے میرے رب کے پاس لوٹایا بھی گیا تو میرے لئے اس کے پاس بھی بہتری ہی ہے یعنی جنت ہے ہم یقیناً ان کفار کو ان کے اعمال سے باخبر کر دیں گے اور ان کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے (یعنی) شدید قسم کا، دونوں فعلوں میں لام قسمیہ ہے، اور جب ہم جنس انسان پر انعام کرتے ہیں تو شکر سے منہ پھیر لیتا ہے اور پہلو تہی کر لیتا ہے، یعنی تکبر کرتے ہوئے پہلو تہی کرتا ہے اور ایک قراءت میں (نون پر) ہمزہ کی تقدیم کے ساتھ ہے اور جب اس پر مصیبت پڑتی ہے تو بڑی لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگتا ہے آپ کہہ دیجئے بھلا بتلاؤ اگر یہ یعنی قرآن اللہ کے پاس سے ہوا جیسا کہ محمد (ﷺ) کہتے ہیں پھر تم اس کا انکار کرو تو ایسے شخص سے زیادہ کون غلطی پر ہوگا کہ جو مخالفت میں (حق سے) دور چلا جائے؟ یعنی کوئی نہیں، یہ (یعنی مَنْ اَضَلُّ) مِنْكُمْ کی جگہ واقع ہوا ہے ان کی حالت (ضلال) کو بتلانے کے لئے عنقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاقِ عالم (یعنی) زمین وآسمان کے اطراف میں دکھائیں گے اور وہ (نشانیاں) نجوم، نباتات، اور اشجار ہیں اور خود ان کی ذات میں (دکھائیں گے) جو لطیف صنعت اور عجیب حکمت ہے، یہاں تک کہ خود ان پر واضح ہو جائے کہ یہ یعنی قرآن حق ہے بعث اور حساب اور عقاب کے ساتھ نازل کیا گیا ہے لہٰذا اس (قرآن) اور اس کے لانے والے کے انکار کی وجہ سے ان کو سزا دی جائے

گی، کیا آپ کے رب کا ہر چیز سے آگاہ ہونا کافی نہیں ہے؟ بِرَبِّکَ، یکف کا فاعل ہے (اَنّہ علیٰ کل شیئ شھید) رَبّکَ سے بدل ہے، یعنی کیا ان کے لئے تیری صداقت کے بارے میں یہ کافی نہیں ہے کہ تیرے رب سے کوئی ادنیٰ شئ بھی پوشیدہ نہیں ہے (مگر) یاد رکھو اپنے رب کے روبرو جانے کے بارے میں ان کے بعث کا منکر ہونے کی وجہ سے شک میں پڑے ہوئے ہیں، یاد رکھو اللہ تعالیٰ ہر شئ کو علم وقدرت کے اعتبار سے احاطہ میں لئے ہوئے ہے، سو ان کے کفر کی ان کو سزا دے گا۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلَہُ: عَمِلَ، عَمِلَ فعل مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ فَلِنفسہٖ فعل محذوف کے متعلق ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ لِنفسہٖ مبتداء محذوف کی خبر ہو، تقدیر عبارت یہ ہوگی فَالعملُ الصالح لنفسہٖ.

قِوْلَہُ: بذی ظلمٍ یہ ایک شبہ کا دفع ہے۔

شبہ: اللہ تعالیٰ کے قول وَمَا رَبُّکَ بِظَلَّامٍ لِّلعَبِیْدِ سے کثرت ظلم کی نفی تو ہوتی ہے مگر نفس ظلم کی نفی نہیں ہوتی۔

دفع: ظلام صیغہ نسبت ہے نہ کہ صیغہ مبالغہ، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ظلم کے ساتھ منسوب نہیں ہے، جیسا کہ تمّارٌ وخبازٌ میں تمّار خرما فروش کو کہتے ہیں، نہ کہ زیادہ خرما فروش کو اور اسی طرح خبّاز روٹی پکانے والے کو کہتے ہیں نہ کہ بہت زیادہ روٹی پکانے والے کو، مفسر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے بذی ظلمٍ سے اس جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قِوْلَہُ: لَا یَعْلَمُ غیرُہٗ سے اس حصر کی طرف اشارہ کر دیا جو اِلَیْہِ یُرَدُّ کی تقدیم سے مستفاد ہے ورنہ تو یُرَدُّ اِلَیْہِ ہوتا۔

قِوْلَہُ: مَا تخرُجُ مِن اَکمامِھا، مِن فاعل پر زائدہ ہے ثَمَرَۃٌ میں دو قراءتیں ہیں اور دونوں سبعیہ ہیں، افراد باعتبار جنس کے اور جمع باعتبار انواع کے، اَکْمَام، کِمٌّ کی جمع ہے، کھجور وغیرہ کے غلاف کو کہتے ہیں۔

قِوْلَہُ: والنفی فی الموضعین معلّق عن العمل موضعین سے مراد اٰذنّٰکَ مَا مِنَّا مِن شھید اور وظَنُّوا ما لَھُمْ من محیص ہے، مذکورہ دونوں جگہوں پر نفی فعل کو لفظاً عمل سے مانع ہے نہ کہ محلًا اور وہ دونوں فعل اٰذنّٰکَ اور ظَنُّوا ہیں، اٰذنّٰک بمعنی اَعْلَمنَاکَ ہے، لہٰذا یہ افعال قلوب میں سے ہے اور ظَنُّوا بھی افعال قلوب میں سے ہے اور افعال قلوب میں تعلیق عمل کا مطلب ہوتا ہے لفظوں میں عمل کا باطل کر دینا نہ کہ معنی میں، اور یہ ابطال عمل اس وقت ہوتا ہے جب یہ افعال، استفہام، یا نفی یا لام ابتداء کے ماقبل واقع ہوں، مفسر علام نے اٰذنّٰکَ کی تفسیر اَعْلَمنٰکَ سے کر کے اشارہ کر دیا ہے کہ اٰذنّٰکَ افعال قلوب میں سے ہے۔

قِوْلَہُ: وقیل الخ مفسر علام یہاں سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر مذکورہ افعال کو معلق عن العمل نہ مانا جائے تو دونوں جگہ جملہ منفیہ کو قائم مقام دو مفعولوں کے ماننا پڑے گا، ظَنُّوا کے مفعول اول اور مفعول ثانی کے قائم مقام اور اٰذنّٰکَ کے مفعول ثانی اور ثالث کے قائم مقام ہوگا، اور پہلا مفعول اٰذنّٰکَ کے اندر کاف ضمیر ہے۔

قَوْلُہٗ: محیص، حیصٌ سے ظرف مکان ہے، جائے پناہ، حاصَ یَحِیْصُ حَیْصًا ای الفرار والهرب.

قَوْلُہٗ: مِنْ دُعاء الخیر دعاء الخیر میں اضافت، اضافت مصدر الی المفعول ہے جار مجرور یَسْاَمُ کے متعلق ہیں۔

قَوْلُہٗ: هٰذا لِی میں لام استحقاق کے لئے ہے، بعملی کہہ کر مفسر علام نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: فَلَنُنَبِّئَنَّ جمع متکلم مضارع بانون تاکید ثقیلہ (تفعیل) ہم ضرور آگاہ کر دیں گے، ہم ضرور بتلا دیں گے، دونوں فعلوں میں لام قسم کا ہے۔

قَوْلُہٗ: وَنَاءَ الف کو ہمزہ پر مقدم کر کے، ای نَاءَ بروزن قالَ اور دوسری قراءت میں ہمزہ کو الف پر مقدم کر کے ای نَأَىٰ بروزن رَمٰی.

قَوْلُہٗ: نَأَىٰ ماضی واحد مذکر غائب مادہ نَأْیٌ (ف) دور ہو گیا، روگردانی کی، پہلوتہی کی، چونکہ آیت میں متعدی بالباء ہے، اس لئے اس کا ترجمہ ہوگا، اس نے پہلو پھیر لیا، بعض قراءتوں میں نَاءَ بِجَانِبِہٖ آیا ہے اس کا مادہ نَوْءٌ ہے (ن) تکبر کے ساتھ پہلو پھیر لیا۔

قَوْلُہٗ: عِطفہ عِطْفٌ پہلو، کنارہ (ج) اَعْطَاف وعِطَافٌ وعُطُوفٌ یقال ثَنّٰی عَنِّی عِطْفَہٗ اس نے مجھ سے پہلوتہی کی۔

قَوْلُہٗ: لا احد یہ اشارہ ہے کہ مَنْ اَضَلُّ میں مَن استفہام انکاری ہے۔

قَوْلُہٗ: اَوْقَعَ هٰذَا ای مِمَّنْ هو فِی شِقَاقٍ بعید اعراض کرنے والوں کی حالت کو بیان کرنے کے لئے مِنْكُمْ کی جگہ واقع ہے، ورنہ تو مَنْ اَضَلُّ مِنكم کہنا کافی تھا، مگر چونکہ مِنْكُمْ سے ان کی حالت پر دلالت نہیں ہوتی اس لئے مِمَّنْ هو فِی شِقَاقٍ بَعِیْدٍ لائے ہیں۔

شبہ: سَنُرِیْهِمْ میں سین فعل کو زمانہ مستقبل کے ساتھ خاص کرتا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے زمانہ مستقبل میں اللہ تعالیٰ اپنی آیات قدرت دکھائیں گے حالانکہ آیات قدرت فی الحال بھی موجود ہیں اور نظر آ رہی ہیں۔

دفع: کلام میں مضاف محذوف ہے، ای سَنُرِیْهِمْ عَوَاقِبَ آیَاتِنَا.

قَوْلُہٗ: اَوَلَمْ یَکْفِ بربكَ ہمزہ محذوف پر داخل ہے، اور واو عاطفہ ہے تقدیر عبارت یہ ہے اَتَحْزَنُ عَلٰی انكارِهِمْ ومعارضتِهِم لَكَ ولم یکفك ربك استفہام انکاری ہے باء فاعل پر زائد ہے مفعول محذوف ہے ای یکفیكَ.

تفسیر وتشریح

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی الکتاب (الآیة) یہ کلام مستانف ہے اس کا مقصد آپ ﷺ کو تسلی دینا ہے، ان آیات میں خبر دی گئی ہے کہ تکذیب وطعن وتشنیع یہ سابقہ امتوں سے چلی آ رہی پرانی عادت ہے، ہر امت نے اپنے نبی کے ساتھ یہی

معاملہ کیا ہے، ان لوگوں نے بھی اپنے نبی پر اتاری جانے والی کتاب میں اختلاف کیا تھا اگر اہل مکہ آپ کے ساتھ یہی معاملہ کر رہے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، لہٰذا آپ اس سے غمزدہ نہ ہوں اور جس طرح ان نبیوں نے صبر و تحمل سے کام لیا آپ بھی صبر و تحمل سے کام لیں فَاخْتُلِفَ فِیْہِ میں ضمیر مجرور کتابٌ کی طرف راجع ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ موسیٰ کی طرف راجع ہے اول اولیٰ ہے۔ (فتح القدیر شوکانی)

لَوْ لَا کَلِمَۃٌ سَبَقَتْ (الآیۃ) یعنی اگر یہ بات طے نہ ہو چکی ہوتی کہ ان کو پورا عذاب آخرت میں دیا جائے گا، اور دنیا میں ان کو مہلت اور ڈھیل دی جائے گی جیسا کہ اللہ نے فرمایا لکن یؤخرھم الی اجل مسمًّی تو دنیا ہی میں قطعی فیصلہ ہو چکا ہوتا، اور یہ آپ پر نازل کردہ کتاب کے بارے میں شک و شبہ میں پڑے ہوئے ہیں، مہمل شکوک و شبہات ان کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتے ہر وقت دل میں کھٹکتے رہتے ہیں، اور ان کا انکار و تکذیب عقل و بصیرت کی وجہ سے نہیں بلکہ محض شک و شبہ کی وجہ سے ہے جو ان کو بے چین کئے رہتا ہے۔

ربط:

اِلَیْہِ یُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَۃِ چونکہ نیکی و بدی کا پورا اور مکمل بدلہ قیامت کے دن ملے گا اور کفار سے جب یہ بات کہی جاتی تھی تو وہ کہتے تھے کہ قیامت کب آئے گی، اِلَیْہِ یُرَدُّ سے اسی سوال کے جواب کی طرف اشارہ فرمایا، جس کا مطلب ہے کہ قیامت کے وقوع کے صحیح وقت کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں ہے، چنانچہ جب حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ ﷺ سے قیامت کے واقع ہونے کے بارے میں دریافت فرمایا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا مَا المسئول عنھا بِاَعْلم من السائل قیامت کے بارے میں مجھے بھی اتنا ہی علم ہے جتنا سائل کو ہے، دوسرے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِلٰی رَبِّكَ مُنْتَھٰھَا (النازعات) لَا یُجَلِّیْھَا لِوَقْتِھَا اِلَّا ھو (الاعراف) بڑے سے بڑا نبی اور بڑے سے بڑا فرشتہ بھی قیامت کے وقت کی تعیین نہیں کر سکتا، اگر کوئی سائل وقوع قیامت کی تعیین کے بارے میں سوال کرے تو اللہ کے علم کا حوالہ دیتے ہوئے واللہ اعلم کہنا ہی مناسب ہے، اس لئے کہ حق تعالیٰ شانہ کا علم ہی ہر شئ کو محیط ہے کوئی کھجور اپنے گابھے اور کوئی دانہ اپنے خوشہ سے اور کوئی میوہ یا پھل اپنے غلاف سے باہر نہیں آتا کہ جس کی خبر خدا کو نہ ہو، خلاصہ یہ کہ علم محیط خدا ہی کی شان ہے، اس کے حیطۂ علم سے کوئی شئ خارج نہیں، خدا کی اس صفت میں کسی نبی یا ولی یا فرشتے کو شریک کرنا شرک ہے۔

اللہ تعالیٰ قیامت کے روز مشرکین سے تہکم و تہدید کے طور پر فرمائے گا، کہاں ہیں وہ جن کو تم دنیا میں میرا شریک ٹھہرایا کرتے تھے؟ ان کو بلا لو تاکہ وہ تمہاری مدد کریں اور تمہارے اس آڑے وقت میں کام آئیں۔

قَالُوْا اٰذَنّٰكَ مَا مِنَّا مِنْ شَھِیْدٍ مطلب یہ ہے کہ ہم آپ سے صاف عرض کر چکے کہ ہم میں کوئی اقبالی مجرم نہیں کہ جو اس جرم (شرک) کا اعتراف کرنے کو تیار ہو، گویا کہ اس وقت نہایت دیدہ دلیری سے جھوٹ بول کر واقعہ کا انکار کرنے لگیں گے، اور کہیں گے آج ہم میں سے کوئی شخص یہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ تیرا کوئی شریک ہے، اور بعض مفسرین نے شہید بمعنی شاہد لیکر یہ

مطلب لیا ہے کہ اس وقت ہم میں سے کوئی ان شرکاء کو یہاں نہیں دیکھتا۔ (فوائد عثمانی)

لَا یَسْأَمُ الإنسان مِن دعاء الخیرِ انسان سے بعض حضرات نے انسان کا فرمرادلیا اور بعض نے جنس انسان اور بعض حضرات نے انسان سے ولید بن مغیرہ مرادلیا ہے اور بعض نے ربیعہ کے دونوں بیٹے عتبہ اور شیبہ مراد لئے ہیں اور بعض نے امیہ بن خلف مرادلیا ہے، لیکن آیت کو غالب کے اعتبار سے عموم پر باقی رکھنا اولیٰ اور بہتر ہے، اور عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے لَا یَسْأَمُ الإنسانُ من دعاء المال پڑھا ہے، مطلب یہ ہے کہ انسان دنیا کا مال واسباب، صحت وقوت، عزت ورفعت اور دیگر دنیوی نعمتوں کے مانگنے سے نہیں تھکتا بلکہ مانگتا ہی رہتا ہے اور انسان سے مراد انسانوں کی غالب اکثریت ہے تاکہ اللہ کے نیک مخصوص بندے اس عموم سے خارج ہو جائیں، اور جب تکلیف پہنچتی ہے تو فوراً ہی مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے جبکہ اللہ کے مخلص بندوں کا حال اس کے برخلاف ہوتا ہے، وہ اول تو دنیا کے طالب نہیں ہوتے ان کے سامنے ہر وقت آخرت ہی ہوتی ہے، دوسرے تکلیف پہنچنے پر بھی وہ اللہ کی رحمت اور اس کے فضل سے مایوس نہیں ہوتے، بلکہ آزمائشوں کو بھی وہ کفارۂ سیئات اور رفع درجات کا باعث سمجھتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ انسان کی فطرت بھی عجیب طرح کی واقع ہوئی ہے، جب دنیا کی ذرا سی بھلائی پہنچے اور کچھ عیش وآرام وتندرستی نصیب ہو تو مارے حرص کے چاہتا ہے کہ اور زیادہ مزے اڑائے، کسی حد پر پہنچ کر اس کا پیٹ نہیں بھرتا، اگر اس کا بس چلے تو ساری دنیا کی دولت سمیٹ کر اپنے گھر میں ڈال لے، اس کے برخلاف اگر ذرا سی افتاد پڑنی شروع ہوئی اور اسباب ظاہری کا سلسلہ اپنے خلاف دیکھا تو پھر مایوس اور ناامید ہوتے بھی دیر نہیں لگتی، اور اگر اس مایوسی اور ناامیدی کے بعد اللہ نے تکلیف ومصیبت دور کر کے اپنی مہربانی سے پھر عیش وراحت کا سامان کر دیا تو کہنے لگتا ہے، ھٰذَا لِی یعنی میں اس کامیابی کا مستحق تھا ہی اس لئے کہ میں نے فلاں تدبیر کی تھی اور میں نے یوں دانشمندی اور ہوشیاری سے کام کیا تھا، جس کا لازمی نتیجہ کامیابی ہی تھا، اب نہ خدا کی مہربانی یاد رہی اور نہ اپنی مایوسی کی وہ کیفیت جو ابھی چند منٹ پہلے قلب پر طاری تھی، اب عیش وآرام کے نشہ میں ایسا مخمور ہو جاتا ہے کہ آئندہ بھی کسی مصیبت اور تکلیف کے پیش آنے کا خطرہ نہیں رہتا سمجھتا ہے، کہ میں ہمیشہ اسی حالت میں رہوں گا، اور اگر کبھی ان تاثرات کے دوران قیامت کا نام سن لیتا ہے تو کہتا ہے کہ میں تو نہیں سمجھتا کہ یہ چیز کبھی ہونے والی ہے، اور اگر بالفرض ایسی نوبت آہی گئی اور مجھے لوٹ کر اپنے رب کی طرف جانا ہی پڑا تب بھی مجھے یقین ہے کہ وہاں بھی میرا انجام بہتر ہوگا، اگر میں خدا کی نظر میں برا اور نالائق ہوتا تو مجھے دنیا میں یہ عیش وبہار کے مزے کیوں ملتے؟ لہٰذا امید ہے کہ وہاں بھی میرے ساتھ یہی معاملہ ہوگا۔

فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا الخ یعنی خوش ہو لو کہ اس کفر وغرور کے باوجود وہاں بھی مزے لوٹو گے، وہاں پہنچ کر پتہ لگ جائے گا کہ منکروں کو کیسی سخت سزا بھگتنی پڑتی ہے۔

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَی الانسان اَعْرَضَ (الآیة) یعنی اللہ کی نعمتوں سے متمتع ہونے کے وقت تو منعم کی حق شناسی اور شکر گذاری سے اعراض کرتا ہے، اور بے رخی کرتے ہوئے پہلو تہی کرتا ہے اور جب کوئی مصیبت اور تکلیف پیش آتی ہے تو اسی

خدا کے سامنے ہاتھ پھیلا کر لمبی چوڑی دعائیں مانگنے لگتا ہے، شرم نہیں آتی کہ اب اسے کس منہ سے پکارتا ہے۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ کَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ (الآیة) سابقہ آیات میں انسانی فطرت کا عجیب وغریب نقشہ کھینچ کر اس کی کمزوریوں اور بیماریوں پر نہایت موثر انداز میں توجہ دلائی تھی، اب تنبیہ فرماتے ہیں کہ یہ کتاب جو تمہاری کمزوریوں پر آگاہ کرنے والی اور انجام کی طرف توجہ دلانے والی ہے اگر خدا کے پاس سے آئی ہو (جیسا کہ واقع میں ایسا ہی ہے) پھر تم نے اس کو نہ مانا اور ایسی اعلیٰ اور بیش قیمت نصیحت سے فائدہ اٹھا کر اپنی عاقبت کی فکر نہ کی، بلکہ حق کی مخالفت میں دور ہوتے چلے گئے، تو کیا اس سے بڑھ کر گمراہی اور خسارہ کچھ ہوسکتا ہے؟

سَنُرِیْھِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْآفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِھِمْ عنقریب ہم انہیں اپنی قدرت کی نشانیاں عالم اور اطراف عالم نیز خود ان کی ذات میں بھی دکھائیں گے جن سے قرآن کی صداقت اور اس کا من جانب اللہ ہونا واضح ہوجائے گا، اَنَّہٗ میں ضمیر کا مرجع قرآن ہے، اور بعض نے اس کا مرجع اسلام یا رسول اللہ ﷺ کو قرار دیا ہے، نتیجہ سب کا ایک ہی ہے آفاق، افق کی جمع ہے بمعنی کنارہ، مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی قدرت کی نشانیاں آفاق واطراف عالم میں بھی دکھائیں گے اور خود انسان کی اپنی ذات میں بھی، چنانچہ آفاق واطراف میں قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں مثلاً سورج، چاند، ستارے اور رات ودن، ہوا، بارش، گرج، چمک، بجلی کڑک، نباتات، جمادات، اشجار اور انہار وغیرہ اور آیات انفس سے خود انسان کا وجود مراد ہے جو کہ خود ایک عالم اصغر ہے اس کے اعضاء کی تشریح علم طب کا ایک نہایت دلچسپ موضوع ہے۔

سُوْرَةُ الشُّوْرٰی مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَلٰثٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّخَمْسُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ الشُّوْرٰی مَكِّيَّةٌ اِلَّا قُلْ لَّا اَسْأَلُكُمُ الْاٰيَاتِ الْاَرْبَعَ ثَلٰثٌ وَخَمْسُوْنَ اٰيَةً.

سورۂ شوریٰ مکی ہے مگر قُلْ لَّا اَسْأَلُكُمْ چار آیتیں، (اس میں) ترپن (۵۳) آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ حٰمٓ ① عٓسٓقٓ ② اَللّٰهُ اَعلمُ بمُرَادہ به كَذٰلِكَ اى مِثلَ ذٰلك الاِيحاء يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَ اَوحى اِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ اللّٰهُ فاعِلُ الايحاءِ الْعَزِيْزُ فِى مُلكِه الْحَكِيْمُ ③ فِى صُنعِه لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ مِلكًا وخَلقًا وعَبيدًا وَهُوَ الْعَلِيُّ على خَلقِه الْعَظِيْمُ ④ الكَبيرُ تَكَادُ بالتاءِ والياء السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ بالنُّون وفى قِراءةٍ بالتاءِ والتشديد مِنْ فَوْقِهِنَّ اى تَنشَقُّ كُلُّ وَاحِدَةٍ فَوقَ التى تَلِيها من عَظمَتِه تعالى وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ اى مُلَابِسِينَ للحَمْد وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِى الْاَرْضِ مِنَ المُؤمِنينَ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ لِاَولِيَائِه الرَّحِيْمُ ⑤ بهم وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اى الاَصنامَ اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ مُحصٍ عَلَيْهِمْ لِيُجازِيَهم وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ⑥ تُحَصِّلُ المَطلُوبَ منهم ما عليكَ اِلا البَلاغُ وَكَذٰلِكَ مِثلَ ذٰلك الايحاءِ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ تُخَوِّفَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا اى اَهلَ مَكَّةَ وسَائرَ النَّاس وَتُنْذِرَ النَّاسَ يَوْمَ الْجَمْعِ اى يَومَ القِيمَةِ تُجمَعُ فيه الخلقُ لَا رَيْبَ شَكَّ فِيْهِ فَرِيْقٌ منهم فِى الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِى السَّعِيْرِ ⑦ النار وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً اى على دِينٍ وَاحِدٍ وهو الاِسلامُ وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِىْ رَحْمَتِهٖ وَالظّٰلِمُوْنَ الكافرونَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ⑧ يَدفَعُ عنهم العَذابَ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اى الاَصنامَ اَوْلِيَآءَ ام مُنقَطِعَةٌ بمعنى بَلِ التى لِلانتِقال وَهمزَةِ الانكار اى لَيسَ المُتَّخذُونَ اَولياءَ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ اى النَّاصِرُ للمؤمِنينَ والفَاء لمُجَرَّدِ العَطفِ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ⑨

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے حٰمٓ. عٓسٓقٓ اس سے اپنی مراد کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے اسی طرح یعنی اس وحی بھیجنے کے مانند اللہ تعالیٰ جو زبردست ہے اپنے ملک میں حکمت والا ہے، اپنی صنعت میں تیری طرف اور تجھ سے اگلوں کی طرف وحی بھیجتا رہا ہے، اللہ ایحاء کا فاعل ہے، آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اسی کا ہے ملکیت کے اعتبار سے، تخلیق کے اعتبار سے، اور مملوکیت کے اعتبار سے، اور وہ اپنی مخلوق پر برتر اور عظیم الشان ہے، قریب ہے کہ آسمان اوپر سے پھٹ پڑیں (تکاد) تاء اور یاء کے ساتھ ہے (یَنْفَطِرْنَ) نون کے ساتھ ہے، اور ایک قراءت میں (نون کے بجائے) تاء مع تشدید طاء ہے (ای تَتَفَطَّرْنَ) یعنی ہر اوپر والا آسمان جس کے نیچے آسمان ہے اللہ کی عظمت کی وجہ سے پھٹ پڑے، اور تمام فرشتے اپنے رب کی پاکی حمد کے ساتھ بیان کر رہے ہیں، (یعنی) تسبیح و تحمید، دونوں کو ملا کر (سبحان اللہ والحمدللہ) کہہ رہے ہیں اور زمین میں جو مومنین ہیں ان کے لئے استغفار کر رہے ہیں، خوب یاد رکھو اللہ تعالیٰ ہی اپنے اولیاء کو معاف کرنے والا ان پر رحم کرنے والا ہے اور جن لوگوں نے اس کے سوا بتوں کو کارساز بنالیا ہے اللہ تعالیٰ ان پر نگران ہے یقیناً ان کو سزا دے گا اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں، کہ ان سے مطلوب کو حاصل کریں، آپ کے ذمہ تو صرف پہنچا دینا ہے اور اس وحی کرنے کے مانند ہم نے آپ کی طرف عربی قرآن کی وحی کی ہے تاکہ آپ مکہ والوں اور اس کے آس پاس والوں کو آگاہ کریں، یعنی اہل مکہ اور (دیگر) تمام لوگوں کو اور آپ لوگوں کو جمع ہونے کے یعنی قیامت کے دن سے ڈرائیں، جس میں تمام مخلوق جمع کی جائے گی، جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے ان میں سے ایک فریق جنت میں ہوگا اور ایک فریق دوزخ میں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان سب کو ایک امت یعنی ایک دین پر اور وہ اسلام ہے بنا دیتا لیکن وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے، اور ظالموں کافروں کا حامی اور مددگار کوئی نہیں، کہ ان سے عذاب کو دفع کر سکے، کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا بتوں کو کارساز بنالیا ہے اَمْ منقطعہ بمعنی بَلْ ہے، جو کہ انتقال کے لئے ہے اور ہمزہ انکار کے لئے ہے، یعنی جن کو کارساز بنایا ہے وہ کارساز نہیں ہیں (حقیقتاً تو) اللہ تعالیٰ ہی ولی ہے یعنی مومنین کا مددگار ہے اور فاء محض عطف کے لئے ہے، وہی مُردوں کو زندہ کرے گا، اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: حٰمٓ، عٓسٓقٓ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ سورۂ شوریٰ ہی کے دوسرے دو نام ہیں، اسی لئے ان کو الگ الگ دو آیتیں شمار کیا ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ دونوں مل کر ایک نام ہے مگر دیگر حوامیم کی موافقت و مماثلت کے لئے الگ الگ لکھا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: مثل ذٰلك الایحاء ای مثل ما فی هٰذه السورة من المعانی اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ

کذلك کا کاف مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے محل میں نصب کے ہے ای یُوحِی ایحاءً مثلَ ذٰلك الإیحاء یعنی اس سورت کے ایحاء کے مانند آپ کی طرف فی الوقت وحی بھیجتا ہے، اور آپ سے اگلوں کی طرف اسی طرح وحی بھیج چکا ہے۔

سُؤال: انبیاء سابقین کی طرف وحی بھیجنے کے لئے اوحٰی ماضی کا صیغہ استعمال ہونا چاہئے نہ کہ یوحِی مضارع کا۔

جَواب: مضارع کا صیغہ حکایت حال ماضیہ کے طور پر استمرار وحی پر دلالت کرنے کے لئے استعمال ہوا ہے، اور مضارع بمعنی ماضی ہے جیسا کہ مفسر رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ نے اَوْحٰی محذوف مان کر اشارہ کردیا ہے۔

قِوْلَهُ: فریق منهم، فریقٌ مبتداء اور فی الجنة اس کی خبر ہے۔

سُؤال: فریق نکرہ ہے اس کا مبتداء بننا کیسے درست ہے؟

جَواب: مفسر علام نے مِنْهُم محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ فریق موصوف ہے اور اس کی صفت محذوف ہے، تقدیر یہ ہے فریق کائنٌ منهم فی الجنة لہٰذا اب اس کا مبتداء بننا صحیح ہوگیا، یہی ترکیب فریقٌ فی السعیر میں ہے۔

تفسیر و تشریح

کَذٰلِكَ یُوحِیْٓ اِلَیْكَ (الآیة) یعنی جس طرح یہ قرآن تیری طرف نازل کیا گیا ہے اسی طرح تجھ سے پہلے بھی انبیاء پر صحیفے اور کتابیں نازل کی گئیں، وحی اللہ کا وہ کلام ہے جو فرشتے کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کے پاس بھیجتا رہا ہے، ایک صحابی نے آپ ﷺ سے وحی کی کیفیت معلوم کی تو آپ نے فرمایا: کبھی تو یہ میرے پاس گھنٹی کی آواز کے مثل آتی ہے اور یہ صورت مجھ پر سب سے گراں ہوتی ہے، جب یہ آواز ختم ہوتی ہے تو مجھے وہ وحی یاد ہو چکی ہوتی ہے، اور کبھی فرشتہ انسانی شکل میں آتا ہے، اور مجھ سے کلام کرتا ہے اور وہ جو کہتا ہے میں اسے یاد کرلیتا ہوں، حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهَا فرماتی ہیں میں نے سخت سردی میں مشاہدہ کیا کہ جب وحی کی کیفیت ختم ہوئی تو آپ پسینے میں شرابور ہوتے اور آپ کی پیشانی سے قطرے ٹپک رہے ہوتے۔ (صحیح بخاری باب بدء الوحی)

وَمَآ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَکِیْلٍ یعنی آپ اس بات کے مکلّف نہیں ہیں کہ ان کو ہدایت کے راستہ پر لگادیں، یہ کام ہمارا ہے آپ کا کام صرف پہنچادینا ہے۔

جس طرح ہم نے ہر رسول پر اس کی اور اس کی قوم کی زبان میں وحی نازل کی، اسی طرح ہم نے آپ پر عربی زبان میں قرآن نازل کیا ہے، اس لئے کہ آپ کی قوم کی زبان عربی ہی ہے۔

''ام القریٰ'' مکہ کا نام ہے، اسے بستیوں کی ماں، اس لئے کہتے ہیں کہ یہ عرب کی قدیم ترین بستی ہے گویا کہ یہ تمام بستیوں کی ماں ہے، اور مراد اہل مکہ ہیں اور مَنْ حولَهَا میں اس کے چاروں طرف کے علاقے شرقاً غرباً شمالاً جنوباً شامل ہیں۔

فَاللّٰه هو الولی (الآیة) جب یہ بات ہے کہ اللہ ہی محی اور ممیت ہے اور ہر شئ پر قادر ہے تو پھر وہی اس بات کا مستحق ہے کہ اسی کو ولی اور کارساز مانا جائے، نہ کہ ان کو جن کے پاس کوئی اختیار ہی نہیں ہے، اور جو نہ سننے کی اور نہ جواب دینے کی

طاقت رکھتے ہیں اور نہ نفع نقصان پہنچانے کی صلاحیت۔

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ مع الکُفّار فِيهِ مِن شَيْءٍ مِنَ الدِّینِ وغیرہ فَحُكْمُهُ مَرْدُوْدٌ اِلَی اللّٰہِ یومَ القِیٰمۃِ یفصِلُ بَیْنَکم قل لھم اِلَى اللَّهِ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ﴿۱۰﴾ اَرجِعُ فَاطِرُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ مُبْدِعُهما جَعَلَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا حیثُ خَلَقَ حَوَّاءَ مِنْ ضِلَعِ اٰدَمَ وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا ذُکورًا واِناثًا يَذْرَؤُكُمْ بالمُعجمۃ یَخلُقکم فِيهِ فِي الجَعلِ المَذکورِ ای یُکَثِّرُکُمْ بِسَبَبِہٖ بالتوالُد والضَمیرُ لِلاناسِیِّ والانعام بالتغلیب لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ الکافُ زائِدۃٌ لِاَنَّہٗ تعالیٰ لَا مِثْلَ لہ وَهُوَ السَّمِيعُ لِمَا یُقالُ الْبَصِيرُ ﴿۱۱﴾ بما یُفعَلُ لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ای مَفاتِیحُ خَزائِنِھما مِنَ المَطر والنَباتِ وغیرِھما يَبْسُطُ الرِّزْقَ یُوَسِّعُہٗ لِمَن يَشَاءُ اِمتِحانًا وَيَقْدِرُ یُضَیِّقُہ لِمن یَّشاءُ اِبْتِلاءً إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۲﴾ شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا ھُوَ اَوّلُ اَنْبِیاءِ الشَّرِیْعَۃِ وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ھٰذا ھُوَ المَشْرُوْعُ المُوصیٰ بہٖ والمُوْحیٰ اِلیٰ مُحَمَّدٍ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وَھُوَ التَوحِیدُ كَبُرَ عَظُمَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ مِنَ التوحیدِ اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ الی التَوحِیدِ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَن يُنِيبُ ﴿۱۳﴾ یُقبِلُ علیٰ طاعَتِہٖ وَمَا تَفَرَّقُوا ای اَھلُ الاَدْیَانِ فِی الدِینِ بِاَنْ وَحَّدَ بَعضٌ وَکَفَرَ بَعضٌ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بِالتَوحیدِ بَغْيًا مِنَ الکافرِین بَيْنَهُمْ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ بتاخِیرِ الجَزاءِ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى یومِ القِیٰمۃِ لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِتَعذِیبِ الکافرینَ فی الدُنیا وَإِنَّ الَّذِينَ أُورِثُوا الْكِتَابَ مِن بَعْدِهِمْ وھُم الیَھُوْدُ والنصاریٰ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مِنْ مُحَمَّدٍ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مُرِيبٍ ﴿۱۴﴾ مُوقِعُ الرِیبۃِ فَلِذَٰلِكَ التَّوحِیدِ فَادْعُ یامُحمد الناسَ وَاسْتَقِمْ علیہ كَمَا أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ فِی ترکِہٖ وَقُلْ آمَنتُ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِن كِتَابٍ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ ای بان اَعْدِلَ بَيْنَكُمُ فی الحُکمِ اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ فکُلٌّ یُجازیٰ بِعَمَلِہٖ لَا حُجَّةَ خُصُومَۃَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ ھٰذا قَبلَ اَن یُؤمَرَ بالجِھادِ اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا فی المَعادِ لِفَصلِ القَضاءِ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ﴿۱۵﴾ المَرجِعُ وَالَّذِينَ يُحَاجُّونَ فِي دِینِ اللَّهِ نَبِیِّہٖ مِن بَعْدِ مَا اسْتُجِيبَ لَهُ بالاِیمانِ لِظُھورِ مُعجِزَتِہٖ وھم الیَھُودُ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ باطِلَۃٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ﴿۱۶﴾ اللَّهُ الَّذِي أَنزَلَ الْكِتَابَ القُراٰنَ بِالْحَقِّ مُتَعَلِّقٌ بِاَنْزَلَ وَالْمِيزَانَ والعَدلَ وَمَا يُدْرِيكَ یُعلِمُکَ لَعَلَّ السَّاعَةَ ای اِتیانَھا قَرِيبٌ ﴿۱۷﴾ ولَعَلَّ مُعَلِّقٌ للفعلِ عَنِ العَمَلِ او ما بَعدَہٗ سَدَّ مَسَدَّ المَفعُولَینِ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا یَقُولونَ مَتیٰ تاتِی ظَنًّا مِنھُم اَنَّھا غیرُ اٰتِیَۃٍ وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ خائِفُونَ مِنْهَا وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا الْحَقُّ أَلَا إِنَّ الَّذِينَ يُمَارُونَ

یُجَادِلُوْنَ فِی السَّاعَةِ لَفِیْ ضَلٰلٍۢ بَعِیْدٍ ﴿۱۸﴾ اَللّٰهُ لَطِیْفٌۢ بِعِبَادِهٖ بَرِّهِمْ وَفَاجِرِهِمْ حَیْثُ لَمْ یُهْلِکْهُمْ جُوْعًا بِمَعَاصِیْهِمْ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ کُلٍّ مِنْهُمْ مَا یَشَاءُ وَهُوَ الْقَوِیُّ عَلٰی مُرَادِهٖ الْعَزِیْزُ ﴿۱۹﴾ الْغَالِبُ عَلٰی اَمْرِهٖ.

ترجمہ: اور جس چیز (یعنی) دین وغیرہ میں کفار کے ساتھ تمہارا اختلاف ہوا، اس کا فیصلہ قیامت کے دن اللہ ہی کی طرف لوٹے گا، وہ تمہارے درمیان فیصلہ کردے گا، آپ ان سے کہئے یہی اللہ میرا رب ہے، جس پر میں نے بھروسہ کر رکھا ہے، اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں، وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے، اس نے تمہارے لئے تمہاری جنس کے جوڑے بنادیئے ہیں، بایں طور کہ اس نے (حضرت) حواء کو آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پسلی سے پیدا فرمایا اور چوپایوں کے نر و مادہ کے جوڑے بنائے (یَذْرَئُکُمْ) ذال معجمہ کے ساتھ (یعنی ذال کے ساتھ ہے نہ کہ دال کے ساتھ) اور یَذْرَئُکُمْ بمعنی یَخْلُقُکُمْ ہے یعنی مذکورہ طریقہ سے تم کو پیدا کرتا ہے، (اور) اس طریقہ توالد کے سبب سے تمہاری کثرت کرتا ہے اور (کُمْ) ضمیر، انسانوں اور حیوانات کی طرف تغلیباً راجع ہے، اس کے مثل کوئی شئ نہیں، کاف زائدہ ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی مثل نہیں وہ ہر بات کا سننے والا ہر فعل کا دیکھنے والا ہے، آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں یعنی ان دونوں (آسمان و زمین) کے خزانوں یعنی بارش اور نبات وغیرہ کی کنجیاں (اسی کے قبضۂ تصرف میں ہیں) وہ جس کی چاہے امتحاناً روزی کشادہ کردے اور جس کی چاہے بطور آزمائش تنگ کردے یقیناً وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے اللہ نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا ہے، جس کے قائم کرنے کا اس نے نوح (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو حکم دیا تھا، اور وہ (نوح) انبیاء شریعت میں سے اول نبی ہیں اور جو (دین) ہم نے بذریعہ وحی آپ کی طرف بھیجا ہے اور جس کا تاکیدی حکم ہم نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیا تھا کہ اس دین کو قائم رکھنا، اور اس میں اختلاف نہ کرنا یہی ہے وہ مشروع کہ جس کا تاکیدی حکم دیا گیا اور جس کی محمد ﷺ کی طرف وحی کی گئی، اور وہ توحید ہے اور جس چیز کی طرف آپ انہیں بلا رہے ہیں وہ توحید ہے وہ تو (ان) مشرکوں پر گراں گذرتی ہے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے توحید کے لئے منتخب کرلیتا ہے اور جو شخص اس کی اطاعت کی طرف رجوع کرتا ہے اللہ اس کی اپنی طرف رہنمائی کرتا ہے اور اہل ادیان نے دین میں اسی وقت اختلاف کیا، بایں طور کہ بعض نے توحید اختیار کی اور بعض نے کفر کیا، کہ جب ان کے پاس توحید کا علم آگیا اور وہ بھی کافروں کی باہمی ضد بحث سے اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک وقت مقرر (یعنی قیامت) تک کے لئے تاخیر عذاب کا فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا تو یقیناً دنیا ہی میں کافروں کو عذاب دیکر ان کے اختلاف کا فیصلہ ہو چکا ہوتا، اور جن لوگوں کو ان کے بعد کتاب دی گئی، اور وہ یہود و نصاریٰ ہیں وہ بھی آپ ﷺ کے بارے میں الجھن ڈالنے والے شک میں پڑے ہوئے ہیں، پس اے محمد! آپ لوگوں کو اسی توحید کی طرف بلاتے رہئے اور جو کچھ آپ سے کہا گیا ہے آپ خود بھی اس پر قائم رہئے اور اس کو ترک کرنے میں ان کی خواہشوں کی اتباع نہ کیجئے، اور کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں میرا ان پر ایمان ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تم میں انصاف کرتا رہوں ہمارا اور تم سب کا

پروردگار اللہ ہی ہے، ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے ہیں، لہٰذا ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق صلہ ملے گا ہمارے تمہارے درمیان کوئی نزاع نہیں یہ حکم جہاد کا حکم نازل ہونے سے قبل کا ہے اللہ تعالیٰ فیصلہ کرنے کے لئے قیامت کے دن ہم سب کو جمع کرے گا، اور اسی کی طرف لوٹنا ہے اور جو لوگ اللہ کے دین کے بارے میں اس کے نبی سے حجت بازی کرتے ہیں بعد اس کے کہ اس کو اس کے معجزات کے ظاہر ہونے کی وجہ سے مان لیا گیا ہے اور وہ یہود ہیں اور ان کی حجت بازی ان کے رب کے نزدیک باطل ہے اور ان پر غضب ہے اور ان کے لئے سخت عذاب ہے، اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ کتاب قرآن نازل فرمائی ہے (بالحق) انزل کے متعلق ہے اور میزان (انصاف) نازل فرمائی ہے اور آپ کو کیا خبر شاید قیامت یعنی اس کی آمد قریب ہی ہو اور لَعَلَّ فعل کو عمل سے روکنے والا ہے یا اس کا مابعد قائم مقام دو مفعولوں کے ہے اس کی جلدی، ان کو پڑی ہے جو اس کو نہیں مانتے، سوال کرتے ہیں کہ (قیامت) کب آئے گی؟ یہ یقین کرتے ہوئے کہ وہ آنے والی نہیں ہے اور جو اس کی (آمد) کا یقین رکھتے ہیں وہ اس سے ڈر رہے ہیں انہیں اس کے حق ہونے کا پورا علم ہے، یاد رکھو جو لوگ قیامت کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں وہ دور کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر خواہ نیک ہوں یا بد بڑا ہی لطف کرنے والا ہے، اس طریقہ سے کہ ان کی معصیت کی وجہ سے ان کو بھوکا نہیں مارتا، ان سب میں سے جس کو چاہتا جتنی چاہتا روزی دیتا ہے، اور وہ اپنی مراد پر بڑی طاقت اور اپنے امر پر بڑے غلبہ والا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: ذٰلِکُمُ اللّٰہُ ربی (الآیۃ) ذٰلِکُمْ مبتداء ای ذٰلِکُمُ الحاکم العظیم الشان، اللّٰہُ، ذٰلِکُمْ مبتدا کی گیارہ خبریں ہیں، (۱) اللّٰہُ (۲) رَبّی (۳) عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ (۴) وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ (۵) فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ والارض (۶) جَعَلَ لکم (۷) لیس کمثلِہٖ شیئٌ (۸) وھو السمیع البصیر (۹) لہٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ الخ (۱۰) یَبْسُطُ الرِّزق الخ (۱۱) شَرَعَ لکم الخ. (جمل)

قَوْلُہٗ: یَذْرَئُکُمْ، ذَرْءٌ سے مضارع واحد مذکر غائب، وہ تم کو پیدا کر رہا ہے، پھیلا رہا ہے، زیادہ کر رہا ہے (ف)۔

قَوْلُہٗ: فیہِ ضمیر مجرور کا مرجع، جعل مذکور ہے، ای فی ذٰلک الخلق علی ھذہ الصفۃ یعنی اس طریقہ تخلیق (یعنی توالد و تناسل) سے وہ تمہیں ابتداء سے پیدا کرتا چلا آ رہا ہے، یا فیہِ کی ضمیر کا مرجع رحم مادر ہے، یا فی بمعنی باء ہے یعنی تمہارا جوڑا بنانے کے سبب سے تمہیں پیدا کرتا، پھیلاتا ہے، کیونکہ یہ زوجیت ہی نسل کی افزائش کا سبب ہے۔

(فتح القدیر، و ابن کثیر ملخصًا)

قَوْلُہٗ: یَذْرَئُکُمْ میں کُمْ ضمیر کا مرجع انسان ہیں جانوروں کو تغلیباً کم ضمیر میں شامل کر لیا گیا ہے ورنہ تو یَذْرَئُھَا ہونا چاہئے۔

قَوْلُہٗ: الکاف زائدة اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض: ظاہر آیت سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ خدا کا مثل ہے اس لئے کہ آیت کا ترجمہ یہ ہے، اس کے مثل کا کوئی مثل نہیں ہے یعنی مثل تو ہے مگر اس مثل کا مثل نہیں ہے، حالانکہ اس کا مثل ہی نہیں ہے۔

جَوَابٌ: کمِثْلِهٖ میں کاف زائدہ محض تاکید کے لئے ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے کہ لَیْسَ مِثْلَهٗ شیئٌ.

قَوْلُہٗ: مَقالید یہ مِقلادٌ یا مقلِیدٌ یا أقلیدٌ کی جمع ہے بمعنی کنجی۔

قَوْلُہٗ: شَرَعَ لکم مِن الدین مَا وَصّٰی به نوحًا، شرعَ بمعنی سَنَّ ای جَعَلَ لکُمْ طریقًا واضحاً وبالفارسیة راہ روشن کرد شاراازدین۔

قَوْلُہٗ: شَرَعَ لَکُمْ مِن الدین یہ اس اجمال کی تفصیل ہے جس کا ذکر کذٰلك یُوْحِیْٓ اِلَیْكَ والی الذین مِن قبلِكَ میں اجمالاً ہے اور لکُمْ سے خطاب امت محمدیہ ﷺ کو ہے۔

قَوْلُہٗ: من التوحید.

سُؤَال: مفسر علام نے ما تَدْعوهُمْ اِلَیهِ کی تفسیر من التوحید سے کی ہے حالانکہ اس میں تمام اصول وفروع داخل ہیں۔

جَوَابٌ: توحید چونکہ عماد الدین اور اصل الاصول ہے جو کہ تمام اصول وفروع کو شامل ہے، اسی وجہ سے اس پر اکتفاء کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: یَجْتَبِیْ یہ اجتباء سے ماخوذ ہے اس کے معنی منتخب کرنے اور چننے کے ہیں، اسی مناسبت سے توفیق دینے کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔

قَوْلُہٗ: بَغْیًا، تفرقوا فعل مثبت کا مفعول لہ ہے جو کہ استثناء سے مفہوم ہے۔

قَوْلُہٗ: لفی شكٍّ منه مُریبٌ یعنی بےچین کرنے والا شک، الجھن میں ڈالنے والا شک۔

قَوْلُہٗ: رِیْبَةٌ یعنی تحیر، اضطراب۔

قَوْلُہٗ: وَالذین یُحَاجُّوْنَ مبتداء اول ہے اور حُجَّتُهم مبتداء ثانی ہے اور دَاحِضَةٌ مبتداء ثانی کی خبر ہے، مبتداء ثانی اپنی خبر سے مل کر مبتداء اول کی خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: ای اِتیانُها یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَال: قریبٌ کو مذکر کیوں لایا گیا؟ حالانکہ وہ ساعة مؤنث کی صفت ہے لہٰذا قریبةٌ ہونا چاہئے۔

جَوَابٌ: کلام حذف مضاف کے ساتھ ہے ای مجیئ الساعة لہٰذا قریب سے مراد مجیئٌ ہے۔

قَوْلُہٗ: وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّ السَّاعة قریبٌ واؤ عاطفہ ہے ما استفہامیہ مبتداء محلاً مرفوع ہے اور یُدریك جملہ ہو کر اس کی خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: وَلَعَلَّ معلِّقٌ للفعل عن العمل اَو ما بعده سدَّ مَسَدَّ المفعولین "تعلیق" لفظاً ابطال عمل کو کہتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسا حرف درمیان میں ہوتا ہے کہ جو صدارت کلام چاہتا ہے، یہاں وہ حرف لَعَلَّ ہے، یُدریكَ کا مفعول اول كَ

ہے یا فعل کا مابعد قائم مقام دو مفعولوں کے ہے۔

تفسیر وتشریح

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ اس اختلاف سے مراد دین کا اختلاف ہے، جس طرح یہودیت، عیسائیت وغیرہ کے میں آپس میں اختلافات ہیں، ہر مذہب کا پیرو دعویٰ کرتا ہے کہ اس کا دین حق ہے، ظاہر ہے کہ تمام ادیان بیک وقت حق نہیں ہو سکتے، سچا دین تو صرف ایک ہی ہو سکتا ہے، اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ دنیا میں سچا دین اور حق راستہ پہچاننے کے لئے اللہ تعالیٰ کا قرآن موجود ہے، لیکن دنیا میں لوگ قرآن مجید کو اپنا حکم اور ثالث ماننے کے لئے تیار نہیں، بالآخر قیامت کا دن ہی رہ جاتا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ ان اختلافات کا فیصلہ فرمائے گا، اور سچوں کو جنت میں اور دوسروں کو جہنم میں داخل کرے گا۔

دوسری اکثر آیات میں اطاعت کے حکم میں رسول کو اور بعض آیات میں اولوا الامر کو شامل کیا گیا ہے وہ اس کے معارض نہیں، اس لئے کہ رسول اور اولوا الامر جو فیصلہ کرتے ہیں وہ ایک حیثیت سے اللہ ہی کا حکم ہوتا ہے، اگر یہ فیصلہ کتاب وسنت کی نصوص کے ذریعہ ہے تو اس کا حکم الٰہی ہونا ظاہر ہے اور اگر اپنے اجتہاد سے ہے تو چونکہ اجتہاد کا مدار بھی نصوص قرآن وسنت پر ہوتا ہے اس لئے وہ ایک حیثیت سے اللہ ہی کا حکم ہے مجتہدین کے اجتہاد بھی اسی میں داخل ہیں، اسی لئے علماء نے فرمایا کہ عام آدمی جو قرآن وسنت کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ان کے حق میں مفتی کا فتویٰ ہی حکم شرعی کہلاتا ہے۔

جَعَلَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا یعنی اللہ کا بڑا اکرم اور احسان ہے کہ اس نے تمہاری جنس سے ہی تمہارے جوڑے بنائے، ورنہ اگر تمہاری بیویاں انسانوں کے بجائے کسی اور مخلوق کی ہوتیں تو تمہیں یہ سکون حاصل نہ ہوتا، جو اپنی ہم جنس اور ہم شکل بیوی سے حاصل ہوتا ہے اور یہی سلسلہ چوپایوں میں بھی رکھا ہے، اس مذکورہ طریقہ سے اس نے انسانوں اور جانوروں میں افزائش نسل کا سلسلہ جاری فرما دیا ہے، وہ اپنی ذات وصفات میں اپنی نظیر آپ ہے نہ اس کا کوئی ہمسر ہے اور نہ مثل، وہ واحد اور بے نیاز ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ یہاں دین سے مراد وہ عقائد واحکام ہیں جو تمام آسمانی کتابوں میں موجود تھے، مثلاً اللہ پر ایمان توحید، اطاعت رسول، تمام انبیاء کا یہی دین تھا جس کی دعوت وہ اپنی اپنی امتوں کو دیتے رہے، اگرچہ ہر نبی کی شریعت وقانون میں بعض جزوی اختلافات ہوتے تھے، جیسا کہ فرمایا لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا (المائدہ) لیکن مذکورہ اصول سب کے درمیان مشترک تھے، اسی بات کی طرف نبی کریم ﷺ نے اس طرح فرمایا ہم انبیاء کی جماعت علاتی بھائی ہیں ہمارا دین ایک ہے (بخاری شریف) اور یہ ایک دین وہی توحید اور اطاعت رسول ہے ان کا تعلق ان فروعی مسائل سے نہیں ہے، جن میں دلائل باہم مختلف اور متعارض ہوتے ہیں، یا جن میں کبھی فہم کا تباین اور تفاوت ہوتا ہے کیونکہ ان میں اجتہاد یا اختلاف کی گنجائش ہوتی ہے، اسی لئے یہ احکام مختلف ہوتے ہیں اور ہو سکتے ہیں، تاہم توحید ورسالت فروعی نہیں اصولی ہیں جن پر کفر وایمان کا دارومدار ہے، سب سے پہلے پیغمبر حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، اصول وعقائد میں تمام انبیاء علیہم السلام ان کے ساتھ شریک ہیں مگر

چونکہ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانہ میں شرک وکفر انسانوں میں نہیں تھا، کفر وشرک کا معاملہ حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانہ میں شروع ہوا تھا، اس لحاظ سے حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام پہلے پیغمبر ہیں جن کو اس طرح کے معاملات پیش آئے جو بعد کے انبیاء کو پیش آنے والے تھے، اسی لئے یہاں پر حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کا ذکر سب سے پہلے کیا گیا ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ بعَمَلِهٖ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ اى كَسْبَها وهو الثَّوابُ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ بالتَّضْعِيفِ فيه الحَسَنَةَ اِلٰى عَشْرَةٍ وَاَكْثَرَ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا بلاَ تَضْعِيف ما قُسِمَ له وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ﴿۲۰﴾ اَمْ بل لَهُمْ لِكُفَّارِ مَكَّةَ شُرَكٰٓؤُا هُم شَيَاطِيْنُهُم شَرَعُوْا اى الشُّرَكَاءُ لَهُمْ لِلكُفَّار مِّنَ الدِّيْنِ الفَاسِدِ مَا لَمْ يَأْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ كالشِّركِ وإنكارِ البَعْثِ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ اى القَضَاءِ السَّابِقِ بأنَّ الجَزَاءَ فِي يَوْمِ القِيٰمَةِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ وبَيْنَ المُؤْمِنِيْنَ بالتَّعْذِيْبِ لهم فِي الدُّنيا وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ الكافِرِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾ مُؤلِمٌ تَرَى الظّٰلِمِيْنَ يومَ القِيٰمَةِ مُشْفِقِيْنَ خَائِفِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا فِي الدُّنيا مِنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يُجَازُوا عَلَيْهَا وَهُوَ اى الجَزاءُ عليها وَاقِعٌۢ بِهِمْ يومَ القِيٰمةِ لاَ مُحالةَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ اَنْزَهِهَا بِالنِّسْبَةِ الى مَنْ دُونَهم لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۲۲﴾ ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ مِنَ البِشَارَةِ مُخَفَّفًا ومُثَقَّلاً به عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اى على تَبْلِيغِ الرِّسَالةِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى اِسْتِثْنَاءٌ مُنْقَطِعٌ اى لٰكِنْ اَسْأَلُكم اَنْ تُوَدُّوا قَرَابَتِي الَّتِي هِي قَرَابَتُكم ايضًا فَاِنَّ له فِي كُلِّ بَطْنٍ مِنْ قُرَيْشٍ قَرَابَةٌ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ يَكْتَسِبْ حَسَنَةً طاعةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا بِتَضْعِيفِها اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ لِلذُّنُوبِ شَكُوْرٌ ﴿۲۳﴾ لِلقَلِيلِ فيُضَاعِفُه اَمْ بل يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا بِنِسْبَةِ القُرآنِ الى اللّٰه تعالى فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ يَرْبُطْ عَلٰى قَلْبِكَ بالصَّبْرِ على أذاهم بهذا القَولِ وغيره وقَدْ فَعَلَ وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ الَّذِي قالُوهُ وَيُحِقُّ الْحَقَّ يُثْبِتُه بِكَلِمٰتِهٖ المُنَزَّلَةِ على نَبِيِّه اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۴﴾ بِمَا فِي القُلُوبِ وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ منهم وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ المتَابِ عنها وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ بالياء والتاء وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يُجِيْبُهم الى مَا يَسْأَلُونَ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ جميعِهم لَبَغَوْا جَمِيعُهم اى طَغَوا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بالتخفيفِ وضِدِّه مِنَ الارزاقِ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ فَيَبْسُطُها لبعضِ عِبَادِه دُونَ بعضٍ ويَنْشأُ عَنِ البَسْطِ البَغْيُ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۷﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ المَطَرَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا يَئِسُوا مِن نُزُولِه وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ يَبْسُطُ مَطَرَه وَهُوَ الْوَلِيُّ المُحسِنُ لِلمُؤمِنِيْنَ الْحَمِيْدُ ﴿۲۸﴾ المَحْمُودُ عِنْدَهم وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ خَلْقُ مَا بَثَّ فَرَّقَ ونَشَرَ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ هِيَ مَا يَدُبُّ عَلى الارضِ مِنَ النَّاسِ وغيرِهم وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ لِلحَشْرِ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ فِي

الضَمِیر تَغْلِیْبُ العَاقِلِ علی غیرِہٖ.

ترجمہ: جس کا مقصد اپنے عمل سے آخرت کی کھیتی ہو، یعنی آخرت کی کمائی ہو اور وہ ثواب ہے تو ہم اس کی کھیتی میں (یعنی) نیکیوں میں دس گنے تک (بلکہ) اور اس سے بھی زیادہ اضافہ کر کے ترقی دیں گے اور جو دنیا کی کھیتی کی طلب رکھتا ہو تو ہم اسے اس میں سے بلا اضافے کے بقدر نصیب عطا کریں گے، ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں بلکہ مکہ کے ان کافروں نے کچھ شرکاء تجویز کر رکھے ہیں اور وہ شیاطین ہیں کہ ان شرکاء نے ان کافروں کے لئے دین فاسد تجویز کر رکھا ہے، جس کی خدا نے اجازت نہیں دی (اور وہ دین فاسد) شرک اور انکار بعث ہے اور اگر فیصلے کے دن کا وعدہ نہ ہو چکا ہوتا یعنی پہلے سے فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا کہ بدلہ قیامت کے دن میں دیا جائے گا تو ان کے اور مومنین کے درمیان دنیا ہی میں ان کو عذاب دیکر (ابھی) فیصلہ کر دیا جاتا، اور ظالموں کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے آپ ظالموں کو دیکھیں گے کہ قیامت کے دن دنیا میں برے اعمال کرنے کی وجہ سے ڈر رہے ہوں گے، یہ کہ ان کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا اور وہ یعنی ان کے اعمال کا وبال قیامت کے دن ان پر لامحالہ واقع ہونے والا ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے وہ جنت کے باغات میں ہوں گے (وہ باغات) دوسروں کی نسبت سے زیادہ پاکیزہ ہوں گے، وہ جو خواہش کریں گے اپنے پاس موجود پائیں گے یہی ہے بڑا فضل یہی ہے وہ جس کی بشارت اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو دے رہا ہے، جنہوں نے نیک عمل کئے بشارۃ (میں) مخفف اور مثقل (دونوں قراءتیں ہیں) (آپ) کہہ دیجئے کہ میں اس تبلیغ رسالت پر تم سے کوئی صلہ نہیں چاہتا مگر رشتہ داری کی محبت (چاہتا ہوں) یہ مستثنیٰ منقطع ہے (یعنی) لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم میری قرابت (رشتہ داری) کا حق ادا کرو جو تمہاری بھی قرابت (رشتہ داری) ہے اس لئے کہ آپ ﷺ کی قریش کے ہر خاندان میں قرابت تھی اور جو شخص کوئی نیکی کرے گا ہم اس کے لئے اس نیکی میں اضافہ کر کے اور نیکی بڑھا دیں گے بے شک اللہ تعالیٰ گناہوں کے بہت بخشنے والے اور قلیل (نیکیوں) کے (بھی) بہت قدردان ہیں کہ اس کو بڑھا دیتے ہیں بلکہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ (پیغمبر نے) اللہ پر قرآن کی اللہ کی طرف نسبت کر کے جھوٹا بہتان باندھا ہے پس اگر اللہ چاہے تو آپ کے قلب کو ان کی ایذاء رسانی پر صبر کے ساتھ اس قول وغیرہ کے ذریعہ مضبوط کر دے اور (اللہ) نے (ایسا) کر دیا، اور اللہ تعالیٰ ان کی باطل باتوں کو مٹاتا ہے اور اپنے نبی پر نازل کردہ اپنی بات کے ذریعہ حق ثابت کرتا ہے، بلاشبہ وہ دل کی باتوں کو جانتا ہے وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ کو قبول فرماتا ہے اور ان برائیوں کو جن سے توبہ کر لی ہے معاف فرماتا ہے، اور جو کچھ تم کرتے ہو (سب) جانتا ہے (تفعلون) یاء اور تاء کے ساتھ ایمان والوں کی اور نیکوکاروں کی سنتا ہے جو وہ سوال کرتے ہیں اور اپنے فضل سے انہیں اور بڑھا کر دیتا ہے اور کافروں کے لئے شدید عذاب ہے اگر اللہ تعالیٰ اپنے سب بندوں کی روزی فراخ کر دیتا تو وہ سب زمین میں فساد برپا کر دیتے لیکن وہ اندازے کے ساتھ جو کچھ چاہتا ہے رزق نازل کرتا ہے (یـنـزّل) تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے لہٰذا وہ اپنے بعض بندوں کے لئے روزی کشادہ کر دیتا

ہے نہ کہ بعض کے لئے، اور فراخی (رزق) سے سرکشی پیدا ہوتی ہے وہ اپنے بندوں سے پورا باخبر اور خوب دیکھنے والا ہے، اور وہ ایسی ذات ہے کہ لوگوں کے بارش سے ناامید ہو جانے کے بعد بارش برساتا ہے اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے (یعنی) اپنی بارش کو پھیلا دیتا ہے، اور وہ مومنین کے لئے محسن (کارساز) ہے اور بندوں کے نزدیک قابل حمد ہے اور اس کی (قدرت) کی نشانیوں میں سے زمین و آسمانوں کو پیدا کرنا ہے اور ان جانوروں کا پیدا کرنا ہے جو زمین و آسمانوں میں پھیلے ہوئے ہیں اور دابہ اس کو کہتے ہیں جو زمین پر چلتا ہو (مثلاً) انسان وغیرہ اور وہ جب چاہے ان کو حشر کے لئے جمع کرنے پر قادر ہے (جمعھم) کی ضمیر میں ذوی العقول کو غیر ذوی العقول پر غلبہ دیا گیا ہے، اگر غیر ذوی العقول کا غلبہ ہوتا تو علیٰ جَمْعِھا کہا جاتا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلُہٗ: مَنْ کَانَ یُرِیدُ بعملہ حَرْثَ الْاٰخِرَۃِ یہ کلام مستانف ہے دنیا و آخرت کے لئے عمل کرنے والوں کے عمل میں فرق کو بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے، یعنی جو شخص خالص آخرت کے لئے عمل کرے گا تو اس کے عمل میں اضعافا مضاعفۃ اضافہ کر دیا جائے گا، اور جس کا عمل محض دنیا کے لئے ہوگا تو اس کو بھی دنیا سے کچھ حصہ جو اس کے نصیب میں ہے دیدیا جائے گا، مگر ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

قِوْلُہٗ: مَنْ اسم شرط محلاً مرفوع مبتداء ہے، اور نَزِدْ لَہٗ جواب شرط ہے۔

قِوْلُہٗ: ھو الثواب آخرت کے لئے عمل کو حرث (کھیتی) کے ساتھ تشبیہ دی ہے، عمل مشبہ اور حرث مشبہ بہ ہے پھر مشبہ کو حذف کر دیا اور مشبہ بہ کو باقی رکھا، یہ استعارہ تصریحیہ ہے، حرث کے اصل معنی اِلقاءُ البذر فی الارض ہیں، مجازاً پیداوار کو بھی حرث کہہ دیتے ہیں، استعارہ کے طور پر ثواب یعنی نتیجہ اعمال پر بھی اطلاق کر دیا جاتا ہے۔

قِوْلُہٗ: الحسنۃ یہ تضعیف کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قِوْلُہٗ: اَمْ لھم شرکاء مفسر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے اَمْ کو بَلْ کے معنی میں لیا ہے جو کہ شرع لکم من الدین الخ سے انتقال کے لئے ہے اور دیگر مفسرین نے بَلْ اور ہمزہ کے ساتھ مقدر مانا ہے، جو کہ توبیخ کے لئے ہے اور قرطبی نے اَمْ لَھُمْ شرکاء کو معنی میں اَلَھُمْ شرکاء کے لیا ہے، اَمْ میں میم صلہ ہے، اور ہمزہ تقریع کے لئے ہے۔

قِوْلُہٗ: شرعوا کی اسناد شیاطین کی جانب اسناد مجازی ہے، شیاطین چونکہ کفار کی گمراہی کا سبب ہیں، لہٰذا یہ مسبب کی اسناد سبب کی جانب ہے۔

قِوْلُہٗ: ان یُجَازوا اس میں اشارہ ہے کہ کلام میں مضاف محذوف ہے ای یخافون من جزاء ما کسبوا۔

قِوْلُہٗ: یبشر اللہ من البشارۃ مخففاً و مثقلاً مادہ بشارۃ ہے، مخفف ہونے کی صورت میں اِبشار (باب افعال) سے ہے اور مشدد ہونے کی صورت میں (باب تفعیل) سے ہے۔

قَوْلُہٗ: اَلْمَوَدَّۃُ مصدر منصوب (س) دوستی، محبت، دوست رکھنا۔

قَوْلُہٗ: اَلْقُرْبٰی، زُلْفٰی اور بشریٰ کے وزن پر اسم مصدر رشتہ داری قرابت (ن) مصدر قرابةً.

قَوْلُہٗ: اِلَّا الْمودَّۃَ فی القربٰی اس میں دو قول ہیں ① استثناء منقطع ہو اس لئے کہ مستثنیٰ منہ اجرًا ہے اور المَوَدَّۃَ مستثناء ہے، اور مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہیں ہے ای لا اسئلکم اجرًا قط ② مستثنیٰ متصل ہو، ای لا أسئلکم علیہ اجرًا اِلَّا ھٰذا، وھو اَن تودُّوا اھلَ قرابتی الذین ھم قرابتکم اور۔ فی القُربٰی جار مجرور محذوف سے متعلق ہو کر حال ہے ای ثابتةً فی القربٰی.

قَوْلُہٗ: یَقْتَرِفُ اصلہ القَرْفُ، ای الکَسْبُ کہا جاتا ہے فلان یَقْرِفُ لِعَیَالِہٖ کسبًا (باب ضرب) اس آیت کے مصداق کی تعیین میں شدید اختلاف ہے، ان میں زیادہ بہتر وہ ہے کہ جس کو مجاہد اور قتادہ نے ذکر کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے أنّکم قومی وَاَحَقُّ مَنْ اجَابَنِی وَاَطَاعَنِی فاِذْ قَدْ اَبَیْتُمْ ذٰلک فَاحفظوا حقّ القربٰی وصِلُوا رحمی ولا تؤذونِیْ یعنی تم میری قوم ہو اور جن لوگوں نے میری دعوت پر لبیک کہا ہے اور میری اطاعت قبول کی ہے ان سے تم زیادہ حقدار ہو، اب جبکہ تم نے اس کا انکار کر دیا تو (کم از کم) میری قرابت کا خیال رکھو اور میرے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کرو اور مجھے اذیت نہ پہنچاؤ۔ (لغات القرآن)

قَوْلُہٗ: یُجِیبُھم مفسر علام نے یَسْتَجیبُ کی تفسیر یجیبُ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ سین تاکید کے لئے زائدہ ہے، جیسے استعظَمَ بمعنی تَعظّمَ.

تفسیر و تشریح

مَنْ کَانَ یُرِیدُ حَرْثَ الْاٰخرۃِ نزِد لہٗ فی حرثِہٖ ''حرث'' کے معنی تخم ریزی کے ہیں، یہاں بہ طریق استعارہ اعمال کے ثمرات و فوائد مراد ہیں، مطلب یہ ہے کہ جو شخص دنیا میں اپنے اعمال اور محنت کے ذریعہ آخرت کے اجر و ثواب کا طالب ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی آخرت کی کھیتی میں اضافہ فرمائے گا، ایک ایک نیکی کا اجر دس گنا سے لیکر سات سو گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ تک عطا فرمائے گا۔

فَائِدَہ: سوال یہ ہے کہ حرثِ دنیا کیا ہے؟ اگر یہی مال و عیال دنیا ہے تو نہ اس سے چارہ اور نہ بچاؤ، اور نہ بچنے کا حکم، مگر ایسا نہیں ہے، شیخ سعدی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں:

چیست دنیا از خدا غافل شُدن نے قماش ونقرہ وفرزند وزن

معلوم ہوا، ایسا قول و فعل اور آرزو و تمنا کہ جس میں کسی درجہ میں بھی خیر اور رضائے الٰہی ملحوظ نہ ہو حرث دنیا ہے اگرچہ ہجرت و جہاد و نماز جیسا مبارک عمل ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا، جس کی ہجرت کسی عورت سے نکاح یا دوسرے کسی

کام کے لئے ہو وہ ہجرت اسی کے لئے ہے، اس کے برخلاف آپ نے یہ فرمایا کہ زن وفرزند کا نفقہ اور وظیفہ زوجیت میں اجروثواب ہے، اگر عمل صالح خلوص نیت کے ساتھ ہو تو بلا شک وشبہ بہت بڑا عمل ہے۔ اسلام میں کوئی عمل ایسا نہیں کہ جس میں رضاء الٰہی بالقصد یا بالتبع نہ پائی جائے حتی کہ جو خواب تہجد یا فجر کی نماز کے لئے بیداری کی نیت سے ہو اور جو غذا ادائے فرائض واحکام پر قوت حاصل کرنے کے لئے ہو اور جو لباس ستر پوشی یا اداء شکر کے لئے حتی کہ بیوی کے منہ میں لقمہ محبت اور نیک نیتی سے رکھے اس میں بھی اجروثواب ہے، اور مذکورہ تمام اعمال اعمالِ دنیا نہیں بلکہ دین ہیں، ان چیزوں پر وعید صرف اسی صورت میں ہے کہ جس سے سوائے دنیا اور آخرت سے غفلت کے کچھ مقصود نہ ہو۔ (خلاصة التفاسير ملخصًا وترميمًا)

وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حرثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ منها وَمَا لَهٗ فِى الْاٰخرةِ مِنْ نصيب یعنی طالب دنیا کو دنیا تو ملتی ہے لیکن اتنی نہیں جتنی وہ چاہتا ہے بلکہ اتنی ملتی ہے جتنی اللہ تعالیٰ کی مشیت اور تقدیر کے مطابق ہوتی ہے، شرک ومعاصی جس میں یہ مبتلا ہو گئے ہیں، اللہ نے اس کا حکم نہیں دیا ہے، خود ان کے بنائے ہوئے شریکوں نے انسانوں کو شرک ومعصیت کی راہ پر لگا دیا ہے۔

مشرکین قیامت کے روز اپنے اعمال کے عذاب اور ان کی پاداش سے خوف زدہ اور پریشان ہوں گے، حالانکہ ڈرنا بے سود اور بے فائدہ ہوگا، کیونکہ اپنے کئے کی سزا تو بہر حال بھگتنی ہوگی۔

قُلْ لا أسئلُكم عَلَيْهِ اجرًا الا المَوَدَّةَ فی القُربٰی (الآية) قبائل قریش اور نبی ﷺ کے درمیان رشتہ داری کا تعلق تھا، آیت کا مطلب بالکل واضح ہے کہ میں وعظ ونصیحت اور دعوت وتبلیغ پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا، البتہ ایک چیز کا سوال ضرور ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان جو رشتہ داری کا تعلق ہے اس کا لحاظ کرو، تم میری دعوت کو نہیں مانتے تو نہ مانو، تمہاری مرضی، لیکن مجھے نقصان اور اذیت پہنچانے سے باز رہو، تم میرے دست وبازو نہیں بن سکتے تو نہ بنو، مگر میرے راستہ کا روڑا تو نہ بنو، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس آیت کے معنی یہ کئے ہیں کہ میرے اور تمہارے درمیان جو قرابت (رشتہ داری) ہے اس کو قائم رکھو۔ (صحیح بخاری تفسیر سورۂ شوریٰ) إِلَّا الـمودَّة فی القربٰی ای الا مـودتكم إِيَّایَ لقرابتی منكم یعنی میں تبلیغ رسالت پر تم سے کوئی اجر نہیں چاہتا مگر قرابت کے سبب سے میری محبت، فی بمعنی سبب ہے، جیسا کہ انَّ امرأة دخلت النار فی هرة ایک عورت ایک بلی کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہوگئی۔ (روح المعانی)

آپ ﷺ کی آل کی محبت وتوقیر جزء ایمان ہے:

نبی کریم ﷺ کی آل یقیناً حسب ونسب کے اعتبار سے دنیا کی اشرف ترین آل ہے، اس سے محبت اس کی تعظیم وتوقیر جزء ایمان ہے، اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے بھی ان کی تعظیم وتکریم کی تاکید فرمائی ہے، لیکن اس کا کوئی تعلق اس موضوع سے نہیں ہے، جیسا کہ شیعہ حضرات کھینچا تانی کرکے اس آیت کو آل محمد ﷺ کی محبت کے ساتھ جوڑتے ہیں، اور پھر آل کو بھی انہوں نے

محدود کردیا ہے، حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ وحضرت فاطمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا اور حسنین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا تک، نیز محبت کا مفہوم بھی ان کے نزدیک یہ ہے کہ ان کو معصوم اور الٰہی اختیارات سے متصف مانا جائے، علاوہ ازیں کفار مکہ سے اپنے گھرانے کی محبت کا سوال بطور اجرتِ تبلیغ نہایت عجیب بات ہے نیز یہ طلب اجرت آپ ﷺ کی شان سے نہایت فروتر بات ہے اس لئے کہ ایسے امر پر طلب اجرت کہ جو واجب ہو علماء اور عوام سے بھی بعید ہے تو سید الخواص وختم الرسل سے کیونکر جائز ہوگا۔

پھر یہ آیت اور سورت مکی ہے جبکہ حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور حضرت فاطمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے درمیان ابھی عقد نکاح بھی نہیں ہوا تھا، یعنی ابھی وہ گھرانہ معرض وجود ہی میں نہیں آیا تھا، جس کی خودساختہ محبت کا اثبات اسی آیت سے کیا جاتا ہے، اور حضرت حسن وحسین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کا تو دنیا میں بھی اس وقت وجود نہیں ہوا تھا اس لئے کہ حضرت فاطمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کا نکاح ۲ھ میں ہوا تھا، اس کے بعد ۳، ۴ھ میں ان حضرات کی ولادت ہوئی ہے، تو پھر ان حضرات کو مذکورہ آیت کا مصداق قرار دینا کہاں تک صحیح ہے؟

آیۂ مودۃ سے اہل تشیع کا خلافت بلافصل پر غلط استدلال:

قُلْ لَا اَسئلکم عَلَیْہِ اجرًا اِلَّا المودَّۃَ فِی القربٰی آپ فرمادیجئے کہ میں تم سے کچھ نہیں چاہتا بجز رشتہ داری کے محبت کے، شیعہ حضرات کا دعویٰ ہے کہ علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فاطمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا اور حسنین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے محبت رکھنا اجر رسالت ہے جو کہ امت پر واجب ہے، اس لئے بقول اہل تشیع اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک کے واسطے سے اعلان فرمادیا، کہ اے محمد آپ اعلان فرمادیجئے کہ میں تعلیم وتبلیغ پر تم سے کوئی اجر وصلہ نہیں چاہتا بجز اس کے کہ میرے قرابت داروں سے محبت کرو، اور قرابت دار وہی مذکورہ ''چار اشخاص'' ہیں لہٰذا قرآن کی رو سے ان حضرات کی محبت واجب ہے اور جن کی محبت واجب ہوتی ہے وہی واجب الاطاعت ہوتے ہیں اور امامت عامہ کا یہی مفہوم ہے، لہٰذا حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا خلیفہ بلافصل ہونا ثابت ہوگیا، اپنے اس دعوے کی تائید میں ابن مطہر حلی نے مسند احمد کی طرف نسبت کر کے حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے ایک روایت نقل کی ہے۔

عن ابن عباس قال لَمّا نزلت ھٰذہ الاٰیۃ قالوا یا رسول اللّٰہ من قَرابتُکَ الّتی وَجَبَت عَلَیْنَا مَوَدَّتُھُمْ؟ قال علی، وفاطمۃ، وابناھما اس روایت کو ابن مطہر نے ثعلبی کے واسطے سے مسند احمد اور صحیحین کی طرف منسوب کیا ہے اس روایت سے ابن مطہر حلی نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مذکورہ چہارتن کی محبت واجب ہے ان کے علاوہ اور کسی کی محبت واجب نہیں، لہٰذا علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سب سے افضل ہیں، اور جو سب سے افضل ہو وہی امامت عامہ کا مستحق ہے، لہٰذا علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہی امامت بلافصل کے مستحق ہیں۔

جَوَابِّ: شیعہ حضرات نے اس آیت کی بنیاد پر بہت سے خام قلعے تعمیر کئے ہیں اور آیت کو اپنے مفید مقصد بنانے کی کوشش کی ہے، ابن مطہر نے بھی مذکورہ آیت کو اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کیا ہے، اور تائید میں مسند احمد کی ابن عباس سے ایک

روایت صحیحین کی طرف منسوب کر کے پیش کی ہے، ابن مطہر حلی نے مذکورہ روایت کو مسند احمد اور صحیحین کی نسبت کر کے علمی بددیانتی اور آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کی ہے، علامہ ابن تیمیہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی منہاج السنۃ: ص ۲۵، ج ۴، پر تحریر فرماتے ہیں کہ ابن مطہر کا مذکورہ حدیث کی مسند امام احمد کی طرف نسبت کرنا فریب اور بہتان ہے، اسی طرح صحیحین کی طرف نسبت بھی مغالطہ اور سفید جھوٹ ہے، بلکہ صحیحین اور مسند میں تو اس کی ضد موجود ہے، بلکہ حقیقت صرف اتنی ہے کہ امام احمد نے خلفاء اربعہ کی فضیلت میں ایک کتاب تصنیف کی ہے جس میں رطب و یابس ہر قسم کی روایات نقل کی ہیں، اس کے بعد امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے عبداللہ نے اس میں کچھ احادیث کا اضافہ کیا ہے، اور ابوبکر قطیفی نے بھی اس میں بہت واہی اور موضوع روایات کا اضافہ کیا ہے، ابن مطہر حلی نے ناواقفیت کی بناء پر ان روایات کو بھی مسند احمد کی طرف منسوب کر دیا، مذکورہ روایت علماء حدیث کے نزدیک بالکل موضوع اور ناقابل اعتبار ہے، اس کی داخلی شہادت یہ ہے کہ مذکورہ آیت سورۂ شوریٰ کی ہے، اور سورۂ شوریٰ مکی ہے، اور حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا نکاح غزوۂ بدر کے بعد یعنی ۲ھ میں ہوا ہے، اس کے ایک سال بعد ۳ھ میں حضرت حسن رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی ولادت ہوئی اور اس کے ایک سال بعد ۴ھ میں حضرت حسین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی ولادت ہوئی تھی، اور آیت کی تفسیر میں حلی صاحب فرما رہے ہیں کہ جب آپ سے مودّت قربیٰ کے بارے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فاطمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا اور حسنین کی محبت مراد ہے، مطلب اس کا یہ ہوا کہ حسنین ابھی پیدا نہیں ہوئے حتی کہ حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور حضرت فاطمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا ابھی رشتہ ازدواج میں منسلک بھی نہیں ہوئے، اور آیت کی تفسیر میں حسنین کی محبت کا ذکر فرما دیا، حدیث کے موضوع ہونے کے لئے یہی داخلی شہادت کافی ہے۔

روایت کے موضوع ہونے پر دوسری شہادت:

مذکورہ آیت کی تفسیر میں صحیحین میں حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا ہی سے روایت مروی ہے کہ حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے کسی نے آیت مودّت کا مطلب دریافت کیا، حضرت سعید بن جبیر موجود تھے، بول پڑے کہ آنحضرت ﷺ کے قرابتداروں سے محبت مراد ہے، حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا، اے سعید تم نے بولنے میں جلدی کی اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ قریش کا کوئی ضمنی قبیلہ ایسا نہیں تھا کہ جس سے آنحضرت ﷺ کی قرابت کا رشتہ نہ ہو، تو آپ نے فرمایا کہ میں تم سے تعلیم و تبلیغ پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا، لیکن اتنا چاہتا ہوں کہ آپس کی قرابتداری کا لحاظ رکھو اور مجھے ایذاء نہ پہنچاؤ۔

آیت مودۃ کا صحیح مطلب:

جمہور سے آیت کی جو تفسیر منقول ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں تم اس کا اعتراف کرو اور اپنی صلاح وفلاح کے لئے میری اطاعت کرو، اگر تم میری رسالت و نبوت کو تسلیم نہیں کرتے تو نہ سہی مگر تم پر میرا ایک انسانی اور خاندانی حق بھی ہے جس کا تم انکار نہیں کر سکتے کہ تمہارے اکثر خاندانوں اور قبائل میں میری قرابتداری ہے، تو میں تمہاری اس

خدمت کا جو میں تمہاری تعلیم وتبلیغ اور اصلاح اعمال واحوال کے لئے کرتا ہوں تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا، صرف اتنا چاہتا ہوں کہ رشتہ داری کے حقوق کا خیال کرو، بات کا ماننا نہ ماننا تمہارے اختیار میں ہے، مگر کم از کم عداوت ودشمنی سے تو یہ نسبت اور قرابت کا تعلق مانع ہونا چاہئے۔

دعوائے رسالت پر کفار کا اعتراض:

جب آنحضرت ﷺ نے دعوائے نبوت پیش کیا، اور دعوت وتبلیغ کا کام شروع کیا تو کفار نے کہنا شروع کر دیا کہ یہ اپنی خاندانی سیادت وقیادت قائم کرنے کے لئے ایک ڈھونگ ہے، محمد ﷺ اس طریقہ سے پورے عرب پر اپنی خاندانی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں، اگر بقول شیعہ حضرات آیت مودت کی اس تفسیر کو درست مان لیا جائے کہ اجر رسالت کے طور پر آپ ﷺ کے اہل بیت کی محبت واجب ہے اور محبت کا مطلب ہے ان کی قیادت وخلافت کا تسلیم کرنا تو پھر مشرکین مکہ کی اس بات کا درست ہونا لازم آتا ہے جو وہ کہا کرتے تھے کہ محمد ﷺ کا مقصد دعوائے نبوت سے خاندانی قیادت وسیادت قائم کرنا ہے۔

اور اگر بالفرض مودت سے قرابتداروں کی محبت اس طرح کی محبت اجر رسالت کے طور پر مراد لی جائے جیسی کہ شیعہ حضرات مراد لیتے ہیں، تو آیت مودت دیگر بہت سی آیتوں کے منافی ٹھہرے گی، مثلاً فرمایا گیا ① مَا اَسْئَلُکُمْ مِنْ اجرٍ فھو لکم اِن اَجرِیَ اِلّا علی اللّٰہ میں جو کچھ تم سے معاوضہ طلب کروں وہ تم ہی کو مبارک ہو، میری اجرت تو اللہ پر ہے ② اَمْ تَسْئَلُھم اجرًا فھم مِن مغرمٍ مثقلون کیا آپ ان سے مزدوری طلب کرتے ہیں کہ جس کے تاوان سے وہ دبے جاتے ہیں، ان کے علاوہ اور بہت سی آیتیں ہیں، جن میں آنحضرت ﷺ کو معاوضہ طلب کرنے سے منع کیا گیا ہے اور آپ سے اس کا اعلان بھی کرادیا گیا، فرمایا گیا: قُلْ لَا اَسْئَلُکُمْ علیه اجرًا اِن ھو الّا ذکریٰ للعالمین اے نبی کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس کی کچھ اجرت نہیں چاہتا یہ تو سارے جہان کے لئے نصیحت ہے، ادھر تو آپ تبلیغ رسالت پر کوئی معاوضہ نہ لینے کا اعلان فرما رہے ہیں، جیسا کہ دیگر انبیاء علیہم السلام نے بھی اعلان فرمایا اور اُدھر بقول شیعہ حضرات آیت مودت میں معاوضہ لینے کا مطالبہ فرما رہے ہیں اس میں کھلا تضاد ہے، حالانکہ اتباع انبیاء کی ایک بڑی وجہ، قرآن اس بات کو قرار دے رہا ہے کہ وہ مخلوق سے اجرت طلب نہیں کرتے، اِتّبِعُوا من لا یَسْئلکم اجرًا وھم مھتدون. (سورۂ یٰس)

اہل تشیع کے اختیار کردہ معنی عربیت کے لحاظ سے بھی غلط ہیں:

آیت میں اِلا المودۃ فی القربیٰ فرمایا گیا ہے اِلا المودۃ للقربیٰ نہیں فرمایا گیا یا لذوی القربیٰ نہیں فرمایا گیا، اگر شیعہ حضرات کے اختیار کردہ معنی مراد ہوتے تو آیت کو اس طرح ہونا چاہئے تھا قل لا اَسْئَلُکُمْ علیه اجرًا اِلا المودۃ لذوی القربیٰ جیسا کہ سورۂ انفال میں کہا گیا ہے واعلموا أنما غنمتم من شیئٍ فانّ للّٰہ خمسه

وللرسول ولذی القربیٰ اور سورۂ روم میں فرمایا گیا ہے فأتِ ذَا القربیٰ حقَّهٗ اور سورۂ بقرہ میں فرمایا گیا ہے و آتی المالَ علٰی حبه ذوی القربیٰ.

اہل بیت رسول ﷺ کی تعظیم ومحبت:

حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم ومحبت کا تمام دنیا سے زائد ہونا جزء ایمان بلکہ مدار ایمان ہے اور اس کے لئے لازم ہے کہ جس کو جس قدر نسبت قریبہ آنحضرت ﷺ سے ہے اس کی تعظیم ومحبت بھی اسی پیمانہ پر درجہ بدرجہ واجب اور لازم ہے، مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ ازواج مطہرات اور دیگر صحابہ کرام کہ جن کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ متعدد قسم کی قرابتی نسبتیں حاصل ہیں ان کو فراموش کر دیا جائے۔

خلاصہ یہ کہ اگر چہ آنحضرت ﷺ نے اپنی خدمت کے صلہ میں قوم اور امت سے اپنی اولاد کی محبت وعظمت کے لئے شیعہ حضرات کے طریقہ پر کوئی درخواست نہیں کی، اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اپنی جگہ آل رسول کی محبت وعظمت کوئی اہمیت نہیں رکھتی، ایسا خیال کوئی بد بخت گمراہ ہی کر سکتا ہے، خلاصہ یہ کہ اہل بیت وآل رسول کی محبت کا مسئلہ امت میں کبھی زیر اختلاف نہیں رہا، بالاجماع درجہ بدرجہ ان کی عظمت واجب اور لازم ہے، اختلافات وہاں پیدا ہوتے ہیں جہاں دوسروں کی عظمتوں پر حملہ کیا جاتا ہے۔

اَمْ یقولون افتریٰ علی اللّٰہ (الآیة) مطلب یہ ہے کہ اگر اس الزام افتراء میں کوئی صداقت ہوتی تو ہم آپ کے دل پر مہر لگا دیتے جس سے وہ قرآن ہی محو ہو جاتا جس کے گھڑنے کا انتساب آپ کی طرف کیا جاتا ہے، مطلب یہ کہ ہم آپ کو سخت ترین سزا دیتے۔

وھو الذی یقبل التوبة عن عبادہٖ (الآیة) توبہ کا مطلب ہے، معصیت پر ندامت کا اظہار اور آئندہ اس کو نہ کرنے کا عزم، محض زبان سے توبہ توبہ کر لینا اور اس گناہ اور معصیت کے کام کو نہ چھوڑنا، اور توبہ کا اظہار کئے جانا توبہ نہیں ہے، یہ تو استہزاء اور مذاق ہے، تاہم خالص اور سچی توبہ کو اللہ تعالیٰ یقیناً قبول فرماتا ہے۔

وَیَسْتَجِیْبُ الذین آمنوا وعملوا الصّٰلحٰتِ (الآیة) اللہ تعالیٰ دعائیں سنتا ہے اور لوگوں کی آرزؤں اور تمناؤں کو پورا فرماتا ہے بشرطیکہ دعاء کے آداب وشرائط کا بھی پورا اہتمام کیا جائے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی دعاء سے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جس کی سواری مع کھانے پینے کے سامان کے صحراء بیابان میں گم ہو جائے اور وہ نا امید ہو کر کسی درخت کے نیچے لیٹ کر موت کا انتظار کرنے لگے، پھر اچانک اس کی سواری مع ساز وسامان کے اس کے پاس آجائے، اور فرط مسرت میں اس کے منہ سے نکل جائے، اے اللہ تو میرا بندہ اور میں تیرا رب یعنی شدت فرط مسرت میں وہ غلطی کر جائے۔ (صحیح مسلم کتاب التوبه)

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرزق لِعِبَادِہٖ (الآیة) یعنی اگر اللہ تعالیٰ ہر شخص کو حاجت اور ضرورت سے زیادہ یکساں طور پر وسائل

رزق عطا فرما دیتا تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ کوئی کسی کی ماتحتی قبول نہ کرتا، ہر شخص شر وفساد اور بغی وعدوان میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرتا، جس سے پوری زمین میں فساد برپا ہو جاتا۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ خِطَابٌ لِلمُؤمِنِينَ **مِّنْ مُّصِيبَةٍ** بَلِيَّةٍ وشِدَّةٍ **فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُمْ** اى كَسَبْتُمْ مِنَ الذُّنوب وعبَّر بالايدِى لِاَنَّ اَكْثَرَ الافعال تزاوَلُ بها **وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ** ﴿۳۰﴾ مِنها فلا يُجازِى عليه وهو تعالٰى اكرَمُ مِن اَن يُّثَنِّى الجَزاءَ فِى الاخِرةِ واَمَّا غَيرُ المُذنِبِينَ فَمَا يُصِيبُهم فى الدُّنيا لِرَفعِ درجاتِهم فى الاٰخرةِ **وَمَآ اَنْتُمْ** يا مُشرِكِينَ **بِمُعْجِزِيْنَ** اللهَ هَرَبًا **فِى الْاَرْضِ** فَتَفُوتُونَهُ **وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللهِ** اى غيرِه **مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ** ﴿۳۱﴾ يَدفعُ عَذابَهُ عنكم **وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ** السُّفُنُ **فِى الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ** ﴿۳۲﴾ كالجِبالِ فى العِظَمِ **اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ** يَصِرنَ **رَوَاكِدَ** ثَوابِتَ لاتجرى **عَلٰى ظَهْرِهٖ اِنَّ فِى ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ** ﴿۳۳﴾ هُوَ المُؤمِنُ يَصبِرُ فى الشِّدَّةِ ويَشكُرُ فى الرَّخاءِ **اَوْ يُوْبِقْهُنَّ** عَطفٌ على يُسكِنُ اى يُغرِقُهن بعَصفِ الرِّيحِ بِاَهْلِهِن **بِمَا كَسَبُوْا** اى اَهلُهن مِنَ الذُّنوبِ **وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ** ﴿۳۴﴾ مِنها فلا يُغرِقُ اَهلَه **وَّيَعْلَمَ** بالرَّفعِ مُستانِفٌ وبالنَّصبِ معطُوفٌ على تعلِيلٍ مُقدَّرٍ اى يُغرِقُهم لِيَنتَقِمَ منهم ويَعلَمَ **الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِىْٓ اٰيٰتِنَا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ** ﴿۳۵﴾ مَهرَبٍ مِنَ العَذابِ وجُملةُ النفىِ سُدَّت مَسَدَّ مفعُولَىْ يَعلَمُ او النفى مُعلِّقٌ عن العَمَلِ **فَمَآ اُوْتِيْتُمْ** خِطابٌ لِلمُؤمِنِينَ وغيرهم **مِّنْ شَىْءٍ** مِن اَثاثِ الدُّنيا **فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** يُتَمَتَّعُ به فيها ثُمَّ يَزُولُ **وَمَا عِنْدَ اللهِ** مِنَ الثَّوابِ **خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ** ﴿۳۶﴾ ويَعطِفُ عليه **وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ** مُوجِباتِ الحُدُودِ مِن عَطفِ البَعضِ على الكُلِّ **وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ** ﴿۳۷﴾ يَتَجاوَزُونَ **وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ** اَجابُوه اِلٰى ما دَعاهُم اليه مِنَ التَّوحِيدِ والعِبادَةِ **وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ** اَدامُوها **وَاَمْرُهُمْ** الذى يَبدُولَهم **شُوْرٰى بَيْنَهُمْ** يُشاوِرُونَ فيه ولا يُعجِّلُونَ **وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ** اَعطَيناهم **يُنْفِقُوْنَ** ﴿۳۸﴾ فى طاعةِ اللّٰهِ ومَن ذُكِرَ صِنفٌ **وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْىُ** الظُّلمُ **هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ** ﴿۳۹﴾ صِنفٌ اى يَنتَقِمُونَ مِمَّن ظَلَمَهُم بِمِثلِ ظُلمِه كما قالَ تعالٰى **وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا** سُمِّيَتِ الثانيةُ سَيِّئَةً لِمُشابَهَتِها لِلاُولٰى فى الصُّورةِ وهذا ظاهِرٌ فيما يُقتَصُّ فيه مِنَ الجَراحاتِ قال بَعضُهم واِذا قالَ له اَخزاكَ اللّٰهُ فيُجِيبُهُ اَخزاكَ اللّٰهُ **فَمَنْ عَفَا** عن ظالِمِه **وَاَصْلَحَ** الوُدَّ بَينَهُ وبَينَهُ بالعَفوِ عنه **فَاَجْرُهٗ عَلَى اللهِ** اى اِنَّ اللّٰهَ يَاجُرُه لا مُحالةَ **اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ** ﴿۴۰﴾ اى البادِينَ بالظُّلمِ فيُرَتِّبُ عليهم عِقابَه **وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ** اى ظُلمِ الظالِمِ اِيّاهُ **فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ** ﴿۴۱﴾ مُؤاخَذةٍ **اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ** يَعمَلُونَ **فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ** بالمَعاصِى **اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ** ﴿۴۲﴾ مُؤلِمٌ **وَلَمَنْ صَبَرَ** فلم يَنتَصِر **وَغَفَرَ** تجاوَزَ

اِنَّ ذٰلِكَ الصبرَ والتجاوزَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۴۳﴾ ای مَعْزُوْمَاتِهَا بمعنی المَطْلُوبَات شرعًا.

ترجمہ: اور جو کچھ تمہیں مصیبت بلا اور شدت پہنچتی ہے خطاب مومنین کو ہے وہ تمہارے ہاتھوں کے کرتوتوں کی وجہ سے ہے یعنی کردہ گناہوں کی وجہ سے ہے (گناہوں) کو ہاتھوں کے کرتوت سے تعبیر کیا ہے، اس لئے کہ اکثر اعمال کے وجود میں ہاتھوں کی کوشش شامل ہوتی ہے، اور بہت سے گناہوں کو تو وہ معاف کر دیتا ہے کہ اس کی سزا نہیں دیتا، اللہ تعالیٰ بڑا کرم کرنے والا ہے، اس سے کہ آخرت میں کسی جرم کی سزا دوبارہ دے، رہے بے قصور، تو ان کو دنیا میں جو مصیبت پہنچتی ہے وہ آخرت میں ان کے درجات کو بلند کرنے کے لئے ہے اور اے مشرکو! تم بھاگ کر اللہ کو زمین میں عاجز نہیں کر سکتے کہ اس سے بچ کر نکل جاؤ اور تمہارے لئے اللہ کے سوا نہ کوئی کارساز ہے اور نہ کوئی مددگار کہ اس کے عذاب کو تم سے دفع کر سکے اور اس کی (قدرت) کی نشانیاں سمندروں میں پہاڑوں کے مانند عظیم کشتیاں ہیں اگر وہ چاہے تو ہوا بند کر دے کہ (یہ کشتیاں) سطح سمندر پر کھڑی (کی کھڑی) رہ جائیں یقیناً اس میں ہر صبر کرنے والے شکر گذار کے لئے نشانیاں ہیں وہ مومن ہے جو تکلیف میں صبر کرتا ہے اور خوشحالی میں شکر کرتا ہے یا ان کشتی والوں کو ان کے اعمال بد کے باعث ہلاک کر دے، اس کا عطف یسکن پر ہے، یعنی ان کشتیوں کو مع ان کی سواریوں کے تیز ہوا (آندھی) کے ذریعہ غرق کر دے اور وہ تو بہت سی خطاؤں کو درگذر فرما دیا کرتا ہے، جس کی وجہ سے کشتی سواروں کو غرق نہیں کرتا اور تاکہ سمجھ لیں وہ لوگ جو ہماری آیتوں میں جھگڑتے ہیں کہ ان کے لئے عذاب سے بچ کر بھاگ نکلنے کی کوئی جگہ نہیں ہے، اور جملہ منفیہ یَعْلَمُ کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے، یا نفی عمل سے روکنے والی ہے اور جو کچھ تم کو دنیوی اثاثہ دیا گیا ہے تو وہ دنیوی برت کے لئے ہے اس سے دنیا ہی میں فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے پھر وہ فنا ہو جائے گا، اور جو اجر اللہ کے پاس ہے وہ بدرجہا بہتر اور پائدار ہے وہ ان کے لئے ہے جو ایمان لائے اور صرف اپنے رب ہی پر بھروسہ کرتے ہیں اور والذین کا عطف للذین آمنوا پر ہے، اور وہ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائیوں سے بچتے ہیں، یعنی موجبات حدود سے پرہیز کرتے ہیں یہ عطف بعض علی الکل کے قبیل سے ہے، اور غصے کے وقت (بھی) معاف کر دیتے ہیں، درگذر (کر دیتے ہیں) اور اپنے رب کے توحید اور عبادت کے فرمان کو قبول کرتے ہیں (یعنی توحید و عبادت کی دعوت کو جس کی طرف ان کو بلایا جاتا ہے قبول کرتے ہیں) اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور درپیش آنے والا ان کا ہر کام آپسی مشورہ سے ہوتا ہے اور وہ عجلت نہیں کرتے اور جو (مال) ہم نے ان کو دے رکھا ہے اس میں سے اللہ کی اطاعت میں خرچ کرتے ہیں یہ جو مذکور ہوئے (مومنین کی) ایک صنف ہے اور جب ان پر ظلم ہو تو وہ صرف بدلہ لے لیتے ہیں یہ (دوسری) صنف ہے یعنی ان لوگوں سے جنہوں نے ان پر ظلم کیا ہے اس کے ظلم کے برابر انتقام لے لیتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **جزاء سَیّئة سیئة مثلها** اور برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے ثانی (یعنی انتقام) کا نام سیئۃ صورۃً اولیٰ کے مشابہ ہونے کی وجہ سے رکھا گیا ہے، اور یہ (مشابہت صوری) ان زخموں میں ظاہر ہے جن کا قصاص (بدلہ) لیا جاتا ہے اور بعض حضرات نے (بطور مثال) کہا ہے اگر کسی

نے کہا اللہ تجھے ذلیل کرے تو اس کا جواب دیتا ہے اللہ تجھے ذلیل کرے اور جو اپنے اوپر ظلم کرنے والے کو معاف کردے اور اپنے اور ظالم کے درمیان (محبت) تعلقات کی اصلاح کرلے تو اس کا اجر اللہ پر ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس کو یقیناً اجر عطا فرمائے گا، اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا یعنی ظلم کی ابتداء کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، ان پر اس (اللہ) کا عذاب واقع ہوگا اور جو شخص اپنے مظلوم ہونے کے بعد یعنی ظالم کے اس پر ظلم کرنے کے بعد (برابر) کا بدلہ لے لے تو ایسے لوگوں پر مواخذہ کی کوئی صورت نہیں یہ مواخذہ کی صورت صرف ان لوگوں پر ہے جو (خود) دوسروں پر ظلم کریں اور زمین میں ناحق معاصی کے ذریعہ فساد کرتے پھریں یہی لوگ ہیں جن کے لئے دردناک عذاب ہے اور جس شخص نے صبر کرلیا کہ بدلہ نہ لیا، اور معاف کردیا، یقیناً یہ صبر اور درگذر کرنا بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے اور ''معزومات'' مطلوب شرعی کے معنی میں ہے (یعنی افضل ہے)۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: خطابٌ للمؤمنین اس عبارت کا مقصد مَا اصابَکُمْ کے خطاب سے کافروں کو خارج کرنا ہے اس لئے کہ کفار کو دنیا میں جو مصائب پیش آتے ہیں وہ تعجیل بعضِ عذاب کے طور پر ہوتے ہیں، پورا عذاب آخرت میں ہوگا، اور مومنین کو دنیا میں جو مصائب پیش آتے ہیں یا تو گناہوں کے کفارہ کے طور پر پیش آتے ہیں یا پھر رفع درجات کے لئے۔

قولہ: وَمَا اَصَابَکُمْ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ میں مِن مصیبۃٍ ما کا بیان ہے۔

قولہ: فبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُم اگر ما اصابکم میں ما کو شرطیہ مانا جائے تو فَبِمَا کَسَبَتْ جواب شرط ہوگا، اور اگر مَا کو موصولہ قرار دیا جائے تو مبتداء متضمن بمعنی شرط ہوگا اور فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکم مبتداء کی خبر ہوگی، اور چونکہ مبتداء متضمن شرط ہے اس لئے اس کی خبر پر فاء داخل ہوگی، ایک قراءت میں بِمَا کَسَبَتْ ایدیکم بغیر فاء کے ہے اس صورت میں مبتداء خبر کی ترکیب اولیٰ ہے، اس صورت میں شرط وجزاء قرار دینا اور فاء کو محذوف ماننا شاذ ہے۔

قولہ: ای کسبتُمْ من الذنوب، فَبِمَا کسبَتْ اَیْدِیْکم کی تفسیر، کَسَبْتُمْ سے کرکے اشارہ کردیا کہ فعل کی، کاسِب ذات ہوتی ہے، مگر چونکہ فعل کے کسب میں زیادہ حصہ اور دخل ہاتھوں کا ہوتا ہے اس لئے فعل کی نسبت مجازاً ہاتھوں (ایدی) کی طرف کردی جاتی ہے۔ (صاوی)

''ذنوب'' کی دو قسمیں ہیں ایک قسم وہ ہے جسکی سزا دنیا ہی میں تکلیف ومصیبت کے ذریعہ دیدی جاتی ہے اور دوسری قسم وہ ہے کہ جس کو معاف کردیا جاتا ہے، پھر اس پر کسی قسم کا مواخذہ نہ دنیا میں ہوتا ہے اور نہ آخرت میں، اور جن گناہوں کو معاف کردیا جاتا ہے ان کی تعداد بہ نسبت ان گناہوں کے کہ جن پر مواخذہ کیا جاتا ہے زیادہ ہے، اور اللہ تعالیٰ چونکہ اکرم الاکرمین ہیں لہٰذا جس گناہ کی سزا دنیا میں تکلیف کی صورت میں دیدی اس کی سزا دوبارہ نہ دیں گے اور نہ جن گناہوں کو معاف کردیا ہے ان پر سزا دیں گے، حضرت علی رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰے عَنْہُ نے فرمایا ہے کہ قرآن پاک کی یہ آیت بڑی امید افزا ہے۔ (صاوی)

قَوْلُہٗ: ھو تعالٰی اکرم اس کا تعلق فبما کسبَتْ اَیْدِیکم سے ہے لہٰذا مناسب یہ تھا کہ اس کو ویعفوا عن کثیر پر مقدم کر کے فبما کسبَتْ اَیْدِیْکُمْ کے متصل لاتے۔

قَوْلُہٗ: یا مشرکین پیش نظر نسخہ میں یا مشرکین ہے، مگر صحیح یا مشرکون ہے جیسا کہ جمل کے نسخہ میں یا مشرکون ہے، اس لئے کہ منادی مبنی بر رفع ہوتا ہے، لہٰذا مرفوع بالواؤ کی صورت میں یا مشرکون ہونا چاہئے۔

قَوْلُہٗ: معجزین ای فارین من عذابہٖ.

قَوْلُہٗ: الجوار حذف یاء کے ساتھ رسم الخط کے اعتبار سے، اس لئے کہ یہ زائد یاؤں میں سے ہے، جَوَار جاریَة کی جمع ہے بمعنی جاری ہونے والی، کشتی۔

شبہ: بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اَلجَوَار، السُّفُنُ موصوف محذوف کی صفت ہے جیسا کہ علامہ محلی نے السُّفُنُ محذوف مان کر حذف موصوف کی طرف اشارہ کیا، تقدیر عبارت یہ ہے کہ السفنُ الجوار مگر یہاں السُّفُنُ موصوف کو حذف کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ موصوف کو اس وقت تک حذف کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ صفت موصوف کے ساتھ خاص نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ مررتُ بماشٍ کہنا درست نہیں ہے، اس لئے کہ ماشٍ صفت عام ہے کسی موصوف کے ساتھ خاص نہیں ہے، ہاں البتہ مررتُ بمھندس، ومررتُ بکاتب کہہ سکتے ہیں حالانکہ مہندس اور کاتب بھی صفت ہیں مگر ان کے موصوف محذوف ہیں اس لئے کہ یہ صفات خاصہ میں سے ہیں، اس کے برخلاف اَلجریُ، السّفُنُ کے ساتھ خاص نہیں ہے، لہٰذا اَلسفنُ کا حذف جائز نہ ہونا چاہئے۔

دفع: حذف موصوف کا عدم جواز اس صورت میں ہے جب کہ صفت پر اسمیت غالب نہ ہو اور جب اسمیت غالب ہو جائے تو موصوف کا حذف جائز ہے، جیسا کہ اَبرَقُ یہ صفت ہے بہت زیادہ چمکدار شئ کو کہتے ہیں، مگر اب ایک مخصوص شئ کا نام ہو گیا ہے جو کہ چمکدار دھات ہے، لہٰذا اب اس کے موصوف کو حذف کرنا جائز ہوگا، اسی طرح اَبطَح اس کے معنی ہیں کشادہ اور سنگریزہ والا ہونا، مگر اب اس پر اسمیت غالب ہو کر مخصوص وادی کے معنی میں ہو گیا ہے، لہٰذا اس کے موصوف کو حذف کرنا جائز ہے، اسی طرح منقّٰی اس کے معنی ہیں صاف کیا ہوا، یہ صفت ہے مگر اس پر اسمیت غالب آگئی ہے، اس کا موصوف مویز ہے، پورا نام مویز منقّٰی ہے، جو عام طور پر دواؤں میں استعمال ہوتا ہے مگر اب موصوف کو حذف کر کے منقّٰی بولتے ہیں حتی کہ اس کے موصوف کو اکثر لوگ جانتے بھی نہیں ہیں، اسی طرح اَلجَوَار جو کہ جاریة کی جمع ہے صفت ہے اس کے معنی ہیں جاری ہونے والی، چلنے والی، مگر اب اس پر اسمیت غالب آگئی ہے، جس کی وجہ سے جاریہ کشتی کو کہنے لگے ہیں، لہٰذا اب اس کے موصوف کو حذف کر سکتے ہیں، جیسا کہ مفسر علام نے اَلسُفنُ مقدر مان کر حذف موصوف کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

قَوْلُہٗ: یَظْلَلْنَ، یَصرنَ ظَلَّ سے مضارع جمع مؤنث غائب فعل ناقص، وہ ہو جائیں یَظْلَلْنَ کی تفسیر یَصرنَ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یہاں ظَل مطلقاً صَارَ کے معنی میں ہے ورنہ تو ظَل کے اصلی معنی دن میں کسی کام کے ہونے کی خبر دینا ہے،

جیسا کہ باتَ کے معنی رات میں کسی فعل کے ہونے کی خبر دینا ہے۔

قَوْلُہٗ: صَبَّارٍ شکور کی تفسیر وھو المؤمن سے کرکے اشارہ کردیا کہ جو مذکورہ دونوں صفتوں کا حامل ہو وہ مومن کامل ہے، گویا کہ ایمان کے دو حصے ہیں، ایک صبر اور دوسرا شکر، صبر کا مطلب ہے معاصی پر صبر کرنا، اور شکر کا مطلب ہے واجبات کو ادا کرنا۔

قَوْلُہٗ: بِاَھْلِھِنَّ باء بمعنی مع یعنی اگر وہ چاہے تو کشتیوں کو مع کشتی سواروں کے غرق کرکے ہلاک کردے۔

قَوْلُہٗ: ای اَھْلُھُنَّ یہ کَسَبُوا کے واؤ کی تفسیر ہے جس سے اہل کشتی مراد ہیں جو کہ سیاق سے مفہوم ہیں، یُوْبِقْھُنَّ اِیْبَاق (افعال) سے مضارع واحد مذکر غائب ھُنَّ ضمیر مفعول وہ ان کو ہلاک کردے تباہ کردے۔

قَوْلُہٗ: یَعْفُ عن کثیر منھا، عَفْوٌ سے مضارع واحد مذکر مجزوم، جمہور نے یَعْفُ کو جواب شرط پر عطف ہونے کی وجہ سے مجزوم پڑھا ہے۔

قَوْلُہٗ: منھا ای السُّفُنُ او الذنوب یعنی بعض کشتیوں کو غرق نہیں کرتا، یا بعض کشتی سواروں کی خطاؤں کو معاف کردیتا ہے۔

قَوْلُہٗ: یَعْلَمُ، یَعْلَمُ میں رفع اور نصب دونوں قراءتیں ہیں، رفع جملہ مستانفہ ہونے کی وجہ سے ای ھو یعلم اور نصب غرق کی علت پر عطف کی وجہ سے ای یُغرِقُھُمْ، لِیَنْتَقِمَ مِنْھُمْ وَیَعْلَمَ یعنی اگر چاہے تو ان کو غرق کردے تاکہ وہ ان سے انتقام لے تاکہ ان لوگوں کو جانے (ظاہر کرے) جو ہماری آیتوں میں مجادلہ کرتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: مَالَھُمْ من محیصٍ، مَالَھُمْ خبر مقدم اور مِن محیص مبتداء مؤخر، مِن زائدہ۔

قَوْلُہٗ: مُعَلَّقٌ عَنِ العملِ تعلیق، افعال قلوب کی خصوصیات میں سے ہے تعلیق، لفظاً عمل کے باطل کرنے کو کہتے ہیں، تعلیق عمل کے لئے یہ شرط ہے کہ فعل قلب استفہام یا نفی یا لام ابتداء سے پہلے واقع ہو، جیسا کہ یہاں فعل قلب یعلمُ ہے یعلمُ دو مفعول چاہتا ہے۔

قَوْلُہٗ: فمَا اُوْتِیْتُمْ ما شرطیہ اُوْتِیْتُمْ کا مفعول ثانی صدارت کلام کی وجہ سے مقدم ہے اُوْتِیْتُمْ کے اندر ضمیر مخاطب مفعول اول جو کہ نائب فاعل ہے۔

قَوْلُہٗ: من شیئٍ یہ ما کا بیان ہے اس لئے کہ اس میں ابہام ہے۔

قَوْلُہٗ: فمتاع الحیاۃ الدنیا فاء جواب شرط پر ہے اور مَتَاعٌ مبتداء محذوف کی خبر ہے، ای فھو متاع.

قَوْلُہٗ: ومَا عِنْدَ اللہ خیر، ما عند اللہ موصول صلہ سے مل کر مبتداء اور خیرٌ اس کی خبر، اور لِلَّذِیْنَ الخ اَبْقٰی کے متعلق ہے۔

قَوْلُہٗ: وَالَّذِیْنَ یجتَنِبُوْنَ الخ کا عطف الذین آمنوا پر ہے، جملہ لام جار کے تحت ہونے کی وجہ سے محلاً مجرور ہے۔

قَوْلُہٗ: کبٰئِرَ الإثم وَالفواحش ''کبائر'' سے ہر قسم کے بڑے گناہ مراد ہیں اور فواحش سے مخصوص بڑے گناہ مراد ہیں، جس پر حدود و قصاص جاری ہوتے ہیں۔

قولہ: من عطف البعض علی الکل یہ ایک شبہ کا جواب ہے۔

شبہ: کبائر ہر قسم کے بڑے گناہ کو کہتے ہیں جن میں فواحش بھی شامل ہیں، تو پھر فواحش کے دوبارہ ذکر کرنے کی کیا ضرورت؟

دفع: یہ عطف خاص علی العام کے قبیل سے ہے یہ معطوف کی اہمیت کے پیش نظر کیا جاتا ہے، اس کو عطف بعض علی الکل بھی کہہ سکتے ہیں، جیسے حافظوا علی الصلوٰات والصلوٰة الوسطی میں ہے۔

قولہ: وَاِذَا مَا غَضِبُوْا همر یَغْفِرُوْنَ، ما زائدہ ہے فارسی میں کہتے ہیں "چوں بخشم می آیند ایشاں می آمرزند" جب وہ غصہ ہوتے ہیں تو معاف کردیتے ہیں، اِذَا، یغفرون کا ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ما زائدہ ہے، اور یغفرون، همر کی خبر ہے، جملہ ہوکر یجتنبونَ پر معطوف ہے، جو کہ الذین کا صلہ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے والذین یَجْتَنِبُوْنَ وهمر یَغْفِرُوْنَ اس صورت میں عطف جملہ اسمیہ کا جملہ فعلیہ پر لازم آئے گا، دوسری ترکیب یہ بھی ہوسکتی ہے کہ هُمْ غضِبُوا کے اندر ضمیر فاعل کی تاکید ہو، اس صورت میں فیغفرون جواب شرط ہوگا۔

ابوالبقاء رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے کہا ہے کہ هُمْ مبتداء اور یغفرونَ خبر ہے، اور جملہ ہوکر جواب شرط ہے، مگر یہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اگر اِذا کا جواب ہو تو پھر فاء کا داخل ہونا ضروری ہے، مثلاً تو کہے اِذا جاءَ زید فَعَمْرٌو ینطلقُ مگر عمروٌ ینطلق جائز نہیں ہے۔ (جمل)

قولہ: وَالذینَ استجابوا اس کا عطف سابق موصول الذین پر ہے، مفسر علام نے استجابوا کی تفسیر اَجَابُوْا سے کرکے اشارہ کردیا کہ استجابُوا میں س، ت زائد ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس نعمتیں ان لوگوں کے لئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم پر لبیک کہتے ہیں۔

قولہ: اَمرهمر شُورىٰ بَيْنَهُمْ، اَمْرُهُمْ بہ ترکیب اضافی مبتداء، شوریٰ اس کی خبر بینهُمْ ظرف ہے۔

قولہ: شوریٰ یہ شاورتُهٗ (باب مفاعلہ) کا مصدر ہے بروزن بشریٰ وذِکریٰ مشورہ کرنا۔

(فتح القدیر، شوکانی ولغات القرآن)

قولہ: يَبْغُوْنَ، يَعْمَلُوْنَ مفسر علام نے یبغُوْنَ کی تفسیر یَعْمَلُوْنَ سے کرکے اشارہ کردیا کہ بغیر الحق تاسیس کے لئے ہے نہ کہ تاکید کے لئے، اس لئے کہ بَغْیٌ ناحق ہی ہوتی ہے پھر اس کے بعد بغیر الحق کہنا یہ سابقہ مضمون کی تاکید ہوگی اور اگر يَبْغُوْنَ کو يَعْمَلُوْنَ کے معنی میں لیا جائے، تو بغیر الحق تاسیس ہوگی اور تاسیس تاکید سے بہتر ہوتی ہے۔

قولہ: لَمِنْ عزم الاُمور یہ عزیمة سے ماخوذ ہے جو کہ رخصت کی ضد ہے یعنی صبر اور درگذر کرنا مندوب و مستحب ہے، گو مساوی طور پر انتقام بھی جائز ہے۔

تفسیر وتشریح

وَمَا اَصَابَکُمْ، خطاب للمؤمنین اگر خطاب اہل ایمان کو ہے جیسا کہ مفسر علام کی رائے ہے تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ تمہارے بعض گناہوں کا کفارہ تو تمہارے مصائب بن جاتے ہیں، جو تمہیں تمہارے گناہوں کی پاداش میں پہنچتے ہیں، اور کچھ گناہ وہ ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ یوں ہی معاف فرما دیتا ہے، اور اللہ کی ذات بڑی کریم ہے، معاف کرنے کے بعد آخرت میں اس گناہ پر مواخذہ نہیں فرمائے گی۔ (مظهری ملخصًا)

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، جس شخص کے کسی لکڑی سے خراش لگتی ہے یا کوئی رگ پھڑکتی ہے یا قدم کو لغزش ہوتی ہے، یہ سب اس کے گناہوں کے سبب سے ہوتا ہے، اور ہر گناہ کی سزا اللہ تعالیٰ نہیں دیتے، بلکہ جو گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں، وہ ان سے بہت زیادہ ہیں جن پر کوئی سزا دی جاتی ہے۔ (صحیح بخاری ومسلم ملخصًا)

سَوَال: جب مصیبت سزائے اعمال ہے تو لازم ہے کہ صلحاء واتقیاء واولیاء مصیبت میں کم مبتلا ہوں اور انبیاء واطفال وحیوانات بالکل مصائب میں مبتلا نہ ہوں حالانکہ مشاہدہ اس کے خلاف ہے بلکہ انبیاء وصلحاء کے مصائب بہ نسبت دوسروں کے زیادہ ہیں۔

جَوَاب: صاحب بیضاوی نے کہا ہے کہ یہ آیت مجرمین کے ساتھ خاص ہے۔

فَائِدَہ: صلحاء واولیاء کے مصائب ان کے درجات کی ترقی کے لئے ہیں۔

اور اگر خطاب عام ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ تمہیں جو مصائب دنیا میں پہنچتے ہیں، یہ تمہارے گناہوں کا نتیجہ ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ بہت سے گناہوں سے تو درگذر فرما دیتا ہے یعنی یا تو ہمیشہ کے لئے معاف فرما دیتا ہے یا ان پر فوری گرفت نہیں فرماتا، اور یہ تاخیر بھی ایک گونہ معافی ہی ہے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ الناسَ بما کَسَبُوا مَا تَرَکَ علٰی ظهرها مِنْ دَابَّةٍ (فاطر) اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے کرتوتوں پر فوراً مواخذہ شروع کر دے تو زمین پر کوئی چلنے والا باقی ہی نہ رہے۔

وَمَا اَنْتُمْ بمعجزین (الآیة) یعنی تم بھاگ کر کسی ایسی جگہ نہیں جا سکتے کہ جہاں تم ہماری گرفت میں نہ آسکو، یا جو مصیبت ہم تم پر نازل کرنا چاہیں، اس سے تم بچ جاؤ۔

وَمِنْ اٰیٰتِهِ الجَوَارِ فی البحر کَالْاَعْلَام، الجوار یا الجَوَارِیُ، جَارِیَةٌ کی جمع ہے (چلنے والی) بمعنی کشتیاں، جہاز، یہ اللہ کی قدرت تامہ کی دلیل ہے کہ سمندروں میں پہاڑوں جیسی کشتیاں اور جہاز اس کے حکم سے چلتے ہیں، ورنہ اگر وہ حکم دے

اور ہوا کو روک دے تو اپنی جگہ کھڑے کے کھڑے رہ جائیں، یا یہ کہ ہوا اس قدر تیز وتند کر دے کہ جس کی وجہ سے سمندر میں طغیانی آجائے اور یہ سب جہاز اور کشتیاں غرق ہو جائیں۔

وَمَا عند اللّٰہ خیر وابقٰی للذین آمنوا وعلٰی ربّھم یتوکلون (الآیة) دنیوی نعمتوں کے ناقص اور فانی ہونے کو بیان کرنے کے بعد آخرت کی نعمتوں کا کامل اور دائمی ہونا بیان فرمایا ہے، اور آخرت کی نعمتوں کے حصول کے لئے سب سے بڑی شرط ایمان ہے ایمان کے بغیر وہاں وہ نعمتیں کسی کو نہ ملیں گی، لیکن اگر ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کا بھی پورا اہتمام کر لیا تو آخرت کی یہ نعمتیں یقیناً اور ابتداء ہی میں مل جائیں گی ورنہ اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد ملیں گی، اس لئے آیات مذکورہ میں سب سے پہلی شرط اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا بیان فرمائی، اس کے بعد خاص خاص اعمال کا ذکر فرمایا، جن کے بغیر ضابطہ کے مطابق آخرت کی نعمتیں شروع سے نہ ملیں گی، بلکہ اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد ملیں گی، وہ خاص اعمال وصفات جن کی وجہ سے ابتداء ہی جنت کی نعمتیں حاصل ہو جائیں گی وہ سات بیان فرمائی ہیں۔

پہلی صفت:

عَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ جنت کی نعمتیں اور راحتیں ان لوگوں کے لئے ہیں جو ہر حال اور ہر کام میں اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں اور اس کے سوا کسی کو حقیقی کارساز نہیں سمجھتے۔

دوسری صفت:

اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اور وہ ایسے لوگ ہیں کہ ہر کبیرہ گناہ سے اور بالخصوص بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں، ''فواحش'' اگرچہ کبیرہ گناہوں میں شامل ہیں، پھر بھی ان کو الگ بیان کرنے میں حکمت یہ ہے کہ فواحش کا گناہ عام کبیرہ گناہ سے زیادہ سخت ہے اور مرض متعدی بھی، جس سے دوسرے لوگ بھی متاثر ہوتے ہیں، فواحش کا لفظ ان کاموں کے لئے بولا جاتا ہے جن میں بے حیائی ہو، جیسے زنا اور اس کے مقدمات نیز وہ گناہ جو ڈھٹائی کے ساتھ علانیہ کئے جائیں فواحش کہلاتے ہیں، کہ ان کا وبال بھی نہایت شدید اور پورے انسانی معاشرہ کو خراب کرنے والا ہے۔

تیسری صفت:

یعنی غصہ کی حالت میں جبکہ اچھا بھلا آدمی بھی توازن کھو بیٹھتا ہے، اور جائز و ناجائز، حق و باطل اور نتیجہ وانجام پر غور کرنے کی صلاحیت مفقود ہو جاتی ہے، مگر مومنین صالحین کی اللہ نے یہ صفت بیان کی ہے کہ ایسے وقت میں بھی یہ لوگ نہ صرف یہ کہ عفو

ودرگذر سے کام لیتے ہیں بلکہ انتقام کا اپنا حق ہوتے ہوئے بھی معاف کردیتے ہیں، مطلب یہ کہ لوگوں سے عفوودرگذر کرنا ان کی طبیعت اور مزاج کا حصہ بن جاتا ہے، نہ کہ انتقام اور بدلہ لینا، جس طرح نبی ﷺ کے بارے میں آتا ہے مَا انْتَقَمَ لِنفسهٖ قَطُّ آپ نے اپنی ذات کے لئے کبھی بدلہ نہیں لیا۔ (صحیح بخاری، کتاب الادب)

چوتھی صفت:

اَلَّذین استجابوا لربّھم واَقاموا الصلوٰۃ "استجابت" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے جو حکم ملے اس کو بے چون وچرا فوراً قبول کرلے خواہ وہ اپنی طبیعت کے موافق ہو یا مخالف، اس حکم کی بجا آوری میں اگرچہ تمام اسلامی احکام وفرائض شامل ہیں مگر چونکہ ان سب میں نماز سب سے اہم فریضہ ہے، اس لئے اس کو ممتاز اور الگ کرکے بیان فرمایا۔

پانچویں صفت:

وَاَمْرُھم شوریٰ بَیْنَھُمْ یعنی ان کے کام آپس میں مشورہ سے طے ہوتے ہیں، شوریٰ بروزن بُشریٰ مفاعلہ کا اسم مصدر ہے، بمعنی ذوشوریٰ، مطلب یہ ہے کہ وہ اہم امور کہ شریعت نے ان میں کوئی متعین حکم نہیں دیا ان کو طے کرنے میں یہ لوگ آپسی مشورہ سے کام لیتے ہیں، اہم امور کی قید خود لفظ اَمْرٌ سے مستفاد ہے، اس لئے کہ عرف میں امرٌ ایسے ہی کاموں کے لئے بولا جاتا ہے جن کی اہمیت ہو، جیسا کہ سورۂ آل عمران میں آپ ﷺ کو حکم فرمایا وشاورھم فی الامر چنانچہ آپ ﷺ جنگی معاملات اور دیگر معاملات میں مشورہ کا اہتمام فرماتے تھے، جس سے مسلمانوں کی ہمت افزائی بھی ہوتی تھی، اور دل جوئی بھی، اور معاملہ کے مختلف گوشے بھی واضح ہوجاتے تھے، حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ جب زخمی ہوگئے، اور بقاء زندگی کی کوئی امید نہ رہی تو امر خلافت میں مشورہ کے لئے چھ آدمیوں کی ایک کمیٹی نامزد کردی، جس میں حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ شامل تھے، ان حضرات نے آپس میں اور دیگر حضرات سے مشورہ کرکے حضرت عثمان غنی رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کو خلیفہ مقرر کردیا، بعض لوگ مشاورت کے اس حکم سے ملوکیت کی تردید اور جمہوریت کا اثبات کرتے ہیں، حالانکہ مشاورت کا اہتمام ملوکیت میں بھی ہوتا ہے، بادشاہ کی بھی مجلس مشاورت ہوتی ہے، جس میں ہر معاملہ میں غوروخوض ہوتا ہے، لہٰذا اس آیت سے ملوکیت کی نفی قطعاً نہیں ہوتی، علاوہ ازیں جمہوریت کو مشاورت کے ہم معنی سمجھنا یکسر غلط ہے، مشاورت ہرکہ ومہ سے نہیں ہوسکتی، اور نہ اس کی ضرورت ہی ہے، مشاورت کا مطلب ان لوگوں سے مشورہ کرنا ہے، جو اس معاملہ کی نزاکتوں اور ضرورتوں نیز باریکیوں کو سمجھتے ہیں جس معاملہ میں مشورہ درکار ہوتا ہے، مثلاً بلڈنگ، پل وغیرہ بنانا ہو تو کسی تانگہ بان، یا رکشہ پولر یا کسی غیر متعلق عام آدمی سے مشورہ نہیں کیا جائے گا، بلکہ کسی انجینئر سے مشورہ کیا جائے گا، اگر کسی مرض کے بارے میں مشورہ کی ضرورت ہو تو طب وحکمت کے ماہرین کی طرف رجوع کیا جائے گا، جبکہ جمہوریت میں اس کے برعکس بالغ شخص کو مشورہ کا اہل سمجھا جاتا ہے، خواہ کورا جاہل، بے شعور، امور سلطنت کی نزاکتوں سے یکسر بے بہرہ اور نابلد ہی

کیوں نہ ہو، بنابریں مشاورت کے لفظ سے جمہوریت کا اثبات تحکم اور دھاندلی کے سوا کچھ نہیں اور جس طرح سوشلزم کے ساتھ اسلامی کا لفظ لگادینے سے سوشلزم "مشرف بہ اسلام" نہیں ہوسکتا اسی طرح جمہوریت میں اسلام کی پیوندکاری سے مغربی جمہوریت پر خلافت کی قبا راست نہیں آسکتی، اسلام نے امیر کا انتخاب بھی مشورہ پر موقوف کرکے زمانۂ جاہلیت کی شخصی بادشاہتوں کو ختم کیا ہے، جنہیں ریاست بطور وراثت ملتی تھی، اسلام نے سب سے پہلے اس کو ختم کرکے حقیقی جمہوریت کی بنیاد ڈالی، مگر مغربی جمہوریت کی طرح عوام کو ہر طرح کے اختیارات نہیں دیئے، اور اہل شوریٰ پر کچھ پابندیاں عائد فرمائی ہیں، اس طرح اسلام کا نظامِ حکومت شخصی بادشاہت اور مغربی جمہوریت دونوں سے الگ ایک نہایت معتدل دستور ہے۔

چھٹی صفت:

مما رزقناهم ينفقون یعنی وہ لوگ اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے نیک کاموں میں خرچ کرتے ہیں جس میں زکوٰۃ، نفلی صدقات وغیرہ سب شامل ہیں۔

ساتویں صفت:

وَالَّذِيْنَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ بدلہ لینے سے عاجز نہیں ہیں اگر بدلہ لینا چاہیں تو لے سکتے ہیں، تاہم قدرت کے باوجود معافی کو ترجیح دیتے ہیں، جیسے نبی ﷺ نے فتح مکہ کے دن اپنے خون کے پیاسوں کے لئے عام معافی کا اعلان فرمادیا، حدیبیہ میں آپ نے ان اسّی آدمیوں کو معاف کردیا جنہوں نے آپ کے خلاف سازش تیار کی تھی، لبید بن عاصم یہودی سے آپ نے بدلہ نہیں لیا، جس نے آپ پر جادو کیا تھا، اس یہودیہ سے آپ نے کچھ نہیں کہا جس نے آپ کے کھانے میں زہر ملایا تھا۔

جزاؤ اسيئة سيئةٌ یہ بدلہ لینے کی اجازت ہے، برائی کا بدلہ اگرچہ برائی نہیں ہے لیکن مشاکلت کے طور پر اسے بھی برائی ہی کہا جاتا ہے۔

مَسْئَلَہ: انتقام میں تعدی حرام ہے، اور ظلم اور عفو محبوب اور موجب اجر عظیم۔

مَسْئَلَہ: حنفیہ کے یہاں جن زخموں میں مساوات متعذر رہے ان میں قصاص تجویز نہیں کیا گیا، صرف مالی خون بہا رکھا گیا ہے۔ (خلاصة التفاسير)

ترغیب:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک روز ہم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے، کہ آپ ہنسے اور آپ کے دندان مبارک ظاہر ہوگئے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا، آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، خندۂ جاں پرور

کس لئے ہوا، فرمایا میری امت کے دو آدمی حق تعالیٰ کے حضور میں دوزانو بیٹھیں گے، تو ایک کہے گا اے میرے رب میرے اس بھائی سے میرا بدلہ دلا دے، ارشاد ہوگا اب تو اس کے پاس کوئی نیکی باقی نہیں ہے، تیرا بدلہ کیونکر دلایا جائے، مدعی کہے گا اے میرے رب میرے گناہ اس پر ڈال دے، یہ کہہ کر آپ ﷺ کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، اور فرمایا یہ بڑا سخت دن ہے، آدمی اپنا بوجھ دوسرے پر ڈالنے کے خواہاں ہوں گے، پھر حق تعالیٰ مدعی سے فرمائے گا، اوپر دیکھ، یہ دیکھ کر کہے گا، اے رب میں سونے سے بنے ہوئے شہر دیکھتا ہوں، جن میں جواہرات جڑے ہوئے ہیں، یہ کس پیغمبر یا کس ولی یا کس شہید کے ہیں، ارشاد ہوگا جو اس کی قیمت ادا کرے، عرض کرے گا اتنی قیمت کس کے پاس ہے؟ ارشاد ہوگا تیرے پاس ہے، یہ عرض کرے گا وہ کیا ہے؟ ارشاد ہوگا اپنے بھائی کو معاف کرنا، یہ عرض کرے گا اے میرے رب میں نے معاف کردیا، ارشاد ہوگا اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ لے اور جنت میں داخل ہوجا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا اللہ سے ڈرو اور آپس میں اصلاح کرو، بے شک اللہ مسلمانوں میں صلح کرادے گا۔ (خلاصة التفاسیر، تائب لکھنوی)

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْ بَعْدِهٖ اى اَحَدٌ يَلِى هِدَايَتَهٗ بعدَ اضلالِ اللّٰهِ اياه **وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ** الى الدُّنيا **مِّنْ سَبِيْلٍ** طريقٍ **وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا** اى النار **خٰشِعِيْنَ** خائِفِيْنَ مُتَواضِعِيْنَ **مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ** اِلَيها **مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ** ضعيفِ النظرِ مسارقةً ومِن ابتدائيَّةٌ او بمعنى الباء **وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ** بتخليدهم فى النَّارِ وعدمِ وُصُولِهم الى الحُورِ المُعَدَّةِ لهم فى الجنَّةِ لو اٰمَنُوا والمَوصُولُ خبرُ اِنَّ **اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ** الكافرينَ **فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ** دائم هو مِن مقُولِ اللّٰهِ تعالى **وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اى غيره يَدْفَعُ عذابَهُ عنهم **وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ** طريقٍ الى الحَقِّ فى الدنيا والى الجَنَّةِ فى الاخرةِ **اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ** اَجِيبُوْه بالتَوحيدِ والعِبادة **مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ** هو يومُ القِيٰمَةِ **لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ** اى اِنَّهٗ اِذا اَتى به لا يَرُدُّه **مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ** تلجَئُوْنَ اليه **يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ** انكَارٍ لذُنُوبكم **فَاِنْ اَعْرَضُوْا** عن الاِجابَةِ **فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا** تَحفَظُ اعمالَهم بان تُوافِقَ المطلُوبَ منهم **اِنْ** ما **عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ** وهذا قبلَ الامرِ بالجهادِ **وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً** نِعمَةً كالغِنٰى والصِّحَّةِ **فَرِحَ بِهَا وَاِنْ تُصِبْهُمْ** الضميرُ للاِنسان باعتبار الجنسِ **سَيِّئَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ** اى قَدَّمُوه وعُبِّرَ بالاَيْدِى لِاَن اكثرَ الافعَالِ تُزَاوَلُ بها **فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ** للنعمةِ **لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ** مِنَ الاَولادِ **اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ** اى يَجعلُهم **ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا** فلا يلِدُ ولا يُولَدُ له **اِنَّهٗ عَلِيْمٌ** بما يخلُقُ **قَدِيْرٌ** على ما يَشاء **وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا** ان يُوحٰى اليه **وَحْيًا** فى المَنام او بالالهام **اَوْ** الا **مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ** بِاَنْ يُسمِعَ كَلامَهُ ولا يَراه كما وَقَعَ لمُوسٰى عليه السلام **اَوْ** الا ان

يُرْسِلَ رَسُوْلًا مَلَكًا كجبرئيلَ فَيُوْحِيَ الرسولُ الى المُرسَلِ اليه اى يُكَلِّمه بِاِذْنِهٖ اى اللهِ مَا يَشَآءُ اللهُ اِنَّهٗ عَلِيٌّ عَن صِفاتِ المُحدثينَ حَكِيْمٌ في صُنعِه وَكَذٰلِكَ اى مِثلَ اِيحائِنا الى غيرك مِنَ الرسل اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ يا مُحَمَّدُ رُوْحًا هو القرآنُ به تُحيى القلوبُ مِّنْ اَمْرِنَا الذى نُوحِيهِ اليك مَا كُنْتَ تَدْرِيْ تَعرِفُ قبلَ الوَحي اليك مَا الْكِتٰبُ القرآنُ وَلَا الْاِيْمَانُ اى شرائعه ومعالمه الاستفهام مُعلِّقٌ لِلفعلِ عَنِ العَمَلِ او مَا بَعده سَدَّ مَسَدَّ المفعولَينِ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ اى الروح او الكتابَ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ تَدعُو بالموحى اليك اِلٰى صِرَاطٍ طريقٍ مُّسْتَقِيْمٍ دينِ الاسلام صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مُلكًا وخَلقًا وعَبيدًا اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ تَرجعُ.

ترجمہ: اور اللہ جسے گمراہ کردے اس کے بعد اس کا کوئی کارساز نہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے اس کو گمراہ کرنے کے بعد اس کی ہدایت کا کوئی ولی نہیں، اور (اے مخاطب) تو دیکھے گا کہ ظالم لوگ عذاب کو دیکھ کر کہہ رہے ہوں گے کہ کیا دنیا کی طرف لوٹنے کی کوئی صورت ہے اور (اے مخاطب) تو دیکھے گا کہ وہ جہنم کے سامنے لا کھڑے کئے جائیں گے، خوف و ذلت کے مارے جھکے جارہے ہوں گے، اور کنکھیوں سے دزدیدہ نظروں سے اسے (جہنم کو) دیکھ رہے ہوں گے، مِنْ ابتدائیہ ہے یا بمعنی باء ہے مومنین کہیں گے کہ حقیقی زیاں کار وہ ہیں جنہوں نے آج قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے اہل خانہ کو دائمی عذاب میں مبتلا کرکے اور ان حوروں تک رسائی حاصل نہ کرکے جو ان کے لئے جنت میں تیار کی گئی ہیں، نقصان میں ڈال دیا، اگر وہ ایمان لاتے، اور موصول اِنَّ کی خبر ہے یاد رکھو کہ یقیناً ظالم کافر دائمی عذاب میں ہوں گے یہ اللہ تعالیٰ کا مقولہ ہے ان کا کوئی مددگار جو اللہ سے الگ ان کی مدد کرسکے یعنی اللہ کے سوا ان کا کوئی نہیں، جو ان کے عذاب کو دفع کرسکے، اور جس کو اللہ گمراہ کردے اس کے لئے نہ دنیا میں حق کی طرف کوئی راستہ ہے اور نہ آخرت میں جنت کی طرف، اپنے رب کا توحید و عبادت کا حکم مان لو قبل اس کے کہ وہ دن آپہنچے اور وہ قیامت کا دن ہے کہ جس کے لئے اللہ کی جانب سے ہٹنا نہ ہوگا یعنی جب اللہ اس دن کو لے آئے گا تو (پھر) اس کو نہ ٹالے گا تمہیں اس روز نہ تو کوئی پناہ گاہ ملے گی کہ جس میں تم پناہ لے سکو اور نہ تم کو تمہارے گناہوں سے انکار کی کوئی صورت، پس اگر وہ قبول کرنے سے اعراض کریں تو ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا کہ آپ ان کے اعمال کی نگرانی کریں، کہ ان کے اعمال ان اعمال کے موافق ہوں جو ان سے مطلوب ہیں آپ کے ذمہ تو صرف پیغام پہنچا دینا ہے یہ حکم جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے اور ہم جب بھی انسان کو اپنی رحمت نعمت کا مثلاً غنا اور صحت کا مزا چکھا دیتے ہیں تو اس پر وہ اترانے لگتا ہے اور اگر انہیں ان کے اعمال کی بدولت کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو انسان اللہ کی نعمت کی ناشکری کرنے لگتا ہے (تُصِبْهُمْ) میں ضمیر جنس کے اعتبار سے انسان کی طرف راجع ہے قَدَّمَتْ اَيْدِيهِمْ کا مطلب ہے قَدَّمُوْهُ اور ذات کو اَيْدِي سے تعبیر اس لئے کیا ہے کہ اکثر اعمال ہاتھوں ہی کی شرکت سے وقوع پذیر ہوتے ہیں آسمانوں کی اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کی ہے وہ جو

چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اولاد میں سے بیٹی دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹا دیتا ہے یا دونوں کو جمع کر دیتا ہے یعنی ان کو بیٹے اور بیٹیاں دونوں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے نہ بیوی جنتی ہے اور نہ شوہر کے لئے جنا جاتا ہے، اور وہ جو پیدا کرتا ہے اس کے بارے میں بڑا علم والا ہے، اور جو چاہے اس پر (کامل) قدرت والا ہے اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اللہ کسی بندے سے کلام کرے مگر اس کی طرف وحی بھیج کر خواہ خواب میں یا الہام کے ذریعہ یا حجاب کے پیچھے سے بایں طور کہ بندہ کو اپنا کلام سنائے اور بندہ اس کو نہ دیکھے جیسا کہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ ہوا، یا کسی قاصد یعنی فرشتے کو بھیجے جیسا کہ جبرائیل علیہ الصلاۃ والسلام کو کہ وہ فرستادہ اللہ کی اجازت سے مرسل الیہ کو وحی کرے بایں طور کہ جو چاہے اس سے کلام کرے بلاشبہ وہ محدثین کی صفات سے برتر ہے، اپنی صنعت میں حکمت والا ہے اور اسی طرح یعنی دوسرے رسولوں کے مانند اے محمد ﷺ آپ کی طرف اپنے حکم سے روح کو بھیجا (یعنی) اس حکم کو کہ جس کی ہم آپ کی طرف وحی بھیجتے ہیں، اور وہ قرآن ہے جس سے قلوب زندہ ہوتے ہیں اور آپ کی طرف وحی بھیجنے سے پہلے آپ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ کتاب قرآن کیا چیز ہے؟ اور نہ ایمان کو جانتے تھے یعنی ایمان (اسلام) کے احکام و شرائع کو نہیں جانتے تھے، اور استفہام فعل کو عمل سے مانع ہے یا استفہام کا مابعد دو مفعولوں کے قائم مقام ہے لیکن ہم نے اس کو یعنی روح کو یا کتاب کو نور بنا دیا جس کے ذریعہ ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں اس کے ذریعہ ہدایت دیتے ہیں، بے شک آپ اپنی طرف بھیجی ہوئی وحی کے ذریعہ صراط مستقیم یعنی دین اسلام کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اس اللہ کی راہ کی طرف کہ جس کی ملکیت میں آسمان اور زمین کی ہر چیز ہے ملک کے اعتبار سے اور تخلیق کے اعتبار اور مملوک ہونے کے اعتبار سے آگاہ رہو سب کام اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلُهُ: اَحَدٌ يَلِيْ، مِنْ وَلِيٍّ کی تفسیر ہے اَیْ لَيْسَ لَهٗ وَلِيٌّ يَلِیْ هدايتهٗ بَعْدَ اِضْلَالِهٖ اس صورت میں مِنْ بَعْدِهٖ کی ضمیر اِضْلال کی طرف راجع ہوگی، اور یہ بھی ممکن ہے کہ بعدہٖ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہو اور بعد اللّٰه، سِوَی اللّٰه کے معنی میں ہو، اس صورت میں ترجمہ ہوگا، اللہ کے سوا اس کا کوئی ولی نہ ہوگا۔

قِوْلُهُ: وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ جملہ حالیہ ہے، اور رویت سے رویت بصریہ مراد ہے، اور مخاطب ہر وہ شخص ہے جس میں رویت کی صلاحیت ہو۔

قِوْلُهُ: مَرَدٍّ، رَدٌّ سے ظرف زمان و مکان، لوٹانے کا وقت، لوٹانے کا مقام۔

قِوْلُهُ: عَلَيْهَا یہ ایک سوال کا جواب۔

سُوَال: عَلَيْهَا میں هاء ضمیر کا مرجع کیا ہے؟ اگر ماقبل میں مذکور نہیں ہے تو اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے، اور اگر ماقبل میں مذکور، العذاب کی طرف راجع ہے تو ضمیر و مرجع میں مطابقت نہیں ہے اس لئے کہ عذاب مذکر ہے اور هاء ضمیر مؤنث ہے۔

جَوَابٌ: ھاء ضمیر کا مرجع نار ہے جیسا کہ شارح نے اشارہ کر دیا ہے جس پر العذاب دلالت کر رہا ہے، لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں ہے۔ (جمل)

قِوْلُہٗ: تَرَاھُمْ، تَرٰی سے رویت بصری مراد ہے، یُعْرَضُوْنَ اور خَاشِعِیْنَ دونوں ھُمْ ضمیر سے جملہ ہو کر حال ہیں۔

قِوْلُہٗ: مِنَ الذُّلِّ، خاشعین سے متعلق ہیں۔

قِوْلُہٗ: مِنَ الطَّرْفِ طرف سے مراد آنکھ ہے، بعض حضرات نے مصدری معنی یعنی دیکھنا بھی مراد لیا ہے، شارح کی عبارت کے مناسب اول معنی ہیں طَرْفٌ خَفِیٌّ چشم نیم باز، شرمندہ نظر کو کہتے ہیں، چشم ضعیف و چشم نیم باز، و چشم بیمار، تقریباً ایک ہی مفہوم کو ادا کرتے ہیں:

بیا کز ''چشم بیمارت'' ہزاراں درد بر چینم   بموگان سیاہ کردی ہزاراں رخنہ در دینم

(حافظ)

شاعر شرمندہ نظر کو چشم بیمار سے تعبیر کر رہا ہے، قیامت کے روز جب مجرموں کو دوزخ کے روبرو پیش کیا جائے گا تو مارے شرم و ذلت کے آنکھوں کو پوری طرح کھول بھی نہ سکیں گے بلکہ گوشہائے چشم کے ذریعہ دزدیدہ نظروں سے دیکھیں گے۔

قِوْلُہٗ: ، ینظرون الیھا، اِلَیْھَا کی ضمیر بھی، العذاب سے مفہوم، النار کی طرف راجع ہے مِنْ طَرْفٍ میں مِن ابتدائیہ ہے یا بمعنی باء ہے، دوسری صورت زیادہ واضح ہے۔

قِوْلُہٗ: اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْا، اِنَّ کی خبر ہے، اور الخٰسِرِیْنَ اِنَّ کا اسم ہے۔

قِوْلُہٗ: بتخلیدھم فی النار وعدم وصولھم الی الحور اس میں لف ونشر مرتب ہے، بتخلید انفسھم کا تعلق اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْا اَنْفُسَھُمْ سے ہے اور عدم وصولھم کا تعلق اَھْلِیْھِمْ سے ہے، اور اہل کے بارے میں نقصان کا مطلب یہ ہے کہ جو حور و غلمان ان کے لئے ایمان لانے کی صورت میں تیار کئے گئے تھے اب وہ ان سے محروم رہیں گے، اور بعض حضرات نے یہ احتمال بھی ظاہر کیا ہے کہ ممکن ہے اہل سے دنیا کے اہل مراد ہوں، ان کے بارے میں نقصان کی یہ صورت ہوگی کہ وہ جنت میں دوسروں کے حوالہ کر دیئے جائیں گے۔ (حاشیہ جلالین)

مفسر علام نے ھُوَ مِنْ مقولِ اللّٰہ تعالٰی کہہ کر اشارہ کر دیا کہ اَلَا اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ فی عذابٍ مقیم اللہ تعالیٰ کا مقولہ ہے اور مومنین کے قول کی تصدیق ہے، اور بعض حضرات نے اس کلام کو مومنین کے کلام ہی کا تتمہ قرار دیا ہے۔

قِوْلُہٗ: لا یَردہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مِنَ اللّٰہ، مردٌّ کے متعلق ہے، اس کا تعلق یَاْتِیَ سے بھی جائز ہے۔

قِوْلُہٗ: اِنکارٍ لِذُنُوبِکُمْ اس عبارت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نَکِیْرٌ خلاف قیاس اَنْکَرَ کا مصدر ہے یعنی مجرمین کو اپنے گناہوں کا انکار ممکن نہ ہوگا اس لئے کہ صحیفۂ اعمال میں ان کے اعمال محفوظ ہوں گے، اور مجرمین کے اعضاء و جوارح ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ (جمل)

قَوْلُہٗ: فَمَا اَرْسَلْنَاکَ عَلَیْھِمْ حَفِیْظًا یہ جملہ شرط کے جواب محذوف کی علت ہے یعنی اِنْ اَعْرَضُوْا شرط ہے اور فَلَا تَحْزَنْ جواب شرط محذوف ہے، لِاَنَّنَا ما اَرْسَلْنَاکَ علیھم حفیظًا یعنی مشرکین کے اعراض کرنے پر غمگین نہ ہوں، اس لئے کہ ہم نے آپ کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا، آپ کی ذمہ داری تبلیغ ہے اور بس، یعنی بلا وجہ اس فکر میں نہ پڑیں کہ ان کے اعمال ان سے مطلوب اعمال کے مطابق ہیں یا نہیں۔

قَوْلُہٗ: الضمیر للانسان باعتبار الجنس یہ ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض: تُصِبْھُمْ کی ضمیر انسان کی طرف راجع ہے ضمیر و مرجع میں مطابقت نہیں ضمیر جمع ہے اور مرجع واحد ہے

جواب: انسان لفظ کے اعتبار سے اگر چہ واحد ہے مگر جنس ہونے کے اعتبار سے جمع ہے لہٰذا جمع کی ضمیر لانا درست ہے، اور فَرِحَ کو مفرد لایا گیا ہے، انسان کے لفظ کا اعتبار کر کے۔

قَوْلُہٗ: فاِنَّ الانسانَ کَفُوْرٌ اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لایا گیا ہے، اصل میں فاِنَّہٗ کفورٌ ہے، کرخی نے کہا ہے کہ یہ جملہ جواب شرط ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ جواب محذوف کی علت ہے، تقدیر عبارت یہ ہے وَاِنْ تُصِبْھُمْ سَیِّئَۃٌ نَسِیَ النِّعْمَۃَ رأسًا فَاِنَّ الْاِنْسَانَ کَفُوْرٌ نَسِیَ النِعْمَۃَ رأسًا جواب شرط محذوف ہے، فَاِنَّ الانسانَ کَفُوْرٌ جواب شرط کی علت ہے۔

قَوْلُہٗ: فلا یَلِدُ وَلَا یُوْلَدُ لہ، فلا یَلِدُ کا تعلق اِمرأۃ سے ہے یعنی اگر بانجھ عورت ہو لا یَلِدُ بولا جائے گا مگر اس صورت میں تَلِدُ تاء کے ساتھ ہونا چاہئے، البتہ کہا جا سکتا ہے کہ مَنْ کے لفظ کی رعایت سے یَلِدُ مذکر لانا درست ہے بعض نسخوں میں تَلِد بھی ہے جو کہ زیادہ مناسب ہے، اور وَلَا یُوْلَدُ لہ کا تعلق اس صورت سے ہے کہ جب (عُقم) بانجھ پن مرد میں ہو اور مصباح میں ہے کہ لَا یُوْلَدُ لَہٗ دونوں صورتوں میں بولا جاتا ہے، عقم خواہ مرد میں ہو یا عورت میں۔ (حاشیہ جلالین)

قَوْلُہٗ: وَلَا یَرَاہ اس عبارت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہاں حجاب کے لازم معنی یعنی عدم رویت مراد ہیں، اس لئے کہ اللہ کے لئے حجاب ممکن نہیں ہے، بلکہ حجاب بندے کی صفت ہے۔

قَوْلُہٗ: ما الکتاب، مَا استفہامیہ مبتداء ہے، الکتابُ اس کی خبر ہے، کلام حذف مضاف کے ساتھ ہے ای مَا کُنْتَ تدرِیْ جواب مَا الکِتَابُ یعنی آپ اس سوال کا جواب بھی نہ جانتے تھے کتاب کیا ہے؟ (جمل)

قَوْلُہٗ: ای شرائعہ و معالمہ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سوال: آپ ﷺ تو نبوت سے قبل ہی توحید کے مقر تھے اور اللہ کی توحید سے بخوبی واقف تھے، غار حراء میں اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ کی بندگی کرتے تھے تو پھر آپ کے بارے میں کہ آپ ایمان سے واقف نہیں تھے، اس کا کیا مطلب ہے؟

جواب: ایمان سے مراد احکام و شرائع اور اس کی تفاصیل ہیں جن سے آپ نزول وحی سے پہلے واقف نہیں تھے۔

تفسیر وتشریح

وَتَرَاهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا (الآیة) آخرت میں مومنین جب مشرکین وکافرین کی حالت زار کو دیکھیں گے تو کہیں گے، یہ کافر ہمیں دنیا میں بیوقوف اور دنیوی خسارے کا حامل سمجھتے تھے، جبکہ ہم دنیا میں صرف آخرت کو ترجیح دیتے تھے، اور دنیا کے خساروں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے، آج دیکھ لو حقیقی خسارے سے کون دوچار ہے؟ آیا وہ جنہوں نے دنیا کے عارضی خسارے کو نظر انداز کئے رکھا اور آج وہ جنت کے مزے لوٹ رہے ہیں، یا وہ جنہوں نے دنیا کو ہی سب کچھ سمجھ رکھا تھا، اور آج ایسے عذاب میں گرفتار ہیں، جس سے اب چھٹکارا ممکن ہی نہیں۔

مَا لَكُمْ مِنْ مَلْجَأٍ يَوْمَئِذٍ وَمَا لَكُمْ مِنْ نَكِيْرٍ نکیر کے معنی انکار کے ہیں، یعنی اے مشرکو! تم روز قیامت اپنے گناہوں کا انکار نہ کرسکو گے، کیونکہ اول تو سب لکھے ہوئے ہوں گے، دوسرے خود ان کے اعضاء بھی گواہی دیں گے، اس آیت کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ تمہارے لئے کوئی ایسی جگہ نہیں ہوگی کہ جس میں تم چھپ کر انجان و بے نشان بن جاؤ اور پہچانے نہ جاسکو، یا نظر ہی نہ آسکو۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَا اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا یعنی اگر یہ لوگ آپ کی دعوت سے اعراض کریں تو آپ زیادہ فکرمند اور زیادہ رنجیدہ نہ ہوں، اس لئے کہ آپ کو ان پر نگہبان اور ان کے اعمال کا نگران بنا کر نہیں بھیجا گیا، مطلب یہ ہے کہ آپ کی ذمہ داری صرف اور صرف اتنی ہے کہ آپ اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچا دیں، مانیں نہ مانیں، آپ سے اس کی باز پرس نہیں ہوگی، اس لئے کہ ہدایت دینا آپ کے اختیار میں ہے ہی نہیں، یہ صرف اللہ کے اختیار میں ہے، اسی مضمون کو دوسری آیتوں میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ (البقرة) فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ (الرعد) فَذَكِّرْ اِنَّمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (الغاشية) ان تمام آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ آپ امت کو اپنا پیغام پہنچا دیں، اور بس۔

نکتہ: اِذَا اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً (الآیة) دنیوی نعمتیں اگرچہ کتنی ہی عظیم کیوں نہ ہوں مگر سعادت اخروی کے مقابلہ میں ان کی حیثیت ایسی ہی ہے جیسا کہ دریا کے مقابلہ میں ایک قطرہ، اور کھانے کے مقابلہ میں چکھنا، اسی وجہ سے مذکورہ آیت میں دنیوی نعمتوں کو چکھانے سے تعبیر فرمایا ہے۔ (جمل)

نکتہ: دنیوی نعمتوں کے حصول کو اِذَا سے تعبیر فرمایا ہے جو کہ یقیناً حصول پر دلالت کرتا ہے اور اخروی بلاء ومصیبت کو اِنْ سے تعبیر کیا ہے جو یقینی حصول پر دلالت نہیں کرتا، دونوں کی تعبیر میں فرق اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت، صفت غضب سے بہت بڑھی ہوئی ہے، گویا کہ رحمت ذات خداوندی کا تقاضہ ہے، وہ دنیا میں بڑے سے بڑے ملحد ومشرک کو دنیوی نعمتوں سے محروم نہیں کرتا، اور کسی کا بھی اس کے جرم وخطاء کی وجہ سے رزق بند نہیں کرتا بلکہ زیادہ تر گناہوں سے درگذر فرماتا ہے، اس لئے ہر جرم وخطاء کی سزا یقینی نہیں، اور غیر یقینی چیز کے لئے اِنْ کا استعمال ہوتا ہے۔

لِلّٰہِ مُلْكُ السمٰوات والارض (الآیة) یعنی کائنات میں صرف اسی کی مشیت اور تدبیر چلتی ہے، وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا، کوئی دوسرا اس میں دخل اندازی کرنے کی قدرت اور اختیار نہیں رکھتا، جب یہ بات مسلم ہے کہ کائنات میں تصرف صرف اسی کا حق ہے کسی کی اس میں دخل اندازی کی گنجائش نہیں تو وہ اپنی مشیئت اور اختیار کے ماتحت، جس کو چاہتا ہے لڑکا دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے لڑکی اور جس کو چاہتا ہے دونوں دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے دونوں سے محروم کر دیتا ہے، یہ تقسیم اولاد کے اعتبار سے ہے یعنی فروع کے اعتبار سے، اصول کے اعتبار سے بھی انسانوں کی چار قسمیں ہیں ① بغیر ماں باپ کے جیسے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مٹی سے پیدا فرمایا، نہ ان کی ماں ہے اور نہ باپ ② بغیر ماں کے جیسے حضرت حوا کہ ان کو صرف مرد (آدم) سے پیدا کیا ③ بغیر باپ کے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صرف عورت سے پیدا کیا ان کے باپ نہیں ④ ماں باپ سے جیسے تمام انسان، مرد اور عورت سے، **فسبحان الله العليم القدير** (ابن کثیر) ان آیات میں بچوں کی اقسام بیان کرنے میں حق تعالیٰ نے پہلے لڑکیوں کا ذکر فرمایا ہے، لڑکوں کا ذکر بعد میں کیا ہے، اسی آیت کے اشارہ سے حضرت واثلہ بن اسقع نے فرمایا کہ جس عورت کے بطن سے پہلے لڑکی پیدا ہو وہ مبارک ہوتی ہے۔ (قرطبی، معارف)

شانِ نزول:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا یہ آیت یہود کے ایک معاندانہ مطالبہ کے جواب میں نازل ہوئی ہے، ایک روز یہود نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ ہم آپ پر کیسے ایمان لے آئیں، جبکہ آپ نہ خدا کو دیکھتے ہیں اور نہ بالمشافہ اس سے کلام کرتے ہیں، جیسا کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کلام کرتے تھے، اور اللہ کو دیکھتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کہنا غلط ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حق تعالیٰ کو دیکھا ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی (قرطبی، معارف) آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی انسان کے لئے حق تعالیٰ سے بالمشافہ کلام کرنا اس دنیا میں ممکن نہیں، خود حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی بالمشافہ کلام نہیں سنا، بلکہ پس پردہ صرف آواز سنی۔

نزول وحی کی تین صورتیں:

اس آیت میں نزول وحی الٰہی کی تین صورتیں بیان فرمائی گئی ہیں ① دل میں کسی بات کا ڈالدینا یا خواب میں بتلا دینا اس یقین کے ساتھ کہ یہ اللہ ہی کی طرف سے ہے ② پردے کے پیچھے سے کلام کرنا، جیسے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کوہِ طور پر کیا گیا ③ فرشتے کے ذریعہ اپنی وحی بھیجنا جیسا کہ جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام پیغام لے کر آتے تھے اور پیغمبروں کو سناتے تھے، مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کسی انسان سے رو در رو کلام نہیں کرتا۔

شبہ: حدیث شریف میں وارد ہے آپ ﷺ نے حضرت جابر بن عبداللہ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بدون حجاب کے کسی بشر سے کلام نہیں کرتا، مگر تمہارے والد عبداللہ سے رو در رو کلام فرمایا (یہ احد میں شہید ہو گئے تھے) لہٰذا آیت اور حدیث میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔

دفع: یہ حدیث آیت مذکورہ کے مفہوم کے خلاف نہیں ہے اس لئے کہ نفی عالم دنیا سے متعلق ہے اور یہ رو در رو گفتگو عالم برزخ میں ہوئی۔ (خلاصة التفاسیر)

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا الخ "روح" سے مراد قرآن ہے یعنی جس طرح آپ سے پہلے ہم سابق انبیاء پر وحی کرتے رہے ہیں اسی طرح ہم نے آپ پر وحی کی ہے، قرآن کو روح سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ قرآن سے دلوں کو زندگی حاصل ہوتی ہے، جس طرح کہ روح میں انسانی زندگی کا راز مضمر ہے۔

کتاب اور ایمان کو نہ جاننے کا مطلب ہے ان کی تفصیلات سے واقف نہ ہونا، ورنہ نفس ایمان اور لازمی متعلقات سے ہر نبی مبعوث ہونے سے پہلے ہی واقف ہوتا ہے، آپ ﷺ کے بارے میں وارد ہوا ہے کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام آب و گل میں تھے اور آپ ﷺ نبی مرسل، اس حدیث شریف میں سبقت آفرینش اور اعطائے صلاحیتِ نبوت کا ذکر ہے، نہ کہ تفصیلات شرائع نبوت کا۔

سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ مَكِّيَّةٌ وقِيلَ اِلَّا وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا الاٰيَة تِسْعٌ وَّثمانُونَ ايَةً.

سورۂ زخرف مکی ہے اور کہا گیا ہے کہ وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا الْاٰيَةَ مستثنیٰ ہے، نواسی (۸۹) آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ حٰمٓ ۚ۝ اَللّٰهُ اَعلَمُ بِمُرادِهِ به وَالْكِتٰبِ القُراٰن الْمُبِيْنِ ۙ۝ المُظهِرِ طريقَ الهُدى ومَا يُحتاجُ اليه مِنَ الشَّريعَةِ اِنَّا جَعَلْنٰهُ اَوجَدْنَا الكِتابَ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا بلُغةِ العَرَبِ لَّعَلَّكُمْ يا اَهلَ مكةَ تَعْقِلُوْنَ ۚ۝ تفهَمُوْنَ معَانِيَه وَاِنَّهٗ مُثبتٌ فِيْۤ اُمِّ الْكِتٰبِ اصلِ الكِتاب اى اللوحِ المَحفوظِ لَدَيْنَا بدَلٌ عِندَنا لَعَلِيٌّ على الكُتُب قبلَه حَكِيْمٌ ۝ ذُو حِكمَةٍ بالِغةٍ اَفَنَضْرِبُ نُمسِكُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ القُراٰن صَفْحًا اِمسَاكًا فلا تُؤمَرُونَ ولَا تُنهَونَ لِاَجلِ اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ۝ وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَمَا كان يَاْتِيْهِمْ اتاهم مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ كاستِهزَاءِ قَومِكَ بكَ وهذا تَسلِيَةٌ له صلى اللّٰه عليه وسلم فَاَهْلَكْنَاۤ اَشَدَّ مِنْهُمْ مِن قَومِكَ بَطْشًا قُوَّةً وَّمَضٰى سَبَقَ فِى اٰياتٍ مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ صِفَتُهم فى الاِهلَاكِ فعَاقِبَةُ قَومِكَ كذلك وَلَئِنْ لامُ قَسَمٍ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ حُذِفَ منه نُونُ الرَّفعِ لِتَوالِى النُّونَاتِ وواوُ الضمير لِالتِقاءِ السَاكِنَين خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝ اٰخِرُ جَوابِهم اى اللّٰهُ ذو العِزَّةِ والعِلمِ زادَ تعالٰى الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا فِراشًا كالمَهدِ للصَبِيِّ وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا طُرُقًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ الى مَقاصِدِكم فى اَسفارِكم وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ اى بقَدرِ حاجَتِكم اليه ولم يُنزِّلهُ طُوفَانًا فَاَنْشَرْنَا اَحيَينَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ اى مِثلَ هذا الاِحيَاءِ تُخْرَجُوْنَ ۝ مِن قُبورِكم اَحيَاءً وَالَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ الاَصنافَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ السُفنِ وَالْاَنْعَامِ كالاِبلِ مَا تَرْكَبُوْنَ ۝ حُذِفَ العائِدُ اِختِصارًا وهو مجرورٌ

مع عند التقدمين

فی الاوّلِ ای فیه مَنصُوبٌ فِي الثّانی **لِتَسْتَوٗا** لتستقِرُّوا **عَلٰی ظُهُوْرِهٖ** ذَکَرَ الضمیرَ وجمعَ الظَّهرُ نظرًا لِلَفظِ مَا ومَعناها **ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ** مُطِیقِینَ **وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ** لمُنصرفُونَ **وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا** حیثُ قالُوا الملئِکَةُ بَنَاتُ اللّٰهِ لِاَنَّ الوَلَدَ جُزءُ الوَالِدِ والمَلئِکَةُ مِن عِبادِ اللّٰهِ **اِنَّ الْاِنْسَانَ** القَائِلَ ذٰلك **لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ** بَیِّنٌ ظَاهِرِ الکُفرِ.

ع ۵ / ۷

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے حٰمٓ اس سے اپنی مراد کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے قسم ہے اس کتاب کی جو ہدایت کے راستہ کو اور ضروری (قوانین) شریعت کو واضح کرنے والی ہے، اور ہم نے اس کتاب کو عربی زبان کا قرآن بنایا ہے تاکہ تم اے مکہ والو! اس کے معانی کو سمجھ لو اور وہ اصل کتاب یعنی لوح محفوظ میں موجود ہے ہمارے نزدیک سابقہ کتابوں کے مقابلہ میں عالی مرتبت بڑی حکمت والی (کتاب) ہے، **لَدَیْنَا** (**فی ام الکتاب**) سے بدل ہے (**لَدَیْنَا**) معنی میں **عندنا** کے ہے (صاوی) کیا ہم اس نصیحت نامہ (یعنی) قرآن کو تم سے روک لیں کہ تم کو نہ حکم کیا جائے اور نہ منع کیا جائے اس بناء پر کہ تم حد سے تجاوز کرنے والے لوگ ہو اور ہم نے اگلے لوگوں میں بھی کتنے ہی نبی بھیجے، ان کے پاس کوئی نبی ایسا نہیں آیا کہ اس کا انہوں نے مذاق نہ اڑایا ہو جیسا کہ تیری قوم نے تیرا مذاق اڑایا، اور یہ آپ ﷺ کی تسلی ہے پس ہم نے ان سے یعنی تیری قوم سے زیادہ زور آوروں کو ہلاک کر ڈالا اور آیات میں اگلوں کی مثالیں گذر چکی ہیں (یعنی) ہلاکت میں ان کی کیفیت (گذر چکی ہے) تیری قوم کا انجام بھی ایسا ہی ہوگا اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو وہ یقیناً یہی جواب دیں گے، کہ ان کو غالب و دانا (اللہ) نے پیدا کیا (**لَیَقُوْلُنَّ**) میں نونِ رفع متعدد نونوں کے جمع ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا، اور واو ضمیر التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف ہو گیا، اور **ذو العزة و العلم** (یعنی) **العزیز العلیم** پر مشرکین کا کلام (جواب) پورا ہو گیا (اس کلام پر) اللہ تعالیٰ نے **الّذی جَعَلَ لکم** (سے) **وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ** تک زیادہ فرمایا، جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا، جیسا کہ بچہ کے لئے گہوارہ اور اس میں تمہارے لئے راستے بنائے تاکہ تم اپنے سفر میں اپنے مقاصد تک رسائی حاصل کرو اور اسی نے ایک اندازہ کے مطابق پانی نازل فرمایا یعنی تمہاری ضرورت کے مطابق اور اس کو طوفان کی شکل میں نازل نہیں کیا پس ہم نے اس کے ذریعہ مردہ شہر (خشک زمین) کو زندہ کر دیا، اسی طرح یعنی اس احیاء کے مانند تم کو قبروں سے زندہ کر کے نکالا جائے گا، جس پر ہر چیز کے جوڑے بنائے اور تمہارے لئے کشتیاں بنائیں، اور جانور مثلاً اونٹ پیدا کئے جن پر تم سوار ہوتے ہو (ضمیر) عائد کو اختصاراً حذف کر دیا گیا اور وہ عائد اول (یعنی **مِنَ الْفُلْكِ** میں) مجرور ہے، یعنی **ترکبونَ فیهِ** اور ثانی یعنی **و الاَنعام** میں منصوب ہے (یعنی **ترکبونَهٗ**) تاکہ تم ان کی پیٹھوں پر جم کر سواری کر سکو (**ظهورهٖ**) میں ہ ضمیر کو مذکر (مفرد) لائے اور **ظُهُور** کو جمع **مَا** کے لفظ اور معنی کی رعایت کرتے ہوئے پھر تم اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو جب تم اس پر ٹھیک ٹھاک بیٹھ جاؤ اور کہو پاک ذات ہے اس کی جس نے اسے ہمارے بس

میں کر دیا حالانکہ ہمارے اندر اسے قابو میں کرنے کی طاقت نہ تھی اور یقیناً ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں، اور انہوں نے اللہ کے بعض بندوں کو اس کا جز ٹھہرا دیا، جبکہ انہوں نے کہا ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں، اس لئے کہ ولد، والد کا جزء ہوتا ہے، حالانکہ فرشتے اللہ کے بندے ہیں یقیناً اس بات کا قائل انسان کھلم کھلا کفر کرنے والا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ: زُخْرُف ملمع، زرین، آراستہ، زینت، زخرف کا استعمال جب قول کے ساتھ ہوتا ہے، تو جھوٹ، فریب وغیرہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، ارشاد ہے زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ملمع کی ہوئی فریب کی باتیں۔

(لغات القرآن ملخصًا)

قَوْلُہٗ: والکتابِ المبین واو قسمیہ جارہ ہے، الکتابُ المبینُ موصوف باصفت مجرور ہے، جار با مجرور متعلق اقسِمُ فعل محذوف کے، فعل اپنے فاعل و متعلق سے مل کر قسم اور اِنَّا جَعَلْنَاهُ جواب قسم۔

قَوْلُہٗ: اَوْجَدْنَا الْکِتَابَ مفسر علام نے جَعَلْنَاه کی تفسیر اَوْجَدْنَا الکتابَ سے کر کے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے۔

اعتراض: جَعَلَ قرآن کے مجعول ہونے پر دلالت کرتا ہے اور مجعول مخلوق ہوتا ہے، لہٰذا اس سے قرآن کا مخلوق ہونا لازم آتا ہے، جو کہ عقیدہ اور نظریہ ہے معتزلہ کا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَجَعَلَ الظلمات والنورَ اللہ تعالیٰ نے نور و ظلمت کو پیدا فرمایا، حالانکہ یہ اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے خلاف ہے، اہل سنت والجماعت کے نزدیک کلام نفسی صفت خداوندی ہونے کی وجہ سے غیر مخلوق و قدیم ہے۔

جَوَابٌ: جواب کا ماحصل یہ ہے کہ جَعَلَ خلق کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ قرآن کریم میں بھی دیگر معانی کے لئے استعمال ہوا ہے، مثلاً بَعَثَ کے معنی میں استعمال ہوا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول وَجَعَلْنَا مَعَهٗ اَخَاهُ هارونَ وزیرًا اور جَعَلَ بمعنی قَالَ بھی مستعمل ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا یعنی مشرکوں نے اس کے بندوں میں سے بعض کو اس کا جزء کہا، یا جز ہونے کا عقیدہ رکھا، اور جَعَلَ بمعنی صَیَّرَ بھی مستعمل ہے، کقولہٖ تعالیٰ وَجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَکِنَّةً ہم نے انکے دلوں پر پردے ڈال دیئے، جَعَلْنَاهُ کی تفسیر صَیَّرْنَاه کے بجائے اَوْجَدْنَاه سے کر کے اشارہ کر دیا کہ جَعَلَ متعدی بیک مفعول ہے، اور وہ جعلناہ کی مفعولی ضمیر ہے، جس کا مرجع کتاب ہے، اور کتابًا عربیًا موصوف صفت سے مل کر جَعَلْنَاه کی مفعولی ضمیر سے حال ہے، بعض مفسرین نے جَعَلَ کو صَیَّرَ کے معنی میں لے کر ہٗ ضمیر کو مفعول بہ اول اور قرآنًا عربیًا کو موصوف صفت سے مل کر مفعول بہ ثانی قرار دیا ہے۔

البتہ زمخشری نے جَعَلَ بمعنی خَلَقَ جائز قرار دیا ہے، اور یہ قرآن کے مخلوق ہونے کے معتزلہ کے عقیدہ کے مطابق ہے۔ (اعراب القرآن) مسئلہ کی مزید وضاحت انشاء اللہ تفسیر و توضیح کے زیر عنوان تحریر کی جائے گی۔

قَوْلُہٗ: وَاِنَّهٗ فِیْ اُمِّ الکتابِ اس کا عطف جواب قسم پر ہے، اس طرح یہ دوسرا جواب قسم ہے، علامہ محلی نے مُثْبَتٌ محذوف

مان کر اشارہ کر دیا کہ فِی اُمِّ الکتابِ جار مجرور سے مل کر اِنَّ کی خبر ہے، اور لَدَیْنَا فی ام الکتاب سے بدل ہے اور معنی میں عندنا کے ہے، اور لَعَلِیٌّ حکِیْمٌ اِنّ کی خبر ثانی ہے، اور اُمُّ الکتاب بمعنی اصل کتاب، یعنی لوح محفوظ ہے۔

قِوْلَهُ: اَفَنَضْرِبُ ہمزہ محذوف پر داخل ہے اور فاء عاطفہ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اَنُهْمِلُكُمْ فَنَضْرِبُ الخ استفہام انکاری ہے، جس کی طرف مفسر علام نے کلام کے آخر میں، لا محذوف مان کر اشارہ کر دیا ہے یعنی قرآن سے تمہارے اعراض کرنے کی وجہ سے قرآن کے نزول کے سلسلہ کو موقوف نہیں کریں گے، بلکہ نزول کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے قرآن کا نزول مکمل کریں گے، تاکہ تمہارے اوپر حجت تام ہو جائے۔

قِوْلَهُ: نُمْسِكُ مفسر علام نے نضربُ کی تفسیر نُمسِكُ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ صَفْحًا، نَضْربُ کا مفعول مطلق ہے، اور صفحًا، اِمْسَاكًا کے معنی میں ہے ای نُمْسِكُ اِمْسَاكًا.

قِوْلَهُ: اِنْ كُنْتُمْ قومًا مسرفین نافع رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اِنْ کو شرطیہ قرار دیکر ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

سُوَال: اِنْ شرطیہ غیر محقق پر داخل ہوتا ہے، حالانکہ مشرکین کا شرک محقق تھا، تو یہاں اِنْ شرطیہ کیسے درست ہوگا؟

جَوَاب: اِنْ شرطیہ کبھی امر محقق پر بھی داخل ہو جاتا ہے، مخاطب کو یہ تاثر دینے کے لئے کہ متکلم کو وقوع شرط کا یقین نہیں ہے بلکہ وہ وقوع شرط کے بارے میں تردد اور شک میں ہے، یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ اس قسم کے فعل کا صدور صاحب عقل وفہم سے مستبعد ہے۔

اور باقی قراء نے أن كُنْتُمْ ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے، اور لام تعلیلیہ کو مقدر مانا ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اَیْ لِاَنْ كُنْتُمْ قومًا مسرفین یعنی کیا ہم اس وجہ سے کہ تم حد سے تجاوز کرنے والی قوم ہو قرآن کے نزول کو روک لیں گے، یعنی ہم ایسا نہیں کریں گے۔

قِوْلَهُ: كَمْ اَرْسَلْنَا، كَمْ خبریہ اَرْسَلنا کا مفعول مقدم ہے۔

قِوْلَهُ: اَتاهُمْ، یاتِیْهِمْ کی تفسیر اتاهم سے کر کے اشارہ کر دیا کہ مضارع بمعنی ماضی ہے، صورت عجیبہ کے استحضار پر دلالت کرنے کے لئے ماضی کو مضارع سے تعبیر کر دیا ہے۔

قِوْلَهُ: اَشَدَّ مِنْهُمْ یہ موصوف محذوف کی صفت ہے اور موصوف اَهْلکنا کا مفعول ہے اور بطشًا تمیز ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اَهلكنا قومًا اَشَدَّ مِنْ قومِكَ من جهةِ البطشِ.

قِوْلَهُ: وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ میں واو عاطفہ اور قسمیہ ہے اور اِنْ شرطیہ ہے لَیَقُولُنَّ جواب قسم ہے اور جواب شرط محذوف ہے، جواب قسم جواب شرط پر دلالت کر رہا ہے، قسم اور شرط جب جمع ہو جائیں تو اول کا جواب مذکور ہوتا ہے، اسی معروف قاعدہ کی بناء پر یہاں جواب قسم مذکور اور جواب شرط محذوف ہے، جواب شرط کے محذوف ہونے کا دوسرا قرینہ یہاں یہ بھی ہے کہ مفسر علام نے لَیَقُولُنَّ میں نون رفع کے حذف کی علت اجتماع نونات کو قرار دیا ہے، اگر لَیَقُولُنَّ جواب شرط ہوتا تو مفسر علام حذفتِ النون للجازم فرماتے۔

قِوْلَهُ: زاد تعالٰی اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ (الآیة) مفسر علام کے زاد تعالٰی کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ مشرکین

کا کلام العزیز العلیم پر ختم ہوگیا، اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمْ سے باری تعالیٰ کا کلام شروع ہوا ہے، اس لئے کہ اگر یہ کلام بھی مشرکوں کا ہوتا تو وہ جَعَلَ لَنَا الْاَرْضَ مَھْدًا الخ کہتے۔

قَوْلُہٗ: اَلاصناف اس لفظ کے اضافہ کا مقصد اَلْاَزْوَاج کے معنی کی تعیین ہے، اس لئے کہ ازواج یہاں اپنے مشہور معنی (جوڑا) میں مستعمل نہیں ہے بلکہ مطلقاً اقسام وانواع کے معنی میں ہے۔

قَوْلُہٗ: فَاَنْشَرْنَا اس میں التفات عن الغیبت الی التکلم ہے۔

قَوْلُہٗ: حُذِفَ العائد الخ مَا تَرْکَبُوْنَ، ما موصول ترکبون جملہ ہوکر صلہ، قاعدہ یہ ہے کہ جب صلہ جملہ ہو تو اس میں ایک ضمیر ضروری ہوتی ہے، جو موصول کی طرف راجع ہوتی ہے، یہاں اس کو اختصاراً حذف کر دیا گیا ہے ما ترکبون کا تعلق چونکہ فُلك اور انعام دونوں سے ہے، اس لئے کہ جب مَا تَرْکَبُوْنَ کا تعلق اَلْفُلك سے ہوگا تو عائد فِیْهِ محذوف ہوگا، اس لئے رکبت فی الفلك بولتے ہیں نہ کہ رکبتُ الْفُلْكَ اور جب اس کا تعلق انعام سے ہوگا تو عائد منصوب ہوگا، اس لئے رکبتُ الابل مستعمل ہے نہ کہ رکبتُ علی الابل.

قَوْلُہٗ: ذُکِّرَ الضمیر مفسر علام ظهورہٖ کے بارے میں بتانا چاہتے ہیں، کہ ظُهورہٖ میں ہٖ ضمیر مذکر اور ظهور جمع لائے ہیں، ظهورٌ ظهرٌ کی جمع ہے بمعنی پشت، انعام کی پشت مراد ہے، اور ہٖ ضمیر سے بھی انعام ہی مراد ہیں، دونوں میں مطابقت نہیں ہے جبکہ مراد دونوں سے ایک ہی ہے، اس کا جواب مفسر علام نے یہ دیا ہے کہ یہ فرق لفظ ما کے لفظ اور معنی کے فرق کی وجہ سے ہے، لفظ مَا جو کہ لفظاً مفرد ہے، اس لئے ضمیر کو مفرد مذکر لایا گیا اور معناً چونکہ جمع ہے اس لئے ظهور کو جمع لایا گیا۔

تَنْبِیْہٌ: مفسر علام اگر ذُکِّرَ الضمیر کے بجائے اُفْرِدَ الضمیر فرماتے تو زیادہ بہتر ہوتا، اس لئے کہ جمع کے مقابلہ میں مفرد آتا ہے نہ کہ مذکر، اگر دونوں میں ما کے معنی کی رعایت ہوتی تو علیٰ ظهورها ہوتا، اور اگر دونوں جگہ لفظ کی رعایت ہوتی تو ظهرہٖ ہوتا۔

قَوْلُہٗ: مُقْرِنِیْنَ ای مُطِیْقِیْنَ ماخوذ مِنْ اَقْرَنَ الشئ اِذا اَطَاقَهٗ.

تفسیر وتشریح

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم حٰمٓ والکتاب المبین اِنا جعلنٰهُ قرآنًا عربیًا.

حٰمٓ حروف مقطعات میں سے ہے، واجب الاعتقاد ما بہ المراد، اور سکوت عن التاویل ہے، یہی طریقہ احوط اور افضل ہے، ام الکتاب سے اصل کتاب جو کہ لوح محفوظ ہے مراد ہے، یعنی کتاب ظاہر البیان ہے کہ ہم نے اس کو عربی کا قرآن بنایا تاکہ تم آسانی سے سمجھ لو، بے شک وہ لوح محفوظ میں ہمارے پاس ہے، مراتب ومقاصد ومعانی میں اعلیٰ ہے، حکمتوں سے پُر ہے، وہ بنفسہٖ بھی افضل ہے اور دیگر آسمانی کتابوں پر بھی اس کی فضیلت مسلم ہے۔

قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق:

اہل سنت والجماعت کے نزدیک قرآن قدیم غیر مخلوق ہے، معتزلہ حادث مخلوق مانتے ہیں، اور جعلناہ قرآنًا عربیًا سے قرآن کے مخلوق ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔

بحث: اب جبکہ قرآن کے مخلوق وغیر مخلوق ہونے کا ذکر آہی گیا تو مسئلہ کی تنقیح وتوضیح نیز معتزلہ کی تاریخ کا قدرے تفصیلی ذکر فائدے سے خالی نہ ہوگا، معتزلہ نے اِنا جَعَلْنَاہ قرآنًا عربیًا سے قرآن کو مجعول ومخلوق ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ہے لفظ جعلنا قرآن کے مجعول ہونے پر دلالت کرتا ہے، اور مجعول مخلوق ہوتا ہے اور ہر مخلوق حادث ہوتا ہے، لہٰذا ثابت ہوگیا کہ قرآن مخلوق وحادث ہے۔

جواب: جَعَل کو خَلَقَ کے ساتھ خاص کرنا اور اس کے دوسرے معانی سے صرف نظر کرنا زبردستی اور دھاندلی کی بات ہے جبکہ خود قرآن میں دیگر متعدد معانی، مثلاً بَعَثَ، قَالَ، صَیَّرَ کے معنی میں استعمال ہوا ہے، جس کی تفصیل مع امثلہ تحقیق وترکیب کے زیرعنوان گذر چکی ہے۔

قرآن کے مخلوق ہونے پر معتزلہ کا طریق استدلال:

❶ لفظ جَعَلَ سے استدلال کرتے ہیں کہ قرآن مجعول ہے اور جو مجعول ہوتا ہے وہ مخلوق ومصنوع ہوتا ہے۔

❷ کتاب کی صفت قرآن لائی گئی ہے، جس کے معنی ہیں بعض کا بعض کے ساتھ مقرون ومتصل ہونا یہ بھی مخلوق ومصنوع کی صفت ہے۔

❸ قرآن کو عربیًا کی صفت کے ساتھ متصف کیا ہے، اور عربی کو عربی اس لئے کہتے ہیں کہ عرب نے اپنی اصطلاح میں الفاظ کی وضع کے ساتھ خاص کیا ہے، یہ بھی قرآن کے مخلوق ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ (جمل)

دراصل بات یہ ہے کہ قرآن کی دو نسبتیں ہیں، اول معنوی اور دوسری تعبیری، جس کو متکلمین کی اصطلاح میں کلام نفسی اور کلام لفظی سے تعبیر کرتے ہیں، نسبت معنوی یا کلام نفسی یہ باری تعالیٰ کی صفت قدیم غیر حادث ہے، عوارض وحوادث سے پاک، صوت، حروف، لغت وغیرہ سے منزہ ہے، البتہ تعبیری نسبت جس کو کلام لفظی بھی کہتے ہیں، یعنی وہ نسبت وتعبیر جو ہمارے سمجھانے اور ادراک کے لئے ہے، اس میں صوت، حروف وکلمات ونقوش سب شامل ہیں، یہ بداہۃً حادث ہیں، آیت مذکورہ میں اسی کلام نفسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

امام رازی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی طرف سے معتزلہ کا جواب:

خلق قرآن کے قائلین نے قرآن کے مخلوق ہونے پر جو مذکورہ آیت سے تین طریقہ سے استدلال کیا ہے یہ استدلال کلام لفظی پر صادق آتا ہے نہ کہ کلام نفسی پر اور کلام لفظی کے مخلوق و حادث ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، اختلاف کلام نفسی کے بارے میں ہے، جو کہ باری تعالیٰ کی صفت قدیم ہے۔

صاحب روح المعانی علامہ آلوسی کی تحقیق:

علامہ فرماتے ہیں اِنّا جعلناہُ جواب قسم ہے اور جَعَلَ بمعنی صَیَّرَ متعدی بدو مفعول ہے نہ کہ بمعنی خَلَقَ متعدی بیک مفعول آگے چل کر علامہ فرماتے ہیں کہ میں یہ اس لئے نہیں کہہ رہا ہوں کہ یہ تعظیم قرآن کے خلاف ہے بلکہ بات یہ ہے کہ ذوق مقام اس کا اباء کرتا ہے اس لئے کہ اِنَّا جَعَلْنَاہ کو اِنّ کے ذریعہ تاکید کے ساتھ لایا گیا ہے، حالانکہ ماقبل میں کہیں خلق قرآن کا ذکر نہیں ہے اور نہ ماسبق میں منکرین خلق قرآن کا ذکر ہے کہ ان کی تردید کے لئے کلام کو مؤکد لایا گیا ہو، بلکہ مذکورہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کو واضح اور فصیح عربی میں نازل کیا گیا ہے، جو کہ عرب کے اسلوب اور طرز پر وارد ہوا ہے تاکہ عرب کے لئے اس کا سمجھنا دشوار نہ ہو اور آسانی سے قرآن کے معجزہ ہونے کا ادراک کر سکیں، اسی مفہوم کی تائید اللہ تعالیٰ کے قول لعلکم تعقلون سے ہوتی ہے، گویا کہ لعلکم تعقلون قرآن کو عربی میں نازل کرنے کی علت ہے۔

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا اور خلق قرآن:

ابن مردویہ نے طاؤس سے روایت کیا ہے، حضر موت سے ایک شخص حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کیا: اے ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ! آپ مجھے بتائیں کہ قرآن اللہ کے کلام میں سے ایک کلام ہے یا مخلوق خدا میں سے ایک مخلوق ہے، آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: کلام من کلام اللّٰہ تعالیٰ، اور کیا تو نے نہیں سنا اللہ سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا وَاِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشرِکِیْنَ استجارکَ فَاَجِرْہ حتی یَسْمَع کلامَ اللّٰہ حضر موتی شخص نے کہا: کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کے قول اِنا جَعلناہُ قرآنًا عربیًا میں غور نہیں کیا؟ حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے جواب دیا کَتَبَہُ اللّٰہ تعالیٰ فی اللوح المحفوظ بالعربیۃ یعنی جَعلنَا کا مطلب ہے لوح محفوظ میں عربی میں لکھنا۔ (روح المعانی)

معتزلہ کی تاریخ ولادت کا پس منظر:

فرقۂ معتزلہ کا بانی واصل بن عطاء ہے، جس کی پیدائش ۸۰ھ اور وفات ۱۳۱ھ میں ہے، جلیل القدر مشہور تابعی حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے شاگردوں میں سے ہے، جن کی پیدائش ۲۱ھ اور وفات ۱۱۰ھ میں ہے۔

معتزلہ کی وجہ تسمیہ:

حسن بصری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کی مجلس میں ایک شخص نے سوال کیا کہ ہمارے زمانہ میں کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مرتکب کبیرہ مومن نہیں، اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ایمان کے ہوتے ہوئے کسی بھی گناہ سے کچھ نہیں بگڑتا، اب آپ بتائیے کہ ہم کس کی بات کو حق سمجھیں تو حسن بصری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی سوچنے لگے، اتنے میں واصل بن عطا جو حسن بصری کے درس میں شریک ہوا کرتا تھا، بول پڑا کہ مرتکب کبیرہ نہ مومن ہے اور نہ کافر، اس طرح گویا کہ اس نے ایمان و کفر کے درمیان واسطہ ثابت کیا ہے، جس پر حسن بصری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا اِعتزلَ عنّا یہ ہماری جماعت سے خارج ہو گیا، اسی روز سے واصل بن عطا اور اس کے متبعین کی جماعت کو معتزلہ کہا جانے لگا، اگرچہ یہ لوگ اپنی جماعت کو اصحاب العدل والتوحید کہتے ہیں۔ (بیان الفوائد ملخصاً) عباسی خلیفہ ہارون رشید کے زمانہ میں خلق قرآن کے مسئلہ نے شدت اختیار نہیں کی تھی نہ کوئی خاص قسم کا نزاع تھا، البتہ جب ۱۳۷ھ میں مامون تخت خلافت پر متمکن ہوا تو اس مسئلہ میں شدت آ گئی، اس لئے کہ مامون نہ صرف یہ کہ خود خلق قرآن کا قائل تھا بلکہ اعتزال اور فرقۂ معتزلہ کا زبردست حامی بھی تھا، اس طرح معتزلہ کو حکومت وقت کی سرپرستی حاصل ہو گئی، مامون نے محدثین کو جو معتزلہ کے مخالف تھے خلق قرآن کے مسئلہ میں طاقت کے بل بوتے پر معتزلہ کا ہم نوا بنانے کی ٹھان لی، اور بعض محدثین کو خلق قرآن کا قائل نہ ہونے کی وجہ سے قتل کرا دیا، مامون کے بعد معتصم باللہ اور واثق باللہ نے بھی مامون کی وصیت کے مطابق اعتزال کا مسلک اختیار کیا، اور محدثین بالخصوص امام احمد بن حنبل رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کو قرآن کو مخلوق نہ ماننے کی وجہ سے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا، ایک روز معتصم نے امام احمد بن حنبل کو اپنے دربار میں بلایا اور ایک مجلس مناظرہ منعقد کی، جس میں عبدالرحمٰن بن اسحٰق، قاضی احمد بن داؤد وغیرہ تھے، تین روز تک ان حضرات کا مناظرہ ہوتا رہا، چوتھے روز بھی جب کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تو معتصم باللہ نے امام احمد بن حنبل کو کوڑے مارنے کا حکم دیا، مگر امام احمد بن حنبل اپنی رائے سے ٹس سے مس نہ ہوئے، حتی کہ آپ کوڑوں کی ضرب سے بے ہوش ہو گئے، اس کے بعد بھی امام صاحب کو تلوار کی نوک سے کچوکے دیئے گئے، اور ایک ٹاٹ میں لپیٹ کر آپ کو پیروں سے روندا گیا، اڑتیس کوڑوں کی ضرب لگانے کے بعد آپ کو ان کے گھر لائے، امام صاحب کو اٹھائیس ماہ جیل میں رکھا گیا۔ (اعراب القرآن) متوکل چونکہ اعتزال سے متنفر اور امام احمد بن حنبل کا معتقد تھا اس نے معتزلہ کا اثر و رسوخ ختم کر کے حکومت سے بے دخل کر دیا، جس سے ان کا زور ٹوٹ گیا۔

وَاِنَّهٗ فی ام الکتاب لَدَيْنَا لعلیٌّ حکیم اس آیت میں قرآن کریم کی اس عظمت و شرف کا بیان ہے جو ملاء اعلیٰ میں اسے حاصل ہے، تاکہ اہل زمین بھی اس کے شرف و عظمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے، اس کو قرار واقعی اہمیت دیں اور اس سے ہدایت کا وہ مقصد حاصل کریں جس کے لئے اسے دنیا میں اتارا گیا ہے۔

اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ الخ اس آیت کے مختلف معنی کئے گئے ہیں مثلاً تم چونکہ گناہوں میں بہت منہمک اور ان پر مصر ہو اس لئے کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ ہم تمہیں وعظ و نصیحت کرنا چھوڑ دیں گے؟ یا تمہارے کفر اور اسراف پر ہم تمہیں کچھ

نہ کہیں گے اور تم سے درگذر کریں گے۔

وجعلوا له من عباده جُزءًا ولد کو جزء سے تعبیر کر کے مشرکین کے اس دعوائے باطل کی تردید کی طرف اشارہ کر دیا، کہ اللہ کے اگر کوئی اولاد ہو تو وہ اس کی جزء ہوگی، اس لئے کہ بیٹا باپ کا جزء ہوتا ہے، اور یہ عقلی قاعدہ ہے کہ ہر کل وجود میں اپنے جزء کا محتاج ہوتا ہے تو اس سے لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ بھی اپنی اولاد کا محتاج ہے، اور یہ شان خداوندی کے خلاف ہے۔

اَمِ بمعنی ہمزۃِ الانکارِ والقولُ مُقدرٌ ای اَتَقُولُوْنَ **اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ** لِنَفْسِہٖ **وَّاَصْفٰىكُمْ** اَخلَصَکُم **بِالْبَنِيْنَ**⑯ اللازمِ مِن قولِکُم السابقِ فھو مِن جُملَۃِ المنکرِ **وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا** جعَلَ له شِبْهًا بنسبَۃِ البَنَاتِ الیه لِاَنَّ الوَلد یُشبِہُ الوَالِدَ، المعنی اِذَا اُخبِرَ اَحَدُہم بالبِنتِ تُولَدُ له **ظَلَّ** صارَ **وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا** مُتَغَیِّرًا تغیُّرَ مُغتمٍّ **وَّهُوَ كَظِيْمٌ**⑰ مُمتلِئٌ غمًّا فکیفَ یُنسَبُ البَنَاتُ الیه تعالیٰ عن ذٰلک **اَوَ** ہمزۃُ الانکارِ وواوُ العَطفِ بجُملَۃٍ ای یَجعَلُونَ لِلّٰہِ **مَنْ يُّنَشَّؤُا** ای یُرَبّٰی **فِي الْحِلْيَةِ** الزِیْنَۃِ **وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ**⑱ مُظھِرِ الحُجَّۃِ لضُعفِہٖ عنھا بالانوثَۃِ **وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ۭ اَشَهِدُوْا** حضَرُوا **خَلْقَهُمْ ۭ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ** بانّھم اِناثٌ **وَيُسْـَٔــلُوْنَ**⑲ عنھا فِی الاخرۃِ فیُتَرَتَّبُ علیھا العِقابُ **وَقَالُوْا لَوْ شَاۗءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ۭ** ای الملٰئکۃَ فعِبَادَتُنا اِیّاہُم بمَشیئتِہٖ فھو راضٍ بھا قال تعالیٰ **مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ** المَقُول مِنَ الرِّضا بعِبادتِھا **مِنْ عِلْمٍ ۤ اِنْ** ما **هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ**⑳ یَکذِبُوْنَ فیه فیُتَرَتَّبُ علیھم العِقابُ به **اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ** ای القراٰنِ بعِبَادۃِ غیرِ اللّٰہِ **فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ**㉑ ای لم یَقعْ ذٰلک **بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَاۗءَنَا عَلٰٓي اُمَّةٍ** مِلّۃٍ **وَّاِنَّا** ماشُوْنَ **عَلٰٓي اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ**㉒ بِھِم وکانوا یَعبُدُوْنَ غیرَ اللّٰہِ **وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ** مُتَنَعِّمُوھا مِثلَ قولِ قومِکَ **اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَاۗءَنَا عَلٰٓي اُمَّةٍ** مِلّۃٍ **وَّاِنَّا عَلٰٓي اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ**㉓ مُتَّبِعُوْنَ **قٰلَ** لھم اَتَتَّبِعُوْنَ ذٰلک **اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَاۗءَكُمْ ۭ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ** اَنتَ ومَن قبلَکَ **كٰفِرُوْنَ**㉔ قال تعالیٰ تَخویفًا لھم **فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ** ای مِن المُکذِّبِینَ لِلرُّسُلِ قبلَکَ **فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ**㉕ ع ۸

ترجمہ: کیا اللہ نے اپنی مخلوق میں سے بیٹیاں تو خود رکھ لیں اور تمہیں بیٹوں سے نوازا (یہ بات) تمہارے سابق قول سے لازم آرہی ہے، (اَمْ) میں ہمزہ انکار کے لئے ہے، اور قول مقدر ہے ای اَتَقُولُوْنَ ، وَاَصفَاکُم بالبَنِیْنَ کا عطف اِتَّخَذَ پر ہونے کی وجہ سے منجملہ منکر (ومذموم) ہے (حالانکہ) ان میں سے کسی کو جب اس چیز (بیٹی) کی خبر دیجائے جس کی تشبیہ اس نے (اللہ) رحمٰن کے لئے بیان کی ہے بیٹیوں کی اس کی طرف نسبت کر کے اس کا شبیہ قرار دیا، اس لئے کہ ولد والد کے مشابہ ہوتا ہے، معنی یہ کہ جب اس کے (گھر) پیدا ہونے والی بیٹی کی خبر دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ غمزدہ کے مانند متغیر ہو کر سیاہ

ہو جاتا ہے، حال یہ کہ وہ غم سے بھرا ہوا ہوتا ہے تو پھر وہ بیٹیوں کی نسبت اللہ کی طرف کیوں کرتا ہے؟ اللہ تعالیٰ تو اس سے برتر ہے (اَوَ) میں ہمزہ انکار کے لئے اور واو (عاطفہ) عطف جملہ کے لئے ہے یعنی کیا یہ لوگ ان کو کہ جن کی پرورش زیورات زینت میں ہو اور جھگڑے کے وقت اپنی بات واضح نہ کر سکیں، اللہ کے لئے ثابت کرتے ہیں یعنی بوجہ عورت ذات ہونے کے حجت میں کمزور ہونے کی وجہ سے (اپنے مدعا کو) ظاہر نہیں کر سکتی، اور انہوں نے فرشتوں کو جو رحمان کے بندے ہیں عورتیں قرار دے لیا کیا ان کی پیدائش کے موقع پر یہ موجود تھے؟ ان کی یہ گواہی کہ وہ عورتیں ہیں لکھ لی جائے گی اور اس بارے میں ان سے آخرت میں باز پرس ہوگی اور اس شہادت پر سزا مرتب ہوگی اور کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم ان کی یعنی ملائکہ کی عبادت نہ کرتے سو ہمارا فرشتوں کی بندگی کرنا اس کی مشیئت سے ہے اور وہ اس سے راضی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کو اس کی یعنی ان کی عبادت سے (اللہ کی) رضامندی کے بارے میں مقولہ کی کچھ خبر نہیں یہ تو محض اٹکل سے باتیں کرتے ہیں (یعنی) دروغ گوئی کرتے ہیں، اس دروغ گوئی کی وجہ سے ان کی سزا مرتب کی جائے گی کیا ہم نے انہیں اس سے یعنی قرآن سے پہلے کوئی (اور) کتاب دی جو غیر اللہ کی عبادت کے (جواز) کے بارے میں ہو جس کو وہ مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں یعنی ایسا نہیں ہوا بلکہ یہ تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک مذہب پر پایا اور ہم تو بلاشبہ ان کے نقش قدم پر چل رہے ہیں، ان ہی کی بدولت ہدایت یافتہ ہیں حالانکہ وہ غیر اللہ کی بندگی کرتے تھے، اسی طرح آپ سے پہلے بھی ہم نے جس بستی میں کوئی ڈرانے والا بھیجا وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے آپ کی قوم کے مانند جواب دیا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور ہم تو ان ہی کے نقش قدم کی پیروی کرنے والے ہیں (اے نبی آپ) ان سے دریافت کیجئے کیا تم اپنی قوم کی اس بات کی پیروی کرو گے اگرچہ میں تمہارے پاس اس سے بہتر طریقہ لے کر آیا ہوں جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم اس کے منکر ہیں جسے تم کو اور تم سے پہلے والوں کو دیکر بھیجا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو ڈرانے کے لئے کہا ہم نے ان سے یعنی آپ سے پہلے رسولوں کی تکذیب کرنے والوں سے انتقام لیا، دیکھ لے جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا؟

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اَللَّازِمُ مِنْ قَوْلِکُمُ السَّابِقِ قول سابق سے مراد مشرکین مکہ کا قول الملائکۃُ بنات اللّٰہ ہے یعنی ملائکہ کو جب اللہ کی بیٹیاں قرار دیدیا تو اس سے یہ بات خود بخود لازم آگئی کہ بیٹے ان قائلین کے لئے مخصوص ہیں، لہٰذا مشرکین مکہ کا قول وَاَصفاکم بالبَنین کا بھی جو کہ ان کے قول سابق کے لئے لازم ہے، منکر و مذموم ہونا ثابت ہو گیا۔

قَوْلُہٗ: بما ضَرَبَ، ما موصولہ سے بنات مراد ہیں، اور ضَرَبَ بمعنی جَعَلَ ہے جیسا کہ شارح نے جَعَلَ مقدر مان کر اشارہ کر دیا ہے جَعَلَ کا مفعول اول ۂ ضمیر محذوف ہے جو کہ موصول کا عائد بھی ہے ای ضَرَبَہٗ اور مثلاً مفعول ثانی ہے، معنی میں شبھًا کے ہے، تقدیر عبارت یہ ہے ای جَعَلَ البنات لہٗ شِبھًا یعنی بنات کی اللہ کی طرف نسبت کر کے بنات کو اللہ کے

مشابہ قرار دیدیا، اس لئے کہ اولاد والد کے مشابہ ہوا کرتی ہے۔

قِوْلَہٗ: اَوَ میں ہمزہ انکار کے لئے ہے اور واؤ عطف جملہ علی الجملہ کے لئے ہے بجملة میں با بمعنی لام ہے بجملة عطف سے متعلق ہے اور معطوف محذوف ہے اور وہ یَجْعَلُوْنَ ہے اور معطوف علیہ بھی محذوف ہے اور وہ یَجْتَرِؤُنَ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے أیَجْتَرِؤُن ویَجعلُوْنَ لِلّٰہِ مَنْ یُنَشَّأُ فِی الحِلیَةِ.

قِوْلَہٗ: یُنَشَّؤُا واحد مذکر غائب فعل مضارع مجہول، مصدر تَنْشِئَة پرورش پانا (تفعیل) وہ پرورش پاتا ہے، یہ ترجمہ مَنْ کے لفظ کا اعتبار کرنے کی صورت میں ہے اور معنی کے اعتبار کی صورت میں وہ پرورش پاتی ہیں ترجمہ ہوگا۔

قِوْلَہٗ: غَیْرُ مُبِین. مُظْهِرُ الحجة، مُبین کی تفسیر مُظْهِرٌ سے کرکے اشارہ کردیا کہ مبین یہاں ابَان متعدی سے ہے۔

قِوْلَہٗ: وَجَعلُوا الملائِکَةَ یہاں جَعَل بمعنی قال اور حَکَمَ ہے، کہا جاتا ہے جَعَلْتُ زیدًا اَعْلَمَ الناس زید کے بارے میں میں نے اَعْلَمَ الناس ہونے کا حکم لگایا۔

قِوْلَہٗ: لَو شاء الرّحمٰنُ، شاءَ کا مفعول محذوف ہے ای لَو شاء الرحمٰن عدم عِبادَةِ الملائکة مَا عَبَدْناھُمْ.

قِوْلَہٗ: اِنّا ماشُونَ علیٰ آثارهم، ماشونَ مقدر مان کر اشارہ کردیا کہ علیٰ آثارهم، ماشُونَ محذوف کے متعلق ہوکر اِنّا کی خبر ہے۔

قِوْلَہٗ: کذٰلك ای الأمر کماذُکِرَ یعنی عورتیں عام طور پر حجت میں عاجز اور کمزور ہوتی ہیں مَا اَرْسَلْنَا جملہ مستانفہ ہے أتَتَّبِعُوْنَ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہمزہ فعل محذوف پر داخل ہے اور واؤ حالیہ ہے ای أتقتدون بآبائکم ولو جِئتُکُمْ باَھدیٰ الخ ای بدینِ الأھدیٰ وَاَصْوَب مِمّا وَجَدْتُمْ الخ اسم تفضیل کا استعمال اِرْخاء عنان اور مخاطب کی بات بڑی کرنے کے طور پر ہے ورنہ ان کے دین اور طریقہ میں سرے سے ہدایت ہی نہیں ہے۔

تفسیر وتشریح

اَمِ اتَّخَذُوْا مِمَّا یَخْلُقُ اس آیت میں مشرکین کی جہالت اور سفاہت کا بیان ہے کہ انہوں نے اللہ کے لئے اولاد ٹھہرائی اور وہ بھی وہ کہ جس کو وہ خود اپنے لئے ناپسند کرتے ہیں یعنی لڑکیاں۔

اَوَ مَنْ یُنَشَّؤُا فِی الحِلْیَةِ یَنشَّؤُا نَشْوٌ سے ہے بمعنی تربیت ونشو ونما، یہاں عورتوں کی دو صفات کا تذکرہ بطور خاص کیا ہے، اول یہ کہ ان کی نشو ونما، زیب وزینت وزیورات میں ہوتی ہے یعنی شعور بیدار ہوتے ہی ان کی توجہ حسن افزا اور جمال افروز چیزوں کی طرف ہوتی ہے، مطلب یہ کہ جن کی حالت یہ ہے کہ وہ تو اپنے ذاتی معاملات کے درست کرنے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتیں، دوسرے اگر کسی سے بحث وتکرار ہوجائے تو وہ اپنی بات بھی صحیح طریقہ سے (فطری حجاب کی وجہ سے) واضح نہیں کرسکتیں، نہ فریق مخالف کے دلائل کا توڑ کرسکتی ہیں، عورت کی یہ وہ دو فطری کمزوریاں ہیں جن

کی بناء پر مرد عورت پر ایک گونہ فضیلت رکھتے ہیں۔

وَقَالُوْا لَوْ شَاءَ الرحمٰن ما عَبَدْنٰهُمْ الخ مشرکین مکہ کی ایک بڑی دلیل بتوں کی بندگی پر یہ تھی کہ خدا کی مشیت کے بغیر کوئی کام نہیں ہوسکتا اگر خدا کی مشیت نہ ہوتی ہم بت پرستی نہ کرتے، یہ بات صحیح ہے کہ مشیت ایزدی کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا مگر مشرکین ''مشیت'' اور ''رضا'' کے فرق سے ناواقف ہیں، اس لئے وہ مشیت سے رضاء پر استدلال کرتے ہیں جو سراسر غلط ہے، ہر کام یقیناً اس کی مشیت ہی سے ہوتا ہے، لیکن راضی وہ انہی کاموں سے ہوتا ہے جن کا اس نے حکم دیا ہے، ظلم و زیادتی، چوری و بدکاری، انسان اللہ کی مشیت اور اس کے ارادہ ہی سے کرتا ہے، اگر خدا چاہے تو انسان کو ان کاموں پر قدرت ہی نہ دے، لیکن یہ جبر کی صورت ہوگی، اس نے انسان کو ارادہ اور اختیار کی آزادی دی ہے تاکہ اسے آزمایا جائے، اسی لئے اس نے دونوں قسموں کے کاموں کی وضاحت کردی، جن سے وہ راضی ہوتا ہے ان کی بھی اور جن سے وہ ناراض ہوتا ہے ان کی بھی، انسان دونوں قسموں کے کاموں میں جس کام کو کرے گا اللہ اس کا ہاتھ نہیں پکڑے گا، ورنہ تو یہ عطا کردہ اختیار کو سلب کرنے کے مترادف ہوگا، البتہ اس کی سزا اگر چاہے گا تو آخرت میں ضرور دے گا۔

اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا اور یہ بات بھی نہیں ہے کہ قرآن کریم سے پہلے ہم نے ان کو کوئی کتاب دی ہو جس میں ان کو بتوں کی بندگی کی اجازت دی گئی ہو، جس کی وجہ سے یہ بتوں کی بندگی کرتے ہوں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تقلید آباء کے علاوہ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، یعنی وہ اپنے آباء کی اندھی تقلید میں اس قدر پختہ تھے کہ پیغمبر کی وضاحت و صراحت بھی انہیں اس سے نہیں روک سکی۔

وَ اذکُرْ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ ای بَرِیءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ خلَقَنِی فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ﴿۲۷﴾ یُرْشِدُنی لِدِینِہٖ وَجَعَلَهَا ای کَلِمَةَ التوحیدِ المَفهُومَةِ من قولہ اننی الٰی سَیَهْدِین كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ ذُرِّیَّتِہٖ فلا یَزالُ فیهم مَنْ یُوَحِّدُ اللّٰہَ لَعَلَّهُمْ ای اَہلَ مکۃَ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ عمّا ہم علیہ الٰی دِینِ اِبراہیمَ اَبیہم بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ المُشرِکِینَ وَاٰبَآءَهُمْ ولم اُعاجِلْهم بالعُقُوبةِ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ القرآنُ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۹﴾ مُظهِرٌ لهم الاحکامَ الشرعیّةَ وہو مُحَمَّدٌ صلی اللہ علیہ وسلم وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ القرآنُ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا ہلّا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ مِن ایّۃٍ منهما عَظِيْمٍ ﴿۳۱﴾ ای الوَلِید بنِ المُغیرةِ بمکّۃَ وعُروَةَ بنِ مَسعُودٍ الثَقَفِیِّ بالطّائِفِ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ النُبُوَّةَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فجَعَلْنا بَعْضَهم غَنِیًّا وبعضَهم فقیرًا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ بالغِنٰی فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ الغَنِیُّ بَعْضًا الفقیرَ سُخْرِيًّا مُسَخَّرًا فی العَمَلِ لہ بالاُجرةِ والیاءُ لِلنَّسَبِ وقُرِئَ بکَسرِ السِّینِ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ ای الجَنَّةُ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۳۲﴾ فی الدُّنیا وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً علی الکفر لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ بَدَلٌ مِن لِمَنْ سُقُفًا بفتحِ السِّینِ وسُکُونِ القافِ

وبضمهما جمعًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ كالدرج مِن فِضَّةٍ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿۳۳﴾ يَعلُونَ الى السطح وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا مِن فِضَّةٍ وَّ جَعَلْنَا لهم سُرُرًا مِن فِضَّةٍ جمعُ سَرِيرٍ عَلَيْهَا يَتَّكِئُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَزُخْرُفًا ذَهَبًا المعنى لو لا خوفُ الكفرِ على المؤمنِ مِن اِعطاءِ الكافرِ ما ذُكِرَ لَاَعطيناه ذلك لِقِلَّةِ خطرِ الدنيا عندنا وعَدمِ حَظِّه فى الأخرةِ فِى النَعِيمِ وَاِنْ مُخففةٌ مِنَ الثَقِيلَةِ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا بالتخفيفِ فما زائِدَةٌ وبالتشديدِ بمعنى اِلَّا فان نافيةٌ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا يُتمتَّعُ به فيها ثم يَزُولُ وَالْاٰخِرَةُ الجنَّةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾

ترجمہ: اور اس وقت کا تذکرہ کرو کہ جب ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے والد سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو بجز اس ذات کے کہ جس نے مجھے پیدا کیا اور وہی مجھے اپنے دین کی ہدایت بھی دے گا اور اس کو یعنی کلمہ توحید کو جو کہ اس کے قول اِنَّنِی تا سَیَھْدِیْنِ سے مفہوم ہے، اپنی اولاد میں باقی رہنے والی بات کر گئے چنانچہ ہمیشہ ان میں توحید پرست رہیں گے تاکہ اہل مکہ اپنے موجودہ دین کو چھوڑ کر اپنے ابا، ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کی طرف آجائیں بلکہ میں نے ان مشرکوں کو اور ان کے آباء کو سامان راحت دیا، اور ان کی سزا میں جلدی نہیں کی، یہاں تک کہ ان کے پاس حق یعنی قرآن اور احکام شرعیہ کو ظاہر کرنے والا رسول اور وہ محمد ﷺ ہیں آگئے اور ان کے پاس حق قرآن پہنچتے ہی بول پڑے کہ یہ تو جادو ہے اور ہم اس کے منکر ہیں اور کہنے لگے یہ قرآن ان دونوں بستیوں میں سے کسی بستی کے کسی بڑے شخص یعنی مکہ میں ولید بن مغیرہ اور طائف میں عروہ بن مسعود ثقفی پر کیوں نازل نہیں کیا گیا؟ کیا آپ کے رب کی رحمت نبوت کو یہ تقسیم کرتے ہیں؟ (حالانکہ) ان کی دنیوی زندگی کی روزی (خود) ہم نے ان کے درمیان تقسیم کی، تو ہم نے ان میں سے بعض کو غنی اور بعض کو فقیر کر دیا، اور ہم نے بعض کو بعض پر مالداری میں درجہ بدرجہ فوقیت دی تاکہ ان کا بعض یعنی مالدار بعض یعنی غریب سے اجرت پر کام لیتا رہے، اور سُخرِیا میں یاء نسبتی ہے، اور ایک قراءت میں سین کے کسرہ کے ساتھ ہے، اور تیرے رب کی رحمت یعنی جنت اس سے بدرجہا بہتر ہے جسے یہ دنیا میں سمیٹے پھرتے ہیں، اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام لوگ ایک ہی طریقہ (یعنی) کفر پر ہو جائیں گے تو رحمٰن کے ساتھ کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھتوں کو اور زینوں کو بھی جن کے ذریعہ یہ چھتوں پر چڑھا کرتے چاندی کی بنا دیتے لِبُیُوتِھِمْ، مَنْ سے بدل ہے اور سُقُفًا سین کے فتحہ اور قاف کے سکون اور دونوں کے ضمہ کے ساتھ ہے اور ان کے گھروں کے دروازے چاندی کے اور ان کے تخت بھی چاندی کے کر دیتے سُرُرٌ سریرٌ کی جمع ہے جن پر وہ ٹیک لگایا کرتے اور سونے کے بھی مطلب یہ کہ مذکورہ چیزیں کافر کو دینے میں، مومن کے بارے میں کفر کا اندیشہ نہ ہوتا تو یہ سب کچھ ہم ان کو دیدیتے اور یہ ہمارے نزدیک دنیا کی کوئی قدر نہ ہونے کی وجہ سے اور کافر کا آخرت کی نعمتوں میں کوئی حصہ نہ ہونے کی وجہ سے ہوتا اور یہ سب کچھ دنیا کا معمولی سا فائدہ ہے جس سے دنیا میں انتفاع کیا جا سکتا ہے پھر زائل ہو جائیگا، اِنْ ثقیلہ سے مخففہ ہے اور لَمَّا تخفیف اور تشدید کے ساتھ اِلَّا کے معنی میں ہے، لہٰذا اِنْ

نافیہ ہے اور آخرت جنت تو تیرے رب کے نزدیک متقیوں ہی کے لئے ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: بَرَاءٌ مصدر بیزار ہونا، نفرت کرنا، مفسر علام نے بَرِیٌٔ سے تفسیر کرکے اشارہ کر دیا بَـرَاءٌ، بَرِیٌٔ صیغہ صفت بروزن فعیل ہے، اظہار بیزاری کرنے والا، مصدر جب صفت واقع ہو تو واحد، تثنیہ، جمع، مذکر، مؤنث سب برابر ہوتے ہیں۔

قولہ: اِلَّا الَّذِی فطرَنِی اس میں تین صورتیں ہو سکتی ہیں ① مستثنیٰ منقطع ای لکن الذی فطرنی یہ اس صورت میں ہوگا کہ وہ صرف بتوں ہی کی بندگی کرتے ہوں ② مستثنیٰ متصل اس صورت میں جبکہ خدا کے ساتھ بتوں کو شریک کرتے ہوں ③ اِلاّ صفتی بمعنی غَیْرَ ہو، یہ زمخشری کا قول ہے۔

قولہ: جَعَلَهَا ای کلمة التوحید المفهوم الخ.

سوال: ای کـلـمة التوحید الخ کے اضافہ کا مقصد کہ جَـعَلَهَا کی ضمیر کا مرجع کیا ہے؟ اگر کلمة ہے تو یہ ماقبل میں مذکور نہیں ہے۔

جواب: کلمة ماقبل میں اگرچہ صراحۃً مذکور نہیں ہے مگر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول اِنَّنِیْ براءٌ مِمَّا تعبدونَ سے مفہوم ہے۔

قولہ: بَـل هٰؤلاءِ الـمشـركـین، بَلْ اضراب انتقالی ان کی عدم اتباع پر توبیخ وتقریع کے لئے ہے، هٰؤلاء اسم اشارہ کا مشارٌ الیہ وہ مشرکین ہیں جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے۔

قولہ: حتّٰی جاء هم الحق یہ محذوف کی غایت ہے، تقدیر عبارت یہ ہے بَلْ مَتَّعْتُ هٰؤلاء فَاشتغلوا بذٰلك التمتع حتّٰی جاء هم الخ.

قولہ: مَعَارِج، مِعْرَج میم کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ، کی جمع ہے، سیڑھیوں کو معارج کہنے کی وجہ یہ ہے کہ سیڑھیوں پر لنگڑے کے مانند چڑھتے ہیں اور لنگڑے کو اعرج کہتے ہیں۔

قولہ: سُرُرًا یہ فعل محذوف کا مفعول ہے جیسا کہ مفسر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے جـعـلـنـا محذوف مان کر اشارہ کر دیا، اس کا عطف جَعَلْنَا لِمَنْ یکفُرُ پر ہے۔

قولہ: زُخْرُفًا یہ جَـعَلْنَا فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے ای جَـعَـلْنَا لهُمْ مع ذٰلك زُخرُفًا یا نزع خافض کی وجہ سے منصوب ہے، تقدیر عبارت یہ تھی ای ابـوابًـا وسُرُرًا مـن فـضـةٍ ومن ذهبٍ، مِن کے حذف ہونے کی وجہ سے زخـرفًا منصوب ہو گیا۔

قولہ: وَاِنْ كُلُّ ذٰلك، اِنْ نافیہ ہے، اور كُلُّ ذٰلك مبتداء اور لَـمَّا بالتشدید بمعنی اِلَّا اور مَتَـاعُ الـحیٰوةِ الدنیا اس کی خبر لَـمَـا کو تخفیف کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، اس وقت اِنْ مخففہ عن الثقیلہ مہملہ ہوگا اور لام اِن مخففہ اور نافیہ کے درمیان

فارقہ ہوگا اور ما زائدہ ہوگا۔

قَوْلُہٗ: والآخرةُ واوحالیہ ہے، آخرة مبتداء ہے عِندَ رَبِّكَ للمتقین محذوف کے متعلق ہو کر مبتداء کی خبر ہے۔

تفسیر و تشریح

ربط:

وَاِذْ قَالَ اِبراهیمُ الخ گذشتہ آیات کے آخر میں باری تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا تھا کہ مشرکین عرب کے پاس اپنے شرک پر سوائے اپنے باپ دادوں کی رسوم کے کوئی عقلی یا نقلی دلیل نہیں ہے اور یہ بات بالکل ظاہر اور واضح ہے کہ عقلی اور نقلی دلائل کی موجودگی میں محض آباء واجداد کی تقلید پر اصرار کرنا حق وانصاف سے کس قدر بعید ہے، اب ان آیات میں اس بات کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ اگر اپنے آباء واجداد ہی کے راستہ پر چلنا چاہتے ہو تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے راستہ پر کیوں نہیں چلتے جو تمہارے اشرف ترین جداعلیٰ ہیں، اور جن کے ساتھ نسبی وابستگی کو تم خود اپنے لئے سرمایۂ صد افتخار سمجھتے ہو، وہ نہ صرف توحید کے قائل تھے بلکہ اپنی اولاد کو بھی اس کی وصیت کر گئے، بلکہ ان کا طرز عمل تو یہ بتاتا ہے کہ واضح عقلی اور نقلی دلائل کی موجودگی میں محض باپ دادوں کی تقلید کرنا جائز نہیں ہے، جس وقت وہ مبعوث ہوئے تو ان کی پوری قوم اپنے آباؤ اجداد کی اتباع میں شرک میں مبتلا تھی، لیکن حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کے بجائے دلائل واضحہ کا اتباع کرتے ہوئے اپنی قوم سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا **اِنَّنِی بَرَاءٌ مِمَّا تعبدونَ** جن چیزوں کی تم بندگی کرتے ہو میں ان سے بیزار ہوں۔ (معارف)

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اپنی قوم کی بداعمالیوں اور بداعتقادیوں سے اظہار براءت سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص بدعمل یا بدعقیدہ لوگوں یا جماعت کے درمیان رہتا ہو اور خاموش رہنے کی صورت میں یہ اندیشہ ہو کہ اس کو بھی اس گروہ یا جماعت کا ہم خیال سمجھا جائے گا تو محض اپنے عقیدے اور عمل ہی کا درست کر لینا ہی کافی نہیں بلکہ اس گروہ کے عقائد واعمال سے اظہار براءت بھی ضروری ہے، جیسا کہ یہاں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ اپنے عقائد واعمال کو مشرکین سے علیحدہ وممتاز کر لیا بلکہ زبان سے بھی اظہار براءت کا اعلان فرمایا۔

وَجَعَلَهَا كلمةً باقيةً یعنی اس کلمۂ توحید کی وصیت اور تاکید اپنی اولاد کو بھی کر گئے، جیسے فرمایا **وَوَصّٰی بِهَا ابراهیمُ بنیهِ ویعقوبُ** (البقرة) بعض مفسرین نے **جَعَلَ** کا فاعل اللہ کو قرار دیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کلمۂ توحید کو ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ان کی اولاد میں باقی رکھا اور وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرتے رہے۔

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اپنی ذات کے علاوہ اپنی اولاد کو دین صحیح پر کاربند اور عمل پیرا کرنے کی فکر بھی انسان کے فرائض میں شامل ہے، انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں بھی

قرآن کریم نے بتایا ہے کہ ان حضرات نے وفات کے وقت اپنے بیٹوں کو دین صحیح پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی، لہٰذا جس صورت سے ممکن ہو اولاد کے اعمال واخلاق کی اصلاح میں اپنی پوری کوشش صرف کر دینا ضروری بھی ہے، اور انبیاء کی سنت بھی۔

وَقَالُوا لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذا القرآن علیٰ رجلٍ من القریتین عظیم ان آیات میں باری تعالیٰ نے مشرکین عرب کے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے جو وہ آنحضرت ﷺ کی رسالت پر کیا کرتے تھے، شروع میں تو مشرکین مکہ یہ باور کرنے ہی کو تیار نہیں تھے کہ اللہ کا کوئی رسول انسان ہو سکتا ہے، چنانچہ ان کا یہ اعتراض قرآن کریم نے جا بجا نقل کیا ہے کہ ہم محمد ﷺ کو کس طرح رسول مان لیں جبکہ وہ عام انسانوں کی طرح کھاتے پیتے اور بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں لیکن جب متعدد آیات قرآنی کے ذریعہ یہ ثابت کر دیا گیا کہ دنیا میں جس قدر بھی انبیاء و رسل آئے وہ انسان ہی تھے اور محمد ﷺ کی طرح کھاتے پیتے بھی تھے، جب یہ کھانا پینا اور انسان ہونا سابقہ انبیاء کی نبوت کے لئے باعث نقص وننگ نہیں تو پھر محمد ﷺ کی نبوت کے لئے کیسے نقص یا باعث اعتراض ہو سکتا ہے، تو مشرکین عرب نے پینترا بدل کر یہ اعتراض کیا کہ اگر کسی انسان ہی کو نبوت سونپنی تھی تو حضور تو مالی اعتبار سے کوئی بڑے صاحب حیثیت نہیں ہیں، لہٰذا یہ منصب آپ ﷺ کے بجائے مکہ اور طائف کے کسی بڑے دولت مند اور صاحب جاہ ومنصب انسان کو کیوں نہیں دیا گیا؟ روایات میں ہے کہ اس سلسلہ میں انہوں نے مکہ مکرمہ سے ولید بن مغیرہ اور عتبہ بن ربیعہ اور طائف سے عروہ بن مسعود ثقفی، حبیب بن عمر ثقفی یا کنانہ بن عبد یا لیل کے نام پیش کئے۔

(روح المعانی)

أَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ "رحمت" نعمت کے معنی میں ہے اور یہاں سب سے بڑی نعمت، نبوت مراد ہے، استفہام انکار کے لئے ہے، یعنی یہ کام ان کا نہیں ہے کہ رب کی نعمتوں بالخصوص نعمت نبوت کو یہ اپنی مرضی سے تقسیم کریں بلکہ یہ صرف رب کا کام ہے کیونکہ وہی ہر بات کا علم اور ہر شخص کے حالات سے پوری واقفیت رکھتا ہے وہی بہتر سمجھتا ہے کہ انسانوں میں سے نبوت کا تاج کس کے سر پر رکھا جائے؟

وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بعض یعنی مال ودولت، جاہ ومنصب، عقل وفہم میں ہم نے یہ فرق اور تفاوت اس لئے رکھا ہے تاکہ زیادہ مال والا کم مال والے سے، بڑے منصب والا چھوٹے منصب والے سے اور عقل وفہم سے وافر حصہ پانے والا اپنے سے کم تر عقل وشعور رکھنے والے سے کام لے سکے، اللہ تعالیٰ کی اس حکمت بالغہ سے کائنات کا نظام بحسن وخوبی چل رہا ہے، ورنہ اگر سب لوگ ہر چیز میں برابر و یکساں ہوتے تو کوئی کسی کا کام کرنے کے لئے تیار نہ ہوتا، جس سے دنیا کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔

لَوْ لَا ان يكونَ الناسُ اُمَّةً واحدةً الخ اس آیت میں چار امر مذکور ہیں ① مومنین کی رعایت کہ مبادا کافروں کی دولت کو دیکھ کر پھسل جائیں، اور دولت کو رضاء الٰہی سمجھنے لگیں ② آخرت میں فوز وفلاح مومنین کے لئے خاص ہے ③ یہ کہ دنیا ذلیل ہے اور زیادہ تر کفار سے تعلق رکھتی ہے، مومن کی شان سے بعید ہے کہ ایسی حقیر وفانی چیز پر نظر وفخر کرے، جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ اگر دنیا کی قدر اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو پانی کا ایک قطرہ بھی نہ ملتا

④ سونے اور چاندی کی حرمت کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ جو چیز کفار کے لئے سزاوار ہو مومن کے لئے سزاوار نہ ہونا چاہئے، پھر یہ بھی اشارہ ہے کہ سونے چاندی کا مطلقاً استعمال منع نہیں اور یہ لَوْلَا سے سمجھا جاتا ہے اس لئے کہ لَوْلَا کے ذریعہ نفی، ثبوت پر دلالت کرتی ہے، لہٰذا جہاں جہاں شارع سے منع ثابت ہے ممنوع ہے، جیسے اکثار مال، اور استعمال ظروف طلاء ونقرہ منع ہے، اور مردوں کے لئے لباس وزیور، فرمایا آپ ﷺ نے لا تشربوا فی آنیة الذهب والفضة لا تأكلوا فی اصحافها فإنّها لهم فی الدنیا، لَنا فی الآخرة وانما خوّلهم الله تعالىٰ فی الدنیا لحقارتها (ترمذی) ''نہ کھاؤ پیو سونے چاندی کے برتنوں میں یہ کفار کے لئے دنیا میں ہیں اور ہمارے لئے آخرت میں اور اللہ نے دنیا انہیں اس لئے عطا کی کہ وہ حقیر ہے''۔

سُؤال: سونا چاندی کیوں ممنوع اور حقیر ہے حالانکہ دنیا میں معاش ومعیشت کا نظام اس کے ساتھ قائم ہے، نیز دینی ودنیوی حاجات کا وسیلہ ہے اور آخرت میں موعود اور بہشت میں موجود۔

جَوَاب: ممانعت باعتبار اثر کے ہے اس لئے موجب تکبر وتفاخر اور باعث کمال محویت وتغافل، جس کی وجہ سے خلوص حب الٰہی کو مانع ہے، اور عورتوں کے لئے جواز یا تو بطور احسان ہے یا جنت کی نعمتوں کے نمونہ کے طور پر ہے۔ (خلاصة التفاسير)

وَمَنْ يَّعْشُ يُعرِض **عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ** القراٰن **نُقَيِّضْ** نُسَبِّبْ **لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ**۝ لا يُفارِقُهُ **وَاِنَّهُمْ** اى الشَياطِين **لَيَصُدُّوْنَهُمْ** اى العَاشِينَ **عَنِ السَّبِيْلِ** طريقِ الهُدىٰ **وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ**۝ فى الجَمْعِ رِعَايَةُ مَعْنىٰ مَن **حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا** العَاشِىْ بقَرينة يومَ القِيمةِ **قَالَ** له **يٰلَيْتَ** لِلتّنبيهِ **بَيْنِىْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ** اى مِثْلَ بُعْدِ ما بَينَ المَشرِقِ والمَغربِ **فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ**۝ اَنتَ لِى قال تعالىٰ **وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ** اى العَاشِينَ تَمَنِّيكُمْ ونَدمُكم **الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ** اى تَبَيَّنَ لكم ظُلْمُكم بالاِشراكِ فِى الدُّنيا **اَنَّكُمْ** مع قُرَنائِكم **فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ**۝ عِلّةٌ بتَقديرِ اللامِ لِعَدَمِ النَفعِ واِذ بَدَلٌ مِنَ اليومِ **اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِى الْعُمْىَ وَمَنْ كَانَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ**۝ بيّنٍ اى فَهُمْ لا يُؤمِنونَ **فَاِمَّا** فيه اِدْغامُ نونِ اِنِ الشَرطيّةِ فى مَا الزائدةِ **نَذْهَبَنَّ بِكَ** بانْ نُميتَك قبلَ تَعذيبِهم **فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ**۝ فى الاٰخرةِ **اَوْ نُرِيَنَّكَ** فى حَيوٰتِك **الَّذِىْ وَعَدْنٰهُمْ** به مِنَ العَذاب **فَاِنَّا عَلَيْهِمْ** على عذابِهم **مُّقْتَدِرُوْنَ**۝ قادِرُون **فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِىْۤ اُوْحِىَ اِلَيْكَ** اى القراٰن **اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ** طريقٍ **مُّسْتَقِيْمٍ**۝ **وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ** لَشرَفٌ **لَّكَ وَلِقَوْمِكَ** لِنُزولِه بِلُغَتِهم **وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ**۝ عنِ القِيامِ بحقِّهِ **وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ** اى غيرِه **اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ**۝ قيلَ هو على ظاهِرِه بانْ جُمِعَ له الرُّسُلُ ليلةَ الاِسراءِ وقيلَ المُرادُ اُمَمُ مِن اَىِّ اهلِ الكِتَابَينِ ولم يسألْ على واحِدٍ مِنَ القولَينِ لِاَنَّ المُرادَ مِنَ الاَمرِ بِالسُّوالِ التقريرُ لِمُشرِكِى قُرَيشٍ اَنّه لم ياتِ رَسُولٌ مِنَ اللهِ ولا كِتابٌ بعِبادةِ غيرِ اللهِ.

ترجمہ: اور جو شخص رحمٰن کے ذکر یعنی قرآن سے اعراض کرے تو ہم اس پر ایک شیطان مقرر کردیتے ہیں سو وہ ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے کہ اس سے جدا نہیں ہوتا اور بلاشبہ وہ شیاطین ان اعراض کرنے والوں کو ہدایت کے راستہ سے روکتے ہیں اور یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں جمع لانے میں مَنْ کے معنی کی رعایت ہے یہاں تک کہ جب وہ اعراض کرنے والا اپنے ساتھی کے ساتھ قیامت کے روز ہمارے پاس آئے گا تو اپنے ساتھی سے کہے گا، کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق و مغرب کی دوری ہوتی یعنی جس قدر مشرق و مغرب کے درمیان دوری ہے یا تنبیہ کے لئے ہے تو میرا بڑا برا ساتھی ہے، (اے) اعراض کرنے والو! آج ہرگز تم کو تمہاری آرزو اور ندامت کچھ فائدہ نہ دے گی جبکہ تم ظالم ٹھہر چکے یعنی دنیا میں شرک کرکے تمہارا ظلم ظاہر ہوگیا اس لئے کہ تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ عذاب میں شریک ہوؤ گے یہ تقدیر لام کے ساتھ عدم نفع کی علت ہے اور اِذ، الیوم سے بدل ہے کیا تو بہرے کو سنا سکتا ہے یا اندھے کو راہ دکھا سکتا ہے اور اس کو کہ جو کھلی گمراہی میں ہو یعنی وہ ایمان نہیں لائیں گے پس اگر ہم آپ کو یہاں (دنیا) سے وفات دیکر ان کو عذاب دینے سے پہلے لے بھی جائیں تو بھی ہم آخرت میں ان سے انتقام لینے والے ہیں یا جس عذاب کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے وہ آپ کو آپ کی زندگی میں دکھا دیں، ہم اس پر بھی قادر ہیں، پس جب وحی (یعنی) قرآن کو آپ کی طرف بھیجا گیا ہے آپ اس کو مضبوطی سے تھامے رہیں، بلاشبہ آپ راہ راست پر ہیں اور یقیناً یہ آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے باعث شرف ہے اس کے ان کی زبان میں نازل ہونے کی وجہ سے، اور عنقریب تم لوگوں سے اس کا حق ادا کرنے کے بارے میں سوال کیا جائے گا اور ہمارے ان رسولوں سے پوچھو جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا تھا، کیا ہم نے سوائے رحمٰن کے اور معبود مقرر کئے تھے؟ کہا گیا ہے کہ یہ اپنے ظاہر پر ہے، بایں طور کہ تمام رسولوں کو لیلۃ الاسراء میں جمع کیا گیا، اور کہا گیا ہے کہ مراد دونوں اہل کتاب سے کوئی سی بھی امت ہے، اور دونوں قولوں میں سے کسی قول کے مطابق آپ نے سوال نہیں کیا، اس لئے کہ سوال کا حکم کرنے سے مراد مشرکین قریش سے اقرار کرانا ہے یہ کہ نہ تو اللہ کی طرف سے کوئی رسول آیا اور نہ کوئی کتاب جو غیر اللہ کی عبادت کا حکم لے کر آئی۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلُہٗ: یَعْشُ، عشا یعشوا کدَعَا یدعُوا عَشِیًّا وعَشوا سے واحد مذکر غائب، اعراض کرنا، مَنْ یَعْشُ جو اعراض کرے گا (ن) عَشْوٌ اعراض کرنا، نظریں چرانا، وبالفارسیۃ چشم پوشیدن، وغافل شدن۔

قِوْلُہٗ: نُقَیِّضْ جواب شرط ہے یَعْشُ فعل شرط مجزوم بحذف الواؤ حذف واؤ پر ضمہ دال ہے، اور مَنْ حرف شرط ہے۔

قِوْلُہٗ: نُقَیِّضْ (تفعیل) مضارع جمع متکلم ہم مقدر کردیتے ہیں، ہم سبب بنا دیتے ہیں۔ (لغات القرآن)

قَوْلَهُ: اِنَّهُمْ، هُمْ ضمیر کا مرجع شیطان ہے، شیطان چونکہ جنس ہے اس لئے ضمیر کو جمع لایا گیا ہے اور جہاں ضمیر کو مفرد لائے وہاں لفظ شیطان کی رعایت کی گئی ہے۔

قَوْلَهُ: وَيَحسَبُوْنَ أَنَّهُمْ مُهْتَدُوْنَ جملہ حالیہ ہے معنی مَنْ کی رعایت کی وجہ سے تینوں جگہ جمع کا صیغہ لایا گیا ہے۔

(صاوی ملخصًا)

قَوْلَهُ: بِقَرِيْنِهٖ ای مع قرینہٖ.

قَوْلَهُ: یا للتنبیه یا تنبیہ کے لئے بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ شارح نے اشارہ کیا ہے اور یا ندائیہ بھی ہوسکتا ہے، منادیٰ محذوف ہوگا، ای یا قَرِین ، لَيْتَ بَيْنِي وبَيْنكَ الخ.

قَوْلَهُ: تَمَنِّيكُمْ و نَدَمُكم جملہ معطوفہ ہوکر ينفعكُمْ کا فاعل ہے۔

قَوْلَهُ: تَبَيَّنَ لكم ظُلمكم اس عبارت کا مقصد ایک شبہ کو دفع کرنا ہے۔

شبہ: ظلم یعنی کفر وشرک دنیا میں واقع ہوا، اس لئے کہ اِذ ماضی کے لئے ظرف ہے، اور اليَــوْم سے مراد قیامت کا دن ہے جو کہ اِذْ سے بدل ہے، لہٰذا ماضی حال سے کس طرح بدل واقع ہوسکتی ہے۔

جَوَابْ: تبیّن سے مراد ظلم کا ظہور ہے اور یہ قیامت کے دن ہوگا۔

تفسیر وتشریح

مَنْ يَعْشُ، عشا يعْشُوا کے معنی ہیں آنکھوں کی بیماری یعنی رتوندا جس کو شب کوری کہتے ہیں، یعنی جو اللہ کے ذکر سے اندھا ہوا، آنکھیں چرائیں، اعراض کیا، شیطان ایسے شخص کا ساتھی اور رفیق ہوجاتا ہے، جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے، اور شیاطین ان کے حق کے راستہ میں حائل ہوجاتے ہیں اور انہیں برابر سمجھاتے رہتے ہیں، کہ تم حق پر ہو حتی کہ وہ واقعی طور پر اپنے بارے میں یہی گمان کرنے لگتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں، یا کافر شیطانوں کے بارے میں سمجھتے ہیں کہ یہ ٹھیک ہیں۔

(فتح القدیر ملخصًا)

فَائِدَة: آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ذکر اللہ سے شیطان مغلوب اور غفلت سے شیطان غالب ہوجاتا ہے، اور آخر کار جہل مرکب میں مبتلا ہوکر دائمی نقصان وحرمان کا مستحق ہوجاتا ہے، آخرت میں جب عذاب کا مشاہدہ کرے گا تو اپنی غلطی پر نادم ہوکر کہے گا، کاش میرے اور اس کے درمیان دنیا میں مشرق اور مغرب کی دوری ہوتی۔ (ارشاد ہوگا) یہ شیطان برا ہمنشین ہے اور اے غافلو! آج تم کو ندامت وخجالت کوئی فائدہ نہیں دے گی، اس لئے کہ تم دنیا میں ظلم کرچکے بے شک تم دونوں عذاب الٰہی میں شریک اور دوزخ میں بھی قریب رہو گے۔

درمنثور میں ہے کہ جب کافر قبر سے اٹھے گا تو شیطان ہاتھ میں ہاتھ دیکر دوزخ تک ہمراہ رہے گا اور مومن کے ساتھ فرشتہ

جنت تک ہمراہ رہے گا، اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ ہر شخص کے ساتھ ایک جن اولادِ شیاطین میں سے معین ہے (جسے ہمزاد کہتے ہیں) صحابہ نے عرض کیا یا رسول آپ کے ساتھ بھی ہے؟ فرمایا: ہاں! مگر اللہ نے میری مدد کی جس کی وجہ سے وہ ایمان لے آیا، اب وہ مجھے سوائے خیر کے کچھ نہیں بتاتا اور فرمایا کافروں کا شیطان خورد و خواب میں شریک رہتا ہے، اور شیطان زیادہ کھانے والے اور زیادہ سونے والے کو بہت دوست رکھتا ہے۔ (خلاصة التفاسير)

اَفَاَنْتَ تسمِعُ (الآية) یعنی جس کے لئے شقاوت ابدی لکھ دی گئی ہے وہ وعظ و نصیحت کے اعتبار سے بہرا اور اندھا ہے وہ آپ کی دعوت و تبلیغ سے راہِ راست پر نہیں آسکتا، یہ استفہام انکاری ہے، جس طرح بہرا سننے اور اندھا دیکھنے سے محروم ہے، اسی طرح کھلی گمراہی میں مبتلا حق کی طرف آنے سے محروم ہے، درحقیقت یہ نبی ﷺ کو تسلی ہے تاکہ ایسے کے کفر سے آپ زیادہ تشویش محسوس نہ کریں۔

اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِي وَعَدْنٰهُمْ (الآية) یعنی عذاب کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے، عین ممکن ہے کہ وہ آپ کی حیات مبارک ہی میں مکہ میں رہتے ہوئے ان پر آجائے، اور اگر ہماری مشیت متقاضی ہوئی تو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ کے انتقال یا مکہ سے منتقل ہونے کے بعد ان پر وہ عذاب آئے ورنہ بصورت دیگر عذاب اخروی سے تو وہ بچ نہیں سکتے، مطلب یہ کہ ہمیں پوری قدرت حاصل ہے جو ہماری مصلحت کا مقتضی ہوگا وہی ہوگا، چنانچہ آپ کی حیات مبارک ہی میں بدر کی جنگ میں کافر عبرت ناک شکست اور ذلت سے دوچار ہوئے۔

وَاِنَّـهٗ لذكرٌ لك ولِقومِكَ تخصیص کا مطلب یہ نہیں کہ دوسروں کے لئے ذکر و شرف نہیں بلکہ اولین مخاطب چونکہ قریش تھے، اس لئے خصوصیت سے ان کا ذکر فرمایا، ورنہ تو قرآن پورے جہان کے لئے نصیحت و شرف ہے وَمَا هُوَ اِلَّا ذكرٌ للعٰلمينَ. (سورۂ قلم)

وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ الخ آپ ﷺ تمام پیغمبروں سے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے پوچھ لیجئے، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انبیاء سابقین تو وفات پاچکے تھے، ان سے پوچھنے کا حکم کیسے دیا جارہا ہے، اس کا جواب بعض مفسرین نے یہ دیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ معجزے کے طور پر انبیاء سابقین سے آپ کی ملاقات کرادے تو اس وقت ان سے یہ بات دریافت کر لیجئے چنانچہ شب معراج میں آپ کی ملاقات تمام انبیاء سے بیت المقدس میں ہوئی، قرطبی کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے انبیاء علیہم السلام کی امامت فرمانے کے بعد یہی بات انبیاء علیہم السلام سے دریافت کی مگر ان روایات کی سند معلوم نہیں ہوسکی، چنانچہ اکثر مفسرین نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ خود انبیاء علیہم السلام سے پوچھنا مراد نہیں بلکہ ان پر نازل ہونے والے صحیفوں سے تحقیق کرنا اور ان کی امتوں کے علماء سے پوچھنا مراد ہے چنانچہ انبیاء کے جو صحیفے اب موجود ہیں ان میں بہت سی تحریفات کے باوجود توحید کی تعلیم اور شرک سے بیزاری کی تعلیم آج تک شامل ہے، مثال کے طور پر موجود بائبل کی درج ذیل عبارتیں ملاحظہ فرمائیے۔

انبیاء کے صحیفوں میں توحید کی تعلیم:

موجودہ توریت میں ہے:

''تا کہ تو جانے کہ خداوند ہی خدا ہے اور اس کے سوا کوئی ہے ہی نہیں''۔ (استثناء ۴: ۳۵)

''اور سن اے اسرائیل! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خدا ہے''۔ (استثناء ۶:۴)

اور حضرت اشعیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحیفہ میں ہے:

''میں ہی خداوند ہوں اور کوئی نہیں، میرے سوا کوئی خدا نہیں تا کہ مشرق سے مغرب تک لوگ جان لیں کہ میرے سوا کوئی دوسرا نہیں''۔ (یسعیاہ ۴۵: ۵،۶)

اور حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ قول موجودہ انجیل میں موجود ہے:

''اے اسرائیل، سن! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے، اور تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی پیاری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ''۔ (مرقس ۱۲: ۲۹ ومتی ۲۲: ۳۶)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ای القِبطِ **فَقَالَ اِنِّىْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴿۴۶﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ** الدالّةِ علی رسالتِہٖ **اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ** مِن اٰیاتِ العَذابِ کالطُوفانِ وہو ماءٌ دَخَلَ بُیُوتَہم ووَصَلَ الی حُلُوقِ الجالِسِینَ سبعَۃَ ایّامٍ والجرادُ **اِلَّا هِىَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا** قرینتِہا التی قَبلَہا **وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴿۴۸﴾** عن کُفرِہم **وَقَالُوْا** لِمُوسٰی لَمَّا رَأَوُا العَذابَ **يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ** ای العالِمُ الکامِلُ لِاَنَّ السِحرَ عِندہم عِلمٌ عظِیمٌ **ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ** مِن کشفِ العذابِ عَنّا اِن اٰمَنّا **اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ﴿۴۹﴾** ای مُؤمِنون **فَلَمَّا كَشَفْنَا** بِدُعاءِ موسٰی **عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ﴿۵۰﴾** یَنقُضُونَ عَہدَہم ویُصِرُّونَ علی کُفرِہم **وَنَادٰى فِرْعَوْنُ** اِفتِخارًا **فِىْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِىْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ** ای مِنَ النِیلِ **تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِىْ** ای تحتِ قُصُوری **اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴿۵۱﴾** عظمَتِی **اَمْ** تُبصِرونَ وحِینَئِذٍ **اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا** ای مُوسٰی **الَّذِىْ هُوَ مَهِيْنٌ** ضَعِیفٌ حقِیرٌ **وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ﴿۵۲﴾** یُظہِرُ کلامَہ لِلُثغتِہٖ بالجَمرَۃِ التی تناوَلَہا فی صِغرِہٖ **فَلَوْلَآ** ہلاّ **اُلْقِىَ عَلَيْهِ** اِن کانَ صادقًا **اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ** جَمعُ اَسوِرَۃٍ کاَغرِبۃٍ جَمعُ سِوارٍ کعادَتِہم فیما یَسوِّدُونہ اَن یُّلبِسُوہ اَسوِرَۃَ ذَہبٍ ویُطَوِّقُوہُ طوقَ ذَہبٍ **اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ﴿۵۳﴾** مُتَتابِعِینَ یَشہَدونَ بصدقِہٖ **فَاسْتَخَفَّ** اِستَفَزَّ فِرعونُ **قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ** فیما یُرِیدُ من تکذِیبِ موسٰی **اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ﴿۵۴﴾ فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا** اَغضَبُونا **انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ﴿۵۵﴾ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا** جَمعُ سالِفٍ کخادِمٍ وخَدَمٍ ای سابِقِینَ عِبرَۃً **وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ﴿۵۶﴾** بَعدَہم یَتَمَثَّلُونَ بحالِہم فلا

يُقدِمونَ على مِثلِ أفعالِهم.

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو اپنی نشانیاں دیکر فرعون اور اس کے امراء یعنی قبطیوں کے پاس بھیجا تو موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے (جاکر) کہا کہ میں سارے جہانوں کے پروردگار کا رسول ہوں، پس جب وہ اپنی رسالت پر دلالت کرنے والی ہماری نشانیاں لے کر ان کے پاس پہنچے تو وہ بے ساختہ ان پر ہنسنے لگے، اور ہم انہیں جو عذاب کی نشانیاں دکھاتے تھے مثلاً طوفان کی نشانی اور وہ پانی تھا جو ان کے گھروں میں داخل ہوگیا تھا اور وہ بیٹھے لوگوں کے حلق تک پہنچ گیا تھا، اور یہ سات دن رہا، اور ٹڈیوں کی نشانی تو وہ سابقہ دوسری نشانی سے بڑھی چڑھی ہوتی تھی، اور ہم نے انہیں عذاب میں پکڑا تاکہ وہ اپنے کفر سے باز آجائیں، جب انہوں نے عذاب کو دیکھا تو کہنے لگے اے عالم کامل اس لئے کہ سحر اُن کے نزدیک عظیم علم تھا، تو ہمارے لئے اس کی دعاء کر جس کا اس نے تجھ سے وعدہ کر رکھا ہے یعنی عذاب کو دور کردینے کا اگر ہم ایمان لے آئیں یقین مانو، کہ ہم راہ پر لگ جائیں گے یعنی ایمان لے آئیں گے، پھر جب ہم نے موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی دعاء کی بدولت وہ عذاب ان سے ہٹالیا تو انہوں نے اسی وقت اپنا قول وقرار توڑ دیا، اور اپنے کفر پر اصرار کرنے لگے اور فرعون نے اپنی قوم میں فخریہ طور پر منادی کرائی اور کہا اے میری قوم کیا ملک مصر میرا نہیں؟ اور یہ نہریں (یعنی) نہر نیل (کی شاخیں) میرے محلوں کے نیچے بہہ رہی ہیں تم میری عظمت کو دیکھتے ہو یا نہیں دیکھتے، اور بایں حالت میں اس موسیٰ سے جو کہ وہ ضعیف و حقیر ہے بہتر ہوں، اور صاف بول بھی نہیں سکتا، یعنی واضح کلام نہیں کرسکتا، اس لکنت کی وجہ سے جو اس چنگاری کی وجہ سے پیدا ہوگئی تھی جو (اس نے) اپنے بچپن میں منہ میں رکھ لی تھی، اچھا تو اس (کے ہاتھوں) میں سونے کے کنگن کیوں نہیں ڈالے گئے اگر یہ (دعوائے) نبوت میں سچا ہے، اَسَاوِر اسوِرة کی جمع ہے جیسا کہ اَغْرِبة اور اَسْوِرة، سوار کی جمع ہے، جیسا کہ ان کا طریقہ تھا کہ جس شخص کو وہ سردار بناتے تھے تو اس کو سونے کے کنگن اور سونے کا ہار پہناتے تھے، یا اس کے ساتھ فرشتے مسلسل آکر اس کی سچائی کی گواہی دیتے، اس نے اپنی قوم کو بے وقوف بنا دیا اور انہوں نے اس کی وہ بات مان لی جو وہ ان سے چاہتا تھا، یعنی موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی تکذیب، یقیناً یہ سارے ہی لوگ نافرمان تھے پھر جب انہوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور سب کو غرق کردیا، پس ہم نے ان کو داستان پارینہ بنا دیا اور نمونہ عبرت بعد والوں کے لئے کہ بعد والے ان کے حال کو بطور مثال بیان کرتے تاکہ ان کے جیسے اعمال کے اقدام کی جرأت نہ کریں۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: فَقَالَ اِنّی رسول رب العالمین قصہ میں اختصار ہے تفصیل سورۂ طٰہٰ اور سورۃ القصص میں ہے، آیت کے معنی یہ ہیں فقال انّی رسول رب العالمین لِتؤمِنَ بہٖ وتُرسلَ معِی بنی اسرائیل.

قولہ: فَلَمَّا جَاءَ هُم بِآيٰتِنَا فاء عاطفہ ہے، اس کا مقدر پر عطف ہے ای فَطَلَبُوْا مِنْهُ آيَةً تَدُلُّ عَلٰى صِدقِهٖ.

قولہ: يَنْكُثُوْنَ، نَكْثٌ (ن) جمع مذکر غائب توڑنے لگتے ہیں، توڑ دیتے ہیں۔

قولہ: سَلَفًا مفسر علام نے جمع سَالِفٍ کہہ کر اشارہ کر دیا کہ سَلَفًا مصدر نہیں ہے کہ تاویل کی ضرورت پیش آئے بلکہ سَلَفًا، سَالِفٌ کی جمع ہے، جیسا کہ خَدَمٌ، خَادِمٌ کی جمع ہے۔

تفسیر وتشریح

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا (الآية) قریش مکہ نے کہا تھا کہ اللہ کو اگر کسی کو رسول بنا کر بھیجنا ہی تھا تو مکہ اور طائف کے کسی ایسے شخص کو بھیجتا کہ جو صاحب مال و جاہ ہوتا، فرعون نے بھی موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے مقابلہ میں یہی کہا تھا کہ میں موسیٰ سے بہتر ہوں اور یہ مجھ سے کمتر ہے یہ تو صاف بول بھی نہیں سکتا، مگر جس طرح فرعون کا یہ شبہ کچھ کام نہ آسکا، اور اپنی قوم سمیت غرق ہو کر رہا، اسی طرح کفار مکہ کا یہ اعتراض بھی انہیں دنیا و آخرت کے وبال سے نہ بچا سکے گا۔

فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ اس کے دو ترجمے ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ فرعون نے اپنی قوم کو آسانی سے اپنا تابع بنالیا، اور دوسرے یہ کہ اس نے اپنی قوم کو بیوقوف بنالیا یا بیوقوف پایا (روح) فَلَمَّا آسَفُوْنَا یہ اَسَفٌ سے مشتق ہے، اس کے لغوی معنی ہیں: افسوس، اور چونکہ غصہ میں عام طور پر افسوس ہوتا ہے اسی مناسبت سے غصہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اس لئے کہ اس کا بامحاورہ ترجمہ اس طرح کیا جاتا ہے کہ "جب انہوں نے ہمیں غصہ دلایا" اور اللہ تعالیٰ چونکہ غصہ اور افسوس کی انفعالی کیفیات سے پاک ہے اس لئے اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے ایسے کام کئے کہ جس سے ہم نے انہیں سزا دینے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ (روح المعانی)

وَلَمَّا ضُرِبَ جُعِلَ **ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا** حِيْنَ نَزَلَ قولُه تعالٰى اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ فقال المُشْرِكُوْنَ رَضِيْنَا اَنْ تَكُوْنَ اٰلِهَتُنَا مَعَ عِيْسٰى لِاَنَّهٗ عُبِدَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ **اِذَا قَوْمُكَ** المُشْرِكُوْنَ **مِنْهُ** مِنَ المَثَلِ **يَصِدُّوْنَ** ﴿۵۷﴾ يَضِجُّوْنَ فَرَحًا بما سَمِعُوْه **وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ** اى عِيْسٰى فَنَرْضٰى اَنْ تكونَ اٰلِهَتُنا مَعَه **مَا ضَرَبُوْهُ** اى المَثَلَ **لَكَ اِلَّا جَدَلًا** خُصُوْمَةً بالباطِلِ لِعِلْمِهِم اَنَّ مَا لِغَيْرِ العَاقِلِ فَلَا يَتَنَاوَلُ عِيْسٰى عليه السلام **بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ** ﴿۵۸﴾ شَدِيْدُ الخُصُوْمَةِ **اِنْ هُوَ** ما عيسٰى **اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ** بِالنُّبُوَّةِ **وَجَعَلْنٰهُ** بِوُجُوْدِهٖ مِنْ غيرِ اَبٍ **مَثَلًا لِّبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ** ﴿۵۹﴾ اى كَالمَثَلِ لِغَرَابَتِهٖ يُسْتَدَلُّ به على قُدْرَةِ اللّٰهِ تعالٰى عَلٰى مَا يَشَاءُ **وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ** بَدَلَكُم **مَّلٰٓئِكَةً فِى الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ** ﴿۶۰﴾ بِاَنْ نُهْلِكَكُم **وَاِنَّهٗ** اى عِيْسٰى **لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ** تُعْلَمُ بِنُزُوْلِهٖ **فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا** حُذِفَ مِنْهُ نُوْنُ الرَّفْعِ لِلْجَزْمِ وَوَاوُ الضَّمِيْرِ لِاِلْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ تَشُكُّنَّ فيها **وَ** قُلْ لَهُم **اتَّبِعُوْنِ** عَلَى التَّوْحِيْدِ **هٰذَا** الَّذِىْ اٰمُرُكُم بِهٖ **صِرَاطٌ** طَرِيْقٌ **مُّسْتَقِيْمٌ** ﴿۶۱﴾ **وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ** يَصْرِفَنَّكُم عَنْ دِيْنِ اللّٰهِ **الشَّيْطٰنُ**

إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٦٢﴾ بَيِّنُ العَدَاوَةِ وَلَمَّا جَاءَ عِيسَى بِالْبَيِّنَاتِ بِالمُعجزاتِ والشَّرائعِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُم بِالْحِكْمَةِ بالنُّبوةِ وشَرائعِ الإنجيلِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُم بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلِفُونَ فِيهِ مِن أحكامِ التوراةِ مِن أمرِ الدين وغيره فبَيَّنَ لهم أمرَ الدين فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿٦٣﴾ إِنَّ اللَّهَ هُوَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَٰذَا صِرَاطٌ طريقٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿٦٤﴾ فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِن بَيْنِهِمْ في عِيسى هُوَ اللّٰهُ أو ابنُ اللّٰهِ او ثالثُ ثلاثةٍ فَوَيْلٌ كَلِمَةُ عذابٍ لِّلَّذِينَ ظَلَمُوا كَفَرُوا بما قالوه في عِيسى مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ أَلِيمٍ ﴿٦٥﴾ مُؤلمٍ هَلْ يَنظُرُونَ اي كُفّارُ مَكّةَ اي مَا يَنْتَظِرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَن تَأْتِيَهُم بَدَلٌ مِنَ السَّاعَةِ بَغْتَةً فجأةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٦٦﴾ بوقتِ مَجِيئِهَا قبلَه الْأَخِلَّاءُ على المَعصيةِ فِي الدُّنيا يَوْمَئِذٍ يَومَ القِيٰمةِ مُتعلّقٌ بقولِه بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ ﴿٦٧﴾ المُتحابّينَ فِي اللّٰهِ على طاعَتِه فانّهم أصدِقاءُ.

ترجمہ: اور جب ابن مریم کی مثال بیان کی گئی (یعنی) جب اللہ تعالیٰ کا قول اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ نازل ہوئی تو مشرک کہنے لگے کہ ہم اس بات پر راضی ہیں کہ ہمارے معبود بھی عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ (جہنم میں) ہوں، اس لئے کہ اللہ کے علاوہ ان کی بھی بندگی کی گئی تو (اے محمد) تیری مشرک قوم اس مثال کو سن کر (مارے خوشی کے) چیخنے لگی اور انہوں نے کہا کہ ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ یعنی عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام، ہم اس بات پر راضی ہیں کہ ہمارے معبود (جہنم) میں عیسیٰ کے ساتھ ہوں تجھ پر ان کا یہ اعتراض کرنا محض باطل طریقہ پر جھگڑنے کی غرض سے ہے، ان کی اس بات سے واقف ہونے کی وجہ سے کہ مَا غیر ذوی العقول کے لئے ہے، لہٰذا اس میں عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام شامل نہیں ہیں بلکہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو سخت جھگڑنے والے، عیسیٰ (علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی) صرف بندے ہی ہیں جن پر ہم نے نبوت کے ذریعہ احسان فرمایا اور ہم نے ان کو بغیر باپ پیدا ہونے کی وجہ سے بنی اسرائیل کے لئے نشان (قدرت) بنا دیا یعنی مثال کے مانند ان کے عجیب طریقہ سے پیدا ہونے کی وجہ سے اسی سے اللہ تعالیٰ کی قدرت پر استدلال کیا جاتا ہے جس کا وہ ارادہ کرے اگر ہم چاہتے تم سے فرشتے پیدا کر دیتے جو (تمہاری) جانشینی کرتے، اس طریقہ پر کہ ہم تم کو ہلاک کر دیتے اور وہ یعنی عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام قیامت کی علامت ہے اس کے نزول سے (قیامت) کا علم حاصل ہوگا، لہٰذا تم قیامت کے بارے میں شک نہ کرو نون رفع جازم کی وجہ سے اور واؤ ضمیر التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف کر دیا گیا تَمْتَرُنَّ (معنی میں) تَشُكُّنَّ کے ہے، اور ان سے کہہ دو کہ توحید کے بارے میں میری اتباع کرو یہی جس کا میں تم کو حکم دے رہا ہوں سیدھی راہ ہے شیطان تمہیں اللہ کے دین سے روک نہ دے یقیناً وہ تمہارا صریح دشمن ہے (یعنی) کھلی عداوت والا ہے اور جب عیسیٰ معجزات اور احکام لیکر آئے تو فرمایا کہ میں تمہارے پاس نبوت اور انجیل کے احکام لے کر آیا ہوں تاکہ جن بعض چیزوں میں تم اختلاف کر رہے ہو ان کو واضح کر دوں، مثلاً تورات کے دینی احکام وغیرہ، چنانچہ آپ نے ان کے لئے دین کے معاملہ کو واضح کر دیا، پس تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو بلاشبہ میرا اور تمہارا رب اللہ ہی ہے پس تم سب اسی کی بندگی کرو، راہ راست یہی ہے پس جماعتوں نے آپس میں عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں اختلاف

کیا، آیا وہ خدا ہے یا خدا کا بیٹا ہے یا تین میں کا تیسرا ہے، سو ظالموں (یعنی) کافروں کے لئے خرابی ہے اس سبب سے جو انہوں نے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں کہا تکلیف والے دن کے عذاب سے وَیْلٌ کلمۂ عذاب ہے، یہ کفار مکہ صرف قیامت کے منتظر ہیں کہ ان پر اچانک آپڑے (تاتِیَهُمْ) السَّاعة سے بدل ہے اور انہیں اس کے آنے کی پہلے سے خبر بھی نہ ہو اس دن معصیت کی بنیاد پر دنیا میں دوستی رکھنے والے ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے۔ یومَئِذٍ کا تعلق بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ سے ہے مگر متقین آپس میں ایک دوسرے کے دشمن نہ ہوں گے یعنی جن کی دوستی اللہ کے لئے ہوگی، اس کی اطاعت پر تو وہ آپس میں دوست ہوں گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: ضُرِبَ ابنُ مَرْيَمَ مَثَلًا ای شُبِّهَ ابنُ مريمَ بالأصنامِ مفسر علام نے ضُرِب کی تفسیر جُعِلَ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ ضُرِبَ بمعنی جُعِلَ متعدی بدو مفعول ہے، پہلا مفعول ابن مریم ہے، جو کہ نائب فاعل ہے اور دوسرا مفعول مثلاً ہے اِذا مفاجاتیہ ہے اور قومُكَ مبتداء مِنهُ یَصِدُّوْنَ کے متعلق ہے، اور یَصِدُّوْنَ جملہ ہو کر خبر ہے۔

قَوْلُهُ: یَصِدُّوْنَ صاد کے کسرہ کے ساتھ، مضارع جمع مذکر غائب (ض) وہ چیختے چلاتے ہیں (لغات القرآن) خوشی سے شور مچاتے ہیں (اعراب القرآن) اور بعض حضرات نے یَصُدُّوْنَ صاد کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے، اس وقت صُدُوْدٌ سے مشتق ہوگا، وہ اعراض کرتے ہیں۔

قَوْلُهُ: اِلَّا جَدَلًا، ما ضَرَبُوا کا مفعول لہٗ ہے۔

قَوْلُهُ: هُوَ اللّٰهُ یہ قول نصاریٰ میں سے فرقۂ یعقوبیہ کا ہے اَوْ ابن اللّٰه یہ قول نصاریٰ میں سے فرقہ مرقوسیہ کا ہے، اَوْ ثَالِثُ ثَلاثَة یہ قول نصاریٰ کے تیسرے فرقہ ملکانیہ کا ہے۔ (جمل)

قَوْلُهُ: اَلْاَخِلَّاءُ یہ خلیل کی جمع ہے بمعنی دوست۔

قَوْلُهُ: علی المعصية اگر اخِلَّاءُ کو معصیۃ کے ساتھ مقید کیا جائے جیسا کہ مفسر علام نے کیا ہے تو اِلَّا المتقین مستثنیٰ منقطع ہوگا، اس لئے کہ متقیوں کی دوستی معصیۃ کی وجہ سے نہیں ہوتی، اس صورت میں مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہیں ہوگا، اور بعض حضرات نے اخِلَّاءُ سے مطلقاً دوست مراد لیا ہے، اس صورت میں متقین بھی مستثنیٰ منہ میں داخل ہوں گے، جس کی وجہ سے مستثنیٰ متصل کہلائے گا۔

قَوْلُهُ: متعلق بقوله بَعْضُهُمْ لِبعض عدوٌّ یعنی یومَئِذٍ کا تعلق عُدُوٌّ سے ہے اس لئے کہ یومَئِذٍ عَدُوٌّ کا ظرف مقدم ہے۔

سَوَال: عَدُوٌّ صیغہ صفت کا ہونے کی وجہ سے عاملِ ضعیف ہے، یہ اسی وقت عمل کرتا ہے جب اس کا معمول ترتیب سے یعنی

اس کے بعد واقع ہو، حالانکہ یہاں یومَئِذٍ جو کہ عَدُوٌّ کا ظرف ہے، مقدم واقع ہے، لہٰذا عَدُوٌّ عامل ضعیف ہونے کی وجہ سے یومَئِذٍ میں عمل نہیں کرے گا۔

جواب: ظروف میں چونکہ توسع ہے لہٰذا اس میں تقدیم کے باوجود عاملِ ضعیف بھی عمل کرسکتا ہے۔

شبہ: ظرف کے مقدم ہونے کے علاوہ عامل اور معمول کے درمیان مبتداء ثانی یعنی بعضھم لبعض کا فصل بھی ہے۔

دفع: مبتداء کا فصل بھی عمل سے مانع نہیں ہے۔

تفسیر وتشریح

شان نزول:

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ان آیات کے شان نزول میں مفسرین نے تین روایتیں بیان فرمائی ہیں، ایک یہ کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ قریش کے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا یا معشر قریشٍ لا خیرَ فی اَحدٍ یُعْبَدُ مِن دون اللّٰہ یعنی اے قریش کے لوگو! اللہ کے سوا جس کی عبادت کی جاتی ہے اس میں کوئی خیر نہیں، اس پر مشرکین نے کہا نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی عبادت کرتے ہیں، لیکن آپ خود تسلیم کرتے ہیں کہ وہ خدا کے نیک بندے اور نبی تھے، ان کے اس اعتراض کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (قرطبی)

دوسری روایت:

دوسری روایت یہ ہے کہ جب قرآن کریم کی آیت اِنّکم وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِن دُوْنِ اللّٰہِ حصبُ جھنّمَ بلاشبہ اے مشرکو! تم اور جن کی تم بندگی کرتے ہو وہ جہنم کا ایندھن بنیں گے، نازل ہوئی، تو اس پر عبداللہ بن زِبَعریٰ نے جو اس وقت کافر تھے، بعد میں ایمان لائے، یہ کہا کہ اس آیت کا تو میرے پاس بہترین جواب ہے، اور وہ یہ کہ نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی عبادت کرتے ہیں اور یہود عزیر علیہ الصلاۃ والسلام کی، کیا یہ دونوں بھی جہنم کا ایندھن بنیں گے، یہ بات سن کر قریش کے مشرکین بہت خوش ہوئے، اس پر اللہ تعالیٰ نے ایک تو یہ آیت نازل فرمائی اِنّ الذین سبقت لھم منّا الحسنیٰ اولئكَ عنھا مبعدون اور دوسری سورۂ زخرف کی مذکورہ آیت۔ (ابن کثیر)

تیسری روایت:

یہ کہ ایک مرتبہ مشرکین مکہ نے یہ بیہودہ خیال ظاہر کیا کہ محمد ﷺ خدائی کا دعویٰ کرنا چاہتے ہیں، ان کی مرضی یہ ہے کہ جس طرح نصاریٰ حضرت مسیح علیہ الصلاۃ والسلام کی اور یہود حضرت عزیر علیہ الصلاۃ والسلام کی بندگی کرتے ہیں ہم بھی ان کی بندگی کریں، اس پر

مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی، درحقیقت تینوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں، کفار نے تینوں ہی باتیں کہی ہوں گی، جن کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ایسی جامع آیت نازل فرمادی جس سے ان کے تینوں اعتراضوں کا جواب ہوگیا۔

غرضیکہ شرک کی مذمت اور جھوٹے معبودوں کی تردید و بے وقعتی کی وضاحت کے لئے جب مشرکین مکہ سے کہا جاتا کہ تمہارے ساتھ تمہارے معبود بھی جہنم میں جائیں گے تو اس سے مراد پتھر کی وہ مورتیاں ہوتی ہیں جن کی وہ عبادت کرتے تھے، نہ کہ وہ نیک لوگ جو کہ اپنی زندگیوں میں لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے رہے، مگر ان کی وفات کے بعد ان کے معتقدین نے انہیں بھی معبود سمجھنا شروع کردیا، ان کی بابت تو قرآن کریم ہی نے واضح کردیا کہ یہ جہنم سے دور رہیں گے، اِنَّ الَّذِینَ سَبَقَتْ لَھُم مِنَّا الحُسنیٰ اولئکَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ (الانبیاء) کیونکہ اس میں ان کا اپنا کوئی قصور نہیں تھا، اسی لئے قرآن نے ان کے لئے جو لفظ استعمال کیا ہے وہ لفظ ما ہے، جو غیر عاقل کے لئے استعمال ہوتا ہے اِنّکم وما تعبُدُونَ مِن دون اللہ حصبُ جھنمَ (الانبیاء) اس سے انبیاء علیہم السلام اور وہ صالحین نکل گئے جن کو لوگوں نے اپنے طور پر معبود بنائے رکھا ہوگا، یعنی یہ تو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی شکل بنائی ہوئی مورتیوں کو بھی دیگر مورتیوں کے ساتھ جہنم میں ڈال دے، لیکن یہ شخصیات تو بہرحال جہنم سے دور ہی رہیں گی، لیکن مشرکین نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر خیر سن کر یہ کٹ حجتی اور مجادلہ کرتے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام قابل مدح ہیں، حالانکہ عیسائیوں نے انہیں معبود بنایا ہوا ہے، تو پھر ہمارے معبود کیوں قابل مذمت ہیں، کیا وہ بھی قابل مدح نہیں، یا اگر ہمارے معبود جہنم میں جائیں گے تو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی پھر جہنم میں جائیں گے، یہ سن کر مشرکین مکہ کا خوشی کے مارے چلانا اور شور مچانا محض جدل اور کٹ حجتی تھا، جس کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ جھگڑنے والا جانتا ہے، کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے محض اپنی بات کی پچ میں بحث و تکرار کرتا ہے۔

وجَعلْنٰهُ مَثلاً لِبنی اسرائیلَ ایک تو اس اعتبار سے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بغیر باپ کے پیدا فرمایا، دوسرے خود حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایسے معجزے دیئے گئے کہ جن کے اعتبار سے وہ بنی اسرائیل کے لئے نشان قدرت تھے مثلاً احیاء موتیٰ، اندھوں کو بینا کرنا، کوڑھیوں اور مریضوں کو تندرست کرنا وغیرہ۔

وَلَو نَشَآءُ لَجَعلْنَا مِنکُم مَلٰئِکَۃً فی الْاَرْضِ یَخلفونَ یہ نصاریٰ کے اس مغالطہ کا جواب ہے جس کی بناء پر انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معبود قرار دیا تھا، انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے سے ان کی خدائی پر استدلال کیا تھا، باری تعالیٰ ان کی تردید میں فرماتے ہیں کہ یہ تو محض ہماری قدرت کا ایک مظاہرہ تھا، اور ہم تو اس سے بھی بڑھ کر خلاف عادت کاموں پر قادر ہیں، بغیر باپ کے پیدا ہونا تو کوئی بہت زیادہ خلاف عادت چیز نہیں، کیونکہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام تو بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے تھے، اگر ہم چاہیں تو ایسا کام کرسکتے ہیں، جس کی اب تک کوئی نظیر نہیں، اور وہ یہ کہ انسانوں سے فرشتے پیدا کردیں اور زمین پر تمہاری جگہ فرشتوں کو آباد کردیں، جو تمہاری ہی طرح ایک دوسرے کی جانشینی کریں، مطلب یہ کہ فرشتوں کا آسمان پر رہنا ایسا شرف نہیں ہے کہ ان کی عبادت کی جائے، یہ

تو ہماری مشیت ہے کہ فرشتوں کو آسمانوں پر اور انسانوں کو زمین پر آباد کیا، ہم چاہیں تو فرشتوں کو زمین پر بھی آباد کر سکتے ہیں، لہٰذا مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا، علامت معبودیت نہیں، بلکہ قیامت کے علم وعلامت میں سے ہے لہٰذا تم وقوع قیامت میں تردد نہ کرو اور میری بات مانو۔

لیکن اکثر مفسرین نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ کا دوبارہ آسمان سے نازل ہونا قیامت کی علامت ہے، چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آخری زمانہ میں آسمان سے نزول فرمانا اور دجال کو قتل کرنا احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔

فاختلف الاحزاب من بینھم (الآیة) یہاں احزاب سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں، یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تنقیص کی اور انہیں نعوذ باللہ ولد الزنا قرار دیا، جبکہ عیسائیوں نے غلو سے کام لیکر انہیں معبود بنالیا، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ احزاب سے عیسائیوں کے فرقے مراد ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں آپس میں شدید اختلاف رکھتے ہیں، کوئی فرقہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ''ابن اللہ'' اور بعض ''اللہ''، اور بعض ''ثالث ثلاثۃ'' کہتا ہے اور ایک فرقہ مسلمانوں کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول تسلیم کرتا ہے۔

اَلاخِلّاءُ یومئذٍ بعضھم لبعضٍ عدوٌّ کیونکہ کافروں کی دوستی کفر وفسق کی بنیاد پر ہوتی ہے اور یہی کفر وفسق ان کے عذاب کا باعث ہوگا اور ایک دوسرے کو قیامت کے دن مورد الزام ٹھہرائیں گے، اور ایک دوسرے کے دشمن ہوجائیں گے اس کے برعکس، اہل ایمان وتقویٰ کی باہمی محبت چونکہ دین اور رضائے الٰہی کی بنیاد پر ہوتی ہے، اور دین خیر وثواب کا باعث ہے اس سے ان کی دوستی میں کوئی خلل وانقطاع نہیں ہوگا، بلکہ آپس میں ایک دوسرے کے شفیع اور معین ہوں گے۔

ویُقالُ لہم **یٰعِبَادِ لَاخَوْفٌ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿٦٨﴾ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا** نَعتٌ لِعبادِی **بِاٰیٰتِنَا** القُراٰن **وَکَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ﴿٦٩﴾ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ** مُبتدأ **وَاَزْوَاجُکُمْ** زَوجاتُکم **تُحْبَرُوْنَ ﴿٧٠﴾** تُسرُّونَ وتُکرَمُونَ خبرُ المُبتدأ **یُطَافُ عَلَیْھِمْ بِصِحَافٍ** بقِصاعٍ **مِّنْ ذَھَبٍ وَّاَکْوَابٍ** جمعُ کُوبٍ وہو اِناءٌ لا عُروةَ لہ لِیَشرَبَ الشارِبُ مِن حیثُ شاءَ **وَفِیْھَا مَا تَشْتَھِیْهِ الْاَنْفُسُ** تَلَذُّذًا **وَتَلَذُّ الْاَعْیُنُ** نَظَرًا **وَاَنْتُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ﴿٧١﴾ وَتِلْکَ الْجَنَّةُ الَّتِیْٓ اُوْرِثْتُمُوْھَا بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٧٢﴾ لَکُمْ فِیْھَا فَاکِھَةٌ کَثِیْرَةٌ مِّنْھَا** ای بَعضَها **تَاْکُلُوْنَ ﴿٧٣﴾** وما یُؤکَلُ یَخلُفُ بَدلَہ **اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ عَذَابِ جَھَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿٧٤﴾ لَا یُفَتَّرُ** یُخفَّفُ **عَنْھُمْ وَھُمْ فِیْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿٧٥﴾** ساکِتُونَ سُکوتَ یأسٍ **وَمَا ظَلَمْنٰھُمْ وَلٰکِنْ کَانُوْا ھُمُ الظّٰلِمِیْنَ ﴿٧٦﴾ وَنَادَوْا یٰمٰلِکُ** ہو خازِنُ النّار **لِیَقْضِ عَلَیْنَا رَبُّکَ** لِیُمِتنا **قَالَ** بَعد اَلفِ سَنةٍ **اِنَّکُمْ مّٰکِثُوْنَ ﴿٧٧﴾** مُقِیمُونَ فِی العذابِ دائمًا، قال تعالیٰ **لَقَدْ جِئْنٰکُمْ** ای اَہلَ مکة **بِالْحَقِّ** علی لِسانِ الرُّسُلِ **وَلٰکِنَّ اَکْثَرَکُمْ لِلْحَقِّ کٰرِھُوْنَ ﴿٧٨﴾ اَمْ اَبْرَمُوْٓا** ای کُفّارُ مکّة اَحکَموا **اَمْرًا** فی کَیدِ مُحمّدٍ النبیِّ صلی اللّٰہُ علیہ وسلم **فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿٧٩﴾** مُحکِمُونَ کَیدَنا فِی اِہلاکِہم **اَمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّھُمْ وَنَجْوٰھُمْ**

ما يسرّون الى غيرهم وما يجهرون به بينهم بَلٰى نسمعُ ذلك وَرُسُلُنَا الحفظة لَدَيْهِمْ عندهم يَكْتُبُوْنَ﴿۸۰﴾ ذلك قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فرضا فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ﴿۸۱﴾ للولد لكن ثبت اَن لا وَلَدَ له تعالٰى فانتفت عبادته سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ الكرسيّ عَمَّا يَصِفُوْنَ﴿۸۲﴾ يقولون من الكذب بنسبةِ الولد اليه فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا في باطلهم وَيَلْعَبُوْا في دنياهم حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ﴿۸۳﴾ فيه العذابَ وهو يومُ القيٰمةِ وَهُوَ الَّذِيْ هو فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ بتحقيقِ الهمزتينِ واسقاطِ الأولى وتسهيلها كالياء اى مَعبودٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ وكلٌّ من الظرفينِ مُتعلِّقٌ بما بعده وَهُوَ الْحَكِيْمُ في تدبير خلقه الْعَلِيْمُ﴿۸۴﴾ بمصالحهم وَتَبٰرَكَ تعظَّمَ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ متى تقومُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴿۸۵﴾ بالتاءِ والياءِ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يعبدونَ اى الكفّارُ مِنْ دُوْنِهِ اى اللهِ الشَّفَاعَةَ لِاَحدٍ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ اى قالَ لا اِلٰهَ الَّا اللهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴿۸۶﴾ بقلوبهم ما شهدوا به بألسنتهم وهم عيسٰى وعزيرٌ والملٰئكةُ فانّهم يشفعونَ للمؤمنينَ وَلَئِنْ لامُ قسمٍ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ حُذفَ منه نونُ الرفعِ وواوُ الضميرِ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴿۸۷﴾ يُصرفونَ عن عبادةِ اللهِ تعالٰى وَقِيْلِهٖ اى قولُ محمّدٍ النبي صلى الله عليه وسلم ونصبُه على المصدرِ بفعلِهِ المقدَّرِ اى وقالَ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ﴿۸۸﴾ قالَ تعالٰى فَاصْفَحْ اَعرِضْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ منكم وهذا قبلَ اَن يُؤمرَ بقتالِهم فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ﴿۸۹﴾ بالياءِ والتاءِ تهديد لهم.

ترجمہ: ان سے کہا جائے گا اے میرے بندو! آج تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم غم زدہ ہوگے، جو ہماری آیتوں قرآن پر ایمان لائے (الذین آمنوا) عبادی کی صفت ہے اور تھے بھی وہ فرمانبردار تم اور تمہاری بیویاں خوشی خوشی اور اکرام کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ (أنتم) مبتداء ہے (تُحْبَرُوْنَ) اس کی خبر ہے ان کے پاس سونے کی رکابیاں اور گلاس لائے جائیں گے اکواب، کوبٌ کی جمع ہے، اس برتن کو کہتے ہیں جس میں ٹونٹی نہ ہو (مثلاً کٹورا اور گلاس) تا کہ پینے والا جدھر سے چاہے پیے، اور وہاں وہ چیزیں ملیں گی جن کو ان کا دل چاہے گا اور جن کو دیکھ کر آنکھیں لذت اندوز ہوں گی اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے اور یہ وہی جنت ہے جس کے تم اعمال کے بدلے وارث بنائے گئے ہو یہاں تمہارے لئے بکثرت میوے ہیں جن میں سے تم ہمیشہ کھاتے رہو گے اور جو کھایا جائے گا (فوراً) اس کا بدل موجود ہو جائے گا بے شک مجرم لوگ جہنم کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے (یہ عذاب) کبھی بھی ان سے ہلکا نہیں کیا جائے گا؟ اور وہ اسی میں مایوسی کے ساتھ خاموش پڑے رہیں گے اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی ظالم تھے اور وہ پکار پکار کر کہیں گے، اے مالک! تیرا رب ہمارا کام ہی تمام کر دے تا کہ ہم مر جائیں، ہزار سال کے بعد وہ جواب دے گا تم کو تو (ہمیشہ) عذاب میں رہنا ہے اے اہل مکہ! ہم تو تمہارے پاس رسولوں کی زبانی حق لے آئے لیکن تم میں سے اکثر لوگ حق سے نفرت رکھنے والے تھے کیا کفار مکہ نے محمد ﷺ کو نقصان پہنچانے کے

لئے کوئی پختہ تدبیر کر رکھی ہے؟ تو یقین مانو ہم بھی ان کی ہلاکت کے بارے میں پختہ تدبیر کرنے والے ہیں کیا ان کا یہ خیال ہے کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں کو اور ان کی سرگوشیوں کو نہیں سنتے؟ (یعنی) جن باتوں کو وہ رازدارانہ طور پر کرتے ہیں اور جن باتوں کو وہ آپس میں علی الاعلان کرتے ہیں (کیا ہم نہیں سنتے؟) ہاں کیوں نہیں؟ اس کو (ضرور) سنتے ہیں (علاوہ ازیں) ہمارے نگراں فرستادے ان کے پاس اس کو لکھ لیتے ہیں، آپ کہہ دیجئے اگر بالفرض رحمٰن کے اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے ولد کی عبادت کرنے والا ہوتا، لیکن یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد نہیں ہے، لہٰذا اس کی عبادت بھی منتفی ہوگئی آسمانوں کا اور زمین کا مالک جو کہ عرش کرسی کا بھی مالک ہے اس کی جانب ولد کی نسبت کر کے جو جھوٹ بک رہے ہیں وہ ان سے پاک ہے اب آپ انہیں اسی باطل بحث و مباحثہ اور دنیوی کھیل کود میں چھوڑ دیجئے، یہاں تک کہ انہیں اس دن سے سابقہ پڑ جائے جس دن میں ان سے عذاب کا وعدہ کیا جاتا ہے اور وہ قیامت کا دن ہے وہی آسمانوں میں معبود ہے دونوں ہمزوں کی تحقیق اور اولیٰ کو ساقط کر کے اور اس کی یاء کے مانند تسہیل کر کے اور زمین میں بھی وہی قابل عبادت ہے اور دونوں ظرفوں میں سے ہر ایک اپنے مابعد (اِلٰـهٌ) سے متعلق ہے وہ اپنی مخلوق کی تدبیر کے بارے میں بڑی حکمت والا ہے اور ان کی مصلحتوں کے بارے میں بڑے علم والا ہے اور وہ بڑی عظمت والا ہے، جس کے پاس آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز کی بادشاہت ہے، اور قیامت کا علم بھی اسی کے پاس ہے کہ کب واقع ہوگی، اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے تاء اور یاء کے ساتھ، اور جن غیر اللہ کو کافر پوجتے ہیں وہ کسی کی شفاعت کرنے کا حق نہیں رکھتے، ہاں جو حق بات کا اقرار کریں، یعنی لا الٰه الا الله کہیں اور جس بات کا زبان سے اقرار کر رہے ہیں اس کا دل سے یقین بھی کریں اور وہ عیسیٰ اور عزیر اور ملائکہ علیہم السلام ہیں، یہ مومنین کی شفاعت کریں گے اور اگر آپ ان سے دریافت فرمائیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ یقیناً یہی کہیں گے کہ اللہ نے (لَئِن) میں لام قسمیہ ہے (لَیَقُوْلُنَّ) میں نون رفع اور واو ضمیر حذف کر دیئے گئے ہیں، تو پھر یہ کہاں الٹے چلے جا رہے ہیں؟ اور اس کو محمد ﷺ کے اس قول کی بھی خبر ہے کہ اے میرے رب یہ ایسے لوگ ہیں کہ ایمان نہیں لاتے اور (قِیْلَهٗ) پر نصب فعل مقدر کا مصدر ہونے کی وجہ سے ہے ای قَالَ قِیْلَهٗ آپ ان سے منہ پھیر لیں اور کہہ دیں (اچھا بھائی) میں تم کو سلام کرتا ہوں سو ان کو عنقریب (خود ہی) معلوم ہو جائے گا یاء اور تاء کے ساتھ، یہ ان کے لئے دھمکی ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: یَا عِبَادِ اصل میں یَا عِبَادِی تھا، اے میرے بندو! عباد یاء متکلم محذوفہ کی طرف مضاف ہے اور یہ حذف، مصحف امام کی رعایت کی وجہ سے ہے، یہ اضافت برائے تشریف ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا کسی کو اپنا کہہ دینا بہت بڑا اکرام اور اعزاز ہے نیز اس میں بندوں کی دلجوئی بھی ہے۔

قَوْلُهٗ: یَا عِبَادِی کی یاء میں تین قراءتیں ہیں: حذف یاء، فتحہ یاء، سکون یاء، اس آیت میں ندا چار امور پر مشتمل ہے

① نفی خوف ② نفی حزن ③ جنت میں داخل ہونے کا حکم ④ خوشی کی بشارت تُحْبَرُون میں۔

قِوْلَہٗ: لا خوفٌ علیکم فتح اور تنوین جمہور کی قراءت ہے، خوفٌ مبتداء ہے خوفٌ کا نکرہ تحت النفی داخل ہونے کی وجہ سے مبتداء بننا درست ہے، علیکم مبتداء کی خبر، یومٌ ظرف ہے محذوف کے متعلق ہے۔

قِوْلَہٗ: تُحْبَرُوْنَ ای تُسَرُّوْنَ حِبْرٌ (ن) سے مضارع جمع مذکر حاضر مجہول، تمہاری عزت کرائی جائے گی، تم کو خوش کیا جائے گا، ایسی خوشی کہ جس کا اثر چہرے پر ظاہر ہو، زجاج نے کہا ہے کہ تحبرون کے معنی تُکرَمُونَ اِکْرَامًا یُبَالَغُ فِیهِ کے ہیں۔ (لغات القرآن)

قِوْلَہٗ: بِصِحَافٍ، صَحْفَةٌ کی جمع ہے، رکابیاں، اتنی بڑی رکابی کہ جس میں بیک وقت پانچ آدمی کھا سکیں، کسائی نے کہا ہے کہ اَعْظَمُ القصاع جَفْنَةٌ پھر اَلْقَصْعَةُ جس میں دس آدمی سیر ہو سکیں، پھر الصَّحْفَة جس میں پانچ آدمی سیر ہو سکیں، پھر المکیلة جس میں دو یا تین آدمی سیر ہو سکیں۔ (لغات القرآن للدرویش)

قِوْلَہٗ: اکواب کوبٌ کی جمع ہے، اس لوٹے کو کہتے ہیں کہ جس میں نہ دستہ ہو اور نہ ٹونٹی۔

قِوْلَہٗ: تِلْكَ الجنةُ الّتی اُوْرِثْتُمُوها تلك مبتداء الجنة موصوف الّتی موصول اُوْرِثْتُمُوْهَا صلہ، موصول صلہ سے مل کر جملہ ہو کر الجنة کی صفت، موصوف باصفت مبتداء کی خبر۔

نکتہ۔سوال: اُوْرِثْتُمُوْهَا کی مطابقت کا تقاضہ تھا کہ تِلْكُمُوا الجنةَ فرماتے یعنی تلك کو جمع لاتے۔

جَوَابٌ: تلكَ کو جمع لانے کی بجائے مفرد لانے میں یہ حکمت ہے کہ تِلْكُمُوا جمع لانے میں خطاب اہل جنت کو مجموعی طور پر ہوتا، اور مفرد لانے میں ہر جنتی کو مستقل خطاب ہو گیا جو کہ بڑے عز و شرف کی بات ہے۔ (صاوی)

قِوْلَہٗ: لا یُفَتَّرُ تَفْتِیرٌ (تفعیل) سے واحد مذکر غائب مجہول منفی، کم نہیں کیا جائے گا، ہلکا نہیں کیا جائے گا۔

قِوْلَہٗ: نَادَوْا یا مالك محقق الوقوع ہونے کی وجہ سے ماضی سے تعبیر کیا ہے۔

قِوْلَہٗ: لَقَدْ جِئْنَاكُمْ بالحق یہ باری تعالیٰ کا کلام بھی ہو سکتا ہے اس میں مشرکین مکہ سے خطاب ہے اور مشرکین کے جہنم میں قیام کی علت ہے، علامہ محلی کے نزدیک یہی راجح ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جہنم کے نگران مالک کا کلام ہو، اس صورت میں خطاب عام اہل نار کو ہو گا، اور قائم مقام علت کے ہو گا۔

قِوْلَہٗ: اَبْرَمُوا، اِبرامٌ سے ماضی جمع مذکر غائب، انہوں نے مضبوط ارادہ کیا۔

قِوْلَہٗ: العرش، الکرسی مناسب تھا کہ مفسر علام عرش کی تفسیر کرسی سے نہ فرماتے، اس لئے کہ یہ بات معلوم و متعین ہے کہ عرش اور کرسی دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔

قِوْلَہٗ: یَوْمَهُمُ الذی یُوْعَدُوْنَ کی تفسیر یوم القیامةِ کے بجائے یوم الموت سے کرتے تو زیادہ مناسب ہوتا اس لئے کہ مشرکین کے خوض فی الباطل اور لعب فی الدنیا کی انتہا موت پر ہو جاتی ہے، نہ کہ یوم قیامت میں۔

قَوْلُہٗ: مِن الظرفين متعلق بما بعدهٗ، ظرفين سے مراد في السماء اور في الارض ہے اور مابعد سے مراد دونوں جگہ اللهُ ہے جو کہ مألُوهٌ (مَعْبُوْدٌ) کے معنی میں ہے۔

قَوْلُہٗ: الذين يَدْعُوْن اى يَدْعُوْنهُمْ، هُمْ مفعول محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: وَلَا يَمْلِكُ الذين الخ الَّذِيْنَ يَمْلِكُ کا فاعل ہے، اگر الَّذِيْنَ سے مطلقا معبودانِ غیر اللہ مراد ہوں تو اس صورت میں اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ مستثنیٰ متصل ہوگا، جیسا کہ مفسر علام کی عبارت کا مقتضیٰ ہے یا الَّذِيْنَ سے مخصوص طور پر اصنام مراد ہیں تو اس صورت میں مستثنیٰ منقطع ہوگا۔

قَوْلُہٗ: اى الكفار، الكفار يَدْعونَ کے واؤ کی تفسیر ہے۔

قَوْلُہٗ: لِاَحَدٍ یہ اشارہ ہے کہ الشفاعةُ کا مفعول محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: وهُمْ يعلمونَ، هُمْ ضمیر باعتبار معنی کے مَنْ کی طرف راجع ہے۔

قَوْلُہٗ: لَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لام قسم ہے لَيَقُوْلُنَّ جواب قسم ہے اور حسب قاعدہ جواب شرط محذوف ہے، اس لئے کہ قسم اور شرط جب جمع ہو جائیں تو اول کا جواب مذکور اور ثانی کا محذوف ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: وَقِيْلِهٖ اى قول محمد ﷺ، یہ مضاف اور مضاف الیہ دونوں کی تفسیر ہے، یعنی قيل بمعنی قول ہے اور ضمیر مضاف الیہ سے مراد آپ ﷺ ہیں۔

قَوْلُہٗ: نصبُهٗ على المصدر بفعلهٖ، قِيْلٌ قال کے مصادر میں سے ایک ہے یعنی قِيْلَهٗ قال فعل محذوف کا مصدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قَوْلُہٗ: وقَالَ يا ربِّ زیادہ واضح یہ تھا کہ مفسر علام قال يا ربِّ کے بجائے قالَ قيلَهٗ يا ربِّ فرماتے۔

(حاشیه جلالین)

قَوْلُہٗ: سلامٌ یہ سلام متارکت (پیچھا چھڑانے کا سلام) ہے جیسا کہ متکلم نے اشارہ کر دیا ورنہ عليكم ہوتا نہ کہ سلام تحية اور سلام مبتداء محذوف کی خبر ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اَمْرِى سلامٌ.

تفسیر وتشریح

يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ، يٰعِبَادِ سے پہلے يُقَالُ لَهُمْ محذوف ہے، یہ بات قیامت کے دن ان متقیوں سے کہی جائے گی جو دنیا میں صرف اللہ کے لئے ایک دوسرے سے محبت رکھتے تھے، جیسا کہ احادیث میں اس کی فضیلت وارد ہے، بلکہ اللہ کے لئے محبت اور اللہ کے لئے عداوت کو کمال ایمان کی بنیاد بتلایا گیا ہے۔

اَزْوَاجُکُمْ سے بعض حضرات نے مومن بیویاں مراد لی ہیں، اور بعض نے مومن دوست احباب اور بعض نے جنت میں ملنے والی بیویاں اور حوریں مراد لی ہیں، یہ تمام مفہوم درست ہیں، اس لئے کہ جنت میں یہ سب کچھ ملے گا تُحْبَرُوْنَ، حَبْرٌ سے ماخوذ ہے یعنی وہ فرحت و سرور جو انہیں جنت کی نعمت و عزت کی وجہ سے ملے گا۔

وتلك الجنةُ الّتِی اُوْرِثتموھا بِمَا کنتُم تعملونَ، بِما کُنْتُم تعملون میں باء سببیہ ہے، یعنی تم کو اس جنت کا وارث تمہارے اعمال کے سبب بنایا گیا ہے۔

سَوَال: یہ حدیث کے معارض ہے، حدیث شریف میں وارد ہے لَنْ یدخل اَحد کم الجنة بعملہٖ بل برحمة اللّٰہ.

جَوَاب: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عمل دخول جنت کا سبب مستقل نہیں ہے۔

دُوسرا جَوَاب: بِمَا کُنتم تعملون میں باء سببیہ نہیں ہے، بلکہ ملابستہ کے لئے ہے یا حدیث وآیت کا مطلب ہے دخول بالفضل و درجات بالعمل یعنی نفس دخول تو رحمت خداوندی ہی کے ذریعہ ہوگا، البتہ درجات کی بلندی اعمال صالحہ کے ذریعہ ہوگی۔ (صاوی وحاشیہ جلالین)

وَهُمْ فِیْهِ مُبْلِسُوْنَ مشرکین و کفار جہنم میں خاموش مایوس پڑے ہوں گے، اس پر سوال یہ ہوتا ہے کہ یہ آئندہ آنے والی آیت نـادَوا یا مالِكُ (الآیة) کے معارض ہے، اس لئے کہ اس آیت کا مطلب ہے کہ وہ فریاد کریں گے، اور کلام کریں گے یعنی خاموش نہیں رہیں گے۔

جَوَاب: حالات اور مقامات مختلف ہوں گے، کہیں فریاد و تکلم کریں گے اور کہیں خاموش رہیں گے، تعارض کے لئے اتحاد زمان ومکان ضروری ہے۔

اَمْ اَبْرَمُوْا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ اِبرام کے معنی پختہ اور مضبوط کرنے کے ہیں اَمْ اضراب کے لئے بل کے معنی میں ہے یعنی ان جہنمیوں نے حق کو صرف ناپسند ہی نہیں کیا بلکہ اس کے خلاف منظم سازشیں اور تدبیریں بھی کرتے رہے جس کے مقابلہ میں پھر ہم نے بھی تدبیر کی، اور ظاہر ہے کہ ہم سے زیادہ مضبوط تدبیر کس کی ہوسکتی ہے۔

اِنْ کَانَ لِلرحمٰنِ وَلَدٌ فانَا اَوَّلُ العَابِدِیْنَ اگر خدائے رحمٰن کی کوئی اولاد ہوتی تو سب سے پہلے میں اس کی تعظیم وتوقیر کرتا، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خدا کی اولاد ہونے کا نعوذ باللہ کسی بھی درجہ میں امکان ہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ میں تمہارے عقائد کا انکار، کسی عناد یا ہٹ دھرمی کی وجہ سے نہیں کر رہا ہوں، بلکہ دلائل کی روشنی میں کر رہا ہوں، اگر صحیح دلائل سے خدا کی اولاد کا وجود ثابت ہوجاتا تو میں اسے ضرور مان لیتا، لیکن نقل وعقل کی ہر دلیل اس کی نفی کرتی ہے، اس لئے ماننے کا کوئی سوال ہی نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اہل باطل کے ساتھ مباحثہ کے وقت اپنی حق پسندی جتلانے کے لئے یہ کہنا جائز اور مناسب ہے، کہ اگر تمہارا

دعویٰ صحیح دلائل سے ثابت ہوتا تو میں اسے تسلیم کرلیتا کیونکہ بعض اوقات اس اندازِ کلام سے مخالف کے دل میں ایسی نرمی پیدا ہوسکتی ہے جو اسے قبول حق پر آمادہ کردے، اصطلاحی زبان میں اسے ارخاء العنان کہتے ہیں یعنی تھوڑی دیر کے لئے مخالف کی بات بڑی کرنا، تاکہ وہ عناد اور ضد چھوڑ کر معقول پسندی کا طریقہ اختیار کرے۔

وقیلِہٖ یا رَبِّ اِنَّ ھٰؤلاءِ قومٌ لا یُؤْمِنُوْنَ یہ جملہ اس بات کو واضح کرنے کے لئے لایا گیا ہے کہ ان کافروں پر غضب خداوندی نازل ہونے کے کتنے شدید اسباب موجود ہیں، ایک طرف تو ان کے جرائم فی نفسہ بڑے سخت ہیں، دوسری طرف وہ رسول جو رحمۃ للعالمین اور شفیع المذنبین بنا کر بھیجے گئے، جب خود ان لوگوں کی شکایت کریں اور فرمائیں کہ یہ لوگ بار بار فہمائش کے باوجود ایمان نہیں لاتے تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو کس قدر اذیت پہنچائی ہوگی، ورنہ معمولی شکایت پر رحمۃ للعالمین ﷺ اللہ تعالیٰ سے ایسی پُر درد شکایت نہ فرماتے، اس تفسیر کے مطابق وقِیْلِہٖ ایک آیت پہلے کے لفظ السَّاعَةَ پر معطوف ہے، اس آیت کی اور بھی تفسیریں منقول ہیں، روح المعانی کی طرف رجوع فرمائیں۔ (معارف)

سُوْرَةُ الدُّخَانِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ الدُّخَانِ مَكِّيَّةٌ وَقِيْلَ اِلَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ (الاٰية) وهِيَ سِتٌّ اَوْ سَبْعٌ اَوْ تِسْعٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيةً.

سورۂ دخان مکی ہے سوائے كَاشِفُوا الْعَذَابِ الخ کے، اوراس میں ٥٦/ ٥٧ یا ٥٩ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ حٰمٓ ۚ﴿١﴾ اللّٰهُ اَعلَمُ بمُرادِهٖ به وَالْكِتٰبِ القُراٰنِ الْمُبِيْنِ ۙ﴿٢﴾ المُظْهِرِ للحلاَلِ مِنَ الحرَامِ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ هِيَ ليلَةُ القَدرِ او ليلةُ النِّصفِ من شعْبَانَ نَزَلَ فيها مِن اُمِّ الكِتابِ من السَّمَاءِ السَابعَةِ الى السَّماءِ الدُنيا اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ﴿٣﴾ مُخَوِّفينَ به فِيْهَا اى فِي ليلَةِ القَدْرِ او ليلَةِ نِصْفِ شعبَانَ يُفْرَقُ يُفْصَلُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۙ﴿٤﴾ محكَم مِنَ الارزَاقِ والآجال وغيرهما التي تكُون فى السَّنَةِ الى مِثْلِ تلكَ اللَّيلةِ اَمْرًا فرْقًا مِّنْ عِنْدِنَا ۭ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۚ﴿٥﴾ الرُسُلَ محمدًا ومَنْ قبلَه رَحْمَةً رأفةً بالمُرسَلِ اِلَيهم مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ لِاَقوالِهم الْعَلِيْمُ ۙ﴿٦﴾ بافعَالِهم رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ برَفعِ رَبّ خبرٌ ثالِثٌ وبِجرّهٖ بَدَلٌ مِن رَبّكَ اِنْ كُنْتُمْ يا اَهلَ مَكَّةَ مُّوْقِنِيْنَ ﴿٧﴾ بانّه تعالٰى رَبُّ السَّمٰوٰتِ والاَرضِ فايْقِنُوا بان مُحَمَّدًا رسُولُه لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَاۗىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٨﴾ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِن البَعْثِ يَّلْعَبُوْنَ ﴿٩﴾ اِسْتِهزاءً بك يا مُحمدُ فقَالَ اللّٰهُمَّ اَعِنِّى عليهم بِسَبْعٍ كسَبْعِ يوسُفَ قال تعالٰى فَارْتَقِبْ لهم يَوْمَ تَاْتِي السَّمَاۗءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۙ﴿١٠﴾ فاَجدَبَتِ الارضُ واشْتَدَّ بهم الجُوعُ الى اَنْ رَأوا مِنْ شِدَّتِهٖ كهيئَةِ الدُّخان بَيْنَ السَّماءِ والارضِ يَّغْشَى النَّاسَ ۭ فقَالُوا هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١١﴾ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ﴿١٢﴾ مُصَدِّقُوْنَ بنَبِيّكَ، قال تعالٰى اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى اى لاَ يَنْفَعُهمُ الاِيمانُ عِندَ نزُولِ العذَابِ

وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۳﴾ بَيِّنُ الرِّسَالَةِ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ اي يُعَلِّمُهُ القُرانَ بَشَرٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿۱۴﴾ إِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ اي الجُوعِ عَنكم زَمَنًا قَلِيْلًا فكَشَفَ عنهم إِنَّكُمْ عَائِدُوْنَ ﴿۱۵﴾ الي كُفرِكُم فعادُوا اليه، أذكر يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى هُوَ يومُ بدرٍ إِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۱۶﴾ منهم والبَطْشُ الاَخذُ بقُوَّةٍ وَلَقَدْ فَتَنَّا بَلَونا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ معه وَجَاءَهُمْ رَسُوْلٌ هُوَ مُوسٰى عليه السَّلام كَرِيْمٌ ﴿۱۷﴾ على الله تعالٰى أَنْ اي بِاَنْ أَدُّوْا إِلَيَّ مَا اَدْعُوكُم اليه مِنَ الاِيمان اي اَظْهِرُوا اِيمانَكم بالطَّاعةِ لِي يا عِبَادَ اللّٰهِ إِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ أَمِيْنٌ ﴿۱۸﴾ على مَا اُرسِلتُ به وَأَنْ لَّا تَعْلُوْا تَتَجَبَّرُوا عَلَى اللّٰهِ بتركِ طَاعَتِه إِنِّيْ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ بُرهَان مُّبِيْنٍ ﴿۱۹﴾ بَيِّنٍ على رِسَالَتي فَتَوَعَّدُوهُ بِالرَّجْمِ فقالَ وَإِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ أَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴿۲۰﴾ بِالحِجَارَةِ وَإِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِيْ تُصَدِّقُوْنِي فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿۲۱﴾ فَاتْرُكُوا اَذَايَ فلم يَترُكوه فَدَعَا رَبَّهٗ أَنَّ اي بِاَنَّ هٰؤُلَاءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ مُشرِكُونَ فقالَ تعالٰى فَأَسْرِ بِقَطعِ الهَمزةِ ووَصْلِها بِعِبَادِيْ بَنِي اسرَائِيلَ لَيْلًا إِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ يَتَّبِعُكم فرعونُ وقومُه وَاتْرُكِ الْبَحْرَ اذا قَطَعْتَهُ اَنتَ واَصحابُك رَهْوًا ساكِنًا مُتَفرِّجًا حَتّٰى تدخُلَه القِبْطُ إِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۴﴾ فاطْمَأَنَّ بذلك فأُغرِقُوا كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ بَسَاتِينَ وَّعُيُوْنٍ ﴿۲۵﴾ تَجرِي وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۲۶﴾ مَجلِسٍ حَسَنٍ وَّنَعْمَةٍ مُتعةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ﴿۲۷﴾ نَاعِمِينَ كَذٰلِكَ خَبرُ مُبتدأ اي الاَمرُ وَأَوْرَثْنٰهَا اي اَموالَهم قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿۲۸﴾ اي بَنِي اسرَائِيلَ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ بِخِلافِ المُؤمِنينَ يَبكِي عليهم بمَوتِهم مُصَلَّاهم مِنَ الارضِ ومَصْعَدُ عملِهم مِنَ السَّماءِ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ﴿۲۹﴾ مُؤَخَّرِينَ للتَّوبَةِ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے حٰمٓ اس سے اللہ کی کیا مراد ہے؟ وہی بہتر جانتا ہے قسم ہے واضح کتاب قرآن کی جو حلال کو حرام سے ممتاز کرنے والی ہے، یقیناً ہم نے اس کو بابرکت رات میں نازل کیا ہے اور وہ شب قدر یا شب نصف شعبان ہے، اسی رات میں قرآن کو ساتویں آسمان پر موجود لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر نازل کیا گیا، بے شک ہم اس کے ذریعہ ڈرانے والے ہیں، اسی رات یعنی شب قدر یا شب نصف شعبان میں ہر محکم کام کا مثلاً روزی، موت وغیرہ جو اس سال اسی جیسی (آئندہ) رات تک ہونے والے ہوتے ہیں فیصلہ کیا جاتا ہے، ہمارے پاس سے حکم صادر ہو کر ہم ہی ہیں رسول بنا کر بھیجنے والے محمد کو اور سابقہ انبیاء کو مرسل الیہم پر رحم کرتے ہوئے تیرے رب کی جانب سے وہی ہے ان کی باتوں کا سننے والا ان کے افعال کو دیکھنے والا جو رب ہے، آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے رَبّ کے رفع کے ساتھ (هو) کی خبر ثالث ہونے کی وجہ سے، یا ربِّ کے جر کے ساتھ مِنْ رَبِّكَ سے بدل ہونے کی وجہ سے، اے اہل مکہ! اگر تم یقین کرنے والے ہو یہ کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا رب ہے تو یقین کر لو کہ محمد ﷺ اس کے رسول ہیں اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے وہی تمہارا رب ہے اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا بھی، بلکہ وہ بعث

کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے کھیل میں مصروف ہیں، اے محمد ﷺ آپ کا استہزاء کرتے ہوئے، تو (آپ ﷺ) نے بددعاء فرمائی، اے میرے اللہ تو ان کے مقابلہ میں سات سالوں کے ذریعہ، یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سات سالوں کے مانند میری مدد فرما، اللہ تعالیٰ نے دعاء کو قبول کرتے ہوئے فرمایا آپ اس روز کا انتظار کیجئے کہ آسمان کی طرف ایک نظر آنے والا دھواں نمودار ہو جو سب لوگوں پر چھا جائے گا، چنانچہ خشک سالی نمودار ہوگئی اور اہل مکہ شدید بھوک میں مبتلا ہوگئے، حتی کہ شدت بھوک کی وجہ سے زمین اور آسمان کے درمیان ان کو دھوئیں جیسی چیز نظر آنے لگی، تو کہنے لگے یہ بڑا تکلیف دہ عذاب ہے، اے ہمارے رب یہ آفت ہم سے دور کر ہم ایمان قبول کرتے ہیں (یعنی) تیرے نبی کی تصدیق کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کے لئے نصیحت کہاں ہے؟ یعنی نزول عذاب کے وقت ایمان فائدہ دینے والا نہیں ہے کھول کھول کر بیان کرنے والے پیغمبر ان کے پاس آچکے، پھر انہوں نے اس سے بے رخی کی اور کہہ دیا سکھلایا ہوا پڑھایا ہوا باؤلا ہے، کوئی شخص اس کو قرآن سکھاتا ہے ہم اس آفت کو چندے دور کردیں گے یعنی بھوک کی تکلیف کو تم سے کچھ دنوں کے لئے دور کردیں گے چنانچہ ان سے (بھوک کی) تکلیف دور کردی گئی، تو تم پھر پلٹ جاؤ گے یعنی اپنے کفر کی طرف آجاؤ گے چنانچہ وہ اپنی سابقہ حالت کی طرف پلٹ گئے، جس دن ہم سخت پکڑ پکڑیں گے اور وہ بدر کا دن ہے ہم ان سے (پورا) بدلہ لے لیں گے اور بطش کے معنی سختی سے مواخذہ کرنے کے ہیں، یقیناً ہم ان سے پہلے فرعون کی قوم کو مع فرعون کے آزما چکے ہیں ان کے پاس اللہ کا باعزت رسول آیا اور وہ موسیٰ تھے یہ کہ اے اللہ کے بندو! جس ایمان کی طرف میں دعوت دے رہا ہوں اس کو قبول کرلو، یعنی میری اطاعت پر ایمان ظاہر کرو یقین مانو میں تمہارے لئے امانتدار رسول ہوں اس چیز پر کہ جس کو لے کر میں بھیجا گیا ہوں، اور تم اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کی طاعت ترک کرکے سرکشی نہ کرو، میں تمہارے پاس اپنی رسالت پر کھلی دلیل لے کر آیا ہوں مگر ان لوگوں نے ان کو پتھروں سے کچل کر مارنے کی دھمکی دی چنانچہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں آتا ہوں اس سے کہ تم مجھے سنگسار کرو اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے، کہ میری تصدیق کرو تو مجھے چھوڑ دو یعنی میری ایذاء رسانی سے باز آجاؤ مگر ان لوگوں نے ان کو نہ چھوڑا پھر انہوں نے اپنے رب سے دعاء کردی کہ یہ سب مجرم مشرک لوگ ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندوں بنی اسرائیل کو راتوں رات لے کر نکل جاؤ تمہارا تعاقب کیا جائے گا یعنی فرعون اور اس کی قوم تمہارا تعاقب کرے گی، جب تو اور تیرے ساتھی دریا پار کرلیں تو دریا کو ساکن کھلا ہوا چھوڑ دے، حتی کہ اس میں قبطی داخل ہوجائیں بلاشبہ یہ لشکر غرق کردیا جائے گا، اس بات پر اطمینان ہوا، چنانچہ ان کو غرق کردیا گیا، وہ بہت سے باغات اور جاری چشمے اور کھیتیاں اور آرام دہ عمدہ مجلسیں چھوڑ گئے اور وہ آرام کی چیزیں جن میں وہ آرام کررہے تھے، ایسا ہی ہوگیا **کذٰلك، الامرُ** مبتداء محذوف کی خبر ہے اور ہم نے ان کا یعنی ان کے اموال کا دوسری قوم یعنی بنی اسرائیل کو وارث بنادیا سو نہ تو ان پر آسمان رویا اور نہ زمین بخلاف مومنین کے کہ ان کی موت پر ان کی جائے نماز روتی ہے اور آسمان پر ان کے نیک اعمال چڑھنے کے راستہ روتے ہیں اور نہ توبہ کے لئے انہیں مہلت ملی۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلَهُ: وَالْكِتَابِ الْمُبِيْنِ اِنَّا اَنْزَلْنَاه (الآية) واوٴقسمیہ ہے الکتاب مقسم بہ ہے اِنَّآ اَنْزَلْنَاه الخ جواب قسم ہے۔

قَوْلَهُ: اِنَّا كُنَّا منذرين جواب قسم کی علت ہے، بعض حضرات نے اِنَّا كُنَّا منذرينَ کوجواب قسم قرار دیا ہے اور اِنَّا انزلناه في ليلة مباركة کوقسم اور جواب قسم کے درمیان جملہ معترضہ قرار دیا ہے، مگر اول احسن ہے۔

قَوْلَهُ: فِيْهَا يُفْرَقُ یہ جملہ یا تو مستانفہ ہے یا لَيْلَةٍ کی صفت ہے اور درمیان میں انا كُنَّا منذرين جملہ معترضہ ہے۔

قَوْلَهُ: فَرْقًا مفسر علام نے اَمْرًا کی تفسیر فرقًا سے کرکے اشارہ کردیا کہ اَمْرًا، يُفْرَقُ کا مفعول مطلق بغیر لفظہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے جیسے قمتُ وقوفًا اور قعدتُ جلوسًا اور اَنْزَلْنَاه کی ضمیر فاعل سے حال بھی درست ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی اَنْزَلْنَاه حال كَوْنِنَا آمِرِيْنَ یا اَنْزَلْنَاهُ کے مفعول سے بھی حال ہوسکتا ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی انزلناه حالَ كونهٖ مامورًا به اور مفعول لہ ہونا بھی صحیح ہے، اس کا عامل اَنْزَلْنَا ہوگا، تقدیر عبارت یہ ہوگی اَنْزَلْنَاه لِأمرِ الخلقِ. (صاوی)

قَوْلَهُ: رَحْمَةً مِنْ رَّبِّكَ اس میں پانچ صورتیں ہیں ① رحمةً مفعول لہ ہو، اس کا عامل یا تو اَنْزَلْنَا ہوگا یا أمرًا یا يُفْرَقُ یا منذرينَ ② رحمةً فعل محذوف کا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ای رحِمْنَا رحمةً ③ رحمةً، المرسلين کا مفعول ہو ④ مرسلين کی ضمیر سے حال ہو ای ذوی رحمة ⑤ امْرًا سے بدل ہو۔

قَوْلَهُ: فَايْقِنُوْا شارح رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ نے اس سے اشارہ کردیا کہ اِنْ كنتم مُوقنين کا جواب شرط محذوف ہے اور جملہ شرطیہ خبروں کے درمیان جملہ معترضہ ہے، اس لئے کہ لا الٰهَ الاّ هو یہ جملہ اِنَّ کی خبر رابع ہے۔ (اعراب القرآن)

قَوْلَهُ: دُخَانٌ دھواں (ج) اَدْخِنَةٌ آیت شریفہ میں جس دھوئیں کا ذکر ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ فرماتے ہیں، اس دھوئیں کا ظہور عہد نبوی میں ہوچکا، حضرت علی رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ اور دیگر صحابہ سے مروی ہے کہ اس کا ظہور قرب قیامت میں ہوگا، حضرت شاہ ولی اللہ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ نے اول قول کو اختیار کیا ہے۔

قَوْلَهُ: اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ، اَنْ مفسرہ بھی ہوسکتا ہے اس لئے کہ مجيئ الرسول قول رسول کے معنی کو متضمن ہے، جاء الرسول ای قال الرسول اور مصدریہ بھی صحیح ہے، اس صورت میں اَن مع اپنے مدخول کے نزع خافض کی وجہ سے مصدر کی تاویل میں ہوکر منصوب ہو ای بِاَنْ اَدُّوا اِلَيَّ اور جار مجرور جاء هم کے متعلق ہوں گے، اور یہ بھی درست ہے کہ اَنْ مخففہ عن الثقیلہ ہو، اس کا اسم ضمیر شان محذوف ہو، اور اَدُّوْٓا اِلَيَّ جملہ ہوکر اس کی خبر، عِبَادَ اللّٰه منادی مضاف حرف نداء محذوف، عباد سے مراد قبط ہوں گے، زمخشری نے کہا ہے کہ عباد اللّٰه، اَدُّوا اِلَيَّ کا مفعول بہ ہے اور وہ بنی اسرائیل ہیں اور اَدُّوا اِلَيَّ معنی میں اَرْسِلوهم معي کے ہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے جو سورۃ الشعراء میں آیا ہے اَرْسِلْ معنا بني اسرائيل (اعراب القرآن) علامہ محلی نے اَدُّوا اِلَيَّ کی تفسیر مَا اَدْعوكم اليه من الايمان

سے کر کے اشارہ کر دیا کہ اَنْ مصدریہ ہے اور اداء بمعنی قبول الدعوة ہے، مگر یہ ان لوگوں کے نزدیک ہے جو امر پر اَنْ مصدریہ کے دخول کے جواز کے قائل ہیں۔ (حاشیه جلالین)

قَوْلُهُ: عباد الله شارح نے مَا اَدْعُوكُمْ کا اضافہ کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ اَدُّوا کا مفعول محذوف ہے عباد الله منادی ہے یاء حرف نداء محذوف ہے، اور عباد الله سے مراد قبط ہیں، اور دیگر مفسرین نے کہا ہے کہ عِبَادَ اللّٰهِ اَدُّوا کا مفعول ہے اور مراد بنی اسرائیل ہیں ای اَرْسِلُوْا معی بنی اسرائیل.

قَوْلُهُ: اُتْرُكِ البحر رَهْوًا یہ رَهَا يَرْهُوْ کا مصدر ہے، ساکن ہونا، تھمنا، ٹھہرنا، اور بعض نے راہ کی وسعت مراد لی ہے، امام بخاری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے سورۂ حٰمٓ کی تفسیر میں فرمایا کہ مجاہد نے کہا ہے کہ رَهْوٌ خشک راستہ ہے، مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، کہ سمندر کو یہ حکم نہ دو کہ وہ اصلی حالت پر رجوع کرے بلکہ اس وقت تک اسی حالت پر چھوڑ دے کہ لشکر فرعون کا آخری سپاہی تک داخل ہو جائے، اور عبد بن حمید نے دوسرے طریق سے مجاہد سے رهوًا کے معنی منفرجًا یعنی وسیع اور کشادہ کے نقل کئے ہیں (لغات القرآن ملخصاً) علامہ محلی نے رَهْوًا کی تفسیر ساكنًا متفرجًا سے کر کے رَهْوًا کے دونوں معنی کی طرف اشارہ کر دیا۔

قَوْلُهُ: ای الأمرُ اس سے اشارہ کر دیا کہ كذٰلك الامرُ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿۳۰﴾ قَتْلِ الابناءِ واستِخدام النِّساءِ مِنْ فِرْعَوْنَ قیل بَدَلٌ مِنَ العذابِ بتَقديرِ مُضافٍ ای عذابِ وقیل حالٌ من العذاب اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ ای بَنِي اِسرائيلَ عَلٰى عِلْمٍ مِنَّا بحالِهم عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۲﴾ ای عَالَمِي زَمَانِهم ای العُقَلاءِ وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ مَا فِيْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِيْنٌ ﴿۳۳﴾ نِعمةٌ ظاهرةٌ مِن فلقِ البحرِ والمنِّ والسَّلْوٰى وغيرِها اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ای كُفارُ مكةَ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۳۴﴾ اِنْ هِيَ مَا المَوتةُ التي بَعدَها الحيوةُ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى ای وهُم نُطَفٌ وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ ﴿۳۵﴾ بِمَبْعُوثِينَ احياءً بعد الثانيةِ فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ احياءً اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۶﴾ أنّا نُبعثُ بَعْدَ مَوْتَتِنَا ای نُحيا، قال تعالٰى اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ هو نبيٌّ اَوْ رَجُلٌ صالحٌ وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الأُممِ اَهْلَكْنٰهُمْ لِكُفرِهم والمعنى ليسُوا اقوٰى منهم فاهْلِكُوا اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۳۷﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ بِخَلْقِ ذٰلك حالٌ مَا خَلَقْنٰهُمَآ وما بينَهما اِلَّا بِالْحَقِّ ای مُحِقِّينَ في ذٰلك لِيُسْتَدَلَّ به على قُدرَتِنا ووحدانِيَّتِنا وغيرِ ذٰلك وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ ای كُفَّارَ مكةَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ يومَ القيٰمةِ يَفصِلُ اللّٰهُ فيه بينَ العبادِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۰﴾ للعذابِ الدائمِ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى بِقَرابةٍ او صداقةٍ ای لا يَدفعُ عنه شَيْئًا مِنَ العذابِ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ يُمنَعُونَ منه ويومَ بدلٌ من يومَ الفصلِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ وهم المُؤمنونَ فإنَّهُ يَشفعُ بعضُهم لِبعضٍ بِإذنِ اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الغالبُ في انتقامِه مِنَ الكُفّارِ الرَّحِيْمُ ﴿۴۲﴾ بالمُؤمنينَ.

ترجمہ: اور بے شک ہم نے (ہی) بنی اسرائیل کو رسوا کن سزا سے نجات دی یعنی لڑکوں کے قتل اور عورتوں کو خادمہ بنانے سے، جو فرعون کی طرف سے (ہو رہی) تھی، کہا گیا ہے کہ مِنْ فرعونَ، عذاب سے تقدیر مضاف کے ساتھ بدل ہے ای من عذاب فرعون اور کہا گیا ہے کہ عذاب سے حال ہے فی الواقع وہ سرکش حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے تھا اور ہم نے بنی اسرائیل کو ہمارے ان کے حالات سے واقف ہونے کی وجہ سے ان کے زمانہ کے عقلاء پر فوقیت دی اور ہم نے ان کو ایسی نشانیاں دیں جن میں صریح انعام تھا یعنی کھلی نعمتیں تھیں، مثلاً دریا کو چیرنا اور من وسلویٰ وغیرہ یہ لوگ یعنی کفار مکہ تو یہی کہتے ہیں، نہیں ہے ایسی موت کہ اس کے بعد حیات ہو مگر ہماری پہلی موت یعنی نطفہ ہونے کی حالت کی اور ہم دوسری موت کے بعد زندہ کر کے اٹھائے نہیں جائیں گے ہمارے باپ دادوں کو زندہ کر کے لے آؤ، اگر تم (اس بات میں) سچے ہو کہ ہم مرنے کے بعد اٹھائے جائیں گے یعنی زندہ کئے جائیں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا یہ لوگ بہتر ہیں یا تبّع کی قوم کے لوگ؟ وہ نبی ہیں یا کوئی مرد صالح اور وہ امتیں جو ان سے بھی پہلے تھیں ہم نے ان کو ان کے کفر کی وجہ سے ہلاک کر دیا، مطلب یہ کہ یہ لوگ ان سے زیادہ طاقتور نہیں، ان کو ہلاک کر دیا یقیناً وہ گنہگار تھے اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو ان کے درمیان جو کچھ ہے کھیل کے طور پر پیدا نہیں کیا اس کو پیدا کر کے (لاعبین) حال ہے ہم نے ان دونوں (یعنی زمین وآسمان) کو اور جو ان کے درمیان ہے حق ہی کے ساتھ پیدا کیا ہے حال یہ کہ ہم ان کی تخلیق میں باحکمت ہیں، تاکہ اس تخلیق سے ہماری قدرت اور وحدانیت وغیرہ پر استدلال کیا جائے لیکن کفار مکہ میں سے اکثر نہیں جانتے یقیناً فیصلہ کا دن یعنی یوم قیامت، اس دن میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کر دے گا ان سب کے دائمی عذاب کا طے شدہ وقت ہے، اس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ کام نہ آئے گا، رشتہ داری کے اعتبار سے یا دوستی کے اعتبار سے یعنی اس سے کچھ بھی عذاب دفع نہ کرے گا، اور نہ ان کی مدد کی جائے گی کہ ان کو عذاب سے بچا لیا جائے، یومَ، یومَ الفصل سے بدل ہے مگر جس پر اللہ کی مہربانی ہو جائے اور وہ مومن ہوں گے اس لئے کہ مومن اللہ پاک کی اجازت سے آپس میں ایک دوسرے کی سفارش کریں گے وہ زبردست ہے کفار سے اپنا بدلہ لینے میں اور رحم کرنے والا ہے مومنین پر۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: وَلَقَدْ نَجَّیْنَا بَنِی اسْرَائِیلَ (الآیة) یہ کلام مستانف ہے، اس سے آپ ﷺ کی تسلی مقصود ہے، لَقَدْ میں لام قسم محذوف کے جواب پر داخل ہے۔

قولہ: مِن فرعون اعادۂ جار کے ساتھ مِنَ الْعَذَابِ سے بدل ہے اور کائنًا یا صادرًا یا واقعًا کے متعلق ہو کر عذاب سے حال بھی ہو سکتا ہے ای صَادِرًا من فرعونَ.

قولہ: کَانَ کا اسم ھُوَ مستتر ہے اور عالیًا اس کی خبر اور المسرفین، کانَ کی دوسری خبر ہے۔

قولہ: ای عَالِمِیْ زَمَانِھِمْ ای العُقَلَاء اس عبارت کا اضافہ دراصل ایک شبہ کا دفع ہے جو اِخْتَرْنَاھُمْ علٰی عِلْمٍ علی العٰلمین سے پیدا ہوتا ہے۔

شبہ: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کو تمام جہان کے عقلاء پر فوقیت وفضیلت حاصل ہے، حالانکہ نص صریح کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ سے معلوم ہوتا ہے کہ امت محمدیہ تمام امتوں سے افضل ہے۔

دفع: بنی اسرائیل کو ان ہی کے زمانہ کے عقلاء پر فضیلت حاصل تھی، نہ کہ تا قیامت دنیا جہان کے عقلاء پر، مفسر علام علی العٰلمین کی تفسیر العقلاء سے کرنے کے بجائے الثقلَیْن سے فرماتے تو زیادہ مناسب ہوتا اس لئے کہ عقلاء میں جن، انس اور ملائکہ سب شامل ہیں، حالانکہ بنی اسرائیل ملائکہ سے افضل نہیں ہے۔

قولہ: من الآیات یہ المبین کا بیان مقدم ہے فواصل کی رعایت کی وجہ سے مقدم کردیا گیا ہے۔

قولہ: نعمة ظاھرة یہ بلاءٌ کی تفسیر ہے بلاءٌ کے اصل معنی امتحان وآزمائش کے ہیں اور آزمائش چونکہ نعمت ورحمت وسعت وعسرت، تنگی وخوشحالی دونوں صورتوں میں ہوتی ہے، اسی سے مفسر علام نے یہاں بلاءٌ کا ترجمہ نعمت سے کیا ہے۔

(صاوی)

قولہ: اَلْمَنَّ اسم ہے، ایک قسم کا شبنمی گوند ہے، وادی تیہ میں بھٹکنے والے اسرائیلیوں کے کھانے کے لئے اللہ تعالیٰ روزانہ درختوں کے پتوں پر جما دیتا تھا۔

قولہ: سَلْوٰی سلویٰ ایک چھوٹا پرندہ ہے، جس کو بٹیر کہتے ہیں، قاموس میں اس کا واحد سلواةٌ مرقوم ہے، صحاح میں اخفش سے منقول ہے کہ اس کا واحد نہیں سنا گیا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا واحد اور جمع ایک ہی ہے۔ (لغات القرآن)

قولہ: ھٰؤُلَآءِ یہ اسم اشارہ قریب کے لئے ہے کافروں کی تحقیر وتذلیل کے لئے اسم اشارہ قریب کا استعمال فرمایا۔

قولہ: قوم تُبَّعٍ یہ تُبَّع حمیری ہے، ابوکریب اس کی کنیت اور اس کا نام اسعد ہے، انصار بنی حیرة اسی کی طرف منسوب ہیں، حیرة کوفہ کے قریب ایک شہر ہے، مزید تفصیل تفسیر وتشریح کے زیر عنوان ملاحظہ فرمائیں۔

قولہ: وَالَّذِیْنَ مِنْ قبلھم اس کا عطف قومُ تُبَّعٍ پر ہے۔

تفسیر وتشریح

وَلَقَدِ اخْتَرْنَاھُمْ عَلٰی عِلْمٍ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ اس سے بنی اسرائیل کے زمانہ کا جہان مراد ہے علی الاطلاق کل جہان یا تا قیامت کے لوگ مراد نہیں، کیونکہ قرآن مجید میں امت محمدیہ کو کُنْتُمْ خیر اُمَّة کے لقب سے نوازا گیا ہے، مطلب یہ کہ بنی اسرائیل کی فضیلت ان کے زمانہ کے لوگوں پر تھی اور فضیلت وفوقیت ہم نے اپنے علم کی رو سے دی تھی، علم کی رو سے کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے، لہٰذا ان کو فوقیت دینے میں بھی ہماری حکمت تھی، جزوی یا وقتی فضیلت سے کلی اور دائمی

فضیلت ثابت نہیں ہوتی اور یہ بھی ممکن ہے کہ بنی اسرائیل کو کسی جزوی خوبی کی وجہ سے تمام اہل عالم پر فضیلت حاصل ہو مثلاً یہ بات متفق علیہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی اکثریت بنی اسرائیل سے تعلق رکھتی ہے۔

علیٰ علم کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ اگرچہ بنی اسرائیل کی بعض کمزوریوں کا بھی ہم کو علم حاصل تھا مگر اس کے باوجود ہم نے بنی اسرائیل کو وقتی اور جزئی فضیلت دیدی۔ (فوائد عثمانی)

وَاٰتَیْنٰـهُمْ مِنَ الْاٰیٰتِ مَا فِیْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِیْنٌ آیات سے مراد معجزات بھی ہو سکتے اور احسانات وانعامات بھی، دونوں صورتوں میں آزمائش کا پہلو موجود ہے، اللہ تعالیٰ یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ یہ لوگ کس طرح عمل کرتے ہیں؟ اور ان انعامات کا کس طرح شکریہ ادا کرتے ہیں جو ان پر اللہ تعالیٰ نے فرمائے تھے؟ مثلاً ان کے دشمن فرعون کو غرق کر کے ان کو نجات دینا، ان کے لئے دریا کو پھاڑ کر راستہ بنانا، بادلوں کا سایہ فگن ہونا، اور من وسلویٰ کا نازل ہونا وغیرہ وغیرہ۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَیَقُوْلُوْنَ، هٰؤلاء سے اشارہ کفار مکہ کی طرف ہے اس لئے کہ سلسلہ کلام ان ہی سے متعلق ہے، درمیان میں فرعون کا قصہ ان کی تنبیہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے کہ فرعون بھی اسی طرح کفر پر اصرار کرتا رہا، دیکھو تو اس کا کیا حشر ہوا، اگر یہ بھی اپنے کفر پر مصر رہے تو ان کا انجام بھی فرعون اور اس کے ماننے والوں سے مختلف نہ ہوگا۔

فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ یعنی دنیا کی زندگی ہی بس آخری زندگی ہے اس کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اور حساب کتاب دینا ممکن نہیں ہے، اور اگر یہ بات صحیح ہے تو اولاً ہمارے باپ دادوں کو زندہ کر کے دکھا دو اگر تم سچے ہو تا کہ ہمیں اخروی زندگی کا یقین آجائے، اور اگر بالفرض ہم تسلیم کرلیں کہ مرنے کے بعد زندگی ہے تو وہ نطفہ کے بعد دنیوی حیات ہے، گویا کہ نطفہ مردہ اور اس سے انسان کا پیدا ہونا یہ مرنے کے بعد زندہ ہونا ہے، قرآن کریم نے ان کے اس سوال کا جواب ظاہر ہونے کی وجہ سے نہیں دیا وہ یہ کہ دنیا وآخرت کے اصول اور ضابطے الگ الگ ہیں اگر کسی مردے کو زندہ کر کے دنیا میں نہیں لایا گیا تو اس سے یہ کہاں ثابت ہو گیا کہ آخرت میں بھی دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا؟

أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ یعنی یہ کفار مکہ کیا تُبَّعْ اور ان سے پہلی قوموں مثلاً عاد وثمود وغیرہ سے بھی زیادہ طاقتور اور بہتر ہیں جب ہم نے انہیں ان کے گناہوں کی پاداش میں ہلاک کر دیا تو یہ کیا حیثیت رکھتے ہیں؟ تُبَّع سے مراد قوم سبا ہے، سبا میں ایک قبیلہ حِمْیَر تھا، یہ اپنے بادشاہوں کو تبع کہتے تھے جیسے روم کے بادشاہوں کو قیصر اور فارس کے بادشاہوں کو کسریٰ اور مصر کے حکمرانوں کو فرعون اور حبشہ کے فرمانرواؤں کو نجاشی کہا جاتا تھا، اہل تاریخ کا اتفاق ہے کہ تبابعہ میں سے بعض کو بڑا عروج حاصل ہوا اور وہ ملکوں کو فتح کرتے ہوئے سمرقند تک پہنچے۔

قوم تبع کا واقعہ:

قرآن کریم میں قوم تبع کا ذکر دو جگہ آیا ہے، ایک یہاں اور دوسرے سورۂ قٓ میں اور دونوں جگہ صرف نام ہی مذکور ہے، اس لئے مفسرین نے تبع کے بارے میں مفصل بحثیں کی ہیں، واقعہ یہ ہے کہ تبع کسی فرد معین کا نام نہیں بلکہ یہ یمن کے ان حمیری

بادشاہوں کا لقب رہا ہے جنہوں نے ایک عرصہ دراز تک یمن کے مغربی حصہ کو دار السلطنت قرار دیکر عرب، شام، عراق اور افریقہ کے بعض حصوں پر حکومت کی، یہاں ان تابعہ میں سے کونسا تُبَّعْ مراد ہے؟

قرآنی تبع:

قرآنی تُبَّعْ، تُبَّعْ اوسط ہے جس کا نام اسعد، ابوکریب یا ابوکرب کنیت ہے، یہ بادشاہ آپ ﷺ کی بعثت سے نوسو سال اور ایک روایت کے اعتبار سے کم از کم سات سو سال پہلے گذرا ہے، یہ اور اس کی قوم آتش پرست تھی، ایک مرتبہ سفر کے دوران اس کا مدینہ منورہ سے گذر ہوا، یہاں اس کا بیٹا مارا گیا، تبع نے مدینہ کو تباہ و برباد کرنے کا ارادہ کیا، اوس و خزرج سے جو یہاں کے قدیم باشندے تھے مقابلہ ہوا، اہل مدینہ کا عجیب و غریب طریقہ تھا کہ دن میں تبع کے ساتھ لڑتے اور رات کو ان کی دعوت کرتے، تبع کو یہ امر نہایت عجیب معلوم ہوا، مدینہ میں یہودی بھی آباد تھے، بنی قریظہ کے دو بڑے عالم جن میں ایک کا نام کعب اور دوسرے کا نام اسعد تھا، یہ دونوں بادشاہ کے پاس گئے اور عرض کیا اے بادشاہ مدینہ کی طرف نظر بد نہ کرو، ورنہ عذاب آجائے گا، تجھ کو معلوم نہیں کہ یہ شہر نبی آخر الزمان محمد ﷺ کی ہجرت گاہ ہے، جن کا مولد مکہ ہے اور وہ قریش کی قوم سے ہوں گے، اے تبع اس وقت جہاں تو ہے اس سے قتال عظیم ہوگا، تبع نے معلوم کیا کہ جب وہ پیغمبر ہے تو اس سے قتال کون کرے گا، ان دونوں عالموں نے جواب دیا کہ ان کی قوم ان سے لڑے گی، تبع یہ سن کر لڑائی سے باز آگیا، پھر ان دونوں عالموں نے اس کو دین یہود کی تبلیغ کی جس کے نتیجے میں اس نے یہودیت قبول کر لی، اور ان دونوں عالموں کو اپنے ہمراہ لیکر یمن چلا، جب مکہ معظمہ پہنچا تو قبیلہ ہذیل کے بعض لوگوں نے از راہِ شفقت بادشاہ سے کہا کہ ہم تجھے وہ گھر بتائیں کہ جس میں خزانہ ہے اور وہ گھر خانہ کعبہ ہے، مقصد ان کا یہ تھا کہ تبع اس گستاخی سے ہلاک ہو جائے مگر ان دونوں عالموں نے اس کو اس حرکت سے باز رکھا، اور عرض کیا یہ خانہ خدا ہے، خبردار اس کی طرف نظر بد ہرگز نہ کرنا، تبع نے اس حرکت سے توبہ کی اور ہذیلیوں کو قتل کرا دیا، اور مکہ میں حاضر ہو کر شعب صالح میں قیام کیا اور خانہ خدا کو لباس پہنایا، سب سے پہلے تبع ہی نے خانہ کعبہ پر غلاف ڈالنا شروع کیا، تبع نے مکہ میں چھ روز قیام کیا اور چھ ہزار بدنے قربان کئے، جب تبع یمن پہنچا تو قوم نے بغاوت کر دی اور کہا تو نے دین بدل ڈالا ہے، آخر فیصلہ یہ ہوا کہ زیر کوہ جو ایک آگ ہے وہاں دونوں فریق چلیں اور آگ حسب معمول ظالم کو جلا دے، قوم اپنے بتوں کو لیکر گئی، اور تبع کعب و اسعد کو ساتھ لے گیا ان کے گلوں میں مصاحف لٹکے ہوئے تھے، یہ آگ کے اوپر سے بآسانی گذر کر مقام معین پر پہنچ گئے، اس کے بعد آگ نکلی اور بت پرستوں کو جلا کر خاکستر کر دیا، اس کے بعد آگ جدھر سے آئی تھی واپس چلی گئی، اس کے بعد قوم تبع کے کچھ بچے ہوئے لوگوں نے یہودیت قبول کر لی۔ (خلاصة التفاسير، تائب لكهنوى)

حضرت عائشہ نے فرمایا تبع کو برا نہ کہو وہ مرد صالح تھا، آپ ﷺ نے تبع کے بارے میں فرمایا کہ وہ اسلام لایا تھا اور یہ بھی فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ تبع نبی تھا یا نہیں، تبع نے دار ابی ایوب آپ ﷺ کے لئے بنوایا تھا، اور وصیت نامہ لکھا تھا کہ نبی آخر الزمان جب تشریف لائیں تو یہ گھر اور میرا پیام نیاز پیش خدمت کیا جائے، چنانچہ وہ خط حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ (خلاصۃ التفاسیر) اس خط میں یہ اشعار بھی تھے:

شهدتُ علـى احمد أنَّـهُ | رسول من اللّٰه بارى النسم
فلو مد عمرى الى عمره | لكنتُ وزيرًا لهُ وابن عم

خط کا مضمون ابن اسحٰق کی روایت کے مطابق یہ تھا:

امّا بعد! فانی آمنتُ بك وبكتابك الذى أُنزل علَيْك، وَانا على دينكَ وسنتكَ وَآمَنتُ بربك ورب كل شئ وآمنتُ بكل ما جاء من ربك من شرائع الاسلام فاِن ادركتُكَ فبها ونعمت واِن لم ادركك فاشْفَعْ لى ولا تنسنى يوم القيامة فانى من امتك الاولين وتابعتك قبل مجيئك وأنا على ملتكَ وملت ابيك ابراهيم علیہ الصلوٰۃ والسلام ثم ختم الكتابَ ونقش عليه، للّٰه الامر من قبلُ ومن بعدُ وكتب عنوانه الى محمد بن عبداللّٰه نبى اللّٰه ورسوله خاتم النبيين ورسول رب العالمين صلى اللّٰه عليه وسلم من تُبَّع اول.

(لغات القرآن للدرويش)

مَا خَلَقْنٰهُمَا اِلَّا بالحق (الآية) ہم نے زمین وآسمان کو کسی حکمت ہی سے بنایا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے، مطلب یہ ہے کہ اگر سوچنے سمجھنے والی عقل ہو تو آسمان اور زمین اور ان کے درمیان جو مخلوقات پیدا کی گئی ہیں، وہ سب بہت سے حقائق پر دلالت کرتی ہیں، مثلاً ایک تو قدرت خداوندی پر دوسرے آخرت کے امکان پر کیونکہ جس ذات نے ان عظیم اجسام کو وجود بخشا وہ یقیناً اس بات پر بھی قادر ہے کہ انہیں ایک مرتبہ فنا کر کے دوبارہ پیدا کر دے، تیسرے جزاء وسزا کی ضرورت پر کیونکہ اگر آخرت کی جزاء وسزا نہ ہو تو یہ سارا کارخانۂ وجود بیکار ہو جاتا ہے، اس کی تخلیق کی حکمت ہی یہی ہے کہ اس کو دارالامتحان بنایا جائے اور اس کے بعد آخرت میں جزاء وسزا دی جائے ورنہ نیک وبد دونوں کا انجام ایک ہونا لازم آتا ہے جو اللہ کی شان حکمت سے بعید ہے، چوتھے یہ کہ یہ کائنات سوچنے سمجھنے والوں کو اطاعت خداوندی پر آمادہ کرنے والی ہے، اس لئے کہ پوری کائنات اس کا بہت بڑا انعام ہے اور بندے پر واجب ہے، کہ اس کی نعمت کا شکر، اس کے خالق کی اطاعت کرے۔ (معارف)

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ هى مِنْ اَخْبَثِ الشَّجَرِ المرِّ بتهامةَ يُنْبِتُها اللّٰهُ فى الجحيم **طَعَامُ الْاَثِيْمِ** اى ابى جهلٍ واَصحابِه ذوى الاِثمِ الكثيرِ **كَالْمُهْلِ** اى كَدُرْدِيِّ الزَّيتِ الاَسْوَدِ خَبرٌ ثانٍ **يَغْلِىْ فِى الْبُطُوْنِ** بالفوقانيَّةِ خبرٌ ثالثٌ وبالتحتانِيَّةِ حالٌ من المُهلِ **كَغَلْىِ الْحَمِيْمِ** الماءِ الشديدِ الحرارةِ **خُذُوْهُ** يُقالُ للزَّبانيةِ خُذُوا الاثيمَ **فَاعْتِلُوْهُ** بكسرِ التاءِ وضَمِّها جُرُّوهُ بغِلْظَةٍ وشدَّةٍ **اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ** وَسْطِ النَّارِ **ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ** اى مِنَ الحميمِ الَّذى لا يُفارقُه العذابُ فهو اَبْلَغُ مِمَّا فِى اٰيةِ يُصَبُّ من فوقِ رُءُ وسِهم الحَميمُ ويقال له **ذُقْ** اى العذابَ **اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ** بِزَعْمِكَ وقولِكَ

معانقہ عند المتاخرین

ما بينَ جبلَيها أعَزُّ واكرمُ مِنّي ويُقالُ لهم **إِنَّ هٰذَا** الَّذي ترونَ مِنَ العذابِ **مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ** فيه تَشُكُّونَ **إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ** مَجْلِسٍ **أَمِيْنٍ** يُؤمَنُ فيه الخَوفُ **فِيْ جَنّٰتٍ** بساتِينَ **وَّعُيُوْنٍ** **يَلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّإِسْتَبْرَقٍ** اي مَا رقَّ مِنَ الدِّيباجِ وما غَلُظَ منه **مُّتَقٰبِلِيْنَ** حالٌ اي لا يَنْظُرُ بعضُهم الى قَفا بَعْضٍ لِدَوَرانِ الأسِرَّةِ بهم **كَذٰلِكَ** يُقدَّرُ قبلَهُ الأمرُ **وَزَوَّجْنٰهُمْ** مِنَ التزويجِ او قرنَّاهُمْ **بِحُوْرٍ عِيْنٍ** بِنساءٍ بِيْضٍ واسِعاتِ الأعْيُنِ حِسانِها **يَدْعُوْنَ** يَطْلُبُونَ الخدَّمَ **فِيْهَا** اي الجنَّةِ ان ياتُوا **بِكُلِّ فَاكِهَةٍ** منها **اٰمِنِيْنَ** مِن انقِطاعِها ومَضَرَّتِها ومِنْ كُلِّ مُخوِفٍ حالٌ **لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُوْلٰى** اي التي في الدُّنيا بعدَ حيٰوتِهم فِيها قالَ بعضُهم الا بمعنى بَعْدُ **وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ فَضْلًا** مصدرٌ بمعنى تَفَضُّلاً منصوبٌ بتفضَّلَ مُقدَّرًا **مِّنْ رَّبِّكَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ فَإِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ** سَهَّلْنَا القرآنَ **بِلِسَانِكَ** بلُغَتِك لِتفهمَهُ العربُ منك **لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ** يَتَّعِظُونَ فيُؤمِنُونَ لكنَّهُم لا يُؤمِنُونَ **فَارْتَقِبْ** انتَظِرْ اِهلاكَهم **إِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ** هلاكَكَ وهٰذا قبلَ نُزولِ الأمرِ بجهادِهم.

ترجمہ: بے شک زقوم (تھوہڑ) کا درخت جو کڑوا اور خبیث ترین ہے تہامہ میں پیدا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ میں پیدا فرمائے گا، مجرموں کا کھانا ہے یعنی ابو جہل اور اس کے ساتھیوں کا جو بڑے گنہگار ہیں، اور وہ سیاہ تیل (تارکول) کی تلچھٹ کے مانند ہے (کالمھل) ثانی خبر ہے، وہ تیز گرم پانی کے مانند پیٹ میں کھولتا رہتا ہے (تغلی) تاءِ فوقانیہ کے ساتھ تیسری خبر ہے اور یاءِ تحتانیہ کے ساتھ المُھل سے حال ہے جہنم پر مقرر فرشتوں کو حکم دیا جائے گا کہ مجرم کو پکڑ لو پھر گھسیٹتے ہوئے بیچ جہنم تک پہنچا دو (فاعتِلوہ) کسرۂ تاء اور ضمہ تاء کے ساتھ یعنی اس کو سختی اور شدت کے ساتھ کھینچو، پھر اس کے سر پر سخت گرم پانی کا عذاب بہاؤ یعنی گرم پانی کہ جس سے عذاب جدا نہ ہوگا، یہ (تعبیر) زیادہ بلیغ ہے اس (تعبیر) سے جو یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُ وسِهِم الحمیم میں اختیار کی گئی ہے، (اس سے کہا جائے گا) عذاب (کا مزا) چکھ تو تو اپنے گمان میں بڑی عزت اور اکرام والا تھا اپنے اس قول کی وجہ سے کہ مکہ کے دونوں پہاڑوں کے درمیان مجھ سے زیادہ باعزت اور باوقار کوئی نہیں ہے، ان سے کہا جائے گا، یہ عذاب جو تم دیکھ رہے ہو وہی ہے جس کے بارے میں تم شک کیا کرتے تھے بے شک (اللہ سے) ڈرنے والے امن چین کی مجلس میں ہوں گے جس میں وہ خوف سے محفوظ رہیں گے باغوں اور چشموں میں باریک اور دبیز ریشم کے لباس پہنے ہوئے آمنے سامنے بیٹھے ہوئے ہوں گے (متقابلین) حال ہے، ان کی مسہریوں کے گولائی میں ہونے کی وجہ سے کوئی کسی کی گدی (پشت) نہیں دیکھے گا، بات اسی طرح ہے کذلك سے پہلے الأمْرُ مقدر مانا جائے گا اور ہم گوری چٹی بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں والی حوروں سے ان کا نکاح کر دیں گے، یا ان کا جوڑا لگا دیں گے، جنتی جنت میں خدام سے جنت کے قسم قسم کے پھلوں کی فرمائش کریں گے اور ان کے ختم ہونے اور ان کی مضرت اور ہر قسم کے اندیشوں سے مامون ہوں گے

(آمنین) یدعون کی ضمیر سے حال ہے، وہاں وہ موت (کا مزہ) نہیں چکھیں گے سوائے اس پہلی موت کے جس کو وہ دنیا میں حیات کے بعد چکھ چکے، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اِلَّا بعدُ کے معنی میں ہے انہیں اللہ نے دوزخ کے عذاب سے محض تیرے رب کے فضل سے بچا دیا (فضلاً) مصدر ہے تفضّلا کے معنی میں تفضل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے، یہی ہے بڑی کامیابی ہم نے اس قرآن کو تیری زبان میں آسان کر دیا تاکہ عرب آپ سے (سن کر) سمجھیں تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں اور ایمان لے آئیں، لیکن وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں، اب تو ان کی ہلاکت کا منتظر رہ وہ بھی تیری ہلاکت کے منتظر ہیں، یہ حکم ان کے ساتھ جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: شجرتَ الزَّقُّوم، شجرتَ یہاں تاء مجرورہ کے ساتھ ہے قرآن میں بقیہ جگہ تاء مدوّرہ کے ساتھ ہے حالت وقف میں، ہ اور تاء دونوں پڑھا گیا ہے۔

قولہ: زَقُّوم ایک جنگلی نبات ہے، چمیلی کے مانند اس پر پھول آتا ہے، یہ جہنمیوں کی غذا ہے، اردو میں تھوہڑ اور ہندی میں ناگ پھن کہتے ہیں، اس کا مزہ کڑوا کسیلا بدمزہ ہوتا ہے۔

مجرّب نسخہ:

زقوم ایک ایسے درخت کو بھی کہتے ہیں جس کا پھل کھجور کے مانند ہوتا ہے، اس کا تیل ریاح باردہ کے تحلیل میں عظیم النفع ہے امراض بلغمیہ میں عجیب التاثیر ہے، اوجاع مفاصل، عرق النساء، نقرس اور کولہے میں احتباس ریاح کو تحلیل کرنے میں سریع الاثر اور کثیر النفع ہے، (مقدار خوراک) بقدر سات درہم روزانہ تین روز تک استعمال کیا جاتا ہے، اس دوا سے اپاہج اور معذورین بھی بمشیئت خداوندی صحت یاب ہو جاتے ہیں، کہا گیا ہے کہ ہلیلہ کابلی اس درخت کی جڑ ہے۔

(صاوی، جمل)

قولہ: تِهَامَة مکہ معظمہ ملک حجاز کا جنوبی علاقہ ہے، نسبت کے لئے تہامہ کہتے ہیں جمع تِهَامِیُون و تہامون آتی ہے۔

(مصباح)

قولہ: کالمُهل پگھلی ہوئی دھات دُرْدِیٌ تلچھٹ، تیل وغیرہ کی گاد، زیت الاسود، تارکول۔

قولہ: طَعَامُ الأثیم اِنَّ کی خبر اول ہے اور کالمهل خبر ثانی، اور تَغْلِی تاء کے ساتھ خبر ثالث ہے، اور یاء کے ساتھ المهل سے حال ہے۔

قولہ: صُبُّوا فَوْقَ رَاسِهٖ مِن عَذَابِ الحمیم میں زیادہ مبالغہ ہے بہ نسبت یُصَبُّ من فوق رُءُ وسهم الحمیم کے پہلی آیت میں عذاب کو سر پر بہانے کا حکم ہے گویا کہ پانی اتنا گرم ہے کہ وہ خود عذاب ہو گیا لہٰذا اب حرارت اس سے جدا نہیں

ہوگی اس لئے کہ حرارت اب صفت نہیں رہی، بلکہ خود موصوف ہوگئی، اس میں مبالغہ زیادہ ہے بہ نسبت یہ کہنے کے کہ ان پر گرم پانی بہاؤ، یہاں پانی موصوف اور گرم اس کی صفت ہے، اور صفت موصوف سے جدا ہو سکتا ہے۔

قِوْلَهُ: او قَرَنَّاهم یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ زَوَّجْنا متعدی بنفسہٖ ہے حالانکہ یہاں اس کا صلہ بحورٍ عینٍ کی باء ہے، جواب یہ ہے کہ زَوَّجْنَا بمعنی قَرَنَّا ہے، لہٰذا اس کا صلہ باء لانا درست ہے۔

تفسیر و تشریح

ان آیات میں آخرت کے کچھ احوال بیان کئے گئے ہیں اور قرآن نے اپنے دستور اور عادت کے مطابق یہاں بھی دوزخ اور جنت دونوں ہی کے احوال بیان فرمائے ہیں، اِنّ شجرة الزقوم الخ اس آیت سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ کفار کو زقوم دوزخ میں داخل ہونے سے پہلے کھلایا جائے گا کیونکہ یہاں زقوم کھلانے کے بعد یہ حکم مذکور ہے کہ اسے کھینچ کر دوزخ کے بیچوں بیچ لے جاؤ۔

اِنَّ المتقین فی مقامٍ امینٍ ان آیات میں جنت کی سرمدی نعمتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور نعمت کی تقریباً تمام اقسام کو جمع کر دیا گیا ہے، اس لئے کہ عموماً انسانی ضرورت کی بنیادی چیزیں یہی ہوتی ہیں، عمدہ رہائش گاہ، عمدہ لباس، بہترین شریک حیات، بہتر ماکولات، پھر ان نعمتوں کے باقی رہنے کی ضمانت اور رنج و تکلیف سے کلی طور پر مامون رہنے کا یقین، یہاں ان چھ کی چھ باتوں کو اہل جنت کے لئے ثابت کر دیا گیا ہے، جیسا کہ ان چھ آیتوں میں غور کرنے سے صاف ظاہر ہے۔

ذُق اِنَّکَ انت العزیز الکریم یعنی دنیا میں بزعم خویش بڑا معزز اور ذی وقار بنا پھرتا تھا، اور اہل ایمان کو حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔

وَزَوَّجْنَاهُمْ بحُورٍ عِینٍ حورٌ، حَوراءُ کی جمع ہے یہ حورٌ سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں کہ آنکھ کی سفیدی نہایت سفید ہو اور سیاہی نہایت سیاہ ہو، حوراء اس لئے کہا جاتا ہے کہ نظریں اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ جائیں گی، عِینٌ عَیناء کی جمع ہے، کشادہ چشم، جیسے ہرن کی آنکھیں ہوتی ہیں۔

سُوْرَةُ الْجَاثِيَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سَبْعٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ الْجَاثِيَةِ مَكِّيَّةٌ اِلَّا قُلْ لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا يَغْفِرُوْا (اَلْاٰيَة) وَهِيَ سِتٌّ اَوْ سَبْعٌ وَثَلَاثُوْنَ آيَةً.

سورۂ جاثیہ مکی ہے سوائے قُلْ لِلَّذِيْنَ آمَنُوا يَغْفِرُوْا (اَلْاٰيَة) کے اور یہ چھتیس (۳۶) یا سینتیس (۳۷) آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ حٰمٓ ① اللّٰهُ اَعلَمُ بمُرادِهٖ به **تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ** القُراٰن مُبتَدأ **مِنَ اللّٰهِ** خبرُهٗ **الْعَزِيْزِ** في مُلكِهٖ **الْحَكِيْمِ ②** في صُنعِه **اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** اى فِي خَلقِهما **لَاٰيٰتٍ** دَالَّةٍ عَلىٰ قُدرَةِ اللّٰهِ وَوَحدَانِيَّتِهٖ تعالىٰ **لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ③ وَفِيْ خَلْقِكُمْ** اى خَلقِ كُلٍّ مِنكم مِن نُطفَةٍ ثم عَلَقَةٍ ثُمَّ مُضغَةٍ الىٰ اَنْ صَارَ اِنسانًا وَ خَلقِ **مَا يَبُثُّ** يُفرِّقُ في الارض **مِنْ دَآبَّةٍ** هِيَ مَا يَدُبُّ علَى الارض مِنَ النَّاس وغيرِهم **اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ④** بالبعثِ **وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ** ذِهابِهما ومَجيئِهما **وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ** مَطَرٍ لِاَنَّهٗ سَبَبُ الرِّزقِ **فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ** تقليبِها مرةً جَنوبًا ومرةً شِمالًا وبارِدَةً وحارَّةً **اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ⑤** الدليلَ فيُؤمِنون **تِلْكَ** الآياتُ المذكورةُ **اٰيٰتُ اللّٰهِ** حُجَجُهُ الدَّالَّةُ علىٰ وَحدَانِيَّتِهٖ **نَتْلُوْهَا** نَقُصُّها **عَلَيْكَ بِالْحَقِّ** مُتعلِّقٌ بِنَتلو **فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ** اى حَديثِهٖ وهو القُراٰنُ **وَاٰيٰتِهٖ** حُجَجِه **يُؤْمِنُوْنَ ⑥** اى كُفَّارُ مَكَّةَ اى لا يُؤمِنُونَ وفي قِراءَةٍ بالتاءِ **وَيْلٌ** كَلِمَةُ عذابٍ **لِّكُلِّ اَفَّاكٍ** كَذَّابٍ **اَثِيْمٍ ⑦** كثيرِ الاثمِ **يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ** القُراٰنَ **تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ** علىٰ كُفرِه **مُسْتَكْبِرًا** مُتكَبِّرًا عن الايمانِ **كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ⑧** مؤلِمٍ **وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا** اى القُراٰنِ **شَيْـًٔا اتَّخَذَهَا هُزُوًا** اى مَهزُوًّا بها **اُولٰٓئِكَ** اى الأفّاكون **لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ⑨** ذُو اِهانَةٍ **مِنْ وَّرَآئِهِمْ** اى اَمامِهم لِاَنَّهم في الدُّنيا **جَهَنَّمُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا** من المَالِ والفِعالِ **شَيْـًٔا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اى الاَصنامِ **اَوْلِيَآءَ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ⑩ هٰذَا** اى القُراٰنُ **هُدًى** مِنَ الضَّلالَةِ

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ حَظٌّ مِّن رِّجْزٍ اى عَذَابٌ أَلِيمٌ ⑪ مُوجِعٌ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے حٰمٓ اس کی مراد اللہ ہی بہتر جانتا ہے کتاب یعنی قرآن کا نزول اللہ کی طرف سے ہے (من اللّٰہ) خبر ہے جو کہ اپنے ملک میں غالب اور اپنی صنعت میں حکمت والا ہے بلاشبہ آسمانوں اور زمین میں یعنی ان دونوں کے پیدا کرنے میں ایسی نشانیاں ہیں جو اللہ کی قدرت اور وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں، اور خود تمہاری پیدائش میں یعنی تم سب کو نطفہ سے پیدا کرنے میں پھر دم بستہ سے پھر گوشت کے لوتھڑے سے، حتی کہ وہ نطفہ انسان ہو جاتا ہے، اور ان جانوروں کی پیدائش میں جنہیں وہ زمین پر پھیلاتا ہے (دابة) ہر وہ شئ ہے جو زمین پر چلے انسان وغیرہ، بعث کا یقین رکھنے والی قوم کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں اور رات دن کے بدلنے میں (یعنی) ان کے جانے اور آنے میں اور اس رزق (بارش) میں جسے وہ آسمان سے نازل کرتا ہے، اس لئے کہ (بارش) سبب رزق ہے اس بارش کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو زندہ کر دیا اس کے مردہ ہو جانے کے بعد اور ہواؤں کے بدلنے میں بھی کبھی جنوباً، تو کبھی شمالاً کبھی ٹھنڈی، تو کبھی گرم، ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو دلیل کو سمجھتے ہیں کہ ایمان لے آئیں، یہ جو نشانیاں مذکور ہوئیں اللہ کی نشانیاں ہیں یعنی اس کی وہ حجتیں ہیں جو اس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں جنہیں ہم آپ کو راستی کے ساتھ سنا رہے ہیں (بالحق) نَتْلُوْا سے متعلق ہے پس اللہ کی بات اور وہ قرآن ہے اور اس کی حجتوں کے بعد کس کی بات پر یہ کفار مکہ ایمان لائیں گے اور ایک قراءت میں تاء کے ساتھ (تؤمنون) ہے اور ہر جھوٹے، گنہگار بکثرت گناہ کرنے والے پر افسوس ہے، جو اپنے سامنے پڑھی جانے والی اللہ کی آیتوں قرآن کو سنتا ہے پھر بھی ایمان سے تکبر کرتا ہوا اپنے کفر پر مصر رہے، گویا کہ ان (آیات) کو سنا ہی نہیں ہے تو ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے اور وہ جب ہماری آیتوں قرآن میں سے کسی آیت کی خبر پالیتا ہے تو اس کا مذاق بنالیتا ہے یہی ہیں وہ دروغ گو جن کے لئے اہانت آمیز عذاب ہے ان کے آگے جہنم ہے اس لئے کہ وہ دنیا میں ہیں، مال و اعمال میں سے انہوں نے جو کچھ بھی کمایا ان کو کچھ فائدہ نہ دے گا اور نہ وہ (کچھ کام آئیں گے) جن بتوں کو اللہ کے سوا کارساز بنا رکھا تھا اور ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے یہ یعنی قرآن سرتاپا گمراہی سے ہدایت ہے اور جن لوگوں نے اپنے رب کی آیتوں کو نہ مانا ان کے لئے دردناک عذاب کا حصہ ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: تَنْزِيْلُ الكِتَابِ مبتداء ہے اور من اللّٰه کائن کے متعلق ہو کر اس کی خبر ہے العزیز الحکیم یہ دونوں اللہ کی صفات ہیں جیسا کہ مفسر علام نے اشارہ کیا ہے، اور یہ بھی درست ہے کہ تنزیل الکتاب، هذا مبتداء محذوف کی خبر ہو اور من اللّٰه تنزیل کے متعلق ہو۔

قَوْلُهُ: لآیاتٍ، آیات اِنَّ کا اسم ہونے کی وجہ سے منصوب ہے کسرہ کے ساتھ یہ باتفاق قراء ہے، لیکن آئندہ آنے والی آیاتٌ لقومٍ یوقنون اور آیاتٌ لقوم یَعْقِلونَ ان میں رفع اور نصب دونوں قراءتیں ہیں، رفع تو اس لئے کہ آیات مبتداء مؤخر ہے اور فِی خلقکم خبر مقدم ہے اور نصب اس لئے کہ آیات معطوف ہے آیات اول پر جو کہ وہ اِنَّ کا اسم ہے اور فی خلقکم معطوف ہے فی السمٰوٰت والارض پر جو کہ اِنّ کی خبر واقع ہے، اس میں عامل واحد کے دو معمولوں پر عطف ہے جو بالاتفاق جائز ہے۔ (صاوی)

قَوْلُهُ: وَخَلْقِ مَا یَبُثُّ شارح علام نے خَلْق مضاف مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ اس کا عطف خَلْقِکُمْ پر ہے یہ بھی درست ہے کہ ما یَبُثُّ کا عطف خلقکُم کی کُمْ ضمیر مجرور پر ہو مگر یہ ان لوگوں کے نزدیک جائز ہوگا جو ضمیر مجرور پر بغیر اعادهٔ جار کے عطف جائز کہتے ہیں۔

قَوْلُهُ: وفی اختلاف اللیل والنهار، فی کو ظاہر کر کے اشارہ کر دیا کہ یہاں فِی مقدر ہے جیسا کہ قراءت شاذہ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ (صاوی)

قَوْلُهُ: تلك آیاتٌ مبتداء خبر ہیں اور نَتْلُوها حال۔

قَوْلُهُ: لَا یُؤمنون سے اشارہ کر دیا کہ فَبِاَیِّ حدِیْثٍ میں ہمزہ استفہام انکاری ہے۔

قَوْلُهُ: وَیْلٌ عذاب اور جہنم کی وادی دونوں معنی میں مستعمل ہے۔

قَوْلُهُ: کَاَنْ لم یَسْمَعْها کَاَنْ اصل میں کَاَنَّ تھا یہ مخففہ عن المثقلہ ہے، ضمیر شان محذوف ہے، ای کَاَنَّهٗ اور جملہ یا تو مستانفہ ہے یا حال ہے۔ (صاوی)

قَوْلُهُ: اِتَّخذها هُزُوًا.

سُؤَالٌ: اِتَّخَذَها کی ضمیر شیئًا کی طرف راجع ہے جو کہ مذکر ہے لہٰذا اس کی طرف ضمیر مؤنث لوٹانا صحیح نہیں ہے۔

جَوَابٌ: معنی کے اعتبار سے مؤنث کی ضمیر لوٹانا درست ہے اس لئے کہ شیئًا سے مراد آیت ہے۔

دُوسرا جَوَابٌ: آیاتنا کی طرف لوٹانا بھی درست ہے۔

قَوْلُهُ: ای امامهم اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وراء امام اور خلف دونوں معنی میں مستعمل ہے۔

تَفْسِیر وَتَشْرِیح

بالاتفاق یہ سورت مکی ہے، صرف ایک قول یہ ہے کہ آیت قل للذین آمنوا یَغْفِرُوا للذین لَا یَرجُوْنَ مدنی ہے، اس سورت کے تین نام ہیں، ① جاثیة ② شریعة ③ الدهر (اتقان) یہ تینوں اشیاء اس سورت میں مذکور ہیں، یہ اسماء اسم الکل باسم الجزء کے قبیل سے ہیں۔

شانِ نزول:

قل للذين امنوا الخ حضرت عمر بن الخطاب کے بارے میں نازل ہوئی ایک مشرک نے ان کو مکہ میں گالی دی، حضرت عمر نے چاہا کہ اس سے انتقام لیں، تو مذکورہ آیت نازل ہوئی پھر اس آیت کا حکم اقتلوا المشركين سے منسوخ کر دیا گیا۔

اس سورت کا مضمون بھی دیگر مکی سورتوں کی طرح عقائد کی اصلاح ہے چنانچہ اس سورت میں توحید، رسالت اور آخرت کے عقائد ہی کو مختلف طریقوں سے مدلل کیا گیا ہے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ بڑی خرابی ہوگی اس شخص کے لئے جو جھوٹا اور نافرمان ہو۔

شانِ نزول:

اس آیت کے شانِ نزول میں متعدد روایات ہیں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی اور بعض میں ہے کہ حارث بن کلدہ کے بارے میں نازل ہوئی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی، مفہوم قرآن کو سمجھنے کیلئے کسی ایک شخص کی تعیین کی ضرورت نہیں كُلّ کا لفظ بتا رہا ہے کہ آیت کے پس منظر میں خواہ یہ تینوں اشخاص ہوں، لیکن مراد وہ شخص ہے جو ان جیسی صفات کا حامل ہو۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ السُّفُنُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ بِاِذْنِه وَلِتَبْتَغُوْا تَطْلُبُوا بِالتِّجَارةِ مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ⑫ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ مِن شمسٍ وقمرٍ ونجمٍ وماءٍ وغيرِه وَمَا فِی الْاَرْضِ من دَابَّةٍ وشجرٍ ونباتٍ وأنهارٍ وغيره اى خلقَ ذلك لمنافعهم جَمِیْعًا تاكيدٌ مِّنْهُ حالٌ اى سَخَّرَها كائنةً منه تعالٰى اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ⑬ فيها فيؤمنونَ قُلْ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَغْفِرُوْا لِلَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ يخافونَ اَیَّامَ اللّٰهِ وَقَائِعَهُ أي اغفِروا لِلكُفّارِ مَا وَقعَ منهم منَ الاذى لكم وهذا قبلَ الامر بجهادِهِم لِیَجْزِیَ اى اللّٰهُ وفى قراءةٍ بالنُّون قَوْمًا بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ⑭ مِنَ الغفرِ لِلكُفّار أذاهم مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ عَمِلَ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْهَا أساءَ ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ⑮ تَصِيرونَ فيُجازِى المُصْلِحَ والمُسيءَ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْكِتٰبَ التورٰةَ وَالْحُكْمَ بِهٖ بَيْنَ النَّاسِ وَالنُّبُوَّةَ لِمُوسٰى وهارونَ منهم وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ الحلالاتِ كالمَنِّ والسَّلوٰى وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ⑯ عَالَمِي زَمَانِهِم العُقَلاءِ وَاٰتَیْنٰهُمْ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ أمرِ الدين مِنَ الحلالِ والحرامِ وبعثةِ محمّدٍ عليه أفضلُ الصّلوة والسّلام فَمَا اخْتَلَفُوْۤا فى بِعْثَتِه اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ اى لبغيٍ

حدث بَينهم حسدًا له اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ يا محمدُ عَلٰى شَرِيْعَةٍ طريقةٍ مِّنَ الْاَمْرِ امرِ الدين فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾ في عبادةِ غيرِ اللهِ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا يدفعوا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ من عذابه شَيْـًٔا وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ الكافرين بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹﴾ المؤمنين هٰذَا القراٰنُ بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ معالمُ يتبصّرُونَ بها في الاحكامِ والحُدودِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ بالبعثِ اَمْ بمعنى همزةِ الانكار حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا اكتسبُوا السَّيِّاٰتِ الكفرَ والمعاصي اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً خبرٌ مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ مُبتدأٌ ومعطوفٌ والجملة بدلٌ من الكافِ والضميران لِلكُفَّار المعنى اَحَسِبُوْا اَنْ نجعلَهم في الاٰخرةِ في خيرٍ كالمؤمنينَ اي في رَغَدٍ مِنَ العيشِ مُساوٍ لِعَيْشِهِمْ في الدُّنيا حيثُ قالوا لِلمؤمنينَ لَئِن بُعِثْنَا لنُعْطَى مِنَ الخَيرِ مِثْلَ ما تُعْطَوْنَ قال تعالٰى على وَفْقِ انكارِه بالهمزةِ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۲۱﴾ اي لَيسَ الامرُ كذٰلك فهُم في الاٰخرةِ في العذابِ على خلافِ عيشِهم في الدُّنيا والمؤمنونَ في الاٰخرةِ في الثَّوابِ بعَملِهم الصَّالحاتِ في الدُّنيا مِنَ الصَّلاةِ والزَّكوةِ والصِّيامِ وغيرِ ذٰلك وما مصدريَّةٌ اي بِئسَ حكمًا حكمُهم هٰذا.

ع ۱۸

ترجمہ: اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے دریا کو تابع کر دیا تا کہ اس میں اس کے حکم اجازت سے کشتیاں چلیں اور تم تجارت کے ذریعہ اس کا فضل تلاش کرو اور تا کہ تم شکر بجالاؤ شمس وقمر ستارے اور پانی وغیرہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جانور اور درخت اور گھاس اور نہریں وغیرہ جو کچھ زمین میں ہے اس نے اپنی طرف سے سب کو تمہارے تابع کر دیا یعنی مذکورہ چیزوں کو اس نے انسانوں کے نفع کے لئے پیدا فرمایا جمیعًا تاکید ہے، اور مِنْهُ حال ہے یعنی ان چیزوں کو تابع کر دیا حال یہ ہے کہ یہ اس کی طرف سے ہے، بلاشبہ اس تابع کرنے میں ان لوگوں کے لئے جو ان میں غور (وفکر) کریں بہت سی نشانیاں ہیں کہ ایمان لے آئیں، آپ ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ ان لوگوں سے درگذر کریں جو اللہ کے دنوں واقعات سے خوف نہیں رکھتے یعنی کفار کی جانب سے جو تم کو تکلیف پہنچی اس کو معاف کر دیں اور یہ ان کو جہاد کا حکم دینے سے قبل کا حکم ہے تا کہ اللہ (مومن) قوم کو ان کے عمل کا اچھا بدلہ دے یعنی کافروں کی ایذا رسانی کو معاف کرنے کا بدلہ، جو نیکی کرے گا وہ اپنے ہی نفع کے لئے کرے گا، اور جو برے عمل کرے گا اس کا وبال اسی پر ہے پھر تم کو تمہارے رب کی طرف لوٹایا جائے گا تا کہ وہ نیکوکار وبدکار کو بدلہ دے اور یقیناً ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب تورات، اور حکمت کہ جس کے ذریعہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں اور انہیں میں سے موسیٰ وہارون کو نبوت دی تھی اور ہم نے ان کو پاکیزہ حلال روزی دی تھی جیسا کہ من وسلویٰ اور ہم نے ان کو ان کے زمانہ کے اہل جہان عقلاء پر فضیلت دی تھی اور ہم نے ان کو دین کے معاملہ میں یعنی حلال اور حرام اور بعثت محمد ﷺ کے بارے میں واضح اور صاف دلیلیں دیں تھیں، پھر انہوں نے علم آنے کے بعد ہی محمد ﷺ کی بعثت کے

بارے میں اختلاف کیا بوجہ آپس کی ضد اضدی کے یعنی اس عداوت کے باعث جو ان کے درمیان محمد ﷺ سے حسد کی وجہ سے پیدا ہوئی، جن چیزوں میں یہ اختلاف کر رہے ہیں تیرا رب ان کے درمیان قیامت کے دن (عملی) فیصلہ کر دے گا پھر ہم نے اے محمد ﷺ آپ کو دین کے ایک خاص طریقہ پر کر دیا سو آپ اسی طریقہ پر چلتے رہئے، اور غیر اللہ کی عبادت کے معاملہ میں ان جہلاء کی خواہشوں پر نہ چلئے (یاد رکھئے) کہ یہ لوگ آپ سے اللہ کے عذاب کو ہرگز دفع نہیں کر سکتے اور (سمجھ لیں) کہ ظالم کافر لوگ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہوتے ہیں اور پرہیزگاروں مومنین کا کارساز اللہ ہے اور یہ قرآن لوگوں کے لئے بصیرت اور ہدایت ورحمت ہے بعث (بعد الموت) پر ایمان رکھنے والوں کے لئے کیا ان لوگوں کا جو بدی کفر ومعاصی کا ارتکاب کرتے ہیں یہ خیال ہے کہ ہم ان کو ان جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے کہ ان کا جینا مرنا یکساں ہو جائے (اَمْ) ہمزۂ انکار کے معنی میں ہے سواء خبر (مقدم) ہے، اور مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ مبتداء ومعطوف ہے، اور جملہ کاف سے بدل ہے، اور دونوں ضمیریں کافروں کے لئے ہیں (آیت کے) معنی یہ ہیں کیا یہ کافر یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کو آخرت میں خیر میں مومنین کے مانند کر دیں گے یعنی عیش کی خوشگواری میں کہ ان کے عیش کے مساوی ہو گا دنیا میں، اس لئے کہ انہوں نے مومنین سے کہا تھا کہ اگر (بالفرض) ہم کو زندہ کیا گیا تو ہم کو ایسی ہی خیر عطا کی جائے گی جیسی کہ تم کو عطا کی جائے گی، ہمزہ کو انکاری ماننے کی صورت میں فرمایا برا ہے وہ فیصلہ جو وہ کر رہے ہیں یعنی بات ایسی نہیں وہ تو آخرت میں اپنے دنیوی عیش کے برخلاف عذاب میں ہوں گے اور مومن آخرت میں اپنے دنیا میں کئے گئے اپنے اعمال صالحہ مثلاً نماز، زکوٰۃ، روزہ وغیرہ ذلک کے بدولت ثواب میں ہوں گے (مَا يَحكمُونَ) میں ما مصدریہ ہے یعنی ان کا یہ فیصلہ نہایت برا ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلَهُ: وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِنْهُ واو عاطفہ ہے اس جملہ کا عطف سابقہ جملے پر ہے۔

قِوْلَهُ: جمیعًا، ما سے حال ہے اور مِنْهُ سَخَّرها کی ضمیر سے حال ہے ای سَخَّرَهَا كائِنَةً مِنْهُ تعالیٰ علامہ محلی نے جمیعاً کو ما موصولہ کی تاکید قرار دیا ہے جو کہ سخّرَ کا مفعول ہے، غالباً یہ علامہ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالىٰ کا وہم ہے اگر جمیعاً ما موصولہ کی تاکید ہوتی تو جَمِيْعَهُ کہا جاتا، علامہ محلی نے غالباً اس میں ابن مالک کا اتباع کیا ہے اسکے علاوہ جمیعاً کے ذریعہ تاکید قلیل الاستعمال ہے، لہٰذا قرآن کو اس پر محمول کرنا بہتر نہیں ہے۔

قِوْلَهُ: مِنْهُ حال ہے ای سَخَّرَهَا كائِنَةً مِنْهُ تعالیٰ. (اعراب القرآن)

قِوْلَهُ: لِيَجزِى قَوْمًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُوْنَ مذکورہ جملہ عفو ودرگذر کرنے کی علت ہے، اور قومًا سے مراد قوم مومن ہے اور

مَا كَانُوا يَكْسِبُوْنَ سے مراد درگذر کرنے اور معاف کرنے کا عمل ہے، مطلب یہ ہے کہ کفار کی جانب سے ایذاء رسانی کو درگذر کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن درگذر کرنے والے مومنوں کو اچھا بدلہ دے مگر یہ حکم جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔

آیت کے دوسرے معنی:

قوماً سے مراد کفار ہیں اور ما کسَبُوْا سے مراد مشرکین کے وہ کرتوت اور نازیبا حرکتیں ہیں، جو وہ مؤمنین کے ساتھ ایذاء رسانی کی شکل میں کرتے تھے، اور جزاء سے مراد سزا ہے، مطلب یہ ہے کہ اے مومنو! تم انتقام اور بدلہ لینے کی کوشش نہ کرو بلکہ ہم خود ان سے انتقام لے لیں گے، اول معنی راجح ہیں۔ (فتح القدير)

قِوْلُهُ: قُلْ لِلذين آمَنُوا يَغْفِرُوا قُلْ کا مقولہ جو کہ اغفرُوْا ہے جواب امر یعنی يَغْفِرُوْا للذين کے دلالت کرنے کی وجہ سے محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے قُلْ لَهُمْ اِغْفِروا يَغْفِرُوا اور لِيَجْزِيَ امر مقدر اغفروا کی علت ہے علامہ محلی نے مَا كَانُوا يكسِبُوْنَ کی تفسیر مِنَ الغَفْرِ لكفار اَذاهُمْ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ اول معنی راجح ہیں۔

قِوْلُهُ: وَلَقَدْ اٰتَيْنا بنى اِسْرائِيلَ الكتابَ بنی اسرائیل کی تین کتابیں ہیں زبور، تورات، انجیل مگر ان میں چونکہ تورات اصل ہے جو دیگر کتابوں سے کفایت کرتی ہے، اس لئے یہاں تورات پر اکتفا کیا ہے۔

قِوْلُهُ: العُقلاء مناسب ہوتا اگر مفسر رَحِمَهُ اللهُ تَعَالىٰ العُقلاء کے بجائے الثقلين کہتے، اس لئے کہ العقلاء میں ملائکہ بھی داخل ہیں حالانکہ ملائکہ کتب سماویہ کے مکلّف نہیں ہیں، بیضاوی کی عبارت وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى العٰلمِين حيثُ اٰتيناهُمْ مَا لَمْ نؤته احدًا غيرهم قاضی بیضاوی کے قول حيث اٰتَيْناهم الخ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عالمی زمانهم کی بھی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ مراد ان فضائل میں خصوصیت کو بیان کرنا ہے جو واقعۃً دوسروں کو حاصل نہیں تھیں اور جزوی فضیلت سے کلی فضیلت ثابت نہیں ہوتی، مثلاً بنی اسرائیل میں انبیاء کا بکثرت ہونا، دریا کا پھٹ کر راستہ دینا، ان کے دشمن فرعون کا غرق ہونا، من وسلویٰ کا نازل ہونا اور ایک پتھر سے بارہ چشموں کا جاری ہونا، اس سے معلوم ہوا کہ اجر وثواب کے اعتبار سے فضیلت مراد نہیں ہے۔ (جمل ملخصًا)

قِوْلُهُ: وبعثة محمد اس کا عطف الدين پر ہے اى امرُ بعثةِ محمد.

قِوْلُهُ: لِبَغْيٍ حَدَثَ اس میں دو باتوں کی طرف اشارہ ہے اول یہ کہ بَغْيًا اختلاف کی علت ہے اور دوسرے یہ کہ بنی اسرائیل کے درمیان اختلاف کا سبب ان کی آپس کی ضد اور ہٹ دھرمی تھی۔

قِوْلُهُ: هٰذا بَصائر للناس.

سَوَال: هٰذا مبتداء ہے جو کہ واحد ہے اور بصائر جمع ہے دونوں میں مطابقت نہیں ہے۔

جَوَابُ: هٰذا سے مراد آیات متعددہ اور براہین مختلفہ ہیں، اس لئے معنی کے اعتبار سے مبتداء وخبر میں مطابقت ہے۔

قَوْلُہٗ: فی عبادۃِ غیر اللّٰہ اس کا تعلق لَا تَتَّبِعُوْا سے ہے۔

قَوْلُہٗ: مَعَالِمُ، مَعْلَمٌ کی جمع ہے اس نشان کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ راستہ کی طرف رہنمائی حاصل کیجاتی ہے یعنی یہ آیتیں احکام کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔

قَوْلُہٗ: الَّذِیْن اجترَحُوا السیئات ، حسب کا فاعل ہے اور جملہ اَنْ نجعلھم الخ حسِبَ کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔

قَوْلُہٗ: سَوَاءٌ رفع کے ساتھ مَحْیَاھُمْ ومَماتُھم مبتداء کی خبر مقدم ہے اور کسائی نے سواءً کو کالذین آمنوا میں ضمیر مجرور سے حال واقع ہونے کی وجہ سے نصب کے ساتھ پڑھا ہے، یا اس لئے منصوب ہے کہ حسِبَ کا مفعول ثالث ہے، اور بعض حضرات نے نجعلھم کے مفعول سے بدل الاشتمال واقع ہونے کی وجہ سے منصوب پڑھا ہے۔

قَوْلُہٗ: لیس الامر کذٰلك اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اَمْ حَسِبَ میں ہمزہ استفہام انکار کے لئے ہے مناسب یہ تھا کہ مفسر علام لیس الامر کذٰلك کو ساء ما یَحْکُمونَ پر مقدم کرتے، اس لئے کہ یہ جملہ اسی سے مربوط ہے۔

قَوْلُہٗ: مَا مصدریة، بئس ما یحکمون میں ما مصدریہ ہے اور ما یحکمون حکمُھُمْ کے معنی میں ہے اور بئسَ کا فاعل ہے جو کہ ظاہر ہے مگر جب فاعل ظاہر ہوتا ہے تو پھر تمیز نہیں ہوتی، شارح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا بئسَ حکمًا کہنا، یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حکمًا تمیز ہے اور جب تمیز ہوتی ہے تو فاعل مستتر ہوتا ہے جو ما کے مصدریہ ہونے کے منافی ہے ابن عطیہ نے کہا ہے کہ ما مصدریہ ہے ای ساء الحکم حکمھم اس صورت میں الحُکْمُ فاعل ہے اور حُکمھم مخصوص بالذم۔

(جمل)

تفسیر وتشریح

اَللّٰہُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَکُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ بِاَمْرِہٖ (الآیة) یعنی سمندر کو ایسا بنایا کہ تم کشتیوں کے ذریعہ اس پر سفر کرسکو، سمندروں اور دریاؤں میں کشتیوں کا چلنا یہ تمہارا کمال نہیں یہ اللہ کا حکم اور اس کی مشیت ہے ورنہ اگر وہ چاہتا تو سمندر کی موجوں کو اتنا سرکش بنادیتا کہ کوئی کشتی اور جہاز ان کے سامنے ٹھہر ہی نہ سکتا، جیسا کہ کبھی کبھی وہ اپنی قدرت کے اظہار کے لئے ایسا کردیتا ہے، اگر مستقل طور پر موجوں کی طغیانیوں کا یہی عالم رہتا تو تم کبھی بھی سمندروں میں سفر کرنے کے قابل نہ ہوتے۔

وَلِتبتغوا من فضله قرآن کریم میں فضل تلاش کرنے سے عموماً کسب معاش کی جدوجہد مراد ہوتی ہے، یہاں اس کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ تمہیں سمندر میں کشتی رانی پر اس لئے قدرت دی گئی تاکہ اس کے ذریعہ تم تجارت کرسکو۔

قُلْ لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا یَغْفِرُوْا لِلَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ اَیَّامَ اللّٰہِ آپ ایمان والوں سے فرمادیجئے کہ ان لوگوں سے درگذر کریں

جو اللہ تعالیٰ کے معاملات کا یقین نہیں رکھتے۔

شان نزول:

اس آیت کے شان نزول میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ مکہ مکرمہ میں کسی مشرک نے حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ پر دشنام طرازی کی تھی، حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے اس کے بدلے میں اس کو کچھ تکلیف پہنچانے کا ارادہ فرمایا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی اس روایت کے مطابق یہ آیت مکی ہے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ غزوۂ بنو مصطلق کے موقع پر آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ نے مریسیع نامی ایک کنوئیں کے قریب پڑاؤ ڈالا، منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی بھی مسلمانوں کے ساتھ قافلہ میں شامل تھا، اس نے اپنے غلام کو کنوئیں سے پانی لانے کے لئے بھیجا، اسے واپسی میں تاخیر ہوگئی، عبداللہ بن ابی نے وجہ معلوم کی تو اس نے کہا کہ حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کا ایک غلام کنوئیں کے کنارے بیٹھا ہوا تھا، اس نے اس وقت تک کسی کو پانی بھرنے کی اجازت نہیں دی جب تک کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر کے مشکیزے نہیں بھر گئے، اس پر عبداللہ بن ابی نے کہا کہ ہم پر اور ان لوگوں پر تو وہی مثل صادق آتی ہے **سَمِّنْ كَلْبَكَ يا كلكَ** اپنے کتے کو فربہ کرو تو وہ تم کو کھا جائے گا، حضرت عمر کو جب یہ اطلاع ملی تو تلوار سونت کر عبداللہ بن ابی کی طرف چلے، اس پر آیت نازل ہوئی، اس روایت کے اعتبار سے یہ آیت مدنی ہے۔ (قرطبی، روح المعانی، معارف)

ان روایتوں کی اسناد اگر تحقیق سے صحیح ثابت ہوں تو دونوں میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ دراصل یہ آیت مکہ میں نازل ہو چکی تھی پھر جب غزوۂ بنی مصطلق کے موقع پر اسی سے ملتا جلتا واقعہ پیش آیا تو آنحضرت نے اس آیت کو اس موقع پر بھی تلاوت فرما کر اس واقعہ کو اس پر منطبق فرمایا، اور شان نزول کی روایات میں ایسا بکثرت ہوتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ غزوۂ بنی مصطلق کے موقع پر یہ آیت دوبارہ یاد دہانی کے طور پر نازل ہوئی ہو، اس کو اصول تفسیر میں نزول مکرر کہتے ہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بني اسرائيل ''کتاب'' سے مراد تورات، ''حکم'' سے مراد حکومت و بادشاہت یا فہم و قضاء کی صلاحیت ہے جو لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے ضروری ہے۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ علىٰ شريعة من الامر ''شریعۃ'' کے لغوی معنی ہیں راستہ، ملت اور منہاج، شاہراہ، پس شریعت سے یہاں مراد وہ دین ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کے لئے مقرر فرمایا ہے تاکہ لوگ اس پر چل کر اللہ کی رضا کا مقصد حاصل کرلیں، یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ دین اسلام کے کچھ تو دینی عقائد ہیں، مثلاً توحید و آخرت وغیرہ، اور کچھ عملی زندگی سے متعلق احکام ہیں، جہاں تک اصول عقائد کا تعلق ہے وہ تو ہر نبی کی امت میں یکساں رہے ہیں، ان میں کبھی ترمیم نہیں ہوتی، البتہ عملی احکام مختلف انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَامُ کی شریعتوں میں اپنے اپنے زمانے کے لحاظ سے بدلتے رہے ہیں، آیت شریفہ میں انہی دوسری قسم کے احکام کو دین کے ایک خاص طریقہ سے تعبیر کیا ہے۔ (معارف)

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ مُتعَلِّقٌ بخَلَقَ لِيَدُلَّ على قُدرتِهِ ووحدانيَّتِه وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ مِن المعَاصِي والطاعات فلاَ يُساوى الكافِرُ المؤمِنَ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ اَفَرَءَيْتَ اَخبِرْنِي مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ما يَهواهُ مِن حَجرٍ بَعْدَ حَجرٍ يَراهُ اَحسَن وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ منه تعالى اى عَالمًا بِاَنَّهُ مِن اَهلِ الضَّلالةِ قبلَ خَلقِهِ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ فلَمْ يَسمع الهدىٰ ولم يَعْقِله وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ظُلمةً فلَمْ يَبصر الهدىٰ ويُقدَّرُ هٰهنا المفعولُ الثانِي لِرَاَيْتَ اى اَيَهتدِىْ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ اى بَعدِ اِضْلالِهِ اِيّاهُ اى لا يَهتدِى اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ تتعِظُونَ فيه اِدغامُ احدىٰ التّائينِ فى الذَّالِ وَقَالُوْا اى مُنكِرُوا البَعثِ مَا هِيَ اى الحَيٰوةُ اِلَّا حَيَاتُنَا التى فى الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا اى يَموتُ بَعضٌ ويَحيٰى بَعْضٌ بِاَنْ يُولَدُوا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ اى مُرورُ الزَّمانِ قالَ تعالىٰ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ المقولِ مِنْ عِلْمٍ اِنْ ما هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۝ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا مِن القراٰنِ الدَّالَّة على قُدرتِنا على البَعثِ بَيِّنٰتٍ واضِحاتٍ حالٌ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّا اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اَحياءً اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ اَنَّا نُبعَثُ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ حِينَ كُنتُمْ نُطفًا ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ احياءً اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ شكَّ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ وهُمُ القائِلونَ ما ذُكِرَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ: آسمانوں اور زمینوں کو اللہ تعالیٰ نے حکمت کے ساتھ پیدا فرمایا بالحقِّ، خلقَ کے متعلق ہے تا کہ اس کی قدرت اور وحدانیت پر دلالت کرے اور تا کہ ہر شخص کو اس کے کئے ہوئے کام کا خواہ از قبیل معاصی ہو یا از قبیل طاعات پورا پورا بدلہ دے تو کافر اور مومن برابر نہ ہوں گے اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا، بھلا بتاؤ تو کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہشات ہی کو معبود بنا رکھا ہے یعنی جس پتھر کو یکے بعد دیگرے پسند کرتا ہے (معبود بنالیتا ہے) اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے علم (ازلی) کے مطابق گمراہ کر دیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس کی پیدائش سے پہلے ہی جانتا ہے کہ وہ اہل ضلالت میں سے ہے اور اس کے کان اور دل پر مہر لگادی ہے جس کی وجہ سے اس نے ہدایت کو نہ سنا اور نہ سمجھا اور اس کی آنکھ پر بھی پردہ ڈالدیا ہے جس کی وجہ سے ہدایت کو نہیں دیکھ سکتا یہاں رأیتَ کا مفعول ثانی أیھدی مقدر ہے اب ایسے شخص کو اللہ کے سوا کون ہدایت دے سکتا ہے؟ یعنی اللہ تعالیٰ کے اس کو گمراہ کرنے کے بعد (کون ہدایت دے سکتا ہے؟) یعنی کوئی ہدایت نہیں دے سکتا، کیا اب بھی تم نصیحت حاصل نہیں کرتے، اس میں دو تاؤں میں سے ایک کا ذال میں ادغام ہے، اور منکرین بعث نے کہا ہماری زندگی تو صرف وہی زندگی ہے جو دنیا میں ہے، ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں یعنی ایک مرتا ہے تو دوسرا جیتا ہے، بایں طور کہ پیدا ہوتا ہے اور ہمیں صرف زمانہ ہی مارتا ہے یعنی اس کا مرور اللہ تعالیٰ نے فرمایا انہیں اس بات کا کچھ علم نہیں یہ صرف اٹکل سے کام لیتے ہیں، اور جب ان

کے سامنے ہماری واضح آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے یعنی قرآنی آیتوں کی جو ہماری قدرت علی البعث پر دلالت کرتی ہیں تو ان کے پاس اس بات کے سوا کوئی دلیل نہیں ہوتی کہ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ ہم کو زندہ کیا جائے گا تو ہمارے باپ دادوں کو زندہ کر لاؤ (بینات) حال ہے آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی تمہیں زندہ کرتا ہے جبکہ تم (بے جان) نطفے تھے پھر تم کو موت دے گا، پھر تم کو قیامت کے دن زندہ کر کے جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں لیکن اکثر لوگ جو مذکور کے قائل ہیں نہیں سمجھتے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلَہُ: اَفَرَأَیْتَ، اخبرنی اس میں سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا ہے اس لئے کہ رویت، سببِ اخبار ہے، لہٰذا رویت سبب اور اخبار اس کا مسبب اور اطلاق از قبیل مجاز ہے، اور استفہام بمعنی امر ہے، اور جامع طلب ہے، اس لئے کہ امر اور استفہام دونوں طلب میں مشترک ہیں۔ (جمل)

قِوْلَہُ: اَضَلَّهُ اللّٰهُ علی عِلْمٍ، علی علم، اَضَلَّهٗ کے فاعل اللہ سے بھی حال ہو سکتا ہے اور ہ ضمیر مفعول سے بھی حال ہو سکتا ہے، مفسر علام نے فاعل سے حال قرار دیکر مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی کی وجہ سے اس کے گمراہ ہونے کو جاننے کی وجہ سے اس کو گمراہ کر دیا، اور جن حضرات نے علی علم کو اَضَلَّهٗ کی ضمیر سے حال قرار دیا ہے، ان کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اس کو اس کی سمجھ بوجھ کے باوجود گمراہ کر دیا، ای اَضَلَّهٗ وھو عالم بالحق اس میں شدید ترین مذمت ہے۔ (جمل)

قِوْلَہُ: وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ المقول، ذٰلك المقول سے منکرین خدا کا قول وما یُهلِكُنا اِلَّا الدَّهر مراد ہے یعنی ان کے پاس اپنے اس قول پر کوئی دلیل نہیں ہے نہ عقلی اور نہ نقلی، بلکہ وہ اٹکل اور اندازے سے باتیں کرتے ہیں۔

تفسیر وتشریح

اَفَرَأَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ (الآیة) بھلا بتایئے کہ وہ شخص جس نے اپنی خواہشاتِ نفسانی کو اپنا معبود بنا لیا، یہ تو ظاہر ہے کہ کوئی کافر بھی اپنی نفسانی خواہشات کو اپنا خدا یا معبود نہیں کہتا، مگر قرآن کریم کی اس آیت نے یہ بتلایا کہ عبادت درحقیقت اطاعت کا نام ہے جو شخص خدا کی اطاعت کے مقابلہ میں کسی دوسرے کی اطاعت اختیار کرے تو وہی اس کا معبود کہلائے گا، مطلب یہ کہ ایسا شخص اسی کو اچھا سمجھتا ہے جس کو اس کا نفس اچھا سمجھتا ہے اور اسی کو برا سمجھتا ہے جس کو اس کا نفس برا سمجھتا ہے یعنی اللہ اور رسول کے احکام کے مقابلہ میں اپنی نفسانی خواہشات کو ترجیح دیتا ہے یا اپنی عقل کو اہمیت دیتا

ہے، حالانکہ عقل بھی ماحول سے متاثر خواہش سے مغلوب اور مفادات کی اسیر ہوکر، خواہش نفس کی طرح غلط فیصلہ کرسکتی ہے، حضرت ابوامامہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ زیر آسمان دنیا میں جتنے معبودوں کی عبادت کی گئی ہے، ان میں سب سے زیادہ مبغوض اللہ کے نزدیک ہوائے نفس ہے، حضرت شداد بن اوس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دانشمند شخص وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور مابعد الموت کے لئے عمل کرے اور فاجر وہ ہے کہ جو اپنے نفس کو اپنی خواہشات کے پیچھے چھوڑ دے، اور اس کے باوجود اللہ سے آخرت کی بھلائی کی تمنا کرے اور بعض حضرات نے اس سے ایسا شخص مراد لیا ہے جو پتھر کو پوجتا تھا، جب اس سے زیادہ خوبصورت پتھر مل جاتا تو وہ پہلے پتھر کو پھینک کر دوسرے پتھر کو معبود بنالیتا۔

وَقَالُوا مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا (الآیة) یہ دہریہ اور اس کے ہمنوا مشرکین مکہ کا قول ہے جو آخرت کے منکر تھے وہ کہتے تھے کہ بس یہ دنیا کی زندگی ہی پہلی اور آخری زندگی ہے اس کے بعد کوئی زندگی نہیں اور اس میں موت وحیات کا سلسلہ محض زمانہ کی گردش کا نتیجہ ہے، جیسے فلاسفہ کا ایک گروہ کہتا ہے کہ ہر چھتیس ہزار سال کے بعد ہر چیز دوبارہ اپنی سابقہ حالت پر لوٹ آتی ہے اور یہ سلسلہ بغیر صانع اور مدبر کے از خود یوں ہی چل رہا ہے، اور چلتا رہے گا، نہ اس کی کوئی ابتداء ہے اور نہ انتہاء، اس کو گروہ دوریہ کہتے ہیں (ابن کثیر) ظاہر بات ہے کہ یہ نظریہ عقل ونقل دونوں کے خلاف ہے، حدیث قدسی میں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ابن آدم مجھے ایذا پہنچاتا ہے زمانہ کو برا بھلا کہتا ہے، حالانکہ میں خود زمانہ ہوں میرے ہی ہاتھ میں تمام اختیارات ہیں، رات دن بھی میں ہی بدلتا ہوں۔

(بخاری شریف تفسیر سورۂ جاثیہ)

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبدلُ منه **يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ**﴿٢٧﴾ الكافرونَ اى يَظهرُ خُسرانُهم بأن يصيروا الى النّار **وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ** اى اَهلَ دينٍ **جَاثِيَةً** على الرُّكَبِ او مُجتمِعةً **كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰى اِلٰى كِتٰبِهَا** كتاب اَعمالِها ويُقال لهم **اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ**﴿٢٨﴾ اى جزاؤه **هٰذَا كِتٰبُنَا** ديوانُ الحفظةِ **يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ** نُثبتُ ونَحفظُ **مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ**﴿٢٩﴾ **فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ** جَنّتِه **ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ**﴿٣٠﴾ البيّنُ الظاهرُ **وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** فيُقال لهم **اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ** القراٰنُ **تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ** تكبّرتُم **وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ**﴿٣١﴾ كافرين **وَاِذَا قِيْلَ** لكم ايُّها الكفّارُ **اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ** بالبعثِ **حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ** بالرّفع والنصب **لَا رَيْبَ** شكّ **فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ اِنْ** ما **نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا** قال المُبرّدُ اَصلُه اِن نحنُ اِلّا نظنُّ ظنًّا **وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ**﴿٣٢﴾ انّها اٰتيةٌ **وَبَدَا** ظهرَ **لَهُمْ** فى الاٰخرةِ **سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا** فى الدُّنيا اى جزاؤها **وَحَاقَ** نزلَ **بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ**﴿٣٣﴾ اى العذابُ **وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ** نترُكُكم فى النّارِ **كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا** اى

ترَكتُمُ العَمَلَ للقائِهِ **وَمَأْوٰكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ** مانعينَ منها **ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ** القراٰنَ **هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا** حتّٰى قُلتُم لا بعثَ ولا حِسابَ **فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ** بالبناءِ لِلفاعلِ والمفعولِ **مِنْهَا** مِنَ النّارِ **وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ** اى لا يُطلَبُ منهم اَنْ يُرْضُوْا رَبَّهُمْ بالتَّوبةِ والطَّاعةِ لِانها لا تنفعُ يَومئذٍ **فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ** الوَصفُ بالجميلِ على وفاءِ وعدِهِ فى المُكذّبين **رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ** خالق ما ذُكِرَ والعالَمُ ما سِوَى اللّٰهِ وجُمِعَ لاختِلافِ انواعِهِ وربّ بَدَلٌ **وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ** العظمةُ **فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** حالٌ اى كائنةً فيهما **وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ** تقدَّمَ.

ترجمہ: آسمانوں اور زمین میں اللہ ہی کی بادشاہی ہے جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن اہل باطل یعنی کافر (یومئذٍ) یوم تقوم السّاعۃُ سے بدل ہے، یعنی (اس دن) ان کا نقصان ظاہر ہوگا، بایں طور کہ وہ جہنم کی طرف جائیں گے آپ دیکھیں گے کہ ہر فرقہ یعنی مذہب والے گھٹنوں کے بل یا اجتماعی طور پر بیٹھے ہوں گے، ہر گروہ کو اپنے اعمال ناموں کی طرف بلایا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا آج تم کو تمہارے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا، یہ ہے ہماری کتاب، حفاظت کرنے والے فرشتوں کا دیوان جو تمہارے حق میں سچ سچ بول رہی ہم تمہارے اعمال لکھواتے اور محفوظ کرتے جاتے تھے پس جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے تو ان کو ان کا رب اپنی رحمت جنت میں داخل کرے گا اور یہی کھلی کامیابی ہے لیکن جن لوگوں نے کفر کیا تو ان سے کہا جائے گا کیا میری آیتیں تمہیں سنائی نہیں جاتی تھیں؟ پھر بھی تم تکبر کرتے رہے اور تم تھے ہی مجرم کافر لوگ اور جب بھی اے کافرو! تم سے کہا جاتا کہ اللہ کا بعث کا وعدہ حق ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شبہ نہیں (الساعۃ) پر رفع اور نصب کے ساتھ تو تم کہتے تھے ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا چیز ہے؟ ہمیں کچھ یوں ہی سا خیال ہوجاتا ہے مُبرّد نے کہا ہے (ما نظنُّ اِلَّا ظَنًّا) کی اصل اِن نحن اِلَّا نظُنُّ ظنًّا ہے لیکن ہمیں یقین نہیں کہ قیامت آنے والی ہے آخرت میں ان پر دنیا میں کئے ہوئے اعمال کی برائیاں ظاہر ہوجائیں گی یعنی اس کی سزا اور جس عذاب کا وہ مذاق اڑا رہے تھے وہی ان پر نازل ہوگیا (ان سے) کہا جائے گا آج ہم تم کو آگ میں چھوڑ کر فراموش کردیں گے جیسے تم نے اپنے اس دن کی ملاقات کو فراموش کردیا تھا یعنی اس دن کی ملاقات کے لئے عمل کو ترک کردیا تھا، اور تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے اور تمہارا مددگار کوئی نہیں یعنی آگ سے بچانے والا (کوئی نہیں) یہ اس لئے کہ تم نے اللہ کی آیتوں قرآن کی ہنسی اڑائی تھی اور دنیا کی زندگی نے تمہیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا، حتی کہ تم نے کہا کہ نہ بعث ہے اور نہ حساب، پس آج کے دن نہ تو یہ دوزخ سے نکالے جائیں گے اور نہ ان سے عذر معذرت قبول کی جائے گی، یعنی ان سے اس بات کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا کہ وہ اپنے رب کو توبہ اور

اطاعت کے ذریعہ راضی کرلیں، اس لئے کہ آج اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا، (یخرجون) معروف اور مجہول دونوں ہیں پس اللہ کی تعریف ہے یعنی اچھی ثنا ہے مکذبین کے بارے میں اپنے وعدہ کے وفا کرنے پر جو آسمانوں اور زمین اور تمام جہانوں کا رب ہے مذکورہ تمام چیزوں کا خالق ہے اور عالَم اللہ کے علاوہ کا نام ہے اور (عالَمین) کو اس کے انواع کے مختلف ہونے کی وجہ سے جمع لایا گیا ہے اور ربِّ (اللہ) سے بدل ہے آسمانوں اور زمینوں میں اسی کی بڑائی ہے (فی السمٰوٰتِ والارضِ) حال ہے یعنی حال یہ ہے کہ وہ عظمت (وکبریائی) آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ غالب ہے اور حکمت والا ہے (اس کی تشریح) سابق میں گذر چکی ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلَهُ: یَوْمَئِذٍ یَخْسرُ المبطلونَ یومَ تقُوْمُ السَّاعَةُ سے بدل برائے تاکید ہے اور یَوْمَ تَقُوْمُ یَخْسَرُ کا ظرف ہے اور یَوْمَئِذٍ میں تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے، تقدیر عبارت یہ ہے یَوْمَ اِذَا تقُوْمُ السَّاعَةُ.

قَوْلَهُ: ای یَظْهَرُ خسرانُهم یہ اس سوال مقدر کا جواب ہے کہ اہل باطل کا خسران علم ازلی میں متعین اور لازم ہے تو پھر اس دن خاسر ہونے کا کیا مطلب ہے؟

جَوَابُ: مبطلین کا خسران اگرچہ روز ازل ہی سے متعین ہے مگر اس کا ظہور اس دن ہوگا کہ جب اس کو جہنم کی طرف لے جائیں گے۔

قَوْلَهُ: جاثِیَةٍ واحد مؤنث غائب زانو پر بیٹھنے والی، گھٹنوں کے بل گرنے والی، جُثُو یاجُثِیٌّ سے، یہاں جاثیةٌ جمع کی جگہ استعمال ہوا ہے جیسے جماعة قائمة.

قَوْلَهُ: نَسْتَنْسِخُ جمع متکلم مضارع (استفعال) ہم محفوظ رکھتے ہیں (ف) سے نسخًا زائل کرنا، بدل دینا، منسوخ کرنا، لکھنا، نقل کرنا۔ (لغات القرآن)

قَوْلَهُ: بالرفع والنصب یعنی اَلسَّاعَةُ پر رفع اور نصب دونوں جائز ہیں رفع مبتداء ہونے کی وجہ سے لا رَیْبَ فیها جملہ ہوکر مبتداء کی خبر، اور نصب اِنَّ کے اسم پر عطف ہونے کی وجہ سے۔

قَوْلَهُ: قال المبرّد اَصلُه اِن نحن اِلَّا نظُنُّ ظنًّا.

سُوَال: ظنًّا مصدر تاکید کے لئے واقع ہوا ہے، اور جو مصدر تاکید کے لئے واقع ہو، تو وہ استثناء مفرغ واقع نہیں ہوسکتا حالانکہ یہاں ظنًّا مصدر استثناء مفرغ واقع ہے اسلئے کہ اس سے ایک ہی شئی کا اثبات اور اسی کی نفی لازم آتی ہے جو جائز

نہیں ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے ما ضَرَبْتُ اِلَّا ضَرَبْتُ اور یہ استثناء الکل عن الکل ہونے کی وجہ سے بالاتفاق ناجائز ہے۔

جَوَابٌ: مفسر علام نے نحن کا اضافہ کر دیا جس کی وجہ سے مستثنیٰ مستثنیٰ منہ سے مغایر ہو گیا، اس لئے کہ نفی کا مورد (مصداق) محذوف ہے اور وہ نحنُ ہے اور اثبات کا مصداق (مورد) نَظُنُّ ظَنًّا ہے کلمہ اِلَّا اگرچہ لفظاً مؤخر ہے، مگر تقدیراً مقدم ہے، آیت سے جو حصر مفہوم ہو رہا ہے اپنے لئے ظن کا اثبات اور ظن کے ماعدا کی نفی ہے اور منجملہ ماعدا میں یقین بھی ہے اور یقین ہی کی نفی مقصود ہے مگر مطلقاً ماعدا الظن کی نفی یقین کی نفی میں مبالغہ کرنے کے لئے ہے، اور یہی وجہ ہے کہ مشرکین نے اپنے قول وَمَا نحنُ بِمُسْتَيْقِنِيْن سے ما نظن اِلَّا ظَنًّا کی تاکید کی ہے۔ (حاشیہ جلالین جمل ملخصًا)

قَوْلُهُ: جزائُها حذف مضاف سے اشارہ کر دیا کہ ظہور سیئات سے مراد ظہور جزاء سیئات ہے، نسیان کی تفسیر ترک سے کر کے اشارہ کر دیا کہ نسیان سے لازم معنی مراد ہیں اس لئے کہ انسان سے نسیان کا گناہ مرفوع ہے اور خدا کے لئے محال ہے اور ترک، نسیان کے لئے لازم ہے۔

قَوْلُهُ: ذٰلِكُمْ بِأَنَّكُمْ ای اَلعذابُ العظیمُ بسبَب انکم اِتخذتم آیاتِ اللّٰه هُزُوًا، ذٰلك کا مرجع عذاب عظیم ہے اور بأنّكُمْ میں باء سببیہ ہے۔

قَوْلُهُ: لا يُسْتَعتَبُوْنَ، استعتابٌ سے جمع مذکر غائب (استفعال) ان سے اللہ کو رضامند کرنے کی خواہش نہیں کی جائے گی، بعض حضرات نے اس کا ترجمہ کیا ہے ان کے عذر قبول نہیں کئے جائیں گے، علامہ محلی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَىٰ نے پہلے معنی مراد لئے ہیں۔

قَوْلُهُ: فی السمٰوٰت والارض، الكبرياءُ سے حال ہے۔

تفسیر و تشریح

وَتَرىٰ كُلَّ اُمَّةٍ جاثِيَةً، جاثِيَةٌ جثوٌّ سے مشتق ہے، جس کے معنی گھٹنوں کے بل بیٹھنے کے ہیں اور حضرت سفیان رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ نے فرمایا جُثُوٌّ اس طرح بیٹھنے کو کہتے ہیں کہ جس میں صرف گھٹنے اور پاؤں کے پنجے زمین پر ٹک جائیں اور اس طرح کی نشست خوف و دہشت کی وجہ سے ہوگی، اور كُلُّ اُمَّةٍ کے لفظ سے ظاہر یہ ہے کہ یہ صورتِ خوف تمام اہل محشر انبیاء و اولیاء مومن و کافر، نیک و بدسب کو پیش آئے گی، اور بعض دوسری آیات و روایات میں جو محشر کے خوف و فزع سے انبیاء و صلحاء کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے یہ اس کے منافی نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ یہ دہشت اور خوف تھوڑی دیر کیلئے انبیاء و صلحاء پر بھی

طاری ہو اور قلیل مدت ہونے کی وجہ سے اس کو نہ ہونے کے حکم میں رکھا گیا ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کل امة سے عام اہل محشر مراد نہ ہوں بلکہ اکثر مراد ہوں جیسا کہ لفظ کل بعض اوقات اکثر کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے، اور بعض حضرات نے جاثیة کے معنی ایسی نشست کے لئے ہیں جیسی نماز میں ہوتی ہے تو پھر وہ اشکال خود ہی ختم ہو جاتا ہے کیونکہ یہ نشست خوف کی نہیں ادب کی نشست ہے۔

هٰذا کتابنا ینطق علیکم بالحق (الآیة) اس کتاب سے مراد وہ رجسٹر ہیں جن میں انسان کے تمام اعمال درج ہوں گے، یہ اعمال نامے انسانی زندگی کے ایسے مکمل ریکارڈ ہوں گے کہ جن میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں ہوگی، انسان ان کو دیکھ کر پکار اٹھے گا مالِ هٰذا الکتاب لَا یغادِرُ صغیرةً و لا کبیرة اِلا احصاها (الکهف) یہ کیسا اعمال نامہ ہے کہ جس نے چھوٹی بڑی کسی چیز کو بھی نہیں چھوڑا سب کچھ ہی تو اس میں درج ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ

آج بتاریخ ١٦ / جمادی الاولیٰ ١٤٢٣ھ

بروز یک شنبہ

بوقت ڈیڑھ بجے دن

مطابق ٢٨ / جولائی ٢٠٠٢ء

جلد پنجم کی تسوید سے فراغت ہوئی۔

محمد جمال سیفی

استاذ دارالعلوم دیوبند